سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
دیوتا
چودھواں حصہ

میں نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، وہ کم بخت ہماری توقع سے کہیں زیادہ ذہین اور مکار ثابت ہو رہی ہے۔"

ایک مقامی باشندے نے آ کر کہا: "جناب! سلیمان موروز کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہم ابھی آ رہے ہیں۔"

وہ چلا گیا۔ میں اتنی دیر سے اعلیٰ بی بی کے دماغ میں تھا۔ سوچ کی لہروں سے گفتگو کر رہا تھا لیکن زبان سے بھی بولتا جا رہا تھا تاکہ سونیا سنتی رہے۔ پھر سونیا نے کہا: "فرہاد، ہمارے سامنے جو شطرنج کی بساط بچھی ہوئی ہے، یہ بازی اب مادام کمپیوٹر سے ہوگی۔ یعنی پرانے دشمن تو پیچھے لگے ہی رہیں گے۔ وہ آج شام تک ضرور اس جزیرے کے چکر لگائیں گے اور اپنے طیارے اور ہیلی کاپٹر یہاں اتارنے کی کوشش کریں گے لیکن مادام کمپیوٹر ہمارا ساتھ بھی دے گی اور ادھر انھیں بھی ناراض نہیں کرے گی۔

یہی مادام کمپیوٹر یہاں کے مسلمانوں کا بھی ساتھ دے رہی ہے اور عنقریب اس جزیرے پر قابض ہونے کے لیے فلپائن کی موجودہ حکومت سے سودے بازی بھی کرے گی۔"

"میں سمجھ گیا۔ ہمیں فوری طور پر ایسی کوئی چال چلنا ہوگی جس سے مادام کمپیوٹر ہمارے متعلق تاریکی میں رہے۔ یہاں کے مقامی باشندوں کے ذریعے ہماری مصروفیات کو نہ سمجھ سکے۔ اس طرح ہم یہ معلوم کر سکیں گے کہ اس قدیم محل کے مطالعے میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ ہمیں اس محل کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔"

ہم اپنے کمرے سے نکل کر سلیمان موروز کے کمرے میں پہنچے، وہاں ایک بڑی سی چوکی پر دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ اس پر پُرتکلف کھانے چُنے ہوئے تھے۔ وہاں کے مخصوص پھل کیلے، ناریل اور اناناس سوئٹ ڈش کے طور پر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے اور سونیا کو وہاں کے مخصوص لباس میں دیکھ کر ان سب کے چہرے کھل اٹھے۔ سلیمان موروز نے کہا: "اس لباس میں تم دونوں خوب جچ رہے ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے ہماری مٹی، ہماری تہذیب اور ہماری ذات سے تمھارا گہرا رشتہ ہے۔"

ہم دسترخوان کے اطراف بیٹھ گئے۔ میں نے کہا: "کوئی رشتہ نہیں ہوتا، تب بھی انسان انسان کے کام آتا ہے۔ بس ہمیں باضمیر ہونا چاہیے۔"

سونیا نے پوچھا: "ہمارے طیارے کے پائلٹ کہاں ہیں؟"

"وہ سو رہے ہیں۔"

میں نے پوچھا: "مادام کمپیوٹر سے آپ کا رابطہ پہلے کس طرح قائم ہوا تھا؟"

"میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔"

سونیا نے پوچھا۔" آپ کی گھر والی ناراض نہیں ہوئی؟"

پہلے تو سلیمان نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد بولا۔" میری گھر والی مر چکی ہے۔ میرا ایک جوان بیٹا ہے۔ وہ اس جزیرے کے شمالی حصے میں مجاہدانہ زندگی گزار رہا ہے۔"

میں نے پوچھا۔" وہ خواب میں کیسی لگی؟"

آں؟ اس نے جھینپ کر مجھے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہیں یہ بھی کوئی مذاق تو نہیں ہے، میں نے کہا۔" وہ خوبصورت تھی یا بدصورت۔ مہربان تھی یا نامہربان؟"

میں نے خواب میں جو کچھ دیکھا، بیدار ہونے کے بعد اچھی طرح یاد نہیں رہا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا جسے دیکھا تھا، وہ کیسی تھی۔ پہلی بار یہ سوچ کر اسے ذہن سے نکال دیا کہ خواب پھر خواب ہوتا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی لیکن جیسے جیسے یہ حقیقت بنتی گئی، میں نے سوچا کہ آخر یہ مادام کمپیوٹر کون ہے؟ کیسی ہے؟ تب مجھے اپنا وہ خواب یاد آیا۔ میں نے دماغ پر بہت زور ڈالا۔ یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ صورت شکل سے کیسی تھی لیکن کچھ یاد نہیں آیا۔

"اس کی باتیں یاد رہی ہوں گی؟"

"یہ کوئی پندرہ دن پہلے کی بات ہوگی۔ میں چار دشمنوں کے نرغے میں تھا۔ ایک جنگل میں چھپتا پھر رہا تھا۔ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ چاروں کس طرف سے حملہ آور ہوں گے۔ میرے پاس ایک ہی ریوالور تھا۔ اس میں صرف تین گولیاں تھیں۔ رات کے دو بجے میں تھک ہار کر ایک سائے میں بیٹھ گیا۔ حالانکہ میں تھکنا نہیں جانتا، میں بہت ضدی ہوں۔ جو بات دماغ میں سما جاتی ہے، اسی پر قائم رہتا ہوں۔ میں ایسی حالت میں کبھی سو نہیں سکتا تھا لیکن اس درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھا تو نیند آنے لگی۔ میں نے نیند کو بھگانے کی کوشش کی۔ اپنے سر کو جھٹک دیا۔ اس کے باوجود مجھے جماہی سی آئی۔ پھر رفتہ رفتہ جانے کیسے سو گیا؟"

میں نے کہا۔" اسی نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے سلایا تھا۔"

"ہاں مانتا ہوں۔ پہلے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں نے اسی جنگل میں بے تکے پن سے سوتے ہوئے اسے خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔" میں تمھاری ہمدرد ہوں، تم پر مہربان ہوں۔ تمھاری ہر آرزو پوری کروں گی۔ دشمنوں کی فکر نہ کرو۔ جب سو کر اٹھو گے تو چار میں سے تین مر چکے ہوں گے۔ چوتھا تمھاری گولی سے مرے گا۔ اپنے ریوالور میں دو گولیاں بچا کر لے جاسکو گے۔"

سونیا نے کہا۔" اور یہی ہوا ہوگا؟"

" جی ہاں۔ بالکل یہی ہوا۔ جب میں سو کر اٹھا تو مجھے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ میں ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ درخت کی آڑ میں آہٹ کو سننے لگا۔ مجھے آواز کی صحیح سمت کا اندازہ ہو گیا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی وہ مجھے نظر آیا۔ میں نے فوراً ہی اس کا نشانہ لیا۔ اور گولی چلادی۔ خواب پورا ہوا تھا لیکن میں چونک کر بیدار ہوا تھا۔ ایسی حالت میں دشمن حواس پر چھا جاتے ہیں۔ عقل کام نہیں کرتی، سمجھ میں نہیں آتا، کون کدھر سے حملہ آور ہونے والا ہے۔ اس وقت وہ خواب یاد نہیں آیا۔ بس میں نے گولی چلائی اور ایک کا کام تمام کر دیا۔ باقی تینوں کا انتظار کرنے لگا لیکن کہیں سے آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں دبے قدموں اپنی بستی کی طرف چلنے لگا۔ جب کچھ فاصلہ طے کر لیا تو ایک دشمن کی لاش پڑی ہوئی نظر آئی۔ میں ٹھٹک گیا۔ اس لمحے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ واقعہ پہلے بھی میری زندگی میں ہو چکا ہے، ایسے ہی میں نے کسی کو گولی ماری ہے اور ایسے ہی کسی دشمن کی لاش اپنے راستے میں پڑی ہوئی دیکھی ہے۔ جب میں آگے بڑھا تو تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر دو لاشیں نظر آئیں۔ یعنی خواب بالکل سچا ہوا تھا۔"

"آپ مادام کمپیوٹر کو کب تک خواب سمجھتے رہے؟"

"پہلی بار خواب سمجھا، دوسری بار وہم۔ دراصل میں کبھی کبھی موڈ میں آ کر بہت زیادہ پی لیتا ہوں۔ دوسرے دن میں نے بہت زیادہ پی لی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نشے کی حالت میں عورت کی طرح بول رہا ہوں۔ میں نے آئینے کے سامنے جا کر دیکھا تو وہ میں ہی تھا۔ میرے آس پاس دور دور تک کوئی عورت نہیں تھی لیکن مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ آئینے میں جو عکس نظر آیا تھا، وہ عکس بول رہا تھا۔ مجھے لگا جیسے میں بھی بول رہا ہوں لیکن عورت کے انداز میں۔ وہ عکس کہہ رہا تھا۔" مسٹر سلیمان مور د تمیں تمھیں مخاطب کر رہی ہوں۔"

میں نے آئینے کے عکس کو گھونسا دکھاتے ہوئے کہا۔" خبردار! مرد ہو، مرد بن کر رہو۔ عورتوں کی طرح بولو گے تو منہ توڑ دوں گا۔"

اس عکس نے کہا۔" میں عورت ہوں اور عورت کی طرح ہی بول رہی ہوں۔"

میں نے مضبوطی سے مٹھی باندھی پھر کہا۔" سلیمان تجھے شرم نہیں آتی، اللہ تعالیٰ نے تجھے مرد بنایا ہے اور تو عورت بننا چاہتا ہے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

" یہ کہتے ہی میں نے ایک زور کا گھونسا آئینے کو رسید کیا، وہ چکنا چور ہو گیا۔ میرا عکس چور چور ہونے کے باوجود قہقہہ لگا رہا تھا بلکہ قہقہہ لگا رہی تھی۔ میں نے گھور کر ٹوٹے ہوئے آئینے کو دیکھا پھر مجھے محسوس ہوا، وہ میرے اندر قہقہہ لگا رہی ہے۔ میں نے اپنے سینے پر ہاتھ پھیرا، اپنے چہرے کو ٹٹولا پھر اپنے سر کو پکڑ لیا وہ میرے سر کے اندر قہقہے لگا رہی تھی۔"

سونیا مسکرا رہی تھی۔ میں نے کہا۔" اس نے قہقہہ لگانے کے بعد جو کچھ کہا ہوگا، وہ آپ کی سمجھ میں نہیں آیا ہوگا کیوں کہ آپ نشے میں تھے۔"

"ہاں، ایسی ہی کوئی بات تھی۔ میں سمجھ رہا تھا، نشے کی زیادتی کی وجہ سے میری کھوپڑی ہل رہی ہے اور میں سمجھ رہا ہوں قہقہے کی وجہ سے ہل رہی ہے۔ بھلا میرے اندر کوئی قہقہہ کیسے لگا سکتا ہے یا لگا سکتی ہے؟"

دوسری صبح ہوش آیا تو میں نے اپنے حالات پر غور کیا۔ میں بہت پیتا ہوں لیکن کبھی بہکتا نہیں ہوں۔ پھر پچھلی رات کیسے بہک گیا تھا، کیوں آئینے کو توڑ دیا تھا اور جانے کیا کچھ محسوس کرتا رہا تھا۔ اسی لمحے میں نے محسوس کیا جیسے کوئی مجھ سے کچھ کہہ رہا ہے۔ میں نے توجہ سے سنا، میرے دماغ کے اندر وہی بول رہی تھی، جس کی آواز میں نے خواب میں سنی تھی۔ جس کی آواز اور ہنسی میں نے پچھلی رات نشے کی حالت میں بھی سنی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔" میں تم پر مرمٹی ہوں۔ تم ایسے قد آور، صحت مند، شاندار جوان ہو جس کے سامنے کوئی بھی عورت دل ہار جانا پسند کرے گی۔ میں تمھیں پسند کرتی ہوں۔

میں نے دونوں ہاتھوں میں اپنی کھوپڑی کو تھام کر سوچا۔ "یہ کیسی آواز ہے۔ میرے سر کے اندر یہ اجنبی آواز کیوں گونج رہی ہے؟"

"میں نے کہا، نا میں بول رہی ہوں اور تم سن رہے ہو، پہلے میں تمھارے خواب میں آئی ۔۔۔ میرے دل نے مجبور کیا تو پچھلی رات بھی آئی مگر تم بہت زیادہ نشے میں تھے۔ تب سے میں تمھارے پاس ہوں۔ اب ہوش میں آئے ہو تو پھر بول رہی ہوں۔"

میں نے سوچا، شاید اس پہاڑی غار کے اندر رہنے سے حبس ہو رہا ہے، طبیعت کچھ بگڑ رہی ہے۔ مجھے کھلی فضا میں جانا چاہیے۔ یہ سوچتے ہی میں اٹھ کر جانا چاہتا تھا مگر میرے پاؤں ... لڑکھڑا گئے، میں اوندھے منہ گر پڑا۔ اس کی آواز پھر سنائی دی۔" میں تم سے باتیں کر رہی ہوں اور تم کترا رہے ہو۔ کیا میں تمھیں اچھی نہیں لگتی ہوں؟"

میں نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔" تم کون ہو، میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ میں نے تمھیں دیکھا نہیں ہے۔ تمھارے اچھے لگنے یا نہ لگنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔"

میرے دماغ میں اس نے ایک سرد آہ بھری پھر کہا۔ "میرا جی چاہتا ہے، میں تمھارے سامنے آجاؤں۔ اپنا روپ دکھاؤں مگر افسوس ایسا نہیں کر سکتی۔"

کیوں نہیں کر سکتیں؟ تم کون ہو؟ اس طرح کیسے بول رہی ہو۔ کیا تم کوئی روح ہو؟"

" اتنی دیر بعد تم نے پہچانا ہے۔"

" مگر تم میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو؟"

" میں نہیں، میری محبت پیچھا کر رہی ہے۔ میرا دل نہیں مانتا کہ میں تمھیں خطرات میں چھوڑ دوں۔ دشمن تمھیں مارنا چاہیں اور میں تماشا دیکھتی رہوں۔ اسی لیے میں نے تمھارے تین دشمنوں کو جنگل میں ہلاک کر ڈالا تھا۔ چوتھے کے متعلق میں نے خواب میں بتا دیا تھا کہ تم اسے گولی سے مار دو گے [illegible] نے وہی کیا۔"

وہ کہہ رہی تھی ا[illegible] تھی۔

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔" ہاں [illegible] تھ ہو چکا ہے۔"

اس نے کہا۔" آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ جب بھی کوئی دشمن تمھاری طرف بڑھے گا، میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ بشرطیکہ تمھارے پاس ایسے وقت موجود رہوں۔ میں بہت مجبور ہوں۔ ایک جگہ قید کر دی گئی ہوں۔ مجھے وہاں سے نجات مل جائے تو میں ساری زندگی تمھارے ساتھ رہوں گی۔ پھر تم پر کبھی کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

میں نے پوچھا۔" تم کہیں قید بھی ہو اور میرے پاس بھی ہو، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

تم شاید یقین نہ کرو، ایک خبیث کالا عمل کرنے والے نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے، میرے جسم کو قید کر دیا ہے۔ اور روح کو آزاد۔ اب میں اپنے جسم میں جانے کے لیے بے قرار ہوں۔ اگر تم میرا ساتھ دو گے تو میں تمھاری ہر مشکل آسان کر دوں گی۔ تمھیں دشمنوں پر غالب آنے کا مواقع فراہم کرتی رہوں گی۔ کوئی دشمن تمھیں زیر نہیں کر سکے گا۔"

" تم کیا چاہتی ہو؟"

" پہلے تم یقین کر لو کہ میں تم سے سچ کہہ رہی ہوں۔ تمھاری محبت میں گرفتار ہوں۔ جس دن میری روح اپنے جسم کو پالے گی، اس دن میں تمھارے پاس چلی آؤں گی۔ اس سے پہلے تم یہاں سے نکلو، اس جزیرے کے کسی بھی حصے میں چلے جاؤ۔ بے شک تم اپنے ساتھ ہتھیار رکھو لیکن میں تمھیں ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں دوں گی۔ دشمن حملہ کریں گے تو میں انھیں نیست و نابود کر دوں گی۔"

سلیمان مور روز اپنی آپ بیتی سنا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا، مادام کمپیوٹر نے اتنا لمبا چکر کیوں چلایا ہے؟ جب میں ماتحو

روم میں تھا تو غسل کرنے کے دوران سلیمان موروز کے دماغ سے سطحی طور پر معلومات حاصل کی تھیں۔ اتنی تفصیل میں نہیں گیا تھا۔ اب خود اس کی زبان سے یہ تفصیلات سن رہا تھا۔ میں نے پوچھا "یہ مادام کمپیوٹر تمہارے ساتھ محبت کا چکر کیوں چلا رہی ہے؟"

اس نے مجھے مسکرا کر دیکھا۔ پھر کہا "اب بھی نہیں سمجھے؟"

"میں اگر سمجھ لیتا تو تم سے نہ پوچھتا۔"

"بھئی اسے سچ مچ محبت ہو گئی ہے۔"

"محبت ہو گئی ہے تو تم اسے مادام کمپیوٹر کیوں کہتے ہو؟"

"یہ تو میں پچھلی رات سے کہہ رہا ہوں۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ سب اسے مادام کمپیوٹر کہتے ہیں۔ اور کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کے ذریعے اس سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ وہ کسی کے دماغ میں نہیں جانا چاہتی۔ کہتی ہے، جس سے محبت ہے صرف اسی کے دماغ میں آؤں گی۔ باقی تمہاری خاطر دنیا والوں سے کمپیوٹر سے گفتگو کروں گی۔"

میں نے پوچھا "کیا وہ تمہارے دماغ میں ابھی موجود ہے؟"

اس نے آنکھیں بند کیں۔ پھر پوچھا "اے جانِ سلیمان! کیا تم میرے دماغ میں موجود ہو؟"

چند سیکنڈ کے بعد اس نے آنکھیں کھول کر کہا "ہاں، وہ موجود ہے"

میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ پہلے چپ رہ کر اس کی سوچ کی لہروں کو محسوس کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ دماغ کے تاریک خانوں میں وہ کہیں چھپ گئی ہوگی۔ میں نے سلیمان موروز سے سوچ کے ذریعے پوچھا "وہ کہاں ہے۔ تمہارے دماغ میں تو نہیں ہے۔"

میرے میزبان نے اسے فلپائنو زبان میں مخاطب کیا۔ وہ زبان میں نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "اے جانِ سلیمان! تم خاموش کیوں ہو۔ فرہاد تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی مجھے ایک اجنبی لہجہ سنائی دیا۔ کیسا میٹھا، مترنم لہجہ تھا لیکن وہ فلپائنو زبان بول رہی تھی جو میرے پلے نہیں پڑ رہی تھی۔ نہ ہی میں اس کے لب و لہجے کو گرفت میں لے سکتا تھا۔ جہاں تک آواز کا تعلق ہے تو اس آواز میں کچھ بناوٹ بھی ہو سکتی تھی۔ اس کی مخصوص آواز نہیں ہو سکتی تھی یوں بھی محض آواز کے ذریعے کسی کے دماغ میں پہنچا نہیں جا سکتا۔

میں نے سلیمان موروز کے دماغ کے ذریعے اس کا ترجمہ سنا۔ وہ کہہ رہی تھی "میرے محبوب! میں تم سے کہہ چکی ہوں صرف تمہارے دماغ میں آؤں گی۔ صرف تم سے گفتگو کروں گی۔ پلیز اپنے مہمان سے کہو، تمہارے دماغ سے چلا جائے۔ اس سے گفتگو کرنے کے لیے میں پہلے ہی تمہارے پاس کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر بھیج چکی ہوں۔"

میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ میں نے سونیا سے کہا۔ "آج میں نے پہلی بار مادام کمپیوٹر کی آواز سنی ہے لیکن وہ فلپائنو زبان بول رہی تھی۔"

پھر میں نے اپنے میزبان سے پوچھا "جب میں آپ کے دماغ میں آتا ہوں اور باتیں کرتا ہوں تو آپ مجھے ایک نادیدہ روح کیوں نہیں سمجھتے؟"

اس نے ہنستے ہوئے کہا "جناب! آپ تو میرے سامنے موجود ہیں۔ آپ کو روح کیسے سمجھ سکتا ہوں۔ پھر آپ کی شہرت تو دنیا میں ہر طرف ہے۔ ہم سبھی جانتے ہیں کہ آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے دماغ میں آتے ہیں۔ اب ہر کوئی تو ٹیلی پیتھی کے ذریعے دماغ میں نہیں آ سکتا۔"

"آپ کے پاس اس بات کا کیا جواز ہے کہ مادام کمپیوٹر ایک نادیدہ روح ہے اور وہ ٹیلی پیتھی نہیں جانتی۔"

"اگر وہ ٹیلی پیتھی جانتی تو ہر ایک کے دماغ میں جا کر باتیں کرتی، وہ صرف اور صرف مجھ سے باتیں کرتی ہے۔"

"آپ اس حد تک تعلیم یافتہ ہیں کہ کمپیوٹر کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات تو رکھتے ہوں گے۔ کیا روح کمپیوٹر کو آپریٹ کر سکتی ہے، جیسا کہ مادام کمپیوٹر کہیں دوسری جگہ بیٹھی ہوئی کمپیوٹر اسکرین پر اپنے جوابات ارسال کرتی رہتی ہے۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا "یہ کون نہیں جانتا۔ روح کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ کمپیوٹر تو کیا ایک تنکا بھی نہیں اٹھا سکتی لیکن وہ کسی دوسرے کے ذریعے آپریٹ کرا سکتی ہے اور وہ ایسا ہی کر رہی ہے۔"

"یعنی آپ کی محبت پکی ہے۔ پائے محبت میں لغزش نہیں آ سکتی ہے؟"

اس نے جھینپ کر سونیا کو دیکھا پھر کہا "اب میں وہ واقعات سناتا ہوں جن کے ذریعے مجھے یقین آ گیا کہ وہ صرف میری ہے اور دشمنوں سے میری حفاظت کر رہی ہے۔"

"آپ وہ واقعات نہ سنائیں، ہم ٹیلی پیتھی کے تمام ہتھکنڈے اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

"پلیز مسٹر فرہاد! آپ اسے ٹیلی پیتھی نہ کہیں۔"

"آپ کو دکھ پہنچتا ہے تو نہیں کہوں گا۔ لیکن اس موضوع کو نظر انداز کرنے سے پہلے آخری بات ضرور کہوں گا کہ وہ اس دنیا میں آپ کو کبھی نہیں ملے گی۔ ہاں، آپ کی روح اس کی روح سے شاید مل جائے۔"

کھانا ختم ہو چکا تھا۔ میرے میزبان نے کہا "اس نے مجھے بتایا ہے، آپ کھانے کے بعد چائے یا کافی سے شغل کرتے ہیں۔"

"میں اور سونیا اپنے کمرے میں جا کر کافی پئیں گے۔ اور کچھ ضروری باتیں کریں گے۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے تنہائی چاہتے ہیں۔"

"لیکن جانِ سلیمان نے کہا تھا کہ کھانے کے بعد کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر آپ کے حوالے کر دوں تاکہ آپ اس سے گفتگو کر سکیں۔"

"اپنی جان کو ابھی اپنے پاس رکھیں۔ ہم کافی پینے کے بعد ملاقات کریں گے اور آپ کی جان سے گفتگو بھی کریں گے۔"

ہم وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ ہمارے پیچھے کافی کی ٹرے پہنچ گئی۔ کافی لانے والی باہر چلی گئی۔ ہم نے دروازے کو بند کر دیا تاکہ میں اپنی بات سرگوشی میں کہہ سکوں، اس کمرے کی دیوار کے باہر کوئی ہماری آواز نہ سن سکے۔ میں نے اپنے میزبان کے دماغ سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ہمارے کمرے میں ایسا کوئی آلہ نہیں ہے جس کے ذریعے ہماری گفتگو دوسری طرف سنی جا سکے۔

سب سے پہلے میں نے رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو مخاطب کیا۔ رسونتی خیال خوانی کے ذریعے ہمارے پاس پہنچ گئی۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اعلیٰ بی بی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب ہمارا طریقۂ کار یہ تھا کہ رسونتی میرے دماغ میں رہ کر میری باتیں سن رہی تھی، میں خیال خوانی کے ذریعے اعلیٰ بی بی کو صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا اور ہولے ہولے زبان سے کہتا جا رہا تھا تاکہ سونیا سنتی رہے۔ میں نے اعلیٰ بی بی سے کہا "میں نے جو معلومات فراہم کی تھیں، ان کے کچھ پہلو باقی رہ گئے تھے جو اب سنا رہا ہوں۔"

میں نے اسے بتایا کہ مادام کمپیوٹر ہمارے میزبان سلیمان موروز کو کس طرح چکر دے رہی ہے اور اسے پوری طرح اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔

اعلیٰ بی بی نے کہا "مادام کمپیوٹر نے کچھ سوچ سمجھ کر روح کا چکر چلایا ہوگا۔ سلیمان موروز یقیناً ضعیف الاعتقاد ہوگا، خود نمائی کا عادی ہوگا۔ کوئی اس کی تعریف کرتا ہوگا تو وہ پھول جاتا ہوگا۔ مادام کمپیوٹر نے اس کے دماغ میں رہ کر اس کی بہت سی نفسیاتی کمزوریوں کو پڑھ لیا ہے اور اسی کے مطابق اس کی جوانمردی، قد آوری اور صحت مندی کی تعریفیں کر رہی ہے۔ اس پر ریجھ گئی ہے، اس سے محبت کی قسمیں بھی کھاتی رہتی ہے۔ اور عملی طور پر یہ ثابت بھی کرتی جا رہی ہے کہ وہ اپنے محبوب کو دشمنوں سے بچا رہی ہے کیونکہ اسے اپنے لیے بچا کر رکھنا چاہتی ہے۔"

رسونتی نے کہا "ایسے میں وہ صرف مادام کمپیوٹر کی سنے گا۔ ہماری باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"

"وہ ہماری بات سمجھے یا نہ سمجھے، اس کی پروا نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے، مادام کمپیوٹر آخر یہ چکر کیا چلا رہی ہے۔ ایک تو اس نے قدیم تاریخی محل کا مطالبہ کیا ہے۔ وہ اسے حاصل کرنا چاہتی ہے۔ دوسرے اس جزیرے کو بڑی سے بڑی قیمت ادا کر کے خریدنا چاہتی ہے۔ تیسری بات جو سامنے آئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے، وہ قدیم تاریخی محل کی مناسبت سے روح کا چکر چلا رہی ہے اور وہاں کوئی عجیب و غریب ڈراما پلے کرنے والی ہے۔"

سونیا نے کہا "مادام کمپیوٹر اچھی طرح سمجھتی ہے کہ ہم ایسے ڈراموں سے متاثر نہیں ہوں گے۔ یقیناً وہ صرف سلیمان موروز جیسے ضعیف الاعتقاد لیڈروں، سرداروں کو چکر دے رہی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ فلپائن کے مسلمانوں میں جو ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ ہے، ان سے وہ کس طرح سودے بازی کر رہی ہے۔"

ہم نے کافی پینے تک گفتگو کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ قدیم تاریخی محل کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے اور مادام کمپیوٹر ضعیف الاعتقاد لوگوں کو اپنا آلۂ کار بنا کر وہاں سے کوئی بہت بڑا فائدہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔

ہمارے لیے جو مشکلات درپیش تھیں، ان میں سے اوّل تو یہ کہ ہم فلپائنو زبان نہیں جانتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ یہاں کے مسلمان سیاسی جنگ لڑ رہے تھے اور ہمیں سیاست سے بچ کر ان کے کام آنا تھا۔ تیسری بات یہ کہ مادام کمپیوٹر نے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو بڑی اچھی طرح متاثر کر رکھا تھا۔ ہم ان کے اعتقاد کو ٹھیس پہنچانے والی باتیں کرتے یا مادام کمپیوٹر کے خلاف ذرا بھی ناگواری کا اظہار کرتے تو جو ہمارے دوست بنے ہوئے تھے، وہ پل بھر میں دشمن بن سکتے تھے۔

سونیا نے اپنی روایات کے مطابق اچانک ہی بھرپور ذہانت کا مظاہرہ کیا۔ میرے پاس منہ لا کر آہستگی سے کہا "مادام کمپیوٹر خود اپنے جال میں پھنسنے والی ہے۔ رسونتی! اس وقت میں تم سے مخاطب ہوں۔ تم فوراً اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کرو۔ جو کہہ رہی ہوں، اس سلسلے میں مشورے لو۔ اور ان پر فوری عمل کرو۔ میری تجویز ہے کسی فلپائنو زبان جاننے والے کی خدمات حاصل کی جائیں۔ بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے میں دو ہپناٹزم کے ماہر ہیں۔ ان میں سے ایک کو فوراً وادیٔ قاف میں طلب کرو اور ہپناٹزم کے ذریعے فلپائنو زبان اپنے دماغ میں نقش کر لو۔ اس طرح تم سلیمان موروز کے دماغ میں کسی وقت بھی پہنچ کر اس زبان میں جانِ سلیمان کی آواز اور اس کے لب و لہجے کو گرفت میں لو گی اور اس کی کھوپڑی میں جگہ بنا لو گی۔"

رسونتی نے کہا "سونیا! تمہاری ذہانت کا جواب نہیں

ہے۔ میں ابھی اعلیٰ بی بی کے پاس جا رہی ہوں۔"

بعض اوقات جب تک ایک مسئلے کا حل نہیں ملتا وہ مسئلہ ایک پہاڑ لگتا ہے جب حل نکل آتا ہے تو پتا چلتا ہے، بات معمولی سی تھی۔ اگر فلاں طریقے پر عمل کیا جاتا تو یہ مسئلہ بہت پہلے ہی حل ہو جاتا۔ سونیا نے جو تجویز پیش کی تھی، وہ ہم سب کے دماغ میں آسکتی تھی لیکن پہلے اسی کے دماغ میں بات آتی ہے جو تیز تر ذہانت کا حامل ہو اور سونیا نے ذہانت کے معاملے میں ہمیشہ برق رفتار ہونے کا ثبوت دیا تھا۔

ہم اپنے کمرے سے نکل کر سلیمان موروز کے پاس پہنچے۔ اس نے ہمیں دیکھتے ہی مسکرا کر کہا: "بھئی! بڑی دیر لگا دی۔ کافی گرم تھی یا گفتگو گرما گرم تھی؟"

میں نے مسکرا کر کہا: "ہم آپ کو موقع دے رہے ہیں تاکہ آپ اپنی وان ...کے ساتھ زیادہ سے زیادہ گفتگو کر سکیں۔ کیا ابھی آپ گفتگو نہیں کر رہے تھے؟"

... ما ... ں، یہ سچ ہے۔ میری وہ کہہ رہی ہے

میں ... تے ہوئے کہا: "آپ کی وہ کا نام بھی ہو گا؟"

"میں نے پوچھا تھا۔ اس نے جواب دیا "محبت کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

میں نے کہا: "واہ! کتنا خوبصورت فلمی جواب ہے۔"

"کیا آپ میری محبت کا مذاق اڑا رہے ہیں؟"

"میں بھلا یہ جرأت کیسے کر سکتا ہوں۔ اگر آپ کی محبوبہ نے میرے دماغ میں پہنچ کر ہلچل مچا دی یا آپ کے دشمنوں کی طرح مجھے بھی ٹھکانے لگا دیا تو کیا کر سکوں گا۔"

"مسٹر فرہاد! وہ آپ کی دشمن نہیں ہے۔ پتا نہیں کیوں آپ اس کے متعلق ایسی گفتگو کر رہے ہیں جب کہ وہ میری زندگی ہے۔ اس نے ہماری دوستی کرائی ہے۔ آپ کو یہاں تک لے آئی ہے۔ اگر آپ کی دشمن ہوتی تو اس طیارے کو تباہ کر دیتی۔"

"وہ کبھی ایسا نہ کرتی۔ وہ جانتی ہے، میں ہی وہ آدمی ہوں جو اس روح کو اس کے خاص جسم تک پہنچا سکتا ہے۔ اور ایک دن ایسا پہنچاؤں گا کہ ساری دنیا دیکھے گی۔"

سلیمان موروز نے خوش ہو کر میرے ہاتھوں کو تھام لیا۔ پھر پوچھا: "سچ! کیا تم میرا یہ کام کر سکو گے۔ میری محبت کو اس کا جسم واپس دلا سکو گے؟"

و کہتے کہتے رک گیا۔ چند لمحوں تک خاموش رہا پھر اس نے کہا: "جانِ سلیمان تم سے گفتگو کرنا چاہتی ہے۔ پلیز! یہ کمپیوٹرکم ٹرانسمیٹر کو آپریٹ کرو۔"

میں نے اسے آپریٹ کرتے ہوئے کہا: "یہ اسکرین چھوٹا ہے، میرے سامنے رہے گا۔ آپ کس طرح مادام کمپیوٹر کا جواب پڑھ سکیں گے؟"

سلیمان موروز نے ہچکچاتے ہوئے کہا: "کوئی ضروری نہیں ہے۔ آپ گفتگو کریں۔" پھر اس نے شرمانے کے انداز میں ہنستے ہوئے کہا: "ہم تو دماغ میں چپکے چپکے باتیں کر لیتے ہیں۔"

میں نے ٹرانسمیٹر کے مائک کو آن کرتے ہوئے مادام کمپیوٹر کو مخاطب کیا۔ اس کے بعد اسکرین کے بٹن کو آن کر دیا۔ اسکرین روشن ہوتے ہی اس کا تحریری جواب نظر آنے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی: "مسٹر فرہاد، جزیرہ کاوی کاوی میں میں تمھیں خوش آمدید کہتی ہوں۔"

پھر اس کے نیچے سونیا کو مخاطب کیا گیا تھا۔ وہاں لکھا ہوا تھا: "سونیا! میں نے تمھیں ایسی جگہ لا پھینکا ہے جہاں تم کوئی کمپیوٹرکم ٹرانسمیٹر میرے خلاف استعمال نہیں کر سکو گی۔ اور نہ ہی میرے موکلوں کو دھوکا دے سکو گی۔ اگر تم نے یہاں کوئی شرارت کی تو یاد رکھو یہاں صرف میرے چاہنے والے نہیں بلکہ میرے معتقد بھی ہیں جو مجھ پر اندھا اعتقاد رکھتے ہیں اور سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔"

سونیا نے کہا: "کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمھارے معتقدوں میں ایک نمونہ ہم دیکھ رہے ہیں۔"

اسکرین پر دوسرے الفاظ ابھرنے لگے۔ وہ ناگواری سے کہہ رہی تھی: "میں تم سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ اب تمھاری کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تم اس جزیرے میں ایک چیونٹی کی طرح ہو۔"

سونیا اس کے خلاف کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے ہمارا میزبان سلیمان موروز ناراض ہو جائے۔ اس نے فرانسیسی زبان میں کہا: "میں چیونٹی ہوں، چیونٹی جھونپڑی میں بھی رہتی ہے اور محل میں بھی۔ آئندہ اس قدیم تاریخی محل میں جب بھی کوئی ڈراما پلے کرنے جاؤ اور جب بھی تمھیں کوئی چیونٹی کاٹے تو سمجھ لینا سونیا موجود ہے۔"

اسکرین پر جواب ابھرنے لگا: "میں سمجھ رہی ہوں، تم یہ باتیں فرانسیسی زبان میں اس لیے کہہ رہی ہو کہ اپنے میزبان کو ناراض نہیں کرنا چاہتیں۔ دنیا کی خطرناک تنظیمیں تمھاری چالاکی اور مکاری سے خوف کھاتی ہیں۔ میں بھی تمھیں مانتی ہوں۔ ابھی اس لیے طیش دلایا تھا کہ تم بے اختیار کوئی ایسی بات کہہ جاؤ جس سے تم لوگوں کی سوچ کا اندازہ ہو سکے اور اندازہ ہو گیا۔"

میں نے پوچھا: "اچھا بتاؤ، ہم تمھارے متعلق کیا سوچ رہے ہیں؟"

"یہی کہ میں اس قدیم تاریخی محل کی مناسبت سے روح کا جو ڈراما پلے کر رہی ہوں اور سلیمان موروز کو احمق بنا رہی ہوں تو اس کے پیچھے میرا کوئی بہت بڑا فائدہ ہے۔"

"تم سلیمان موروز کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کر رہی ہو۔ اگر وہ اسکرین پر پڑھ لے تو؟"

"تعجب ہے، تم کسی کے دماغ میں پہنچتے ہو تو اسے اچھی طرح ٹٹول کر نہیں پڑھ لیتے۔"

"نہیں، میں سطحی طور پر معلومات حاصل کرتا ہوں پھر چلا آتا ہوں۔ فرصت کے وقت تفصیلی معلومات حاصل کرتا ہوں۔"

"تفصیلی معلومات یہ ہیں کہ سلیمان موروز انگریزی بولتا اور سمجھتا ہے مگر لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ میں اسکرین پر اسے ہزار گالیاں دے دوں، وہ بھینس کی طرح سنجیدگی سے کمپیوٹر کو دیکھتا رہے گا۔"

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اب اصل موضوع کی طرف آؤ۔ تم نے ہمارے طیارے کو اغوا کر کے اچھا نہیں کیا۔ میں مانتا ہوں، تمھاری چال بڑی کامیاب رہی۔ تمھاری سوچ اور منصوبے کے مطابق میں ان کے کام آؤں گا لیکن تم نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا تھا کہ ہم تمھارے راستے کی رکاوٹیں بنتے رہیں گے۔"

"میں نے نظر انداز نہیں کیا۔ جب رکاوٹ بنو گے اور یہاں دوست بننے والے تمھارے دشمن بنتے جائیں گے تو تم دونوں کو اپنی حماقتوں کا احساس ہو گا۔ وقت آنے دو، تمھیں رفتہ رفتہ بہت کچھ معلوم ہو گا۔"

میں نے پوچھا: "اس قدیم تاریخی محل میں کیا ہے؟"

"میں کہوں گی تو یقین نہیں آئے گا۔"

"جب سے انسانوں نے بولنا سیکھا ہے تب سے وہ دو ہی باتیں بولتے آ رہے ہیں۔ سچ یا جھوٹ، تیسری کوئی بات نہیں ہوتی لہٰذا بولتی جاؤ۔"

"تم پچھلی رات سے جاگ رہے ہو۔ بہتر ہے سو جاؤ۔ جس بات کا یقین نہ آئے اسے سن کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

"ایسا بھی ہوتا ہے کہ اکثر باتوں پر یقین نہیں آتا لیکن وہ باتیں تجسس پیدا کر دیتی ہیں۔ لہٰذا سننا ضروری ہوتا ہے۔ ... رہا ہوں، سنا دو۔"

"اچھا تو سنو۔ تمھارا میزبان میرا عاشق جو بکواس کر رہا ہے، وہ درست ہے ایک حسین دوشیزہ کا جسم دو سو سال سے قید ہے۔ میں اسے رہائی دلانا چاہتی ہوں۔"

اتنا کہنے کے بعد اسکرین صاف ہو گیا۔ میں نے کہا: "بات ادھوری رہ گئی ہے۔"

اسکرین سے جواب ... "تم سوالات کرو، بات مکمل ہوتی جائے گی۔"

میں نے کہا: "وہ جسم کہاں قید ہے؟"

"اسی قدیم تاریخی محل میں۔"

"کیا دو سو سال سے آج تک کسی نے اس جسم کو نہیں دیکھا؟"

"وہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ پہنچنے کا راستہ صرف مجھے معلوم ہے۔"

"پھر تو تمھیں پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

"اس کے لیے ضروری ہے کہ محل پر میرا قبضہ ہو۔ باہر کا کوئی آدمی اندر نہ آسکے۔"

"ایسی بات کہتے ہوئے کیا تمھارے دماغ کے کسی گوشے میں یہ بات نہیں ہے کہ ہم اندر آسکتے ہیں۔"

"یہی تو میں چاہتی ہوں۔"

"کھل کر بات کرو۔"

"میں نے خوب سوچ سمجھ کر تمھیں یہاں لانے کی پلاننگ کی ہے، خود سمجھ سکتے ہو۔ دہشت گرد تنظیموں کے تمام سربراہ، ان کے پیچھے چھپے ہوئے سپر ماسٹر اور ماسک مین مجھے کاوی کاوی جیسے دس جزیروں کی مالکہ بنا سکتے تھے۔ مجھے دولت کے انبار میں بٹھا سکتے تھے لیکن میں نے اپنے منصوبے پر عمل کیا ہے۔ میں جانتی تھی، تمھیں یہاں لاؤں گی تو تم یہاں سے واپس جانے کی ضد نہیں کرو گے، نہ ہی فرار کا راستہ تلاش کرو گے۔

دیکھ لو، میرا خیال درست نکلا۔ تم اور سونیا دونوں ہی مطمئن ہو، یہاں ان لوگوں کے کام آنے والے ہو، یہیں سے میرے منصوبے کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گا۔ تم خواہ مجھ سے کتنا ہی کتراؤ مگر میرے معاملے میں دلچسپی ضرور لو گے۔ سونیا کو میں نے طیش دلایا ہے، اسے چیونٹی کہا ہے۔ وہ ضرور محل تک پہنچ کر مجھے کاٹنے کی کوشش کرے گی۔ تمھیں بھی ایسے حالات سے دوچار کروں گی کہ اس محل میں جانے پر مجبور ہو جاؤ گے یا پھر میرا دوستانہ مشورہ مان لو اور میرے کام آؤ۔ اپنی پچھلی ضد کو بھول جاؤ۔ دیکھو میں کھرا سودا کرنا چاہتی ہوں۔ اس ہاتھ سے لیتی ہوں، اس ہاتھ سے دیتی بھی ہوں۔ مجھ میں اور تمھاری تمام ساتھی عورتوں میں صرف ایک فرق ہے۔ تمھاری عورتیں بغیر کسی لالچ کے بغیر کسی غرض کے کام آتی ہیں اور تم ان کے کام آتے ہو۔ دیکھا جائے تو ایک دوسرے کے کام آنے کا جذبہ یہاں بھی ہے۔"

میں نے کہا "اس جذبے میں محبت ہوتی ہے اور تمھارے پاس کاروباری جذبہ ہے، لین دین کی سودے بازی ہے۔"

"چلو، میں سودے بازی پر لعنت بھیجتی ہوں۔ آئندہ ایسی گفتگو نہیں کروں گی۔ کسی بھی مرحلے پر مجھے آزما کر دیکھ لو، میں کسی لالچ کے بغیر تمھارے کام آؤں گی۔"

میں نے سونیا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے مائک کے بٹن کو آف کرتے ہوئے جاپانی زبان میں کہا "ہمیں ایک بار اسے آزمانا چاہیے۔ اگر کسی چال میں پھنسنے کا شبہ ہوگا تو ہم وہیں سے اپنا راستہ بدل دیں گے۔"

میں نے مائک کے بٹن کو آن کرنے کے بعد پوچھا "ہیلو مادام کمپیوٹر موجود ہو؟"

"میں اپنے عاشق کی کھوپڑی میں رہ کر سونیا کو جاپانی زبان بولتے سن رہی تھی۔ افسوس، میں یہ زبان نہیں سمجھ سکتی لیکن اندازہ ہو گیا ہے، تم اس سے مشورے لے رہے تھے۔ پھر کیا خیال ہے؟"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"اس محل پر میرا قبضہ ہو جائے یا عارضی طور پر ایسے انتظامات ہو جائیں کہ وہاں ہمارے سوا کوئی نہ جا سکے۔ ایسا ہو گیا تو میں تم سے اس محل میں داخل ہونے کی درخواست کروں گی۔"

"فرض کرو، میں نے درخواست منظور کر لی اور محل میں داخل ہو گیا پھر؟"

"پھر میں راستہ بتاتی جاؤں گی اور تم تہ خانے اور چور راستوں سے گزرتے ہوئے اس حسین دوشیزہ کی لاش تک پہنچو گے۔"

"آخر وہ کون ہے؟"

اس حسینہ کا نام گوزری سجاتہ ہے۔ آج سے دو سو برس پہلے اسی جزیرے میں اس کے حسن کا شہرہ تھا۔ آس پاس کے سمندروں سے گزرنے والے سیاح، راجے، مہاراجے اور بحری قزاق سب ہی اس کے دیوانے تھے۔ وہ اپنے زورِ بازو سے، اپنی دولت سے، اپنی محبت سے اور خوشامدوں سے اسے حاصل کرنا چاہتے تھے مگر وہ کسی کے ہاتھ نہیں آتی تھی۔ آخر ایک خبیث کالے عامل نے گوزری سجاتہ کو چپ کا مجسمہ بنا دیا۔ وہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گئی۔ اس کالے عامل نے اسے محل کے چور گوشے میں لے جا کر ایک تابوت میں بند کر دیا۔ اس عمل کے مطابق اگر وہ تابوت ہٹایا جائے یا اسے توڑ دیا جائے تو گوزری سجاتہ زندہ ہو جائے گی۔"

سونیا نے مائک کے بٹن کو پھر بند کیا اور مجھ سے کہا "کیا یہ ہمیں بچوں کی کہانی سنا رہی ہے؟"

میں نے بھی جاپانی زبان میں جواب دیا "اس کی باتیں سن لینے میں کیا حرج ہے۔ اگر یہ بچوں کی کہانی ہے تو بچوں کی کہانیاں شائع کر کے بڑی عمر کے پبلشر بھی منافع حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ ہمیں کہانی سنا کر کوئی زبردست منافع حاصل کرنے والی ہے۔"

کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر سے اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے آن کیا۔ اسکرین پر الفاظ ابھرنے لگے "تم دونوں بعد میں مشورے کر سکتے ہو، پہلے میری باتیں سن لو۔ مجھ پر یقین کرنے کی کوشش کرو۔ میں قسم کھاتی ہوں، تمھیں دھوکا نہیں دوں گی۔ ایک بار میرے کام آجاؤ، میں زندگی بھر کسی لالچ کے بغیر تم سب کے کام آتی رہوں گی۔"

"آخر تمھیں گوزری سجاتہ سے اتنی محبت کیوں ہے؟"

"کیا یہ حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین بات نہیں ہے کہ وہ دو سو سال سے مُردہ حالت میں ہے اور دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے اور ہماری کوششوں سے ہو سکتی ہے۔"

"یہ عقل تسلیم نہیں کرتی۔ بھلا دو سو سال سے مُردہ رہنے والی زندہ کیسے ہو سکتی ہے؟"

"یہ کالے عمل کا نتیجہ ہے۔ وہ عمل اپنی جگہ آج بھی قائم ہے۔ جب بھی وہ تابوت وہاں سے ہٹے گا یا اسے توڑ دیا جائے گا اسی لمحے گوزری سجاتہ اٹھ کر بیٹھ جائے گی۔"

"یہ باتیں تمھیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

"جیسے مورخوں کو معلوم ہوتی ہیں، جیسے ماہرینِ آثارِ قدیمہ معلوم کر لیتے ہیں۔ مجھے دو سو سال پرانا ایک مسودہ مل گیا ہے۔ ایک ایسے شخص سے ملا جو قدیم زبانوں کو سمجھنے میں مہارت رکھتا تھا اور اس مسودے کو اس شخص کے سوا کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کا ترجمہ سمجھ لیا۔ اور جو کچھ سمجھا اسے اپنے طور پر نوٹ کر لیا۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"مر چکا ہے۔"

"مر چکا ہے یا تم نے مار ڈالا ہے۔"

"ذرا ذرا سی بات پر شبہ کرو گے تو ہم دوستی کے راستے پر ایک قدم بھی نہیں چل پائیں گے۔ پلیز، مجھ پر اعتماد کرو۔"

"وہ مسودے کہاں ہیں؟"

"میرے پاس محفوظ ہیں۔"

"میں انھیں دیکھنا چاہوں گا۔"

"تمھارا اعتماد حاصل کرنے کے لیے وہ مسودے اور ان کا ترجمہ تمھارے پاس بھیج دوں گی لیکن وعدہ کرو، انھیں پڑھنے کے بعد واپس کر دو گے۔ کم از کم وہ اصلی مسودہ، جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا اور نہ تمھاری سمجھ میں آئے گا، اسے ضرور واپس کر دینا۔ یوں سمجھ لو کہ میں تم پر بھروسا کر کے بہت ہی قیمتی سرمایہ تمھارے حوالے کرنے والی ہوں۔"

"میں تمھارے بھروسے کو قائم رکھوں گا۔ اور اس مسودے کا انتظار کروں گا۔ فی الحال یہ بتاؤ، ہم اس مسودے پر کیسے یقین کریں۔ ہو سکتا ہے، وہ پرانے وقتوں کی کہانی ہو یا پرانے عقائد رکھنے والوں کا کوئی ایسا عقیدہ ہو جو اب قابلِ قبول نہیں ہے۔"

"میں بھی تمھاری طرح فرض کر لیتی ہوں کہ یہ فضول من گھڑت سی بات ہے لیکن جو تاریخی مسودہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا، وہ میرے ہاتھ لگ گیا ہے اور ہم اس پر عمل کر کے وہاں تک پہنچ جائیں تو ہمارا نقصان کیا ہوگا۔ ہم اپنے کسی دشمن کو اس کی ہوا بھی لگنے نہیں دیں گے۔ رہ گئی یہ بات کہ محل کے تہ خانوں اور چور دروازوں سے گزرنے کے دوران کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں، کون سے خطرات کا خدشہ ہے تو ہم ان باتوں پر غور کر لیں گے اور ان کے مطابق حفاظتی انتظامات کر لیں گے۔"

"ہم سے تمھاری مراد میں اور تم یعنی تم بھی اس تہ خانے میں میرے ساتھ جاؤ گی؟"

"میں جا سکتی تو یہ کام تنہا کر لیتی۔"

"تم کیوں نہیں جا سکتیں؟"

"میں کبھی کسی کے سامنے نہیں آسکتی۔ میں کون ہوں اور کیا ہوں، یہ راز کبھی ظاہر نہیں ہونے دوں گی۔"

"یہ ہم انسانوں کی خام خیالی ہے کہ ہم پُراسرار رہ سکتے ہیں۔ نہ ہمیں کوئی دیکھ سکتا ہے، نہ ہم تک کوئی پہنچ سکتا ہے۔ ازل سے آج تک کوئی ایسا انسان نہیں گزرا جو تمام عمر راز بن کر رہ سکا ہو اور کوئی دوسرا اس راز تک نہ پہنچ سکا ہو۔"

"میں تمھاری بات مانتی ہوں۔ جب بھی مجھے اس بات کا خدشہ ہوگا، میں اپنا راستہ بدل لوں گی۔ میں نے موجودہ زندگی سے الگ، بالکل نئی زندگی گزارنے کا انتظام کر لیا ہے۔ جب بھی ایسی بات ہوگی، میں پٹری بدل لوں گی۔ اس کے بعد کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ میں وہی ہوں جو ٹیلی پیتھی کے ذریعے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پرواز کرتی رہی تھی۔"

"اس بحث کو رہنے دو۔ وہ مسودے بھیج دو۔"

"اس کا مطلب ہے، تم میرا ساتھ دے رہے ہو؟"

"ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا ہے۔ پہلے میں مسودوں کو پڑھنا چاہتا ہوں۔"

"اتنا تم سمجھ سکتے ہو کہ عاشق بڑے شکی مزاج ہوتے ہیں۔ اگر میں ایسے مسودے تمھارے پاس پہنچاؤں گی اور انھیں اپنے عاشق کی زبان سے چھپاؤ گے تو وہ شبہ کرے گا کہ میری محبت پر شک رہے گا لہٰذا یہ چیزیں دوسرے ذرائع سے تمھارے پاس پہنچاؤں گی۔ اس کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کو ہمیشہ اپنے پاس رکھو۔ میرا خیال ہے، اب تمھیں آرام کرنا چاہیے۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں نے اسے آف کرتے ہوئے جماہی لی پھر اپنے میزبان سے کہا "اب ہم سونے جا رہے ہیں۔"

"بھئی، مجھے بھی تو بتاؤ، کیا باتیں ہوتی رہیں؟"

"میں کیا بتاؤں۔ اتنی دیر سے کام کی باتیں بہت کم ہوئیں اور وہ تمھاری ہی محبت کے گن گاتی رہی۔"

"سچ؟"

وہ خوشی سے کھل گیا تھا۔ کھسک کر میرے قریب آگیا تھا۔ اور پوچھ رہا تھا "کیا کہہ رہی تھی؟"

میں نے پھر جماہی لی، اس نے مایوسی سے مجھے دیکھا پھر کہا "اچھی بات ہے، سو کر اٹھ جاؤ پھر مجھے بتانا۔"

میں نے دوسرے کمرے میں آکر دروازے کو بند کیا۔ پھر سونیا سے کہا "یہ سلیمان مورروز کیسا قد آور، صحت مند اور جنگجو قسم کا شخص ہے لیکن عورت بڑے سے بڑے پہلوانوں کو پچھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ یہ کم بخت ایک نادیدہ روح کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ اور اس سے محبت کیے جا رہا ہے۔ احمق کہیں کا۔"

سونیا نے گھور کر کہا "تم ایسے بڑبڑا رہے ہو جیسے وہ تمھارا رقیب بن گیا ہو۔"

"میں اس لیے بڑبڑا رہا ہوں کہ عورت سے دور رہوں لہٰذا تم بھی مجھ سے دور رہو۔"

یہ کہتے ہی میں بستر پر گر پڑا اور تھوڑی دیر بعد ہی نیند کی وادیوں میں پہنچ چکا تھا۔ یوں تو میں نے حسبِ معمول اپنے دماغ کو ہدایات دے دی تھیں، اس کے باوجود رسونتی نے کہا تھا جب تک میں اور سونیا سوتے رہیں گے، وہ جاگتی رہے گی۔ حالاں کہ بے چاری پچھلی رات سے جاگتی رہی تھی۔ یہی سوچ کر میں صرف چار گھنٹے کے لیے سویا تھا، اس کے بعد بیدار ہو گیا۔ سب سے پہلے رسونتی سے رابطہ قائم کیا اور کہا "تم آرام سے سو جاؤ۔ کوئی پریشانی ہوگی تو فوراً مخاطب کروں گا۔"

"میں ابھی سو جاؤں گی مگر پہلے وہ باتیں تو سن لو جو تمھارے سونے کے دوران ہوتی رہیں۔ اس سلسلے میں پہلی رپورٹ یہ ہے کہ دہشت گرد تنظیم کا کوئی سربراہ اپنے اپنے سینٹر میں نہیں ہے۔ سب فلپائن کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اپنے خاص ماتحتوں اور آلۂ کاروں سے کام لینے کے بجائے وہ خود میدانِ عمل میں آرہے ہیں۔"

"کچھ ایسی ہی بات لگتی ہے ویسے ان کے خاص ماتحت اور آلۂ کار تمھارے جزیرے کی طرف پرواز کر چکے ہیں۔ ان کے

طیاروں کو وہاں اترنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جزیرہ کادی کادی کے شمال میں ایک ہولو نامی جزیرہ ہے۔ وہاں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں بھی وہ طیارے اتار نہیں سکے۔"

"ان دو جزیروں میں مسلمانوں کی اکثریت ضرور ہے لیکن موجودہ حکمرانوں کے قدم بھی مضبوط ہیں۔ وہ اب فلپائنی حکومت کے ذریعے یہاں آئیں گے۔"

سونتی نے کہا "دہشت گرد تنظیموں کے تمام سربراہوں نے فلپائن کے دو بڑے شہروں منیلا اور میڈانو میں اپنا اپنا آپریشن سینٹر بنایا ہے۔ وہیں سے وہ کارروائی کریں گے اور وہیں سے ان کے ہیلی کاپٹرز پرواز کرتے ہوئے جزیرے کی طرف جائیں گے۔ فلپائن کی موجودہ حکومت سپر ماسٹر کے زیر اثر ہے لہٰذا انھیں جزیرے تک پہنچانے کے لیے بحری راستوں سے کافی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ یوں بھی فلپائنی حکومت چاہتی ہے کہ مسلمان باغیوں (فلپائن کی موجودہ حکومت مسلمان مجاہدین کو باغی کے نام سے یاد کرتی ہے) کو کچلنے کے لیے سپر ماسٹر کے لامحدود ذرائع کو بخوشی قبول کرے گی۔"

"سونتی! تم نے میری نیند کے دوران بڑی معلومات حاصل کیں۔ اب آرام کرو، باقی معلومات میں حاصل کروں گا۔"

پھر میں نے اپنے طور پر جو کچھ معلوم کیا، اس میں اضافہ ہو گیا۔ میرے ذہن میں دنیا دی نقشے کا وہ حصہ تھا جہاں میں اس وقت موجود تھا۔ جزیرہ کادی کادی کے چاروں طرف کچھ جزیرے ہیں۔ شمال کی طرف ..... فلپائن ہے اور جنوب مغرب کی طرف مشرقی ملائشیا ہے جس کا شمالی علاقہ صبا اور برونئی، ہمارے جزیرے سے قریب تر ہیں۔ دہشت گرد تنظیم کے سربراہ ان علاقوں میں بھی آپریشن سینٹر بنا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جزیرہ کادی کادی کے جنوب مشرق میں میڈانو کا انتہائی مغربی جزیرہ مورو تائی ہے۔ وہ مورو تائی میں بھی اڈہ قائم کر رہے ہیں۔

یہ تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد میں اپنے میزبان سلیمان مورز کے ..... مہمان خانے سے گزرتا ہوا باہر آیا۔ جب تک مہمان خانے سے گزرتا رہا، یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ کسی پہاڑی کے اندر وقت گزار رہا ہوں۔ باہر آتے ہی یاد آیا کہ یہ پہاڑی ہے اور ہم اب تک غار کے اندر تھے۔ میرے سامنے دور دور تک چھوٹی بڑی پہاڑیاں تھیں۔ ان کے دامن میں مسلمانوں کی اچھی سے خاصی بستی آباد تھی۔ یہ سب مجاہدین تھے۔ شہری زندگی چھوڑ کر یہاں آباد ہو گئے تھے اور اپنے موجودہ حالات سے مطمئن تھے کیونکہ ان کی آنکھوں میں آزادی کا خواب تھا۔ وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے سلسلے میں بہت ہی پر امید تھے۔

میں سنجیدگی سے سوچنے لگا کہاں آ کر پھنس گیا ہوں۔ ایک طرف مادام کمپیوٹر مجھے گوری سجاتہ کے معاملے میں سنجیدگی سے ملوث کرنا چاہتی تھی، دوسری طرف یہاں کے مسلمانوں کا نہایت سنجیدہ مسئلہ تھا۔ ان کی حفاظت کرنا اور انھیں دشمنوں کے داؤ پیچ سے باخبر رکھنا میرا فرض تھا۔

اس وقت میرے دشمن میرے چاروں طرف سازشوں کا جال بن رہے تھے۔ یہ ان کے لیے سنہرا موقع تھا۔ میں ایسے جزیرے میں تھا جسے وہ چاروں طرف سے گھیر رہے تھے۔ مجھے نکل جانے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس بار انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ تخت ہو یا تختہ، فرہاد کو اسی جزیرے میں دفن کیا جائے گا۔

رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ دور دور تک لکڑیوں کے بنے ہوئے مکانات میں لالٹین کی روشنی نظر آ رہی تھی، کہیں کہیں مشعلیں روشن تھیں۔ میں نے سوچا، یہیں کھڑے کھڑے سونیا کے دماغ میں پہنچ کر اسے نیند سے جگاؤں۔ پھر خیال آیا، اس کا دماغ لاک کر دیا گیا ہے۔ میں اس کے پاس جانے کے لیے پلٹ گیا۔ وہ غار کے دہانے پر کھڑی ہوئی تھی۔ مشعل کی روشنی میں اس کا تر و تازہ چہرہ تبسم سے کھل رہا تھا۔

"کیا کر رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا "تمھیں یاد کر رہا تھا۔ تم جانتی ہو، جب ہم ایک دوسرے کو یاد کرتے ہیں یا ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں تو محبت کے لیے جاپانی زبان بہتر ہوتی ہے۔"

سونیا نے جاپانی زبان میں پوچھا "کوئی خاص بات ہے؟"

"میں یہاں بستی کا جائزہ لے رہا ہوں لیکن تمھارے پیچھے غار کے دہانے کے اوپر ایک چٹان کے پیچھے کسی کی آہٹ سنی ہے۔"

"کیا میرے سر پر کوئی خطرہ منڈلا رہا ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اوپر سے کوئی چٹان یا بڑا سا پتھر لڑھکایا نہیں جا سکتا۔ یہ لوگ ایسی حماقت نہیں کریں گے۔ پھر یہ ہمارے دشمن نہیں ہیں لیکن وہ خیال خوانی کرنے والی ہماری ٹوہ میں رہنے کے لیے کسی نہ کسی کے دماغ میں آ سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں، پہلے وہ اسی کے دماغ میں ہے۔"

"یا ارادہ ہے؟"

وہ باتیں کرتے ہوئے میری طرف آگئی۔ میں نے کہا "ہمیں شہری آبادی کی طرف جانا چاہیے۔ ذرا اس جزیرے کے متعلق مزید معلوم ہو جائے تو اچھا ہے۔"

"رات کو جانا مناسب ہو گا۔"

"ہم خوب سوتے رہے ہیں۔ رات کو سو نہیں سکیں گے پھر کیا نہ جاگتے رہیں۔ جب نیند آئے گی تو یقیناً شہری آبادی میں کوئی ہوٹل ضرور ہو گا یا ہمارا میزبان وہاں بھی رہائش کا انتظام کر سکتا ہے۔"

اس کا ذکر کرتے ہی وہ پہنچ گیا۔ پوچھنے لگا "نیند پوری ہو گئی؟ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ؟"

"ہم شہری آبادی میں جانا چاہتے ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولا "اچھا تو اس نے تم کو بھی یہی مشورہ دیا ہے۔"

ہم نے تعجب سے پوچھا "کس نے مشورہ دیا ہے؟"

"وہ ہستی اور کون ہو سکتی ہے۔ بھئی میں جانِ سلیمان کی بات کر رہا ہوں۔"

"کمپیوٹر ہم نے کمرے میں چھوڑ دیا ہے۔ بھلا وہ ہمیں کیا مشورہ دے گی۔ یہ ہمارے دل کی بات ہے۔ ویسے کیا ارادے ہیں؟"

"ابھی گاڑی تیار ہو جائے گی۔ رات کا کھانا ہم مانگاسو میں جا کر کھائیں گے۔"

"یہ مانگاسو کیا چیز ہے؟"

"یہ جزیرے کے شہر کا نام ہے۔ ویسے تو شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک بہت سی بستیاں آباد ہیں مگر شہر یہ ایک ہی ہے۔"

"ہم رات وہیں رہیں گے۔"

میں نے ایسا کہتے ہوئے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ ابھی کچھ پتا نہیں چل رہا تھا، مادام کمپیوٹر وہاں موجود ہے یا نہیں۔ ہو گی بھی تو خاموش ہو گی۔ صرف ہماری گفتگو سن رہی ہو گی۔ اس نے جواب دیا "مانگاسو جا کر واپس آنے میں آدھی رات ہو جائے گی۔ وہیں رہنا مناسب ہے۔"

"اس جزیرے میں آپ کے علاوہ اور کتنے مسلمان لیڈر ہیں؟"

اس نے سینہ تان کر کہا "میں ایک ہی کافی ہوں۔"

اس کی دوسری سوچ نے کہا "سچ بولو، ورنہ وہ کسی اور کے دماغ میں پہنچ کر حقیقت معلوم کر لے گا۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا "میرے علاوہ یہاں اور بھی کئی لیڈر ہیں لیکن موجودہ حکومت کی فوجی طاقت سے ٹکرانے والے صرف دو ہیں۔ ایک میں ہوں، دوسرا احمد جوزف ہے۔ پہلے عیسائی تھا، اب مسلمان ہو گیا ہے۔ سچی بات ہے، میں کسی عیسائی پر بھروسا نہیں کرتا۔ خواہ ..... وہ مسلمان کیوں نہ ہو جائے۔ باقی جو لیڈر ہیں، وہ کوٹ پتلون پہننے والے اور فر فر انگریزی بولنے والے ہیں۔ ان میں اور ہم میں بڑا فرق ہے۔ وہ تقریر کے ذریعے حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں، ہم تلوار کے ذریعے۔"

سونیا نے پوچھا "حکومت کے انٹیلی جنس اور پولیس والے آپ کو پہچانتے ہوں گے؟"

اس نے سینہ تان کر کہا "سلیمان مورز کو کون نہیں جانتا۔ حکومت نے میرے سر کی قیمت لگائی ہے۔ یقین نہ ہو تو دشمن بن کر میرا سر کاٹ کر لے جا سکتے ہو۔"

سونیا نے جواب دیا "ابھی ہمارا قصائی بننے کا ارادہ نہیں ہے۔"

میں نے پوچھا "دشمن ان گاڑیوں کو اچھی طرح پہچانتے ہوں گے جن میں ہم شہر جائیں گے۔"

"راستے میں گاڑیاں بدل جائیں گی۔ میں مانگاسو شہر کی ایک قریبی بستی کولی میں رات گزاروں گا، تم دونوں شہر چلے جانا۔ ہمارے دو آدمی جو انگریزی جانتے ہیں، وہ تمھارے ساتھ رہیں گے۔"

"وہ کون ہیں؟"

"ہمارے جاسوس ہیں۔ راتوں کو چھپ کر یہاں آتے ہیں، کوئی خاص پیغام پہنچاتے ہیں پھر دوسرا دن یہاں گزار کر رات ہی کو واپس جاتے ہیں۔ ابھی وہ ہمارے ساتھ جائیں گے۔"

"ہمارا ان کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"ہم بھی اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہتے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق ہمارے تمام دشمن بہت دور تک جال پھیلا رہے ہیں۔ یقیناً اس جزیرے میں موجودہ حکومت کے تعاون سے ہمیں ڈھونڈ نکالنا چاہیں گے۔"

"آپ دونوں کو میک اپ کر کے یہاں سے جانا چاہیے۔"

"ہم میک اپ نہیں کرنا چاہتے۔ جیسے ہیں ویسے ہی جائیں گے تاکہ اپنے دشمنوں کا اندازہ ہو سکے۔"

"عجیب بات ہے۔ خواہ مخواہ دشمنوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دو گے؟"

"تمھاری محبوبہ نے وعدہ کیا ہے، ہم اس کے کام آئیں گے تو وہ تمھاری طرح ہماری بھی حفاظت کرے گی۔"

ہم شام کے سات بجے وہاں سے روانہ ہوئے۔ پانچ میل تک چلنے کے بعد گاڑیاں رک گئیں۔ دوسری تین گاڑیاں ہماری منتظر تھیں۔ میں نے کہا "مسٹر سلیمان! آپ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ سونیا آپ کے دو تین آدمیوں کے ساتھ خود ڈرائیو کرتے ہوئے شہر کی طرف جائے گی۔"

سلیمان مورز نے سونیا کی طرف دیکھا پھر کہا "رات کا وقت ہے، راستے اونچے نیچے ہیں۔ کئی خطرناک موڑ بھی آتے ہیں۔"

میں نے کہا "آپ فکر نہ کریں، سونیا یہاں آنے سے پہلے تہ کے کنویں میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر ٹرک چلایا کرتی تھی۔"

ایک جیپ میں وہ دونوں جاسوس چند مجاہدین کے ساتھ بیٹھ

کر روانہ ہوگئے تاکہ ہماری وجہ سے پہچانے نہ جائیں۔ پھر ہم دو گاڑیوں میں روانہ ہوئے۔ سونیا کو الگ گاڑی اس لیے ڈرائیو کرنے دی تھی کہ مجھے کوئی خطرہ درپیش ہو تو وہ محتاط ہو جائے۔ اسی طرح اس پر کوئی آفت آتی تو میں دوسری گاڑی میں رہ کر اس کے لیے کچھ کر سکتا تھا۔

سلیمان موروزنے کہا "میری سمجھ میں نہیں آیا سونیا گاڑی کیوں ڈرائیو کر رہی ہے؟"

"بھئی سلیمان، کچھ سمجھا کرو۔ اسے دوسری گاڑی میں اس لیے بٹھایا ہے کہ اول تو اسے ڈرائیو کرنے کا شوق ہے، دوسرے ہم کھل کر حسین عورتوں کے متعلق گفتگو نہیں کر سکیں گے۔"

اس نے میری ران پر ہاتھ مارتے ہوئے قہقہہ لگایا پھر کہا۔ "اچھا تو یہ بات ہے مگر صرف گفتگو سے کیا ہوگا، سونیا شہر میں تمھارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ اور تمھارے دل میں حسرتیں رہ جائیں گی۔"

میں نے اسے دکھانے کے لیے ایک سرد آہ بھری۔ اس نے کہا "اسی لیے میں نے بیوی کے مرنے کے بعد دوسری شادی نہیں کی۔ عورت کو اپنے ساتھ رکھنے سے یہی مصیبت ہوتی ہے۔"

ہم نے چلنے سے پہلے لباس بدل لیا تھا۔ سونیا پتلون اور شوخ رنگ کی ایک خوبصورت ڈیزائن کی شرٹ میں ملبوس تھی۔ میں نے پتلون، شرٹ اور ویسٹ کوٹ پہن رکھا تھا۔ ٹائی بھی باندھ لی تھی جیسے کسی کلب یا تفریح گاہ میں جانے کا ارادہ ہو۔ ہم دونوں کے پاس ایک ایک بیگ تھا جس میں ہماری ضرورت کا سامان تھا۔ اس بیگ میں کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر بھی تھا۔ مجھے اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے نکالا۔ پھر آن کر کے پوچھا "کیا بات ہے؟"

اسکرین سے جواب موصول ہوا "کیوں میرے سلیمان کو احمق بنا رہے ہو۔ موجودہ حالات میں تم کسی حسین عورت میں دلچسپی نہیں لوگے۔ تم نے سونیا کو دوسری گاڑی میں کیوں بھیجا ہے اسے میں کچھ سمجھ رہی ہوں۔ باقی آگے چل کر سمجھ میں آئے گا۔"

"تم نے مجھے کیوں مخاطب کیا ہے؟"

"میں یہ بتانا چاہتی ہوں، مانگاسو میں رات جوان ہوتی ہے۔ شہر کے امیر ترین علاقوں میں کلب آدھی رات تک کھلے رہتے ہیں۔ یہاں دو بڑے قمار خانے ہیں، جہاں تمام رات جوا کھیلا جاتا ہے۔ بہرحال تم ان میں سے کسی ایک جگہ ضرور جانا۔ مجھے یقین ہے کہ وہیں نہ کہیں ایک ایسا شخص ضرور ملے گا جس نے زرد رنگ کی قمیص پہنی ہوگی۔ اس قمیص کی جیب پر ماداام کمپیوٹر کا مخفف ایم سی لکھا ہوگا۔ اگر میں نے اس کے ذریعے تمھیں دیکھ لیا تو اسے تمھارے پاس لے آؤں گی یا تم اس کے پاس جا کر مخاطب کرنا۔ میں وہ اہم مسودے اس کے ہاتھوں سے تمھارے حوالے کر دوں گی۔"

سلیمان موروزنے کہا "بھئی، میری آن سے کیا باتیں ہو رہی ہیں، کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔"

میں نے ناگواری سے کہا "تمھاری وہ مجھے اس بات پر ڈانٹ رہی ہے کہ میں تم سے حسین عورتوں کے متعلق کیوں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا خیال ہے میں تمھیں بہکا رہا ہوں، اس کی طرف سے تمھارا دل پھیر رہا ہوں۔"

وہ جلدی سے کمپیوٹر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا "نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو اپنے مہمان کو خوش رکھنے کی خاطر عورتوں کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ میں تمھارے سوا کسی کا تصور ہی نہیں کر سکتا۔ میں جھوٹ بول رہا ہوں یا سچ؟ یہ میرے اندر آ کر معلوم کر سکتی ہو۔"

کمپیوٹر خاموش ہو گیا تھا، میں نے اسے آف کر کے بیگ میں رکھ دیا، اس کے دماغ کے اندر فلپائنو زبان میں کوئی بات ہو رہی تھی۔ وہی مترنم آواز تھی لیکن میں آواز کے ذریعے اس ترنم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

شہر دور ہی سے اپنی جگمگاتی ہوئی روشنیوں کے ذریعے نظر آنے لگا۔ اس کی قریبی بستی کولی میں پہنچ کر گاڑی رک گئی۔ سلیمان موروزنے مجھ سے رخصت ہوتے ہوئے کہا "میرے آدمی کل رات تمھیں جنگل والی بستی میں لے آئیں گے۔ اس وقت تک کے لیے خدا حافظ۔"

"کیا اس بستی میں صرف مسلمان رہتے ہیں؟"

"عیسائی اور بدھ مت کے لوگ بھی ہیں لیکن مسلمانوں کی اکثریت ہے۔"

"کوئی تمھارے خلاف مخبری نہیں کر سکتا؟"

"مخبری کرنے کے لیے بستی سے نکلے گا تو پہچانا جائے گا۔ یہاں کے مسلمان جانتے ہیں، میں رات کو چھپ کر آتا ہوں۔ اس لیے بستی کے باہر سخت پہرہ لگا رہتا ہے۔ کوئی بھی آنے جانے والا پہچانا جاتا ہے۔"

اس کی بات پوری ہوتے ہی مجھے بہت قریب کھٹاکے کی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی چیز کار کی باڈی سے ٹکرائی ہو۔ سلیمان موروز مجھ سے ذرا فاصلے پر کھڑا تھا۔ میں نے یکبارگی اچھل کر اس کے سینے پر لات ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا اور زمین پر گر پڑا۔ دوسری طرف میں از خود گر پڑا تھا۔ ادھر وہ غصے سے اٹھ کر کہنا چاہتا تھا "میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس کے اٹھنے سے پہلے میں نے خیال خوانی کے ذریعے اسے پھر گرا دیا۔ وہ جھنجلا کر بولا "میں تمھیں معزز مہمان سمجھتا ہوں۔ تمھاری میزبانی کرتا آ رہا ہوں اور تم نے مجھے لات ماری ہے۔"

وہ پھر اٹھنا چاہتا تھا، میں نے پھر اسے خیال خوانی کے ذریعے گراتے ہوئے کہا "ذرا ہوش کرو۔ گولیاں چل رہی ہیں۔"

میری بات ختم ہوتے ہی گاڑی کا شیشہ ایک جھنکے سے چور ہو گیا۔ میں نے چیخ کر کہا "سونیا! ہوشیار، سائلنٹ فائرنگ ہو رہی ہے۔"

یقیناً انھوں نے ریوالور وغیرہ میں سائلنسر لگا لیا تھا، اس لیے آواز نہیں آ رہی تھی۔ ادھر سونیا نے گاڑی کی باڈی میں گولی لگنے کی ہلکی سی آواز سنی تھی۔ پھر اس نے سمت کا اندازہ کرتے ہوئے گاڑی کو یکبارگی پیچھے لے جا کر موڑ دیا۔ اور ہیڈ لائٹس کی روشنی ادھر پھینکی جدھر کچھ سائے بھاگتے ہوئے نظر آئے، اس کے بعد اندھیرے میں گم ہو گئے۔ سونیا نے گاڑی کو گھما کر پھر ادھر روشنی کی۔ اتنی دیر میں سلیمان موروز کے آدمی سچویشن کو سمجھ گئے تھے، انھوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ بھاگنے والوں میں سے دو گر پڑے لیکن جوابی فائرنگ کے نتیجے میں ایک گولی سونیا کے سامنے ونڈ اسکرین کی طرف آئی۔ شیشہ ایک جھنکے سے ٹوٹ گیا۔ گولی یقیناً دوسری طرف نکل گئی ہوگی۔ سونیا اتنی نادان تو نہیں تھی کہ آرام سے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھی رہتی۔ وہ گاڑی کا رخ موڑنے کے بعد نیچے جھک گئی تھی۔

سلیمان موروزنے درست کہا تھا۔ بستی کے چاروں طرف اس کے آدمی موجود رہتے تھے۔ بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ بستی میں ہلچل مچ گئی تھی۔ نہ جانے سونیا کب گاڑی سے نکل آئی۔ وہ زمین پر رینگتی ہوئی میرے قریب پہنچ گئی۔ ہم دونوں سلیمان کے پاس اسی طرح رینگتے ہوئے آئے۔ پھر میں نے کہا "یہاں سے نکل چلو۔"

اس نے اٹھتے ہوئے کہا "ہم کہاں جائیں گے۔ یہ ہماری بستی ہے۔ میں یہاں محفوظ رہوں گا۔"

"ہم دشمن کی چال کو سمجھتے ہیں۔ انھوں نے فائرنگ کر کے تمھارے صرف دوستوں کو نہیں، دشمنوں کو بھی یہ بتا دیا ہے کہ تم یہاں آ گئے ہو۔"

اس نے بے یقینی سے کہا "ارے نہیں، تم تو ٹی وی کے جاسوسوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔ یہاں ایسے چالاک دشمن نہیں ہیں۔ پھر میرے آدمی بستی والوں کو ادھر آنے کا موقع ہی نہیں دیں گے۔"

وہ اپنے طور پر درست کہہ رہا تھا لیکن ہماری بات نہیں سمجھ رہا تھا۔ اس کے آدمی آ گئے تھے۔ ایک نے مقامی زبان میں کہا "ہم نے بستی والوں کو ادھر آنے کا موقع نہیں دیا ہے۔ یہ کہہ کر سب کو خوفزدہ کیا ہے کہ آئندہ بھی گولیاں چل سکتی ہیں۔ لہٰذا آپ اطمینان سے ہمارے ساتھ آ سکتے ہیں۔"

اس نے اٹھ کر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ تاکہ میں سہارا لے کر اٹھ سکوں مگر میں اور سونیا سہارے کے بغیر ہی کھڑے ہو گئے۔ اس نے کہا "میرے ساتھ بستی میں چلو۔ ایک ایک کپ چائے پئیں گے، اس کے بعد شہر کی طرف چلے جانا۔"

"ہم شہر میں جا کر ہی کچھ کھائیں پئیں گے۔"

"کچھ دیر رک جانے میں ہرج نہیں ہے۔ میرا ایک آدمی تمھارے ساتھ شہر جائے گا۔ تمھیں وہاں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔"

میں نے اس کے دماغ کو پڑھا۔ دراصل وہ چاہتا تھا ہم کچھ دیر وہاں رہ کر اس کی طاقت کا اندازہ کریں اور یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ صرف جنگل میں نہیں، بستیوں میں بھی لوگ اس کے وفادار ہیں اور اس کے ایک حکم پر جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

ہم بستی میں آ گئے۔ ایک بڑا سا لکڑی کا مکان نظر آ رہا تھا۔ وہاں جتنے بھی لکڑی کے مکانات بنائے جاتے تھے، وہ زمین سے چار فٹ یا چھ فٹ کی اونچائی پر ہوتے تھے۔ یعنی مکان کے نیچے اور زمین کے درمیان جگہ خالی رہتی تھی۔ وہ اس طرح کہ درخت کے تنے کاٹ کر پہلے چار فٹ یا چھ فٹ لکڑی کا پلیٹ فارم بنایا جاتا تھا پھر اس کے اوپر مکان تعمیر کیا جاتا تھا۔ تاکہ کبھی سمندر میں طوفان آئے اور پانی جزیرے میں چلا آئے تو وہ کسی حد تک محفوظ رہ سکیں۔

ہم سلیمان موروز کے بستی والے مکان میں پہنچے۔ اس کے چند بے تکلف دوست وہاں پہلے سے موجود تھے۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ سب نے سلیمان کو آگے بڑھ کر گلے سے لگایا۔ اس نے دوستوں سے ہمارا تعارف کرایا۔ ہم شراب کی بوتلیں اور ان کے پینے کا انداز دیکھ رہے تھے۔ اتنا کچھ دیکھنے کے بعد میں انھیں مسلمان تو کہہ سکتا تھا مگر مجاہدین نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ جہاد کرنے والے مسلمان اپنے پاکیزہ کردار کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں۔

ایک نے شراب کا گلاس ہماری طرف بڑھایا۔ میں نے کہا "ہم صرف چائے پینے آئے ہیں۔"

یہ سنتے ہی وہ سب قہقہے لگانے لگے۔ ایک نے کہا "بھئی خوب فرمائش کی۔ شراب کی محفل میں چائے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے حسیناؤں کی محفل میں کوئی اپنی بیوی کو یاد کرے۔"

اس بات پر کئی قہقہے بلند ہوئے۔ اس بڑے سے کمرے کے وسط میں ایک بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی۔ وہاں کھانے کی مختلف ڈشیں بھی جا رہی تھیں۔ سلیمان موروزنے کہا "بھئی، ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ ہمارے معزز مہمان ہیں۔ یہ شراب نہیں پیتے۔" پھر اس نے میری طرف دیکھ کر معذرت چاہتے ہوئے کہا "ان کی باتوں کا خیال نہ کرنا۔ یہ دل کے اچھے ہیں۔ یہاں سے شہر

کرہی تمہیں کھانا ہی ہے۔ پلیز کھانے میں ہمارا ساتھ دے دو۔"

ہم نے ان کا ساتھ دیا۔ میرے اور سلیمان موروز کے درمیان سونیا ایک کرسی [illegible] بیٹھ گئی۔ لوگ ہمیشہ اپنے پاس ہتھیار رکھتے تھے۔ ان میں سے [illegible] نے [illegible] وقت اپنے ہتھیار کرسی سے لگا کر زمین پر رکھ دیے تھے، کچھ نے اپنی اسٹین گنیں قدموں کے پاس رکھ دی [illegible] کچھ ایسے تھے جنہوں نے ریوالور میز پر رکھے ہوئے تھے۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے اپنے ریوالور کو میری اور اپنی پلیٹ کے درمیان میز پر رکھ دیا تھا۔ پھر کھانا شروع کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "ہتھیار مرد کا زیور ہوتا ہے۔ کیا تم یہ زیور نہیں پہنتے ہو؟"

میں نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔"

"سنا ہے تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے دماغ میں پہنچ جاتے ہو۔ کیا میرے دماغ میں پہنچ سکتے ہو؟"

"کھاتے وقت میری ٹیلی پیتھی الٹ جاتی ہے۔"

"کیا مطلب ؟"

"جب میں کھا رہا ہوں اور کوئی مجھے اپنے دماغ میں آنے کے لیے کہے تو اسے سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کرنا پڑتی ہیں اور ایسا تم نہیں کرو گے۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے فوراً اٹھ کر کہا "میں کیوں نہیں کر سکتا؟ یہ کوئی بڑی بات ہے؟ میں ابھی کر کے دکھاتا ہوں۔"

وہ وہاں سے کمرے کے خالی حصے میں گیا۔ پھر سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کر لیں۔ اس کے ساتھی کہنے لگے "ارے یہ کیا کر رہے ہو؟ تمہارا دماغ چل گیا ہے؟"

میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو سمجھ میں نہیں آسکا کہ اب تک اس کے ساتھ کیا ہوتا رہا تھا۔ اسی سمجھنے اور نہ سمجھنے کے دوران وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا پھر فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ایک ساتھی نے کہا "کتنی بار سمجھایا ہے، زیادہ نہ پیا کرو۔"

وہ پاؤں پٹخ کر آگے بڑھا پھر میز پر گھونسا مارتے ہوئے کہا "میں نشے میں نہیں ہوں۔"

اس نے گھونسا زور سے مارا تھا۔ بہت سی پلیٹیں میز پر سے اچھل کر پھر اپنی جگہ آئیں، ایک دوسرے سے ٹکرائیں پھر ذرا بج کر خاموش ہو گئیں۔ اس نے بوتل اٹھا کر منہ سے لگائی۔ غٹا غٹ پینے کے بعد لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ میں اور سونیا اطمینان سے کھا رہے تھے۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھ کر میری طرف گھورتے ہوئے بولا "مجھے کیا ہو گیا تھا؟"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا "میں ٹیلی پیتھی کے متعلق تمہیں بتا رہا تھا اور تم سچ مچ جا کر سر کے بل کھڑے ہو گئے تھے۔ میں نے سوچا جب تم الٹ ہی گئے ہو تو میں اپنی الٹی ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہارے دماغ میں پہنچ کر گفتگو کروں مگر تم گر چکے تھے اور اب اٹھنے کے بعد غصہ دکھا رہے ہو۔"

وہ الجھن میں پڑ گیا تھا۔ مجھے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے بوتل اٹھا کر دو گھونٹ پیے، اس کے بعد بولا "کیا ٹیلی پیتھی ایسی ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنے بس میں نہ رہے اور الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگے ؟"

"اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ میں نے پہلی قسم بتائی تھی اور تم الٹ گئے۔ دوسری بتاؤں گا تو جانے کیا اوٹ پٹانگ حرکتیں کرو گے لہٰذا چپ چاپ کھاتے رہو۔"

وہ چپ چاپ کھانا نہیں چاہتا تھا، غصے میں صرف پینا چاہتا تھا۔ باقی سب لوگ کھاتے رہے۔ وہ سب زندہ دل تھے، اپنے ساتھی کا غصہ کم کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بات کہہ کر اسے ہنسانے کی کوشش کرتے تھے اور خود بھی ہنسنے لگتے تھے۔

ہمارا میزبان سلیمان موروز بھی بوتل کھول چکا تھا۔ وہ کھانے کے دوران ایک ایک گھونٹ یوں پیتا تھا جیسے پانی پی رہا ہو۔ سونیا نے ناگواری سے منہ بنا کر کہا "مجھے یہ عادت بالکل پسند نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ ایک دم سے چونکی اور پھر ایک الٹا ہاتھ سلیمان موروز کے منہ پر جما دیا۔ وہ کرسی سمیت الٹ کر فرش پر پہنچ گیا۔ سونیا بھی چیختی ہوئی فرش پر پہنچ گئی "فرہاد، ہوشیار، سامنے دیکھو۔"

اس کے کہنے سے پہلے ہی میں دیکھ چکا تھا۔ اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کا ریوالور اٹھا چکا تھا۔ پھر اسی لمحے میں نے گولی چلا دی۔ اس مکان کی دیواریں لکڑی کے تختوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھیں۔ ان تختوں کے جوڑ میں ایک شگاف تھا اور اسی شگاف سے ریوالور کی نال جھانک رہی تھی۔

جیسے ہی میں نے گولی چلائی، ریوالور کی نال غائب ہو گئی لیکن کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ ادھر سلیمان موروز زمین پر گرنے کے بعد تلملا کر اٹھ رہا تھا اور غصے سے کہہ رہا تھا "میں تم دونوں کو معزز مہمان سمجھتا تھا اور تم نے میرے منہ پر طمانچہ مارا۔ اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

دوسری طرف اس کا ساتھی مجھ سے کہہ رہا تھا "تم نے میرے سر کی طرف گولی کیوں چلائی؟ اگر مجھے لگ جاتی تو؟"

میں نے کہا "پچھلی دیوار کی طرف دیکھو۔ وہاں سے ایک ریوالور کی نال نظر آئی تھی۔ اس کا رخ سلیمان کی طرف تھا۔"

سب نے ادھر دیکھا مگر کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے کہا "باہر چلو۔ کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔"

دو آدمی باہر جانے لگے، ان میں سے ایک نے کہا "اگر یہ غلط ہوا تو ہم سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

وہ باہر چلے گئے۔ سلیمان موروز فرش پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کبھی اس دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں میں نے گولی چلائی تھی اور کبھی سونیا کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے گھونسا دکھاتے ہوئے کہا "میں... میں..."

وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا۔ دو شخص جو باہر گئے تھے، وہ تیسرے کو لے کر آئے۔ اس کے بازو میں گولی لگی تھی اور لہو رس رہا تھا۔ ان دونوں نے غصے سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ ہمارا محافظ ہے۔ تم نے اس پر گولی کیوں چلائی؟"

"اگر یہ محافظ ہے تو پھر یہ غدار بھی ہے۔ دشمنوں سے ملا ہوا ہے۔"

اس زخمی نے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ ایک شخص نے اس کا ترجمہ پیش کیا "یہ کہہ رہا ہے، تم جھوٹے ہو۔ یہ ہمارا وفادار ہے۔"

میں نے کہا "یہ انگریزی زبان جانتا ہے تب ہی میری بات کے جواب میں اپنی صفائی پیش کر رہا ہے۔ اس سے کہو، یہ مجھ سے انگریزی میں گفتگو کرے۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر پھر مقامی زبان میں کچھ کہا جس کا مطلب تھا "اگر وہ انگریزی بولے گا تو میں اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا۔"

اسی وقت سلیمان موروز نے آگے بڑھ کر اس زخمی پہرے دار کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا "میرے مہمان جھوٹے نہیں ہیں۔ ابھی اس روح نے میرے اندر پہنچ کر کہا ہے، تم مجھ پر گولی چلا رہے تھے۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو سچ اگل دو۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں، میں نے گولی نہیں چلائی۔ میں غدار نہیں ہوں۔"

اس بار وہ انگریزی میں بول رہا تھا۔ میں نے سوچا، اس کے سچ اگلنے میں بڑی دیر لگے گی، لہٰذا اسے مجبور کرنا شروع کیا اور وہ اپنے جرم کا اعتراف کرنے لگا۔ اس کے بعد اس کی پٹائی شروع ہو گئی۔ سلیمان کہہ رہا تھا "اسے ابھی نہ مارو۔ باندھ کر رکھو اور اتنی اذیتیں دو کہ یہ ہمارے دشمنوں کا پتا بتائے۔ یہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کس نے بھیجا ہے؟"

جس نے بھی اسے بھیجا تھا، وہ اس کا وفادار تھا کیوں کہ سلیمان کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی اس نے کوئی چیز جیب سے نکالی تھی اور اسے منہ میں رکھ کر نگل گیا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم اینٹھنے لگا۔ وہ ان کی گرفت سے نکل رہا تھا مگر فرش پر گر رہا تھا۔ سب نے اسے چھوڑ دیا۔ ایک نے کہا "یہ ڈھونگ کر رہا ہے، یہاں سے بھاگنے کا موقع ڈھونڈ رہا ہے۔"

میں سمجھ گیا تھا، اب وہ نہیں بچے گا۔ میں نے بیگ میں سے کمپیوٹرائزڈ ٹرانسمیٹر نکال کر رابطہ قائم کیا۔ پھر مائک کو آن کرتے ہوئے کہا "تمہارا شکریہ، اگر تم سلیمان موروز کو یقین نہ دلاتیں تو ہم بری طرح پھنس جاتے۔"

جواب موصول ہوا "اس واقعے سے سبق حاصل کرو اور میری اہمیت کو سمجھو۔ اگر میں مخالفت پر اتر آئی تو ان [illegible] سے پیچھا نہیں چھڑا سکو گے، اس جزیرے سے نکل بھاگنے کا راستہ بھی نہیں ملے گا۔ ویسے تم دونوں کی چھٹی حس بڑی حیرت انگیز ہے۔ میں بھی موروز کے دماغ میں تھی مگر اس خطرے کو سمجھ نہیں پائی۔" پھر اس نے کہا "فرہاد! یہاں وقت ضائع نہ کرو۔ شہر مانگاسو پہنچو۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔"

میں نے سونیا کو وہ کمپیوٹرائزڈ اسکرین دکھایا۔ اس نے جواب پڑھ کر تائید میں سر ہلایا۔ میں نے کہا "ہم ابھی آرہے ہیں۔"

میں نے اسے آف کر کے بیگ میں رکھ لیا۔ سلیمان موروز اور اس کے ساتھی مرنے والے کی طرف متوجہ تھے۔ کوئی اس کی نبض ٹٹول رہا تھا، کوئی دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر انہیں یقین ہو گیا کہ وہ مر چکا ہے۔ سونیا نے تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے سلیمان کے قریب آکر کہا "اب ہم شہر جانا چاہتے ہیں۔"

ہمارے میزبان نے ذرا پیچھے ہٹ کر اسے دیکھا پھر مجھے دیکھا۔ [illegible] کی سوچ کہہ رہی تھی "میں اپنے مہمانوں کو کیا کہوں؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ دونوں نے میری جان بچائی لیکن ایک نے لات ماری، دوسری نے تھپڑ مار دیا۔"

[illegible] نے پھر ایک بار ہمیں باری باری دیکھا۔ اس کے بعد تھوک نگل کر بولا "بہتر ہے، تم دونوں چلے ہی جاؤ۔"

⊙

ہم جزیرے کے شہر مانگاسو پہنچ گئے۔ ہمارے اطراف شہر کے مناظر گزرتے جا رہے تھے۔ ہم دائیں بائیں کھڑکیوں سے دیکھتے [illegible] رہے تھے۔ وہاں لکڑیوں کے مکانات کے علاوہ [illegible] بھی تھے۔ تقریباً ہر مکان کے باہر رنگ برنگے پھولوں کے باغیچے تھے۔ بہت ہی صاف ستھرا شہر تھا۔ بعد میں پتا چلا، وہ شہر اتنا مہنگا ہے کہ وہاں صرف دولت مند آکر آباد ہوتے ہیں۔ آس پاس کی بستیوں کے غریب لوگ پھل، سبزیاں اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں لا کر ان کو فروخت کرتے ہیں۔ اور شام ہونے سے پہلے واپس چلے جاتے ہیں۔

ہماری گاڑی اس قدیم تاریخی محل کے قریب پہنچ رہی تھی۔

کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے بیگ سے نکال کر آپریٹ کیا۔ اس نے کہا: ”اب میں تمھارے ڈرائیور کے دماغ میں رہوں گی۔ یہ تمھاری باتیں اچھی طرح نہیں سمجھ سکے گا لہٰذا میری مرضی کے مطابق اس گاڑی کو محل کے چاروں طرف گھمائے گا۔ تاکہ تم اسے اچھی طرح دیکھ لو۔ دن کے وقت بھی آ کر دیکھ لینا۔ کمپیوٹر کے اسکرین کو آن کر کے رکھو۔ میں کچھ نہ کچھ معلومات فراہم کرتی رہوں گی۔“

ہماری گاڑی محل کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف اونچی دیواریں حد بندی کے طور پر کھڑی ہوئی تھی۔ یہ دیواریں پرانی ہو چکی تھیں۔ اسکرین پر تحریر اُبھرنے لگی تھی: ”اس قدیم تاریخی محل کا نام مکتی محل ہے۔ ابھی تم مکتی محل کے سامنے سے گزر رہے ہو۔ سامنے جو آبادی نظر آ رہی ہے یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور سبھی دولت مند ہیں۔“

میں اس محل کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ شہر میں کافی روشنی تھی۔ کچھ اس کی روشنی میں اور کچھ محل کی سفیدی نے اسے رات کے وقت بھی اُجاگر کیا ہوا تھا۔ وہ سفیدی یا تو ڈسٹمپر کی ہو سکتی تھی یا پھر سفید پتھر استعمال کیے گئے ہوں گے۔ بہر حال وہ محل بہت صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔

کمپیوٹر کے ذریعے معلوم ہوا کہ حکومت کی طرف سے اس محل کی حفاظت کی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا: ”جب یہ مکتی محل حکومت کے قبضے میں ہے تو پھر تمھارے قبضے میں کیسے آ سکتا ہے؟“

”اس جزیرے میں حکومت کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ اس کے پیچھے ایک چھوٹی سی فوجی چھاؤنی ہے۔ یہ فوجی قانون کا واسطہ دے کر شہر میں امن و امان قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر اس فوجی اڈے کو تباہ کر دیا جائے تو مسلمان باغیوں کی دہشت اور بڑھ جائے گی۔ یہاں کے شہریوں کو اس محل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ سلیمان موروز اور اس کے علاوہ دوسرے مسلمان لیڈر بخوشی یہ محل میرے حوالے کر دیں گے۔ پھر یہاں میرے آدمیوں کا پہرہ رہے گا۔ اور کوئی اس کے احاطے کے اندر نہیں آ سکے گا۔“

ہماری گاڑی مکتی محل کے چاروں طرف ایک چکر لگاتے ہوئے گزر رہی تھی۔ محل کے دائیں بائیں تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر کوئی مکان نہیں تھا۔ صرف حد بندی کی دیوار تھی۔ اس کے بعد جو آبادی تھی، اس میں فلپائنی، غیر ملکی، خصوصاً امریکی اور کچھ مسلمان تھے۔

مادام کمپیوٹر نے کہا: ”جیسا کہ میں بتا چکی ہوں، اس کا نام مکتی محل ہے۔ مکتی محل کے معنی ہیں نجات۔ اس محل کا گوری سجاتہ کی.... نجات سے گہرا تعلق ہے — وہ دو سو برس سے سحر زدہ رہنے والی حسینہ تمھارا انتظار کر رہی ہے۔ تم ہی اسے مکتی محل کے تہ خانے سے نجات دلا سکو گے۔“

ہماری گاڑی چاروں طرف ایک چکر لگانے کے بعد اس شاہراہ پر جا رہی تھی جس کے دونوں طرف مہنگے ہوٹل اور کلب وغیرہ تھے۔ مادام کمپیوٹر نے پوچھا: ”میں گوری سجاتہ کی بات کر رہی ہوں۔ تم نے کوئی جواب نہیں دیا؟“

میں نے جواب دیا: ”مجھے اس کہانی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں اور سونیا سوچ رہے ہیں، اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔“

”مجھے جلدی اپنا فیصلہ سناؤ۔“

”کل دوپہر تک فیصلہ سنا سکتا ہوں۔ یوں بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی اس محل پر تمھارا قبضہ نہیں ہوا ہے۔“

”ہو جائے گا۔ ابھی دس بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں۔ تمھاری گاڑی پامیرا کلب کے احاطے کے سامنے پہنچ گئی ہے۔ اس کلب میں تم ایک بجے تک رہو گے۔ اس کے بعد اپنی رہائش گاہ میں چلے جانا کیونکہ دو بجے کے بعد محل کے پچھلے حصے میں دھماکے شروع ہوں گے۔ کل صبح تک میرے آدمی اس فوجی چھاؤنی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔“

”میں اس کلب میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکوں گا کیوں کہ نہ تو ہم شراب پیتے ہیں اور نہ ہی تاش کھیلنے کے موڈ میں ہیں!“

”یہاں پانچ نمبر کا کیبن مسٹر شنکو کے نام پر ریزرو ہے۔ اس کیبن میں چلے جاؤ۔ یہ ہمارا آدمی ہے۔ کوئی تمھیں نہیں روکے گا۔ پینے کے لیے ٹھنڈے مشروب اور کافی مل سکتی ہے۔ تم اس کیبن میں بیٹھ کر ان مسودوں کا مطالعہ کر سکتے ہو۔“

ہم گاڑی سے اتر کر کلب میں پہنچ گئے۔ ہمیں پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی کہ کلب میں پرائیویٹ کیبن کہاں ہیں۔ وہاں داخل ہوتے ہی ایک شخص زرد رنگ کی شرٹ میں نظر آیا۔ اس کی جیب پر ایم سی لکھا ہوا تھا۔ وہ سیدھا ہماری طرف چلا آیا۔ ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا: ”ویل کم مسٹر فرہاد۔“

پھر اس نے سونیا سے بھی مصافحہ کیا اور ہمیں کیبن نمبر پانچ میں لے گیا۔ وہاں پہلے ہی ایک باڈی بلڈر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا جسامت دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا، اچھا فائٹر ہو سکتا ہے۔ چہرے کی سختی اور سفاکی بتا رہی تھی کہ ضرورت پڑنے پر وہ کسی کو قتل بھی کر سکتا ہے۔

میں نے اسے دیکھ کر زرد قمیص والے سے کہا: ”سوری، ہم تنہائی چاہتے ہیں۔“

باڈی بلڈر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا: ”میں جا رہا ہوں۔ تمھیں صرف یہ لفافہ دینا چاہتا تھا۔“

اس نے میز کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں پلاسٹک کا سیاہ لفافہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے جاتے ہی میں اور سونیا کیبن میں آئے۔ سافٹ ڈرنک کا آرڈر دیا۔ پھر اس لفافے کو کھول کر کاغذات نکال کر دیکھنے لگے۔ وہ سب اصل کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں تھیں۔ ان میں سے کچھ ایسی کاپیاں تھیں جو اجنبی زبان میں تھیں۔ انھیں دیکھ کر پتا چلتا تھا، صدیوں پہلے یہ زبان رائج رہی ہوگی۔ اب کوئی اسے پڑھ نہیں سکتا تھا۔ دوسرے چند کاغذات انگریزی زبان میں تھے۔ یعنی ان پرانی تحریروں کا ترجمہ پیش کیا گیا تھا۔

میں انھیں پڑھنے لگا۔ ایک ایک صفحہ پڑھ کر سونیا کی طرف بڑھا دیتا تھا۔ وہ انھیں پڑھنے لگتی تھی۔ ہم ٹھنڈا مشروب بھی پیتے جا رہے تھے اور پڑھتے بھی جا رہے تھے۔ باتیں وہی تھیں جو مادام کمپیوٹر مجھے بتا چکی تھی۔ مجھے ایسی حسینہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جو دو سو سال سے مُردوں کی طرح سو رہی ہو اور میرے جاتے ہی اٹھ کر بیٹھ جائے۔

ہاں، مگر اس ڈرامے سے دلچسپی تھی جو مادام کمپیوٹر اس حسینہ کے حوالے سے کھیلنے والی تھی۔ ان کاغذات میں ایک نقشہ بھی تھا، اسے دیکھ کر پتا چلتا تھا وہ مکتی محل کا تہ خانہ ہے۔ تہ خانے میں پہنچنے کے بعد کن راستوں سے گزرنا ہوگا؟ ان راستوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اس تہ خانے میں ایک جگہ سرخ نشان بنایا گیا تھا۔ اس کے نیچے لکھا ہوا تھا: ”ہیئر لائس گوری سجاتہ۔ ویٹنگ، ویٹنگ اینڈ ویٹنگ فار یو (یہاں گوری سجاتہ پڑی ہے۔ انتظار کر رہی ہے، انتظار کر رہی ہے۔ ہاں تمھارا ہی انتظار کر رہی ہے۔)“

سونیا اس نقشے کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا: ”اس تہ خانے میں اترنے کا کوئی راستہ نہیں دکھایا گیا ہے۔“

میں نے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کو نکال کر آپریٹ کیا۔ پھر یہی سوال دوہرایا۔ اس نے جواب دیا: ”یہ تمھارے پاس اصل نقشے کی نقل ہے۔ میں نے اسے نقل کرتے ہوئے اس مقام کی نشاندہی نہیں کی جہاں سے تہ خانے میں اترا جا سکتا ہے۔ جب تم مجھ پر اعتماد کرو گے اور میرے کام آنے کا ... کرو گے تو میں تمھیں راستہ دکھاؤں گی۔“

”تم میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ کیا ضروری ہے کہ میں ہی اس تہ خانے میں جا سکتا ہوں۔ یہ کام کسی اور سے بھی لے سکتی ہو۔“

”اس تہ خانے میں جانے کے لیے دلیری، ذہانت اور علم ریاضی میں مہارت چاہیے۔“

”میں علم ریاضی نہیں جانتا۔“

”بابا فرید واسطی کے ادارے میں علم ریاضی کے بڑے بڑے عالم ہیں۔ شیخ الفارس ان کے استاد ہیں۔ وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں۔“

میں نے ان مسودوں میں سے ایک صفحہ نکال کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں تہ خانے کے ایک کمرے کا ذکر تھا۔ اور ایک ریاضی کا حساب پیش کیا گیا تھا۔ کچھ یوں لکھا تھا۔

”جو سیڑھیوں سے اترتا ہوا فرش پر پہنچے گا، اسی رُخ پر سامنے ایک دیوار ہو گی۔ وہ دیوار دو سو دس پتھروں سے چنی گئی ہے۔ فرش اور دیوار کے بائیں کونے سے ستر ڈگری کی سیدھ پر بارہ پتھر چھت تک گئے ہیں۔ انھیں نیچے سے گنتے ہوئے پتھر نمبر آٹھ تک جاؤ۔ پھر اوپر سے گنتے ہوئے پتھر نمبر پانچ تک آؤ۔ ان نمبروں کے درمیان دو ایسے نمبروں کو جمع کرو جن کا حاصل جمع تین سے برابر تقسیم ہو جائے۔ تقسیم کے حاصل میں جس نمبر کا پتھر آئے گا، اس پر کسی سخت چیز سے ضرب لگاؤ، پھر دیوار کا خفیہ دروازہ خود بخود کھلتا جائے گا۔“

ریاضی کا یہ حساب پیش کرنے کے بعد نیچے وارننگ لکھی ہوئی تھی: ”خبردار! اگر حساب میں غلطی ہوئی یا اندازے سے کسی اور پتھر پر ضرب لگائی گئی تو اس چار دیواری کی چھت تم پر آ گرے گی۔ پھر تم بھی گوری سجاتہ کی طرح برسوں کسی کے انتظار میں وہاں پڑے رہو گے۔“

ان کاغذات کا مطالعہ کرنے سے پتا چلا، تہ خانے کے مختلف کمروں اور راہداریوں میں اسی طرح علم ریاضی کا جال بچھا ہے۔ جیسے جیسے راستہ آگے بڑھتا جاتا ہے، ہندسوں کی شعبدہ بازی مشکل تر ہوتی جاتی ہے۔ بابا صاحب کے ادارے میں ہر شعبے کے ماہرین اور علم کے ہر موضوع پر کامل دسترس رکھنے والے اساتذہ موجود تھے۔

میں نے کمپیوٹر کو آن کرنے کے بعد کہا: ”کل میں تمھارا ساتھ دینے کا فیصلہ کروں گا۔ اس کے بعد جناب شیخ الفارس سے ریاضی کے تمام مسائل حل کرا لوں گا۔ ابھی موجودہ حالات پر گفتگو کرو۔ تمھاری توجہ صرف مکتی محل کی طرف ہے۔ تم آج رات دو بجے ہنگامے کرانا چاہتی ہو لیکن یہ کیوں بھول رہی ہو کہ دہشت گرد تنظیم کے تمام لوگ ادھر کا رُخ کر رہے ہیں۔ آج رات جزیرے کے ساحلی علاقے بڑے مصروف رہیں گے۔ یقیناً سبھی بحری راستے سے اس جزیرے میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔“

اسکرین سے جواب موصول ہوا: ”تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے، وہ صرف کوششیں نہیں کر رہے ہیں بلکہ دہشت گرد تنظیم سے تعلق رکھنے والے کئی خطرناک مجرم جزیرے میں داخل ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ میری ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں ہیں۔ کچھ گم ہو گئے ہیں۔ جب وہ اپنے ساتھیوں سے رابطہ قائم کریں گے تو مجھ سے چھپے نہیں رہ سکیں گے۔ رہ گئی یہ بات کہ آج رات جزیرے کے تمام ساحلی علاقوں سے مجرموں کی کھیپ داخل ہونے والی ہے تو ہم نے پہلے سے انتظامات کر رکھے ہیں۔ یہاں سلیمان موروز کے علاوہ ایک اور مسلمان لیڈر ہے جس کا نام احمد جوزف ہے، ان رہنماؤں نے اپنے جنگجو جوانوں کو ساحلی علاقوں پر پھیلا دیا ہے۔ کوئی اجنبی اس جزیرے پر قدم رکھے گا تو اسے گولی مار دی

جائے گی۔"

"مادام کمپیوٹر! کیوں ہمیں بچوں کی طرح بہلا رہی ہو۔ جن دہشت گرد تنظیموں کے سربراہوں سے بھاری معاوضہ حاصل کرتی رہتی ہو ان کے آدمیوں کو بھلا تم گولی مارو گی؟"

"میں نہیں ماروں گی۔ مجھ پر الزام نہیں آئے گا۔ فلپائن کی موجودہ حکومت نے مسلمانوں کو باغی کہہ کر بدنام کیا ہوا ہے۔ دہشت گرد تنظیم کے لوگ یہی سمجھیں گے کہ مسلمان ان پر حملہ کر رہے ہیں۔"

"ان پر حملہ کوئی بھی کرے، تمھارا فرض ان کی حفاظت کرنا ہے کیوں کہ تم ان سے اچھی خاصی رقمیں وصول کرتی رہتی ہو۔"

"میں ان سے معاوضہ حاصل کرتی ہوں۔ اس سلسلے میں دیانت داری سے ان کی مدد کرتی ہوں۔ انھیں کبھی نقصان نہیں پہنچاتی لیکن میری مرضی کے خلاف وہ اقدامات کریں گے اور جبراً اس جزیرے میں داخل ہونا چاہیں گے تو میں نہ ان کا ساتھ دوں گی اور نہ ہی کھلم کھلا مخالفت کروں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ گوزی سماتہ تک پہنچنے کے سلسلے میں کسی طرف سے رکاوٹ ہو۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "اب ہم جا رہے ہیں۔ اپنی رہائش گاہ میں آرام کریں گے۔"

"تمھارے ساتھ جو ڈرائیور ہے وہ انگریزی نہیں جانتا تمھارے لیے مشکلات پیش آئیں گی۔ بہتر سمجھو تو اس باڈی بلڈر کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

"ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" "ضرورت پیش آئے گی تو خیال خوانی کی ڈور سے باندھ کر اپنی طرف کھینچ لوں گا۔"

میں نے کمپیوٹر آف کر کے بیگ میں رکھا۔ سونیا اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے اٹھی۔ پھر کیبن سے باہر آئی۔ سامنے باڈی بلڈر جیسے راستہ روک کر کھڑا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی مسکرا کر بولا "میرے لائق کوئی خدمت۔"

سونیا نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر کہا "تمھاری جیب میں جتنی بھی فلپائنی کرنسی ہے وہ ہمیں دے دو۔"

فلپائنی سکے کو پیسو کہا جاتا ہے۔ اٹھارہ پیسو ایک امریکی ڈالر کے برابر ہوتا ہے۔ اس نے سو سو پیسو کے بیس نوٹ اور پچاس پچاس پیسو کے سو نوٹ نکال کر ہماری طرف بڑھا دیے۔ [illegible] پھر اس نے پوچھا "اور کوئی خدمت؟"

"ہاں، اب سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

اسے سونیا کا یہ انداز ناگوار گزرا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ مترنم آواز اسے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ ایک طرف ہٹ گیا۔ ہم دونوں شانہ بشانہ چلتے ہوئے کلب سے باہر آئے۔ پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیور کو معلوم تھا اور یہ مادام کمپیوٹر نے بھی اس کے دماغ میں رہ کر معلوم کر لیا ہوگا۔ ویسے ہمیں اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ ہم سے بہت بڑا کام لینا چاہتی تھی۔ ہمیں نقصان پہنچانے کے سلسلے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بلکہ ہر قدم پر ہماری حفاظت کرنے والی تھی۔

ابھی ہم تھوڑی دور گئے تھے کہ اچانک پیچھے سے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ پیچھے آنے والی ایک گاڑی راستے پر گھوم کر رک گئی تھی۔ میں نے باڈی بلڈر کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ پتا چلا۔ وہ ہماری نگرانی کے لیے چلا آ رہا تھا۔ کسی نے اس کی گاڑی کے پہیے پر گولی چلائی تھی اور اسے بیکار کر دیا تھا۔ سونیا نے جاپانی زبان میں کہا "ہمیں گاڑی میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔ میں جا رہی ہوں۔ آگے اسی راستے پر ملوں گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے دروازہ کھولا اور چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دی۔ آگے ایک چھوٹا سا چوراہا تھا۔ ہماری گاڑی وہاں تک نہ پہنچ سکی۔ دوسرے راستے سے ایک ٹرک نے آکر ہمارا راستہ روک لیا۔

یہ ہونا ہی تھا۔ ہماری نگرانی کرنے والی گاڑی کا پہیہ بیکار کرنے اور اسے روکنے کا مطلب یہی تھا کہ آگے کا راستہ بھی روکا جائے گا اس لیے سونیا نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ دوستی اور وفاداری میں ایسے مرحلے بھی آتے ہیں کہ ساتھ دینے کے لیے ساتھ چھوڑنا پڑتا ہے۔

ہماری گاڑی ٹرک سے ذرا دور رک گئی۔ میں نے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ اسٹریٹ لیمپ دور دور تک نصب کیے گئے تھے۔ میرے آس پاس کہیں اندھیرا تھا کہیں اجالا۔ کچھ حرکت کرتے ہوئے سائے نظر آ رہے تھے۔ پھر وہ واضح طور پر دکھائی دیے۔ وہ سب سڑک کی طرف آ گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں اور ریوالور تھے۔ انھوں نے ہماری گاڑی کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ پھر ایک نے دروازے کے پاس آکر ایک چھوٹی سی پرچی میری طرف بڑھائی۔ میں نے اسے کھول کر گاڑی کی اندرونی لائٹ میں پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا "جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ہمارے حوالے کر دو۔"

میں نے اپنا بیگ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اس کی تلاشی لینے لگے۔ اس میں سے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر اور سیاہ رنگ کا لفافہ نکلا جس میں وہ تمام مسودے تھے۔ اس کے علاوہ ہماری ضرورت کا دوسرا سامان تھا۔ ایک شخص دوسری طرف کا دروازہ کھول کر میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ایک پرچی پر کچھ لکھ کر میری طرف بڑھایا۔ اس نے لکھا تھا "تمھاری ساتھی کہاں ہے؟"

میں نے جواب دیا "چونکہ وہ یہاں نہیں ہے اس لیے کسی بھی لمحے اوپر سے نازل ہوگی۔"

اس نے مجھے دروازے کی طرف دھکا دیتے ہوئے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ ایک نے ٹرک کی طرف

اشارہ کیا۔ اور مجھے ادھر دھکا دینا چاہا۔ وہ مجھے وہاں جا کر بیٹھنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ اسی لمحے ایک زوردار دھماکا ہوا۔ پتا چلا ٹرک کا ایک پہیہ بیکار کیا جا چکا ہے۔ رات کے سناٹے میں اتنا زوردار دھماکا ہوا تھا کہ سب چونک گئے تھے۔ اتنا ہی میرے لیے کافی تھا۔ میں نے اچھل کر الٹی قلابازی کھائی۔ گاڑی کی چھت پر گیا۔ پھر وہاں سے لڑھکتا ہوا دوسرے دروازے پر پہنچا۔ دوسری طرف سے وہی شخص نکل رہا تھا جو میرے پاس آکر بیٹھ گیا تھا۔ میں اسے لیے سڑک کے کنارے آکر گرا۔ پھر اسے لپٹائے ہوئے دور لڑھکتا چلا گیا۔ آخر میں نے اس وقت اسے چھوڑا جب اس کی اسٹین گن میرے ہاتھ آ گئی۔ وہ اسی جگہ پر پڑا رہ گیا۔ میں نے فوراً ہی ایک درخت کے پیچھے مورچہ سنبھال لیا تھا۔ اس وقت تک میری طرف فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں نے جوابی فائرنگ کی۔ جدھر سے ہم گزرتے آئے تھے اس طرف سے کچھ لوگ دوڑتے آ رہے تھے۔ اور مسلسل فائرنگ کرتے جا رہے تھے۔ میں نے معلوم کر لیا۔ وہ باڈی بلڈر تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہمارے دشمنوں پر فائرنگ کرتا ہوا آ رہا تھا۔

وہ جو میرے قریب ہی زمین پر پڑا ہوا تھا۔ وہ بوکھلا کر چیخنے لگا "میری طرف فائرنگ نہ کرو، مجھے گولی لگ جائے گی۔"

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "میں تمھیں گولی ماروں یا ٹیلی پیتھی کا جوتا؟"

وہ بھلا کیا جواب دیتا۔ میں نے ادھر فائرنگ کی جدھر میرا بیگ لے جانے والے جا رہے تھے۔ ان کا رخ ٹرک کی طرف تھا کیونکہ باڈی بلڈر کے آدمی انھیں گھیرنے پہنچ گئے تھے۔ لیکن ہمیں گھیرنے والے ٹرک تک بھی نہ پہنچ سکے۔ وہاں سے اچانک ہی اسٹین گن سے ایک برسٹ چلا۔ کسی کی چیخ سنائی دی۔ ٹرک کی طرف جانے والے وہاں سے بھی پلٹ کر دوسری طرف بھاگنے لگے۔

میں نے باڈی بلڈر کے دماغ میں کہا "وہ کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر لے جا رہے ہیں۔ ان کا پیچھا نہ چھوڑنا۔ فرہاد کا تمام سامان واپس ملنا چاہیے۔"

وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ بھاگنے والوں کا تعاقب کرتے ہوئے دور چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے لیے سناٹا چھا گیا۔ میں نے اپنے پاس پڑے ہوئے شخص کو دیکھا۔ پھر معلومات حاصل کرنے لگا۔ وہ ماسٹر کی سنڈیکیٹ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس وقت بے بسی سے زمین پر پڑا ہوا سوچ رہا تھا "آہ مجھے پہلے ہی اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا۔ فرہاد اور سونیا کے قریب نہ جانا۔ لیکن میں کیا کروں۔ پہلے میں تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ اگر یہ ٹرک میں جا کر بیٹھ جاتا اور وہاں میں مطمئن ہو جاتا کہ یہی فرہاد ہے تو اسی لمحے گولی مار دیتا۔ مجھے یہ بھی سمجھایا گیا تھا کہ فرہاد سمجھ کر جانے کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا چکا ہے۔ لہٰذا پہلے تصدیق ہونا چاہیے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "ابے الو! ماسٹر کی اچھی طرح جانتا ہے کہ فرہاد بابر کے روپ میں ہے۔ سونیا کے ساتھ اسے ائیر فرانس کے طیارے میں اغوا کیا گیا اور اسے یہاں پہنچایا گیا۔ اگر یہ فرہاد نہیں ہوگا تو اور کون ہوگا؟"

اس کی اپنی سوچ نے کہا "سجاد علی تیمور کو اسی طرح پیرس سے اغوا کر کے اسرائیل پہنچایا گیا تھا۔ وہ سب اس خوش فہمی میں تھے کہ وہ فرہاد علی تیمور ہے۔ ایک طویل عرصے کے بعد حقیقت معلوم ہوئی۔ اور تمام دشمن اپنی خوش فہمی کے آئینے میں اپنا منہ دیکھتے رہ گئے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر مجھے یہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا تو میں یہاں سے...!"

میں نے بات ادھوری چھوڑ دی تاکہ وہ بے اختیار سوچتا چلا جائے اور وہ سوچتا چلا گیا۔ وہ فرار ہونے کا موقع حاصل کرتے ہی وہاں سے اپنی عارضی رہائش گاہ میں جائے گا اور اپنے پارٹی لیڈر سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرے گا، اسے یہاں کے حالات بتائے گا۔

اسی وقت کہیں سے گولی چلی۔ میں ایک طرف بھاگنے لگا۔ میرا مقصد یہی تھا کہ اسے بھاگنے کا موقع مل جائے۔ اس نے یہی کیا۔ اس کی دانست میں تقدیر نے ساتھ دیا تھا۔ کہیں سے گولی چلی تھی اور میں اپنے بچاؤ کے لیے دوسرا مورچہ سنبھالنے گیا تھا۔ اتنی دیر میں وہ دور تک بھاگتا چلا گیا۔ ایسے وقت وہ سوچ رہا تھا "کہیں فرہاد اس کے دماغ میں پہنچ کر واپس تو نہیں بلائے گا۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "شاید فرہاد میرے دماغ میں نہیں پہنچا ہے۔"

"کیسے نہیں پہنچے گا جب کہ میں نے زبان کھولی تھی، اور چیخ کر اپنے آدمیوں کو ادھر فائرنگ کرنے سے منع کیا تھا۔"

اس نے بھاگتے بھاگتے جھنجلا کر سوچا "پھر وہ میرے دماغ میں کیوں نہیں آ رہا ہے۔ وہ مجھے بھاگنے سے کیوں نہیں روک رہا ہے؟"

اس کی دوسری سوچ نے کہا "شاید وہ فرہاد ہی نہیں ہے۔ اس بات کی تصدیق ہو رہی ہے کہ ہم نے دھوکا کھایا اور ایک غلط آدمی کو روک لیا ہے۔ ہاں اب سمجھ میں آ رہا ہے۔ اگر فرہاد ہوتا تو اس کے ساتھ سونیا بھی ہوتی۔ وہ تو گاڑی میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اوہ گاڈ، اب حقیقت سمجھ میں آ رہی ہے۔ ہم بہت بڑا دھوکا کھاتے کھاتے بچ گئے۔ خواہ مخواہ اتنا وقت ضائع کیا۔"

وہ بھاگتے بھاگتے رک گیا۔ میں اسے سوچنے پر مجبور

لگا۔" آخر پھر یہ کون تھا جسے ہم نے گھیرا تھا۔ فرہاد نہیں ہے تو اس کا کوئی ساتھی ضرور ہوگا۔ یا اس کا تعلق مادام کمپیوٹر سے ہوگا کیونکہ اس کے پاس سے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر بھی برآمد ہوا تھا۔"

وہ سوچتے ہوئے واپس آنے لگا۔ اسے ہماری گرفت میں آنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ رات کا وقت تھا۔ وہ درختوں کے پیچھے چھپ سکتا تھا۔ کہیں تاریکی بھی اسے چھپا سکتی تھی۔

وہ ٹرک اپنی جگہ سے ہٹ رہا تھا۔ اگرچہ اس کا ایک پہیہ بیکار ہو چکا تھا لیکن اسے ذرا دور ہٹایا جا سکتا تھا۔ یہ سب سونیا کر رہی تھی۔ اس کے بعد وہ ہماری گاڑی کی طرف دوڑتے ہوئے آئی۔ وہ ہمارا مخصوص کوڈ ورڈز استعمال کر رہی تھی تاکہ پتا چلے، وہی آ رہی ہے اور میں کہیں چھپا ہوا ہوں تو جواباً کوڈ ورڈز استعمال کروں۔

میں کوڈ ورڈز دہراتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گیا۔ پھر میں نے کہا۔" ایک مرغا پھانس رہا ہوں۔ اسے یہ تاثر دیتا ہے کہ میں فرہاد نہیں ہوں۔ لہٰذا اسی درخت کی طرف چلو جدھر سے میں آیا ہوں۔"

دوسری طرف سے وہ چھپتا چھپاتا چلا آ رہا تھا۔ جب میں نے معلوم کیا کہ وہ ہمارے قریب ہی ایک درخت کے پیچھے آ گیا ہے تو میں نے سونیا سے کہا۔" تم کتنی دلیر اور بے باک ہو۔ اپنی جان کی پروا نہیں کرتیں۔ میں زبان سے تمھاری تعریف نہیں کر سکتا۔ دل سے کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا میرے قریب آ جاؤ۔"

میں نے سونیا کے بازو کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑاتے ہوئے کہا۔" سجاد! ہوش میں تو ہو۔ فرہاد بن کر رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنی اوقات کو بھول جاؤ۔"

"سو سوری، میں تمھاری دلیری سے متاثر ہو کر جذباتی ہو گیا تھا۔"

"اگر فرہاد تمھارے دماغ میں موجود ہوں گے تو جذباتی ہونے کا مزہ چکھا دیں گے۔"

میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔" سونیا، میں سجاد کے دماغ میں موجود ہوں اور تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کی نیت بری نہیں ہے۔ یہ خوشی سے بے قابو ہو گیا تھا۔ چلو اتنی سی بات کا برا نہیں مانتے۔ میں نے اسی لیے سجاد کو تمھارے ساتھ رکھا ہے، تم اسے دشمنوں کے نرغے سے نکلنے اور مقابلہ کرنے کے گر سکھاتی رہو گی۔ تمھیں تعریف کرنا چاہیے، سجاد نے بھی بڑی دلیری کا ثبوت دیا تھا۔ کار کے اوپر سے چھلانگ لگاتے ہوئے ایک دشمن کو اپنے قابو میں کر چکا تھا۔ پتا نہیں وہ کم بخت کہاں ۔۔ کا ہے۔ بہرحال تم دونوں گاڑی میں بیٹھو اور یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ دشمن واپس آ سکتے ہیں۔"

ہم گاڑی کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہ درخت کے پیچھے چھپا ہوا ہمیں جاتے دیکھ رہا تھا۔ اور میں اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ اس کا نام راجر ہائیڈ تھا۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ہمارے بہت بڑے راز کو پا لیا تھا۔ دہشت گرد تنظیموں کے تمام سربراہ اور تمام اہم افراد اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ سب سونیا کو فرہاد کے ساتھ اس جزیرے میں دیکھ رہے ہیں اور یہ ان کا فریب نظر، ان کی خوش فہمی تھی۔ اب وہ اپنے پارٹی لیڈر کے پاس جا کر یہ اہم انکشاف کرنے والا تھا۔

ہم اپنی رہائش گاہ کے سامنے پہنچ گئے۔ گاڑی سے اترنے لگے۔ اسی وقت باڈی بلڈر سامنے آ گیا۔ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔" میں نے آپ کا بیگ ان سے حاصل کر لیا ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ سیاہ لفافہ اپنے ساتھ لے گئے۔"

میں نے پوچھا۔" کیسے لے گئے۔ جب کہ وہ لفافہ اسی بیگ میں تھا۔

اس بیگ میں بہت سی چیزیں نہیں تھیں۔ مثلاً کسی نے سیاہ لفافہ اپنے پاس رکھا تھا۔ کوئی کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ انھوں نے آپ کے بیگ کی تمام چیزیں بانٹ لی تھیں تاکہ پکڑے بھی جائیں تو ہم تمام چیزیں ان سے وصول نہ کر سکیں بس یہی کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر اور یہ بیگ حاصل ہو سکا ہے۔"

کمپیوٹر سے اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے آن کیا۔ اسکرین پر تحریر نظر آئی۔" فرہاد! یہ بہت برا ہوا۔ وہ کاغذات دشمنوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ پتا نہیں ان کا تعلق کس تنظیم سے تھا۔ میں ان میں سے کسی کی آواز نہ سن سکی ورنہ معلوم کر لیتی۔ بہرحال یہ بات چھپی نہیں رہے گی۔ وہ کاغذات جس کے ہاتھ لگیں گے وہ گوتری سجاتہ کے راز کو پا لے گا۔ اور تو اور ان کاغذات میں تہ خانے کا نقشہ بھی موجود ہے۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ تہ خانے میں داخل ہونے کا جو راستہ ہے۔ تم نے اس نقشے میں نہیں بتایا تھا۔"

"یہ میں نے اچھا کیا تھا۔ احتیاط کام آ جاتی ہے۔ تمھیں راستہ بعد میں بتاؤں گی مگر اب وہ کاغذات کیسے حاصل کیے جائیں؟"

"اپنے ساتھ کام کے آدمی رکھو۔ تعاقب ادھورا رہا جو کاغذات لے گیا ہے اسے کیوں جانے دیا گیا؟"

باڈی بلڈر میری بات سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔" ہم مجبور تھے وہ آگے بھاگ رہے تھے۔ ہم پیچھے تھے۔ فائرنگ کا تبادلہ بھی ہو رہا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آگے جا کر ان کی ایک اور گاڑی ہوگی۔ وہ اس میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔"

میں نے پوچھا۔" اب یہ کیسے معلوم ہوگا کہ وہ کون لوگ تھے؟"

مادام کمپیوٹر نے تحریر کے ذریعے کہا۔" میں کوشش کرتی ہوں۔ کسی نہ کسی طرح ان کا سراغ لگانا ہوگا۔"

میں نے کمپیوٹر کو آف کر کے بیگ میں رکھ لیا۔ جو مقامی باشندہ ہماری گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا آیا تھا۔ اس نے رہائشی مکان کا دروازہ کھول دیا۔ میں اندر جانے لگا۔ سونیا ہمیشہ محتاط رہنے کی عادی تھی۔ اس نے مکان کے باہر کا چکر لگانا شروع کیا تاکہ آس پاس کا اچھی طرح جائزہ لے سکے۔ باڈی بلڈر اس کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ میں نے اندر آ کر دیکھا۔ وہ دو کمروں کا مکان تھا۔ ضروریاتِ زندگی کا تمام سامان وہاں موجود تھا۔ میں نے دونوں کمروں کا جائزہ کسی سراغرساں کی طرح لیا۔ اس بات کے امکانات تھے کہ ہماری آواز کہیں سنی جا سکتی ہو، یا کوئی ایسی چیز رکھی جا سکتی تھی جو بعد میں ہمارے لیے تباہ کن ثابت ہو۔

میں اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد باہر آ گیا۔ سونیا ابھی تک نہیں آئی تھی۔ میں نے دیکھا، وہ ایک جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ اور سامنے والے اونچے درخت پر باڈی بلڈر چڑھ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔" یہ کیا ہو رہا ہے؟"

سونیا نے میرے پاس آ کر کہا۔" یہ میرے پیچھے پڑ گیا تھا میں نے کہا بھی کہ مادام کمپیوٹر کو ہم کہہ چکے ہیں، تمھاری ضرورت نہیں لیکن وہ مجھ پر عاشق ہو گیا ہے۔ مجھ سے کہنے لگا۔ تم سونیا نہیں لگتی ہو۔"

"پھر کیا لگتی ہوں۔"

بس ایک عام سی عورت لگتی ہو۔ اگر سونیا ہو تو تم سے خوفزدہ یا ہوشیار رہنے والی کوئی بات تم میں نہیں ہے۔"

میں نے پوچھا۔" لیکن وہ درخت پر کیوں چڑھ رہا ہے؟"

"اس نے مجھ سے مقابلہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ کہنے لگا، میں دشمنی سے نہیں، دوستانہ انداز میں تم سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہونا چاہیے کہ تم سونیا ہو۔"

اس سے باتیں کرنے کے دوران میری نظر اچانک اس درخت پر پڑی۔ ذرا تم بھی دیکھو۔ چاند نکل آیا ہے۔ درخت صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔ کیا یہ عجیب سی بات نہیں ہے کہ اس درخت پر ایک ہی پھول کھلا ہوا ہے اور وہ بھی بلندی پر ہے۔"

میں نے دیکھا۔ واقعی ایک پھول درخت کی بلندی پر نظر آ رہا تھا۔ میں نے سونیا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔" میں اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ میں نے کہا۔ میری خوبی یہ ہے کہ جب میں کسی سے لڑتی ہوں تو میرے سر کا آنچل نہیں ڈھلکتا۔ چونکہ میں نے دوپٹہ نہیں اوڑھا ہوا ہے۔ اس لیے تم سے مقابلہ کروں گی تو میرا چیلنج ہے تم میرے مقابلے پر گر پڑو گے۔ مگر وہ پھول میرے بالوں سے نہیں گرے گا۔"

اس نے بے یقینی سے اس پھول کو دیکھا۔ پھر کہا۔" اس کی کیا ضرورت ہے۔ صرف مقابلہ کرو۔"

میں نے کہا۔ نہیں، میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کروں گی۔ اگر مقابلہ کرنے کی حسرت ہے تو وہ پھول توڑ کر لے آؤ، اور بے چارہ اُسے توڑنے اوپر چلا گیا۔"

اسی وقت باڈی بلڈر کی آواز سنائی دی۔" میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ لیکن اونچائی پر شاخیں بہت پتلی ہیں۔"

سونیا نے آہستہ سے کہا۔" اس کم بخت کو مقابلہ کرنے کی دُھن میں یہ خیال نہیں آیا کہ پھول ہمیشہ نازک شاخوں پر کھلتا ہے۔"

اب وہ نیچے اترنے والا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر سنا۔ وہ مترنم آواز سنائی دی۔ مگر وہ غصے میں تھی۔ باڈی بلڈر کے دماغ نے مجھے اس کا ترجمہ سنایا۔ وہ اسے لعنت ملامت کر رہی تھی۔ اور بتا رہی تھی کہ سونیا کتنی مکار ہے۔ اس نے اُسے بیوقوف بنانے کے لیے درخت پر چڑھا دیا ہے۔

وہ لعن طعن سننے کے بعد نیچے اترنا چاہتا تھا۔ میں نے پھر اوپر چڑھا دیا۔ وہ پوچھ رہی تھی۔" کیا تم میرا حکم نہیں مانو گے؟"

اس نے میری مرضی کے مطابق جواب دیا۔" مجھے افسوس ہے۔ میں ایک عورت کے سامنے زبان نہیں ہار سکتا۔ پھول توڑے بغیر اس کے پاس جاؤں گا تو وہ مجھ پر ہنسے گی۔"

وہ مقامی زبان میں بولی۔" تو پھر جاؤ، مرو۔ میں خود ہی تمھیں وہاں پہنچا دیتی ہوں۔"

مجھے کچھ کہنے یا کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ خود بخود اس شاخ کی طرف بڑھنے لگا۔ اور وہ شاخ بہت ہی نازک تھی۔ بھلا باڈی بلڈر کا وزن کیسے سنبھال سکتی تھی۔ اچانک ہی اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ وہ درخت کی مختلف شاخوں سے ٹکراتا ہوا دھپ کی آواز کے ساتھ زمین پر آ گرا۔ سونیا دوڑتی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔ وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"ارے کیا ہوا، گر پڑے۔ پھول نہیں لائے؟"

وہ تکلیف سے منہ بناتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کہا۔" آؤ میں سہارا دیتی ہوں۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر سہارے کے لیے اسے تھام لیا۔ آہستہ آہستہ کراہتے ہوئے اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ سونیا نے اچانک ہی ایک جھٹکا دیا۔ وہ اس کی طرف کھنچتا ہوا آیا، مگر جوڈو کے داؤ سے اڑتا ہوا دوسری طرف زمین پر پھر دھپ سے گر پڑا۔ درخت سے گرنے کے بعد ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ آئی تھی۔ اس بار اس چوٹ میں اور اضافہ ہو گیا۔ سونیا نے دونوں ہاتھ جھاڑتے

ہوئے کہا۔ "پہلے میں دشمن کو کمزور بناتی ہوں۔ پھر لڑتی ہوں۔ یہ میرا پہلا اصول ہے۔ آئندہ اسے یاد رکھنا۔"

وہ میرے پاس چلی آئی۔ میں اس کے ساتھ مکان کے اندر چلا گیا۔ دروازے کو بند کر دیا۔ ہم نے آدھا گھنٹہ بڑے اطمینان سے گزارا۔ پھر کمپیوٹر پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے آپریٹ کیا۔ اسکرین پر لکھا ہوا تھا۔ "سونیا نے میرے آدمی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"

"تمھیں یہ تو معلوم ہوگا کہ وہ پھول توڑنے درخت پر چڑھا تھا۔"

"مجھے اس کی حماقت کا علم ہے۔"

"پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ پھول توڑنے کے لیے عاشق جاتے ہیں۔ پہلوان نہیں اور عاشق محبت میں اندھے ہوتے ہیں۔ سونیا نے اس اندھے کی آنکھیں کھول دیں تو کیا برا کیا؟"

"اس نے جس انداز میں اسے سزا دی وہ مجھے پسند نہیں ہے۔"

"تمھاری پسند اور ناپسند کی اسے کیا پروا ہو سکتی ہے؟"

"میں اسے منٹوں میں اپنی فرمانبردار بنا سکتی ہوں مگر تمھاری دوستی کا خیال کرتی ہوں۔"

"تم میرا بالکل خیال نہ کرو۔ مجھے تمھارے کام آنا ہوگا تو کل دوپہر کو اپنا فیصلہ سنا ہی دوں گا۔"

"یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کل دوپہر کی کیا تُک ہے۔ ایسی کونسی رکاوٹ ہے کہ تم ابھی فیصلہ نہیں سنا سکتے؟"

"میں کل تک غور کرنا چاہتا ہوں۔"

"جھوٹ، صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم اپنے خاص ساتھیوں کو یہاں بلا رہے ہو۔ اور وہ کل تک یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

"تمھیں بہت جلد اس حقیقت کا یقین ہو جائے گا۔ جہاں سونیا ہوتی ہے وہاں فرہاد کو کسی لشکر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جب وہ یہاں سے جائے گی تو تم سب دعائیں مانگو گی کہ ایسی بلا نہ کسی جزیرے پر آئے نہ کسی ملک کی زمین پر۔"

وہ چپ رہی۔ اسکرین خاموش رہا۔ پھر اس کی تحریر ابھرنے لگی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں اسے چیلنج نہیں کروں گی کیوں کہ تم میرے بہت کام آ رہے ہو۔ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد مکتی محل کے پیچھے میرا آپریشن شروع ہوگا۔ وہاں دھماکے ہوں گے، خونریز جنگ شروع ہو جائے گی۔ تم اطمینان سے اسی مکان میں رہ سکتے ہو میرے آدمی تمھاری نگرانی کر رہے ہیں۔ کسی دشمن کو قریب نہیں پھٹکنے دیں گے۔" "ڈیٹس آل۔"

میں نے کمپیوٹر کو آف کر کے رکھ دیا۔ سونیا نے کہا۔ "مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ وہ ہماری نگرانی کیوں کر رہی ہے۔ ایک تو احسان جتا رہی ہے کہ کسی دشمن کو ہمارے قریب نہیں آنے دے گی۔ دوسرے خود ہماری ایک ایک حرکت پر کڑی نظر رکھنا چاہتی ہے۔"

"اگر تم چاہتی ہو کہ ان کی نگرانی میں نہ رہیں تو پھر نہیں رہیں گے۔"

"تم خود سوچو۔ ابھی اس شہر میں لرزہ خیز دھماکے ہوں گے۔ ایک افراتفری مچی رہے گی۔ اور ہم یہاں چار دیواری کے اندر بیٹھے رہیں گے۔ کیا ہمیں اچھا لگے گا؟"

"بالکل نہیں۔ ہم ابھی یہاں سے نکلنے کا انتظام کر لیتے ہیں۔"

ہم نے اپنے اپنے بیگ میں ضرورت کی تمام چیزیں رکھ لیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک زبردست دھماکے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد وقفے وقفے سے دھماکے ہونے لگے۔ اب مادام کمپیوٹر اُدھر مصروف ہو گئی ہوگی۔ اِدھر تھوڑی دیر تک توجہ نہیں دے سکے گی اور اتنا تو اندازہ ہو چکا تھا کہ نگرانی کرنے والے صبح تک یہاں ڈیوٹی دینے آئے تھے۔ ان کی واپسی کے لیے صبح گاڑی آنے والی تھی۔ گویا وہ گاڑی کے بغیر تھے۔ ہم نے دروازے کے پاس آ کر دیکھا۔ سامنے ہماری گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ پچھلی سیٹ پر ہمارا ڈرائیور سو رہا تھا۔ میں جھک کر چاروں ہاتھ پاؤں سے رینگتا ہوا اس گاڑی کے پچھلے دروازے کے پاس گیا۔ اسے آہستگی سے کھولا۔ ڈرائیور کی جیبیں ٹٹول کر دیکھیں۔ ایک جیب سے چابی نکل آئی۔ وہ خراٹے لیتا ہوا بے خبر سو رہا تھا۔ میں نے پچھلے دروازے کو بند کیا۔ پھر اگلے دروازے کو کھول کر اس طرح رینگتا ہوا سیٹ پر پہنچ گیا جیسے ہی گاڑی کا انجن بیدار ہوا سونیا دوڑتے ہوئے آ کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے اسٹارٹ کیا۔ پھر تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا مکان سے دور جانے لگا۔ ہم نے دیکھا۔ آس پاس بہت سے دوڑتے ہوئے لوگ نظر آئے۔ وہ ہاتھ ہلا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ ہماری گاڑی پختہ سڑک پر پہنچ گئی تھی۔ ہم تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے پھر انہی راستوں پر جا رہے تھے جہاں سے گزر کر آئے تھے۔ کیوں کہ ہمیں وہی راستے یاد تھے۔ باقی شہر ہمارے لیے اجنبی تھا۔

ویسے وہ شہر بیدار ہو گیا تھا۔ شاید ہی کسی گھر میں کوئی بے خبر سو رہا ہو۔ ہاں، ایک بے خبر تھا جو پچھلی سیٹ پر سو رہا تھا۔ سونیا نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ پھر ہمدردی سے کہا۔ "بے چارہ شاید بہت تھک گیا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "ہم بے چارے کہاں جائیں گے؟"

"ذرا شہر کا چکر لگائیں گے۔ اس دوران مادام کمپیوٹر کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم مکان میں نہیں ہیں تو وہ پہرہ ہٹائے گی۔ پھر ہم وہاں جا کر اطمینان سے صبح کریں گے۔"

تمام لوگ اپنے گھروں سے نکل آئے تھے۔ وہ یقیناً ان دھماکوں کے سلسلے میں باتیں کر رہے ہوں گے۔ میں نے کتنے ہی لوگوں کو ہتھیاروں کے ساتھ دیکھا۔ ہم جس علاقے سے گزر رہے تھے وہاں ہمیں روکنے ٹوکنے والا کوئی قانونی محافظ نہیں تھا۔ سب اُدھر گئے تھے۔ جس طرف سے دھماکوں کی آواز آئی تھی۔ میں نے ایک پٹرول پمپ پر گاڑی روک دی تاکہ ٹنکی فل کرالی جائے۔ ہم لباس، حلیے قد اور قامت کے لحاظ سے غیر ملکی نظر آ رہے تھے۔ جب میں پٹرول کی قیمت دینے کے لیے مالک کے پاس پہنچا تو وہ ایک دوسرے غیر ملکی سے کہہ رہا تھا۔ "بہت عرصے بعد ایسے دھماکے سننے میں آ رہے ہیں۔ ورنہ یہ طے پا گیا تھا کہ مسلمان شہر پر حملہ نہیں کریں گے۔ پتا نہیں انھیں کیا ہو گیا ہے۔ نہ خود سکون سے رہتے ہیں نہ ہمیں رہنے دیتے ہیں۔"

میں پٹرول کا بل ادا کر کے گاڑی میں واپس آیا۔ سونیا اسٹیرنگ سیٹ پر آ گئی تھی اور کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کو آپریٹ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "ہیلو مادام!"

اسکرین پر تحریر ابھری۔ "کیا بات ہے؟ سونیا، یہ تم ہو۔ تم مجھے کیوں مخاطب کر رہی ہو۔ میں بہت مصروف ہوں۔"

"کیا تمھیں تمھاری مصروفیات کے دوران یہ اطلاع نہیں ملی کہ تمھارے آدمی ہماری نگرانی کرتے ہی رہ گئے اور ہم نے وہ مکان چھوڑ دیا۔"

"کیا؟" وہ یقیناً حیران رہ گئی ہوگی۔ اس لیے اسکرین نے "کیا؟" کہنے کے بعد خاموش ہو گیا تھا۔ وہ اپنے نگرانی کرنے والے آدمیوں کی کھوپڑیوں میں جا کر برس رہی ہوگی۔ میں سونیا کے پاس والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کمپیوٹر میری طرف بڑھایا پھر ڈرائیو کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسکرین پر تحریر ابھری۔ "سونیا! میں جانتی ہوں، یہ تمھاری چال ہے۔ تم فرہاد کو وہاں سے لے گئی ہو۔"

سونیا نے ایک ہاتھ سے کمپیوٹر کو لیا پھر کہا۔ "تمھیں میرا کوئی انداز پسند نہیں آتا۔ مجھے بھی یہ پسند نہیں ہے کہ میری مرضی کے خلاف ہماری نگرانی کرائی جائے۔ میں نے پہلے تمھارے باڈی بلڈر کو پھر دوسرے آدمیوں کو ناکارہ بنا دیا۔ یہ ابتدا ہے۔ میں تمھیں سمجھا رہی ہوں، جب بھی میری مرضی کے خلاف کوئی کام کرو گی۔ نقصان اٹھاؤ گی۔"

"میں تمھارے منہ نہیں لگنا چاہتی۔ کمپیوٹر فرہاد کو دو۔"

میں نے اسے لیتے ہوئے کہا۔ "میں بول رہا ہوں۔ سونیا درست کہہ رہی ہے۔ ہمارے مزاج کے خلاف ہماری نگرانی نہ کرائی جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں نے اپنے آدمیوں کو اس مکان سے جانے کے لیے کہہ دیا ہے۔ تم وہاں جا کر آرام کر سکتے ہو۔"

"شکریہ، ہم کسی دوسری جگہ رات گزار رہے ہیں۔ ہمارا نہ پیچھا کیا جائے نہ نگرانی کی جائے۔ صبح تم سے رابطہ قائم کریں گے۔ ڈیٹس آل۔"

میں نے کمپیوٹر کو آف کر دیا۔ جب سے دھماکے شروع ہوئے تھے تب سے مسلسل فائرنگ کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ کبھی کبھی ذرا سا وقفہ ہوتا تھا پھر فائرنگ شروع ہو جاتی تھی۔ اچھی خاصی بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ان حالات میں سڑکوں پر گھومنا مناسب نہیں تھا۔ ہمارا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ نگرانی کرنے والے جا چکے تھے۔ ہم اس مکان میں واپس آ گئے۔ گاڑی روک کر باہر آئے پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ دونوں دروازوں کو بند کیا۔ پیچھے سونے والا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سونیا نے اشارے کی زبان سے سمجھایا۔ کوئی بات نہیں، تم آرام سے سوتے رہو اور یہ لو اپنی چابی۔

اس نے چابی اس کی طرف اُچھال دی۔ ہم مکان کے اندر آ گئے، دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ اب ہم آرام سے سو سکتے تھے لیکن پورا شہر جاگ رہا تھا۔ ہنگامے عروج پر تھے۔ بھلا ایسے میں نیند کہاں آتی۔ سونیا نے کہا۔ "اس کے دماغ میں جاؤ جس کی موجودگی میں تم نے سجاد کا رول پلے کیا تھا۔"

میں راجر ہائیڈ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے پارٹی لیڈر کو میرے متعلق بتا چکا تھا۔ اگرچہ ایسی بات پر مشکل سے ہی یقین آ سکتا تھا لیکن وہ یقین کرنے پر مجبور تھے۔ اب سے پہلے بھی ایسے واقعات ہو چکے تھے۔

ایک طرف راجر نے مجھے سجاد کی حیثیت سے پیش کیا تھا، دوسری طرف وہ مسودے لے جانے والے بھی پہنچ گئے تھے۔ وہ سب ماسٹر کی سنڈیکیٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان مسودوں کو پڑھنے کے بعد پارٹی لیڈر نے آپریشن سینٹر سے رابطہ قائم کیا۔ یہ آپریشن سینٹر فلپائن کے شہر منیلا میں قائم کیا گیا تھا۔ وہاں ماسٹر کی سنڈیکیٹ کا ایک بہت بڑا تجربہ کار پلان میکر تھا۔ یہ تمام رپورٹ اسے پہنچائی گئی تھی۔ وہ منصوبے بناتا تھا اور ان پر عمل کراتا تھا۔ جب یہ انکشاف ہوا کہ جزیرہ کاوی کاوی میں فرہاد نہیں سجاد ہے اور وہ فرہاد کا رول پلے کر رہا ہے تو پلان میکر بھی کشمکش و پیچ میں پڑ گیا۔ اس نے ماسٹر کی سے رابطہ قائم کیا اور صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد کہا۔ "ہماری عقل بھی یہی تسلیم کرتی ہے کہ فرہاد پاکستان میں ہی رہ گیا تھا۔ اور اس کی جگہ سجاد کو وہاں سے روانہ کیا گیا ہے تاکہ کسی وقت بھی اس سے فرہاد کا رول پلے کرایا جا سکے۔"

ماسٹر کی نے کہا۔ "ہاں، پچھلے تجربات شاہد ہیں، فرہاد اسی قسم کی چالیں چلتا ہے اور اپنے مخالفین کو دھوکا دیتا ہے۔ میرا خیال ہے سجاد کو اسی جزیرے میں گولی مار دی جائے تاکہ وہ کبھی

فرہاد کا رول پلے نہ کر سکے۔"

پلان میکر نے کہا۔"نو باس، یہ دانشمندی نہیں ہوگی۔ سجاد کو اس جزیرے میں زندہ رہنا چاہیے تاکہ بہرام علی ٹی ٹی سینٹر اور سائمن دی گریٹ کے آدمی دھوکا کھاتے رہیں اور وہاں مصروفِ عمل رہیں۔ ہم یہاں اپنی مصروفیات کم کر دیں گے۔"

ماسٹر کی نے کہا۔"ہم نے اپنے بہت سے قابل آدمی جزیرہ کاوی کاوی میں لگا رکھے ہیں۔ انھیں واپس بلانا چاہیے۔"

میں سمجھتا ہوں، جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ ہمیں دوسرے پہلو پر بھی نظر رکھنا چاہیے۔ مادام کمپیوٹر کوئی بہت گہری چال چل رہی ہے۔ قدیم تاریخی مسودوں کی تفصیل جو ٹیلی پرنٹر کے ذریعے میرے پاس پہنچی ہے، اس سے پتا چلتا ہے، مکتی محل کے تہ خانے میں کوئی بہت بڑا راز دفن ہے۔ ہمیں انتظار کرنا چاہیے، سجاد اور سونیا اس تہ خانے میں جاتے ہیں یا نہیں؟ مادام کمپیوٹر کوئی معمولی مفاد حاصل نہیں کرے گی۔ کوئی بہت بڑی بات ہوگی اور وہ بڑی بات ہمیں بھی فائدہ پہنچا سکتی ہے۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں فی الحال فرہاد کو نظر انداز کر دوں اور سجاد کے پیچھے لگ جاؤں۔"

"میں یہ نہیں کہتا۔ آپ نے منیلا سے جزیرہ کاوی کاوی تک جتنے آدمی لگا رکھے ہیں، ان کو وہیں رہنے دیں۔ اور نئے لوگوں کے ذریعے فرہاد کو تلاش کریں۔"

ماسٹر کی نے جھنجلا کر کہا۔"بڑی مشکلوں سے مادام کمپیوٹر نے اسے بے نقاب کیا تھا۔ وہ کم بخت پھر چھپ گیا ہے۔ اسے بار بار بے نقاب کرنا آسان نہیں ہوگا۔ تاہم کوشش تو کرنا ہی ہوگی۔"

پلان میکر نے کہا۔"کبھی یہ شبہ ہوتا ہے، کہیں یہ بھی کوئی چال ہی نہ ہو لیکن ہمارے آدمی نے ایسی حالت میں سونیا اور سجاد کی بات سنی ہے جب وہ مطمئن تھے کہ ان کے آس پاس کوئی نہیں ہے۔ فائرنگ کی وجہ سے تمام لوگ بھاگنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ مادام کمپیوٹر کا جو باڈی بلڈر اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا تھا، وہ ان کے تعاقب میں چلا گیا تھا۔ اس لیے سونیا اور سجاد اس ویرانے میں خود کو تنہا سمجھ رہے تھے۔ وہاں انھوں نے جو گفتگو کی، بے اختیار کی۔ سجاد نے بے اختیار ہو کر سونیا کا بازو پکڑا اور سونیا نے جھنجلا کر اسے سجاد کے نام سے مخاطب کر لیا۔ ورنہ وہ تنہائی میں بھی محتاط رہنے والے لوگ ہیں۔"

ماسٹر کی نے غصے سے کہا۔"تم کسی ایک بات پر قائم رہو۔ کبھی کہتے ہو شبہ ہوتا ہے اور کبھی کہتے ہو یقین ہے۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں ایک ذرا سے شبہے کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد کریں۔ اگر آپ کا کوئی آدمی بابا فرید واسطی کے سینٹر میں داخل ہو سکے تو معلوم ہو جائے گا، وہاں سجاد موجود ہے یا نہیں؟"

ماسٹر کی نے کہا۔"جب سے وادیٔ قاف کو نئی مملکت بنانے کا سلسلہ شروع ہوا ہے تب سے بابا فرید واسطی کے ادارے میں فرہاد کے ساتھی نہیں رہے۔ ایک ایک کر کے سب وادی میں جا چکے ہیں۔ پھر سجاد وہاں کیسے پایا جا سکتا ہے۔"

پلان میکر نے کہا۔"پھر تو ہمیں فرہاد کی پوری ہسٹری کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کہنا پڑے گا کہ آج تک اسے جس نے بھی گھیرنے کی کوشش کی اور خوش فہمی میں مبتلا ہوا، وہ خوش فہمی کچھ عرصے بعد ختم ہو گئی۔ ہمیشہ فرہاد کے دھوکے میں دوسرے مارے گئے۔ یہ واقعہ ابھی پرانا نہیں ہوا ہے۔ اسرائیلیوں نے کتنے طمطراق اور شان و شوکت سے فرہاد کی موت کے پروانے پر بڑے بڑے سربراہوں سے دستخط کرائے تھے۔ بعد میں وہ سب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ نہیں باس، ہمیں دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ جو لوگ دھوکا کھا رہے ہیں انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ہم صرف مادام کمپیوٹر کا تماشہ دیکھیں گے۔ وہ مکتی محل کے تہ خانے میں کیا کرنا چاہتی ہے اس دوران ہم فرہاد اور سجاد کی حقیقت معلوم کرتے رہیں گے۔"

میں جو معلومات حاصل کر رہا تھا وہ سونیا کو بتاتا جا رہا تھا۔ اس نے کہا۔"یہ لوگ فرہاد اور سجاد کے مسئلے میں الجھے رہیں گے لیکن ہمارے تمھارے پچھلے واقعات کے حوالے سے یقین کرنے پر مجبور ہوں گے کہ تم سجاد ہو۔"

ہم نے کھڑکی کے پاس آ کر دیکھا، دور تک اتنی آگ روشن تھی کہ پورا شہر روشن ہو رہا تھا۔ مکتی محل کے پیچھے جو لکڑی کے مکانات بنے ہوئے تھے، وہ سب گولہ بارود کے دھماکوں سے آگ پکڑ چکے تھے اور وہ آگ دور تک پھیلتی جا رہی تھی۔

ہم بستر پر آ کر لیٹ گئے مگر نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے پھر پلان میکر کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، وہ اب مادام کمپیوٹر کے متعلق سوچ رہا تھا۔ مادام نے اس سے رابطہ قائم کیا تھا اور پوچھا تھا۔ "کیا ان کے آدمی فرہاد سے کوئی اہم دستاویزی کاغذات لے گئے ہیں؟"

پلان میکر نے انکار کیا تھا اور کہا تھا۔"ان کے کسی آدمی نے اب تک فرہاد کا سامنا نہیں کیا ہے۔ ابھی تو وہ اسے تلاش کر رہے ہیں۔"

میں نے سائمن دی گریٹ وغیرہ کے دماغوں میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں بھی مادام کمپیوٹر نے معلومات حاصل کی تھیں۔ سب کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مادام کمپیوٹر کا کوئی اہم مسودہ فرہاد کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ فرہاد سے کسی دوسرے کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ کس خطرناک تنظیم نے اس مسودے کو غائب کیا ہے، وہ کون سی

تنظیم ہے وہ اس کا الزام کوئی اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔

ویسے سپر ماسٹر عرف ماسٹر کی کا پلڑا بھاری تھا۔ ایک تو مادام کمپیوٹر کا وہ خفیہ مسودہ ان کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ دوسرے انھوں نے اپنی دانست میں سجاد کی حقیقت کو پہچان لیا تھا۔ اور خوش تھے کہ ان کی مخالف دہشت گرد تنظیم کے سربراہ ابھی دھوکا کھا رہے ہیں۔ اور اس جزیرے میں جب تک سجاد رہے گا وہ دھوکا کھاتے رہیں گے۔

رات کے تین بج گئے تھے۔ میں نے ایک گھنٹے کے لیے سونیا کو سُلایا۔ اگرچہ میں اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ خود ہی سو گئی تھی۔ پھر میں نے وعدے کے مطابق اسے ساڑھے چار بجے جگا دیا۔ اس کے بعد میں ڈیڑھ گھنٹے کے لیے سو گیا۔ اس طرح ہم نے تھوڑی سی نیند پوری کر لی۔ صبح چھ بجے ہمیں پتا چلا کہ مکتی محل کے پیچھے جو فوجی چھاؤنی تھی، وہ بالکل تباہ ہو گئی ہے اور محل پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔

اسے کہتے ہیں، دوسرے کے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلانا۔ مادام کمپیوٹر فلپینی مسلمانوں کے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہی تھی اور فلپینی مسلمان بہت خوش تھے۔ خصوصاً سلیمان مورو ز اور دوسرا رہنما احمد جوزف خوشی سے ناچ رہے تھے۔ وہ مکتی محل پہنچ گئے تھے۔ اور مقامی مسلمانوں کے ہجوم کے درمیان کھڑے ہو کر جوشیلی تقریریں کر رہے تھے۔

میں فلپائن کی موجودہ حکومت کی مجبوریاں سمجھتا تھا۔ یہ جزیرہ کاوی کاوی انتہائی جنوب کی طرف تھا، وہ جزیرے پر فضائی حملہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ بہت سے عیسائی اور بدھ مذہب سے تعلق رکھنے والے بھی وہاں رہتے تھے۔ وہ تمام شہریوں پر بم نہیں برسا سکتے تھے۔ ایک اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ بحری راستے سے ضرور آئیں گے اور جزیرے کو چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔

مادام کمپیوٹر جو چالیں چلتی آ رہی تھی، وہ پہلے تو یونہی سی لگیں۔ مثلاً ہم نے سوچا وہ انتقاماً طیارہ اغوا کر رہی ہے اور ہمیں کسی بدترین دشمن تک پہنچا دے گی لیکن اس نے جزیرہ کاوی کاوی میں پہنچا دیا۔ یہاں پہنچ کر بھی اس کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ میں حیران تھا کہ یہاں مجھے ایک بھی دشمن نہیں ملا، سارے مسلمان دوست ملے۔ مادام کمپیوٹر نے ایسا کیوں کیا؟

پھر انکشاف ہوا کہ وہ مجھے یہاں لا کر میرے ذریعے گورنمنٹ تک ...... پہنچنا چاہتی تھی۔ اس کے لیے مکتی محل پر قبضہ کرنا چاہتی تھی اور وہ ایسا کر چکی تھی۔ مسلمانوں اور موجودہ فلپائنی حکومت کے تصادم سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ اس کی چال صرف یہیں تک نہیں تھی۔ وہ تو بڑی زبردست چالباز ثابت ہو رہی تھی۔ مجھے جزیرے میں پہنچا کر فلپائنی حکومت کو اور میری مخالف تنظیموں کو یہ بتا دیا تھا کہ فرہاد کاوی کاوی میں ہے لہٰذا فلپائن کی حکومت اگر جزیرہ کاوی کاوی کے مسلمانوں کے خلاف بہت سخت اقدامات کرے گی تو وہاں فرہاد سے بھی ٹکرانا پڑے گا۔

ان حالات کی روشنی میں فلپائن کی حکومت یہاں فوج کشی نہیں کر سکتی تھی۔ وہاں کے بڑے شہروں میں ماسک مین اور سپر ماسٹر کو آپریشن سینٹر بنانے کی اجازت دی گئی تھی۔ چونکہ ان دونوں نے ٹی ٹی سینٹر کے سربراہوں کا نقاب پہنا ہوا تھا، اس لیے یہی تاثر دیا جا رہا تھا کہ فلپائن کی موجودہ حکومت مسلمانوں کو کچلنے کے لیے کسی بڑے ملک کی مدد حاصل نہیں کر رہی ہے بلکہ فرہاد سے نمٹنے کے لیے ٹی ٹی سینٹر والوں نے اپنے طور پر جال بچھایا ہوا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ مادام کمپیوٹر نے ایک تو مسلمانوں کی کامیاب جدوجہد سے فائدہ اٹھایا تھا۔ دوسرے مجھے یہاں پہنچا کر میرے نام کی دہشت بٹھا دی تھی اور مکتی محل پر قبضہ جما لیا تھا۔ صبح سات بجے کمپیوٹر سے اشارہ موصول ہوا تھا۔ رابطہ قائم کرنے پر اس نے خوش ہو کر کہا۔"مجھے مبارک باد دو۔ مکتی محل پر میرا قبضہ ہو چکا ہے۔"

"گیلا صابن تمھاری مٹھی میں آ جائے تو میں مبارک باد نہیں دے سکتا۔ اِدھر مبارک باد دوں گا، اُدھر وہ پھسل جائے گا۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"ماسٹر کی سنڈیکیٹ اور رالبامہ ٹی ٹی سینٹر والے اس محل کو پوری طرح اپنی نظروں میں رکھے ہوئے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس مسودے کے مطابق تم وہاں کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"میں آج شام سے وہاں اتنا سخت پہرہ لگاؤں گی کہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکے گا۔ ویسے میں دشمنوں کو کمزور یا احمق نہیں سمجھتی۔ ذرا انتظار کرو، میں ان کے دماغوں کو پڑھ کر واپس آتی ہوں۔"

میں نے کمپیوٹر آف کر دیا۔ اس کے بعد نہایت اطمینان سے غسل کیا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد ہم دونوں نے اپنے اپنے بیگ کو سنبھالا۔ پھر اس مکان سے نکل گئے۔ ڈرائیور ہمارا منتظر تھا۔ ہم نے اشارے سے کہا۔"ہمیں گاڑی کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہیں رہو، ہم بعد میں آ جائیں گے۔"

ہم وہاں سے پیدل روانہ ہوئے۔ ایک پختہ راستے پر پہنچتے ہی ایک تانگہ نما گھوڑا گاڑی مل گئی۔ تانگے میں سواریاں آگے اور پیچھے بیٹھ سکتی ہیں۔ اس گھوڑا گاڑی کا پچھلا حصہ بند ہوتا ہے۔ سواریاں صرف آگے ہی بیٹھتی ہیں اور دو سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اسے فلپائنی زبان میں کالیسا کہتے ہیں۔ ہم کالیسا میں سوار ہو کر شہر کے مرکزی حصے میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک بڑے سے ریستوران

میں ناشتا کرنے بیٹھ گئے۔ اسی وقت کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر سے اشارہ موصول ہوا۔

میں جانتا تھا، کسی وقت بھی رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔ اسی لیے ریستوران میں پہنچ کر ایک کیبن کا انتخاب کیا تھا۔ کمپیوٹر کو آن کرتے ہی اسکرین روشن ہوا۔ پھر اس پر سوالیہ فقرہ نظر آیا۔ وہ پوچھ رہی تھی: "تم کون ہو؟"

میں نے کہا: "تعجب ہے، یہ سوال کیوں کر رہی ہو۔ جس کے ہاتھ میں تم نے یہ کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر دیا ہے، میں وہی ہوں۔ میری آواز سے بھی تم مجھے پہچان رہی ہو۔"

"کم از کم چھ ماہ تک اسرائیلی حکام تمھیں نہ پہچان سکے۔ اسرائیلی انٹیلی جنس والے دن رات تمھارے آگے پیچھے رہے مگر تمھیں شناخت نہ کر سکے۔ سپر ماسٹر، ماسک مین اور دوسری تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہوں نے تمھیں اچھی طرح دیکھا، جانچا، پرکھا، پھر تمھاری موت کے پروانے پر دستخط کیے۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ تم سجاد علی تیمور ہو۔"

"یہ باتیں ابھی اسکرین پر رہنے دو۔ انھیں نہ مٹانا۔ میں سونیا کو پڑھوا رہا ہوں۔"

میں نے کمپیوٹر اس کی طرف کر دیا۔ وہ پڑھنے لگی۔ اس کے بعد میں نے کہا: "تمھیں میرے متعلق زبردست مغالطہ ہوا ہے۔"

"ایسی بات ہے تو میری غلط فہمی دور کر دو۔ جو کہتی ہوں، وہ کر کے دکھاؤ۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"جو میں کہہ رہی ہوں، یہ باتیں سونیا سے بھی پڑھوا لینا۔ کیا سونیا اس وقت تم سے اظہارِ محبت کر سکتی ہے؟"

میں نے کمپیوٹر اسکرین کو سونیا کی طرف گھما دیا۔ وہ اسے پڑھ رہی تھی، زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔ پھر ناگواری سے ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی: "یہ کیا بکواس ہے۔ ہم اپنی ذاتی زندگی میں جو بھی کریں، یہ مادام کمپیوٹر ہمارے معاملات میں بولنے والی کون ہوتی ہے؟"

اس کا جواب موصول ہوا: "سونیا! تم لاکھ چالاک اور مکار سہی، لیکن تمھاری جھنجلاہٹ نے ثابت کر دیا ہے کہ تمھارے ساتھ بیٹھا ہوا شخص فرہاد نہیں، سجاد ہے۔ بے شک سجاد بھی تم سب کو بہت عزیز ہے۔ تم اس کے لیے بھی جان کی بازیاں لگا سکتی ہو لیکن اظہارِ محبت عورت کا غرور ہوتا ہے، وہ صرف فرہاد کے لیے ہے۔ میری یہ باتیں سجاد کو پڑھنے دو اور کسی حیل حجت کے بغیر حقیقت کا اعتراف کر لو۔"

میں نے اسے پڑھنے کے بعد پوچھا: "میرے فرہاد یا سجاد ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"بہت فرق پڑتا ہے۔ تم اعتراف کر لو۔"

"میں اعتراف کرتا ہوں، میرے فرہاد یا سجاد ہونے سے تمھارے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم نے جو چالیں چلیں، اس میں کامیاب رہیں۔ مجھے یہاں لا کر فلپائن کی حکومت کو یہ تاثر دیا کہ مسلمانوں کی پشت پر فرہاد علی تیمور اور رسونتی کی ٹیلی پیتھی ہے۔ میں سجاد ہوں مگر فرہاد کی طرح تمھارے کام آ رہا ہوں۔ تم نے اتنی کامیابیاں حاصل کیں، اس کے بعد گوڑی سجاتہ تک پہنچنا چاہتی ہو۔ دوسرے لفظوں میں مجھے پھنسانا چاہتی ہو۔ میں جو کوئی بھی ہوں، ضرور وہاں جاؤں گا، اگر فیصلہ تمھارے حق میں ہوا۔ اور یہ فیصلہ دوپہر تک کروں گا۔"

"جہنم میں گئی تمھاری دوپہر۔ تم مجھے پرسوں رات سے دھوکا دیتے آ رہے ہو۔ اور میں سمجھ رہی تھی کہ طیارے میں فرہاد کو لیے چلی آ رہی ہوں۔ آخر تم نے کب اس کی جگہ سنبھالی تھی؟"

"مادام کمپیوٹر! تم واقعی ذہین ہو، چالاک بھی ہو۔ بڑی عمدہ چالیں چلتی ہو لیکن کبھی کبھی بہت زیادہ ذہانت رکھنے والے معمولی باتوں سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اتنی سی بات تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ میرے فرہاد بھائی زخموں سے چور تھے، اسپتال میں پڑے ہوئے تھے۔ کیا ایک ہفتے میں زخم پوری طرح بھر جاتے اور انھیں جسمانی توانائی حاصل ہو جاتی؟ بے شک انھوں نے دماغی توانائی حاصل کر لی تھی۔ اور تمھارے لیے ان کے دماغ کے دروازے بند ہو گئے تھے لیکن اسپتال سے بھائی جان نہیں آئے تھے، میں آیا تھا۔ میں نے ہی جان لوفر جیسے شہ زور سے ہیلی کاپٹر میں زور آزمائی کی۔ میں نے ہی لاہور کے گیسٹ ہاؤس میں اس لوفر کو شرمناک شکست دی۔ تم نے بھائی جان کے دماغ میں پہنچ کر ان کے زخموں کا حساب کیا تھا۔ اب ذرا حساب کر کے بتاؤ، کیا وہ جان لوفر سے مقابلہ کر سکتے تھے؟"

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ پھر اس نے اعتراف کیا۔

"ہاں، یہ مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔ صرف میرے ہی نہیں، فرہاد کے سارے مخالفین کے دماغ میں یہ بات نہیں آئی کہ وہ اسپتال سے نکل کر جان لوفر جیسے فولادی اور ناقابلِ شکست فائٹر کو کیسے شکست دے سکتا تھا۔"

"ہمیں دوسرے مخالفین کی پروا نہیں ہے۔ تم نے بھائی جان کو کم کریزی سے ٹکرا کر چیلنج کیا تھا کہ انھیں بے نقاب کر دیا ہے اور ان کے دماغ میں پہنچ گئی ہو، تمھارا وہ چیلنج ختم ہو چکا ہے۔ تم کبھی ان کے دماغ تک یا ان کے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکو گی۔ وہ گم ہیں، گم رہیں گے۔"

اسکرین خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہی ہوگی۔ میں نے کہا۔ "اگر تم نے مجھے فرہاد بھائی سمجھ کر تہ خانے میں پھانسنے کا منصوبہ

بنایا تھا تو وہ ناکام ہو چکا ہے۔ اگر واقعی گوڑی سجاتہ کی داستان درست ہے تو پھر میرے فیصلے کا انتظار کرو۔ میں دوپہر کو یعنی اب سے تین گھنٹے بعد اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔"

اس نے جواب دیا: "تم لوگوں کی چال بہت دیر سے سمجھ میں آتی ہے۔"

"یہی میرا بھی خیال ہے۔ اس جزیرے میں پہنچنے کے چوبیس گھنٹے بعد تمھاری چالیں سمجھ میں آئیں۔"

"آخر یہ دوپہر کو فیصلہ سنانے کی کیا تُک ہے۔ کس بات کا انتظار ہے۔ تم سجاد ہو۔ فرہاد اور رسونتی کسی اور جگہ بیٹھے ہوں گے۔ ان کے ساتھ اعلیٰ بی بی ہوگی۔ اور یہ سب ایسی کھچڑی پکا رہے ہوں گے جو میرے لیے زہر ہو سکتی ہے۔"

"تم کس بات سے خوفزدہ ہو؟"

"تاریکی سے جو تیر آتا ہے، اس سے سبھی خوفزدہ ہوتے ہیں۔"

"اگر تم دوست بن کر مجھے تہ خانے میں بھیجنا چاہتی ہو، اگر گوڑی سجاتہ کی داستان درست ہے تو پھر تمھیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ تم کسی مقام پر ہم سے دھوکا کرو گی تو اس کے جواب میں زیادہ دھوکے کھاؤ گی۔ میں تین گھنٹے بعد فیصلہ سنانے والا ہوں۔ تم بھی اس دوران اچھی طرح غور کر لو۔ مجھے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہو یا نہیں؟"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ تم میرے کام آؤ گے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ رسونتی اور فرہاد میرے کام آ رہے ہیں۔ مجھے ہر حال میں دوست بن کر رہنا چاہیے۔ میری دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرہاد اور رسونتی کسی محفوظ مقام پر ہیں۔ سجاد، میں تمھیں دھوکا دے کر نقصان پہنچا کر کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکوں گی۔ لہٰذا غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے منصوبے کے مطابق اب بھی اس بات پر قائم ہوں کہ تمھیں اور سونیا کو تہ خانے میں جانا چاہیے۔"

"اب تم سونیا کا اضافہ کر رہی ہو۔ تم نے اب تک صرف مجھے گوڑی سجاتہ تک پہنچنے کے لیے کہا تھا۔"

"ہاں، کہا تھا مگر میں تمھاری ذہانت اور صلاحیتوں پر پوری طرح اعتماد نہیں کر سکتی۔ پاکستان سے اس جزیرے تک تمھارے لڑنے کا انداز دیکھ چکی ہوں۔ تم بے شک بہترین فائٹر ہو۔ جان پر کھیل جانے کا حوصلہ رکھتے ہو لیکن کسی مشکل مقام پر اپنی ذہانت کا کس طرح استعمال کرتے ہو یہ نہیں جانتی۔ لہٰذا سونیا کی موجودگی لازمی ہے۔"

"اس کی موجودگی لازمی نہیں ہے۔ میں جب بھی ذہانت کے معاملے میں کمزور پڑوں گا تو فرہاد بھائی اور بھابی رسونتی میری مدد کریں گے۔ جہاں تک علمِ ریاضی کی دشواریوں کا سوال ہے تو مجھے شیخ الفارس سے مدد مل سکتی ہے۔"

"میں تمھاری بات مانتی ہوں لیکن سونیا کو ساتھ لے جانے میں کیا اعتراض ہے؟"

"تمھیں یاد ہے، میں یہ ناقابلِ بیان حقیقت بیان کر چکا ہوں، جہاں سونیا ہوتی ہے وہاں فرہاد بھائی کو بھی کسی لشکر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لہٰذا سونیا اپنی ذات میں میرے لیے لشکر ہے۔ میں تہ خانے میں اتروں گا، وہ کشتی محل کے باہر میری حفاظت کے لیے موجود رہے گی۔ اس سلسلے میں مزید بحث نہ کی جائے تو بہتر ہے۔ تین گھنٹے بعد میں آخری فیصلہ سناؤں گا۔"

"ابھی کمپیوٹر آف نہ کرنا اور باتیں رہ گئی ہیں۔"

"میں تمھارے جوابات پڑھ رہا ہوں۔ اور کوئی خاص بات؟"

"ہاں، اب تم فرہاد کی حیثیت سے یہاں نہیں رہ سکو گے کیونکہ تمام مخالفین کو معلوم ہو چکا ہے۔"

میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "تعجب ہے، میرا راز کیسے فاش ہو گیا؟"

"سونیا خواہ کتنی ہی چالاک ہو، کہیں نہ کہیں تو حماقت کر ہی جاتی ہے۔ پچھلی رات جب ایک ٹرک نے تمھارا راستہ روکا تھا اور وہاں فائرنگ ہوئی تھی تو دشمنوں کے بھاگنے کے باوجود وہاں ایک دشمن چھپا ہوا تھا۔ اس نے تم دونوں کی گفتگو سن لی تھی۔ تم خوشی سے بے قابو ہو رہے تھے اور اس نے سچ اگل دیا تھا کہ تمھیں سجاد کی حیثیت سے رہنا چاہیے اور اپنی اوقات نہیں بھولنا چاہیے۔"

میں نے پھر حیرانی کا اظہار کیا: "اوہ گاڈ، ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ رات کو اس ویران علاقے میں کوئی چھپ کر ہماری بات سن رہا ہوگا۔"

"جس نے تمھاری بات سنی تھی، میں نے اس کے دماغ میں پہنچنے میں دیر کر دی۔ وہ ماسٹر کی سنڈیکیٹ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نام راجر ہائیڈ ہے۔ کیوں، ٹھیک ہے، نا؟"

"مجھے کیا معلوم وہ کون تھا۔"

"جب میں سائمن وی گریٹ کے ایک خاص ماتحت کے دماغ میں پہنچی تو راجر وہاں ان کا قیدی بنا ہوا تھا۔ اس نے تمام باتیں اگل دی تھیں۔ انھیں بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ایسا کوئی مسودہ ہے جو تہ خانے سے متعلق ہے اور وہاں گوڑی سجاتہ کی ایک پُراسرار داستان ہے۔ اس سلسلے میں، میں اور فرہاد بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"اب ہم ناشتا ختم کر چکے ہیں اور یہاں سے جانے والے ہیں۔ تین گھنٹے تک ہم سے رابطہ قائم نہ کرنا۔ ہم کسی ہوٹل میں آرام کریں گے۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ پچھلی رات بھی تم نے کہا تھا کہ کسی دوسری

جگہ رات گزار دیں گے لیکن گھوم پھر کر اسی مکان میں آ گئے تھے۔ میں تمہارے ڈرائیور کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر چکی ہوں۔"

"پھر معلوم کر لینا۔ اب ہم وہاں نہیں جائیں گے۔"

"سجاد! تم نے ہمارے لیے مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ویسے تو میں مکتی محل کے احاطے میں کسی کو داخل نہیں ہونے دوں گی لیکن دہشت گرد تنظیموں کے آلۂ کار کوئی معمولی مجرم نہیں ہوتے۔ وہ ہمیں بہت پریشان کریں گے۔"

"میں نے کہا نا، تین گھنٹے بعد اس سلسلے میں گفتگو ہوگی۔ دیٹس آل۔"

میں نے کمپیوٹر کو آف کیا، اسے بیگ میں رکھا پھر ناشتے کا بل ادا کرنے کے بعد ہم بازار میں پہنچ کر کچھ شاپنگ کرنے لگے۔ سونیا نے اپنے لیے مقامی عورتوں کے ملبوسات خریدے۔ آدھے گھنٹے کے بعد ہم ایک بہت مہنگے ہوٹل کے کمرے میں تھے۔ میں نے سونیا سے کہا "وقت کم ہے۔ آرام سے لیٹ جاؤ، اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دو، اپنے ذہن کو اس بات پر مائل کر لو کہ تنویمی عمل شروع ہوتے ہی تم خود کو میری مطیع اور فرماں بردار بنا لو گی اس کے ساتھ تم رسونتی کی بھی اطاعت قبول کرتی رہو گی اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرو گی۔"

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ اور بستر پر چاروں شانے چت لیٹ گئی۔ بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میں اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ پھر تنویمی عمل شروع کر دیا۔ میرا عمل محدود تھا۔ رسونتی نے اس کے دماغ کو لاک کیا تھا میں وہ قفل کھول رہا تھا۔ اسے قائل کر رہا تھا کہ اب رسونتی اس کے دماغ میں پہنچ کر جو کچھ کہے گی وہ اس کے مطابق عمل کرتی رہے گی۔

تنویمی عمل کے اس مرحلے پر رسونتی نے سونیا کو مخاطب کیا پھر اسے معمولہ بنانے لگی۔ میں وہاں سے ہٹ گیا۔ آرام سے ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ اب ہمیں اچھی خاصی رقم کی ضرورت تھی۔ میں نے تھوڑی دیر بعد اس مہنگے ہوٹل کے مالک سے دماغی رابطہ قائم کیا، جب ہم اس کمرے میں آ رہے تھے اور اپنے لیے یہ کمرہ بک کرایا تھا، اس وقت کاؤنٹر کے پاس ہوٹل کا مالک بھی موجود تھا۔ وہ منیجر سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس گفتگو سے ظاہر ہو گیا کہ وہ کون ہے۔ میں نے اس کے لب و لہجے کو یاد رکھا تھا اور اب وہ کام آ رہا تھا۔

یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں نے اسے کس طرح ٹریپ کیا۔ اور وہ کس طرح فلپائنی کرنسی پچیس ہزار پیسو لے آیا۔ اس کے بعد چپ چاپ چلا گیا۔ تقریباً ایک گھنٹا پینتالیس منٹ کے بعد رسونتی نے میرے پاس آکر کہا "میں اپنا کام کر چکی ہوں۔ ابھی نیند سو رہی ہے۔ آدھے گھنٹے بعد بیدار ہو جائے گی۔ میں اعلیٰ بی بی کے پاس جا رہی ہوں۔ تمہارے پاس بھی آتی جاتی رہوں گی۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے کے پچھلے دروازے کو کھولا۔ اُدھر ایک بڑی سی بالکونی تھی۔ آس پاس کے کمروں کی بالکونیاں بھی اتنی قریب تھیں کہ ایک چھلانگ میں دوسری بالکونی تک پہنچا جا سکتا تھا۔ ویسے ہمارے آس پاس والے دونوں کمرے خالی تھے۔ اس جزیرے میں بہت کم سیاح آتے تھے۔ ہوٹل کے کمرے عموماً خالی ہی ملتے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد سونیا بیدار ہو گئی۔ میں بالکونی میں کھڑا رہا۔ اس نے کمرے کے دروازے کو بند کر لیا۔ لباس تبدیل کرنے لگی۔ ایسے ہی وقت کمپیوٹر سے اشارہ موصول ہوا۔ میں نے اسے آپریٹ کیا۔ مادام کمپیوٹر نے کہا "تین گھنٹے پورے ہو چکے ہیں۔ اپنا فیصلہ سناؤ۔"

"میں تمہارے کام آنے کے لیے تیار ہوں۔"

"میں جانتی تھی، ایسا ہی ہوگا لیکن اتنا ضرور پوچھوں گی کہ فرہاد اور رسونتی نے مجھ پر اعتماد کیسے کر لیا ہے؟"

"تم سے محبت ہوتی جا رہی ہے اور محبت میں اعتماد کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔"

"پھر خود ہی سمجھ لو۔ اعتماد کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تہ خانے میں جا رہا ہوں۔ تم مجھے وہاں پکڑ کر انتقاماً پہنچا کر کیا فائدہ حاصل کر لو گی؟ جب کہ سونیا بھی میرے ساتھ نہیں رہے گی۔ لہٰذا بھائی جان میرے لیے خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے ہیں۔"

"تہ خانے میں تمہارے ساتھ میرے آدمی بھی جائیں گے۔"

"یہ اور اچھی بات ہے۔"

"میں وہاں بھیجنے کے تمام انتظامات کر رہی ہوں، اس سلسلے میں تم کوئی مشورہ دینا چاہو تو میں سن رہی ہوں۔"

"ہم کس وقت تہ خانے میں اتریں گے؟"

"رات کا وقت زیادہ مناسب ہے۔ میں شام ہی سے سخت پہرہ لگا دوں گی۔"

"تہ خانے کے اندر گہری تاریکی ہوگی؟"

"ہم نے سارے انتظامات کر لیے ہیں۔ مکتی محل سے بجلی کا کنکشن لے کر زیادہ سے زیادہ لمبے تار کے ساتھ تم لوگ سرچ لائٹ لے کر اندر جاؤ گے۔ جہاں تک وہ تار جائے گا، روشنی ساتھ رہے گی۔ اس کے بعد ٹارچ لائٹ استعمال کر سکو گے۔ یہ بتاؤ، تمہیں کن ہتھیاروں کی ضرورت ہے؟"

"مجھے چھینی، ہتھوڑے، کدال، رسیوں کے بنڈل، ایک مضبوط چاقو اور کاغذ قلم وغیرہ چاہئیں۔ تاکہ علم ریاضی کے سوالات حل کیے جا سکیں۔"

"تمام چیزیں مہیا کی جائیں گی لیکن یہ ہتھیار تو نہ ہوئے۔"

"میرے پاس دو نادیدہ رائفلیں ہیں۔ ان میں سے ایک رائفل کا نام فرہاد اور دوسری کا رسونتی ہے۔"

"تمہارے اور سونیا کے دماغ کو لاک کر دیا گیا ہے تاکہ میں تمہارے پاس نہ پہنچ سکوں۔ پھر فرہاد اور رسونتی کیسے پہنچ جاتے ہیں؟"

"جب میرے سجاد ہونے کا بھید کھل ہی گیا ہے تو میں بتا دوں، مجھ پر اور سونیا پر مخصوص تنویمی عمل کیا گیا ہے۔ ہمارے ذہن کو ہدایت کی گئی ہے کہ مخصوص سوچ کی لہروں کو قبول کریں، باقی کو رد کر دیں اور یہ ہمارا دماغ خود بخود کرتا ہے۔"

"ابھی تم کہاں ہو؟"

"مادام کمپیوٹر! اتنی انجان نہ بنو۔ کیا تم واقعی نہیں جانتی ہو کہ ہم کہاں ہیں؟ تمہارے آدمی ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔"

"تم یقین کرو، میرے پاس جتنے کام کے آدمی ہیں انھیں مکتی محل میں لگا رکھا ہے۔ جو باقی ہیں وہ ہمارے مخالفین کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ میرے پاس اتنے آدمی نہیں ہیں کہ تمہاری نگرانی کے لیے مقرر کیے جا سکیں۔ تمہیں کسی پر نگرانی کا شبہ ہو رہا ہے تو وہ یقیناً ماسٹر کی اور سائمن دی گریٹ کے آدمی ہوں گے۔ تمہیں ہوشیار رہنا چاہیے۔"

"میں تمہاری نصیحت پر عمل کروں گا۔ اور کوئی بات؟"

"میں پھر رابطہ قائم کروں گی۔"

اسکرین خاموش ہو گیا۔ میں نے اسے آف کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد سونیا نے کمرے کا دروازہ کھولا تو میں اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔ وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ کوئی مقامی عورت لگ رہی تھی۔ اس نے لباس بھی فلپائنی عورتوں کا سا پہن رکھا تھا۔ میں نے دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا "مجھے بالکونی سے کوئی نظر نہیں آیا مگر سامنے والی عمارتوں سے کوئی چھپ کر دیکھ رہا ہوگا۔"

اس نے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا اور اس درست کرتے ہوئے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بالکونی کے راستے سے نہیں جا سکوں گی۔"

"میں نے سوچا تھا، تم ایک بالکونی سے کود کر دوسری بالکونی میں پہنچو گی۔ میں خیال خوانی کے ذریعے منیجر سے دوسرے کمرے کی چابی منگواؤں گا۔ تم اس دوسرے کمرے سے نکل کر جاؤ گی تو نہ کوئی تمہیں پہچان سکے گا اور نہ ہی شبہ کر سکے گا۔"

"کوئی بات نہیں، سامنے والا دروازہ کھول کر دیکھو۔ اگر کوریڈور میں سناٹا ہوا تو میں نکل جاؤں گی۔"

"تم نے اپنی ضرورت کا سامان رکھ لیا ہے؟"

"اس بید والی باسکٹ میں رکھ لیا ہے۔ یہاں کی عورتیں ایسی باسکٹ استعمال کرتی ہیں۔"

"کیا رقم بھی اسی میں ہے؟"

"پچیس ہزار پیسو بہت ہوتے ہیں۔ میں نے صرف پندرہ ہزار رکھے ہیں۔"

میں نے اسے دیکھتے ہوئے "کہاں رکھے ہیں؟"

اس نے گھور کر کہا "تمہیں بتانا ضروری تو نہیں ہے۔"

میں نے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھول کر کوریڈور میں دائیں بائیں دور تک دیکھا۔ ایک ویٹر ٹرے میں کچھ چیزیں لیے کر آ رہا تھا۔ وہ سامنے سے گزرنے کے بعد چوتھے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے بعد کوریڈور سنسان ہو گیا۔ میں نے سونیا کو اشارہ کیا۔ وہ اپنی بید والی باسکٹ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔ وہ کوریڈور سے گزرتی جا رہی تھی، میں بڑی محبت سے دیکھ رہا تھا۔ کیسی عجیب عورت تھی۔ جب بھی آتی تھی، پیار کی مکمل کائنات لے کر آتی تھی اور جب جاتی تھی تو یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کن شامت کے ماروں پر کب بجلی بن کر گرے گی۔

میں نے کمرے میں آکر دروازے کو بند کر لیا۔ مجھے اپنے مخالفین کی طرف سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ مجھے جانی نقصان پہنچائیں گے۔ ان سب میں یہ تجسس تھا کہ آخر مکتی محل کے تہ خانے میں کیا ہونے والا ہے۔ اس تہ خانے میں فرہاد جائے یا سجاد، ان کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ میں سجاد کی حیثیت سے جاتا تب بھی وہ جانتے تھے کہ میری پشت پر فرہاد اور رسونتی ہوں گے۔

رسونتی میرے پاس آ گئی۔ مجھے اپنی اور اعلیٰ بی بی کی مصروفیات کے متعلق بتانے لگی۔ اس نے کہا "جب بھی تم اس تہ خانے میں جاؤ گے تو شیخ الفارس سے برابر رابطہ قائم رکھنا۔ وہ تمہیں ریاضی کے تمام مسائل کا حل بتاتے رہیں گے۔ میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

میں شام تک اسی کمرے میں رہا۔ ماسٹر کی سنڈیکیٹ اور سائمن دی گریٹ کے جن آدمیوں تک پہنچ سکتا تھا، ان کی مصروفیات کو سمجھتا رہا۔ شام کو چھ بجے جب اندھیرا بڑھنے لگا تو مادام کمپیوٹر نے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا "تمہاری نگرانی کرنے والوں کے ذریعے معلوم کر چکی ہوں کہ تم اس ہوٹل میں ہو۔ بہر حال ہوٹل کے باہر ایک گاڑی ہے۔ میرا آدمی تمہارے دروازے پر آکر دستک دے گا۔ اس کے ساتھ مکتی محل میں چلے آؤ۔"

تھوڑی دیر بعد ہی دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے اپنے بیگ کو سنبھالا پھر دروازہ کھول کر اس کے ساتھ ہو گیا۔ مادام کمپیوٹر اس شخص کے دماغ میں موجود ہوگی اور اس الجھن

میں ہو گی کہ میں تنہا ہوں۔ سونیا کو کمرے کے اندر کیوں چھوڑ دیا ہے۔ وہ شخص تھوڑی دور تک میرے ساتھ گیا۔ پھر رک کر اشارے سے مجھے وہیں ٹھہرنے کے لیے کہا۔ اس کے بعد تیزی سے چلتا ہوا میرے کمرے کے پاس پہنچا۔ اس کا دروازہ کھول کر اندر گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی مجھے کمپیوٹر سے اشارہ موصول ہوا۔ میں نے بیگ سے نکال کر اسے آپریٹ کیا۔ اسکرین پر مادام کمپیوٹر پوچھ رہی تھی "سونیا کہاں ہے؟"

"جہاں اسے ہونا چاہیے، وہ اپنے فرائض خوب سمجھتی ہے"

"میں اپنے معاملات میں مصروف رہی ورنہ وہ نکل نہ پاتی۔"

تمہاری یادداشت بہت کمزور ہے، وہ پچھلی رات دو بار تمہاری نگرانی سے نکل چکی ہے۔"

"میری معلومات کے مطابق دہشت گرد تنظیموں کے بہت سے آلۂ کار اس ہوٹل کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ کیسے گئی؟"

"ہوا کو گزرنے کے لیے ایک ننھے سے سوراخ کی ضرورت ہوتی ہے، اِدھر آنکھ جھپکتی ہے اُدھر وہ ہوا ہو جاتی ہے۔"

"میں اسے دوست بنانا چاہتی ہوں، وہ دشمن بن رہی ہے"

"تم فضول باتیں کر رہی ہو۔ کام کی بات کرو۔ میں مکتی محل میں جا رہا ہوں۔ تم اپنے انتظامات کے متعلق بتاؤ۔"

"اتنے سخت انتظامات ہیں کہ محل کے احاطے میں ایک پرندہ بھی داخل نہیں ہو سکے گا۔"

"ہم نہیں جانتے کہ تہ خانے میں کتنا وقت لگے گا۔ ہو سکتا ہے، صبح ہو جائے۔ کیا تم نے اس پہلو پر غور کیا ہے کہ بحری راستے سے حکومت کے آدمی آ سکتے ہیں۔ جن مسلمانوں کے ذریعے تم نے مکتی محل پر قبضہ کیا ہے، وہ ان مسلمانوں کو پسپا کر کے پھر محل پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟ ہم تو اندر پھنسے رہ جائیں گے۔"

"جزیرے کے تمام ساحلی علاقوں میں مسلح مسلمان موجود ہیں، وہ کسی کو جزیرے میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے، جبراً آنے والوں کو گولی مار دیں گے۔ بحری فوج نظر آئی تو مجھے فوراً اطلاع دیں گے۔"

"ایسے وقت تم کیا کر سکو گی؟"

"یوں تو مسلمان مجاہدین نے پورے طور پر جنگی تیاریاں کر لی ہیں۔ وہ انہیں روکیں گے۔ اگر وہ باز نہ آئے تو ان کی بحریہ، فضائیہ کے اہم افسران میری ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں ہیں۔ میں ان کے جہازوں کا رخ موڑ دوں گی۔"

میں ایک کار میں بیٹھ کر مکتی محل کے سامنے پہنچ گیا۔ اس محل کے اطراف میں ایسی سرچ لائٹیں لگائی گئی تھیں کہ چھپ کر آنے والے کو دیکھا جا سکتا تھا۔ محل کے ہر حصے میں مسلح گارڈز نظر آ رہے تھے۔ چاروں طرف ان کے کیمپ بھی لگے ہوئے تھے۔ ہماری کار احاطے کے پھاٹک کے پاس رک گئی تھی۔ وہاں سے مجھے تنہا پیدل جانا پڑا۔ حالانکہ مجھے گاڑی میں لانے والے بھی مادام کمپیوٹر کے آدمی تھے یا پھر سلیمان موروز وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن انہیں بھی احاطے میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔

محل کے وسیع صحن میں کچھ لوگ نظر آئے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر مجھے خوش آمدید کہا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ وہ ایک صحت مند انگریز تھا۔ اس کے پیچھے اس سے بھی زیادہ صحت مند اور قدآور شخص دکھائی دیا۔ اسے دیکھتے ہی جانے کیوں جان لو فریاد آ گیا۔ وہ بھی ایسا ہی قدآور اور پہاڑ جیسی جسامت رکھتا تھا۔ وہاں کئی لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، مجھے دیکھ کر اٹھ گئے تھے۔ اس انگریز نے ہر ایک سے تعارف کرانا شروع کیا۔

اس نے کہا۔ "پہلے مجھ سے ملو۔ میرا نام وکٹر کولن ہے۔ میں آثارِ قدیمہ کا ماہر سمجھا جاتا ہوں۔ قدیم تاریخی عمارتوں اور محلاتی تہ خانوں کے متعلق معلومات رکھتا ہوں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو گی تو میں اسے انجام دوں گا۔"

وہ مجھے ایک اور شخص کے سامنے لے گیا۔ وہ ناٹے قد کا تھا مگر کسرتی بدن کا مالک تھا۔ اس کا جسم اور چہرہ توے کی طرح کالا تھا۔ دیدے سفید تھے۔ اندھیرے میں چمکتے تھے۔ سر کے بال اتنے بڑے تھے کہ کاندھے تک آتے تھے۔ سامنے کے بالوں کو اس نے چوٹی کی طرح گوندھ رکھا تھا۔ وکٹر کولن نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"یہ دھیرو چمار ہے۔ کالے جادو کے ذریعے حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے۔ اگر ہمیں دو سو سال پرانے تہ خانے میں ناقابلِ یقین مافوق الفطرت حالات سے گزرنا پڑا تو اس کا کالا علم ہمارے کام آئے گا۔"

دھیرو چمار نے مجھ سے ملنے کی خوشی میں بڑے بڑے دانتوں کی نمائش کی۔ اس کے دانت ٹیڑھے میڑھے اور پیلے پیلے سے تھے۔ میں نے پوچھا "کیا تم ہندوستان کے رہنے والے ہو؟"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "کالی مائی کا داس ہوں۔ بھارت، برما، ملایا، انڈونیشیا تمام ملکوں میں گھوم چکا ہوں۔ یہاں آنا نہیں چاہتا تھا، بہت مجبور ہو کے آیا ہوں۔"

"مجبوری کیا ہے؟"

"کوئی بلا میرے سر کے اندر گھس گئی ہے۔ وہ مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی، اُدھر آنے پر مجبور کرتی رہتی تھی۔ میں نے اپنے جادو کے ذریعے کتنے ہی توڑ کیے مگر میرا کچھ بھلا نہ ہوا۔

آخر مجبور ہو کر آ گیا۔ اس بلا نے وعدہ کیا ہے، اگر میں اس کے کام آؤں گا تو آئندہ وہ بھی میرے کام آیا کرے گی۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا "گئے کام سے پہلے کھوپڑی میں ایک بلا تھی، اب تین بلائیں رہا کریں گی۔"

وکٹر کولن نے آگے بڑھ کر ایک بوڑھے ہندوستانی سے ملاقات کرائی۔ "ان سے ملو۔ یہ پروفیسر نائیڈو ہیں۔ علمِ ریاضی کے استاد مانے جاتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم شیخ الفارس سے ریاضی کے سلسلے میں مدد حاصل کرو گے۔ ایک سے دو استادوں کا رہنا بہتر ہے۔"

میں نے پروفیسر نائیڈو سے مصافحہ کیا، اس سے کچھ باتیں کیں، اس کے لب و لہجے کو سمجھا۔ اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا پھر دوسری طرف پلٹ گیا۔ ادھر وہی قدآور پہاڑ جیسا شخص کھڑا ہوا تھا۔ تعارف کرانے والے نے کہا "اس کا نام پیٹر پال ہے۔ یہ مادام کمپیوٹر کا خاص آدمی ہے اور اس خاص مہم میں شریک ہونے کے لیے آیا ہے، اس کی شہ زوری کا حیرت انگیز تماشا دیکھ کر بھی آنکھیں یقین نہیں کرتیں۔ یہ تنہا شیر سے لڑتا ہے۔ اور کسی بھی پختہ دیوار کو دھکے مار مار کر گرا دیتا ہے۔"

"میں نے پوچھا "گوری سجاتہ تک پہنچنے کے لیے کسی شہ زور کی بھی ضرورت ہے؟"

وکٹر کولن نے کہا "یہ ہماری مادام کمپیوٹر کا وفادار ہے اور ہمیں بھی وفادار بنائے رکھنے کے لیے ساتھ جا رہا ہے۔"

پھر تو تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے پیٹر پال کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے بھی مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے اجنبی زبان میں کچھ کہا۔ اس کی ہتھیلی اتنی چوڑی تھی کہ میرا ہاتھ کسی قدر چھوٹا پڑ گیا تھا۔ ہاتھوں کی سختی بتا رہی تھی، کسی کی گردن ہاتھ میں آنے کے بعد چھوٹ نہیں سکتی، ٹوٹ سکتی ہے۔

میں نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ وکٹر کولن نے کہا "یہ صرف فلپائنی زبان جانتا ہے اور کوئی زبان نہیں سمجھتا۔"

میں سمجھ گیا، ایسا شخص صرف میرے لیے رکھا گیا تھا تاکہ وہ جسمانی اعتبار سے شہ زور ہو، اس کی زبان سمجھ میں نہ آئے، دماغ کے دروازے میرے لیے بند ہیں۔ میں نے پوچھا "اچھا تو آپ چاروں صاحبان میرے ساتھ تہ خانے میں جائیں گے؟"

وکٹر کولن نے کہا "ایک اور ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے محل کے بڑے سے ستون کی جانب دیکھا۔ سائے میں کوئی کھڑا تھا جب اس نے حرکت کی تو پتا چلا، کھڑی تھی اور اب روشنی کی طرف آ رہی تھی۔ اس نے مرہٹی عورتوں کی طرح دھوتی نما ساری باندھی ہوئی تھی۔ اوپر چھوٹا سا بلاؤز پہنا ہوا تھا، چھپاتا ہوا رنگ تھا۔ آنکھیں بھوری تھیں مگر پلکیں اور ابرو سیاہ تھے۔ ان آنکھوں میں اتنی گہرائی، اتنی کشش تھی جیسے زہر بھرا ہو۔ ان آنکھوں کو دیکھتے ہی منجالی یاد آ گئی۔

وکٹر کولن نے کہا "یہ باؤلی سپیرن ہے۔ ہم دو سو برس پرانے تہ خانے میں جا رہے ہیں۔ وہاں سانپ، بچھو کے علاوہ زہریلے کیڑے مکوڑے بھی ہو سکتے ہیں۔"

وہ ایک ہاتھ نچا کر فخریہ انداز میں بولی "ہونے دے انگریز بابو، ہونے دے۔ یہ باؤلی سپیرن ناگ سانپوں کے مسکن میں ننگے پاؤں جاتی ہے۔"

اس کے ایک شانے سے کپڑے کی جھولی لٹک رہی تھی۔ اس نے جھولی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "اس میں زہریلی بلاؤں کے لیے منتر بھی ہے، جنتر بھی ہے اور یہ منتر جنتر کیا چیز ہے۔ یہ میری دو آنکھیں جس پر ٹھہر جاتی ہیں، وہ بھی ٹھہر جاتا ہے۔ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔"

ایسا کہتے ہوئے باؤلی سپیرن نے مجھے دیکھا۔ اس کی نظریں مجھ پر ٹھہر گئیں، میری نظریں مسکرا رہی تھیں۔ وہ گھور کر دیکھنے لگی۔ واقعی زہریلی کشش تھی لیکن وہ بھی کچھ محسوس کر رہی تھی کیونکہ میری آنکھوں نے شمع کی جلتی ہوئی لو کو جذب کر رکھا تھا۔ یہ آنکھیں تنویمی عمل کے مرحلوں سے گزر چکی تھیں۔ یہ وہ آنکھیں تھیں جنھوں نے منجالی سے آنکھیں چار کی تھیں۔ وہ اس دنیا سے اٹھ گئی تھی لیکن اپنی زہریلی آنکھیں میری آنکھوں میں چھوڑ گئی تھی۔

باؤلی مجھے گھورتے ہوئے قریب آ رہی تھی۔ اس کا خیال تھا، میں گھبرا کر نظریں جھکا لوں گا لیکن اس کی گھورتی ہوئی آنکھیں ذرا نرم پڑ گئیں۔ وہ حیرانی سے مجھے دیکھ رہی تھی، پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر اس نے پوچھا "کیوں رے بابو! تو سپیرا ہے کیا؟"

"سپیرا تو سانپوں کو پکڑتا ہے۔ میں سپیرن کو بس میں کرتا ہوں۔"

وہ ناگن کی طرح پھنکارتے ہوئے ایک قدم پیچھے گئی پھر ہاتھ نچا کر کہا "ارے جا، یہ عمر یا سانپوں سے کھیلتے گزر رہی ہے، جو میرے پاس آتا ہے، وہ نیلا پڑ جاتا ہے۔ میں تجھ کو خبردار کرتی ہوں۔"

وکٹر کولن نے ہمارے درمیان آ کر کہا "ارے یہ کیا، ہم سب دوست ہیں۔ آپس میں جھگڑے والی بات نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں نے پوچھا "تمہاری ٹیم میں کل کتنے افراد ہیں؟"

"ہم آپ مل کر چھ ہیں لیکن مزدور بھی ہیں۔ وہ ہمارا ضروری سامان اٹھا کر لے جائیں گے۔ ضروری سامان میں گیس ماسک

اور آکسیجن سے بھری ہوئی ٹنکیاں ہیں تاکہ تہ خانے میں گھٹن کا احساس ہو تو ہم ان کے ذریعے بہ آسانی سانس لے سکیں۔"

وہ مزدور اور تمام سامان وہیں موجود تھا میں نے ہر چیز کو دیکھا، سمجھا اور اطمینان حاصل کیا۔ تہ خانے میں جانے کے سلسلے میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔

ڈاکٹر کولن ہمارا ٹیم لیڈر تھا ہم اس کی رہنمائی میں محل کے اندر داخل ہوئے۔ مجھے یقین تھا، اس محل کے کسی کمرے میں تہ خانے کا راستہ ہوگا جیسا کہ قدیم تاریخی محلوں میں تہ خانے بنائے جاتے ہیں۔ ان کا راستہ کسی کمرے کے فرش سے ہو کر گزرتا ہے یا کسی خفیہ دیوار کے پیچھے سے وہ راستہ تہ خانے کی طرف جاتا ہے۔

لیکن میری حیرانی کی انتہا نہ رہی جب ہمارا پارٹی لیڈر ڈاکٹر کولن ہمیں سیڑھیوں پر چڑھاتا ہوا محل کی چھت پر لے جانے لگا۔ میں نے پوچھا "کیا ابھی تہ خانے میں نہیں جائیں گے؟"

"ہم وہیں جا رہے ہیں۔"

میں نے مزید سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ چپ چاپ ان کے ساتھ چھت پر آگیا۔ وہاں ڈاکٹر نے کہا "تم سب اپنے اپنے حصے کا ضروری سامان اپنے پاس رکھ لو۔"

ہم نے سامان اٹھانا شروع کیا۔ ہر ایک کے حصے میں آکسیجن کی دو ٹنکیاں تھیں۔ انہیں ہم نے پشت سے باندھ لیا۔ ایک آہنی ٹوپی تھی جس کے سامنے پیشانی پر ایک ٹارچ نما لائٹ منسلک کی گئی تھی جسے ہم اپنی مرضی سے آن آف کر سکتے تھے۔ آہنی ٹوپی سے ایک گیس ماسک منسلک تھا جسے ہم وقتِ ضرورت چہرے پر چڑھا سکتے تھے۔

میں نے ایک لیدر کٹ کو دوسروں کی طرح اپنے سینے پر باندھ لیا اسی کٹ کے اندر ایک عدد ٹارچ، ایک بڑا سا چاقو اور ڈی ڈی ٹی کی تیز اور زود اثر اسپرے کرنے والی دوائیں تھیں۔ ان کے علاوہ دو عدد لائٹر، ایک مقناطیس اور ایک قطب نما تھا۔ ہم نے اپنی اپنی کلائی پر ریڈیم ڈائل کی گھڑی باندھ لی۔ وہ سب اپنی اپنی کمر سے کارتوس کی بیلٹ باندھ رہے تھے۔ انہوں نے ریوالور کے علاوہ اسٹین گن بھی رکھ لی تھی۔ میں سمجھتا تھا، وہاں شاید ہی ان چیزوں کی ضرورت پڑے۔ ہاں اگر آپس میں لڑائی ہوتی تو یہ چیزیں کام آسکتی تھیں اور مجھے ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں پڑتی، دوسروں کے ہتھیار میرے کام آجاتے ہیں۔ میں نے وہ بوجھ اٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔ پانی کا بڑا سا تھرماس اپنے شانے سے لٹکا لیا۔

میری طرح باڈلی سپیرن نے بھی ہتھیار پھینک دیے بلکہ ڈی ڈی ٹی کی تمام دوائیں بھی پھینک دیں۔ یہ چیزیں اس کے لیے ضروری نہیں تھیں۔ البتہ میں نے ایک مضبوط آہنی سلاخ تھام لی۔ جس کا ایک سرا نوکیلا تھا اور بھالے کی طرح کام... آسکتا تھا۔

باقی کچھ کھانے کا اور کچھ فرسٹ ایڈ کا سامان تھا رسّی کے بنڈل اور دوسری تمام ضروری چیزیں مزدوروں نے اٹھالی تھیں پھر ڈاکٹر کولن چھت کے اس حصے میں آیا جہاں محل کے بڑے بڑے ستونوں میں سے ایک ستون اوپر چھت کی طرف نکلا ہوا تھا۔ اس کے اوپری سرے پر گنبد سا بنا ہوا تھا اور اس گنبد کے اوپری حصّے میں پیتل کا کلس تھا۔

اس نے کلس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ایک طرف گھمانا شروع کیا۔ بڑی طاقت صرف ہو رہی تھی۔ اس نے سپیرپال کو دیکھا۔ مادام کمپیوٹر کے اس غلام نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر کو ایک طرف ہٹایا پھر پیتل کے کلس کو پکڑ کر ایک ذرا سا گھمانا شروع کیا تو وہ گھومتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ستون کی دائرہ نما دیوار ایک طرف گھومنے لگی۔ ہم نے دیکھا جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے، وہاں سامنے ہی ستون میں خلا پیدا ہو رہا تھا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ میں پہلی بار تہِ خانے کا ایسا راستہ دیکھ رہا تھا۔ جو چھت پر ستون کے اندر زینے کی صورت میں نیچے تہ خانے تک گیا تھا۔

وہاں جانے کے لیے محل سے بجلی کا کنکشن حاصل کیا گیا تھا اور کئی سو گز طویل تار رکھا گیا تھا۔ اس تار کو کئی کنکشن میں تبدیل کر کے مختلف بلب روشن کر لیے گئے تھے۔ انہیں مزدوروں نے اپنے ایک ہاتھ میں تھام لیا تھا۔ ڈاکٹر کولن کے حکم پر پہلے وہی مزدور ستون کے خلا سے گزر کر سیڑھیوں سے اترنے لگے۔ ہم ان کے پیچھے باری باری جانے لگے میں کئی بار ڈاکٹر کولن کے دماغ میں پہنچ کر دیکھ چکا تھا اس کے دماغ میں فلپائنو زبان میں وہی مترنم آواز سنائی دیتی تھی ....

یعنی...... ڈاکٹر کولن ہمیں گائیڈ کر رہا تھا اور مادام کمپیوٹر ہمیں اطمینان سے بیٹھی ہوئی اسے گائیڈ کر رہی تھی۔ اس کے سامنے اس تہ خانے کا نقشہ بچھا ہوگا، ساری معلومات اس کے سامنے ہوں گی۔ اسی کے مطابق وہ کہتی جا رہی تھی اور ڈاکٹر ہمیں ہدایات دیتا جا رہا تھا۔ بجلی کی روشنی دکھانے والے ہم سے آگے تھے، ہمیں خاطر خواہ روشنی نہیں مل رہی تھی۔ اس لیے ہم نے آہنی کیپ سے منسلک رہنے والی ٹارچ کو روشن کر لیا تھا۔ کئی سیڑھیاں اترنے کے بعد ہم ایک بہت ہی کشادہ سے کمرے میں پہنچ گئے۔

یہ وہی کمرہ تھا جس کے متعلق میں مادام کمپیوٹر کے ارسال

کردہ مسودے میں پڑھ چکا تھا۔ اس میں لکھا تھا، جو شخص سیڑھیوں سے اترتا ہوا جس رخ پر تہ خانے کے فرش پر پہنچے گا، اس رخ پر سامنے دیوار ہے۔ وہ دیوار دو سو دس پتھروں سے چنی گئی ہے فرش اور دیوار کے بائیں کونے پر ستر ڈگری کی سیدھ پر بارہ پتھر چھت تک گئے ہیں۔ انہیں نیچے سے گنتے ہوئے پتھر نمبر آٹھ تک جانا ہوگا پھر اوپر سے گنتے ہوئے پتھر نمبر پانچ تک آنا ہوگا۔ ان نمبروں کے درمیان دو ایسے نمبروں کو جمع کرنا ہوگا جن کا حاصل جمع تین سے برابر تقسیم ہو جائے، تقسیم کے حاصل میں جس نمبر کا پتھر آئے گا اس پر کسی سخت چیز سے ضرب لگانا ہوگی پھر اس دیوار کا خفیہ دروازہ خود بخود کھلتا جائے گا۔

ریاضی کا یہ حساب پیش کرنے کے بعد نیچے وارننگ لکھی ہوئی تھی۔ خبردار، اگر حساب میں غلطی ہوئی یا انداز سے سے کسی اور پتھر پر ضرب لگائی گئی تو وہاں کی چار دیواری کی چھت اس پر آگرے گی پھر وہ بھی گوزی سجاتہ کی طرح برسوں وہاں پڑا رہ جائے گا۔

ڈاکٹر کولن پروفیسر نائیڈو کو ریاضی کا یہ حساب بتا رہا تھا۔ اس کمرے میں ہماری ٹیم کے جتنے افراد مزدوروں سمیت کھڑے ہوئے تھے وہ سب پریشان ہو کر کبھی چھت کو دیکھتے تھے اور کبھی دیوار کو۔ سبھی کے دلوں میں یہ اندیشہ تھا کہ حساب میں ذرا بھی گڑبڑ ہوگی تو وہ پوری چھت ان پر آگرے گی۔

ڈاکٹر کولن نے تمام حساب پروفیسر نائیڈو کو سمجھانے کے بعد کہا "اب میں اپنی ٹیم کے تمام افراد کو واپس زینے پر لے جاتا ہوں۔ حساب میں غلطی ہوئی تو یہ چھت صرف تم پر آکر گرے گی، ہم محفوظ رہیں گے۔ لہٰذا خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر حساب کرو اور صحیح پتھر کی نشاندہی کر کے ہمیں بتاؤ کہ کس پر ضرب لگانا چاہیے۔"

یہ کہہ کر وہ تمام افراد کے ساتھ زینے پر چڑھنے لگا۔ مزدوروں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ سامان وہیں چھوڑ کر زینے پر آجائیں۔

یکے بعد دیگرے سبھی زینے پر چڑھنے لگے۔ ڈاکٹر نے میری طرف دیکھ کر پوچھا "کیا تم نہیں آؤ گے؟"

میں نے پروفیسر نائیڈو کو دیکھا وہ پریشان سا تھا۔ میں نے کہا "میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ ایک شخص کو خطرے میں چھوڑ کر اپنی جان بچاؤں۔ تم سب اوپر جاؤ، حساب مجھے بھی کرنا ہے۔ میرے استاد مجھے اس کا حل بتانے والے ہیں۔ میں پروفیسر نائیڈو کو اطمینان دلاتا ہوں وہ تمام پریشانی بھول کر اس مسئلے کو حل کریں۔"

پروفیسر نائیڈو نے مجھے احسان مندی سے دیکھا میرے وہاں رہ جانے سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ وہ کاغذ قلم لے کر حساب کرنے لگا۔ شیخ الفارس نے مجھے بتایا "یہ سننے اور پڑھنے میں بہت پیچیدہ حساب لگتا ہے لیکن نہایت آسان ہے۔ ستر ڈگری کا حساب رکھتے ہوئے نیچے سے گنتے ہوئے پانچویں پتھر پر جاؤ اور ٹھیک اس پانچ نمبر کے پتھر پر ضرب لگاؤ انشاء اللہ پورا دروازہ کھلے گا۔ چھت نہیں گرے گی۔"

پروفیسر نائیڈو نے بھی حساب کر لیا۔ میرے قریب آکر آہستگی سے بولا "فرہاد صاحب! میں نے حساب تو کر لیا ہے مگر ڈاکٹر کولن کے رویّے نے میرے اعصاب کو کمزور بنا دیا ہے۔ میں پریشان ہو گیا ہوں۔ پتا نہیں یہ حساب درست ہے یا نہیں، ذرا اپنے استاد سے بھی پوچھ لیں۔"

اس کی باتوں کے دوران میں نے اس کاغذ کی طرف دیکھا جس میں حساب کیا ہوا تھا۔ اس نے بھی پانچ نمبر کا پتھر لکھا تھا میں نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا "پروفیسر! آپ بہت ذہین ریاضی داں ہیں آپ نے بالکل صحیح حساب کیا ہے۔"

ہم دونوں نے ستر ڈگری کے حساب سے پتھروں کو گننا شروع کیا۔ نیچے سے گنتے ہوئے پانچویں نمبر کے پتھر پر آگئے۔ میں نے اس پر نشان لگا دیا۔ زینے پر سے وکٹر کولن نے پوچھا "کیا صحیح پتھر کا حساب مل گیا؟"

"ہاں مل چکا ہے۔"

مزدوروں نے جہاں اپنا سامان رکھا تھا وہاں سے میں نے ایک بڑے ہتھوڑے کو اٹھا لیا۔ جب اس پتھر پر ضرب لگانے کے لیے پہنچا تو اس کے سامنے پروفیسر نائیڈو سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں فرہاد! نہیں۔ یہ میرا شعبہ ہے۔ اس کمرے سے گزرنے کے لیے علم ریاضی کے حسابات مکمل کرنے کے لیے میری خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ یہ ہتھوڑا مجھے دو اور تم زینے پر چلے جاؤ۔ میں اس پر چوٹ لگاؤں گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا "ہم دونوں یہاں رہ کر اس پتھر پر چوٹ لگائیں تو کیا ہرج ہے؟"

"نہیں بیٹے! تمہاری ٹیلی پیتھی کی دنیا کو ضرورت ہے۔"

"نہیں پروفیسر! دنیا کو ٹیلی پیتھی کی نہیں، تمہارے علم کی ضرورت ہے۔"

پروفیسر نائیڈو نے غصہ دکھاتے ہوئے کہا "میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں۔ تمھیں حکم دیتا ہوں، یہاں سے جاؤ۔"

میں نے سر جھکاتے ہوئے کہا "آپ میرے باپ کی جگہ، میرے محترم بزرگ ہیں۔ میں آپ کی شفقت کو سمجھ رہا ہوں لیکن ایک بیٹے کو بھی اپنا فرض ادا کرنے دیجیے۔"

یہ کہتے ہی میں پروفیسر نائیڈو کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا زینے کی طرف یوں جانے لگا جیسے خواب میں چل رہا ہو۔ جب وہ زینے کی بلندی پر اپنی ٹیم کے افراد تک پہنچ گیا تو میں نے مسکرا کر اُدھر دیکھا۔ وہ لوگ اتنی بلندی پر تھے کہ نظر نہیں آرہے تھے۔ صرف باؤلی پیرن کے پاؤں دکھائی دے رہے تھے، وہ ذرا نیچے اتر آئی تھی، تجسس میں تھی۔ کبھی کبھی جھک کر مجھے حیرانی اور تشویش بھری نظروں سے دیکھتی تھی۔

میں نے بسم اللہ پڑھ کر ہتھوڑے کو سنبھالا، میرے ہاتھ ہتھوڑے کے ساتھ فضا میں بلند ہوئے پھر دوسرے ہی لمحے پانچ نمبر کے پتھر پر ایک زوردار ضرب لگی۔ لوہے سے پتھر ٹکرانے کی آواز کچھ اور ہوتی ہے اور لوہے سے لوہا ٹکرائے تو کچھ اور آواز نکلتی ہے۔ مجھے یوں ہی لگا کہ جیسے ہتھوڑے کا لوہا کسی پتھر سے نہیں بلکہ کسی لوہے سے ٹکرایا ہو۔ ٹھن کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

جہاں ضرب لگی تھی، وہاں پتھر ٹوٹ گیا۔ ٹوٹے ہوئے حصے سے لوہا جھلک رہا تھا۔ سب دم سادھے زینے پر جھکے ہوئے میری طرف اور اس پتھر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کچھ بھی تو نہ ہوا۔

میں نے سوچا، شاید زوردار ہاتھ نہیں پڑا ہے، دوسری بار ہتھوڑے سے ضرب لگانا چاہیے۔ میں نے پھر اسے سنبھالا، دونوں ہاتھوں کو بلند کیا، اسی وقت جیسے میرے پاؤں تلے زلزلہ آگیا۔ یوں لگا جیسے زمین دھنسنے والی ہے لیکن سر اٹھا کر دیکھا تو چھت سے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ زینے سے کتنے ہی لوگوں نے آوازیں دیں "بھاگ کر چلے آؤ۔ چھت گرنے والی ہے۔ حساب غلط ہو گیا۔"

رسونتی نے میرے دماغ میں چیخ کر کہا "فرہاد! خدا کے لیے بھاگو۔ جلدی بھاگو۔"

میں لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے کے وسط میں آگیا۔ میرا سر اٹھا ہوا تھا، آنکھیں چھت پر لگی ہوئی تھیں۔ میں نے اب تک بادل کو گرجتے سنا تھا، چھت کو گرجتے ہوئے پہلی بار سن رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا اب تب میں مجھ پر آگرے گی لیکن میں کمرے کے ایسے حصے میں پہنچ گیا تھا جہاں سے ایک ہی جست میں زینے پر جا سکتا تھا۔

اکثر یہ مقولہ درست ثابت ہوتا ہے کہ جو بادل گرجتے ہیں، وہ برستے نہیں۔ گرجنے والی چھت رفتہ رفتہ خاموش ہوتی چلی گئی پھر اچانک ہی وہ دیوار گرجنے لگی جس پر میں نے ضرب لگائی تھی۔ ایسا لگا جیسے وہاں سے مجھ پر پتھر آگریں گے لیکن پانچ نمبر کے پاس جتنے پتھر تھے، وہ اس طرح تڑخ رہے تھے کہ دروازے کی شکل بنتی جا رہی تھی۔ پھر اسی دروازہ نما مستطیل کے اندر جتنے پتھر تھے، وہ یک بیک ٹوٹ کر اپنی جگہ سے نزرتے ہوئے، شور مچاتے ہوئے گرنے لگے۔ دوسری طرف جانے کا راستہ بنتا جا رہا تھا لیکن پتھروں کے گرنے سے اتنی گرد اُڑ رہی تھی کہ دوسری طرف کا منظر صاف طور پر نظر نہیں آرہا تھا۔

پتا نہیں، وہ کس طرح کا میکینزم تھا کہ ایک پتھر پر ضرب لگنے سے چند مخصوص پتھر گرنے لگتے تھے اور دروازے کا خلا پیدا ہو جاتا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خلا کے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ زینے پر جا کر پناہ لینے والے آہستہ آہستہ اترتے ہوئے کمرے میں آرہے تھے، اس چور دروازے کو دیکھ رہے تھے۔

دروازے کے قریب پتھروں کا ڈھیر لگ گیا۔ گرد کم ہو گئی تھی۔ دوسری طرف کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ہم سب ذرا آگے بڑھ کر دیکھنے لگے۔ دوسری طرف بہت دور تک پتھروں کی دیواریں نظر آرہی تھیں۔ چور دروازے سے ان پتھریلی دیواروں کا فاصلہ تقریباً دس گز رہا ہوگا لیکن وہاں تک جانے کے لیے کوئی زمین نظر نہیں آرہی تھی، نہ ہی کوئی عارضی طور پر فرش بنا ہوا تھا۔ جہاں فرش ہونا چاہیے تھا وہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ سفید اور ہلکے نیلے رنگ کے ملے جلے دھوئیں کی تہہ میں کیا ہو سکتا تھا؟ سب یہی سوچ رہے تھے۔ کیا اس دھوئیں کے نیچے پختہ فرش ہے یا گہری کھائی؟

ہم سب ذرا اور قریب آئے۔ چور دروازے کی چوکھٹ پر پہنچ کر سر آگے بڑھا کر دیکھنے لگے۔ ہمیں اس دھوئیں کے پیچھے سے ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے پانی اُبل رہا ہو، بلبلے بن رہے ہوں اور پھوٹ رہے ہوں۔ وکٹر کولن نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں فوراً اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ کے ذریعے کہہ رہا تھا "مادام! آپ نے درست کہا تھا۔ بالکل وہی منظر ہے۔"

وہ فلپائنو زبان میں کہہ رہا تھا۔ مادام کمپیوٹر نے بھی اسی زبان میں جواب دیا۔ جس کا ترجمہ دکٹر کے ذریعے سمجھ رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "معلوم کرو۔ دھوئیں کی تہ میں کیا ہے۔ صرف اُبلتا ہوا پانی یا دلدل ہے۔ اگر پانی اُبل رہا ہے تو اس کی حرارت معلوم کرو۔"

اُس نے کہا "چور دروازہ بننے سے پہلے اس کی حرارت محدود تھی۔ اب رفتہ رفتہ ہم تپش محسوس کر رہے ہیں اور یہ تپش شاید بڑھتی جائے گی۔ میں یقین سے کہتا ہوں۔ دلدل نہیں ہے۔"

"اس کی گہرائی کا پتا چلاؤ۔"

وکٹر کولن نے ایک رسہ لیا۔ اس کے ایک سرے کو پتھر سے باندھ لیا۔ پھر اس نے اس پتھر کو اٹھا کر پوری قوت سے پھینکا۔ پتھر بھاری تھا۔ چار گز کی دوری پر جا کر گرا۔ اِدھر سے وکٹر نے رسے کو پکڑ لیا۔ دوسرے ہی لمحے عجیب تماشا نظر آیا۔ وہ پتھر جو دھوئیں کی تہ میں ڈوب گیا تھا۔ وہ اچھل کر اوپر آیا۔ نیچے یقیناً زمین ہوگی۔ کششِ ثقل کے باعث وہ پھر نیچے گیا۔ اس کے بعد اچھل کر اوپر آیا۔ اب یہی سلسلہ تھا۔ وہ کبھی دھوئیں کی تہ میں ڈوب جاتا تھا اور اچھل کر اوپر آتا تھا۔ ہم نے دیکھا۔ جیسے جیسے وہ اوپر آتا تھا۔ ویسے ویسے پتھر کا حجم کم ہوتا جا رہا تھا۔ یعنی وہ پتھر نیچے ڈوبنے کے بعد گھلتا جا رہا تھا۔ رسے کا جتنا حصہ دھوئیں تک گیا تھا۔ وہ پہلے ہی گل چکا تھا۔ یوں تو کمرے میں رسے کا بہت بڑا بنڈل تھا لیکن وکٹر کے ہاتھ میں اس کے آگے صرف ایک گز کا رسہ رہ گیا تھا۔

اس پتھر کی اچھل کود جاری تھی۔ اس کا حجم کم ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے وہ بڑا پتھر تھا۔ پھر وہ چھوٹے سے چھوٹا ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ ہم نے اسے کنکر کی صورت میں دیکھا۔ اس کے بعد وہ نظر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے وہ ذرہ بن کر بھی اچھلتا رہا ہو اور آخر میں نابود ہو گیا ہو۔

وکٹر کولن سوچ کے ذریعے مادام کمپیوٹر کو اس پتھر کے متعلق بتاتا جا رہا تھا۔ میں نے اس چور دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر دائیں بائیں دیکھا۔ دائیں طرف اتنا راستہ تھا کہ اس دھوئیں کی سطح کے کنارے کنارے چلا جا سکتا تھا اور چلنے والا دھوئیں سے اور اس کی حرارت سے کسی قدر محفوظ رہ سکتا تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ راستے کی چوڑائی ڈیڑھ فٹ رہی ہوگی۔ سنبھل کر چلنے کی ضرورت تھی۔ میں نے وکٹر کی توجہ اُدھر دلائی۔ وہ دیکھتے ہوئے کہنے لگا "ہاں، یہ راستہ دور تک گیا ہے۔ آگے جا کر اس دھوئیں کی چوڑائی کم ہو گئی ہے۔ یعنی وہاں سے ہم ایک عارضی پل بنا کر دوسری طرف پہنچ سکتے ہیں۔"

دھیرو چمار نے یک بیک کالی ماتا کی جے جے کار کرتے ہوئے کہا "ہٹ جاؤ، سب ایک طرف ہٹ جاؤ۔ یہ جادوئی گورکھ دھندے ہیں۔ تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ میں ابھی جادو منتر سے راستہ بناتا ہوں۔ تم سب اس راستے سے ایسے گزر جاؤ گے جیسے مکھن سے بال گزر جاتا ہے۔ ہٹ جاؤ، ایک طرف ہٹ جاؤ۔"

میں نے ایک طرف ہٹنا چاہا تو باؤلی پیرن سے ٹکرا گیا۔ اس دوران میں نے محسوس کیا وہ بار بار مجھے دیکھتی جاتی تھی۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئی، پھر کہنے لگی "تُو نے اس بڈھے پروفیسر کے لیے جان جوکھم میں کیوں ڈالی؟"

میں نے اسے مسکرا کر دیکھا پھر کہا "جب کوئی البیلی نٹ کھٹ سی نار سامنے ہوتی ہے تو میں اسی طرح ہیرو بن جاتا ہوں۔ تیرے دل کا کیا حال ہے؟"

وہ دیدے نچا کر بولی "مجھے ایسی ویسی نہ سمجھنا۔ مگر ہاں میرا دل کہتا ہے۔ جیسا تو کہہ رہا ہے، ویسا نہیں ہے۔ بہت اچھا ہے۔ چل تو بھی کیا یاد کرے گا۔ اگر تجھ پر غصہ آیا تو میں ایک بار معاف کر دوں گی۔ تجھے نیلا پڑنے نہیں دوں گی۔"

میں نے ہنستے ہوئے اس جادوگر دھیرو چمار کی طرف دیکھا۔ اس نے منتر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا رُخ اسی سفید اور نیلے دھوئیں کی طرف تھا۔ وہ ہاتھ اٹھا کر زور زور سے منتر پڑھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اپنی جھولی سے کوئی سفوف نکال کر اس دھوئیں کی طرف پھینکتا بھی جاتا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر وکٹر کولن سے کہا "کالی ماتا بَلی چاہتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"کالی ماتا خون چاہتی ہے۔ کسی کی قربانی چاہتی ہے۔"

میں نے ناگواری سے پوچھا "یہاں سب انسان ہیں۔ تم کس کی قربانی دینا چاہتے ہو؟"

اس نے ہاتھ اٹھا کر گرجتے ہوئے کہا "کسی کی بھی قربانی ضروری ہے، ایک انسان کے جان دینے سے ہم سب پار لگ جائیں گے۔"

میں نے ایک قدم آگے بڑھا کر کہا "میرا خیال ہے۔ میں تمھیں اٹھا کر اس دھوئیں میں پھینک دوں۔ تمہاری قربانی زیادہ مناسب ہوگی۔ ہمارے لیے راستہ بن جائے گا۔"

اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ ڈپٹ کر کہا "خبردار! رک جا اپنی جگہ۔ اگر مجھے غصہ آیا تو بھسم کر دوں گا۔ تُو نے میرے جنتر منتر کے دوران میری بَلی دینے کو کہا ہے تو مجھے یہی کرنا ہوگا۔"

اس نے اپنے کٹ بیگ میں سے چاقو نکال لیا۔ اسے کھولتے ہوئے اس طرف گھوم گیا جدھر دھوئیں دار فرش تھا۔ اس فرش کی گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے خنجر والا ہاتھ اٹھایا پھر کہا "اے کالی ماتا! تیرا سیوک اپنا خون دے کر راستہ

بنانا چاہتا ہے۔ جے کالی ماتا، تو آکاش سے دھرتی تک اور دھرتی سے پاتال تک راستہ بنا لیتی ہے۔ لے میں اپنا خون دے رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے چاقو کی نوک اپنے دوسرے ہاتھ پہ ماری۔ ایک دم سے لہو نکلنا شروع ہوا۔ اس نے چاقو کو ایک طرف پھینک کر ایک ہتھیلی کا چلو بنایا۔ پھر دوسرے ہاتھ کے گرتے ہوئے لہو کو اس چلو میں لے کر دھوئیں کی طرف اچھال دیا اور کالی ماتا کی جے جے کار کرنے لگا۔

کالا جادو ایک حقیقت ہے۔ اس کے اثرات دیکھنے میں آتے ہیں لیکن یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کے اثرات عارضی ہوتے ہیں۔ ہم سب نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ وہ دھوئیں کا فرش درمیان سے پھٹتا جا رہا تھا۔ دائیں بائیں دو حصوں میں تقسیم ہو رہا تھا اور بیچ سے راستہ بنتا چلا جا رہا تھا۔

میں یقین نہیں کر سکتا تھا۔ میرا ایمان اتنا کمزور نہیں ہے۔ میں نے دل ہی دل میں۔ . . . . . . حضرت موسیٰ کے معجزے کے بارے میں سوچا۔

حضرت موسیٰ نے سمندر میں عصا مارا تھا اور سمندر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ درمیان میں ان کی اُمت کے گزرنے کے لیے راستہ بن گیا تھا جب وہ اپنی اُمت کے ساتھ اس راستے سے گزرتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے تو فرعون نے ان کا تعاقب کیا اور اسی راستے سے گزرنا چاہا لیکن وہ سب سمندر میں ڈوب گئے۔

اس معجزے کے پیچھے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ وہ یہ کہ جو نیک عمل کرتے ہیں، خدا پہ ایمان رکھتے ہیں، وہ ہر مشکل سے گزر جاتے ہیں اور جن راستوں سے وہ گزرتے ہیں ان راستوں سے کوئی بدکار نہیں گزر سکتا لیکن یہ سارا جادوئی اور سفلی کھیل تماشا تھا۔

ہم سب اس راستے کو دیکھ رہے تھے جو اس دھوئیں دار فرش پر بن گیا تھا۔ سب جانتے تھے کہ اس تہ میں اُبلتا ہوا پانی ہے۔ کوئی اس راستے پر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ جو کچھ بھی تھا ایک جادوئی تماشا تھا۔ دھیر وچار نے چوکھٹ سے گزرتے ہوئے اس راستے کے سرے پر پہنچ کر کہا: "پہلے میں جاتا ہوں۔ میرا چمتکار دیکھو۔"

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحانہ انداز میں جے جے کار کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس راستے پر اس نے پہلا قدم رکھا۔ ہم نے دیکھا۔ وہ راستہ مضبوط تھا۔ اس کے قدم نہیں ڈگمگائے تھے۔ وہ پھر دوسرا، تیسرا قدم رکھتا ہوا اس دھوئیں کے سمندر سے گزرنے لگا۔ میں نے کان لگا کر سنا۔ دھوئیں کی تہ سے جو پانی کے اُبلنے، بلبلے بننے اور ان کے پھوٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ آواز کچھ بڑھ گئی تھی اور بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ جیسے ہی دھیر وچار دھوئیں دار سمندر کے درمیان پہنچا ویسے ہی اس کے قدم ڈگمگائے۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔ وہ دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود حلق پھاڑ کر منتر پڑھنے لگا۔

لیکن راستہ سمٹتا جا رہا تھا۔ وہ دھوئیں کا سمندر جو دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا وہ اب ایک دوسرے سے ملنے لگا تھا۔ پھر اس کی چیخ سنائی دی۔ وہ غڑاپ سے اندر چلا گیا۔ یہ پلک جھپکتے میں ہوا۔ دوسری بار پلک جھپکتے ہی وہ ایک دم سے اوپر آیا۔ جس طرح وہ ابھر آیا تھا۔ ہم نے دیکھا اور ہم سے دیکھا نہ گیا۔

اُس کی کھال اتر رہی تھی۔ وہ پھر اندر چلا گیا۔

دوسری بار وہ پھر اچھل کر اوپر آیا تو کھال نہیں رہی تھی۔ لہو آلود گوشت نظر آ رہا تھا جو گلتا جا رہا تھا۔

ہماری ٹیم کے کتنے ہی افراد نے منہ پھیر لیا۔ ان سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ اندر جانے کے بعد پھر اُچھل کر اوپر آیا تھا۔ اس بار گوشت تقریباً گل چکا تھا۔ ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔

وہ پھر ڈوبا۔ پھر اُبھرا۔ اس بار ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔

میں دیکھ رہا تھا۔ مسلسل دیکھ رہا تھا۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بننے کے بعد بھی ڈوبتا جا رہا تھا۔ اُبھرتا جا رہا تھا۔ گھلتا جا رہا تھا۔ ہڈیاں مختصر ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر برائے نام رہ گئیں۔ جیسے ہڈیاں نہ ہوں مچھلی کا کانٹا ہوں۔ پھر وہ کانٹا بھی ذرّے میں تبدیل ہوتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ہم سب کو چپ لگ گئی تھی۔ کوئی اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ کوئی پتھروں پر بیٹھا ہوا تھا مگر سب کی نظریں اسی طرف تھیں۔ آنکھوں سے دیکھ کر بھی شاید یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ دھیر وچار جو سر سے پاؤں تک مجسم تھا وہ دیکھتے ہی دیکھتے ذرّہ بن کر ہمیشہ کے لیے گم ہو گیا تھا۔

بہت دیر بعد [illegible] ٹوٹا۔ وکٹر کولن نے کہا: "ہمیں دائیں طرف [illegible] سے لگ کر اسی ڈیڑھ فٹ چوڑے راستے پر سے گزرنا [illegible]۔ آگے جا کر پار ہونے کے لیے راستہ مل سکتا ہے۔"

مزدور اس کے حکم پر اپنا اپنا سامان اٹھانے لگے۔ ہم نے اپنے سینے پر سے لیدر کٹ کو ہٹا دیا کیونکہ ہمیں دیوار سے لگ کر جانا تھا۔ کٹ کو ہم نے شانے سے لٹکا لیا۔ اس راستے پر سب سے پہلے دو مزدوروں نے قدم رکھا۔ اس کے بعد پیٹر اور اس کے بعد وکٹر کولن اس راستے پر قدم رکھتے ہوئے بڑھتے جا رہے تھے۔ پروفیسر نائیڈو گھبرایا ہوا تھا۔ میں نے کہا: "آپ فکر نہ کریں۔ میرے آگے چلیں۔ میں آپ کو سنبھالوں گا۔"

میرے حوصلہ دلانے پر وہ وکٹر کے پیچھے جانے لگا۔ میں اس کے پیچھے ہو گیا۔ میرے بعد باؤلی پیرن آئی پھر اس کے بعد دوسرے مزدور آنے لگے۔

ہم سب دیوار سے لگے ہوئے تھے۔ قدموں تلے راستہ مضبوط تھا اور ہم سے پہلے جو مزدور جا رہا تھا۔ اس کے گزرنے سے ہمیں یقین ہوتا جا رہا تھا کہ آگے خطرہ نہیں ہے لیکن سب دہشت زدہ تھے۔ ان سب نے پہلے پتھر کا رقص دیکھا تھا پھر دھیر وچار کا انجام دیکھنے کے بعد

یہ بات دل میں بیٹھ گئی تھی کہ کہیں بھی کسی وقت بھی کسی کو بھی موت آ سکتی ہے۔

پروفیسر نائیڈو چلتے چلتے کانپنے لگتا تھا جیسے دیوار سے لگ کر نہیں چل سکے گا۔ فوراً ہی الگ ہو کر پیچھے دھوئیں کے سمندر میں گر پڑے گا۔ ایسے وقت میں اس کا ہاتھ تھام کر اسے سہارا دیتا تھا۔ حوصلہ دلاتا تھا اور وہ پھر آگے بڑھنے لگتا تھا۔

ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے جا رہے تھے دھوئیں کے سمندر کی چوڑائی کم ہوتی جا رہی تھی۔ میں کبھی پروفیسر نائیڈو کی طرف توجہ دیتا تھا اور کبھی باؤلی پیرن کو دیکھنے لگتا تھا۔ ہم جہاں سے گزر رہے تھے وہاں اس کی زہریلی صلاحیتیں کام نہیں آ سکتی تھیں۔ وہ بڑی جی دار عورت تھی مگر عورت تھی۔ کہیں بھی اس کے قدم ڈگمگا سکتے تھے، کہیں بھی اس سے غلطی ہو سکتی تھی۔

وہ دیوار سے لگ کر آگے بڑھتے ہوئے بولی: "بڈھے کو دیکھ، مجھے تیرے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے کہا: "میں یہ سوچ کر دیکھ رہا ہوں کہ میرے قدم لڑکھڑا جائیں، کہیں میں گرنے لگوں تو مجھے کون سہارا دے گا۔"

یکبارگی اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرف ایسے آیا جیسے وہ مجھے تھامنا چاہتی ہو۔ میں مسکرانے لگا۔ وہ گھورتے ہوئے بولی۔ "اچھی باتیں منہ سے نکالا کر۔ جانے کیوں میرا دل کہتا ہے ہم تیرے ساتھ چلتے رہیں گے تو پار لگ جائیں گے۔"

ہم چور دروازے کے دائیں طرف سے چلنے لگے تھے اور چلتے چلتے دوسری طرف گھوم گئے تھے کیونکہ وہ دیوار گھوم گئی تھی۔ پھر وہ دیوار کسی اور طرف گھوم گئی، ہم اس کے ساتھ چلتے رہے۔ آخر ایک جگہ رک کر حیرانی سے دیکھنے لگے۔ وہ دھوئیں کا سمندر ایک جگہ ختم ہو گیا تھا۔ گویا وہ تالاب کی صورت میں تھا۔ اس کی ایک حد بندی تھی اور ہم اس حد بندی سے آگے آ گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر وکٹر کولن نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "دھیر وچار نے بڑی جلدی کی۔ کاش وہ جادو کو اپنی جھولی میں رکھتا اور ہماری عقل سے کام لیتا۔"

ہم وہاں سے چلتے ہوئے ٹھیک اس چور دروازے کے سامنے دس گز کے فاصلے پر آ گئے۔ یعنی ہمارے درمیان وہی دھوئیں کا سمندر تھا۔ ہم نے اس سمندر کو پار نہیں کیا تھا اور اسے عبور کیے بغیر دوسری طرف پہنچ گئے تھے۔

وکٹر کولن نے خوش ہو کر کہا: "ہم تہ خانے کے دو خانوں سے گزر چکے ہیں۔ اس خوشی میں تھوڑا سا سرور، ذرا سی مستی ضروری ہے۔"

اس نے شراب کی بوتل نکال لی۔ سب اپنا اپنا سامان رکھ کر اس پر بیٹھ گئے۔ وکٹر اور پیٹر پال ایک ہی بوتل کو منہ لگا کر باری باری پی رہے تھے۔ دوسرے مزدوروں نے بھی تھوڑی سی پینا شروع کر دی۔ باؤلی پیرن نے پہلے پروفیسر نائیڈو کو دیکھا۔ پھر مجھے دیکھ کر بولی: "یہ تو بڈھا ہے، تو جوان ہے، تو کیوں نہیں پیتا؟"

میں نے کہا: "شراب وہ پیتے ہیں۔ جو زندگی کا زہر نہیں پی سکتے۔"

"میرا دل کہتا ہے۔ تو بھی میری طرح زہریلا ہے۔ میں جس سے آنکھ ملاتی ہوں، وہ سہم جاتا ہے، نظریں جھکا لیتا ہے۔ تو نہیں جھکاتا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ قریب آ گئی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھانکنے لگی۔ میں نے کہا: "خبردار! میری گھر والی موجود ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر غصے سے بولی۔ "مجھے الّو بناتا ہے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ میرے دماغ میں بول رہی ہے۔ تو بھی شراب کی بوتل سے کم نہیں ہے۔ لہٰذا مجھے دور رہنا چاہیے۔"

"اچھا! سمجھ گئی۔ وہ جو میرے دماغ میں بھی بولتی ہے۔ وہ مجھے اور تجھے یہاں تک لائی ہے۔"

"تیرے دماغ میں مادام کمپیوٹر بولتی ہے۔ میرے دماغ میں میری بیوی۔"

"ارے جا! مجھے بناتا ہے۔ وہ بے چاری جانے کہاں چار دیواری میں بیٹھی ہو گی۔"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا: "بیوی چاہے ہزاروں میل دور بیٹھی ہو۔ وہ شوہر کے دماغ میں مسلسل بولتی رہتی ہے۔"

رسونتی نے مسکرا کر کہا: "کیوں مجھے بدنام کر رہے ہو۔"

وکٹر کولن اور پیٹر پال ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ گئے۔ میں نے وکٹر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ مادام کمپیوٹر انھیں ڈانٹ رہی تھی۔ زیادہ پینے سے منع کر رہی تھی۔ وہ فوراً مستعد ہو گئے۔ اپنا اپنا سامان اٹھانے لگے۔ ذرا سی دیر میں ہمارا قافلہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

ہم نے مکتی محل سے بجلی کا جو کنکشن حاصل کیا تھا۔ اس کی روشنی چور دروازے تک آئی تھی۔ اس سے آگے ہم بجلی کے تاروں کو لے جا نہیں سکتے تھے۔ ہم ڈیڑھ فٹ چوڑے راستے سے دیوار کے ساتھ لگ کر آئے تھے۔ بجلی کے تار دھوئیں کے سمندر میں جاتے تو وہ بھی گل جاتے۔ ان تمام روشن بلبوں کو وہیں چور دروازے کے پاس چھوڑ دیا گیا تھا۔

جب ہمارا قافلہ آگے بڑھا تو روشنی نہیں تھی۔ ہم نے اپنی اپنی فولادی ٹوپی کی لائٹ کو آن کر لیا تھا۔ اس کی روشنی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ وکٹر کولن ایک مزدور کے ساتھ سب سے آگے تھا اور ٹارچ کی روشنی میں کبھی نقشے کو دیکھتا تھا اور کبھی آگے راستہ دیکھتے ہوئے بڑھنے لگتا تھا۔

میرا خیال تھا۔ عام کھنڈرات کی طرح وہاں چمگادڑیں ہوں گی، مکڑی کے جالے تنے ہوں گے لیکن وہ صاف ستھری جگہ تھی شاید اس تہ خانے میں ایسا کوئی راستہ نہیں تھا جہاں سے چمگادڑیں گزر کر

آتیں مگر راستے پیچیدہ تھے۔ ایک راہداری کئی راہداریوں میں تقسیم ہو کر مختلف سمتوں میں جاتی تھی۔ اگر نقشہ نہ ہوتا تو ہم بھٹکتے رہ جاتے۔

یوں بھی ہم بھٹک رہے تھے۔ بڑی دیر تک چلتے رہے تھے۔ آخر ایک ایسی جگہ رک گئے جہاں ایک بہت بڑا پتھر تھا لیکن چٹان کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ وکٹر کولن نے کہا "اس کے پیچھے راستہ ہے۔ اسے ہٹانا ہوگا"

ہم نے اس پتھر کو ادھر سے اُدھر تک جاکر دیکھا۔ پھر اسے چھو کر بھی دیکھا۔ اس کے بعد اسے ہلایا مگر وہ تو نہ ہلا، ہم سب ہل کر رہ گئے۔

پیٹر پال ایک طرف جاکر پنجوں کے بل اُچھل رہا تھا۔ ہلکی پھلکی ورزش کر رہا تھا۔ اپنے جسم میں حرارت پیدا کر رہا تھا۔ پھر وہ پتھر کے ایک طرف آیا۔ اگر وہاں سے پتھر کو ذرا سا ہٹا لیا جاتا تو ہم یکے بعد دیگرے اس حصے سے گزر کر دوسری طرف جاسکتے تھے۔ اس نے زور لگانا شروع کیا۔ ہم دیکھ رہے تھے۔ وکٹر کولن کے بیان کے مطابق وہ پختہ دیواروں کو ٹکریں مار مار کر توڑ دیتا ہوگا لیکن وہ پتھر دیواروں سے کئی گنا مضبوط اور اٹل تھا۔ اپنی جگہ سے ٹلنے والا نہیں تھا۔

ذرا سی دیر میں ہم نے دیکھا وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ تو نہ سکا تھا لیکن ذرا ہلنے لگا تھا۔ یہ بھی پیٹر پال کی شہ زوری کا کمال تھا۔ ہم سب نے بھی مل کر اس کا ساتھ دینا شروع کیا۔ جب وہ اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا، تو ہٹ بھی سکتا تھا۔

وکٹر نے کہا: "اس پتھر کے اطراف رسّی باندھو اور سب مل کر کھینچو۔ پیٹر پال جہاں کھڑا ہوا ہے وہیں سے زور لگائے گا تو یہ ایک طرف ہٹ جائے گا۔"

اس کی ہدایت پر عمل کیا گیا۔ پتھر کی بلندی پر ذرا سا خلا تھا۔ وہاں سے رسّی گزار کر اسے باندھا گیا۔ پھر سب نے اسے دور جاکر تھام لیا اور زور لگانا شروع کیا۔ دوسری طرف سے پیٹر پال زور لگا رہا تھا۔

آخر وہ پتھر تھا۔ انسانوں کے عزم و ہمت کے آگے بلند و بالا پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی کیا اہمیت تھی۔ ایک بار یوں لگا جیسے وہ ذرا سا ہٹ گیا ہے کیونکہ دوسری طرف سے روشنی نظر آئی تھی۔ ہم نے زور لگانے کے سلسلے میں ذرا ڈھیل دی تو وہ پھر دوبارہ اپنی جگہ پہنچ گیا۔ راستہ پھر بند ہو گیا۔ وہ کوئی خود کار دروازہ نہیں تھا یا اس پتھر کے ایک طرف کہیں اسپرنگ نہیں لگی ہوئی تھی کہ خود بخود بند ہو جاتا۔ دراصل وہ بڑا سا پتھر جہاں رکھا ہوا تھا وہ جگہ ہموار نہیں تھی۔ ڈھلان میں تھی۔ وہ اُدھر سے سرکتا ہوا پتھریلی دیواروں سے جاکر مل جاتا تھا۔

ہم سب نے مل دوبارہ زور لگانا شروع کیا۔ پیٹر پال اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی جگہ سے سرکنے لگا۔ آہستہ آہستہ راستہ کھلنے لگا۔ دوسری طرف سے روشنی نظر آرہی تھی۔ پال نے پتھر سے اپنی پشت لگا رکھی تھی اور اسے دوسری طرف دھکیل رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دونوں پاؤں پتھریلی دیوار سے لگا دیے، گویا دروازہ نما پتھر اور دیوار کے درمیان ایک رکاوٹ بن گیا۔ پھر اس نے اشارہ کیا۔ وکٹر کولن نے کہا: "رسّہ چھوڑ دو۔ فوراً اپنا اپنا سامان اٹھا کر اندر چلو۔"

سب نے سامان اٹھایا تیزی سے دوڑتے ہوئے اس خلا کی طرف آئے۔ اس کے اوپر پیٹر پال رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ ہم پال کے نیچے سے جھک کر گزرتے ہوئے اندر جانے لگے۔ وکٹر چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: "جلدی کرو۔ سامان لے چلو۔ پال زیادہ دیر اس دروازے کو روک نہیں سکے گا۔"

ہم سب اندر آگئے تھے۔ اب پیٹر پال کی باری تھی۔ ہم یہ دیکھنا بھول گئے تھے کہ دوسری طرف کہاں چلے آئے ہیں۔ ابھی تو پال کی فکر تھی۔ وہ دروازے نما پتھر اور دیوار کے درمیان پھنسا ہوا تھا۔ اپنے زور پر وہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ یکبارگی چھلانگ لگا کر ہماری طرف نہیں آسکتا تھا کیونکہ پتھر کا دباؤ بڑا جان لیوا تھا۔ اسے نکلنے نہیں دے رہا تھا۔ اگر وہ آہستگی سے نکلنا چاہتا تو پتھر ایک جھٹکے سے بند ہو کر اسے اپنے اور دیوار کے درمیان پیس دیتا۔

میرے ہاتھ میں ایک موٹی آہنی سلاخ تھی۔ جس کے سرے پر بھالے نما نوک بنی ہوئی تھی۔ میں نے اسے دروازے نما پتھر اور دیوار کے درمیان پھنسا دیا۔ پھر کہا: "پیٹر! فوراً نکلو۔ پروا نہ کرو۔ جتنی دیر تک یہ سلاخ پتھر کو روکے رہے گی۔ تم نکل آؤ گے۔"

اس نے ذرا نظریں نیچی کر کے سلاخ کی طرف دیکھا۔ کچھ مطمئن ہوا۔ پھر یکبارگی وہاں سے تڑپ کر نکلتا ہوا ہماری طرف زمین پر آگرا۔ پتھر رکا ہوا تھا۔ سلاخ اسے روک رہی تھی مگر وہ آہنی سلاخ آہستہ آہستہ مڑتی جارہی تھی۔ پتھر اسے دباتا جارہا تھا۔ پھر ہم نے دیکھا۔ وہ ایسے مڑ کر دُہری ہو گئی تھی۔ جیسے سلاخ نہ ہو کوئی تار ہو۔ وہ پتھر دیوار سے آکر اپنی جگہ لگ گیا تھا۔ ہم وہاں بند ہو گئے تھے۔

تب ہم نے تہ خانے کے اس حصے کو دیکھا۔ وہ روشن تھا۔ زمین کی تہ میں روشنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے ہم تاریک حصوں سے گزرتے آئے تھے۔ پھر وہ کیسے روشن تھا؟

ہم چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھنے لگے۔ وہاں اوپر سے نیچے تک ابرق کی دیواریں تھیں۔ ان پر ہلکی سی روشنی بھی پڑے تو وہ دیواریں جگمگانے لگتی تھیں۔ چاروں طرف سے روشنی منعکس ہونے لگتی تھی۔ جب ہم باہر تھے اور پتھر سے گزر کر آنا چاہتے تھے تو ہم میں سے کسی کی ہیڈ لائٹ وہاں پہنچی تھی جس کے باعث ہمیں اندر سے روشنی آتی ہوئی دکھائی دی تھی۔ اب ہم نے ہیڈ لائٹس بجھا دی

تھیں۔ صرف ایک روشن تھی اور ایک ہی لائٹ کی بدولت تہ خانے کا وہ پورا حصہ روشن ہو گیا تھا۔

وکٹر کولن نے اپنا چاقو نکال کر کھولا۔ پھر ایک دیوار کے پاس جاکر ابرق کی اوپری پرت کھولنے لگا۔ جنھوں نے کبھی ابرق نہیں دیکھا یا اس کے متعلق نہیں سنا، ان کے لیے یہ ایک عجیب اور نئی چیز ہوگی۔ پیاز کا چھلکا اتارو تو اس کے نیچے دوسرا چھلکا ہوتا ہے۔ دوسرے کو اتارو تو تیسرا چھلکا ہوتا ہے۔ اسی طرح ابرق بھی ایک پرت کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری پرت کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ بالکل آئینے کی مانند ہوتا ہے۔ اس میں کئی طرح کے ہلکے رنگ جھلکتے ہیں۔ یہ آگ سے نہیں جلتا البتہ برقی آگ سے جل جاتا ہے۔

ابرق یوں تو سجاوٹ کے کام بھی آتا ہے۔ اس کے کنول اور درخت وغیرہ بنائے جاتے ہیں لیکن یہ طبی معاملات میں مفید ہے۔ جذام، ہجریان، سرسام، کھانسی اور دمہ کے لیے جو دوائیں بنائی جاتی ہیں، ان میں ابرق کی آمیزش ہوتی ہے۔ وکٹر کولن نے چاقو کے پھل سے ابرق کی ایک پرت کو کاٹ کر نکالا۔ پھر دوسری پرت کو کاٹنے لگا۔ اس کے بعد اسے کاٹتا چلا گیا۔ ایک کے بعد ایک پرت نکلتی چلی گئی۔ آخری پرت کے پیچھے سے پتھریلی دیوار جھلک رہی تھی۔ جب اسے ہٹایا گیا تو یک بیک دیوار کے خلا سے سونے کی ٹکیاں گرنے لگیں۔

سب حیرانی سے اُدھر دیکھنے لگے۔ وہ ٹکیاں چوکور تھیں اور اس خلا سے مسلسل گرتی چلی جارہی تھیں۔ وکٹر ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ زمین پر اس کے قدموں کے پاس سونے کا ڈھیر لگتا جارہا تھا۔ وہ ٹکیاں تھوڑی دیر تک گرتی رہیں پھر آہستہ آہستہ ان کی رفتار کم ہو گئی۔ پھر ایک ایک دو دو کر کے گرنے لگیں۔ یعنی پتھریلی دیوار کے اس خلا میں جتنا سونا ذخیرہ کیا گیا تھا وہ سب باہر آگیا تھا۔

ہمارے ساتھ تہ خانے میں چھ مزدور آئے تھے۔ وہ سب وکٹر کولن کے آس پاس کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے چاقو نکال لیے۔ پھر دیواروں کے مختلف حصوں کو اسی طرح چاقو کے ذریعے اُدھیڑنے لگے۔ ابرق کی ایک پرت کے بعد دوسری پرت نکالنے لگے۔ ان میں سے دو مزدوروں کو ناکامی ہوئی۔ اس ابرق کے پیچھے پتھر کی ٹھوس دیوار تھی۔ باقی چار مزدوروں نے جب اپنی اپنی جگہ سے ابرق کھرچ کر نکال دیا تو ان کے پیچھے سے بھی سونے کی ٹکیاں گرنے لگیں۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ دیواروں پر جہاں تک ابرق نظر آرہا ہے۔ اس کے پیچھے ٹھوس دیواروں میں بے شمار خانے بنائے گئے ہیں اور ان خانوں میں اسی طرح سونے کی ٹکیاں ذخیرہ کی گئی ہیں۔

مادام کمپیوٹر نے یہی تاریخی خزانہ حاصل کرنے کے لیے اتنا لمبا چکر چلایا تھا۔ ابرق کے ذریعے چھپائی ہوئی دیواریں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے چور خانوں سے کتنے من یا ٹن سونا برآمد ہوگا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وکٹر کولن نے کہا: "بس کرو۔ اب کوئی ان دیواروں کو نہ چھیڑے۔ جب یہاں سے سونا لے جانا ہوگا تب دیکھا جائے گا۔ فی الحال ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔"

ہم آگے بڑھ گئے۔ جتنا سونا چور خانوں سے نکل کر زمین پر آگرا تھا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ بھلا وہاں کون آسکتا تھا کہ چوری کا اندیشہ ہوتا۔

ہمارا قافلہ پھر چلنے لگا۔ بہت لمبا سفر تھا۔ شاید پیچ در پیچ راستے تھے۔ اس لیے سفر لمبا لگ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم شاہی محل کے احاطے کے اندر ہی زمین کی تہ میں اِدھر سے اُدھر بھٹکتے ہوئے اپنی آخری منزل کی طرف جارہے ہیں۔ وہ آخری منزل جہاں گوری سجاتہ سے ملاقات ہونے والی تھی۔

ہم تہ خانے کے اس حصے سے نکل آئے تھے لیکن جس راہداری سے بھی گزر رہے تھے وہاں کی دیواریں بھی ابرق سے چھپی ہوئی تھیں۔ وکٹر کولن پھر چاقو نکال کر ایک جگہ دیوار سے ابرق کی پرتیں اُتارنے لگا۔ وہاں ٹھوس دیوار تھی۔ اس نے ذرا ہٹ کر پھر ابرق کی پرتیں اتاریں۔ آخری پرت اتارتے ہی سونے کی ٹکیاں گرنے لگیں۔ مادام کمپیوٹر اس کے دماغ میں جو کچھ کہہ رہی تھی، میں اس کا ترجمہ سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ ابرق کی پرتیں جہاں تک دکھائی دے رہی ہیں وہاں تک چور خانے ہیں اور ان میں بے حساب سونا ذخیرہ کیا گیا ہے۔ یہ تمام دولت بعد میں لے جائی جائے گی۔

میرے پاس جو کمپیوٹر کم ٹرانسیٹر تھا۔ اس میں اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے اسے نکال کر آپریٹ کیا۔ وہ کہنے لگی "میں جانتی ہوں تم میرے آدمیوں کے دماغ میں پہنچ کر ان کے ذریعے میری باتوں کا مفہوم سمجھ لیتے ہو۔ اسی لیے میں تم سے رابطہ قائم نہیں کر رہی ہوں۔"

میں نے پوچھا: "اب کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"ابھی ایک گھنٹا پہلے جزیرہ کاوی کی فضا میں کتنے ہی ہیلی کاپٹر اور طیارے پرواز کرتے رہے تھے۔ شاید وہ ہیلی کاپٹر کہیں اترے ہوں۔ مجھے کچھ پتا نہیں چل رہا ہے۔ جہاں میرے خاص اڈے ہیں، خاص لوگ ہیں وہاں انھوں نے کسی ہیلی کاپٹر طیارے کو اترتے نہیں دیکھا ہے۔"

میں نے کہا: "فلپائن کے فوجی ہیلی کاپٹر اور طیارے ہو سکتے ہیں۔"

"وہ فلپائن سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ میں نے تمام دہشت گرد تنظیموں کے سربراہوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ وہ بھی انکار کر رہے ہیں۔ ابھی تک ان کا کوئی طیارہ یا ہیلی کاپٹر جزیرہ کاوی تک

نہیں گیا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہ تم لوگوں کی شرارت ہے۔ سونیا پہلے روپوش ہوگئی پھر کسی ہیلی کاپٹر کے ذریعے جزیرے سے نکل گئی ہے۔ اب میرے ہاتھ میں کوئی بہت بڑا مہرہ نہیں ہے۔"

"میں جو موجود ہوں۔"

"مجھے اچھی طرح یقین ہوگیا ہے، تم سجاد ہو۔"

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ میں تمہارے آدمیوں کے دماغ پڑھ لیتا ہوں اور اگر تہ خانے میں اترنے سے پہلے ہی تمہیں یقین ہوگیا تھا تو پھر مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تمہارے ذریعے شیخ الفارس کی صلاحیتوں سے کام لینا مقصود تھا۔ اس لیے تم یہاں نظر آرہے ہو۔"

"ورنہ تم پہلی فرصت میں کسی کے ذریعے گولی لگوا دیتیں۔"

"تم میرے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتے۔"

"تم میں اور فرہاد بھائی کی ٹیم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ان کی نظروں میں میری اتنی وقعت ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ وہ اپنے ایک معمولی ساتھی کو کبھی گرداب میں چھوڑ کر نہیں جاتے۔ تمہارا خیال غلط ہے۔ سونیا مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ ذرا صبر کرو۔ اس سے جب ملاقات ہوگی تو تمہارے ہوش اڑ جائیں گے۔"

"فرہاد اور سونیا سے اتنا کہہ دو، اس نے میری مرضی کے خلاف حرکت کی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

میں نے کہا۔ "میں سجاد کے دماغ سے فرہاد بول رہا ہوں۔ ایسا دعویٰ تم سے پہلے بے شمار خطرناک دشمنوں نے کیا لیکن وہ زندہ ہے کیونکہ وہ اللہ رکھی ہے۔ ڈیلیس آل۔ سجاد کمپیوٹر کو آف کردو۔"

میں نے خود ہی فرہاد بن کر اپنے آپ کو سجاد کہا۔ اس کے بعد کمپیوٹر کو آف کردیا۔ اس دوران ہمارا قافلہ رواں دواں تھا۔ سب سے آگے وکٹر کوبن چل رہا تھا۔ وہ ایک ابرقی دیوار کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اس نے ہم سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "دیوار کے اس حصے کو دیکھو۔ یہاں ابرق کو اس طرح لگایا گیا ہے کہ دروازے کی شکل بن گئی ہے۔ نقشے کے مطابق ہمیں ابرق کی ان تہوں کو یہاں سے ہٹانا ہوگا جو دروازے کی شکل میں ہیں۔"

یہ سنتے ہی سب نے اپنے اپنے چاقو نکال لیے۔ میں ایک طرف کھڑا رہا۔ میرے ساتھ باؤلی پیرن اور پروفیسر نائیڈو بھی تھے۔ باقی مزدور اپنے اپنے چاقو لے کر ابرق کی تہوں کو اتارتے جارہے تھے۔

میں نے باؤلی پیرن کے قریب جھک کر سرگوشی میں پوچھا۔ "اگر اس ابرقی دروازے کے پیچھے سانپوں کا مسکن ہو تو کیا کرو گی؟"

اس کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ آنکھیں چمکنے لگیں۔ جیسے محبوب ترین مشغلہ ہاتھ آنے والا ہو۔ پھر اس نے کہا۔ "ارے بابو! ذرا دیکھتے جانا۔ سانپوں کا مسکن ہوا تو میں کس طرح کھیلوں گی۔"

"اگر کسی نے تجھے ڈس لیا تو؟"

"سانپ کبھی سانپ کو نہیں ڈستا۔"

"دیکھ باؤلی! کالے جادو کا عمل جب بھی ایمان کے برابر ہونا چاہتا ہے۔ وہاں جادو کرنے والا خود تباہ ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ تونے دھیر وچار کا انجام دیکھا ہے۔"

"میں دھرم والی ہوں۔ ایمان دھرم کے برابر کام کرنے کا دعویٰ نہیں کررہی ہوں۔"

"تو زہر کی مقدار کو ایک حد تک برداشت کرسکتی ہے۔ یکے بعد دیگرے سانپوں نے ڈسنا شروع کیا تو تجھے موت نہیں آئے گی مگر تو نشے میں گم ہوجائے گی، تجھے اپنا ہوش نہیں رہے گا۔ یہاں کوئی ایسا نہیں ہے۔ جو کسی مدہوش کو کاندھے پر اٹھا کر لے جائے۔ سب کے لیے اپنا بوجھ بھاری ہے۔"

میں یہ باتیں اپنے تجربے کی بنیاد پر سمجھا رہا تھا۔ میں نے منجالی کو دیکھا تھا۔ جب زہر اس کی حد سے باہر ہوتا تھا تو وہ نشے میں اپنے آپ کو بھول جاتی تھی۔ اتنی دیر تک مدہوش رہتی تھی کہ اس کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی تھی۔

وہ ابرق کا دروازہ پرت در پرت کٹتا ہوا الگ ہوگیا۔ ہمارے گزرنے کے لیے دروازہ بن گیا لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ دروازے کے اس پار جاسکتا۔ تہ خانے کا وہ حصہ سانپوں کا مسکن تھا۔ وہاں دروازہ بنتے ہی کچھ سانپ باہر ہماری طرف آنے لگے تھے۔ تمام لوگ پیچھے ہٹ گئے تھے اور اپنی اپنی مشعلیں جلا رہے تھے۔ باؤلی زیرِ لب سانپوں کا منتر پڑھتے ہوئے ایک ایک سانپ کو پکڑ رہی تھی اور اسی مسکن میں پھینکتی جارہی تھی۔ اس کے بعد سانپ دروازے سے باہر نہیں آئے کیونکہ مشعلیں روشن ہوچکی تھیں۔

ایک مزدور نے دو مشعلیں روشن کی تھیں۔ دوسری باؤلی کے لیے تھی لیکن اس نے لینے سے انکار کردیا۔ میں نے مزدور سے مشعل لے کر کہا۔ "اگر تم اسے اپنے ساتھ نہیں رکھو گی، صرف منتر جنتر پر بھروسا کرو گی تو جانتی ہو، میں کیا کروں گا؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے گھور کر مجھے دیکھا۔ "میں بھی اپنی مشعل پھینک دوں گا اور تمہارے ساتھ جان دینے کے لیے مسکن میں چلا جاؤں گا۔"

اچانک اس کی گھورتی ہوئی آنکھیں نرم پڑ گئیں۔ پہلے تو وہ حیرت زدہ ہوئی۔ پھر اس کی آنکھیں محبت سے لبریز ہوگئیں۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "تو میرے لیے جان پر کھیل جائے گا؟"

پھر اس نے یقین کے ساتھ میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر قریب تر ہوتے ہوئے کہا۔ "ہاں تو ایک بوڑھے کے لیے ایسا کرسکتا ہے تو میرے لیے بھی کرسکتا ہے، سب کے لیے کر

سکتا ہے۔ تو ماما کا اوتار ہے۔ آدمی کے بھیس میں دیوتا ہے۔ جس محبت سے تو نے میرے لیے جان کی بازی لگانے کو کہا تھا، میں اسی محبت کی قسم کھا کر کہتی ہوں، اپنی من مانی نہیں کروں گی۔ جو کہے گا وہی کروں گی۔"

اس نے میرے ہاتھ سے ایک مشعل لے لی — دوسرے ہاتھ سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ہم اس دروازے پر پہنچے۔ باقی لوگ ہمارے پیچھے تھے۔ ہم نے مشعل کو نیچے کیا۔ سانپ دور ہونے لگے۔ ہم دونوں دروازے سے گزر کر اندر آگئے۔ دوسرے لوگ دروازے پر پہنچ کر دیکھنے لگے۔ سانپ صرف زمین پر نہیں رینگ رہے تھے۔ آڑے ترچھے نوکیلے پتھروں پر بھی تھے۔ چھت سے بھی لٹک رہے تھے۔ وہاں سے گزرنا جان بوجھ کر موت کو دعوت دینا تھا۔

موت کس کو نہیں آتی۔ شاید اسی لیے انسان نہیں ڈرتا کہ ایک دن تو مرنا ہی ہے اور جب موت کے ساتھ کوئی کشش ہو تو سب ادھر کھنچے جاتے ہیں۔ اس مسکن میں سب سے زیادہ جو چیز کشش کا باعث تھی وہ جگمگاتے ہوئے لعل تھے۔ سانپوں کے متعلق مشہور ہے کہ جو عمر رسیدہ سانپ ہوتے ہیں وہ اکثر اپنے منہ سے لعل اگلتے ہیں۔ میں نے کسی سانپ کو لعل اگلتے نہیں دیکھا لیکن وہاں سبز، زرد، بنفشی، سرخ اور پیازی رنگ کے لعل کئی جگہ چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مرغی کے انڈے کے برابر تھے اور اس قدر روشن تھے کہ ان کے آس پاس کا حصہ دور تک روشن ہوگیا تھا۔ ایک تو ان کی قیمت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا، دوسرے اہم بات یہ تھی کہ یہ نایاب تھے۔

ہم سب جہاں کھڑے ہوئے تھے، اس سے تقریباً پچیس گز کے فاصلے پر سامنے ہی ایک دروازہ نظر آرہا تھا۔ وہ بھی پتھر سے بند کیا گیا تھا۔ یعنی ہمیں سیدھا ادھر جانا چاہیے تھا تاکہ ہم زہریلے سانپوں کے مسکن سے نکل جاتے اور یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ جب تک مشعلیں روشن تھیں۔ سانپ ہمارے قریب نہیں آسکتے تھے لیکن لالچ بری بلا ہے۔ وہ جگمگاتے ہوئے لعل مسکن کے مختلف حصوں میں پڑے ہوئے تھے۔ مادام کمپیوٹر نے وکٹر کو حکم دیا تھا کہ کسی طرح وہ تمام لعل وہاں سے سمیٹ کر لے چلو۔

مادام کمپیوٹر نے سونا وہیں چھوڑ دینے کو کہا تھا۔ اس ذخیرے کو کسی وقت بھی وہاں سے اٹھایا جاسکتا تھا لیکن لعل نایاب تھے۔ مادام کمپیوٹر کسی طرح بھی انھیں وہاں چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے باؤلی سے کہا۔ "تم وعدہ کرچکی ہو، میری بات مانو گی لہٰذا میرے ساتھ یہاں سے سیدھی اس سامنے والے دروازے کی طرف چلو۔"

وکٹر نے پیچھے سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ویٹ اے منٹ، ہم باؤلی پیرن کو اس کے حسن وشباب کی نمائش کے لیے نہیں لائے ہیں۔ یہاں اس کا کام ہے۔ یہ ہمارے ساتھ رہے گی اور جہاں جہاں یہ لعل پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں سے یہ اٹھا کر لائے گی۔"

میں نے کہا۔ "وکٹر! میں مانتا ہوں، یہ پیرن ہے۔ اس پر زہر کا بہت کم اثر ہوتا ہے۔ یہ سانپوں سے کھیلتی ہے لیکن یہاں دو چار سانپ نہیں ہیں، بے شمار ہیں۔ یہ ان کے درمیان جائے گی تو کب تک ان کے ڈسنے کو برداشت کرتی رہے گی۔ کب تک منتر پڑھتی رہے گی۔ کب تک زہر کا توڑ کرتی رہے گی۔ ایک انسان کی زندگی کی اہمیت سمجھو۔ ان نایاب اور قیمتی لعلوں کو حاصل کرنے کے لیے اس عورت کی جان کو خطرے میں نہ ڈالو۔"

"ہم مادام کے حکم کے سامنے بحث نہیں کرسکتے۔ اس لیے تم ہمارے درمیان نہ بولو۔"

وکٹر نے پیٹریال کو فلپائنو زبان میں کہا۔ "پیرن کو اپنے قابو میں رکھو۔"

اس کا حکم سن کر میں نے سمجھا کہ وہ پیرن کی طرف بڑھے گا لیکن اس بدبخت نے اچانک مجھ پر حملہ کیا۔ ایک زور کی لات ماری۔ میں لڑکھڑایا اور جھکتا ہوا ایک دم سانپوں کے درمیان جانے لگا۔ خیریت یہ ہوئی کہ میرے جھکنے سے مشعل بھی جھکتی ہوئی میرے آگے گئی اور سانپ ہٹتے چلے گئے۔

ادھر باؤلی اس کے ہاتھ نہ آسکی۔ اس نے اپنے ہاتھ کی مشعل اس طرح گھمائی کہ پیٹریال ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ اتنا ہی کافی تھا۔ وہ میری طرف دوڑتے ہوئے آگئی۔ سانپ میرے قدموں سے ذرا دور ہی چلے گئے تھے۔ میں نے پھر مشعل کو زمین کی طرف رکھتے ہوئے ایک دائرے میں گھوم کر انھیں اور دور جانے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد سیدھی طرح کھڑے ہو کر للکارتے ہوئے کہا۔ "ہاں، تم نے دھوکے سے لات ماری ہے اس کے جواب میں کتنی لاتیں کھاؤ گے۔ اس کی گنتی کوئی ریاضی داں نہیں کرسکے گا۔ آؤ، اگر تم میں زور ہو تو باؤلی سے کام لے کر دکھاؤ۔"

وہ اپنے ہاتھ کی مشعل کو زمین پر رکھتا ہوا، سانپوں کو دور بھگاتا ہوا میری طرف آنے لگا۔ میں باؤلی کو لے کر دوسرے دروازے کی طرف جانے لگا۔ پھر اس مسکن کے عین وسط میں پہنچ کر کہا۔ "یہ نہ سمجھنا، میں بھاگ رہا ہوں۔ ہمارا مقابلہ سانپوں کے سمندر میں ہوگا۔"

ابھی وہ مجھ سے دور تھا۔ جھکتا ہوا، مشعل کے ذریعے سانپوں کو ہٹاتا ہوا چلا آرہا تھا۔ اگر وہ قریب آجاتا تو ہمارے درمیان دو مشعلیں ٹکراتیں یا ہم براہِ راست ٹکراتے۔ میں نے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ جب وہ مجھ سے اتنی دور رہ گیا کہ میں چھلانگ مار سکوں تو میں نے اسی وقت اپنی جگہ سے ایک جست لگائی۔ وہاں پہنچتے پہنچتے اس کے منہ پر ایک فلائنگ کک ماری۔ وہ ایک دم سے چوٹ کھا کر سیدھا کھڑا ہوا۔ میں نے واپس زمین پر آکر قدم جماتے ہی اپنی مشعل سے اس کی مشعل پر زوردار ضرب لگائی،

وہ ابھی منہ پر لات کھا کر سنبھلا ہی تھا کہ مشعل چھوٹ گئی۔ اس نے بوکھلا کر دور جا کر گرنے والی مشعل کو دیکھا جہاں سانپ دور ہٹ گئے تھے اور اسکی طرف چلے آرہے تھے۔

لڑنے کا یہ پہلا اصول ہے کہ دشمن کو غصہ دلاؤ۔ دوسرا اصول ہے کہ اسے بدحواسی میں مبتلا کردو۔ اُدھر مشعل جا کر گری۔ اِدھر سانپ آنے لگے۔ اس نے بدحواسی میں مشعل کی طرف چھلانگ لگانے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے ہی میں نے پھر ایک فلائنگ کِک ماری۔ اس بار لات اس کی کمر پر پڑی تھی۔ وہ چھلانگ لگانے کے لیے پَر تول رہا تھا۔ ذرا دور جا کر گر پڑا۔ اس بار سانپوں کے غول میں گرا تھا۔

اس نے موت کے خوف سے زور کی چیخ ماری لیکن سانپ وہاں سے ہٹ گئے۔ وکٹر کولن نے اس کی مدد کی تھی۔ اپنی مشعل اس کی طرف پھینک دی تھی۔ جیسے ہی وہ جلتی ہوئی مشعل پاس آئی۔ سانپ رینگتے ہوئے دور چلے گئے۔ میں نے کہا "اسے کہتے ہیں آنکھ کے بدلے آنکھ اور لات کے بدلے لات۔"

وہ غصے سے جھنجلاتا ہوا، چیختا ہوا میری طرف آیا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ اسے غصہ آئے اور بہت غصہ آئے۔ میری طرف آنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اسی طرح جھکتا ہوا، مشعل کے ذریعے سانپوں کو ہٹاتا ہوا آئے۔ میں نے فوراً اچھل کر تاثر دیا کہ اس کے منہ پر ٹھوکر مارنے والا ہوں۔ چونکہ پہلے ایسا ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ سیدھا ہو کر ایک ہاتھ اپنے منہ کے سامنے لے آیا تاکہ بچاؤ کرتے ہوئے مجھ پر حملہ کرے لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ وہ پھر جھنجلا گیا۔ اپنے چہرے کے پاس سے ہاتھ ہٹا کر مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی مشعل اس کے چہرے کی طرف پھینک دی اور فوراً ہی پلٹ کر باڈلی سے مشعل لی اور اس کی مشعل سے اپنی مشعل یوں ٹکرا دی جیسے تلوار تلوار سے ٹکراتی ہے۔ اس کے منہ پر میری ایک مشعل جا کر لگی تھی۔ وہ بوکھلا کر ذرا پیچھے ہوا۔ گرفت پھر ڈھیلی ہوئی اور اس کے ہاتھ کی مشعل چھوٹ کر دوسری طرف چلی گئی۔ ایسے وقت میں ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ میں نے اسی وقت چھلانگ لگائی اور اس کے سینے پر ایک فلائنگ کِک ماری۔ وہ دور جا کر گرا۔ میری مشعل جو اس کے چہرے سے ٹکرائی تھی اسی جگہ رہ گئی جہاں میں فلائنگ کِک مارنے کے بعد پہنچا تھا۔

اتنی سی دیر میں کئی سانپ باڈلی کے پاؤں سے لپٹ گئے تھے اور وہ قہقہے لگا رہی تھی۔ میں نے ایک مشعل اس کے قدموں کی طرف پھینک دی۔ دوسری مشعل سے راستہ بناتا ہوا اُدھر گیا جہاں پیٹر پال کی پہلی مشعل گری تھی۔ یہ صرف مشعلوں کا کھیل تھا اور دماغ سے کھیلا جا رہا تھا۔ مادام کمپیوٹر کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے مجھے قابو میں رکھنے کے لیے انتہائی شہ زور بھیجا تھا لیکن لڑنے کے فن میں شہ زوری نہیں داؤ پیچ اور عقل کام آتی ہے۔

پیٹر پال سانپوں کے پاس جا کر گرا تھا۔ وہاں مشعل کے بغیر تھا۔ سانپ اس کے قریب تھے لیکن اس میں سے کئی سانپ بے ضرر تھے، زہریلے نہیں تھے۔ پھر دروازے پر اس کی مدد کرنے والے بہت تھے۔ ان میں سے ایک نے مشعل اس کی طرف پھینکی دوسرا مزدور ایک مشعل لے کر اپنے لیے راستہ بناتا ہوا اس کی طرف آنے لگا۔ میں پہلے ہی سب کے متعلق جان چکا تھا۔ وہ چھ مزدور محض مزدور ہی نہیں تھے، بہترین فائٹر بھی تھے جو مزدور آرہا تھا، وہ فلپائن میں کراٹے ماسٹر کی حیثیت سے مشہور تھا۔ باڈلی نے غصے سے کہا "ارے بزدلو! ایک تو میرے جوان کے سامنے پہاڑ جیسا آدمی مقابلے کے لیے بھیجا۔ اس پر دوسرا بھی آرہا ہے۔ ہٹ تیری ایسی کی تیسی۔"

اس نے ایک سانپ کو پکڑا اور فلپائن کے کراٹے ماسٹر کی طرف اُچھال دیا۔۔۔ پیٹر پال مشعل کو سنبھال کر میری طرف آنا چاہتا تھا مگر باڈلی کا نشانہ غلط ہوا۔ وہ سانپ پال کے اوپر آیا۔ اس نے بوکھلا کر چیخ ماری۔ اس وقت تک میں راستہ بناتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا تھا اتنا میں سمجھتا تھا کہ بار بار مشعل سے مشعل کو ٹکراؤں گا تو میرا حملہ کامیاب نہیں ہوگا۔ اس بار اس نے یقیناً مضبوطی سے اسے تھام رکھا ہوگا۔ لہٰذا اب کی بار میں نے اپنی جلتی ہوئی مشعل کو اس کے ہاتھ سے لگا دیا۔ اِدھر وہ سانپ کو اپنے اوپر سے ہٹا رہا تھا، اُدھر اس کا ہاتھ جل گیا۔ وہ جس مصیبت میں مبتلا ہوا یہ الگ سی بات ہے لیکن میں دوسری طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ اُدھر سے فلپائن کے کراٹے ماسٹر نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی۔ فضا میں اُڑتا ہوا آیا۔ پھر ایک کِک میرے سینے پر ماری۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ وہ کوئی زوردار کِک نہیں تھی۔ میں اس کا جواب دینا چاہتا تھا۔ اسی وقت وکٹر کولن نے للکارتے ہوئے کہا "فرہاد! رک جاؤ۔ مادام کمپیوٹر کا حکم ہے۔ ہمیں آپس میں نہیں لڑنا چاہیے۔ پیٹر پال سے جو غلطی ہوئی تم نے اس کی کافی سزا دی ہے۔ پلیز، ہاتھ روک لو۔"

پھر وہ پیٹر پال اور کراٹے ماسٹر کو فلپائنو زبان میں کہنے لگا۔ "واپس آجاؤ۔ مادام کمپیوٹر کا حکم ہے۔ اگر تم نے مقابلہ کرنا چاہا تو وہ تمہیں سزا دیں گی۔"

میں راستہ بناتا ہوا باڈلی پیرن کے پاس آگیا۔ پھر میں نے کہا "وکٹر! میں تمہارے دماغ کے ذریعے تمہاری فلپائنو زبان کا ترجمہ سمجھتا ہوں۔ اپنی مادام سے کہو۔ میں اپنے دشمنوں کو معاف نہیں کرتا۔ ابھی پیٹر پال کو مکمل سزا نہیں ملی ہے۔ اگر وہ مجھ سے سمجھوتہ چاہتی ہے تو میری دو میں سے ایک بات مان لے۔ یا تو پال کو یہاں سے واپس بھیج دے۔ میں اس کے ساتھ آگے نہیں بڑھوں گا۔ یا میں اسے موت کی سزا دوں گا۔ مادام کمپیوٹر نے جان لوفر کا انجام دیکھا ہے۔ اپنے اس غلام کا انجام بھی دیکھے گی اور ابھی دیکھے گی۔"

وکٹر نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش رہنے کے لیے کہا۔ وہ اپنے دماغ میں مادام کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "پال! مادام کا حکم ہے۔ تم اس تہ خانے سے واپس چلے جاؤ۔"

پال نے مجھے غرا کر دیکھا مگر وہ اپنی مالکہ کے حکم سے مجبور تھا۔ سر جھکا کر جانے لگا۔ جب وہ وکٹر کے پاس پہنچ گیا تو میں نے کہا۔ "ایک بات یاد رکھنا مجھ سے دھوکا نہیں چلے گا۔ اگر یہ پلٹ کر آئے گا تو اپنی موت کو ساتھ لائے گا۔"

وہ بے شک مادام کمپیوٹر کا غلام تھا لیکن اس نے آج تک کسی سے شکست تسلیم نہیں کی تھی۔ کجا یہ کہ مجھ سے مار کھاتا ہی رہا تھا۔ اس کی حسرت رہ گئی کہ اس کا ایک حملہ مجھ پر کامیاب ہوتا۔ بے چارہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان سانپوں کے ہجوم میں کبھی کسی سے مقابلہ کرنا ہوگا اور وہاں طاقت کی نہیں عقل کی ضرورت پڑے گی۔

کیا کوئی شہ زور آسانی سے اپنی شکست تسلیم کر سکتا ہے؟ نہیں، وہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک ہی اس نے ایک مزدور کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ دوسرے لمحے پلٹ کر میرا نشانہ لینا چاہا۔ میں نے اس کا نشانہ بہکا دیا۔ کراٹے ماسٹر نشانہ بن گیا۔ ٹھائیں سے گولی چلی اور وہ اچھل کر سانپوں کے درمیان گر پڑا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا "ہالٹ، یو پیٹر پال! اس وقت تمہارے دماغ میں تمہاری مادام ہے۔ میں تمہاری زندگی کی آخری سانسوں میں مادام کی یہ خوش فہمی دور کردوں کہ ہم تمہارے دماغ میں نہیں تھے۔ بہت پہلے بھابی اور بھائی جان نے تمہارے انگریزی لب و لہجے کو سن لیا تھا جبکہ مجھے یہ کہہ کر دھوکے میں رکھنے کی کوشش کی جارہی تھی کہ تم صرف فلپائنو زبان جانتے ہو۔ دیکھ لو مادام! تمہارا یہ غلام ہاتھ میں ریوالور لیے ہے لیکن مجھ پر گولی نہیں چلا سکتا۔ تم چاہو تو اسے بچا سکتی ہو۔ ہم اسے موت کی طرف لے جارہے ہیں۔"

میرے کمپیوٹرکم ٹرانسمیٹر میں اشارہ موصول ہونے لگا۔ میں نے کہا "تمہارے اشارے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت ایک غلام کے دماغ میں تین ٹیلی پیتھی جاننے والے موجود ہیں۔ تم بھی ہو۔ بھائی جان بھی ہیں اور بھابی جان بھی۔ سب جان ہی جان ہیں۔ دیکھو کس کی جان جاتی ہے۔"

یہ کہنے کے بعد ہی پیٹر پال نے ایک چیخ ماری اس کے ہاتھ سے ریوالور گرا اور وہ اچھل کر سانپوں کے درمیان گیا۔ پھر وہاں سے زمین پر لڑھکتا ہوا۔ سانپوں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ میں ایک ایک لمحے کو قیمتی سمجھتا تھا۔ میں نے فوراً ہی اسے چھوڑا اور وکٹر کے دماغ میں پہنچ گیا تاکہ وہ میرے خلاف کوئی حرکت نہ کرے لیکن اس میں جرأت نہیں تھی۔ یوں بھی مادام کمپیوٹر اس کے پاس نہیں تھی۔ غلام کو بچانے کی کوشش میں مصروف تھی مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ کئی سانپوں نے اسے ڈس لیا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کے دیدے پھیل گئے تھے۔ اس کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں۔

زندگی کا آخری رنگ ایک ہی ہوتا ہے اور وہ موت کا رنگ ہوتا ہے۔ وہ سیاہ پڑ چکا تھا۔

میں نے باؤلی کے ساتھ راستہ بناتے ہوئے دوسرے دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا: "مادام کمپیوٹر! میں سجاد بول رہا ہوں۔ اس وقت فرہاد بھائی جان اور رسونتی بھابی تمھارے چمچوں کے دماغ میں ہیں۔ میرے خلاف کوئی حرکت ہوئی تو تمھارے وہ باقی آدمی بھی جان سے جائیں گے۔

میں اور باؤلی دوسرے دروازے پر پہنچ گئے۔ ان کے پاس ریوالور تھے۔ اسٹین گنیں تھیں لیکن ان پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔ مادام کمپیوٹر یقیناً سوچ رہی ہو گی کہ پتا نہیں کتنے مزدوروں کو انگریزی بولتے ہوئے رسونتی اور فرہاد نے سُنا ہو گا۔ ہمارے سامنے جتنے بھی تھے۔ سب انگریزی جانتے تھے لیکن میری موجودگی میں وکٹر کے سوا سب بولتے رہے تھے۔

اس نے بدستور اپنی زبان میں کہا: "فرہاد! جو ہونا تھا۔ وہ ہو گیا۔ تم نے انتقام لے لیا۔ اب ہمارے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہونی چاہیے۔"

"وکٹر کولن! اگر دوستی چاہتے ہو تو اپنے ساتھیوں کو حکم دو اپنے تمام ہتھیار وہیں پھینک کر چلے آئیں۔ تمھارے پاس بھی کوئی ہتھیار نہیں ہونا چاہیے۔"

وکٹر تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اپنے دماغ میں مادام کمپیوٹر کا حکم سنتا رہا پھر اس نے تمام ساتھیوں کو حکم دیا: "اپنے ہتھیار پھینک دو اور ضروری سامان اُٹھا کر مشعلوں کے ساتھ آگے چلو۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ہتھیار پھینک کر سانپوں سے بچتے ہوئے مشعلیں لیے ہمارے پاس چلے آئے۔ ہم نے دوسری طرف کا پتھر ہٹایا جو زیادہ بھاری نہیں تھا۔ پھر ہم زہریلے مسکن سے نکل آئے پروفیسر نائیڈو نے میرے بازو کو تھام کر کہا: "بیٹے! میں نے تمھارے بارے میں بہت سنا تھا مگر یقین نہیں آرہا تھا۔ آج آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آرہا ہے۔"

میں مسکرانے لگا۔ انھوں نے کہا: "بیٹے! ایک بات بتاؤ تم فرہاد ہو یا سجاد؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "جب آپ نے بیٹا کہہ دیا ہے تو کوئی سا بھی نام ہو۔ آپ کا بیٹا ہی رہوں گا۔"

پروفیسر نے خوش ہو کر پوچھا: "پھر بھی؟"

میں سمجھ گیا، پروفیسر کے دماغ میں مادام کمپیوٹر یہ سوالات پیدا کر رہی ہے اور یقین کرنا چاہتی ہے کہ میں کون ہوں۔ میں نے کہا۔ "دیکھیے میں تو سجاد ہوں لیکن آپ نے مجھے بیٹا کہہ کر بھائی جان کو بھی بیٹا بنا لیا ہے۔ وہ آپ کے دماغ میں آرہے ہیں۔"

دوسرے ہی لمحے رسونتی نے فرہاد بن کر کہا: "ہیلو پروفیسر نائیڈو! میں فرہاد ہوں۔ سجاد کے ساتھ میں بھی آپ کا بیٹا بننے میں خوشی محسوس کر رہا ہوں۔"

رسونتی نے اس لیے میرا رول ادا کیا کہ میں باؤلی پیرن کی طرف متوجہ ہو کر اس سے باتیں کرنے لگا تھا تاکہ مادام کمپیوٹر کو پورا یقین ہو جائے کہ جب ایک سے باتیں کر رہا ہوں تو دوسرے کے دماغ میں پہنچ کر نہیں بول سکوں گا اور اگر وہ شبہ کرے کہ رسونتی میرے لہجے میں بول رہی ہے۔ تو پھر وہ شبہ ہی ہو گا یقین نہیں ہو سکتا لیکن یہ مسئلہ اور اُلجھ گیا تھا۔ اسے یقین کرنا پڑ رہا تھا کہ میں سجاد ہوں۔

وکٹر کولن نے میرے پاس آکر نقشہ دکھاتے ہوئے کہا: "اب ہم تمام مراحل سے گزر چکے ہیں۔ صرف ایک دروازہ رہ گیا ہے۔ اسے کھولنے کے لیے ریاضی میں مہارت کی ضرورت ہے۔ یعنی پروفیسر نائیڈو اور آپ کے استاد شیخ الفارس کا کام ہے۔ وہ دروازہ کھلتے ہی ہم ایک بہت ہی خوبصورت سے ہال میں ہوں گے جہاں ایک تابوت میں گوری سجاتہ دو سو برس سے سکتے کے عالم میں پڑی ہمارا انتظار کر رہی ہے۔"

جب تک ہم وہاں باتیں کرتے رہے۔ اس وقت تک چار مزدور سانپوں کے مسکن میں مشعلیں لیے مصروف رہے اور راستہ بناتے ہوئے وہ تمام قیمتی نایاب لعل اٹھا اٹھا کر اپنے بیگ میں ڈالتے رہے۔ میں نے اعتراض نہیں کیا۔ یہ تمام دولت بالآخر یا تو مادام کمپیوٹر کے پاس جاتی یا ہمارے پاس رہ جاتی۔

ہمارا قافلہ پھر وہاں سے آگے بڑھنے والا تھا۔ وکٹر کولن نے کہا: "مسٹر سجاد! ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ آپ فرہاد نہیں ہیں۔ جہاں آپ آگے بڑھیں۔"

میں نے پوچھا: "میں آگے کیوں بڑھوں؟"

اس نے ہنستے ہوئے کہا: "میں تو برائے نام اس پارٹی کا لیڈر ہوں۔ ہیرو تو آپ ہیں۔"

"تمھاری مادام کمپیوٹر ہمارے سامنے بہت مجبور ہے۔ وہ فلپائنو زبان میں تمھیں کسی بات سے روکتی ہے۔ بھائی جان انگریزی میں اس کا ترجمہ سن لیتے ہیں اور مجھے بتا دیتے ہیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا: "مم میں نہیں سمجھا۔ بات کیا ہے؟"

"بات صرف اتنی سی ہے کہ جس بات کے لیے مادام تمھیں روک رہی ہیں۔ اس کے لیے بھائی جان مجھے بھی روک رہے ہیں۔ تم اب تک قافلے کے آگے آگے ایک مزدور کے ساتھ چلتے رہے ہو۔ اس وقت بھی تمھیں ہی آگے چلنا چاہیے۔"

وہ آگے بڑھنے سے ہچکچانے لگا۔ مادام کمپیوٹر نے اس سے کہا: "کوئی بات نہیں۔ جو طریقہ میں نے بتایا ہے۔ اسی پر عمل کرو چلو آگے بڑھتے جاؤ۔"

قافلہ آگے بڑھا۔ ہم سب کے آگے وکٹر ایک مزدور کے ساتھ چلنے لگا۔ باؤلی تہ خانے میں داخل ہونے کے بعد مجھ سے اس قدر متاثر ہوئی چلی آرہی تھی کہ سچ مچ باؤلی بن گئی تھی میرے بازو کو تھام کر مجھ سے لگ کر چل رہی تھی۔ میں نے کہا: "کیوں میرا کیریکٹر خراب کر رہی ہو؟"

اس نے حیرانی سے پوچھا: "کیا مطلب؟"

"میں تمھیں بتا چکا ہوں۔ میری گھر والی میرے دماغ میں رہتی ہے۔ یہ بیویاں خوب جانتی ہیں کہ اپنے اپنے میاں کو کہاں سنسر لگانا چاہیے۔"

وہ بولی: "ایک بات بتاؤ تم ایسی بیوی کے ساتھ کیسے زندگی گزارتے ہو جو ہمیشہ تمھارے دماغ میں گھسی رہتی ہے؟"

میں نے رازدارانہ انداز میں کہا: "بس تمھیں یہ راز بتا رہا ہوں۔ وہ بارہ گھنٹے جاگتی ہے۔ بارہ گھنٹے سوتی ہے۔ وہ پچھلے چھ گھنٹے سے جاگ رہی ہے۔ آئندہ چھ گھنٹے کے بعد سو جائے گی۔ اس کے بعد تم میرے ساتھ رہنا۔"

وہ فوراً الگ ہو گئی۔

قافلہ چلتے چلتے رک گیا کیونکہ سالارِ قافلہ رک گیا تھا۔ آگے ایک تنگ سی راہداری تھی۔ میں نے پوچھا: "کیوں وکٹر! کیا بات ہے؟"

"آگے خطرہ ہے۔ پہلے اس خطرے کو ٹالنا چاہتا ہوں۔"

اس نے ایک مزدور سے کہا: "لاؤ، وہ گولے نکال کر مجھے دو۔" مزدور نے اپنے سامان میں سے لوہے کے دو چھوٹے چھوٹے گولے نکالے۔ وکٹر نے انھیں اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔ پھر زمین پر ایک گھٹنا ٹیک کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اس نے ایک گولے کو زمین پر لڑھکایا۔ وہ لڑھکتا ہوا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے حیرانی سے دیکھا۔ جیسے جیسے وہ فرش پر سے لڑھکتا جا رہا تھا۔ راہداری کی دوطرفہ دیواروں سے تیر کی طرح لوہے کے بھالے نکل رہے تھے۔ دونوں طرف سے نکلنے والے بھالوں کی نوکیں ایک دوسرے سے ملتی جا رہی تھیں۔

یعنی اگر میں قافلے کے آگے ہوتا اور راہداری کے اس فرش پر چلتا ہوا جاتا تو اسی طرح دونوں طرف سے بھالے نکلتے اور میں ان میں پرو دیا جاتا۔

دوطرفہ دیواروں سے نکلنے والے صرف دو بھالے نہیں تھے۔ یکے بعد دیگرے اسی طرح مخالف سمت سے بھالے نکلتے جا رہے تھے۔ ایک دوسرے سے نوکیں ملتی جا رہی تھیں۔ وہ صرف اوپری حصے میں نہیں تھے بلکہ نچلے حصے میں بھی اسی طرح نکل نکل کر ایک دوسرے کی نوک سے مل رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی چالاک شخص جھک کر اس راہداری سے گزرنا چاہے تو نیچے سے نکلنے والے بھالوں کی زد میں آجائے۔

باؤلی پیرن تیزی سے وکٹر کے پاس گئی۔ پھر اس کے سامنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے بولی: "کیوں رے! تو میرے جوان کو اسی لیے آگے جانے کو بول رہا تھا۔"

وکٹر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ مجھ سے نظریں چُرا رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا: "تم اپنی مادام کے غلام ہو۔ اس کا حکم نہیں مانو گے تو مر جاؤ گے۔ گھبراؤ نہیں، میں تمھیں نہیں ماروں گا۔"

اس نے مجھے احسان مندی سے دیکھا۔ پھر مزدوروں سے کہا: "اوپر اور نیچے والے بھالوں کے درمیان سے سامان لے کر گزر جاؤ۔ ہم بھی آرہے ہیں۔ کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

ایک مزدور نے سامان کو اُٹھایا۔ پھر ڈرتے ہوئے، ذرا جھکتے ہوئے ایک بھالے کے اوپر سے پاؤں لے جا کر دوسری طرف قدم رکھا۔ اس کے ساتھ ہی دائیں بائیں دیدے نچا کر دیواروں کو دیکھنے لگا کہیں اور بھالے تو نہیں نکل رہے ہیں لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ اسی طرح ایک بھالے کے اوپر سے پاؤں لے جا کر زمین پر رکھتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہم بھی جانے لگے۔ یکے بعد دیگرے سب ان سے گزر کر راہداری کے دوسری طرف پہنچ گئے۔

اب ہمارے سامنے ایک کھلا تہ خانہ تھا۔ دور دور تک دیواریں نظر آرہی تھیں۔ درنہ درمیان میں کئی ستون تھے۔ یہاں ہم نے اپنے آہنی کیپ کی ٹارچ روشن کر لی تھیں۔ ابھی تک ہیں کٹ

سے دستی ٹارچ نکال کر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی اور نہ ہی ہم نے گیس ماسک استعمال کیا تھا۔ شاید یہ اس احتیاط کی بنا پر رکھ لیا گیا تھا کہ کہیں ہمیں آکسیجن کی کمی محسوس نہ ہو۔

آگے جا کر ہمیں ایسی دیوار نظر آئی جس کے پتھروں کو سلیقے سے تراشا گیا تھا۔ اس دیوار کے بعد کوئی راستہ نہیں تھا۔ ایک بڑا سا پیتل کا دروازہ تھا۔ اسے دیکھنے سے ہی اس کی مضبوطی کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ وہ بند تھا مگر تالا نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ دروازے کے ایک پٹ پر چھ چابیاں ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ دوسرے پٹ پر بھی چھ چابیاں لگی ہوئی تھیں۔ یعنی بارہ چابیوں کا ایک ایسا الجھا ہوا حساب تھا جسے سلجھانے کے بعد ہی وہ دروازہ ان چابیوں سے کھل سکتا تھا۔

دکٹر کولن نے کہا "پروفیسر نائیڈو اور مسٹر سجاد! اب یہ تمھارے استاد شیخ الفارس کا کام ہے۔ یہ بارہ چابیاں ویسے تو اپنے سوراخوں میں لگی ہوئی نظر آ رہی ہیں لیکن یہ غلط سوراخوں میں ہیں۔ انھیں ان کے صحیح کی ہول میں رکھ کر گھمانے سے یہ دروازہ کھلے گا۔"

اس نے ایک کاغذ پروفیسر نائیڈو کی طرف بڑھا دیا اور کہا "یہ ریاضی کا حساب ہے۔ اسے حل کرنے کے بعد ہی پتا چلے گا کہ کون سی چابی کس سوراخ کے لیے ہے۔"

پروفیسر نائیڈو اس حساب کو دیکھنے لگا۔ اسی وقت فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ وہ سب چونک کر آواز کی سمت دیکھنے لگے لیکن سمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تہ خانے میں آواز گونج رہی تھی۔ وکٹر کولن نے میری طرف دیکھا۔ میں نے پوچھا "کیوں وکٹر! تمھیں تشویش نہیں ہے کہ فائرنگ کرنے والے کون لوگ ہیں اور کیسے تہ خانے میں آ گئے؟"

اس نے جواب دیا "میں کیا جانوں۔ ہو سکتا ہے۔ ہمارے مخالف تہ خانے میں پہنچ گئے ہوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "ہمارے تمھارے مخالف اس محل میں نہیں پہنچ سکتے۔ مکتی محل پر تمھاری مادام کمپیوٹر کا قبضہ ہے۔ اس کے احاطے کے باہر کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہ پانچ مزدور تمھارے حمایتی ہیں لیکن باڈی اور پروفیسر نائیڈو میرے طرف دار ہیں۔ ذرا انھیں بتا دو کہ کیا چالیں چلی جا رہی ہیں۔"

"تم فضول باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ دروازہ کھولنے کے لیے یہ حساب اپنے استاد شیخ الفارس تک پہنچاؤ۔"

"یہ حساب میرے استاد تک پہنچ چکا ہے۔ ابھی حل ہو جائے گا لیکن میرے سوال کا جواب ضروری ہے۔"

"تمھارے سوال کا کوئی جواب ہوتا تو ضرور دیتا۔"

"جواب ہے مگر دینا نہیں چاہتے چلو مجھ سے سن لو تمھاری مادام ہمیں نادان بچہ سمجھتی ہے۔ بے شک یہ میری نادانی ہو سکتی ہے کہ تم لوگوں پر اعتماد کر کے اس تہ خانے میں چلا آیا جہاں سے واپسی کا راستہ مشکل ہے بلکہ ناممکن ہو سکتا ہے واپسی کے تمام راستوں پر تمھارے مسلح آدمی پہرہ دینے بیٹھ گئے ہیں اور کچھ ادھر آنا چاہتے ہیں تاکہ میں گوری سجاتہ کو اغوا کر کے نہ لے جاؤں۔"

وکٹر نے کہا "چلو یہی سہی۔ اگر ہمارے آدمیوں نے واپسی کا راستہ روک رکھا ہے تو تمھیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ تم ہمارے ساتھ آئے ہو۔ ہمارے ساتھ جاؤ گے۔"

میں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جناب شیخ الفارس نے ان چابیوں کا معما حل کر دیا ہے۔ میں ابھی اسے کھول سکتا ہوں مگر نہ کھولوں تو؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا "تم ضرور کھولو گے۔ مادام کمپیوٹر بھی نادان بچی نہیں ہے۔ تم یہاں تک آئے ہو تو کسی فریب میں مبتلا ہو کر نہیں آئے ہو۔ تم نے اپنی حفاظت کے مکمل انتظامات کیے ہیں۔ اس تہ خانے کے باہر تمھارے آدمی ہوں گے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والی دو دو ہستیاں تمھاری نگرانی کر رہی ہیں۔ قدم قدم پر تمھیں گائیڈ کر رہی ہیں۔ پھر وہ سونیا جانے کہاں گم ہو گئی ہے اور کیا کرتی پھر رہی ہے۔ بہرحال تم مطمئن ہو۔ یہ دروازہ کھول کر اندر ضرور جاؤ گے اور اپنے ساتھ ہمیں بھی جانے کا موقع دو گے۔"

وہ ذرا چپ ہوا۔ مادام کمپیوٹر کی باتیں سنتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "مادام کہتی ہیں۔ تمھارے آدمی صرف تہ خانے کے باہر نہیں اندر بھی کسی طرح پہنچ گئے ہیں۔ تبھی فائرنگ ہو رہی ہے۔ ابھی مادام نے دیکھا ہے۔ ہمارے کئی آدمی ہلاک ہو چکے ہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تمھاری مادام سمجھ رہی ہے کہ تہ خانے میں ہمارا ایک بھی آدمی نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ٹیلی پیتھی کی نادیدہ مشین گنوں سے گولیاں برس رہی ہیں۔"

پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ میں ذرا سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ خیال خوانی کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر پتا نہ چل سکا "یہ کون لوگ آ رہے ہیں۔"

پھر وہ سامنے آ گئے۔ وہ جزیرہ کاؤکی کے مجاہد فورس سے تعلق رکھتے تھے۔ سب مسلمان تھے۔ ہم ان کے ایک سردار سلیمان مو روز سے پہلے مل چکے تھے۔ یہ دوسرا سردار احمد جوزف تھا۔ وہ اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ دوڑتا ہوا آیا تھا۔ پھر وکٹر کے پاس رک کر ہانپتے ہوئے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ناگواری سے کہا "میرے کئی آدمی مارے گئے ہیں۔ تمھیں شرم آنی چاہیے۔ تم نے مسلمان ہو کر اپنے بھائیوں کو ہلاک کیا ہے۔"

میں نے کہا "جوزف! میں تمھیں جوزف ہی کہوں گا کیونکہ تم ان بھولے بھالے مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے مسلمان ہوئے ہو۔ ورنہ اندر سے وہی ہو اور مادام کمپیوٹر کے بدترین غلام ہو۔"

ایک مسلح جوان میری طرف دیکھ کر غصے سے اپنی زبان میں کہنے لگا "اسے ابھی مار ڈالو۔ یہ مسلمان نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہے اور ہمارے سردار کو الزام دے رہا ہے۔"

جوزف نے ہاتھ اٹھا کر اسے کہنے سے روکا۔ پھر کہا "مسٹر فرہاد یا سجاد! تم جو کوئی بھی ہو۔ یہ یاد رکھو۔ یہ دروازہ کھولنے کے بعد اندر جاؤ گے مگر کوئی چالاکی نہیں دکھا سکو گے۔ میں جانتا ہوں تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے نقصان پہنچا سکتے ہو مگر میرے کتنے آدمیوں کو نقصان پہنچاؤ گے۔ یہاں سے تہ خانے کے داخلی راستے تک ہمارے جوان موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مکتی محل کے اندر اور باہر بھی ہم چھائے ہوئے ہیں۔ اس بار تمھاری اور رسونتی کی ٹیلی پیتھی دم توڑ دے گی۔"

میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ اپنے حقوق کے لیے لڑنے والے بہادر اسٹین گنیں لیے کھڑے تھے۔ ان کی اسٹین گنوں کا رخ ہماری طرف تھا۔ ہماری ٹیلی پیتھی ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے چوتھے کو ہلاک کر سکتی تھی۔ ان کے ہتھیار ان کے ہی خلاف استعمال کرائے جا سکتے تھے لیکن وہ دو چار یا دس نہیں تھے تقریباً تیس چالیس ہوں گے۔ جوزف غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ ان کے علاوہ یہاں سے تہ خانے کے داخلی دروازے تک مسلح جوان پہنچ گئے تھے۔ جو یہاں نہیں پہنچے تھے وہ سانپوں کے مسکن میں مصروف تھے اور تمام سانپوں کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ راستہ صاف ہو جائے۔

یہ وہی مجاہدین تھے جنھوں نے مجھے اس جزیرے میں خوش آمدید کہا تھا۔ میرے لیے مخالفین کے سامنے ڈھال بن کر جان کی بازی لگائی تھی۔ میں انھیں نصیحت نہیں کر سکتا تھا۔ انھیں جوزف کا اصلی چہرہ دکھانا چاہتا تو یہ کبھی یقین نہ کرتے۔ انھیں سمجھایا گیا تھا کہ اول تو ہتھیاروں سے لڑ کر اپنے حقوق حاصل کریں گے۔ اگر بات بڑھے گی تو دولت کے ذریعے اس جزیرے کو آزاد کرایا جائے گا اور بے شمار دولت اسی تہ خانے سے نکلے گی اور تمام مسلمانوں کے کام آئے گی۔

جب ایسے سبز باغ دکھائے گئے تھے تو میں بھلا کیسے سمجھا سکتا تھا۔ میں نے وکٹر اور جوزف کی طرف دیکھا۔ پھر کہا "اچھی بات ہے۔ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔"

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ وکٹر اور جوزف میرے دائیں بائیں جانب پہنچ گئے۔ اگرچہ انھیں یقین تھا میں کوئی چالاکی نہیں دکھا سکوں گا۔ میرے چاروں طرف اسٹین گنیں تھیں اور انھیں یہ بھی یقین تھا کہ ایسی جگہ ٹیلی پیتھی کام نہیں آ سکے گی پھر بھی وہ میرے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

میرے پیچھے پروفیسر نائیڈو کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے اور تائید کرتے جا رہے تھے "ہاں بیٹے! تم صحیح چابی نکال کر اس کی صحیح جگہ پہنچا رہے ہو۔"

میں نے ذرا سی دیر میں بارہ چابیوں کو ان کے صحیح کی ہول تک پہنچا دیا پھر میں نے دائیں بائیں وکٹر اور جوزف کو دیکھتے ہوئے کہا "دروازہ اب کھل جائے گا۔"

انھوں نے میرا انتظار نہیں کیا۔ جوزف نے دروازے کو ایک دھکا مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس نے گھور کر مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا۔ یہ کیوں نہیں کھلتا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے ایک چابی کو گھمایا۔ وکٹر نے پھر دروازے کو دھکا دیا۔ وہ نہیں کھلا۔ ان کے اندر بڑی بے چینی تھی۔ دوسرے لفظوں میں مادام کمپیوٹر بے قرار تھی۔ جلد سے جلد گوری سجاتہ تک پہنچنا چاہتی تھی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے صبر کرنے کے لیے کہا۔ پھر میں نے دوسرے پٹ کی دوسری چابی گھمائی، وہ دونوں پھر دروازے کو ہاتھ لگا کر کھولنا چاہتے تھے۔ میں نے اشارے سے روک دیا۔

میں نے تیسری اور چوتھی چابی گھمائی۔ وہ چپ چاپ کھڑے نہیں رہ سکتے تھے۔ بے چینی سے کبھی مجھے اور کبھی چابیوں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر جوزف نے کہا "اب ترتیب وار ہر چابی کو گھمایا جائے تو دروازہ کھل جائے گا۔"

میں نے کہا "کھول کر دیکھ لو۔ اگر نہ کھلے تو اس کی ذمہ داری جناب شیخ الفارس پر نہیں ہو گی۔"

مادام کمپیوٹر نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ پھر وکٹر نے مادام کے حکم کے مطابق کہا "ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ تم اپنی مرضی سے چابیاں گھماتے جاؤ۔"

میں نے پانچ نمبر اور چھ نمبر کی چابی گھمائی۔ اس کے بعد ٹھہر کر انھیں دیکھنے لگا۔ وہ غصے سے اور بے بسی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے کہا "اگر میری طرح تم اسے ترتیب وار گھماتے رہتے تو دروازہ کبھی نہیں کھلتا۔ اب دیکھو ترتیب الٹ گئی۔"

میں نے بارھویں نمبر کی چابی گھمائی، پھر گیارھویں نمبر کی پھر دس نمبر، پھر نو نمبر، پھر آٹھ نمبر اور پھر سات نمبر۔ یکبارگی گڑگڑاہٹ کی آواز ہوئی اور سب پیچھے ہٹ گئے۔

خوفزدہ ہونے کی بات نہیں تھی۔ وہ پیتل کا دروازہ اتنا مضبوط تھا۔ اتنا بڑا تھا کہ کھلتے وقت شور مچا رہا تھا۔ وہ جیسے جیسے کھل رہا تھا۔ اندر کا منظر نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا۔ سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ ایک بہت بڑی نہایت ہی خوبصورتی سے سجائی ہوئی خواب گاہ دکھائی دے رہی تھی۔ خواب گاہ کے دو، انتادہ

کی داستان فرضی نہیں تھی۔ قدیم تاریخی دستاویزات کے مطابق وہ اپنی جگہ درست تھی۔ وہاں کوئی ایسا میکینزم تھا کہ تابوت کا اُوپری حصہ اٹھاتے ہی گوری سجاتہ کی لاش اٹھ کر بیٹھ جاتی۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی جگہ سونیا اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ ہم نے وہاں کا اصل خزانہ خالی کردیا تھا جو بڑا سا ساگوان کا صندوق رکھا ہوا تھا، اس کے اندر قیمتی ہیرے جواہرات تھے جن کی مالیت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ وہ گوری سجاتہ جو ہیرے جواہرات، لعل اور زمرد سے تراشی گئی تھی اور جو دنیا کا سب سے قیمتی اور حسین ترین مجسمہ تھی۔ یہ تمام دولت اعلیٰ بی بی سمیٹ کر لے گئی تھی۔ وہ کیسے لے گئی؟ وہ اور سونیا یہاں کیسے پہنچ گئیں۔ انھوں نے کیا طریقۂ کار اختیار کیا تھا؟ یہ ساری باتیں میں آگے چل کر بتاؤں گا۔ فی الحال ہم اپنے بدترین دشمنوں کے نرغے میں تھے۔ پہلے میں تنہا تھا، اب سونیا بھی تھی۔ یوں تو میرے حمایتی باؤلی سپیرن اور پروفیسر نائیڈو بھی تھے۔ ان کی حفاظت میرا اوّلین فرض تھا۔ چاروں طرف کھڑے ہوئے مسلح جوانوں کی اسٹین گنوں کا رُخ ہماری طرف تھا۔ ڈاکٹر کولن اور جوزف ہمیں کسی صورت میں ڈھیل دینے والے نہیں تھے۔ ان کی پشت پر مادام کمپیوٹر غصّے سے تلملا رہی تھی۔ اپنی ناکامیوں پر جھنجلا رہی تھی۔ وہ کبھی برداشت نہیں کرسکتی تھی کہ سونیا اسے بار بار دھوکا دے اور بالآخر تمام قیمتی نوادرات سمیٹ کر لے جائے۔ وہ کبھی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ وہ پہلی فرصت میں ہمیں گولی مارنے کا حکم دینے والی تھی تاکہ آئندہ ایسے ہی کسی مرحلے پر اسے ہماری طرف سے ناقابلِ تلافی نقصان نہ پہنچے۔

پھر مادام کمپیوٹر نے ڈاکٹر کولن کے ذریعے کہا "سجاد! میں تمہارے ذریعے فرہاد اور رسونتی سے مخاطب ہوں، بارہا تم میں سے کوئی نہ کوئی دشمنوں کے نرغے میں آیا۔ جان کے لالے پڑ گئے۔ اس کے باوجود وہ زندہ بچ کے نکل جاتا ہے۔ دراصل تم اپنے پیچھے ایسے معمّے چھوڑ جاتے ہو جنھیں حل کرنے کے لیے تمہارا زندہ رہنا لازمی ہوتا ہے۔"

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا "میں اس معمّے کو کسی حد تک حل کرچکی ہوں کہ سونیا یہاں کس طرح پہنچی۔ اور اس کے ساتھ آنے والے کس طرح تمام دولت اپنے ساتھ سمیٹ کر لے گئے لیکن دوسرے چور راستے کا علم سونیا کو کیسے ہوا؟"

میں نے کہا "مادام کمپیوٹر! تم نے ہمیں گیس ماسک اور آکسیجن سلنڈر یہاں تک لانے کی زحمت دی۔ اس کے پیچھے تمہارا یہی مقصد تھا کہ گوری سجاتہ کا مجسّمہ اور تمام نادر ہیرے جواہرات اسی چور راستے سے لے جائے جائیں گے، اور گیس ماسک کے بغیر اس راستے سے گزرنا ممکن نہیں تھا، یعنی جو دولت چور راستے سے جاتی، وہ صرف تمہاری ملکیت ہوتی۔ باقی ابرقی دیواروں کے پیچھے جتنا سونا ہے اس میں یہاں کے لوگوں کا حصہ ہوتا۔ تمہارا بھی اس حد تک حصہ ہوتا کہ تم ان سے جزیرے کو خرید لیتیں۔ شاید تم جزیرہ کادی کادی کو اپنا مستقل اڈہ بنانا چاہتی ہو۔"

"تمہاری یہ قیاس آرائیاں سو فیصد درست ہیں میں کیا سمجھوں؟ جس طرح تم نے یہ چور راستہ دریافت کیا ہے اسی طرح میرے خفیہ منصوبوں کو سمجھنے کا بھی کوئی راستہ ڈھونڈ نکالا ہے؟"

"میں سجاد بول رہا ہوں۔ بھائی جان اور رسونتی بھابی تمہارے خفیہ منصوبوں کو سمجھ رہے ہیں یا نہیں؟ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں صرف قیاس آرائی کر رہا ہوں۔"

"تمہارے دماغ میں فرہاد اور رسونتی موجود ہیں۔ وہ میری اس اُلجھن کو دور کرسکتے ہیں۔ مجھے بتایا جائے چور راستے کا علم کیسے ہوا؟"

"بھائی جان کہتے ہیں، اگر تم نے یہ معمّہ حل کرلیا تو ہمارا نقصان ہوگا۔"

مادام کمپیوٹر نے ڈاکٹر اور جوزف کو مخاطب کیا۔ انہوں نے اٹینشن ہو کے کہا "یس مادام۔"

"میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔ آج تک میرے خفیہ منصوبوں تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔ یہ قدیم دستاویزات صرف میرے پاس ہیں۔ ان میں جس چور دروازے کا ذکر کیا گیا ہے اسے صرف میں جانتی ہوں۔ میں جس چار دیواری میں رہتی ہوں، اُن دیواروں کو بھی میں نے اس دروازے کے متعلق نہیں بتایا۔ پھر فرہاد اور رسونتی کیسے جان گئے؟ تم سب مستعد رہو۔ میں تہ خانے کے باہر اپنے تمام وفاداروں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کر رہی ہوں۔ یاد رکھو اگر ہر آدھے گھنٹے بعد میں فلپائنو زبان میں تمہیں مخاطب نہ کروں تو سمجھ لینا تمہاری مادام کی زندگی خطرے میں ہے۔ ہر آدھے گھنٹے کے بعد فرہاد اور رسونتی کو مخاطب کرکے میرا مطالبہ کرنا۔ اگر خاطر خواہ جواب نہ ملے تو سونیا اور سجاد کو گولی مار دینا۔"

میں نے کہا "ہم صرف دو نہیں، چار ہیں۔ ہمارے ساتھ

حصے میں ایک بہت بڑا صندوق رکھا ہوا تھا۔ وہ صندوق ساگوان کی لکڑی کا تھا۔ اس پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اس صندوق پر ایک تابوت رکھا ہوا تھا۔ تابوت شیشے کا تھا۔ اس میں ایک ہستی لیٹی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس کے رنگین لباس سے کھلے ہوئے ہاتھ اور پاؤں سے پتا چل رہا تھا۔ وہ کوئی حسینہ ہے اور وہ گوری سجاتہ ہی ہوسکتی تھی۔

اِدھر میرے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ اُدھر ڈاکٹر نے چیخ کر کہا "دھوکا، یہ دھوکا ہے۔"

میں نے اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی، مادام کمپیوٹر فلپائنو زبان میں کہہ رہی تھی اور وہی بات وہ زبان سے کہتا جا رہا تھا۔ میں نے کمپیوٹر نکال کر اسے آن کیا۔ اسکرین پر بھی یہی الفاظ نمایاں ہوئے "دھوکا ہے۔ یہ سراسر دھوکا ہے۔ گوری سجاتہ ایسی نہیں ہوسکتی۔"

وکٹر، جوزف ایک دم سے ہڑبڑا کر اندر داخل ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہمارے پیچھے تمام مسلح افراد چلے آرہے تھے۔ میں نے للکار کر کہا "خبردار! تابوت کو ہاتھ نہ لگانا۔ ورنہ ایسا دھماکا ہوگا کہ چھت گر پڑے گی۔ ہم سب اس میں دب کر رہ جائیں گے۔"

میری اس دھمکی نے کام کیا۔ سب پیچھے ہٹ گئے کیونکہ چھت گرنے والی دہشت تہ خانے کے پہلے کمرے سے طاری تھی۔ وہ چھت گری تو نہیں تھی مگر ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ یہاں کی کوئی چھت کسی بھی میکینزم کے ذریعے گر سکتی ہے۔

ڈاکٹر کولن نے مادام کمپیوٹر کے مطابق غصّے سے کہا "یہ فریب ہے سراسر فریب ہے۔ نقشے میں اور قدیم تاریخی دستاویزات میں یہ نہیں لکھا ہوا ہے کہ گوری سجاتہ ایسی ہے۔"

میں نے پوچھا "پھر کیسی ہے؟"

"اس کا تمام جسم ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا ہے۔ وہ اتنے قیمتی ہیرے جواہرات ہیں کہ ساری دنیا میں ان کی مثال نہیں مل سکتی۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے معلوم ہے۔ ان قدیم تاریخی دستاویزات کے مطابق ایسی گوری سجاتہ ضرور ہے اور ان کے مطابق یہ جو صندوق رکھا ہوا ہے۔ اس میں بھی ایسے ہیرے ہیں جن کی مالیت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا لیکن تم لوگوں کو اس صندوق تک پہنچنے کے لیے تابوت تک پہنچنا ہوگا اور اس تابوت تک پہنچنے کے لیے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ گوری سجاتہ ایسی کیوں ہوگئی؟"

ڈاکٹر اور جوزف کچھ سن رہے تھے۔ مادام باری باری ان دونوں کے دماغوں میں پہنچ کر کہہ رہی تھی "اس تابوت کے اوپری ... ہٹاؤ۔ میں تم لوگوں کے ذریعے گوری سجاتہ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میں نے کہا "ہاں ہاں۔ ضرور دیکھنا چاہیے۔ ہم اتنی مصیبتیں اٹھا کر اسی لیے آئے ہیں اور یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ایک لاش کس طرح اٹھ کر بیٹھتی ہے۔"

جوزف نے تمام مسلح افراد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اس شخص پر کڑی نظر رکھو۔"

سب کی اسٹین گنیں میری طرف اٹھ گئیں۔ پھر وہ اور وکٹر تابوت کے دونوں طرف گئے۔ ایک لاش کے سرہانے، دوسرا لاش کے پائنتی۔ پھر انھوں نے وہاں سے تابوت کے اوپری حصے کو اٹھانا شروع کیا۔ گوری سجاتہ کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ مادام کمپیوٹر نے وکٹر اور جوزف کو ڈانٹ کر کہا "کیوں دیر کر رہے ہو۔ اوپری حصہ اٹھا کر ایک طرف پھینک دو۔"

انھوں نے جیسے ہی اس حصے کو اٹھا کر ایک طرف پھینکا۔ شیشے کا زبردست چھناکا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی لاش میں حرکت ہوئی۔ سب پیچھے ہٹ گئے۔ سب نے بے یقینی سے دیکھا۔ وہ لاش اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ بیٹھتے ہی اس کے چہرے سے نقاب ڈھلک کر گر پڑی تھی۔ نقاب کے پیچھے سے جو صورت نظر آئی، اسے دیکھتے ہی مادام کمپیوٹر نے وکٹر کے ذریعے چیخ کر پوچھا "کہاں ہے گوری سجاتہ؟"

لاش نے ایک انگڑائی لیتے ہوئے کہا "ہائے اللہ! ذرا سانس تو لینے دو۔ دو سو سال سے لیٹے لیٹے کمر دُکھنے لگی ہے۔ رہ گئی گوری سجاتہ۔ تو وہ ہے۔ ضرور ہے اور اس وقت اس صندوق کے تمام ہیرے جواہرات کے ساتھ ایک طیارے میں سفر کر رہی ہے۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ گوری سجاتہ تمام ہیرے جواہرات کے ساتھ ایک طیارے میں سفر کر رہی تھی اور اس کی نگرانی اعلیٰ بی بی کر رہی تھی۔ ہم نے جو تہ خانے میں اتنا دشوار گزار سفر کیا تھا تو وہ رائیگاں نہیں گیا تھا۔ ہم نے جو چالیں چلی تھیں۔ وہ مادام کمپیوٹر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اور اب جو کچھ سامنے آرہا تھا۔ وہ اسے کسی طرح برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ شدید غصّے اور جھنجلاہٹ میں مبتلا ہو کر کہہ رہی تھی "ذلیل! کمینی! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ ناکامیوں کے عذاب میں مبتلا ہو کر اسے گالیاں دے رہی تھی۔ جو تابوت میں بیٹھی انگڑائیاں لے رہی تھی اور مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اور جو مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی وہ سونیا تھی۔

باڈلی سپیرن اور پروفیسر نائیڈو بھی ہیں۔ اپنے آدمیوں کو اچھی طرح سمجھا دو، ہمارے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ ہو۔ ہمارے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوگی تو کسی لمحے بھی بات بگڑ جائے گی۔ پھر اس بگڑی کو تم نہیں بنا سکوگی۔"

مادام کمپیوٹر نے اپنے آدمیوں سے کہا "کسی طرح کی چھیڑ چھاڑ نہ ہو۔ میں جا رہی ہوں۔ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد تم لوگوں سے رابطہ قائم کروں گی۔ ان پر کڑی نظر رکھو۔"

وکٹر بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ اس کا مطلب تھا، مادام کمپیوٹر جا چکی ہے۔ سونیا تابوت سے نکل آئی تھی۔ اب بیگ میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالنا چاہتی تھی۔ جوزف نے للکارتے ہوئے کہا "خبردار! تمہارے چاروں طرف موت ہے۔"

اس نے حیرانی سے کہا "تعجب ہے، موت چاروں طرف ہے، پھر بھی زندگی سے ڈرتی ہے۔"

اس نے بیگ میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا آئینہ اور لپ اسٹک نکالی۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھ کر اپنے لبوں پر سُرخی جمانے لگی۔ باڈلی سپیرن نے کہا "اے ری میتا! اگاڑی پچھاڑی بندوقیں تنی ہیں اور یہ فیشن کر رہی ہے۔ اری کسے دکھا رہی ہے؟"

سونیا نے اسے مسکرا کر دیکھا، پھر کہا "اپنے مرد کو۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"میرے دماغ میں ہے، مجھے دیکھ رہا ہے۔"

باڈلی نے تعجب سے پہلے مجھے پھر سونیا کو دیکھا اس کے بعد کہا "یہ کہتا ہے اس کی گھر والی دماغ میں رہتی ہے، تو کہتی ہے تیرا گھر والا دماغ میں رہتا ہے۔ یہ چکر کیا ہے!"

ہم دونوں ہنسنے لگے۔ سونیا نے میرے سامنے آکر کہا "سجاد! تم بالکل خاموش رہوگے۔ میں فرہاد سے مخاطب ہو رہی ہوں۔"

پھر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی محبت سے پوچھا "جانِ سونیا! میں کیسی لگ رہی ہوں؟"

میں خاموش رہا۔

سونیا نے پھر پوچھا "تم جواب کیوں نہیں دیتے؟"

میں نے زبان سے کہا "تم نے سجاد کو چپ رہنے کے لیے کہا۔ میں اس کی زبان سے بولوں گا تو تم سمجھوگی سجاد بول رہا ہے۔"

وہ جان بوجھ کر ہی میرے سامنے آئی تھی اور مجھے سجاد کہہ کر تمام مخالفین کو مزید یقین دلا رہی تھی کہ میں سجاد ہوں۔ اور اس کے پیچھے چھپے ہوئے فرہاد سے سونیا مخاطب ہے۔

لیکن بات صرف اتنی نہیں تھی۔ اس کا مطلب اور کچھ تھا چونکہ ہم نے اس کے دماغ کو لاک کیا ہوا تھا۔ خیال خوانی کے ذریعے آئندہ پروگرام کے متعلق کچھ بتا نہیں سکتے تھے اس لیے اس نے اشارتی زبان استعمال کی تھی۔ یعنی سُرخ رنگ خطرے کی علامت ہوتا ہے۔ اس نے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا کر پوچھا تھا "کیا میں خطرہ بن جاؤں؟"

"میں آدھے گھنٹے کے بعد جواب دوں گا، تم لپ اسٹک لگا کر حسین نظر آ رہی ہو یا سنگین۔"

وہ سمجھ گئی۔ مادام کمپیوٹر نے آدھے گھنٹے بعد آنے کے لیے کہا تھا۔ اس کے بعد ہی فیصلہ ہونے والا تھا کہ ہم بدستور ان کی قید میں رہیں گے یا کچھ کرکے دکھائیں گے۔

میری داستان کے اس مرحلے میں بہت سی باتیں وضاحت طلب ہیں۔ مثلاً۔

گوڑی سجاتہ کون ہے؟

اس کی تاریخی حقیقت کیا ہے؟

مادام کمپیوٹر کو یہ راز کیسے معلوم ہوا کہ گوڑی سجاتہ ہیرے جواہرات اور لعل و گوہر سے تراشی گئی ہے؟

کیا یہ دو سو سال سے تہ خانے کے اس حصے میں پڑی ہوئی ہے؟

قدیم تاریخی مسودے اور تہ خانے کا نقشہ مادام کمپیوٹر کے ہاتھ کیسے لگا؟

رسونتی، اعلیٰ بی بی، سونیا اور مجھ کو تہ خانے کے چور راستے کا علم کیسے ہوا؟ اور ہوگیا تو میں مادام کمپیوٹر کی ٹیم کے ساتھ دشوار گزار راستے سے کیوں آیا؟

اور جب آ ہی گیا تو سونیا بھی میرے ساتھ دشمنوں کے نرغے میں پھنسنے کے لیے تابوت میں کیوں ہماری منتظر رہی؟

میرا خیال ہے، میں ان تمام سوالات کے جواب نہ دوں۔ جواب وہ دے جس نے گوڑی سجاتہ کا قصہ چھیڑا تھا۔ وہ چھیڑنے والی مادام کمپیوٹر ہے۔ اگر یہ گوڑی سجاتہ سے پہلے اپنا ہی قصہ چھیڑ دے تو آپ یقیناً زیادہ دلچسپی سے پڑھیں گے۔

تو آئیے، پڑھیے مادام کمپیوٹر کی کہانی خود اسی کی زبانی۔

جب تک کسی کو میرا علم نہ ہو، میں نامعلوم ہوں۔
جب تک کوئی میرے نام سے واقف نہ ہو، میں گمنام ہوں۔

انسان اپنے رابطے سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ چونکہ میں کمپیوٹر کے ذریعے پہچانی جاتی ہوں، اس لیے سب مجھے مادام کمپیوٹر کہتے ہیں۔ یہ لفظ مادام انگریزی کے میڈم سے ماخوذ نہیں ہے۔ یہ ایک عربی لفظ مدام ہے جس کے معنی ہیں ہمیشہ اور تسلسل میں رہنے والی شے۔ میرے والدین بھی چاہتے ہیں، میں ہمیشہ قائم رہوں۔ دنیا کے تمام والدین اپنے بچوں کو دائم و قائم رہنے کی دعائیں دیتے ہیں۔

میرے والدین کی دعاؤں کے طفیل میرا نام شیلا دام ہے۔ میرے ڈیڈی پہلے مسلمان تھے پھر ایک انگریز عورت سے شادی کرکے عیسائیت قبول کرلی اور اپنا نام جیکب نارمن رکھ لیا اور نیویارک میں جاکر آباد ہوگئے تھے۔ ان کا خیال تھا، ایک امریکی عورت سے شادی کرنے کے بعد ان کے دن پھر جائیں گے۔ انہیں یا تو کوئی بڑا بزنس ہاتھ آئے گا یا وہ کسی سرکاری شعبے میں اعلیٰ عہدہ حاصل کرلیں گے لیکن نیویارک میں عیسائیوں سے زیادہ یہودیوں کی آبادی تھی اور ان کا ہی بول بالا تھا۔

ان کی امریکن بیوی دو برس کے بعد ہی مرگئی۔ میرے ڈیڈی یہودیوں کی سوسائٹی میں زیادہ رہتے تھے۔ ان کے ہی رنگ میں رنگتے جا رہے تھے۔ یہ رنگ اور زیادہ پختہ ہوا جب انہیں ایک یہودی لڑکی سے عشق ہوگیا۔ وہ دوشیزہ شادی کے بعد میری ماں بن گئیں۔ ان کا نام موریہ مامون تھا۔ میری امی اور میرے ماموں نے یہ شرط عائد کردی تھی کہ میرے ڈیڈی اپنا مذہب تبدیل کریں گے اور یہودیت قبول کریں گے تو شادی ہوسکے گی۔ انہوں نے اسے قبول کرلیا اور میری امی ان کی شریکِ حیات بن گئیں۔

میرے ماموں ہرزل مامون اسرائیلی ہائی کمان کے ایک اعلیٰ افسر تھے اور میرے نانا نوبل مامون بہت بڑے بزنس مین تھے بلکہ اب بھی ہیں۔ مکاری اور منافع خوری میں کوئی ان کا ثانی نہیں ہے۔ کاروباری معاملات میں بڑے بڑے بزنس مین ان کا نام سُن کر کان پکڑتے ہیں۔ انہیں ان کے اصل نام نوبل مامون کے بجائے مارچنٹ مامون کہتے ہیں۔

شادی کے بعد میرے ماموں ہرزل مامون نے میرے ڈیڈی کو اسرائیلی انٹیلی جنس میں ملازمت دلائی۔ اس شعبے میں کچھ میرے ڈیڈی کی ذہانت رہی، کچھ میرے ماموں کی سفارشوں نے کام کیا۔ وہ رفتہ رفتہ انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل بن گئے۔

جب میں چھ برس کی ہوئی تو مجھے اسرائیلی حکومت کے ایک خاص ٹریننگ سینٹر میں داخلہ مل گیا۔ اس ٹریننگ سینٹر میں بچوں کے رجحان کو دیکھ کر ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اس ٹریننگ سینٹر میں کئی شعبے ہیں۔ مثلاً ایک شعبہ سراغرسانی کا ہے۔ اگر کوئی حاضر دماغ و ذہین ثابت ہو اور اس کا رجحان سراغرسانی کی طرف ہو تو اسے ایسی ٹریننگ بچپن سے دی جاتی ہے۔ انہیں ہاسٹل میں رکھا جاتا ہے۔ ہفتے میں ایک دن والدین سے ملنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ دوسرا شعبہ سیکرٹ سروس کا ہے۔ اس میں اور زیادہ حاضر دماغی اور ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر یہ دیکھا جاتا تھا کہ لڑکے کس حد تک خوبرو اور لڑکیاں کتنی حسین ہیں...... آگے چل کر ان کی شخصیت میں کس طرح زیادہ سے زیادہ نکھار پیدا کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ بیرونی ممالک جاکر اپنے ملک کے لیے اہم فرائض انجام دے سکیں۔

جب میں پندرہ برس کی ہوئی تو اپنے ملک میں ٹیلی پیتھی کا چرچا سننے لگی۔ یوں تو یہ علم زمانۂ قدیم سے ہے لیکن اس میں نمایاں طور پر کسی نے مہارت حاصل نہیں کی تھی۔ اگر کی ہوگی تو اس کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ ان دنوں ہمارے ملک میں ٹیلی پیتھی کے علم کے ساتھ فرہاد علی تیمور اور رسونتی کے نام کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ محترم ربی اسفندیار نے حکومت کو مشورہ دیا کہ یہ دو نام ٹیلی پیتھی کا سیلاب لے کر ہماری سرحدوں میں داخل ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا پہلے ہی دفاعی تدابیر کرلینا چاہئیں۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ ہم اپنے ٹریننگ سینٹر میں اس کا ایک شعبہ قائم کریں۔ اس علم کی تحقیقات کے لیے، اس کے حصول کے لیے ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں۔

ٹیلی پیتھی کے علم سے سبھی خوف زدہ رہتے ہیں۔ یہ اَن دیکھا ہتھیار مضبوط سے مضبوط دفاعی لائنوں کو توڑ کر سرحدوں میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سرحدیں بنانے والوں کے دماغوں میں بھی پہنچ جاتا ہے۔ اسرائیلی مملکت اگرچہ نوزائیدہ ہے مگر کسی کی محتاج نہیں ہے۔ دولت کی فراوانی ہے اور دنیا کی سُپر طاقتوں سے سیاسی کھیل کھیلنا جانتی ہے۔ ہمارے حکام نے بڑی سے بڑی قیمت دے کر دو ماہرین کی خدمات حاصل کیں۔ وہ دونوں اس علم کے متعلق گہری معلومات رکھتے تھے لیکن خود خیال خوانی نہیں کرسکتے تھے۔ ان میں ایسی کون سی کمزوری تھی، اس بات کا وہ خود سراغ نہیں لگا سکے۔ وہ محض طریقۂ کار بتا سکتے تھے۔ ان پر عمل کرا

سکتے تھے اور عمل کے دوران مکمل نگرانی کر سکتے تھے۔ اس علم کے حصول کے لیے طلباء اور طالبات میں جو خوبیاں ہونا چاہئیں، ان خوبیوں کا سراغ لگا سکتے تھے۔

اس طرح انھوں نے میرا سراغ لگایا۔ میرے علاوہ اور کئی طلباء اور طالبات تھے۔ مجھ میں ایک خوبی بدرجۂ اتم تھی۔ وہ یہ کہ میں جس چیز کو دیکھتی تھی، اسے دیکھتی ہی رہ جاتی تھی۔ پھر کتنے ہی عرصے بعد کوئی مجھ سے اس کے متعلق پوچھتا تو میں اس کی پوری تفصیل بتا سکتی تھی۔

یعنی جو چیز نگاہوں کے سامنے ہوتی، اسے میں اپنے دماغ میں نقش کرنا، جذب کرنا جانتی تھی۔ جب میری تربیت شروع ہوئی تو میں نے شمع کی لَو کو اپنے دماغ میں جذب کرنا شروع کیا۔ میں اس سلسلے میں اپنی ایک کمزوری کا ذکر کروں گی اور وہ یہ کہ میں اکثر بیمار رہتی تھی۔

میں فطری طور پر ضدی ہوں۔ جس بات کا ارادہ کر لیتی ہوں، اسے کر کے ہی رہتی ہوں۔ یہ میری پختہ قوتِ ارادی کی دلیل ہے۔ میرے اعصاب مضبوط ہیں۔ میں کسی بات سے بھی پریشان نہیں ہوتی۔ کوئی فکر مجھ پر غالب نہیں آتی۔ بس کبھی کبھی جسمانی طور پر بیمار پڑ جاتی ہوں۔ تربیت حاصل کرنے کے دوران جانے مجھے کیا ہو جاتا تھا۔ سر درد کرنے لگتا تھا اور میری تربیت ادھوری رہ جاتی تھی۔

انھی دنوں یہ خوش خبری سننے میں آئی کہ مادام رسونتی سے ہماری دوستی ہو گئی ہے اور مادام رسونتی نے وعدہ کیا ہے کہ جلد ہی فرہاد کو بھی ہماری دوستی کی طرف مائل کر لے گی۔

لیکن فرہاد جانے کیوں ہماری قوم سے، ہمارے ملک سے مخالفت رکھتا ہے۔ وہ ہم سے دوستی پر آمادہ نہ ہوا۔ پھر پتا چلا، رسونتی ذہنی طور پر کمزور ہو گئی ہے اور اس کی خیال خوانی کی صلاحیتیں مفلوج ہو گئی ہیں، جب تک اس کا باقاعدہ علاج نہیں ہوگا، وہ اپنی صلاحیتیں دوبارہ حاصل نہیں کر سکے گی۔ باقاعدہ علاج کرانے کے لیے اسے تل ابیب لایا گیا۔ یہیں میں نے پہلی بار مادام رسونتی کو دیکھا۔ ایک بار سونیا بھی قیدی بنا کر لائی گئی تھی۔ اس کے ذریعے فرہاد کو دوستی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن ناکامی ہوئی۔ تب بلیک میلنگ کی گئی۔ یہ شرط لگائی گئی کہ سونیا کو اس وقت رہا کیا جائے گا جب فرہاد ہم میں سے کچھ طلباء و طالبات کو اپنا علم سکھائے گا۔ ان دنوں ہمیں سونیا سے دور رکھا جاتا تھا تاکہ اس کے ذریعے فرہاد ہم تک نہ پہنچ سکے۔ ہمارے افسروں کا خیال تھا کہ وہ انتقاماً ہمارے دماغوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے تاکہ ہم کبھی یہ علم نہ سیکھ سکیں۔

بہر حال سونیا یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئی اور فرہاد سے ہماری دوستی نہ ہو سکی۔ اس دوران میں تربیت حاصل کرتی رہی۔ کبھی بیمار پڑتی رہی، کبھی صحت مند ہو کر پوری توجہ سے درجہ بدرجہ تمام مشقوں سے گزرتی رہی۔ وہ میرے بہت ہی مصروف ترین دن تھے۔ صرف مشقیں حاصل کرنے تک مصروفیات نہیں تھیں۔ مجھے کئی زبانیں سکھائی جا رہی تھیں۔ یوں تو میں پہلے ہی انگریزی اور عبرانی زبان جانتی ہوں۔ سب سے پہلے مجھے جو زبان سکھائی گئی وہ اردو تھی کیوں کہ یہ فرہاد کی زبان تھی۔ اس لیے اسے سب سے پہلے سکھایا گیا۔

ہمارے ہاں اس بات کا ریکارڈ ہے کہ فرہاد، رسونتی اور سونیا کتنی زبانیں جانتے ہیں۔ اس کے مطابق مجھے اردو کے بعد جاپانی زبان سیکھنے کے لیے کہا گیا لیکن میں پھر بیمار پڑ گئی۔ میرے اساتذہ نے کوئی زیادہ توجہ نہیں دی، کیونکہ میں عام طالبات کی طرح تھی۔ ابھی خیال خوانی کا فن مجھ سے بہت دور تھا اور نہ جانے میں وہاں تک پہنچ بھی سکتی تھی یا نہیں؟

میں اپنی تربیت گاہ میں سب سے نازک اندام لڑکی تھی۔ مجھ میں آج بھی اتنی نزاکت اور نفاست ہے کہ میں کسی کے قریب بیٹھنا گوارا نہیں کرتی۔ بحالتِ مجبوری کچھ دیر کے لیے کسی کو برداشت کر لیتی ہوں۔ اتنی بڑی دنیا میں صرف میری ایک ماں ہے جسے میں ماما کہتی ہوں۔ میں آج بھی اُن کے سینے پر سر رکھ کر سو جاتی ہوں۔ کسی اور کے اتنا قریب نہیں جاتی۔ اگر کوئی میرے آس پاس ذرا سا چھینک لے یا کھانسنا کھنکارنا شروع کرے تو میں اسے کبھی برداشت نہیں کرتی۔ چونکہ اس پر کبس نہیں چلتا، اس لیے وہاں سے خود اُٹھ جاتی ہوں، دور چلی جاتی ہوں۔ ہاسٹل میں میرے لیے علیحدہ کمرہ ہے اور میں اپنے کمرے میں کسی کو آنے نہیں دیتی۔

میری ان عادتوں کے باعث طلباء و طالبات مجھ سے نک چڑھی کہتے ہیں اور میرے اساتذہ مجھے مغرور سمجھ کر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ میں ان حالات میں شمع بینی کے مراحل سے گزرتی جا رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ہمارے محترم ربی اسفند یار تربیت گاہ کا معائنہ کرنے تشریف لائے۔ وہ سال میں ایک بار ضرور آتے تھے۔ اس سال کے اختتام پر ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ میں نے انہیں دیکھا، پھر دیکھتی ہی رہ گئی۔ چند سیکنڈ کے بعد انھوں نے خود ہی نظریں ہٹا لیں۔ مجھ سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

میں نے بدستور ان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "شیبا مدام۔"

"اچھا تو کیا تم وہی ہو جو اکثر بیمار رہتی ہے۔"

میں نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا "جی ہاں، بیماری میرے بس میں نہیں ہے جو بس میں ہے، اس کے لیے کوشش کر رہی ہوں۔ محترم ربی کی روحانی کرامات کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ اگر آپ مجھ پر عنایت فرمائیں اور میرے مرض کی تشخیص کریں تو یقین کامل ہے، میں بیماریوں سے نجات حاصل کر لوں گی۔"

انھوں نے سر ہلایا۔ پھر تربیت گاہ کے پرنسپل سے کہا "میں شیبا کی پروگریس رپورٹ پڑھنا چاہتا ہوں۔"

پھر انھوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "بیٹی! میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اتنی نرمی اور میٹھے انداز میں بولتے ہیں کہ دل اُن کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ وہ میرے پاس سے گھوم کر جانے لگے۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں آپ ہی آپ ان کی طرف کھنچی جا رہی ہوں۔ ان کی چال میں بڑا استقلال تھا جیسے ایک توانا اور فاتح بھاری بھر کم شخصیت کے ساتھ باوقار انداز میں چل رہا ہو۔ اس کا ہر قدم دھڑکتے ہوئے دل پر پڑتا جا رہا ہو۔

آج تک محترم ربی کے سامنے کسی نے سر اٹھا کر گفتگو نہیں کی تھی۔ کجا یہ کہ میں نے چند سیکنڈ تک آنکھیں ملائی تھیں۔ شاید یہ گستاخی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود انھوں نے نہایت ہی نرم اور شیریں لہجے میں گفتگو کی تھی۔ میں ان کے پیچھے چلتے ہوئے ایک کمرے میں آئی۔ انھوں نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر ایک کرسی میرے سامنے کھینچ کر بیٹھ گئے۔ ایک منٹ کے بعد ہی میری پروگریس رپورٹ وہاں پہنچ گئی۔ انھوں نے پرنسپل کو حکم دیا "آپ لوگ باہر جائیں۔"

وہ سب چلے گئے۔ انھوں نے اٹھ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر میرے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ میری پروگریس رپورٹ کو شروع سے آخر تک دیکھنے لگے۔ یوں تو میں سرکاری طور پر چار برس کی عمر سے ہی تربیت حاصل کر رہی تھی لیکن ٹیلی پیتھی کا جو نیا شعبہ قائم کیا گیا تھا، وہاں داخلے کے بعد میرا تیسرا سال تھا۔ وہ پہلے سال سے لے کر تیسرے سال تک کی رپورٹ بڑی توجہ سے پڑھتے جا رہے تھے۔ پھر انھوں نے وہ تمام رپورٹیں ایک طرف رکھ دیں۔ مجھے مخاطب کیا۔ میں سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ انھوں نے کہا "شیبا! میری آنکھوں میں دیکھو۔"

میں نے جھجکتے ہوئے کہا "محترم ربی! مجھ سے گستاخی ہوئی تھی۔ میں آپ سے نظریں ملانا نہیں چاہتی تھی لیکن کیا کروں، پچھلے ڈھائی برس سے شمع بینی کی مشق کرتے کرتے میری نظر ایک جگہ ٹھہر جانے کی عادی ہو گئی ہے۔"

انھوں نے نرم لہجے میں کہا "ٹیلی پیتھی کے علم پر دسترس رکھنے والے ایک استاد نے تمہاری عادات کے متعلق جو رپورٹ لکھی ہے، اسے میں پڑھ چکا ہوں۔ تم بچپن ہی سے ہر چیز کو ایک ٹک دیکھتے رہنے کی عادی ہو۔ تمہاری یادداشت حیرت انگیز ہے۔ جس چیز کو ایک بار نظر بھر کر دیکھ لیتی ہو، اسے پوری تفصیل سے یاد رکھتی ہو۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "جی ہاں، آپ کی دُعائیں ہیں۔"

"جب تم نے مجھ سے نظریں ملائیں تو جانتی ہو میں نے کیا دیکھا؟"

میں نے بے اختیار سر اٹھا کر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ انھوں نے کہا "تم جانتی ہو، میں تنویمی عمل کے ذریعے دلوں کے بھید معلوم کر لیتا ہوں۔"

"جی ہاں، بزرگ محترم! میں جانتی ہوں۔"

"جب تم نے مجھ سے نظریں ملائیں تو میں نے دیکھا، تمہاری آنکھوں کی دونوں پتلیوں کی جگہ شمع کی لوئیں روشن تھیں۔"

میں ایک دم سے کانپ گئی۔ بے یقینی سے انھیں دیکھنے لگی۔ انھوں نے کہا "اس رپورٹ کے مطابق تمہاری عمر اٹھارہ برس ہے۔ اٹھارہ برس کی لڑکیوں کی آواز میں ایسا ٹھہراؤ، ایسی پختگی نہیں ہوتی جو تمہاری آواز اور لہجے میں آ گئی ہے۔ میری آنکھوں سے کوئی عام آدمی آنکھیں نہیں ملا سکتا مگر تم ملا رہی تھیں۔"

"میں ایک بار پھر معافی کی خواستگار ہوں۔"

"میں ناراض نہیں ہوں، بہت خوش ہوں اور تمہیں نیک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔"

"بزرگ محترم! آپ مشورہ نہیں، حکم دیجیے۔ یہ کنیز اس پر عمل کرے گی اور فخر کرے گی۔"

"شاباش بیٹی! میری ہدایت ہے، آئندہ تم کسی سے آنکھ ملا کر باتیں نہ کرو۔ تم جس سے آنکھیں ملاؤ گی، تمہاری نظریں اس کے دماغ میں چبھیں گی۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ تم نظریں جھکا کر گفتگو کیا کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری کامیابی

کا علم سب کو ہو۔"

میں نے خوش ہو کر پوچھا: "محترم ربی! کیا میں اس علم میں کامیابی حاصل کرنے والی ہوں؟"

"ہاں! میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ آج سے تم اس تربیت گاہ میں نہیں رہو گی۔"

میں نے انھیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ انھوں نے کمال شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "اب تم میری بیٹی ہو اور میرے پاس رہو گی۔ بڑی رازداری سے خیال خوانی کے مرحلے تک پہنچنے کی کوشش کرو گی۔"

انھوں نے اپنی کرسی کو میرے اور قریب کر لیا۔ پھر سرگوشی میں سمجھانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے تربیت گاہ کے پرنسپل کو بلایا اور اس سے کہا: "میں نے اس لڑکی کی تمام رپورٹ پڑھ لی ہے۔ اس کی میڈیکل رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ٹیلی پیتھی کے شعبے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکے گی۔ تعجب ہے اتنے دنوں سے خواہ مخواہ کیوں اسے آزمایا جا رہا ہے۔ میرا مشورہ ہے، اس کا نام یہاں سے خارج کر دیا جائے۔"

پرنسپل نے ادب سے کہا: "آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

"مجھے اس بچی سے ہمدردی ہے۔ میں اس کا روحانی علاج کروں گا۔" انھوں نے اُٹھتے ہوئے کہا: "بیٹی! تم جب چاہو، علاج کے لیے اپنے والدین کے ساتھ میرے یہاں آسکتی ہو۔"

محترم ربی جانے لگے۔ سب ایک طرف اَدب سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ میں نے بھی سر جھکا لیا تھا۔ محترم ربی کی ہدایت پر میرے والدین کو اطلاع دے دی گئی تھی۔ وہ میرے لیے گاڑی لے کر آئے۔ میں نے اس تربیت گاہ سے ٹرانسفر سرٹیفکیٹ حاصل کیا اور والدین کے ساتھ اپنے گھر چلی آئی۔

مجھے ابھی اس بات کا یقین نہیں تھا کہ میں خیال خوانی کے مرحلے تک پہنچ سکوں گی۔ تربیت گاہ سے نکلنے کے دوسرے دن ہی میری رہائش کا انتظام محترم ربی کی محل نما کوٹھی میں کیا گیا۔ وہاں ربی کے حکم کے بغیر پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا تھا۔ اعلیٰ حکام بھی ان کی اجازت سے داخل ہوتے تھے۔ اس رہائش گاہ کے اطراف بہت دور دور تک اونچی چار دیواری تھی اور اس چار دیواری کے باہر مسلح گارڈز دن رات موجود رہتے تھے۔ یہاں کے پُرسکون اور آرام دہ ماحول میں میں نے شمع بینی کے تمام مراحل طے کر لیے۔

میں سمجھتی ہوں، اگر مجھے محترم ربی سے باپ کی شفقت اور توجہ نہ ملتی تو شاید میں یہ علم حاصل نہ کر سکتی۔ انھوں نے مجھے ہر طرح کا آرام پہنچایا۔ کبھی کبھی وہ مجھ پر تنویمی عمل کرتے تھے۔ اس کے ذریعے میری بیماری دور کرتے تھے۔ میرے دماغ میں یہ پختگی پیدا کرتے تھے کہ میں پوری توجہ اور بارتکاز توجہ کے ساتھ ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کر رہی ہوں اور جلد ہی ٹیلی پیتھی کی انتہا تک پہنچنے والی ہوں۔

مجھے یہاں رازداری سے اس لیے رکھا گیا تھا کہ تربیت گاہ کے طلباء و طالبات مجھے پہچانتے تھے۔ انہیں یہی تاثر دیا گیا تھا کہ میں ٹیلی پیتھی کے معاملے میں ناکارہ ہوں اور یہ علم کبھی حاصل نہیں کر سکوں گی۔ لہٰذا مجھے وہاں سے نکال دیا گیا ہے۔

بہرحال محترم ربی کے تنویمی عمل نے مجھے بہت سہارا دیا۔ میں نے شمع بینی کے بعد التسخیر کی مشق شروع کر دی۔ اس مشق کے لیے کھلی اور پُرسکون جگہ کی ضرورت تھی۔ میں رہائش گاہ کے باہر خوب صورت باغیچے میں یہ مشق کرنے لگی۔ یہاں کوئی مداخلت کرنے والا نہیں تھا۔ میں نے ایک درخت کے تنے پر ایک ننھا سا سیاہ دائرہ بنا لیا تھا۔ روزانہ اس کے سامنے ذرا فاصلے پر پلتھی مار کر بیٹھ جاتی تھی اور اس ننھے سیاہ دائرے پر نگاہیں جمائے رکھتی تھی۔

ہفتے اور مہینے گزرنے لگے۔ ایسی مشقوں کے دوران کئی بار مجھ سے غلطیاں ہوئیں ۔۔۔ اکثر انجانا سا خوف طاری ہوتا تھا۔ ایسے وقت ربی مجھے سنبھال لیا کرتے تھے۔ کبھی میرا ذہنی توازن بھی ڈگمگایا۔ کبھی تیز بخار بھی آیا اور کبھی مجھ پر دیوانگی کا عالم بھی طاری ہوا۔ اگر محترم ربی میرے پاس نہ ہوتے تو شاید میں اس دنیا سے اٹھ چکی ہوتی۔

وہ مجھے بڑی محبت سے، بڑی توجہ سے سنبھالتے تھے اور تنویمی عمل کے ذریعے میرے دماغ میں زیادہ سے زیادہ حوصلہ اور قوتِ ارادی پیدا کر رہے تھے۔ میں التسخیر کی مشقوں سے بھی گزرتی جا رہی تھی۔ پہلے جو ننھا سا سیاہ دائرہ بنایا تھا، اس دائرے کو بتدریج بڑا کرتی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ چنے کے برابر دائرہ بڑھتے بڑھتے چاند کے برابر ہو گیا۔ ربی اسفندیار بہت خوش تھے۔ میں انہیں اپنے تاثرات اور احساسات بتاتی جاتی تھی۔ دائرہ جتنا بڑھتا جاتا تھا، وہ میری نگاہوں کے سامنے اوجھل ہوتا جاتا تھا اور یہی کامیابی کی نشانیاں تھیں۔ حتیٰ کہ جب چاند کے برابر سیاہ دائرہ بھی میری نگاہوں

کے سامنے اوجھل ہونے لگا تو میں نے اپنی آنکھوں میں ایک عجیب سی پُراسرار قوت محسوس کی۔ میں جہاں نظریں اٹھا کر دیکھتی، وہاں بے شمار چاند کے برابر روشن دائرے جگمگانے لگتے۔ وہ سیاہ دائرے اب روشن ہو گئے تھے۔ یعنی مجھے تاریکی میں روشنی کا سراغ مل رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں مجھے انسانی دماغ کے تاریک نہ خانوں میں اُترنے کا راستہ نظر آتا جا رہا تھا۔

ربی اسفندیار خوشی سے میری پیشانی چومتے تھے، میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیتے تھے اور میرا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ پھر میں نے اس سلسلے کی آخری مشقوں کا آغاز کیا اور وہ کشفِ سمعی کی مشقیں تھیں۔ کشفِ سمعی کے ذریعے... فضا میں بکھری ہوئی گم گشتہ آوازوں کو سُننے کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ میں رات کے پچھلے پہر تین بجے بیدار ہوتی تھی اور اسی باغیچے میں پہنچ جاتی تھی۔ اپنے دونوں کانوں میں روئی ٹھونس لیتی تھی تاکہ دنیاوی آوازیں مجھ تک نہ پہنچ سکیں۔ یوں بھی رات کو یہ عمل ہوتا تھا۔ اس رہائش گاہ کے اطراف دور دور تک کسی گاڑی کو یا کسی غیر متعلقہ شخص کو گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔

اب قوتِ سماعت سے اوروں کے دماغی خیالات کو سُننے کی مشق شروع ہو گئی، لیکن سننے کا عمل کانوں سے نہیں تھا، دماغ سے تھا۔ ایک تو میں دُھن کی پکّی ہوں ۔۔ دوسرے ربی اسفندیار جیسی شخصیت نے مجھے سہارا دے رکھا تھا۔ وہ مجھے ہر مشکل وقت میں سنبھال لیتے تھے۔ اس طرح میں ان مشقوں سے بھی گزرنے لگی۔ اس عمل کے دوران میں آوازوں کی ایک نادیدہ اور پُراسرار دنیا میں سفر کرنے لگی۔ کبھی انجانی اور کبھی جانی پہچانی آوازیں میری سماعت تک پہنچتی تھیں، لیکن اس سماعت کا تعلق میرے کانوں سے نہیں، میرے دماغ سے تھا۔ میں اکثر محسوس کرتی کہ عجیب و غریب سحر انگیز آوازیں میرے دماغ کو چھو رہی ہیں اور چھو کر گزر رہی ہیں۔

میں آہستہ آہستہ رازہائے سماعت کے پردے اٹھاتی جا رہی تھی۔ کچھ عرصے بعد آوازوں کی بھیڑ چھٹنے لگی۔ وہ انتشار ختم ہونے لگا جو ابتدا میں تھا۔ اب میں ایک ہی وقت میں ایک ہی آواز سُننے کی کوشش کرتی تھی اور کامیاب ہو جاتی تھی۔

انسان دانستہ یا نادانستہ اپنی محبوب چیزوں کی طرف جاتا ہے۔ میں بیان کر چکی ہوں، مجھے اتنی بڑی دنیا میں صرف اپنی ماں سے بہت اُنسیت ہے۔ میں انہیں ماما کہتی ہوں اور اکثر تنہائی میں انہی کو یاد کرتی ہوں۔ ایسی مشقوں کے دوران جب کہ میں ایک وقت میں ایک ہی آواز سُننے کی عادی ہوتی جا رہی تھی تو میں نے ماما کی آواز سُنی تھی۔ اب مجھے معلوم ہو چکا تھا، اپنے دماغ کے اندر کسی کی آواز کیسے سنی جاتی ہے۔ یہ محض ٹیلی پیتھی پر منحصر نہیں ہے۔ ہر انسان ذرا توجہ سے اپنے کسی عزیز یا محبوب کی کسی پچھلی گفتگو کو یاد کرے تو وہ گفتگو اپنے محبوب کی مخصوص آواز اور لب و لہجے کے ساتھ دماغ میں تازہ ہو جاتی ہے۔

پہلے مجھے یہی گمان گزرا کہ میں اپنی ماما کے لب و لہجے کو یاد کر رہی ہوں مگر ان کی گفتگو پچھلی نہیں تھی۔ وہ اسی لمحے اپنے کمرے میں ڈیڈی سے باتیں کر رہی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں اپنی ماما کا دماغ بن گئی ہوں اور ان کی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ ان کا بیڈ روم نظر آ رہا ہے اور سامنے ڈیڈی غصّے سے ٹہل رہے ہیں۔

یہ میرا تصور بھی تو ہو سکتا تھا۔ ہم میلوں دور رہنے والے کے متعلق سوچتے ہیں تو تصوّر کی آنکھ سے ہمیں وہی کمرہ اور ان کا وہی انداز نظر آتا ہے جو ہم دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ بھلا اس کی تصدیق کیسے ہو سکتی تھی کہ میں امّی کے دماغ میں ہوں۔ میں ان کے ذریعے یا دوسرے لفظوں میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کے بیڈ روم کا منظر دیکھ رہی ہوں؟

ڈیڈی غصّے میں ٹہلتے ہوئے کہہ رہے تھے: "میں پوچھتا ہوں آخر ہماری بیٹی وہاں کیوں رہتی ہے۔ وہ ہماری ہے، اسے ہمارے گھر میں رہنا چاہیے۔ ہمارے ہاں کس چیز کی کمی ہے۔ اس کا نانا صرف تل ابیب کا نہیں بلکہ پورے اسرائیل کا سب سے بڑا امپورٹر ہے۔ میں یہاں انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر جنرل ہوں۔ ہمیں کس بات کی کمی ہے۔ کیا ہم اپنی بیٹی کی پرورش نہیں کر سکتے؟"

میری ماما نے نرمی سے جواب دیا: "وہ سدا بیمار رہتی تھی۔ جب سے محترم ربی نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا ہے، اسے بیٹی بنایا ہے، وہ صحت مند ہوتی جا رہی ہے۔ میں ماں ہوں، میرا دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ اسے کلیجے سے لگا کر رکھوں لیکن ممتا کا تقاضا یہ بھی ہے کہ بیٹی کی صحت اور خوشگوار زندگی کے لیے قربانیاں دے اور میں اپنی محبت کو قربان کر رہی ہوں۔ اس کے لیے اندر ہی اندر تڑپتی ہوں مگر اس کی خوشی میں خوش ہوں۔"

میرے ڈیڈی نے کہا: "کوئی کسی کو یونہی اپنے گھر میں

نہیں رکھتا۔ ہماری بچی جوان ہے۔ اس کا مثالی حسن کسی کی بھی نیّت کو ڈانواں ڈول کر سکتا ہے۔"

ماما نے غصّے سے کہا "زبان سنبھال کر بات کریں۔ کیا آپ محترم ربی پر گھٹیا انداز میں شبہ کرنے کی جرأت کر رہے ہیں؟"

"اس میں جرأت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آخر محترم ربی ایک انسان ہیں۔"

"اس سے آگے ایک لفظ نہ کہنا۔ میں جانتی ہوں، تمہارا کوئی ایمان، کوئی مذہب نہیں ہے۔ پہلے تم مسلمان تھے۔ پھر عیسائی بن گئے اور اب یہودی بن کر اتنے عرصے سے زندگی گزار رہے ہو مگر تمہارا دل دماغ نہ کسی خدا کو مانتا ہے نہ کسی پیغمبر کو۔ پھر تم کسی مذہب کو کیا مانو گے اور جب نہیں مانو گے تو کسی بھی مذہب کے بزرگ کی عزت کیسے کر سکو گے؟"

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ ایک بات کہہ دیتا ہوں، مجھے اپنی بیٹی چاہیے۔ یہ اتنا بڑا گھر اس کے بغیر ویران ہے۔"

"ہمارا اور بھی ایک بیٹا ہے، ایک بیٹی ہے۔"

"ہونے سے کیا ہوتا ہے، جو چیز گم ہو جاتی ہے اسی کی جستجو ہوتی ہے۔ اسی کے لیے دل تڑپتا ہے۔"

میں کشفِ سمعی کی قوتوں سے یہ باتیں سن رہی تھی مگر پھر بھی یقین نہیں تھا کہ اس لمحے میری ماما ڈیڈی کے ساتھ اپنے کمرے میں ہیں اور وہ دونوں مجھے موضوع بنا کر بحث کر رہے ہیں۔

میں تصدیق کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسی شہر میں تھے مگر مجھ سے بہت دور تھے۔ میں وہاں جا کر دیکھ نہیں سکتی تھی۔ البتہ اپنے قریب رہنے والوں کو کشفِ سمعی کے ذریعے آزما سکتی تھی۔ پھر میں نے آزمانا شروع کیا۔

میں نے شمع کی جلتی ہوئی لَو کا تصوّر کیا۔ وہ لَو میری نگاہوں کے سامنے سُلگنے لگی۔ پھر میں نے ربی اسفندیار کا تصوّر کیا۔ ان کا چہرہ اس جلتی ہوئی لَو کے درمیان نظر آنے لگا۔ میں نے چہرے سے قطع نظر ان کی آنکھوں کو توجہ سے دیکھا۔ اب شمع کی جلتی ہوئی لَو پر صرف ان کی دو آنکھیں نظر آئیں۔ مجھے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ تھا۔ میری نظریں ان کی خیالی نظروں سے ٹکرانے لگیں۔ اس کے بعد میں نے ان کی آواز اور ان کے لب و لہجے کو اندرونی سماعت سے سُننے کی کوشش کی اور پلک جھپکتے ہی کامیاب ہو گئی۔

میں نے دیکھا، ربی اسفندیار کچھ بے چین ہو گئے تھے۔ خلا میں گھورتے ہوئے کہہ رہے تھے "میں نے اپنے دماغ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ مجھے بتاؤ کون ہو؟ فرہاد تم ہو؟ رسونتی تم ہو؟"

محترم ربی کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کی لہریں نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ سانس روک لیتے ہیں۔ اس وقت انھوں نے دماغ کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اسی لیے میں ان کی باتیں سُن رہی تھی، لیکن یہ بھی تو میرا تصوّر ہو سکتا تھا۔

میں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی تھی۔ میں نے آزمانے کے لیے کہا "میں شیبا بول رہی ہوں۔"

وہ ایک دم سے چونک کر اپنی جگہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے "شیبا؟"

"ہاں، میں شیبا ہوں۔ ابھی جانے کیوں خوش فہمی میں مبتلا ہو رہی ہوں۔ آزمانا چاہتی ہوں۔ یہ خوش فہمی ہے یا حقیقت؟ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ محترم ربی کی آواز اور لب و لہجے کو پوری توجہ سے اپنی گرفت میں لے کر ان کے پاس پہنچ سکتی ہوں یا نہیں اور اگر پہنچ رہی ہوں تو میں محترم بزرگ سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ اپنا دماغ میرے لیے کُھلا رکھیں اور وہاں سے اُٹھ کر میرے پاس چلے آئیں۔"

میں نے دیکھا، محترم ربی تذبذب میں تھے۔ سوچ رہے تھے "کیا مجھے فریب دیا جا رہا ہے؟ کیا فرہاد اور رسونتی کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟ ۔۔ یا میری شیبا ہے؟"

وہ یک بیک اُٹھ کر کھڑے ہو گئے "ہاں شیبا ہو سکتی ہے۔ کیوں نہیں ہو سکتی؟ وہ تیزی سے کامیابیاں حاصل کرتی جا رہی ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے، مجھے اس کے پاس جانا چاہیے۔"

ربی اپنے روحانی عمل سے ساری دنیا کو سحر زدہ کر سکتے ہیں لیکن خود کسی سے سحر زدہ نہیں ہو سکتے۔ مگر میں نے دیکھا، اس لمحے ان پر ایسی ہی کیفیت طاری تھی جیسے میں نے سحر پھونک دیا ہو۔ وہ بے اختیار وہاں سے چلتے ہوئے اپنے کمرے سے نکل کر مختلف کمروں اور راہداریوں سے گزرتے ہوئے محل نما کوٹھی کے باہر آ گئے تھے۔

میری آنکھیں بند تھیں۔ میں شمال کی طرف رُخ کیے بیٹھی ہوئی تھی۔ مقناطیسی لہریں میرے دماغ کو چھو رہی تھیں۔ اور سوچ کی لہریں محترم ربی کے دماغ تک پہنچ رہی تھیں۔ حالانکہ ابھی تصدیق نہیں ہوئی تھی۔ ویسے میں انہیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے خوب صورت باغیچے کی

روشوں سے گزرتے ہوئے میرے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

انھوں نے چند لمحوں تک مجھے دیکھا، انتظار کیا، پھر وہاں سے ہٹ کر سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ دماغ نے کہا، آنکھیں کھول دو۔ بند آنکھوں کا سپنا کھلی آنکھیں پورا کر دیں گی اور جو سپنا پورا ہو جائے، اپنے معمول کو اپنی طرف کھینچ لائے، وہ سپنا نہیں ہوتا ٹیلی پیتھی کی لہریں ہوتی ہیں۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر ایک دم سے گڑبڑا گئی۔ ربی اسفندیار میرے سامنے کھڑے ہوئے مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ میرے سامنے دوزانو ہو گئے۔ میں نے پوچھا "محترم ربی! کیا یہ سب کچھ خواب ہے؟"

"بیٹی! کیسا خواب؟"

"آپ مجھے اتنا بتا دیں، اپنی مرضی سے آئے ہیں یا میں نے آپ کو بلایا ہے؟"

وہ مجھے بڑی پُرامید نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "میں نے اپنے دماغ میں اجنبی سوچ کی لہریں محسوس کیں۔ میں چاہتا تو سانس روک کر ان لہروں کو واپس کر دیتا مگر میں نے پوچھا تھا، میرے دماغ میں کون ہے۔ فرہاد ہے یا رسونتی؟ مگر مجھے جو جواب ملا، اس کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے تمہاری آواز، تمہارا لب و لہجہ سنائی دیا۔ اسی لب و لہجے میں جواب ملا کہ شیبا بول رہی ہے۔"

میں نے ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "میں نے ابھی یہی کچھ سُنا تھا۔ اپنی اندرونی سماعت سے سنا تھا۔ آپ پوچھ رہے تھے کون ہے۔ فرہاد ہے یا رسونتی ہے اور میں نے جواب میں اپنا نام بتایا تھا۔"

"بیٹی! پھر تم نے اس کے بعد کیا کہا تھا؟"

"میں خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہتی۔ میں خود کو آزما رہی ہوں۔ میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ میری سوچ کی لہریں آپ تک پہنچ رہی ہیں تو آپ وہاں سے چل کر میرے پاس آ جائیں تاکہ تصدیق ہو سکے؟"

"ہاں، ہاں بیٹی! بالکل یہی بات میں نے اپنے دماغ میں سُنی اور میں یہاں چلا آیا۔ اوہ میرے ربِّ عظیم! یہ تو کمال ہو گیا۔ میری بچی! پھر اپنی صلاحیتوں کو آزماؤ۔ میرے دماغ تک پہنچو۔ ہم زبان سے نہیں، سوچ کے ذریعے گفتگو کریں گے۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں، اسی طرح محترم ربی کا تصوّر کیا۔ اُن کی آواز اور لب و لہجے کو گرفت میں لیا، پھر پوچھا "کیا آپ اپنے دماغ میں میری آواز سُن رہے ہیں؟"

انھوں نے پوچھا "بیٹی! کیا تم نے ابھی مجھ سے پوچھا ہے کہ میں اپنے دماغ میں تمہاری آواز سن رہا ہوں؟"

"جی ہاں میں نے ابھی یہی پوچھا تھا۔"

وہ خوش ہو کر بولے "اوہ خدایا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ بیٹی تم کچھ اور پوچھو۔"

میں سوچ کے ذریعے پوچھتی گئی۔ وہ زبان کے ذریعے تصدیق کرتے گئے۔ پھر تو انھوں نے فرطِ مسرّت سے میرے دونوں بازوؤں کو بڑی نرمی سے تھام کر گھاس پر سے اٹھایا۔ میں ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ انھوں نے میرے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا، پھر فرطِ مسرّت سے میری پیشانی کو چوم لیا۔ مجھے دُعائیں دینے لگے۔ اب سے پہلے شاید ہی انہیں کسی نے مسکراتے دیکھا ہو۔ ان کے چہرے پر ایک ایسا رعب اور دبدبہ ہوتا تھا کہ نظریں جھک جاتی تھیں۔ اگرچہ وہ نرمی سے گفتگو کرتے تھے لیکن کبھی مسکراتے نہیں تھے۔ اس وقت میں نے انہیں خوشی سے بے حال دیکھا، جیسے ان کے اندر مسرتوں کی آندھی چل رہی ہو۔ اور وہ تنکے کی طرح اڑنے سے خود کو بچا رہے ہوں۔ انھوں نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا "میری بچی! اندر چلو۔"

میں ان کے حکم کے مطابق جانے سے پہلے سر جھکا کر ایک طرف ہٹ گئی تاکہ آگے وہ جائیں، پیچھے میں چلوں۔ ہمارے ربی کے آگے کوئی نہیں چلتا، سب ان کے پیچھے سائے کی طرح چلتے ہیں۔ اس بار انھوں نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "آگے چلو۔"

میں اُن کے حکم سے انکار نہ کر سکی اور آگے آگے چلنے لگی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا، ان کا ہاتھ صرف میرے شانے پر نہیں بلکہ پورے وجود پر چھایا ہوا ہے۔ وہ مجھے سایہ دے رہے ہیں۔ جیسے میں بیمار ہوں، مجھے ہوا نہ لگے۔ میں حسن کمال ہوں، کسی کی نظر نہ لگے۔ میں طویل مسافتوں کی ایک تنہا مسافر ہوں، مجھے دھوپ نہ لگے۔

وہ مجھے بڑی شفقت سے اندر لے آئے۔ ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر میرے سامنے بیٹھ کر میرے ایک ہاتھ کو تھام کر کہنے لگے "آج سے تمہاری آزمائشوں کا دور شروع ہو رہا ہے۔ تم کس قدر محبِ وطن ہو، اپنی قوم کے لیے، اپنے وطن کے لیے کتنی قربانیاں دے سکتی ہو؟"

میں نے سر جھکا کر کہا "اے بزرگ اعظیم تر پیشوائے یہود! اے محترم ربی! آپ کی روحانی عظمتوں سے ہمارے ملک اور قوم کا وقار قائم ہے۔ میں آپ کے لیے جان دوں گی تو گویا اپنے ملک اور قوم کے لیے قربانیاں دوں گی۔ آپ اسی لمحے یا کسی بھی لمحے حکم دے سکتے ہیں۔ آپ کی شان ہے حکم دینا۔ میرا فرض ہے جان دینا۔"

"شاباش بیٹی! میں پہلے ہی تنویمی عمل کے ذریعے معلوم کر چکا ہوں، تم بہت ہی فرماں بردار ہو۔ اپنے ملک اور قوم کے لیے کسی بھی وقت جان کی بازی لگا سکتی ہو۔ میری بے انتہا عزت کرتی ہو۔ میری خاطر سب کچھ قربان کر سکتی ہو لیکن بیٹے، ہماری دنیا میں انسان کی سوچ کو، اس کے مزاج کو، اس کی محبت اور وفاؤں کو بدل دینے کے لیے کئی ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً کسی طرح سے برین واش کیا جاتا ہے۔ آج تمہارے دل اور دماغ میں ہمارے لیے جو محبت اور وفائیں ہیں، انھیں بہ آسانی دھویا جا سکتا ہے۔ تمھیں سب سے زیادہ خطرہ فرہاد اور رسونتی کی طرف سے ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں۔ ایک میدان جنگ میں دو مخالف سپاہی نہیں رہ سکتے۔ میدان مارنے کے لیے وہ ایک دوسرے کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ نتیجے میں ایک ختم ہوتا ہے، دوسرا باقی رہ جاتا ہے۔ فرہاد اور رسونتی مجھے ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"میرا پہلا مشورہ ہے، تم فی الحال کسی ایسے میدان میں نہ آنا جہاں ان دونوں سے ٹکرانے کا ذرا بھی امکان ہو۔"

"میں نہیں آؤں گی، وہ ضرور آئیں گے۔"

"میرا دوسرا مشورہ ہے، ٹیلی پیتھی کے علم کو ہمیشہ راز میں رکھو۔ اگر تم چاہو تو میرے اور تمہارے سوا کسی تیسری ہستی کو اس کا علم نہیں ہو سکے گا۔"

"کیا یہ ممکن ہے؟"

"اگر تم قوتِ ارادی سے کام لو تو ممکن ہے۔ تنویمی عمل کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ تم اپنی ماما کو بہت چاہتی ہو۔ شاید دنیا میں ماں سے زیادہ عزیز ہستی تمہارے لیے کوئی نہیں ہے۔ تم ان سے بھی یہ علم چھپا سکتی ہو۔"

میں نے شدید حیرانی سے پوچھا "کیا اپنی ماما سے بھی؟"

"ہاں بیٹی! میری بات کو یوں سمجھو کہ محبت اور وفا اپنوں کے لیے ہوتی ہے اور جو اپنے عزیز ترین ہوتے ہیں، ان کے لیے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ہم ان سے کوئی بات نہیں چھپاتے، لیکن ایسی کوئی بات جو سب کی فلاح و بہبود کے لیے ہو اور اپنی عزیز ترین ہستی کے لیے بھی لازمی ہو تو ایسی حالت میں ہمیں وہ بات چھپانا چاہیے۔"

"میں اگر ماما کو کہہ دوں تو وہ کسی کو نہیں بتائیں گی۔"

"مجھے معلوم ہے تمہاری ماما اپنے باپ کو بہت چاہتی ہیں۔ تمہارے نانا سے بہت محبت کرتی ہیں۔ تم کہو تو تمہارے سامنے ماما پر تنویمی عمل کروں اور ان کے دل کی بات ان کی زبان پر لے آؤں۔ وہ بھی یہی کہیں گی۔ اگر وہ اپنی کوئی بات اپنے باپ کو بتائیں گی تو وہ کسی دوسرے کو نہیں بتائیں گے؟ اسی طرح محبت اور اعتماد کا سلسلہ آگے بڑھتا جاتا ہے۔ ہر شخص اپنے چاہنے والے کے متعلق یہی سوچتا ہے کہ وہ کسی اور کو وہ بات نہیں بتائے گا یعنی تمہاری بات کا جو سلسلہ چلے گا، وہ تمہاری ماں، تمہارے نانا سے ہوتا ہوا جانے کہاں سے کہاں تک پہنچے گا۔"

"کیا ہم اپنے اعلیٰ حکام کو بھی نہیں بتائیں گے؟"

"میں نے کہا نا، کسی کو نہیں بتائیں گے۔ حکام بدلتے رہتے ہیں۔ یہ ملک ایک ہی رہے گا لیکن جانے کیسے کیسے حکمراں آئیں گے۔ ان کی پالیسیاں بدلتی رہیں گی۔"

"میرا علم اپنے ملک اور قوم کے کام کس طرح آئے گا؟"

"میں طریقۂ کار بتاتا رہوں گا، تم اس پر عمل کرتی رہو گی پھر دیکھو گی، کس طرح گمنام رہ کر ملک و قوم کی خدمت کرتی ہو۔"

مجھے اپنے ربی پر اتنا اعتماد تھا جتنا کسی پر نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے پہلا مشورہ دیا "مجھے کبھی فرہاد اور رسونتی سے ٹکرانا نہیں چاہیے۔ ان سے بچ کر رہنا چاہیے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہیے۔"

انھوں نے دوسرا مشورہ دیا "اپنے اس علم کو ہمیشہ راز میں رکھوں۔" میں دیکھنا چاہتی تھی کہ ان کے تعاون سے یہ کب تک راز میں رہ سکتا ہے۔

انھوں نے تیسرا مشورہ دیا "میں براہ راست کبھی کسی کے دماغ میں پہنچ کر اپنی آواز اور لب و لہجہ نہ سناؤں۔ ہو سکتا ہے کبھی ایسے شخص کے دماغ میں پہنچ جاؤں جہاں پہلے سے فرہاد اور رسونتی موجود ہوں تو میں ان کی گرفت میں آ جاؤں گی لہٰذا ابتدا ہی سے احتیاطی تدابیر کر لینا چاہئیں۔

انھوں نے بہت غور و خوض کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ مجھے کمپیوٹر کے ذریعے دوسروں سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ اب کمپیوٹر کا مسئلہ ہمارے سامنے آیا کہ ہم یہ کس طرح حاصل کریں؟ کس سے حاصل کریں اور جس سے بھی حاصل کریں گے، وہ ہمارا راز دار ضرور رہے گا۔ ہمارے ملک میں خاص سرکاری شعبوں میں کمپیوٹر استعمال کیا جاتا ہے۔ نیویارک کی ایک بہت بڑی کمپنی خاص قسم کے کمپیوٹر ہمارے ہاں بھیجتی ہے۔ اس کے علاوہ کئی ایسی کمپنیاں ہیں جو کمپیوٹر کے سامان امپورٹ کرتی ہیں اور انھیں یہاں اسمبل کیا جاتا ہے۔

یہ ساری کمپنیاں یہودیوں کی ہیں۔ یہ سب ربی اسفندیار سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں۔ ربی نے ان کے متعلق میرے ذریعے معلومات حاصل کیں۔ ان کی آوازیں سنائیں۔ میں اُن کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر ایک ایک کمپنی کے مالک کے دماغ میں پہنچتی تھی اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرتی تھی۔ پھر ربی کو پوری رپورٹ سناتی تھی۔ ان میں سے ایک کمپنی کے مالک کا نام ہیر اللہ تھا۔ وہ مالک ہونے کے ساتھ تجربہ کار مکینک بھی تھا۔ ریڈیو، ٹی وی، ٹرانسمیٹر اور کمپیوٹر کی ٹیکنک اور ان کی باریکیوں کو خوب سمجھتا تھا بلکہ ہمارے ملک کی افواج کے لیے ایسے کمپیوٹر تیار کر رہا تھا جو کمپیوٹر کے ساتھ ٹرانسمیٹر بھی تھے۔ چونکہ وہ ہمارے ملک کے لیے ایک اہم فرض انجام دے رہا تھا، اس لیے بزنس مین ہونے کے علاوہ وہ ہمارے ملک کا راز دار بھی تھا۔ اس ناتے سے وہ ربی اسفندیار کے زیرِ اثر تھا۔ اس کمپنی کے دو بھائی حصے دار تھے۔ ایک کا نام ہیر اللہ اور دوسرے کا جبیر اللہ تھا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے معلوم کیا، جبیر اللہ سازش کے ذریعے پوری کمپنی کا مالک بننا چاہتا تھا۔ اس کے لیے ہیر اللہ کو راستے سے ہٹانا ضروری تھا۔ راستے سے ہٹانے کا مطلب یہی تھا کہ اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔

ربی اسفندیار نے ہیر اللہ کو بلا کر پوچھا "تم اپنے بھائی پر کس حد تک بھروسا کرتے ہو؟"

"جتنا میں اپنے آپ پر کرتا ہوں۔"

"کیا تم کبھی اس پر شبہ کر سکتے ہو؟"

"ہرگز نہیں۔"

"اگر وہ تمہاری جان لینا چاہے اور اس کا ثبوت فراہم کر دیا جائے تو؟"

ہیر اللہ نے بے یقینی سے انھیں دیکھا۔ انھوں نے پوچھا "کیا تمہیں اپنے ربی کی زبان پر بھی یقین نہیں ہے؟"

اس نے سر جھکا کر ادب سے کہا "آپ کے لیے جان بھی حاضر ہے۔ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ کسی معاملے میں کوئی غلط بات کہہ سکتے ہیں۔ اگر آپ میرے بھائی پر شبہ کرتے ہیں تو میں بھی شبہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ صرف اس لیے کہ آپ محترم ہیں، قابلِ اعتماد ہیں۔"

"صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ اپنی آنکھوں سے تماشا دیکھ لو، اس کے بعد مجھے اور زیادہ محترم اور قابلِ اعتماد سمجھو گے۔"

"بھائی پر اعتماد خواہ کتنا ہی مستحکم کیوں نہ ہو، ثبوت ملنے پر وہ متزلزل ہو جاتا ہے۔"

"ہاں ثبوت ملے گا اور کل صبح ملے گا۔ کیا تم علی الصبح اٹھنے کے عادی نہیں ہو؟"

"جی ہاں، میں گھر میں سب سے پہلے اٹھتا ہوں اور دو میل تک پیدل چلتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے، میں دل کا مریض ہوں۔ ڈاکٹر نے مجھے صبح جلد اٹھنے اور دو میل تک چلنے کے لیے کہا ہے۔"

"جب تم دو میل پیدل چل کر واپس آتے ہو تو تمہارے لیے ایک گلاس دودھ تیار رہتا ہے، تم اسے پیتے ہو۔"

"جی ہاں، یہ میری عادت ہے۔"

"کل صبح یہی عادت تمہاری جان لے لے گی۔"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر ربی کو دیکھا۔

انھوں نے کہا "تمہارے ہاں جس ڈیری فارم سے دودھ آتا ہے، اس فارم میں تمہارا بھائی جبیر اللہ حصے دار ہے۔"

"جی ہاں، وہ اپنا کاروبار پھیلانے کے چکر میں رہتا ہے۔"

"اور اس چکر میں بھی ہے کہ تمہارا یہ کمپیوٹر والا تمام

کاروبار اس کی مٹھی میں آجائے اور تم راستے سے ہٹ جاؤ۔ کل جو دودھ کی بوتل تمہارے دروازے پر رکھی جائے گی، اس میں زہر ملا ہوگا۔ تمہاری بیوی کو بھی اس کا علم نہیں ہوگا۔ وہ بے چاری اسے گرم کرے گی اور تمہارے لیے گلاس میں ڈال کر تمہارے کمرے میں لے جاکر رکھ دے گی۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس دودھ میں میرا بھائی جبیر اللہ زہر ملائے گا؟"

"میں یہی کہہ رہا ہوں۔"

"محترم ربی! میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ آپ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ حالاں کہ ابھی دودھ میں زہر نہیں ملایا گیا ہے۔ آپ بڑے عالم ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے، کئی بار آپ کی پیشن گوئیاں درست ثابت ہوئی ہیں، لیکن مجھے یقین ہونا چاہیے کہ دودھ میں زہر ملانے والا میرا بھائی ہے۔"

"یہ بھی یقین ہوجائے گا۔ جب تم دو میل کا چکر لگانے جاؤ تو واپسی میں اپنے بھائی کو ساتھ لیتے ہوئے آنا۔ اپنے کمرے میں لاکر بٹھانا اور اُسے وہی دودھ پینے کے لیے کہنا۔"

"میں سمجھ گیا، اگر اس نے زہر ملایا ہوگا تو وہ دودھ پینے سے انکار کرے گا۔ ورنہ اسے دودھ پینے پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

"میرے بچے! تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ اب جاؤ اور جو کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔"

وہ چلا گیا۔ ربی نے مجھ سے کہا۔ "تم اس کی نگرانی کرو گی۔ دونوں بھائیوں کے درمیان وہی چکر چلاؤ گی جو میں تمہیں سمجھا چکا ہوں۔"

میں جبیر اللہ کے دماغ میں پہنچ گئی۔ اسے بھائی کے خلاف بھڑکانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے دماغ میں خود ہی سازشیں پکتی رہتی تھیں لیکن وہ ڈرتا تھا کہیں پکڑا نہ جائے۔ میں نے اس کے دماغ میں رہ کر اسے حوصلہ دیا۔ اس کی سوچ میں کہتی رہی کہ اُسے کون سا طریقۂ کار اختیار کرنا چاہیے۔ جس گاڑی میں دودھ سپلائی کیا جاتا تھا، اس گاڑی کا ڈرائیور جبیر اللہ کا خاص آدمی تھا۔ اس نے ڈرائیور کو نوٹوں کی ایک بھاری گڈی دی اور اُسے ہمراز بنالیا۔ تمام گھروں میں سپلائی کیے جانے والے دودھ کی بوتلیں ایک ہی سائز اور ایک ہی ڈیزائن کی تھیں۔ ایک بوتل کے دودھ میں زہر ملانے کے بعد جبیر اللہ نے اسے ڈرائیور کے حوالے کردیا اور کہا۔ "اسے اپنے پاس ہی رکھو گے اور کل صبح ہیر اللہ کے دروازے پر رکھ کر چلے جاؤ گے۔"

ہیر اللہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ اپنی بیوی اور خادمہ کے ساتھ ایک مکان میں رہتا تھا۔ بیوی کو چائے پینے کی عادت نہیں تھی اور بیگم ملازمہ صبح نو بجے آکر گھر کا کام سنبھالتی تھی۔ لہٰذا یہ سوچا نہیں جاسکتا تھا کہ اس بوتل کے دودھ کو گھر کا کوئی دوسرا فرد استعمال کرسکتا ہے۔

مختصر یہ کہ ہیر اللہ مارننگ واک کے لیے نکلا تو سیدھا جبیر اللہ کے پاس پہنچا۔ اُدھر جبیر اللہ بھی بے چین تھا۔ اپنی سازش کا نتیجہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے صبح اٹھ کر باغیچے میں ٹہل رہا تھا، بھائی کو دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ ہیر اللہ نے کہا۔ "جبیر اللہ! ذرا میرے ساتھ گھر چلو۔ آج میں کاروبار کے سلسلے میں ایک اہم فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے پریشان ہوکر کہا۔ "اتنی جلدی بھی کیا ہے، آپ گھر چلیں۔ میں آجاؤں گا۔"

"نہیں، میں چاہتا ہوں تم ابھی میرے ساتھ چلو۔"

ہیر اللہ نے اصرار کیا۔ وہ اس کے ساتھ گھر آنے پر مجبور ہوگیا۔ باہر دروازے کے پاس دودھ کی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ جبیر اللہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا بات ہے، یہ بوتل ابھی تک رکھی ہوئی ہے۔ یہاں سے کسی نے اٹھایا نہیں ہے۔"

ہیر اللہ نے بوتل کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آج گھر میں کوئی نہیں ہے۔ میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا ہے۔"

اس نے دروازے کو کھولا۔ پھر دونوں بھائی ایک کمرے میں پہنچے۔ ہیر اللہ نے دودھ کی بوتل سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آؤ بیٹھو اور یہ دیکھو کہ میں تمہارے سامنے ہی یہ بوتل اٹھا کر یہاں لایا ہوں۔ اسے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔"

جبیر اللہ نے پریشان ہوکر پوچھا۔ "آپ بوتل کا ذکر کیوں کررہے ہیں؟"

"اس لیے کہ یہ تمہارے ہی ڈیری فارم سے آئی ہے اسے تم پی لو۔"

"میں صبح دودھ نہیں پیتا۔"

"میرے کہنے سے دو چار گھونٹ ہی پی لو۔"

"آپ مجھے یہ پلانا کیوں چاہتے ہیں؟"

"بھئی تم میرے گھر آئے ہو۔ میں کچن میں جاکر تمہارے لیے چائے نہیں بنا سکتا۔ ہم دونوں بھائی اسے آدھا آدھا بانٹ کر پی لیں گے۔ میں گلاس لے کر آتا ہوں۔"

وہ اٹھنے لگا۔ اس سے پہلے ہی جبیر اللہ نے اٹھ کر کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہہ دیا ہے، میں دودھ نہیں پیوں گا۔"

"جبیر اللہ! تم تو یوں انکار کر رہے ہو جیسے میں تمہیں دودھ نہیں، زہر پلا رہا ہوں۔"

"آپ مجھے کاروبار کے متعلق گفتگو کرنے کیلیے بلا کر لائے ہیں یا دودھ پلانے؟"

"پہلے ہم دودھ پئیں گے۔ پھر باتیں کریں گے۔"

"میں صرف باتیں کروں گا۔"

"گویا تم دودھ پینے سے انکار کر رہے ہو۔"

"ہاں، انکار کر رہا ہوں۔"

"کیا اس میں زہر ملا ہوا ہے؟"

"میں کیا جانوں، اس میں کیا ہے۔ میں آپ کے ساتھ اپنے گھر سے آیا ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہ اس میں کس نے کیا ملایا ہے؟"

"اس میں تم نے زہر ملایا ہے۔ تمہارا ڈرائیور اسے یہاں رکھ کر گیا ہے۔ وہ تمہارا رازدار ہے۔"

"آپ بکواس کر رہے ہیں۔"

"اگر یہ بکواس ہے تو اسے پی کر دکھاؤ۔"

جبیر اللہ نے اپنے بھائی کو گھور کر دیکھا۔ پھر بوتل کو اٹھالیا جیسے دودھ پینے جا رہا ہو۔ لیکن اچانک ہی اس نے پلٹ کر بوتل کو دیوار سے دے مارا۔ وہ ایک چھناکے سے ٹوٹ گئی۔ دودھ کچھ تو دیوار پر پھیل گیا۔ باقی فرش پر پھیل کر ایک طرف بہنے لگا۔ ہیر اللہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "شکریہ میرے بھائی! تم نے اپنے دشمن ہونے کا مکمل ثبوت فراہم کردیا۔ اب یہاں سے جاؤ۔ میں تمہارا انتظام کروں گا۔"

"آپ میرا کیا انتظام کریں گے۔ آپ کے دل میں پہلے سے کھوٹ ہے۔ آپ تمام کاروبار کے اکیلے مالک بننا چاہتے ہیں اور مجھ پر الزام رکھ رہے ہیں کہ آپ کو زہریلا دودھ پلانے والا تھا۔ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟"

"زیادہ بکواس نہ کرو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ آئندہ جو ہونے والا ہے، وہ تمہارے سامنے آئے گا۔"

وہ غصہ دکھاتے ہوئے چلا گیا۔ میں ہیر اللہ کے دماغ کو پڑھ رہی تھی۔ اب وہ ربی اسفندیار کا اور زیادہ مرید ہوگیا تھا، اس کی عقیدت اور بڑھ گئی تھی۔ وہ دل و جان سے ربی کے قدموں میں آکر جھک گیا۔ ایسی صورت میں وہ ہمارا آلۂ کار کیسے نہ بنتا؟

ربی اسفندیار نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "ہیر اللہ! اگر تم وہ دودھ پی لیتے تو ابھی میرے روبرو نہ ہوتے۔"

اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں تسلیم کرتا ہوں، آپ نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔"

"کیا تم یہ نئی زندگی میرے لیے وقف کرسکتے ہو؟"

"میرا رُواں رُواں آپ کا احسان مند ہے۔ آپ حکم دیجیے، میں ابھی جان دے سکتا ہوں۔ آپ کے لیے جان دینا باعثِ نجات ہوگا جب کہ وہ زہر میرے لیے حرام موت کا باعث بنتا۔"

"اگر میں اپنے ایک ایسے منصوبے میں تمہیں شریک کروں جس کا علم ہماری حکومت کو بھی نہیں ہے تو کیا تم شریک ہونا پسند کرو گے؟"

"محترم ربی! میں یقین نہیں کرسکتا کہ آپ کا کوئی منصوبہ اپنی حکومت کے خلاف ہوسکتا ہے۔"

"شاباش! تم مجھے درست سمجھ رہے ہو لیکن بعض ایسے منصوبے ہوتے ہیں جو ہم کسی حکمراں کو نہیں بتا سکتے۔ اگر آئندہ آنے والے حکمراں کی پالیسیاں تبدیل ہوجائیں تو وہی باتیں ہمارے لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں سمجھاتا ہوں۔ ہم ایسا ایک منصوبہ ترتیب دے چکے ہیں جس میں تمہاری ضرورت ہے۔ اس منصوبے کے مطابق ہم بڑی رازداری سے اپنے ملک اور قوم کا تحفظ کرتے رہیں گے۔ یہ ایسا منصوبہ ہے جس کے ذریعے ہم بڑی طاقتوں کو اپنے سامنے جھکا سکتے ہیں لیکن اس کا علم ہمارے سیاست دانوں اور حکمرانوں کو نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی کسی سپر پاور کی طرف جاکر ہمارا راز فاش کرسکتا ہے۔"

"محترم ربی! آپ بہتر جانتے ہیں۔ آپ حکم دیجیے، میں عمل کروں گا اور وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا راز میرے سینے میں ہمیشہ دفن رہے گا۔ میری جان جائے گی مگر زبان قائم رہے گی۔"

ربی نے ہاتھ اٹھا کر اسے دعائیں دیں۔ پھر بڑی تفصیل سے میرے ٹیلی پیتھی کے علم کے متعلق بتایا۔ ہیر اللہ حیرانی سے میرا منہ تکتا رہا اور ربی کی باتیں سنتا رہا۔ جب اس سے پوچھا گیا، کیا وہ اس سلسلے میں کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر ہمارے لیے مہیا کرسکتا ہے تو اس نے کہا۔ "میں ایسا کروں گا۔ اگرچہ آپ رازداری سے کام لے رہے ہیں لیکن یہ ہمارے ملک اور قوم کے مفاد میں ہے۔"

ربی اسفندیار نے کہا۔ "لیکن جو کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر تم ہماری

افواج کے لیے تیار کرتے ہو، ہمارے لیے اس سے مختلف کمپیوٹر تیار کرو گے تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ ہیرالڈ کی کمپنی کسی ٹیلی پیتھی جاننے والی کے لیے اسے تیار کر رہی ہے۔"

"محترم ربی! میں نے ایک چھوٹے سے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کا ڈیزائن تیار کیا ہے۔ سوچ رہا تھا کسی دن حکومت کے سامنے پیش کروں گا۔ اب آپ نے یہ منصوبہ بنا لیا ہے تو اس کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کا ڈیزائن آپ کے لیے وقف کرتا ہوں۔ میں جلد سے جلد اسے تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔"

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "مسٹر ہیرالڈ! کیا تم میرا لب و لہجہ اپنے دماغ میں محسوس کر رہے ہو؟"

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں بھی گہری سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے زبان سے کہا "ہاں، اس وقت میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے بول رہی ہوں۔ اب میں چپ رہتی ہوں لیکن تم میری آواز اور لب و لہجے کو اپنے دماغ میں سنتے رہو گے۔"

دوسرے ہی لمحے اس نے پھر میری آواز اپنے دماغ میں سُنی۔ میں نے کہا "تم ہمارے وفادار رہو گے، اس کا ہمیں یقین ہے لیکن احتیاطاً وارننگ دیتی ہوں کہ میں ہمیشہ تمہارے دماغ میں موجود رہوں گی۔ تم کبھی اپنی بیوی سے، اپنے گھر کی دیواروں سے حتیٰ کہ اپنے سائے تک سے ہمارے راز کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکو گے۔ اگر کبھی ہماری مخالفت میں کسی کے سامنے زبان کھولنا چاہو گے تو اس سے پہلے ہی ہمیشہ کی نیند سلا دیے جاؤ گے۔"

"میں سمجھتا ہوں ٹیلی پیتھی کیا چیز ہے۔"

"بے شک تم سمجھتے ہو۔ تم نے رسونتی اور فرہاد کے بہتیرے کارنامے سُنے ہوں گے لیکن ایک کارنامہ اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ آج شام تک تمہارا بھائی جیرالڈ سمندر میں بوٹنگ کے لیے جائے گا۔ پھر وہاں سے واپس نہیں آئے گا۔ تمہارے راستے کا کانٹا صاف ہو جائے گا۔ پھر تم اس کمپنی کے واحد مالک ہو جاؤ گے۔ اس طرح ہمارے مخصوص کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر پروڈکشن کا علم کسی اور کو نہیں ہو سکے گا۔"

ایک تو وہ ربی اسفندیار کا بہت ہی عقیدت مند تھا، احسان مند بھی تھا۔ دوسرے وہ میری ٹیلی پیتھی سے خوف زدہ تھا۔ ہم اس کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ وہ ہمارے لیے ایک مخصوص کمپیوٹر بنانے میں مصروف ہو گیا۔

ہمیں فوری طور پر کمپیوٹر کی ضرورت نہیں تھی۔ ابھی ربی اسفندیار کے منصوبے کے مطابق مجھے صرف معلومات حاصل کرتے رہنا تھا۔ دوستوں کے متعلق بھی اور دشمنوں کے متعلق بھی۔ سب سے پہلے تو ہم فرہاد کی ٹیم کو ہی پیشِ نظر رکھتے رہے۔ ربی نے سختی سے منع کیا تھا کہ میں فرہاد اور رسونتی کی طرف رخ بھی نہ کروں۔ اعلیٰ بی بی، مرجانہ، ٹارزبلبا وغیرہ ایسے لوگ تھے جو سانس روک لیتے تھے۔ میں ان کے پاس بھی نہیں جا سکتی تھی۔ اگرچہ سونیا کے دماغ میں پہنچ سکتی تھی لیکن ربی نے کہا تھا، وہ فرہاد اور رسونتی سے زیادہ خطرناک ہے۔ اگرچہ تم اس کے دماغ میں جاؤ گی تو اسے علم نہیں ہو گا لیکن میں اُسے تنویمی عمل کے زیرِ اثر لا کر یہ معلوم کر چکا ہوں کہ اس کی چھٹی حس بہت تیز ہے۔ مکاری میں اسے کمال حاصل ہے۔ وہ بولتی کچھ ہے، سوچتی بھی کچھ ہے لیکن کچھ اور ہی کر گزرتی ہے۔ تم اسی فریب میں رہو گی کہ سونیا اپنی سوچ کے مطابق عمل کرے گی، لیکن وہ اگلے ہی لمحے بالکل غیر متوقع طور پر کوئی اور چال چل جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے پاس جانا ابھی ضروری نہیں ہے۔ جب ضروری ہو گا تو میرے پاس اس کی ریکارڈنگ ہے، تم آواز سُننا اور چپکے سے اس کے پاس پہنچ جانا۔

ربی اسفندیار کی ہدایت کے مطابق فرہاد کی ٹیم میں صرف ایک شباتہ ایسی تھی جس کے دماغ میں میں پہنچ سکتی تھی۔ اس کے ذریعے ان کی مصروفیات کے متعلق معلومات بھی حاصل کر سکتی تھی۔ میں کئی بار شباتہ کے دماغ میں گئی، لیکن پتا چلا کہ وہ خود ہی وادیٔ قاف سے دور فرہاد کے لیے بھٹک رہی تھی اور اس نے ارادہ کر لیا تھا جب تک اسے نہیں پائے گی، وادیٔ قاف میں قدم نہیں رکھے گی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب اچانک ہی انکشاف ہوا کہ فرہاد لبنان کے ایک ساحلی علاقے ڈیمور میں ہے اور رسی سرپنٹ کے قلعے پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ اس علاقے میں اس کی موجودگی نے اسرائیلیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ پچھلے دنوں اسرائیلی جاسوس قلعے تک نہیں پہنچ سکے تھے اور سگنل کے گڑبڑ ہونے کے باعث واپس ہو گئے تھے تو اس گڑبڑ میں یقیناً فرہاد کا ہی ہاتھ ہو گا۔

یقیناً یہی بات تھی۔ ہمارے اسرائیلیوں سے لبنان کے مارونی عیسائیوں کا خفیہ معاہدہ تھا۔ ہم سمندر کے راستے جدید ہتھیار سی سرپنٹ کے قلعے میں پہنچاتے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف مارونی عیسائیوں کو منظم کرنے کے لیے یہاں سے تربیت یافتہ تجربہ کار فوجی روانہ کرتے تھے۔ اس رات بھی کشتی میں ہمارے فوجی جا رہے تھے جو فرہاد کی ٹیلی پیتھی کے باعث بھٹک کر واپس آ گئے۔

شاید ہمیں کبھی پتا نہ چلتا کہ فرہاد سی سرپنٹ کے قلعے میں ہے لیکن اس قلعے میں بھی ہمارے سیکرٹ سروس کے دو آدمی معمولی سپاہیوں کی حیثیت سے ملازم تھے۔ ان کے ذریعے پتا چلا کہ حدیقہ نامی کوئی چادر پوش عورت قلعے میں آئی تھی اور سی سرپنٹ اس کے چہرے سے چادر ہٹانا چاہتا تھا، اس کی صورت دیکھنا چاہتا تھا۔ صرف اسے بچانے کی خاطر فرہاد نے اپنی ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کیا تھا۔

ہماری سیکرٹ سروس کے ان دو آدمیوں نے خفیہ طور پر ہمارے ایک آفیسر کو فرہاد کی موجودگی کی اطلاع دی۔ اب میں اسی سلسلے کی دوسری کڑی بیان کرتی ہوں ــــ انھی دنوں ہماری ایک ذہین سیکرٹ ایجنٹ سارہ آٹزک لبنان گئی ہوئی تھی۔ ہمیں پتا چلا کہ کرسٹو فرمیکی فلسطینی مجاہدین کو خفیہ طور سے مہنگے داموں ہتھیار فروخت کرتا ہے اور وہ کرسٹو فرمیکی ایک نہیں ہے بلکہ گیارہ عدد کرسٹو فرمیکی ہیں۔ ان میں اصلی کون ہے، یہ معلوم کرنے کے لیے ہماری حکومت نے سارہ آٹزک کو ایک گائیڈ آفیسر کے ساتھ بیروت روانہ کیا۔

اسرائیلی حکومت بہت عرصے تک سارہ آٹزک کے سلسلے میں فریب کھاتی رہی۔ وہ سارہ آٹزک دراصل لیلیٰ ثانی تھی۔ اس کا انکشاف بھی یوں ہوا کہ قلعے میں رہنے والے ہمارے سیکرٹ ایجنٹ نے لیلیٰ کے ساتھ آنے والے گائیڈ آفیسر سے رابطہ قائم کر کے فرہاد کے متعلق بتایا۔ ادھر ربی اسفندیار نے اس گائیڈ آفیسر اور سارہ آٹزک کی آوازیں مجھے ریکارڈ کے ذریعے سنائیں اور ہدایت دی کہ مجھے ان کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اگرچہ میں فرہاد کے مقابلے میں ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی لیکن اپنے آپ کو ظاہر کیے بغیر سارہ آٹزک اور گائیڈ آفیسر کے بہت کام آ سکتی تھی۔ خیر جب میں گائیڈ آفیسر کے دماغ میں پہنچی تو اس وقت وہ سارہ آٹزک کے پاس بیٹھا ہوا غصہ دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا "تمہیں کرسٹو فرمیکی کو بے نقاب کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے لیکن تم گولڈن ریکٹ کے ڈاکٹر ولیم بروک کے پیچھے پڑ گئی ہو۔ مانا کہ تم نے ایک کارنامہ انجام دیا ہے اور ان خفیہ اڈوں تک پہنچ گئی ہو جہاں نشہ آور دواؤں کا اسٹاک رہتا ہے لیکن تمہیں اتنا بڑا قدم میرے بغیر نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ میں تمہارا گائیڈ آفیسر ہوں۔"

سارہ آٹزک نے کہا "آپ پچھلی رات نشے میں مدہوش تھے۔ میں آپ کو انفارم نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا اپنے مطابق اقدامات کیے ہیں۔"

گائیڈ آفیسر نے کہا "تم ایک چھوٹا سا کارنامہ انجام دے کر مغرور ہو گئی ہو، لیکن میں نے تم سے بھی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں نے فرہاد کو ڈھونڈ نکالا ہے۔"

اس بات پر سارہ آٹزک چونک گئی تھی۔ پھر اس گائیڈ آفیسر کی ہدایت کے خلاف ڈیمور جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ میں سارہ کے دماغ میں رہ کر اس کی سوچ پڑھ رہی تھی اور حیران تھی کہ وہ فرہاد سے بے حد متاثر ہے اور بار بار اپنے دماغ میں فرہاد کو پکار رہی ہے۔

میں نے یہ بات ربی اسفندیار کو بتائی۔ انھوں نے مجھے ہدایت دی "بیٹی! تم سارہ آٹزک کے دماغ کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھو، بات کیا ہے؟"

میں سارہ آٹزک کے دماغ کے تہ خانے میں اترنے لگی۔ پھر جیسے جیسے انکشاف ہونے لگا، میں حیران ہو کر ربی اسفندیار کو بتانے لگی۔ وہ بھی حیران تھے اور کہہ رہے تھے، اوہ خدایا! ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سارہ آٹزک ہی دراصل لیلیٰ ثانی ہو گی اور ہماری سیکرٹ سروس میں رہ کر ہمارے تمام رازوں سے واقف ہو گی اور ہمیں ہی درپردہ نقصان پہنچاتی رہی ہو گی۔

ہماری ٹیلی پیتھی ہمارے لیے سکون کا باعث تھی۔ اُس روز دو انکشافات ہوئے تھے۔ ایک تو یہ کہ روپوش رہنے والا فرہاد سی سرپنٹ کے قلعے میں پایا گیا تھا۔ دوسرے سارہ آٹزک بے نقاب ہو کر لیلیٰ ثانی کی حیثیت سے ہمارے سامنے آ گئی تھی۔ ربی اسفندیار نے کہا "ابھی لیلیٰ ثانی کو نظر انداز کرو۔ وہ بچ کر کہاں جا سکے گی۔ آخر ہماری ہی طرف آئے گی۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ فرہاد کو کس طرح گھیرا جا سکتا ہے اور فرہاد محاصرے سے نکلنے کے لیے کیسی چالیں چلنا چاہے گا۔"

میں نے پوچھا "ہمیں فرہاد کی چالوں کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اب یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ انٹرپول کا فلائنگ آفیسر عزت علی بیروت کے جتنے خفیہ اڈوں پر چھاپے مار رہا ہے، اس کا علم اسے فرہاد کے ذریعے ہو رہا ہے۔ میں اپنے بڑوں کے ذریعے لبنان کے بڑے افسران سے رابطہ قائم کر رہا ہوں۔ ان سے گفتگو کروں گا۔ تم میرے دماغ میں رہنا پھر ان میں سے کسی افسر کے ذریعے عزت علی تک آسانی سے پہنچ سکو گی۔"

میں ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرنے کے بعد اس روز سب سے زیادہ مصروف رہی۔ ربی بھی مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کرتے جا رہے تھے۔ ہمیں معلوم ہو رہا تھا کہ کس طرح فرہاد کو قلعے کے اندر بے بس اور مجبور بنانے کے لیے چاروں طرف سے گھیرا جا رہا ہے۔ قلعے کے پچھلی طرف جہاں سمندر تھا، وہاں سپر ماسٹر کا بحری بیڑا آ گیا تھا۔ پھر ہمارا ایک ہیلی کاپٹر اس قلعے کے اندر اترنے والا تھا اور اسی ہیلی کاپٹر میں فرہاد کو قیدی کی حیثیت سے لانے کے انتظامات ہو رہے تھے۔

ربی اسفندیار نے پریشان ہو کر کہا "مجھے یقین نہیں ہے کہ فرہاد پھر ہماری گرفت میں آ سکے گا۔ میری بچی! میں چاہتا ہوں، تم ان حالات پر گہری نظر رکھو اور دیکھو کہ فرہاد رسونتی، سونیا، اعلیٰ بی بی وغیرہ کیسی چالیں چلتے ہیں۔ میں اسی لیے تمہیں فرہاد سے دور رکھتا ہوں۔ تم دور ہی دور سے عزت علی تک پہنچو۔"

سچی بات تو یہ ہے کہ خود مجھے فرہاد اور اس کی ساتھیوں سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے اس کے کارنامے بھی پڑھے ہیں اور اب خود بھی دیکھ رہی ہوں۔ ٹیلی پیتھی کا ناقابلِ شکست علم حاصل کرنے کے بعد بھی اتنا حوصلہ نہیں ہوتا کہ میں ان کی ٹیم کے کسی فرد کے دماغ میں جاؤں۔ میں کبھی ربی اور کبھی اپنے ہی حکمرانوں کے دماغوں میں چکر لگاتی رہی۔ پھر لبنان کے ایک ایسے افسر کے پاس پہنچ گئی جس کے ذریعے میں عزت علی کے دماغ کو پڑھ سکتی تھی۔

لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس دوران پتا چلا کہ جو بحری بیڑا سپر ماسٹر کی طرف سے آیا تھا، وہ سمندر میں بُری طرح تباہ ہو گیا ہے۔ ایسے زبردست دھماکے ہوئے ہیں کہ جنگ کے علاوہ آج تک کسی بحری بیڑے پر ایسی ناگہانی تباہی آتے کسی نے نہیں دیکھی۔ صرف اتنا ہی نہیں، ہمارا وہ ہیلی کاپٹر جو فرہاد کو قیدی بنا کر لانے گیا تھا، وہ واپسی میں پرواز کر رہا تھا اور ہمارے حکمراں اس خوش فہمی میں تھے کہ فرہاد کو لایا جا رہا ہے لیکن پرواز کے دوران اچانک ہی وہ ایک دھماکے سے پاش پاش ہو گیا۔

ربی اسفندیار نے ایک گہری سانس لے کر کہا "دیکھو بیٹی، میں نہ کہتا تھا، وہ انسان نہیں ہے۔ اگر ہے بھی تو اس کے اندر شیطان سرایت کر گیا ہے۔ کمبخت کبھی گرفت میں نہیں آتا ہے اور ہمیشہ نقصان پہنچاتا ہے۔"

میں نے پوچھا "ہم کب تک اس کے ہاتھوں نقصان اٹھاتے رہیں گے؟"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ یہ دیکھو کہ تمہاری ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہمیں کتنے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ہم نے سادہ آٹزک کے اندر چھپی ہوئی لیلیٰ ثانی کو ڈھونڈ نکالا ہے، اسی طرح ہم ایسے رازوں تک پہنچیں گے جن کے متعلق اب تک اندھیرے میں تھے۔"

"محترم ربی! میں عزت علی کے دماغ میں پہنچ گئی ہوں۔"

"اسی کے پاس رہو اور دیکھو کیا ہو رہا ہے؟"

تھوڑی دیر بعد میں نے بتایا کہ فرہاد، ماسک مین کے دماغ تک پہنچنا چاہتا ہے کیوں کہ جو لوگ قلعے کو خشکی کے راستے چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں، اس کے خیال میں وہ ماسک مین کے آدمی ہو سکتے ہیں۔

انھوں نے پوچھا "عزت علی کا دماغ کیا کہتا ہے؟"

"اس کے دماغ میں فرہاد کہہ رہا تھا کہ بہت عرصے سے لبنان میں ماسک مین کی سرگرمیاں ختم ہو گئی ہیں۔ اس کی جگہ ایک فولاد کے کارخانے کا مالک العطش کام کرتا ہے۔ اب عزت علی اس سرمایہ دار العطش سے ملاقات کرنے جا رہا ہے۔"

"تم بھی العطش تک پہنچنے کی کوشش کرو۔"

میں نے کوشش کی۔ تھوڑی دیر میں ایک اہم انکشاف ہوا۔ العطش نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے ماسک مین سے رابطہ قائم کیا تھا اس کی آواز میں نے سُن لی۔ جب میں نے ربی کو بتایا تو وہ خوشی سے کھِل اٹھے۔ انھوں نے کہا "دیکھا بیٹی! میں نہ کہتا تھا کہ ہم فرہاد اور رسونتی کو چھیڑے بغیر بھی بہت سے فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔ اب یہ ماسک مین ہماری مٹھی میں رہے گا۔"

"لیکن العطش کے دماغ میں فرہاد بھی چپ چاپ موجود رہا ہو گا۔ اس نے بھی ماسک مین کی آواز اور اس کے لب و لہجے کو نوٹ کیا ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں، فرہاد اس کے دماغ میں پہنچتا ہے، پہنچنے دو۔ یہ دیکھو ہمیں کیسی کیسی کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ آئندہ میرے طریقۂ کار کے مطابق تم ماسک مین کو بھی مخاطب نہیں کرو گی۔ کسی کے بھی دماغ میں نہیں جاؤ گی۔ اسی لیے تو ہم کمپیوٹرائزڈ ٹرانسمیٹر تیار کر رہے ہیں۔ اس کے ذریعے ایسے ہی لوگوں کو ٹریپ کیا جائے گا۔ تم چپ چاپ اہم افراد کے دماغوں میں رہ کر ان کے منصوبوں کے متعلق معلومات حاصل کرتی رہو گی۔"

ربی اسفندیار درست فرما رہے تھے۔ چپ چاپ معلومات حاصل کرتے رہنے کا فائدہ یہ تھا کہ بڑے بڑے رازوں سے پردہ اٹھتا جا رہا تھا۔ پہلے تو ہمیں لیلیٰ ثانی کی حقیقت معلوم ہوئی۔ پھر ہم ماسک مین تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد ایک تیسرے پُراسرار آدمی تک پہنچنے والے تھے۔ ابھی اس پُراسرار شخص تک پہنچنے میں ذرا دیر تھی۔ بہرحال میں نے ربی اسفندیار کو بتایا۔ فرہاد، عزت علی کے ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر قلعے سے نکلنے والا ہے۔

"اسے نکل جانے دو۔ دنیا کی تمام خطرناک تنظیموں نے، سُپر طاقتوں نے اور ہماری حکومت نے بار بار اسے مستحکم منصوبوں کے ساتھ گھیرنے کی کوشش کی اور ناکام رہے۔ نقصان پر نقصان اٹھاتے رہے، لہٰذا اسے جانے دو۔ عزت علی کا دماغ تمہاری مٹھی میں ہے۔ اس کے ذریعے معلوم کرتی رہو کہ فرہاد کو کہاں پہنچایا جا رہا ہے۔"

میں معلومات حاصل کر رہی تھی۔ فرہاد کو پیرس پہنچایا گیا تھا۔ ایسے ہی وقت تمام خطرناک تنظیموں اور ان کے سربراہوں نے یہ مشترکہ فیصلہ کیا کہ سب فرہاد کے راستے سے ہٹ جائیں گے۔ انھوں نے ایک اہم اجلاس طلب کیا اور اس میں فرہاد اور رسونتی کو حاضر ہونے کی دعوت دی۔ فرہاد نے جواب دیا۔ ایسے اجلاس بارہا ہو چکے ہیں اور بارہا ہمارے راستے میں کانٹے بچھائے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ اجلاس نتیجہ خیز ہو گا تو آخری بار وہ شرکت کرے گا لیکن اس طرح کہ اس کی جگہ بابا صاحب کے ادارے کے دو اہم افراد اعلیٰ بی بی اور شیخ الفارس شرکت کریں گے۔

بہرحال اجلاس منعقد ہوا۔ بڑی گرما گرم بحث ہوئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ اب سپر ماسٹر، ماسک مین اور دوسرے لوگ اور تنظیمیں فرہاد کے راستے میں کبھی نہیں آئیں گے۔ وہ ان سے چھیڑ نہیں کریں گے اور فرہاد اور رسونتی ان کے معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے لیکن اس اجلاس میں ماسٹر کی نے فرہاد کو واضح طور پر چیلنج کیا کہ فرہاد اس کے اور اس کے شاگردوں کے دماغوں میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا کیوں کہ وہ یوگا کا ماہر ہے اور ایک دن وہ فرہاد کو بے بس بنا کر بہت ہی عبرت ناک انجام تک پہنچائے گا۔

یہ سب کچھ تو ہوا لیکن فرہاد پیرس پہنچنے کے بعد کہیں گم ہو گیا۔ میں عزت علی کے ذریعے اس کی مصروفیات کے متعلق معلوم نہیں کر سکتی تھی کیونکہ عزت علی اس سے رخصت ہو کر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا تھا۔

ربی نے کہا "فکر نہ کرو۔ چونکہ ابھی تمام خطرناک تنظیمیں فرہاد کے راستے سے ہٹ گئی ہیں۔ لہٰذا وہ بھی کچھ عرصے تک آرام کرنا چاہے گا اور اس کے بعد وادیٔ قاف کا رُخ کرے گا۔ تم وقتاً فوقتاً ثباتہ کے دماغ میں پہنچتی رہو۔"

ربی اسفندیار خوب سوچ سمجھ کر مشورے دیتے ہیں۔ میں ان کے مشورے کے مطابق بار بار ثباتہ کے دماغ میں جاتی تھی۔ پھر میں نے ایک بار اس کے ذریعے فرہاد کو پا لیا۔

ہوا یہ کہ ثباتہ، بلیک شیڈو کی قید میں تھی۔ یہ بلیک شیڈو وہی تیسرا پُراسرار شخص تھا جس کے دماغ میں اب میں پہنچنے والی تھی اور پہنچنے کا راستہ میں نے ثباتہ کے ذریعے ہی بنایا۔ ثباتہ سے فرہاد نے رابطہ قائم کیا۔ ان دونوں نے مل کر بلیک شیڈو کو بے نقاب کیا۔ ایسے وقت میں وہاں چپ چاپ موجود تھی۔

محترم ربی نے بہت اچھی بات سمجھائی تھی۔ [illegible] رہ کر معلومات حاصل کرتے رہنے سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ فرہاد نے عزت علی اور العطش کے ذریعے ماسک مین تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کی تو مجھے بھی وہی کامیابی ملی۔ اب وہ بلیک شیڈو کے دماغ میں پہنچ گیا تو مجھے بھی یہ موقع نصیب ہوا۔

فرہاد، اعلیٰ بی بی اور بابا صاحب کے ادارے کو فرانسیسی حکومت کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔ اس وقت فرہاد، بلیک شیڈو کو فرانسیسی حکومت کے حوالے کر رہا تھا۔ میں نے ربی سے کہا "بلیک شیڈو دراصل وہی کرسٹوفر میکی ہے جو ایک کے بجائے گیارہ عدد بنا ہوا ہے۔ باقی دس عدد کرسٹوفر میکی کی ڈمی ہیں۔ اور اصل یہی بلیک شیڈو ایک ماہر سائنس داں ہے۔ موجودہ اور گم شدہ آوازوں کے سلسلے میں جو تحقیقات ہو رہی ہیں، اس میں اُسے کافی مہارت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی مخصوص ٹیکنک کے ذریعے اپنی آواز کو اس قدر بدل لیا تھا کہ فرہاد اور رسونتی اس کے اسرار تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

ربی نے کہا "بیٹی! ابھی بلیک شیڈو کو فرانسیسی حکومت کی تحویل میں جانے دو۔ جب بھی ہم ضروری سمجھیں گے، اسے وہاں سے نکال لائیں گے۔ ہمیں فرہاد کی موجودہ مصروفیات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس کی ایک بُری عادت ہے کہ جب وہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے بچھڑتا ہے تو موجودہ مصروفیات کے باعث پلٹ کر ان کی خیریت دریافت نہیں کر سکتا یا جس مقام کو چھوڑ کر جاتا ہے، اسے بھی وقتی طور پر بھول جاتا ہے۔ مثلاً وہ قلعے کو چھوڑ کر گیا ہے اور قلعے کے مالک سی سرپینٹ نے فرہاد سے وعدہ کیا ہے کہ اب وہ مجرمانہ زندگی سے باز آ جائے گا۔ وہ دوسرے ملکوں میں اس کا بینک

بیلنس ہے۔ وہ بیوی بچوں کے ساتھ وہاں تشریف لے جائے گا۔ لہٰذا ہماری پہلی کوشش یہی ہوگی کہ اب وہ ساحلی قلعہ ہمارے قبضے میں آجائے۔"

جب فرہاد وہاں موجود نہیں تھا اور جہاں بھی تھا، وہاں سے پلٹ کر سی سرپنٹ کی خبر لینے والوں میں سے نہیں تھا تو ہمارے لیے اس قلعے پر قبضہ جمالینا کچھ مشکل نہ تھا۔

ربی نے اپنے وزیر سے کہا "میں اپنے روحانی علم سے معلوم کرچکا ہوں۔ سی سرپنٹ وہ قلعہ چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے جانے والا ہے۔ یا تو اس قلعے کا سودا کرلیا جائے یا اس پر جبراً قابض ہونے کے انتظامات کیے جائیں۔"

ہم یہودیوں کو لبنان کے مارونی عیسائیوں کی [illegible] حمایت حاصل ہے۔ کچھ تو ہم نے ان کی حمایت اور امداد سے فائدہ اٹھایا کچھ اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ کیا اور اس قلعے پر قبضہ جمالیا۔

جس دن سے میری ٹیلی پیتھی کا عمل شروع ہوا، میری مصروفیات دن بدن بڑھتی چلی گئیں۔ مجھے کئی کئی دن اپنی ماما سے ملنے کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔ ان کی ماتا مجھے ایک نظر دیکھنے کے لیے بے چین رہتی تھی۔ میرا کیا تھا، میں تو خیال خوانی کے ذریعے چپ چاپ ان کے دماغ میں پہنچ جاتی تھی، ان کے اندر ہی موجود رہتی تھی لیکن ایسی مجبوری تھی کہ انہیں اپنے علم کے متعلق نہ تو بتا سکتی تھی، نہ خیال خوانی کے ذریعے انہیں مخاطب کرسکتی تھی۔

میرے نانا بہت بڑے بزنس مین ہیں۔ مارچنٹ ہلمون کے نام سے مشہور ہیں۔ دنیا کے بڑے ممالک کے بڑے بڑے بزنس مین جب تل ابیب آتے ہیں تو میرے نانا کے ہاں قیام کرتے ہیں۔ انہوں نے ایسے تاجروں کے لیے خاص طور پر مہمان خانے بنوائے ہیں۔ انہی دنوں فلپائن کا ایک تاجر آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا ہندو فلپائنی تھا۔ میں اپنی ماما کی خیریت معلوم کرنے کے بعد اپنے نانا کے دماغ میں پہنچی تو اس وقت وہ اس فلپائنی تاجر سے باتیں کررہے تھے اور وہ تاجر، ہندو فلپائنی کا تعارف کرا رہا تھا "ان سے ملو۔ یہ پنڈت سمانو ہیں۔ ذات کے ہندو ہیں مگر فلپائنی طرز کا نام ہے۔"

میرے نانا نے پوچھا "کیا آپ بھی تاجر ہیں؟"

پنڈت سمانو نے کہا "نہیں، میں آثارِ قدیمہ سے دلچسپی رکھتا ہوں۔ صدیوں پرانے مسوّدات اور تحریریں پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں اور اکثر کامیاب رہتا ہوں۔ میرا یہ تاجر دوست یہاں آرہا تھا۔ میں نے سوچا، اسرائیل کی زمین پر صدیوں کے تاریخی آثار ہیں۔ ہوسکتا ہے یہاں بھی مجھے کچھ ایسی تحریریں مل جائیں جو میری دلچسپی کا باعث بن سکیں۔"

پنڈت سمانو کی باتیں سن کر مجھے یاد آیا کہ ربی اسفندیار کی مطالعہ گاہ میں بہت سے پرانے مسودے پڑے ہوئے تھے۔ ایک بار میں نے پوچھا بھی تھا۔ انھوں نے جواب دیا "یہ اتنے پرانے مسودے ہیں کہ ان کی تحریر شاید ہی کوئی پڑھ سکے۔ میں نے احتیاطاً انھیں سنبھال کر رکھا ہے۔ شاید آثارِ قدیمہ کا کوئی ماہر انھیں پڑھ سکے۔"

میں نے پوچھا "دنیا میں بہت سے ماہرینِ آثارِ قدیمہ ہیں۔ آپ نے کسی کو دکھایا؟"

"میں اس سلسلے میں محتاط ہوں۔ پتا نہیں یہ کس قسم کے مسودے ہیں۔ میں کسی ایسے شخص کو دکھانا چاہتا ہوں جس پر اعتماد کرسکوں اور وہ مجھے ان کی تحریر پڑھ کر سنانے میں غلط بیانی سے کام نہ لے۔ بیٹی! تم نے خوب یاد دلایا۔ اب تو کسی غلط بیانی یا فریب دہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں کسی سے بھی پڑھوا سکتا ہوں۔ مسودہ کچھ ہو، پڑھنے والا دھوکا دینے کے لیے کچھ اور بتائے تو تم اس کا جھوٹ پکڑ سکتی ہو۔"

"محترم ربی! ایسا ایک آدمی میرے نانا کے مہمان خانے میں موجود ہے۔ وہ فلپائن سے آیا ہے۔ اسی تلاش میں آیا ہے کہ اسرائیل کی سرزمین پر صدیوں پرانے آثارِ قدیمہ کے متعلق کسی تحریر سے معلومات حاصل کرے۔ اسے مشکل سے مشکل اور ناقابلِ فہم تحریریں پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔"

"ایسی بات ہے تو ہم اس سے رابطہ قائم کریں گے۔ اس سے پہلے تم اس کے دماغ کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھو۔ پہلے سے اس کی ہسٹری شیٹ معلوم کرلو۔"

میں نے معلوم کرنا شروع کیا۔ پنڈت سمانو کے آباؤاجداد فلپائن میں عرصے سے آباد تھے۔ اس کے پردادا کے پردادا، مہاراجہ مکتی سنہا کے دربار میں راج جوتشی تھے۔ مکتی سنہا نے ہی جزیرہ کادی کادی میں ایک محل بنایا تھا اور اس کا نام مکتی محل رکھا تھا۔ وہ پورے فلپائن کا حکمراں تھا۔ چاہتا تو ایسا مکتی محل فلپائن کے کسی بڑے شہر میں بنا سکتا تھا لیکن گوری سجاتہ کی وجہ سے اس نے جنوبی جزیرے کادی کادی کا انتخاب کیا تھا۔

قصہ یوں ہے کہ گوری سجاتہ کے حسن و جمال کا چرچا دور دور تک تھا۔ دھوبی گھاٹ سے گزرنے والے مسافر یا شکاری یا پھر مہاراجہ کی فوج کے سپاہی اس کا ذکر دور دور تک لے جاتے تھے۔ شاعر اس کے حسن پر

شاعری کرتے تھے۔ کہنے والے تو یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ گوری سجاتہ محلوں میں پہنچ جائے تو مہارانیوں کا حسن پھیکا پڑ جائے۔

مہاراج مکتی سنہا نے یہ سُنا تو اسے دیکھنے کو مچل گیا۔ وزیر نے کہا "مہاراج! وہ دو ٹکے کی چھوکری ہے۔ آپ اسے دیکھنے جائیں گے تو اس کا مان بڑھ جائے گا مگر آپ اپنی سطح سے نیچے چلے جائیں گے۔ اسے یہاں طلب کیا جاسکتا ہے۔"

مہاراج مکتی سنہا نے کہا "نہیں، ہم مہاراج بن کر نہیں بلکہ ایک معمولی شکاری کے روپ میں جائیں گے اور دیکھیں گے، وہ کیسی ہے۔ لوگ تو یوں ہی بے پَر کی اڑاتے ہیں، جیسے انگور نہیں ملتے، وہ اُنھیں کھٹا کہتا ہے۔ گوری سجاتہ جس کے ہاتھ نہیں آتی، وہ اُسے بُرا بھلا کہتے ہیں اور اس کے عشق کے چرچے طرح طرح سے سناتے ہیں۔"

غرض یہ کہ مہاراجہ مکتی سنہا اپنے دو سپاہیوں کے ساتھ شکار کے بہانے نکلا۔ دھوبی گھاٹ سے گزرتے وقت ایک جگہ رک گیا۔ سستانے کے بہانے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر دور تک کپڑے دھونے والے دھوبیوں اور دھوبنوں کو دیکھنے لگا۔ ایسے ہی وقت اس کی نظر ایک ایسی دھوبن پر پڑی جسے دیکھنے کے بعد وہ اور سب کچھ دیکھنا بھول گیا۔ حتیٰ کہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ پورے ملک کا مہاراجہ ہے۔ اس کے ایک اشارے پر ایسی ہزاروں دھوبنیں پاؤں کی دھول بن سکتی ہیں، وہ اس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔

گوری نے اسے ایک معمولی شکاری سمجھ کر ایک ادائے بے نیازی سے دیکھا۔ پھر منہ پھیر کر جانے لگی۔ اس کے منہ پھیرنے اور جانے کا انداز ایسا دلربایانہ تھا کہ وہ ساتھ ساتھ دل لے گئی۔ اس کی چال میں بانکپن بھی تھا اور مہارانیوں کا وقار بھی۔ اس کی اداؤں میں شوخیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ مکتی سنہا سے رہا نہ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر راستہ روک لیا۔ پھر کہا "میں تھکا ہوا مسافر ہوں۔ ایک رات یہاں رہنا چاہتا ہوں کیا تیرے ہاں پناہ ملے گی؟"

گوری کے باپ نے قریب آکر کہا "سب مسافر میری بیٹی کو دیکھ کر تھک جاتے ہیں۔ یہاں رہنا چاہتے ہیں لیکن ...."

گوری نے اپنے باپ کی بات کاٹ کر ایک طرف بڑھتے ہوئے کہا "لیکن سب ہار کر جاتے ہیں کیونکہ میرا سپنا کوئی پورا نہیں کرسکتا۔"

مہاراجہ نے پوچھا "تمہارا سپنا کیا ہے؟"

وہ دور خلا میں تکتے ہوئے بولی "دولت اور بہت سی دولت۔ اتنی دولت کہ محل کی مہارانیوں کے پاس بھی نہ ہو۔"

مکتی سنہا نے اپنے گلے سے سچے موتیوں کی مالا اتار کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ اتنی دولت ہے کہ تم خواب میں بھی نہیں سوچ سکتیں۔ یہ سچے موتی ہیں۔"

گوری سجاتہ نے اسے ہاتھ میں لے کر بے یقینی سے دیکھا۔ اس کے باپ نے بھی للچائی ہوئی نظروں سے موتیوں کی مالا کو دیکھتے ہوئے کہا "ہاں، موتی سچے لگتے ہیں۔"

گوری کی ماں نے پاس آکر مالا کو جھپٹتے ہوئے کہا "جب یہ سچے ہیں تو یہ مسافر بھی اچھے ہیں۔ انہیں ہمارے ہاں ٹھہرنے کی جگہ ضرور ملنا چاہیے۔"

مکتی سنہا اس رات ان کے جھونپڑے میں قیام کرنے کے لیے رک گیا۔ کہاں محل اور کہاں جھونپڑا، لیکن اسے ایک ذرا تکلیف کا احساس نہ ہوا۔ وہ رات کو کھانا لے کر جھونپڑی میں آئی تو مکتی سنہا نے ایک چھوٹی سی تھیلی اس کے آگے رکھ دی۔ اس نے پوچھا "یہ کیا ہے؟"

"کھول کر دیکھو۔"

گوری نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں سونے کے سکے تھے۔ وہ حیرانی سے تمام سکے نکال کر دیکھنے لگی۔ مکتی سنہا نے پوچھا "تم نے اتنی دولت کبھی دیکھی ہے؟"

"نہیں، پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ تم کسی مہاراجہ سے کم نہیں ہو۔"

وہ مکتی سنہا کے قدموں میں بچھ گئی۔ وہ شاندار محلوں کا رہنے والا مہاراجہ تھا لیکن ایسی جھونپڑی والی رات اس کی زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی۔ وہ محلوں کو بھول گیا تھا۔ مہارانیوں کو فراموش کر چکا تھا۔ حتیٰ کہ اسے اپنا ہوش بھی نہیں رہا تھا۔ صبح ہوتے ہوتے اسے یہ خیال ستانے لگا کہ گوری سجاتہ اگرچہ بے حد حسین ہے، اس کا کوئی جواب نہیں ہے، لیکن لالچی ہے۔ وفادار نہیں رہ سکے گی۔ مجھ سے زیادہ دولت مند آئے گا تو یہ مجھے کمتر سمجھے گی، ہو سکتا ہے مجھے چھوڑ کر ادھر چلی جائے۔

اس نے ایک رات قیام کرنا چاہا تھا لیکن وہاں سے جا نہ سکا۔ جب سونے سے بھری ہوئی تھیلیاں ختم ہو گئیں تو گوری بھی ادھر کا راستہ بھول گئی۔ اس نے گوری کے ماں باپ کو بلا کر پوچھا "وہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنے ننھیال چلی گئی ہے۔ تم یہاں سے جاؤ۔ بہت رہ چکے۔"

وہ وہاں سے محل کی طرف چلا لیکن دل اور دماغ پر وہی چھائی ہوئی تھی۔ کھلونا کتنا ہی خوب صورت اور دلچسپ ہو، اس سے کھیلتے کھیلتے جی بھر جاتا ہے۔ کھانا کتنا ہی لذیذ ہو، آدمی ضرورت سے زیادہ نہیں کھا سکتا۔ ایک بار اس سے اُکتا ہی جاتا ہے۔ لیکن گوری سجاتہ ایک نشہ تھی۔ نشے کی خاصیت یہ ہے کہ جب ہاتھ آئے تو دھیرے دھیرے اثر کرتا ہے اور جب ہاتھ نہ آئے تو اپنی تاثیر یاد دلاتا ہے اور طلب میں شدت پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔

وہ محل میں پہنچتے پہنچتے اور دیوانہ ہو گیا۔ اس نے حکم دیا "گوری سجاتہ کو زبردستی محل میں پہنچایا جائے۔"

وزیر اعظم بولا "مہاراج! ایک نیچ ذات کی عورت محل میں آئے گی تو مہارانیوں کے وقار کو ٹھیس پہنچے گی۔ پھر یہ بات آپ کی شان کے خلاف ہے۔ آپ گوری سجاتہ کو چاہتے ہیں تو اس کے لیے کسی اور محل کا انتخاب کریں۔ اُسے یہاں لانا مناسب نہیں ہے۔"

بڑی مہارانی نے بھی اس پر اعتراض کیا۔ آخر یہ طے پایا کہ گوری سجاتہ کو جزیرہ کادی کادی میں پہنچایا جائے۔

ان دنوں اس جزیرے میں یہ مکتی محل نہیں تھا۔ مہاراجہ مکتی سنہا نے حکم دیا، ایک عالی شان محل تعمیر کیا جائے اور اس کے نیچے اتنا بڑا تہ خانہ بنایا جائے جس میں سونا، چاندی ہیرے جواہرات اور دنیا بھر کی دولت کو ذخیرہ کیا جا سکے، اور وہ تہ خانہ ایسا ہو کہ وہاں تک پہنچنا ہر ایک کے لیے آسان نہ ہو۔

ایک طرف محل تعمیر ہو رہا تھا، دوسری طرف ایک چھوٹے سے مکان میں گوری سجاتہ کو لے جا کر قید کر دیا گیا تھا۔ ایک دن مکتی سنہا اس کے قید خانے میں پہنچا تو گوری اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ مکتی سنہا نے کہا "میں بہت دولتمند ہوں۔ میرے ہی آدمیوں نے تمہیں یہاں قید کر رکھا ہے۔ میں آج بھی تمہارے لیے بہت ساری دولت لایا ہوں۔"

وہ اس قید سے پریشان تھی۔ وہاں سے رہائی چاہتی تھی۔ اس نے مکتی سنہا کو اس دولت کے ساتھ قبول کر لیا۔ دوسری طرف مکتی محل تعمیر ہو رہا تھا۔ مہاراجہ کبھی کبھی جزیرے میں آتا۔ زیادہ تر اپنی راج دھانی میں رہتا تھا۔ جب بھی وہ اس

کے پاس آتا تو وہ بڑی حسرت سے مکتی محل کی طرف دیکھتے ہوئے کہتی "دیکھو کتنا بڑا محل تعمیر ہو رہا ہے۔ پتا نہیں وہ کون خوش نصیب مہارانی ہو گی جو یہاں رہے گی۔"

مکتی سنہا نے پوچھا "اگر یہاں کا مہاراجہ تمہیں اس محل میں بلائے، اپنی مہارانی بنائے اور وہ محل تمہیں دے دے تو مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟"

اس نے بڑی مکاری سے کہا "میں لالچی نہیں ہوں۔ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں۔ تمہارے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔ تمہارے سامنے مہاراجہ مکتی سنہا کیا چیز ہیں۔"

ایک دن وہ محل تیار ہو گیا۔ مہاراجہ کے سپاہیوں نے اس کے پاس آ کر کہا "ہمارے مہاراج نے تمہاری ایک جھلک دیکھی ہے۔ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے تمہیں بلایا ہے۔"

وہ فوراً ہی اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی وہ اتنے عالی شان محل میں قدم رکھ سکے گی۔ جب اس نے وہاں قدم رکھا اور مکتی سنہا کو دیکھا تو ایک دم سے پریشان ہو گئی۔ اس نے پوچھا "کیوں گوری! کیا بات ہے۔ تم تو کسی دولت مند شکاری سے محبت کرتی تھیں، اس کی وفادار تھیں۔ اس کے لیے جان دینا چاہتی تھیں؟"

اس نے قدموں میں گرتے ہوئے کہا "میں بے وفا نہیں ہوں۔ میں آج بھی آپ کے لیے جان دے سکتی ہوں۔ ان سپاہیوں نے حکم دیا کہ مہاراج کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ میں اتنے بڑے ملک کے مہاراجہ کے حکم سے کیسے انکار کر سکتی تھی۔ مجبوراً یہاں چلی آئی۔"

مہاراجہ مکتی سنہا ایک بار پھر اس کی باتوں میں آ گیا۔ ایک دن اسے تہ خانے میں لے گیا۔ وہاں جب اس نے دولت کا انبار دیکھا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مہاراجہ حسن و جمال کی چمک دمک میں ایک بے وفا عورت کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔

گوری سجاتہ کے حسن کا جادو ایسا سر چڑھ کر بولنے لگا کہ وہ محل کی طرف واپس جانا بھول گیا۔ اپنی حکومت کو بھول گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سال بھر کے اندر ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ چھوٹے چھوٹے راجہ اور جاگیردار بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر پڑوس کے راجہ نے حملہ کر دیا۔ تب مہاراجہ مکتی سنہا کو اپنی راج دھانی واپس جانا پڑا۔ اس نے گوری سجاتہ سے وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی واپس آئے گا۔

مگر وہ واپس نہ آ سکا۔ اس کے متعلق طرح طرح کی خبریں ملنے لگیں۔ کوئی کہتا تھا، اب اس ملک میں کوئی دوسرا حکمراں آ گیا ہے اور مہاراجہ مکتی سنہا کو قیدی بنا لیا گیا ہے پھر خبر ملی کہ مکتی سنہا کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مہارانی نے اپنے پتی کے مرنے کی خبر سنتے ہی ایک چتا تیار کی تھی۔ پھر اس میں جل کر ختم ہو گئی تھی۔

ایک دن نئے مہاراجہ کا لشکر جزیرہ کادی کادی پہنچا۔ اس جزیرے کی رانی گوری سجاتہ کہلاتی تھی۔ نیا حکمراں بھی اس کے حسن و جمال کی تعریف سن کر اتنی دور جزیرے میں آیا تھا۔ جب اس نے گوری کو دیکھا تو کیسے دل نہ ہارتا۔ نگاہوں کا پہلا قدم پڑتے ہی لوگ پھسل جاتے تھے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کو فتح کرنے والے اس نئے حکمراں نے بھی اس کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔

ایک رات گوری نے اس سے کہا "مہاراج! میرے پاس جو بھی ہے، وہ پہلے مہاراجہ کا دیا ہوا ہے۔ آپ نے مجھے کیا دیا ہے؟"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"راج دھانی میں مہارانی کے جتنے زر و جواہر ہیں، جو دولت وہ چھوڑ کر چتا میں جل مری ہے، وہ سب مجھے چاہیے۔"

جلد ہی وہ سب کچھ گوری سجاتہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ گوری نے اسے بھی تہ خانے میں چھپا دیا۔ جب وہ مکتی محل کے راج سنگھاسن پر بیٹھتی تھی یا آرام دہ بستر پر لیٹتی تھی یا فرش پر چلتی تھی تو اس کا سر غرور سے تن جاتا تھا اور وہ کہتی تھی "میں دولت کے انبار پر چلتی ہوں اور میرے قدموں تلے دنیا کے نایاب ہیرے اور جواہرات بچھے رہتے ہیں۔"

یہ نیا حکمراں صرف چھ ماہ گوری سجاتہ کے ساتھ زندگی گزار سکا، اس کے بعد چل بسا۔ گوری بہت خوش تھی۔ اب کوئی تیسرا حکمراں آنے والا تھا۔ اس کے تہ خانے میں دولت کا اضافہ ہونے والا تھا۔ خبریں پھیلتی رہتی تھیں کہ پھر ملک میں بدامنی پھیل گئی ہے۔ خانہ جنگی زور و شور پر ہے اور کوئی نیا فاتح اس ملک میں آنے ہی والا ہے۔

ایک دن اچانک مہاراجہ مکتی سنہا محل میں پہنچ گیا۔ اسے دیکھتے ہی گوری سجاتہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ جیسے مُردے کو زندہ ہوتے دیکھ رہی ہو یا مہاراجہ کا بھوت شمشان گھاٹ سے چلا آیا ہو۔

مہاراجہ مکتی سنہا نے طنزیہ انداز میں کہا "تم سوچ رہی تھیں،

میں مرچکا ہوں۔ میرے بعد دوسرا آیا ہے۔ دوسرے کے بعد تیسرا بھی آئے گا۔ لو، میں ہی تیسرے کے روپ میں آگیا ہوں۔ تم تو بڑی وفادار عورت ہو۔"

وہ آگے بڑھ کر اس کے پاؤں چھونا چاہتی تھی۔ گویا پھر اپنی محبت کا فریب دینا چاہتی تھی۔ اس کے لیے اپنے حسن و شباب کے ہتھکنڈے استعمال کرنا ضروری تھا لیکن مہاراجہ نے اسے پرے دھکیل دیا۔ پھر حکم دیا "سونے کی زنجیریں تیار کرو اور اسے پہنا دو۔"

دو دن بعد وہ تہ خانے میں آیا۔ گوری سجاتا سونے کی بنی ہوئی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ مکتی سنہا نے پوچھا۔ "کیا اتنا سونا کافی ہے؟"

وہ گڑگڑا کر بولی "میں قسم کھا کر کہتی ہوں، آپ کے بعد میں نے کسی دوسرے مرد کا منہ نہیں دیکھا۔ وہ نیا مہاراجہ یہاں آیا تھا لیکن میں نے صاف صاف کہہ دیا اگر تم مجھ کو ہاتھ بھی لگاؤ گے تو جان دے دوں گی۔"

مکتی سنہا نے طنزیہ انداز میں کہا "بہت خوب، اور ابھی تک تم نے جان نہیں دی۔ شاید فرصت نہیں ملی ہوگی۔ ایک وہ وفادار عورت میری مہارانی تھی جس نے میری موت کی خبر سنتے ہی خود کو چتا میں جلا کر بھسم کر ڈالا۔ وہ میری محبت کی خاطر آگ میں جلتی رہی اور تم یہاں تہ خانے کی دولت پر عیش کرتی رہیں۔"

پھر مہاراجہ نے حکم دیا "اس حسین بلا کے ناخن کیسے گلابی گلابی سے ہیں۔ گلابی رنگ کے قیمتی ہیرے ناخن کی صورت میں تراشے جائیں۔ پھر اس کے ناخن نکال کر ان کی جگہ وہ ہیرے جڑ دیے جائیں۔"

وہ چیختی چلاتی رہی۔ مہاراجہ حکم دے کر چلا گیا۔ پھر وہ جس اذیت ناک کرب سے گزرتی رہی، یہ وہی جانتی ہوگی۔ اس کے ناخنوں کے سائز کے گلابی ہیرے تراشے گئے۔ پھر ایک ایک ناخن نکالا گیا۔ وہاں وہ ہیرے جڑ دیے گئے۔ وہ چیختی تھی اور کبھی بے ہوش ہو جاتی تھی لیکن حکم کی تعمیل کی جا رہی تھی۔ ایک دن مہاراجہ نے آ کر دیکھا۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کے ناخن نہیں تھے۔ ان کی جگہ ہیرے جگمگا رہے تھے۔

اس نے کہا "گوری! تم چاہتی تھیں، دولت تمہارے پاس رہے، کوئی اسے چھیننے نہ پائے۔ کوئی چھیننے آئے گا تو تم اُس کا دل چھین لو گی، اُسے میری طرح اُلو بنا دو گی۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ دولت تمہارے پاس ہی رہے گی۔ تمہارے بدن سے لگی رہے گی جیسے یہ ہیرے لگے ہوئے ہیں۔"

پھر اس نے حکم دیا "اب اس حسین بلا کے تمام دانت نکال لو اور اس کی جگہ سفید نگینے جڑ دو۔"

وہ تڑپ کر وہاں سے جانا چاہتی تھی لیکن سونے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی "نہیں نہیں، بھگوان کے لیے مجھے مار ڈالو۔ مجھے جان سے مار ڈالو۔ لیکن میں یہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ ظلم ہے۔ درندگی ہے۔"

مہاراجہ نے پھر ایک دن آ کر دیکھا۔ اب اس کے دانت نہیں تھے، ان کی جگہ سفید نگینے جگمگا رہے تھے۔ اس نے کہا "میں درندگی نہیں دکھا رہا ہوں۔ انصاف کر رہا ہوں۔ تمہیں دولت چاہیے، دولت دے رہا ہوں۔ اس سے بڑا انصاف کیا ہو سکتا ہے۔ دولت کو تمہارے وجود سے چپکا رہا ہوں۔ اسے کوئی تم سے چھین نہیں سکے گا۔ چھیننا چاہے گا تو دولت کے ساتھ تمہیں بھی لے جانا پڑے گا۔"

اس بار اس نے حکم دیا "اس حسین بلا کا سر مونڈ ڈالو۔ اس کی زلفیں ریشمی اور سنہری ہیں۔ ٹھیک اسی طرح سونے کی زلفیں تیار کرو اور اس کے سر کو ان زلفوں سے سنوار دو۔"

وہ حکم دے کر چلا گیا۔ اس بار اس نے احتجاج نہیں کیا، چپ چاپ حکم سنتی رہی۔ اس کا خیال تھا، سر مونڈ ڈالنے سے تکلیف نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ جن ریشمی سنہری زلفوں پر ناز کرتی تھی، وہ نہیں رہیں گی۔ لیکن سچ مچ سونے کی زلفیں تیار کی گئیں اور پھر اس کے سر سے چپکانے کے لیے سونے کو آگ سے پگھلا پگھلا کر سر سے چپکایا گیا تو وہ تکلیف کی انتہا کو برداشت نہ کر سکی، بے ہوش ہو گئی۔

طویل بے ہوشی کے بعد ہوش آیا تو وہ اپنے حواس میں نہیں تھی۔ اس کے سر پر قیامت ٹوٹتی رہی تھی۔ ایسے میں بھلا دماغ کیسے متاثر نہ ہوتا۔ وہ وقتی طور پر دماغی توازن سے محروم ہو گئی۔

پھر جانے کتنے مہینے گزر گئے۔ رفتہ رفتہ وہ ہوش مندی کی باتیں کرنے لگی۔ حواس بحال ہو گئے لیکن سر پر بوجھ سا رہتا تھا کیونکہ سونے کی زلفیں، سر سے بندھی ہوئی تھیں۔ اسے آئینہ دکھایا گیا۔ زلفیں بہت ہی خوب صورت تھیں۔ پیچھے بڑا سا جوڑا بندھا ہوا تھا اور اس جوڑے میں ایک سورج مکھی کا پھول مسکرا رہا تھا۔ وہ پھول بھی ہیرے جواہرات کو تراش کر بنایا گیا تھا۔

اس نے آئینے میں دیکھا تو آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ التجا آمیز نظروں سے مہاراجہ کو دیکھنے لگی۔ پھر رحم کی بھیک مانگنے لگی۔ مہاراجہ مکتی سنہا نے کہا "میرے رحم کھانے سے میری مہارانی زندہ نہیں ہو جائے گی۔ وہ محبت کرتی تھی۔ محبت کا تقاضا تھا کہ میرے لیے مر جائے۔ وہ مر گئی۔ تمہاری محبت کا تقاضا تھا دولت۔ اور دولت تمہیں مل رہی ہے۔"

مہاراجہ نے چار جوہریوں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ وہ تہ خانے میں آتے تھے اور مہاراجہ کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ اس بار اس نے حکم دیا "اتنی خوب صورت بانہوں کو ضائع نہ کیا جائے۔ جتنی یہ خوب صورت ہیں، اتنی ہی خوبصورتی سے ان پر ہیرے جواہرات کا پلاستر چڑھایا جائے۔"

اس بار گوری سجاتا نے رحم کی التجا نہیں کی۔ اُسے نفرت سے دیکھا پھر کہا "میں سمجھ گئی ہوں۔ تو مجھ سے انتقام لے رہا ہے مگر یاد رکھو، میں تیرے پاس نہیں گئی تھی، تو میرے پاس آیا تھا۔ غرض مند تو تھا۔ تو راجہ ہے۔ کیا تیرے لیے کوئی سزا نہیں ہے؟"

وہ منہ پھیر کر جانے لگا۔ وہ چیختے ہوئے بولی "میں انتظار کر رہی ہوں۔ پھر کوئی نیا حکمراں آئے گا۔ تجھے شکست دے گا، تجھے مار ڈالے گا۔ پھر مجھے اس تہ خانے سے نجات مل جائے گی۔"

اس نے پلٹ کر کہا "میں تجھے اسی لیے دولت مند بنا رہا ہوں کہ تیری جان نہ نکلے۔ ابھی تیرے جسم کے ان حصوں کو ہیرے جواہرات سے مزین کیا جا رہا ہے جہاں اذیت تو پہنچتی ہے مگر جان نہیں نکلتی۔ تو ابھی زندہ رہے گی۔"

وہ چلا گیا۔ جب اسے اطلاع ملتی تھی کہ حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے تو وہ آیا کرتا تھا اور پھر کوئی نیا حکم دے کر چلا جاتا تھا۔

اس کے بازوؤں کے بعد اس کی ٹانگیں بھی ہیرے جواہرات سے جڑ دی گئیں۔ ایک دن اس نے اس کے لبوں کو چھو کر کہا "کتنے خوب صورت ہونٹ ہیں۔ ان ہونٹوں سے تو نے کتنے جھوٹ بولے ہیں، کتنے فریب دیے ہیں۔"

پھر اس نے پلٹ کر حکم دیا "ایک بیش قیمت لعل کو تراشا جائے اور اس کے ہونٹوں کو یہاں سے تراش کر لب لعلیں کی مثال پیش کی جائے۔"

یہ سنتے ہی گوری سجاتا نے اس پر تھوک دیا لیکن چار دن کے بعد تھوکنے کے قابل نہ رہی۔ اس کے ہونٹ ساکت ہو گئے تھے۔ تراشیدہ لعل کے ہونٹ نہایت ہی خوب صورت اور جاذب نظر تھے۔ مگر ساکت و بے جان، صرف دیکھنے کے لیے تھے۔

اب وہ سونے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی نہیں تھی۔ کہیں چلنے پھرنے کے قابل بھی نہیں تھی۔ ایک جگہ لیٹی ہوئی تھی اور بے جان مجسّمے کی طرح نظر آتی تھی۔ صرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خلا میں تکتی رہتی تھی۔ اس بار مہاراجہ مکتی سنہا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "کیسی جھیل کی طرح گہری آنکھیں ہیں۔ آنکھوں کی پتلیاں سبز ہیں۔"

اس نے جوہریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "دیکھو، غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھو۔ سبز پتلیوں کی جگہ زمرد جڑے جائیں اور آنکھیں جیسی خوب صورت ہیں، ویسی ہی تراشی جائیں۔ کوئی کمی نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ چلا گیا۔ اس بار گوری سجاتا آنکھیں نکالتے وقت تکلیف برداشت نہ کر سکی۔ ہمیشہ کے لیے اپنی جان ہار گئی، لیکن مہاراجہ مکتی سنہا نے جو سوچا تھا، وہی ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد بھی دولت اس کے جسم سے چپکی رہی۔ ایسی دولت جو نایاب تھی اور اب تاریخی اہمیت کی حامل تھی۔ اس کا تمام جسم ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا تھا۔ جسمانی کھال یا

گوشت کہیں نظر نہیں آتا تھا اور دو سو برس کے بعد تو نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئی ہوگی، لیکن وہ ڈھانچہ بھی ہیرے جواہرات سے مزین کیے ہوئے جسم کے اندر چھپا ہوگا۔

میں پنڈت سمانو کا دماغ پڑھتی جاتی تھی اور ربی اسفندیار کو اس کے متعلق بتاتی جاتی تھی۔ ربی نے تمام تاریخی واقعے کو سننے کے بعد کہا "وہ نایاب تاریخی مجسمہ ہمارے ملک میں ہونا چاہیے۔ ایک تو اس سے ہماری دولت میں اضافہ ہوگا' دوسرے ہم ایسے خصوصی عجائب گھر میں رکھیں گے۔ اُسے دیکھنے کے لیے ہر ملک سے سیاح آیا کریں گے اور ہمیں لاکھوں، کروڑوں ڈالر کا زرِ مبادلہ حاصل ہوگا۔"

"آپ میری رہنمائی فرمائیں۔ ہم کس طرح پنڈت سمانو کو اپنا آلۂ کار بنا سکتے ہیں اور میں کس طرح اسے ٹریپ کر سکتی ہوں۔"

"اسے ٹریپ کرنا اور اپنا آلۂ کار بنانا ضروری نہیں ہے۔ تم چپ چاپ معلومات حاصل کرتی رہو کہ وہ قدیم تاریخی مسودہ کہاں ہے اور اس کا ترجمہ ہم اپنی زبان میں کس طرح کر سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ وہ تمام دولت اور گوڑی سجاتہ کا مجسمہ اب بھی اس تہ خانے میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر یہ سب کچھ وہاں موجود ہے تو ہم تہ خانے تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔"

میں نے معلوم کیا۔ وہ قدیم تاریخی مسودہ اس کی اپنی رہائش گاہ میں تھا۔ وہ فلپائن کے اسی جزیرہ کادی کاوی میں رہتا تھا۔ وہاں اس کے آباد اجداد کے زمانے کا ایک مکان تھا جو کئی بار گر چکا تھا اور کئی بار تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے ایک کمرے میں بڑا سا لکڑی کا صندوق تھا۔ صندوق کے اندر ایک اور چھوٹا صندوق تھا جس میں صرف یہی ایک قدیم تاریخی مسودہ نہیں بلکہ اور بھی صدیوں پرانے مسوّدات رکھے ہوئے تھے۔ اس کے خاندان میں پرانی تحریریں پڑھنے کا سلسلہ آباو اجداد کے زمانے سے چلا آرہا تھا، اسی لیے وہ ناقابلِ فہم تحریروں کے رموز و اشارے سمجھ لیتے تھے۔ نقطے، لکیریں، زاویے اور دائروں کی مخصوص شکل سے کیا مفہوم نکالا جاسکتا ہے وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

اس کے باپ دادا اسی شوق میں نگری نگری گھومتے تھے۔ انھوں نے سری لنکا، ہندوستان اور مصر وغیرہ پہنچ کر وہاں سے نادر اور ناقابلِ فہم نسخے حاصل کیے تھے جنھیں سمجھ لینے کے بعد خفیہ خزانوں کا علم ہوتا تھا اور یہی کشش پنڈت سمانو کو اسرائیل کی زمین تک لے آئی تھی۔

ربی اسفندیار نے کہا "یہ معلوم کرو، جب اتنے خزانوں کا علم اس پنڈت کو ہے تو کیا اس نے یا اس کے باپ دادا نے وہ تمام خزانے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اور اگر نہیں کی تو اس کی وجہ کیا ہے؟"

پنڈت سمانو کے دماغ نے بتایا، جوتش ودیا یعنی علمِ نجوم انہیں خاندانی ورثے میں ملتا چلا آرہا ہے۔ اس کے پردادا کے پردادا نے بھی اس علم کے ذریعے معلوم کیا تھا کہ ان میں سے کوئی وہ خزانہ حاصل نہیں کرسکے گا۔ تقدیر کے کھیل اتنے عجیب ہوتے ہیں کہ پہلے پہل یہ انسان کی سمجھ میں نہیں آتے۔ بعد میں اس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

مثلاً اس تہ خانے میں اترنے کے لیے علمِ نجوم کے ذریعے جو بات معلوم ہوئی، وہ یہ تھی کہ اس تہ خانے میں ایسے لوگ جائیں گے جن کے ساتھ کچھ نادیدہ ہستیاں موجود رہیں گی جو کسی کو نظر نہیں آئیں گی لیکن وہ تہ خانے میں جانے والوں کے ساتھ ساتھ موجود رہیں گی اور ان کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

علمِ نجوم کے ذریعے معلوم ہونے والی یہ باتیں شاید پنڈت سمانو کے باپ دادا کے لیے بھی ناقابلِ فہم یا مضحکہ خیز رہی ہوں گی۔ بھلا نادیدہ ہستیاں کیا ہوسکتی ہیں۔ اب جب میرے فرماں بردار مسلح افراد سجاد علی تیمور کے ساتھ اس تہ خانے میں پہنچ گئے ہیں تو یہ بات مضحکہ خیز نہیں رہی۔ اگر میں نادیدہ نہیں ہوں لیکن تہ خانے میں جانے والوں کے لیے نادیدہ ہوں۔ انہیں نظر نہیں آئی مگر ان کی رہنمائی کرتی رہی۔ اسی طرح رسوتتی اور فرہاد، سجاد علی تیمور کی رہنمائی کرتے رہے۔

ہمیں اس قیمتی لاش کو حاصل کرنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے۔ ربی اسفندیار نے منصوبہ بنایا کہ جزیرہ کادی کاوی میں پہلے اپنے قدم جمانا چاہئیں۔ اپنے وفاداروں کو وہاں بھیج کر میدان ہموار کرنا چاہیے۔ اس کے لیے انھوں نے اپنی حکومت سے اس سلسلے میں گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا۔ انہیں بتایا کہ انھوں نے روحانی علم کے ذریعے جزیرہ کادی کاوی میں چھپے ہوئے ایک نایاب مجسمے کا پتا چلایا ہے۔ اگر اسے کسی طرح حاصل کرکے اپنے ملک میں لایا جائے تو بے تحاشا زرِ مبادلہ کمایا جاسکتا ہے۔

حکومت بھلا ربی اسفندیار کا ساتھ کیسے نہ دیتی جب بچے سے لے کر بوڑھے تک ہر فرد برسوں سے ان کا معتقد چلا آرہا ہے۔ ہماری حکومت کی طرف سے بہترین افراد کا انتخاب ہوا اور انہیں جزیرہ کادی کاوی کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

پھر ایسے لوگ بھی تھے جو فلپائن کے شہر منیلا بھی گئے تاکہ وہاں کے سیاسی حالات کا صحیح اندازہ کرکے اپنے لوگوں کی رہنمائی کرسکیں۔ پھر رہنمائی کرنے کے سلسلے میں یہی منصوبہ کامیاب ہوا کہ مسلمانوں کا ساتھ دیا جائے۔ اس کے لیے ایک یہودی شخص، عیسائی جوزف کے نام سے جزیرے میں پہنچا۔ اس نے بڑے ہی ڈرامائی انداز میں سلیمان موروز اور اس کے ساتھی مسلمانوں کے سامنے اسلام قبول کیا، سب اس سے متاثر ہوگئے۔ انھوں نے اس نومسلم احمد جوزف کو جزیرے کے شمالی حصے کا سردار بنادیا۔

اِدھر میں فلپینو سیکتی رہی تاکہ وہاں کے سرکردہ لوگوں کو خیال خوانی کے ذریعے اپنا مطیع اور فرماں بردار بناتی رہوں۔ دوسری طرف ہماری حکومت نے فلپائنی حکمرانوں سے سودا کیا۔ اگر وہاں کے حکمراں اس دور افتادہ جزیرے کادی کاوی کو یہودیوں کے حوالے کردیں تو وہ فلپائن سے مسلمانوں کے سیاسی قدم اکھاڑ دیں گے لیکن فلپائنی حکمراں سپر ماسٹر کے زیرِ اثر رہتے آئے تھے۔ اس لیے انھوں نے اسرائیلیوں کی پیش کش کو قبول نہیں کیا۔

اب ہم فلپائنیوں کو ایک اچھا سبق سکھانا چاہتے تھے۔ ہمارے جو آدمی جزیرہ کادی کاوی پہنچے تھے، ان میں سے ایک نے پنڈت سمانو کے مکان میں نقب لگائی۔ اس صندوق تک پہنچا اور بہت ہوشیاری سے اس صندوق کو چرا کر لے آیا۔ اسے بڑے رازدارانہ انداز میں اسرائیل پہنچا دیا گیا۔ میرے سامنے اسے کھولا گیا۔ ربی نے اس میں سے کئی قدیم تاریخی مسودے نکالے ان میں کئی پیچیدہ نقشے بھی تھے۔ ہم نے پنڈت سمانو کو شاہی مہمان بنا کر رکھا تھا۔ جب تک ہم جزیرے کادی کاوی میں مصروف رہے اور اس کے ہاں سے مسوّدات چوری کرکے اپنے یہاں منگوائے اس وقت تک اسے ہم نے تل ابیب سے جانے کا موقع نہیں دیا۔ اس کی بڑی خاطر مدارات کی۔ اسے سبز باغ دکھاتے رہے کہ اسرائیلی تاریخ سے تعلق رکھنے والے مسوّدات اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے لیکن ابھی کچھ قباحت ہے۔ اسے انتظار کرنا ہوگا۔

سب سے پہلے ربی اسفندیار نے ان مسوّدات کو اس کے سامنے پیش کیا جنھیں وہ اپنی لائبریری میں ایک عرصے سے چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔ میں پنڈت سمانو کے دماغ میں موجود تھی۔ وہ ان مسودوں کو پڑھ رہا تھا، حیران ہو رہا تھا لیکن حیرانی ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ اِدھر جو کچھ وہ پڑھتا جا رہا تھا، میں لکھتی جا رہی تھی۔ آخر پنڈت نے کہا "یہ مسودہ بہت اُلجھا ہوا ہے۔ تحریر ناقابلِ فہم ہے۔ اسے پڑھنے میں ایک عرصہ لگے گا۔"

ربی اسفندیار نے اس سے تمام مسوّدے اور نقشے لے کر کہا "کوئی بات نہیں، ہم اس کی نقل تمہیں دیں گے۔ تم یہاں رہ کر اطمینان سے پڑھتے رہنا لیکن اصل مسودہ میری حفاظت میں رہے گا۔"

انھوں نے اپنے مسوّدے کو حفاظت سے رکھ لیا۔ اس کے بعد اسے شاہی مہمان بنائے رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جتنے مسوّدات ہم اس کے مکان سے چرا کر منگوا چکے تھے، ان میں سے ایک مسوّدے کی نقل ہم نے اس کے سامنے پیش کی۔ وہ اسے دیکھتے ہی چونک گیا۔ اس نے پوچھا "یہ آپ کو کہاں سے ملا؟"

ربی نے کہا "اس سوال کا جواب ضروری نہیں ہے۔ مسوّدے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا انگریزی میں ترجمہ کردو۔"

"میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے، اس مسوّدے کی نقل آپ لوگوں تک کیسے پہنچی جبکہ میں نے اسے بہت ہی جتن سے چھپا کر رکھا تھا۔"

"بڑے بڑے خزانے پاتال میں چھپا کر رکھے جاتے ہیں۔ صدیوں ان کا کھوج نہیں ملتا لیکن وقت آنے پر وہ بھی پاتال سے نکل آتے ہیں۔ تم اس سائنسی دور میں دیکھ رہے ہو، انسان صرف بلندی پر خلا میں جا کر چاند کو نہیں چھوتا۔ بلکہ زمین اور سمندر کی تہ میں پہنچ جاتا ہے۔ تم یہ بتاؤ، اس مسوّدے کا ترجمہ پیش کروگے یا نہیں؟"

اس نے انکار کیا۔ اسے ایک کال کوٹھری میں پہنچا دیا گیا، طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ اس مسوّدے کو کال کوٹھری میں رکھ کر ہلکی سی روشنی کا انتظام کردیا گیا اور کہا گیا "تم ترجمہ پیش کرو یا نہ کرو، اسے پڑھتے رہو اور سوچتے رہو کہ ہمارے لیے اس کا ترجمہ پیش کروگے یا نہیں؟"

وہ اذیتیں برداشت کرتا تھا۔ جب بے ہوش ہو جاتا تو اسے پھر کال کوٹھری میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ سوچتا تھا۔ پھر ہلکی سی روشنی میں مسوّدات کو دیکھتا تھا۔ اب اس کا دماغ اس قدر کمزور ہو چلا تھا کہ قوتِ ارادی برائے نام رہ گئی تھی۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اسے پڑھنے پر مجبور کرتی تھی اور جب وہ پڑھنا شروع کرتا تو میں لکھنے بیٹھ جاتی۔

مختصر یہ کہ اس نے اور اس کے آباو اجداد نے جتنی ناقابلِ فہم تحریریں چھپا کر رکھی تھیں، ہم نے ان سب کا ترجمہ کرلیا اور ان تمام نقشوں کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا

تہ خانے میں پہنچنے کے لیے جو نقشہ ہمارے سامنے تھا اس میں دو راستے دکھائے گئے تھے۔ ایک راستہ وہی تھا جس سے ہمارے آدمی اندر گئے تھے، دوسرا راستہ بہت ہی خطرناک تھا۔ اس خفیہ سُرنگ نما راستے میں صدیوں سے زہریلی گیس موجود تھی۔ پھر وہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ پوری ایک ٹیم بدقت وہاں سے گزر سکتی تھی۔

مکتی محل سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ایک ویرانے میں چھوٹا سا مندر بنا ہوا ہے۔ وہ مندر برسوں سے ویران پڑا ہوا تھا۔ ہم نے کوشش کی کہ اب وہاں کوئی نہ جائے کیوں کہ اس مندر میں جہاں ایک پرانی سی مورتی رکھی ہوئی تھی، اسی مورتی کے نیچے سے ایک زینہ سُرنگ کی طرف جاتا تھا۔ وہ سرنگ دس میل تک چلتی ہوئی مکتی محل کے تہ خانے میں پہنچتی تھی۔ اس کا آخری سرا اسی خوب صورت سے کمرے میں تھا جہاں گوڑی سجاتہ دو سو سال سے پڑی ہوئی تھی جس تابوت میں اسے رکھا گیا تھا، اس کے نیچے لکڑی کا ایک بہت بڑا صندوق تھا۔ وہ سُرنگ نما راستہ اسی صندوق تک پہنچتا تھا۔ اسے کھولنے کے لیے اوپر کی طرف سے تابوت کو ہٹانا ضروری نہیں تھا کیوں کہ وہ صندوق دروازے کے پٹ کی طرح سامنے سے کھلتا تھا۔

ربی اسفندیار نے کہا "سُرنگ نما راستے سے گزرنا مناسب نہیں ہوگا۔ ہم اس راستے سے صرف گوڑی سجاتہ کے مجسمے کو لے جاسکتے ہیں لیکن جتنی بھی دولت تہ خانے میں ہے، اُسے حاصل نہیں کرسکیں گے کیوں کہ سُرنگ کا راستہ گوڑی سجاتہ کے اس صندوق تک پہنچتا ہے جو تابوت کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ جب ہمارے آدمی اس صندوق سے نکل کر گوڑی سجاتہ کے کمرے میں پہنچیں گے تو اس کمرے تک محدود رہیں گے۔ کیوں کہ کمرے کا بڑا سا پیتل کا دروازہ باہر سے کھلتا ہے۔ باہر بارہ چابیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک مخصوص ترتیب سے وہ چابیاں صحیح کی ہول میں داخل کی جائیں، تب دروازہ کھلے گا لیکن اندر رہنے والے ہمارے آدمی یہ ترتیب نہ تو سمجھ سکیں گے اور نہ ہی ان چابیوں تک پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا گوڑی سجاتہ کے مجسمے تک پہنچنے کے لیے یہ سیدھا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ اگرچہ یہ راستہ بھی پُرخطر ہے لیکن ہمارے آدمی اسے عبور کرلیں گے۔"

میری اس آپ بیتی سے یہ بات واضح ہوچکی ہوگی کہ ہم نے فرہاد علی تیمور کو گوڑی سجاتہ تک لے جانا کیوں ضروری سمجھا۔ ہم علم نجوم کے مطابق اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اس تہ خانے میں جو بھی لوگ جائیں گے، ان کے سا نادیدہ ہستیاں ہوں گی۔ اگر ایک نادیدہ ہستی کی بات ہ تو میں ہی کافی ہوتی۔ اسی لیے ہم نے فیصلہ کیا کہ رسونتی ا فرہاد کو اس معاملے میں ملوث کیا جائے اور کام نکال کے بعد انہیں دودھ کی مکھی کی طرح الگ کردیا جائے۔

★

آپ نے مادام کمپیوٹر کی آپ بیتی خود اس کی زبان سے سُن لی۔ جب یہ آپ بیتی دنیا والوں تک پہنچے گی، ا کے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کا بھرم ہمیشہ کے لیے ختم ہوجا گا۔ دہشت گرد تنظیمیں پھر بھی اس سے خوف زدہ رہیں گ اسے مادام کمپیوٹر نہ سہی، مادام شیبا کہا کریں گی لیکن میں صر شیبا کے نام سے اس کا ذکر کروں گا۔

میں شیبا سے کہہ چکا تھا۔ وہ پُراسرار بن کے رہنے کی حماقت نہ کرے۔ اس سے پہلے کتنے ہی خطرناک مجرم ا چہرے پر نقاب ڈال کر مجھے تجسس میں مبتلا کرنے اور م نیند اڑانے کی ناکام کوششیں کرتے رہے۔ جب مجھے پہ بار معلوم ہوا کہ شیبا سلیمان موروز کے دماغ میں آتی ہے ا فلپائنو زبان میں اس سے مخاطب ہوتی ہے تو وہی اس پُراسراریت کا آخری مرحلہ تھا۔

سونیا نے یہ معلوم ہوتے ہی مشورہ دیا "فوراً بابا صاحب کے ادارے سے ہپناٹزم جاننے والوں کی خدمات حاصل کی جائیں۔ رسونتی کو تنویمی عمل کے ذریعے فلپائنو زبان سکھائی جائے۔ بلکہ اس کے ذہن میں یہ زبان نقش کردی جائے اس کے بعد مادام کمپیوٹر ہماری مٹھی میں ہوگی۔"

پھر یہی ہوا۔ تنویمی عمل کے ذریعے رسونتی کے دماغ میں فلپائنو زبان نقش کردی گئی۔ ادھر شیبا مجھے تہ خانے میں لے جانے کے لیے اصرار کررہی تھی اور میں اُسے ٹال رہا تھا اور وہ جھنجلا کر پوچھتی تھی "آخر یہ کیا تک ہے۔ دو دن دوپہر کو تہ خانے میں جانے کا فیصلہ کیوں سنانا چاہتے ہو؟" اور میں کہتا تھا "میری اپنی مجبوریاں ہیں۔ میں خوب سوچ سمجھ کر تہ خانے میں جانے کا فیصلہ کروں گا۔"

یقیناً میرے ٹالنے کے باعث شیبا اور ربی اسفندیا اُلجھن میں پڑ گئے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ میں دوسرے دن دوپہر تک کوئی ایسی چال چلنا چاہتا ہوں جس کے ذریعے ان کی چالیں اُلٹ دوں گا۔ پھر ہر طرح سے اپنا تحفظ کرنے کے بعد تہ خانے میں داخل ہونا چاہوں گا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم فلپائنو زبان کے ذریعے

نہیں تسخیر کرنے والے ہیں جس روز ہم جزیرہ کاوی کاوی پہنچے، اس کے تقریباً چار گھنٹے بعد ہی انکشاف ہوا تھا کہ شیبا فلپائنو زبان جانتی ہے۔ شام تک رسونتی کو تنویمی عمل کے ذریعے یہ زبان سکھا دی گئی۔ اس کے بعد بھی کئی مراحل تھے۔ رسونتی چپ چاپ شیبا کے دماغ میں بیٹھ کر ان مسودات کو پڑھ رہی تھی اور اعلیٰ بی بی کو خیال خوانی کے ذریعے بتاتی جاتی تھی۔ جب ان کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ ایک دوسرا سُرنگ نما راستہ بھی ہے اور اس کے لیے گیس ماسک لازمی ہیں تو اعلیٰ بی بی نے اپنے طور پر ایک منصوبہ بنایا۔ فرانسیسی حکومت سے درخواست کی کہ جلد سے جلد اس کی مطلوبہ چیزیں جزیرہ کاوی کاوی پہنچائی جائیں۔

جزیرے کے باغی مسلمان اتنے محتاط نہیں تھے بلکہ شیبا نے اتنا محتاط کر رکھا تھا کہ وہ کسی طیارے یا ہیلی کاپٹر کو اترنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ساحلی راستے سے بھی کوئی نہیں آسکتا تھا، ہر طرف سخت پہرا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے کہا ہیلی کاپٹر اور طیارے قریبی جزیروں میں پہنچائے جائیں جیسے ہی میں انہیں طلب کروں اور انہیں اترنے کا مقام بتادوں، اسی وقت وہ ہیلی کاپٹر وہاں پہنچ جانے چاہئیں تاکہ گوڑی سجاتہ کے مجسمے کو لے جایا جاسکے۔"

ادھر شیبا نے بھی تہ خانے میں جانے کے لیے گیس ماسک اور دوسری اہم چیزوں کے انتظامات کر رکھے تھے حالانکہ تہ خانے کے سیدھے راستے سے گزرنے کے لیے گیس ماسک کی ضرورت نہیں تھی لیکن ربی اسفندیار نے کہا تھا کہ جب ان کی ٹیم گوڑی سجاتہ کے کمرے تک پہنچ جائے گی تو ان کے چند آدمی گیس ماسک پہنیں گے اور گوڑی سجاتہ کے مجسمے کو اسی سُرنگ سے گزار کر لے جائیں گے۔ پھر اس کے آخری سرے پر اس مندر میں پہنچیں گے۔ وہاں سے چپ چاپ ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے مجسمے کو اسرائیل پہنچا دیا جائے گا۔

اعلیٰ بی بی اپنے منصوبے کے مطابق ایک ہیلی کاپٹر میں جزیرہ کاوی کاوی کے قریبی جزیرے ہولو پہنچ گئی تھی۔ رسونتی خیال خوانی کے ذریعے معلوم کرتی تھی کہ شیبا نے گیس ماسک وغیرہ کا ذخیرہ کہاں رکھا ہے۔ جہاں وہ ذخیرہ تھا، وہاں اس نے خیال خوانی کے ذریعے چند فلپائنی باشندوں کو ٹریپ کیا تھا اور انہیں مجبور کردیا تھا کہ چھ عدد گیس ماسک اور آکسیجن سے بھری ہوئی ٹنکیاں فلاں جگہ پہنچا دی جائیں۔ جہاں وہ پہنچائی گئیں وہاں سونیا مجھ سے رخصت ہوکر پہلے ہی پہنچ گئی تھی۔

جزیرے میں میں اور سونیا تنہا تھے۔ ہمارا کوئی مددگار نہیں تھا۔ سلیمان موروز بھی شیبا کا دیوانہ بنا ہوا تھا اور ہمیں چند مددگاروں کی ضرورت تھی تاکہ وہ گوڑی سجاتہ کا مجسمہ اٹھا کر سُرنگ سے گزرتے ہوئے باہر ہیلی کاپٹر تک پہنچاتے۔ باہر مندر کے آس پاس شیبا نے فلپائنی باشندوں کا سخت پہرہ لگا رکھا تھا۔ رسونتی نے جن فلپائنی باشندوں کو خیال خوانی کے ذریعے ٹریپ کیا تھا، ان میں سے دو ایسے تھے جو مندر میں پہرہ دے رہے تھے۔ انہیں سمجھا دیا گیا تھا کہ فلاں کوڈ ورڈز کے ذریعے تبادلہ ہوگا۔ تب ہی کسی ہیلی کاپٹر کو مندر کے پاس اترنے کی اجازت دی جائے۔

رسونتی نے ان کوڈ ورڈز کے ذریعے پہرہ دینے والوں کو یقین دلایا کہ وہ وہی مادام بول رہی ہے جو ان کے دماغوں میں پہنچ کر انھیں احکامات دیتی رہتی ہے۔ وہ اس کے قائل ہوگئے۔ پھر اس نے کہا "میں وہ عورت ہوں جو آج تک کسی کو نظر نہیں آئی لیکن اب میں چار آدمیوں کے ساتھ مندر میں آرہی ہوں۔ وہاں سے دو آدمی اور میرے ساتھ شریک ہوجائیں گے اور سب گیس ماسک پہن کر سُرنگ میں داخل ہوں گے اور وہیں سے گوڑی سجاتہ کے مجسمے کو نکالا جائے گا۔

وہ سب اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ مادام کمپیوٹر نے ان سے رابطہ قائم کیا ہے۔ رسونتی خیال خوانی کے ذریعے بہت مصروف رہی۔ وہ ہر طرف بھاگ دوڑ کرتی تھی۔ کبھی مندر میں پہرہ دینے والوں کا خیال رکھتی تھی، کبھی شیبا کے دماغ میں چپ چاپ پہنچ کر یہ معلوم کرتی تھی کہ کہیں وہ مندر کے پہرے داروں کی طرف نہ آئے۔ اگرچہ شیبا مطمئن تھی، وہ جانتی تھی مندر کے پاس وہی لوگ آسکتے ہیں جو کوڈ ورڈز جانتے ہوں۔ اس خوش فہمی نے اور یقین دلایا تھا کہ فلپائنو زبان ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ کوئی ایسے کوڈ ورڈز استعمال نہیں کرسکے گا۔

بہرحال سونیا نے ان فلپائنی باشندوں کو سرنگ کے ذریعے گوڑی سجاتہ کے کمرے تک پہنچایا۔ وہ سب گیس ماسک پہنے ہوئے تھے۔ انھوں نے اسی طرح گوڑی سجاتہ کو نکال کر مندر میں پہنچایا۔ وہاں پہنچنے تک رسونتی نے اعلیٰ بی بی کو اطلاع دے دی تھی کہ اب اسے جزیرہ ہولو سے پرواز کرکے مندر تک پہنچنا چاہیے اور وہی کوڈ ورڈز استعمال کرنا چاہیے۔

پھر ایسا ہی کیا گیا۔ وہ گوڑی سجاتہ کا مجسمہ بڑی آسانی سے ہیلی کاپٹر میں منتقل کیا گیا اور وہ ہیلی کاپٹر وہاں سے پرواز کرتا ہوا صبا کے علاقے میں پہنچا جہاں ہمارا ایک طیارہ پہلے ہی گوڑی سجاتہ کو لے کر پرواز کرنے کو تیار کھڑا تھا۔ اعلیٰ بی بی اس مجسمے کے ساتھ وہاں سے وادیٔ قاف پہنچ گئی۔

جب وہ ہیلی کاپٹر مندر کے پاس پہنچا تھا تو شیبا کو اطلاع ملی تھی کہ جزیرہ کاوی کاوی کی فضا میں کوئی ہیلی کاپٹر پرواز کر رہا ہے۔ اس نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی چونکہ اس وقت تک وہ ہیلی کاپٹر مندر تک نہیں آیا تھا' نہ ہی کوڈ ورڈز کا تبادلہ ہوا تھا اس لیے وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ ہیلی کاپٹر کس کا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ آئندہ بھی اسے سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔
رسونتی چپ چاپ اس کے دماغ میں رہ کر اس کے دل کو کمزور بنا رہی تھی۔ وہ پہلے سے ایک مریضہ تھی۔ کبھی کبھی وہ سخت بیمار ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' رسونتی نے اس کی بیماری سے فائدہ اٹھایا تھا۔ ربی اسفندیار اس کی دلجوئی کرتے تھے اور سمجھاتے تھے۔ بیٹی' زیادہ خیال خوانی نہ کرو۔ بس کبھی کبھی تہ خانے میں اپنے لوگوں تک پہنچتی رہو تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔
لیکن گڑبڑ تو ہو چکی تھی۔ اس کا انکشاف اس وقت ہوا جب ہم سب گوری سجاتہ کے کمرے میں پہنچ گئے تھے۔ شیبا اپنے خاص آدمیوں کے دماغوں میں تھی۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے ان کے ذریعے شیشے کے تابوت کو دیکھ لیا تھا۔ اندر کوئی عورت لیٹی ہوئی تھی۔ چہرے پر نقاب تھا، حالانکہ وہاں کسی گوشت پوست کی عورت کو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ تو گوری سجاتہ کے ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے مجسمے کی توقع کر رہی تھی۔ اسی وقت اس نے اپنے آدمی کے ذریعے کہا "یہ فراڈ ہے۔ بہت بڑا فراڈ ہو رہا ہے۔ فوراً تابوت کو کھولا جائے۔"
اور جب تابوت کا اوپری ڈھکن ہٹایا گیا تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ گوری سجاتہ کے بجائے سونیا اس تابوت میں لیٹی تھی۔ تابوت کھلتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُدھر شیبا اور ربی اسفندیار کو چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے تھے۔ پھر وہ غصے کی شدت سے اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پاؤں پٹخ کر دونوں مٹھیاں بھینچ کر دانت کچکچاتے ہوئے کہنے لگی "میں اس کمینی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ ابھی اُسے سزا دوں گی۔"
ربی اسفندیار نے اٹھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا پھر اسے تھپکتے ہوئے کہا "بیٹی! غصہ مجھے بھی آ رہا ہے لیکن میں برداشت کرنا جانتا ہوں۔ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بازی اچانک پلٹ جائے گی۔ تم سونیا کو سزا دینا چاہتی ہو' خیال خوانی کے ذریعے مارنا چاہتی ہو۔ وہ اتنی نادان تو نہیں ہے۔ وہ پہلے ہی سمجھ گئی ہو گی کہ جب بازی پلٹ جائے گی اور تم گوری سجاتہ کی جگہ اسے دیکھو گی تو یقیناً اُسے ہلاک کرنا چاہو گی۔ کیا ایسے میں اس نے اپنی حفاظت کے انتظامات نہیں کیے ہوں گے؟"
وہ غصے سے بولی "میں یہی دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ کیسے مجھ سے بچ سکتی ہے۔"
"تم بھول رہی ہو۔ وہاں رسونتی اور فرہاد دونوں ہی اس کے دماغ میں مستعد ہوں گے۔ تمہاری خیال خوانی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو گی۔"
وہ گم صم سی ہو کر ربی اسفندیار کا منہ تکنے لگی۔ انہوں نے کہا "ذرا تحمل سے کام لو۔ یہ ان کی نفسیاتی چال ہے۔ وہ چاہتے ہیں تم غصے کی شدت سے تلملا کر سونیا کے دماغ میں پہنچو' اسے جھٹکے پہنچاؤ' اُسے گالیاں دو اور وہ تمہارے دماغ میں پہنچ جائیں۔"
وہ شکست خوردہ انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ تائید میں سر ہلا کر بولی "بے شک' ان کی یہی چال ہے۔ اوہ گاڈ، یہ لوگ کتنے چالاک ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کمرے میں سونیا کیسے پہنچ گئی؟"
"یقیناً وہ مندر کے راستے سُرنگ سے ہو کر گئی ہے۔ تم مندر کے پہرے داروں کے پاس پہنچو اور معلوم کرو کہ وہ اتنے سخت پہرے سے کس طرح گزر کر گئی۔ ایسے کام کے لیے اُسے کچھ آدمیوں کی ضرورت پیش آئی ہو گی۔ رسونتی اور فرہاد فلپائنو زبان نہیں جانتے ہیں پھر انہوں نے وہاں کے باشندوں کو کس طرح اپنا آلۂ کار بنایا ہے۔"
شیبا نے مندر کے ان پہرے داروں کے دماغوں تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن کسی کا دماغ نہ مل سکا۔ وہ سب موت کی تاریکی میں گم ہو گئے تھے۔ ہم نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ شیبا ان کے پاس ضرور آئے گی۔ اس طرح اُسے معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے فلپائنی باشندوں کو ٹریپ کیا ہے اور اگر ٹریپ کیا ہے تو یقیناً وہ زبان جانتے ہیں۔ ہم نے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ جتنے لوگوں کو ہم نے اپنے کام کے لیے استعمال کیا تھا' انہیں ختم کر دیا تھا تاکہ ہمارا طریقہ کار سمجھ میں نہ آسکے۔
اس نے ربی سے کہا "وہاں ایک بھی شخص نہیں ہے۔ مندر میں جتنے بھی پہرے دار تھے، سب کے سب مارے گئے ہیں۔"
ربی اسفندیار نے سوچتے ہوئے کہا "وہ فلپائنو زبان نہیں جانتے۔ ان کے سامنے یہی ایک راستہ تھا کہ تمام پہرے داروں کو ختم کر دیں اور اس سُرنگ سے داخل ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا سونیا نے کس طرح اتنی جلدی گیس ماسک وغیرہ کا انتظام کیا اور

اپنے لیے کچھ مددگار بھی حاصل کر لیے۔"
"یہ سب رسونتی اور اعلیٰ بی بی نے کیا ہے۔ ایک خیال خوانی کے ذریعے سونیا کی مدد کرتی رہی، دوسری ہیلی کاپٹر میں اپنے آدمیوں کے ساتھ آئی۔ انہی آدمیوں نے گوری سجاتہ کو وہاں سے نکال لانے میں مدد کی۔"
ربی اسفندیار نے انکار میں سر ہلا کر کہا "یہ عقل تسلیم نہیں کرتی کہ ہیلی کاپٹر میں ان کے آدمی آئے پھر مندر کے راستے سُرنگ میں داخل ہوئے اور دس میل تک اس سُرنگ سے گزرنے کے بعد گوری سجاتہ تک پہنچے۔ وہاں سے پھر اسے لے کر دس میل کا فاصلہ طے کیا اور اتنی دیر تک ہیلی کاپٹر موجود رہا۔ نہیں بیٹی' یہ بات نہیں ہے۔ سونیا نے پہلے ہی چند آدمیوں کو کسی طرح ٹریپ کیا تھا اور ان کی مدد سے گوری سجاتہ کو نکال کر مندر تک لے آئی تھی۔ تب ہیلی کاپٹر وہاں پہنچا تھا۔"
یہ کہتے ہوئے ربی اسفندیار نے ایک گہری سانس لی۔ شیبا نے حیرانی سے پوچھا "آپ بڑے مطمئن نظر آ رہے ہیں۔"
انہوں نے سر ہلا کر کہا "ہاں' گوری سجاتہ ہاتھ سے نکل گئی مجھے اس بات کا اطمینان ہے کہ وہ تمہارے دماغ تک نہیں پہنچ سکے۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہیں ان میں سے کسی نے فلپائنو زبان نہ سیکھ لی ہو اگر وہ سیکھ چکے ہوتے تو اب تک تمہارے دماغ میں پہنچ جاتے۔ تمہیں ہم سے چھین کر لے جانا ان کے لیے نہایت آسان ہوتا۔ تمہارے ذریعے وہ یہاں تباہی مچا سکتے ہیں لیکن انھوں نے ابھی تک ایسا نہیں کیا ہے حالانکہ سونیا اور سجاد ہماری قید میں ہیں۔ وہ ہمیں طرح طرح سے بلیک میل کر سکتے ہیں۔ ہماری بہتیری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی تم محفوظ ہو۔ اب تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ آئندہ تم کسی بھی زبان میں کسی کے دماغ میں جانے کی غلطی نہ کرنا۔"
انسان خطا کا پتلا ہے۔ وہ بھی انسان ہی تھی، للہٰذا غلطی کر بیٹھی۔ یہ الگ بات ہے کہ غلطی کرنے والوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا یا وہ خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اعلیٰ بی بی نے مشورہ دیا تھا کہ شیبا کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ بڑی خاموشی سے ربی اسفندیار کی چالوں کو سمجھا جائے کہ وہ کہاں کہاں اپنا جال پھیلا رہے ہیں۔
اعلیٰ بی بی کا مشورہ دور رس نتائج کا حامل تھا۔ اگر ہم یہ انکشاف کر دیتے کہ شیبا کے دماغ میں موجود ہیں تو زیادہ سے زیادہ اسے دماغی طور پر نقصان پہنچا سکتے تھے، لیکن ربی اسفندیار محتاط ہو جاتا۔ سب سے پہلے تو وہ تنویمی عمل کے ذریعے اس کے دماغ کو لاک کر دیتا۔ اگرچہ تنویمی عمل عارضی ہوتا ہے لیکن وہ اور بھی حفاظتی انتظامات کر سکتا تھا تاکہ ہم اسے چھین کر نہ لے جا سکیں اور اگر اس بات کا شبہ ہوتا کہ شیبا ہاتھ سے نکل جائے گی تو وہ شیبا کو ہی ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتا تھا۔ ہمارے پاس ٹیلی پیتھی کی دو قوتیں تھیں۔ وہ تیسری کا اضافہ کرنے کا موقع کبھی نہ دیتا۔
دوسرے لفظوں میں ہم شیبا کا تحفظ کر رہے تھے۔ اگرچہ وہ ہم سے دشمنی کر رہی تھی لیکن نادان تھی۔ ربی اسفندیار جس راہ پر اُسے چلا رہا تھا' وہ چل رہی تھی اور جب ہم اُسے اپنی راہ پر چلاتے تو ہمیں یقین تھا کہ وہ ہماری راہ پر چل پڑتی۔

☆

میں' سونیا' باڈلی سیبرن اور پروفیسر نائیڈو قیدی بنے ہوئے تھے۔ ہمارے چاروں طرف مسلح مقامی باشندے تھے۔ ڈکٹر کولن اور احمد جوزف ان کے لیڈر بنے ہوئے تھے۔ وہ دونوں بڑی دیر سے اپنی مادام کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا' وہ ان کے دماغ میں آ کر نئے احکامات صادر کرے گی۔
وہ ایک بار بڑے فخر سے اپنے ماتحتوں کو کہہ گئی تھی کہ ہر آدھے گھنٹے کے بعد وہ رابطہ قائم نہ کرے تو سمجھ لینا ان کی مادام خطرے میں ہے۔ ایسی حالت میں وہ سجاد اور سونیا وغیرہ کو گولی مار دیں۔ بعد میں اس نے ماتحتوں سے کہہ دیا کہ اس کا انتظار نہ کیا جائے اور نہ ہی سونیا وغیرہ کو نقصان پہنچایا جائے۔
میں وقتاً فوقتاً ڈکٹر کولن اور احمد جوزف کے دماغ میں پہنچتا تھا۔ ایسے ہی وقت ان کے دماغ میں یہ بات آئی کہ اپنے تھیلے میں سے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر نکال کر رابطہ قائم کرنا چاہیے۔
میں نے شیبا کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ وہ ڈکٹر کولن کی سوچ میں یہی مشورہ دے رہی تھی تاکہ اسے اپنے لب و لہجے کے ساتھ کچھ نہ کہنا پڑے۔
دوسری طرف سلیمان موروز تہ خانے میں داخل ہو گیا تھا' اپنے مسلح آدمیوں کے ساتھ آ رہا تھا۔ رسونتی اس کے دماغ میں پہنچ کر اُسے ورغلا رہی تھی۔ ہمارا مقصد تھا' انہیں آپس میں لڑا دیں اور ان کے تصادم سے فائدہ اٹھا کر یہاں سے نکل جائیں۔
ہم گوری سجاتہ کے کمرے سے نکل آئے تھے اور مختلف راہداریوں سے گزرتے ہوئے اس حصے میں پہنچے تھے جہاں سانپوں کا مسکن تھا۔ وہاں تمام سانپوں کو مار ڈالا گیا تھا۔ بہت سے مقامی باشندے اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ اس مسکن میں جتنے قیمتی اور نایاب لعل و گوہر پڑے ہوئے تھے' وہ سب پہلے

ہی اٹھا لیے گئے تھے۔ پھر ہم اُس مسکن میں پہنچے جہاں ابرق کی دیواریں تھیں اور ابرقی چادروں کے پیچھے سونے کا ذخیرہ چھپا ہوا تھا۔ وہاں داخل ہونے کے لیے جو بھاری پتھر تھا اور جسے پیٹر ہال نے ہٹانے کی کوشش کی تھی، اب وہ بالکل ہٹا دیا گیا تھا۔ احمد جوزف اور سلیمان موروز کے مسلح جوانوں نے یہ کام بڑی محنت سے کیا تھا۔

جب مجھے پتا چلا کہ سلیمان موروز اس ابرقی مسکن کی طرف پہنچنے ہی والا ہے تو میں نے احمد جوزف سے کہا "تم دوغلے انسان ہو۔ تمہارا کوئی دین ایمان نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے مجھے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا "میں جو کچھ بھی ہوں مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ میں نے یہاں کے مسلمانوں کو بے وقوف بنایا ہے۔ سلیمان موروز تو نام کا سردار ہے، یہاں میری حکومت ہے، یہاں میرے احکامات پر عمل کیا جاتا ہے۔"

میں نے پوچھا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں نے سلیمان موروز جیسے ذہین، قابل اور دلیر سردار کو صرف کاٹھ کا اُلّو بنا کر رکھا ہے۔"

احمد جوزف نے ہنستے ہوئے کہا "وہ تو اُلّو سے بھی بدتر ہے۔"

سلیمان موروز چھپ کر یہ باتیں سُن رہا تھا۔ وہ غصے میں اچھل کر سامنے آگیا۔ اپنی اسٹین گن کو سنبھالتے ہوئے بولا "ذلیل کمینے تو مجھے اُلّو کہہ رہا ہے۔"

میں نے کہا "اُلّو سے بھی بدتر سمجھ رہا ہے۔"

جوزف نے ہاتھ اٹھا کر کہا "سلیمان مجھ پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے یہ سمجھ لینا، میرے آدمی کم نہیں ہیں۔ تمہیں گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔"

سلیمان موروز نے کہا "میری طاقت بھی کسی سے کم نہیں ہے میں تمہیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔"

ڈکٹر کولن نے دونوں کے درمیان آکر کہا "ٹھہرو، آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ دیکھو، میں کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کے ذریعے مادام سے گفتگو کر رہا ہوں۔ انھوں نے حکم دیا ہے کہ جوزف اور سلیمان کو نہتا کر دیا جائے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ رہے تاکہ یہ ایک دوسرے کو ہلاک نہ کر سکیں۔"

سلیمان موروز نے غصے سے ہاتھ جھٹک کر کہا "میں کسی مادام کمپیوٹر کو نہیں مانتا۔ وہ میرے دماغ میں آکر بولتی ہے۔ اور میں اسی لیے یہاں آیا ہوں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ جسم کہاں ہے جس کی روح بھٹکتی ہوئی میرے پاس آتی ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "اب وہ بھٹکنے والی روح کبھی تمہارے پاس نہیں آئے گی۔ میں نے بہت پہلے ہی تمہیں سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ تم سے فراڈ کر رہی تھی۔ یہاں مکتی محل پر قبضہ جما کر تہ خانے میں آنے کے بعد یہاں کی دولت سمیٹ کر لے جانا چاہتی تھی۔ اسے تمہاری جدوجہد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ صرف اپنا مفاد حاصل کرنا چاہتی تھی۔"

ڈکٹر کولن نے کہا "یہ جھوٹ ہے۔ دیکھو، اس اسکرین پر خود پڑھو اور حقیقت معلوم کر لو۔"

سلیمان موروز نے ڈکٹر کولن کو پرے ہٹاتے ہوئے کہا "وہ جانتی ہے کہ میں انگریزی سمجھتا ہوں اور بولتا ہوں لیکن پڑھ نہیں سکتا۔ اسکرین پر کیا لکھا ہوا ہے، میں کیا جانوں؟"

رسونتی نے سلیمان موروز کے دماغ میں پہنچ کر کہا "میں وہی روح بول رہی ہوں مگر انگریزی میں بول رہی ہوں۔ جب تک میں فلپائنو زبان میں بولتی رہی میری نیت ٹھیک نہ رہی میں تمہیں سچ مچ دھوکا دینا چاہتی تھی مگر اب ایسا نہیں کروں گی۔ یہ جو تمہارے سامنے فرہاد کھڑا ہے، یہ اصل فرہاد نہیں، اس کا ہمشکل سجاد علی تیمور ہے اگرچہ اپنی اصلی شکل و صورت میں نہیں ہے۔ تاہم اسے نقصان نہ پہنچانا کیوں کہ فرہاد خیال خوانی کے ذریعے تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ میری محبت کو ایک ذرا سی بھی آنچ آئے۔"

"لیکن یہ فرہاد یعنی کہ سجاد کہہ رہا تھا کہ تم میرے دماغ میں آکر نہیں بولو گی۔"

"یہ غلط سمجھ رہا تھا۔ ہاں، اتنا ضرور ہے کہ میں فلپائنو زبان نہیں بولوں گی کیوں کہ میں اپنا جسم واپس حاصل کر چکی ہوں اور فلپائنو زبان بھول گئی ہوں میں پہلے جو زبان بولتی تھی، وہی زبان تمہارے دماغ میں بول رہی ہوں۔ اگر کوئی فلپائنو زبان تمہارے دماغ میں آکر بولے تو سمجھ لینا کہ رسونتی تمہیں دھوکا دے رہی ہے۔ میں تم سے صرف انگریزی میں گفتگو کروں گی۔ تم سجاد، سونیا، باڈی سپیرن اور پروفیسر نائیڈو کو حفاظت سے باہر لے آؤ۔ میں آج رات بارہ بجے تم سے بہ نفسِ نفیس ملاقات کروں گی۔"

سلیمان موروز کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔ اُدھر رسونتی اسے ٹریپ کر رہی تھی، ادھر میں رہ رہ کر شیبا کے پاس پہنچتا تھا اور معلوم کرتا تھا کہ وہ کس قدر پریشان ہے۔ وہ ربی کو بتا رہی تھی کہ رسونتی کیا چال چل رہی ہے۔ "چونکہ رسونتی فلپائنو زبان نہیں جانتی ہے اس لیے سلیمان موروز کو

دوسرے انداز میں ٹریپ کیا ہے۔ اب اگر میں اس کے دماغ میں فلپائنو بولوں گی تو وہ کبھی میری بات کا یقین نہیں کرے گا۔"

ربی نے کہا "تمہیں ذرا سا خطرہ مول لینا چاہیے۔ اس کے دماغ میں جاؤ اور فلپائنو زبان بولو۔ اتنا تو ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ رسونتی یہ زبان نہیں جانتی ہے۔ اگر جانتی تو سلیمان موروز کو اس انداز میں ٹریپ نہ کرتی۔"

"محترم ربی! میرا وہاں جانا فضول ہے۔ رسونتی نے اُسے یقین دلا دیا ہے کہ وہی بھٹکنے والی روح ہے۔ اپنے جسم کو پا چکی ہے اور اب اپنے جسم کے ساتھ آج رات بارہ بجے اس سے ملاقات کرے گی۔ ایسی صورت میں سلیمان موروز کبھی مجھ پر یقین نہیں کرے گا۔"

میں کبھی شیبا اور ربی اسفندیار کی باتیں سُن رہا تھا، کبھی دماغی طور پر اپنی جگہ واپس آجاتا تھا۔ اُدھر اعلیٰ بی بی، رسونتی کو گائیڈ کر رہی تھی۔ اس نے سمجھایا، "وہ کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کسی طرح ضائع کرا دو تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اس کے بعد شیبا کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ وہ براہِ راست اپنے آدمیوں کے دماغوں میں آئے یا چپ چاپ بیٹھی رہ جائے۔"

رسونتی نے سلیمان موروز سے کہا "میں دوسروں کو آلۂ کار بنانے کے لیے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر استعمال کرتی تھی۔ صرف تمہارے دماغ میں آتی رہی ہوں۔ اس لیے کہ تم میرے محبوب ہو۔ اب میں اپنا جسم حاصل کر چکی ہوں۔ کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے۔ اسے لے کر ضائع کر دو۔"

دوسرے ہی لمحے سلیمان موروز نے ڈکٹر کولن کے ہاتھ سے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کو جھپٹ لیا پھر اُسے زمین پر دے مارا۔ ڈکٹر کولن نے کہا "ارے ارے، یہ کیا کر رہے ہو؟"

وہ کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کی طرف بڑھنا چاہتا تھا، سلیمان موروز نے اس کمپیوٹر پر گولی چلائی۔ ڈکٹر کولن ایک دم سے پیچھے ہٹ گیا۔ میں احتیاطاً جوزف کے دماغ میں تھا تاکہ وہ جوابی فائرنگ نہ کرے اور وہ کرنے ہی والا تھا۔ میں نے اس کا نشانہ بہکا دیا۔ اس کے ریوالور سے نکلنے والی گولی بھی کمپیوٹر میں آکر لگی۔ چاروں طرف کھڑے ہوئے مسلح مقامی باشندے چپ چاپ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس انتظار میں تھے کہ ان کے لیڈر انہیں کوئی حکم دیں گے لیکن کسے کیا حکم دیا جا سکتا تھا۔ ان میں آدھے سے زیادہ مسلمان تھے اور سب کے سب سلیمان موروز کے زیرِ اثر تھے۔

جمذف حالات کی نزاکت کو بھانپ رہا تھا۔ اُس نے سلیمان موروز کو دھمکی دی تھی کہ اس کے آدمی سلیمان کو گولیوں سے چھلنی کر دیں گے لیکن وہ اپنی کمزور پوزیشن کو سمجھ رہا تھا۔ مادام کمپیوٹر بھی اس سے رابطہ قائم نہیں کر رہی تھی۔ ایک کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کا آسرا تھا، وہ بھی ناکارہ ہو گیا تھا۔ اُدھر ربی اسفندیار نے پریشان ہو کر کہا "جب حالات اتنے بگڑ گئے ہیں تو ذرا رسک لینا ہی پڑے گا۔ تم سلیمان موروز کے دماغ میں جاؤ اور فلپائنو زبان میں اُسے ٹریپ کرو۔"

"آپ کا حکم ہے تو میں جا رہی ہوں۔"

"ایک بات اچھی طرح یاد رکھنا۔ فلپائنو زبان کے علاوہ اور کوئی زبان استعمال نہ کرنا۔ اگر سلیمان موروز کے لہجے میں انگریزی بولنا چاہو گی اور ذرا بھی لغزش ہو گی تو رسونتی تمہارے لب و لہجے کو پکڑ لے گی۔"

وہ دوسرے ہی لمحے سلیمان موروز کے دماغ میں پہنچ گئی۔

میں نے سونیا کو جاپانی زبان میں کہا "تم جوزف کو ڈھال بناؤ۔ میں ڈکٹر کو بتاتا ہوں، دیکھو جوزف آ رہا ہے۔"

میں دوسرے ہی لمحے جوزف کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ پلٹ کر سونیا کے پاس آیا۔ پھر اس نے اسٹین گن اور ریوالور سونیا کے حوالے کر دیا۔

میں نے اسے آزاد چھوڑ دیا اور کولن کو ٹریپ کیا۔ اُس نے میرے پاس آکر اپنے ہتھیار میرے حوالے کیے۔ اب میں ڈکٹر کولن کے پیچھے اور سونیا جوزف کے پیچھے تھی۔ سونیا نے کہا۔ "جوزف! اب یہ ڈکٹر کولن اپنے آدمیوں کو جو حکم دے گا تم اُس کی تائید کرو گے ورنہ ایک ہی گولی سے تمہاری کھوپڑی اُڑ جائے گی۔"

ڈکٹر کولن نے میری مرضی کے مطابق اپنے آدمیوں سے کہا "ہتھیار پھینک دو، ہمیں مان لینا چاہیے کہ مادام کمپیوٹر نے ہمیں سلیمان موروز کو بے وقوف بنانے کے لیے کہا تھا تاکہ ہم اسے احمق بنا کر مکتی محل پر قبضہ کریں اور یہاں کی دولت سمیٹ کر لے جائیں۔"

اُدھر شیبا سلیمان موروز کے دماغ میں پہنچ کر فلپائنو زبان میں اسے سمجھا رہی تھی مگر وہ کہہ رہا تھا "میں کبھی تم پر یقین نہیں کروں گا۔ میری محبوبہ اپنا جسم پا چکی ہے اور اپنی پہلی زبان بھول گئی ہے اب وہ میرے دماغ میں آکر انگریزی بول رہی ہے۔"

شیبا نے کہا "وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ تمہیں دھوکا دے رہی ہے۔"

"ہرگز نہیں، وہ آج رات بہ نفسِ نفیس مجھ سے ملاقات کرے گی۔"

شیبا نے کہا ”میں تم سے وعدہ کرتی ہوں‘ میں ملاقات کروں گی۔ میں اپنے جسم کے ساتھ تمہارے پاس آؤں گی۔“

”اچھا‘ تم مجھے میری دلربا کی طرف سے بہکانا چاہتی ہو۔ میں سچا عاشق ہوں۔ ملاقات کروں گا تو اسی سے۔ اگر تم میری وہ ہوتیں تو پہلے تم ملاقات کا وقت طے کرتیں۔ جاؤ چلی جاؤ یہاں سے۔“

وہ واپس اپنی جگہ پہنچ گئی۔ ربی اسفندیار نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے نظریں جھکالیں۔ بڑی آہستگی سے شکست خوردہ لہجے میں بولی ”ہم ہار گئے۔ بازی بالکل پلٹ گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا‘ یہ فرہاد کیسا آدمی ہے؟“

”کیا بات ہوگئی؟“

”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ ہمارے آس پاس کہیں چھپا ہوا ہے۔ اچانک ہی آکر ہمیں دبوچ لے گا۔“

انھوں نے شفقت سے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر کہا ”تم مسلسل اٹھارہ گھنٹے سے جاگ رہی ہو۔ اس سے پہلے صرف ایک گھنٹے کی نیند پوری کی تھی۔ اس طرح تمہاری صحت پر برا اثر پڑے گا۔ آؤ میں تمہیں آرام سے سلادوں۔ تھکن دور ہو جائے گی۔ دماغ تازہ دم رہے گا۔ پھر کسی کا خوف بھی نہیں رہے گا۔“

وہ ربی کے ساتھ چلتے ہوئے ایک بہت ہی خوبصورت سے بیڈ روم میں آئی۔ وہاں اس کے لیے ایک آرام دہ بستر تھا‘ وہ اس پر لیٹ گئی۔ ربی نے کہا ”میری آنکھوں میں دیکھو۔ میں ابھی تمہیں سلادوں گا۔“

وہ اس پر ہپناٹزم کرنے لگے۔ عمل کے دوران شیبا نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا ”میں تھک گئی ہوں۔ کھلی فضا میں جانا چاہتی ہوں‘ میں کب تک قید رہوں گی؟“

”فکر نہ کرو۔ میں بہت جلد تمہیں اس ملک سے باہر لے جاؤں گا۔ اور دنیا کی سیر کراؤں گا۔ ذرا خطرات ٹل جانے دو۔“

وہ بڑی نقاہت سے بولی ”ہم نے خود خطرات کو دعوت دی۔ ہمیں ان سے نہیں ٹکرانا چاہیے تھا۔ وہ میرے حواس پر چھایا ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے نیند آئے گی تو مجھے آکر پکڑ لے گا۔“

”بیٹی‘ بالکل نہ گھبراؤ‘ میں تمہارے پاس ہوں۔ اب آہستہ آہستہ آنکھیں بند کرو۔ میں تمہیں سلا رہا ہوں۔“

ربی اسفندیار اسے سلانے کی کوشش کرنے لگے۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ تہ خانے میں بازی پوری طرح ہمارے ہاتھ میں نہیں تھی۔ سلیمان موروز خرد ماغ تھا۔ پتا نہیں کب اس کا دماغ الٹ جاتا اور وہ ہمارے خلاف ہو جاتا۔ فی الحال ہم اسے اپنے قابو میں کیے ہوئے تھے۔ میں نے وکٹر کولن سے کہا ”تم لوگوں نے یہاں کی دولت سمیٹ کر لے جانے کے لیے کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے اور یہاں کے غریب مسلمانوں کو غریب تر بنا کر یہاں سے جانے والے تھے۔ اب یہ تمام دولت سلیمان موروز اور اس کے آدمیوں کو ملے گی۔“

سلیمان خوش ہوگیا۔ رسونتی اس کے دماغ میں کہہ رہی تھی ”یہ میری محبت کا ثبوت ہے۔ جب تک مجھے میرا جسم نہیں ملا تھا‘ میں نے اس تہ خانے کی دولت کا ذکر تم سے نہیں کیا تھا اور نہ ہی کوئی وعدہ کیا تھا۔ اب تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ہو۔ تمہاری وجہ سے میں نے اپنا جسم حاصل کر لیا ہے۔ یہ دولت کیا چیز ہے‘ میں خود تمہارے پاس آنے والی ہوں۔“

وہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔ رسونتی نے کہا ”سجاد اور سونیا آج بھی تمہارے معزز مہمان ہیں۔ دو مہمانوں کا اضافہ ہو چکا ہے۔ باؤلی پیرن اور پروفیسر نائیڈو کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اور ان کے آرام کا خیال رکھو۔ میں انہیں جزیرے سے جلد ہی واپس بھیج دوں گی۔ انہیں رخصت کرنے کے بعد اطمینان سے آدھی رات کے بعد ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ سلیمان موروز کو ایسی دو آنکھیں ملنے والی تھیں جن سے وہ آدھی رات کے وقت اس کو دیکھنے والا تھا۔ اس نے خوش ہو کر بوتل کھولی‘ اسے منہ سے لگایا۔ پھر چند گھونٹ پینے کے بعد حکم دیا ”ہمارے معزز مہمانوں کو عزت کے ساتھ باہر لے چلو۔“

ہمارا قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ ہم جتنی دشواریوں کا سامنا کرتے گوڑی سجاتا کے کمرے تک پہنچے تھے‘ اب وہ دشواریاں ختم کر دی گئی تھیں۔ ہم بڑے آرام سے تہ خانے کا زینہ چڑھتے ہوئے مکتی محل کی چھت پر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچتے ہی پتا چلا کہ جزیرے کے حالات بدل رہے ہیں۔ ساحلی علاقوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے۔ ہم نے سر اٹھا کر دیکھا‘ ایک ہیلی کاپٹر پرواز کر رہا تھا اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے فلپائنو زبان میں کہا جا رہا تھا۔ ”اگر جزیرے کے لوگوں کی سلامتی چاہتے ہو تو مکتی محل سے دور چلے جاؤ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں بارہ گھنٹے کے بعد یہ مکتی محل بھی تمہارے حوالے کر دیں گے۔ ساحلی علاقوں میں بھی امن و امان قائم ہو جائے گا۔“

اسی وقت دو طیارے تیزی سے پرواز کرتے ہوئے گزر گئے۔ اسپیکر کے ذریعے کہا گیا ”یہ ہمارے جنگی طیارے ہیں۔ اگر ہمارے حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو شہری آبادی میں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بم گرائے جائیں گے۔ ہم مادام کمپیوٹر کو وارننگ دیتے ہیں کہ اگر اس نے باغیوں کو اپنے قابو میں نہ کیا تو یہاں ایک بھی زندہ شخص نظر نہیں آئے گا۔“

میں نے رسونتی کو سمجھایا‘ اسی کے مطابق وہ سلیمان موروز کو سمجھانے لگی ”دیکھو‘ ہمارے معزز مہمان خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ جو لوگ بھی یہاں قبضہ کرنا چاہتے ہیں‘ وہ ہمارے مہمانوں کے دشمن ہیں۔ تم فوراً انہیں کسی گاڑی میں بٹھا کر روانہ کر دو اور ان کی وارننگ کے جواب میں کہہ دو کہ آدھے گھنٹے کے بعد یہ مکتی محل خالی کر دیا جائے گا اور سب لوگ یہاں سے دور چلے جائیں گے۔“

اسے سمجھانے کے بعد وہ فوراً ہی اس شخص کے دماغ میں چلی گئی جو ہیلی کاپٹر میں بیٹھا مائک کے ذریعے اعلان کر رہا تھا۔ اعلان کرنے والے کی گردن سے ریوالور کی نال لگی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے چند انگریز خاموشی سے اس کی فلپائنو زبان سن رہے تھے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ وہ تمام انگریز اس بات سے خوف زدہ ہیں کہ مادام کمپیوٹر اس اعلان کرنے والے کے دماغ میں آئے گی تو اس کے ذریعے انہیں اور ہیلی کاپٹر کو تباہ کر دے گی۔ لہٰذا اس سے پہلے ہی وہ اعلان کرنے والے مقامی باشندے کو ہلاک کر کے ہیلی کاپٹر سے نیچے گرا دیتے لیکن ابھی ایسا کوئی خطرہ پیش نہیں آرہا تھا۔ رسونتی نے میری ہدایات پر عمل کیا۔ اس کے مطابق اعلان کرنے والے مقامی باشندے نے کہا ”میرے دماغ میں مادام بول رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں‘ ہم آدھے گھنٹے کے اندر مکتی محل خالی کر دیں گے۔“

پیچھے بیٹھے ہوئے ایک انگریز نے فوراً ہی ایک کاغذ پر کچھ لکھا۔ پھر اس فلپائنی باشندے کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے مطابق وہ مقامی باشندہ مائک کے ذریعے کہنے لگا ”میں مائک کے ذریعے اعلان کروں یا نہ کروں‘ مادام میرے دماغ میں رہ کر اس کاغذ کی تحریر کو سمجھ سکتی ہیں۔ اس کے باوجود مجھے حکم دیا جا رہا ہے کہ میں جزیرے کے لیڈروں اور ان کے عوام کو بھی مطلع کر دوں کہ تہ خانے میں جو لوگ گئے ہیں‘ وہ باہر نہ آئیں اور وہاں جو بھی راز برسوں سے دفن ہے‘ اسے مکتی محل سے باہر نہ لایا جائے۔ تاوقتیکہ ہم وہاں پہنچ نہ جائیں۔ لہٰذا ہماری اس وارننگ کو آخری وارننگ سمجھا جائے اور کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ ایک بار پھر ہم کہتے ہیں‘ مادام کی یا یہاں کے لیڈروں کی ذرا سی غلطی سے پورا جزیرہ جہنم بن جائے گا۔“

رسونتی نے میرے پاس آکر کہا ”فرہاد! تم میرے دماغ میں رہو۔ وہ فلپائنی باشندہ ابھی جاپانی زبان میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔“

میں رسونتی کے دماغ میں آگیا۔ وہ مقامی باشندے کی سوچ میں بولی ”تم ابھی کس زبان میں بڑبڑا رہے تھے؟“

اس نے کہا ”کچھ نہیں۔“

رسونتی نے ڈانٹ کر کہا ”یاد رکھو‘ میں تمہیں اس ہیلی کاپٹر سے نیچے گرا سکتی ہوں۔ میں اگرچہ وہ زبان نہیں جانتی لیکن ایک بار مجھے سناؤ۔“

رسونتی نے اس کے دماغ پر اچھی طرح قابض ہو کر اسے مجبور کیا تو وہ جاپانی زبان میں مادام کمپیوٹر کو گالیاں دینے لگا کہ اس نے خواہ مخواہ اسے پھنسایا ہوا ہے اور پھر دوسری طرف دوسرے دشمن بھی اسے ریوالور کی زد میں لے کر اپنی مرضی کے مطابق اعلان کروا رہے ہیں۔

پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے پھر کاغذ پر لکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے لکھا تھا ”یہ تم جاپانی زبان بول رہے ہو اور مادام کو گالیاں دے رہے ہو۔“

اُس نے پھر جاپانی زبان میں جھنجلا کر کہا ”ہاں‘ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں‘ اس کا مجھے حق پہنچتا ہے۔ مجھے یہ اطمینان ہے کہ مادام کمپیوٹر یہ زبان نہیں سمجھتی ہے۔“

یہ سنتے ہی رسونتی نے مادام کمپیوٹر کی حیثیت سے اس کے دماغ کو جھٹکا پہنچایا۔ پھر مقامی زبان میں کہا ”تم یقیناً جاپانی زبان میں مجھے گالیاں دے رہے تھے۔“

پھر اس نے مقامی باشندے کی زبان سے بلند آواز میں کہا ”میں مادام کمپیوٹر تم سب سے مخاطب ہوں۔ اگر کوئی جاپانی زبان جانتا ہے تو مجھے سمجھائے کہ یہ میرے خلاف کیا کہہ رہا ہے۔ کہیں مجھے گالیاں تو نہیں دے رہا ہے۔“

رسونتی کی یہ چال کامیاب رہی۔ پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے جاپانی زبان میں مادام کمپیوٹر کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ ”تم قیامت تک نہیں سمجھ سکو گی کہ یہ بے چارا تمہیں گالیاں دے رہا ہے اور اب میں بھی تمہیں گالیاں بک رہا ہوں۔ تم دوغلی ہو۔ دوہری چالیں چلتی ہو۔ ہم تم سے اچھی طرح نمٹ لیں گے۔“

ابھی تو میں اور رسونتی نمٹ رہے تھے۔ ہماری چال کامیاب ہوئی تھی اور میں جاپانی زبان کے ذریعے اس پیچھے بیٹھے ہوئے انگریز کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ وہ فطری طور پر اپنی زبان میں سوچ رہا تھا اور میں اس کے لب و لہجے کو سمجھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا ”میں نے جاپانی میں یہ باتیں کہہ کر غلطی تو نہیں کی ہے؟“

پھر اس نے انکار میں سر ہلا کر سوچا ”نہیں‘ اس وقت صرف یہ مقامی باشندہ ہمارے پاس ہے اور اس کے دماغ میں مادام کمپیوٹر ہے۔ وہ اس کے ذریعے نہ تو جاپانی زبان سمجھ سکتی ہے

نہ ہی میرے دماغ میں آسکتی ہے۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا "اعلان تو ہوچکا ہے۔ ہم نے انہیں آدھے گھنٹے کی مہلت دے دی ہے۔ مکتی محل کے اطراف جگہ خالی ہو جائے گی۔ کوئی ہمارا مخالف نہیں ہوگا۔ ہم وہاں آسانی سے ہیلی کاپٹر اتار کر کم از کم سونیا اور سجاد کو تو اپنی حراست میں لے لیں گے۔ اس کے بعد ہم اس تہ خانے کے راز کو معلوم کریں گے۔"

وہ اس خیال کی تائید کر رہا تھا۔ پھر خود ہی سر ہلا کر سوچنے لگا "واقعی اب اس مقامی باشندے کی کیا ضرورت ہے۔ جب تک یہ ہمارے پاس بیٹھا رہے گا ہمیں مادام کمپیوٹر سے اندیشہ رہے گا۔ جانے کب ہمارے آدمیوں کی کسی غلطی کے باعث کسی کے دماغ میں پہنچ جائے۔ لہٰذا اب اس سے نجات حاصل کرلینا چاہیے۔"

اس کے ایسا سوچنے کی دیر تھی کہ میں نے اسے بے اختیار گولی چلانے پر مجبور کر دیا۔ ریوالور میں سائلینسر لگا ہوا تھا۔ ایک ہلکی آواز کے ساتھ آگے بیٹھا ہوا مقامی باشندہ سامنے کی طرف جھک گیا۔ وہ بے جان ہو چکا تھا۔ ایک ساتھی نے تعجب سے ریوالور والے ساتھی کو دیکھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "یہ مر چکا ہے۔ اب ہم اپنی زبان میں آزادی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ اس کے دماغ کے مُردہ ہوتے ہی مادام کمپیوٹر بھی یہاں سے جا چکی ہے۔"

انھوں نے مقامی باشندے کے مُردہ جسم کو ہیلی کاپٹر سے نیچے لڑھکا دیا۔ اس کے بعد وہ آزادی سے گفتگو کرنے لگے۔ ایک نے کہا "ہم نے آدھے گھنٹے کی مہلت دی ہے۔ ہیلی کاپٹر کو کہیں اتارا جائے تاکہ ایندھن زیادہ سے زیادہ بچایا جائے۔"

پائلٹ نے کہا "ایندھن بہت زیادہ ہے۔ ہم یہاں سے منیلا تک جا سکتے ہیں اور وہاں سے واپس آسکتے ہیں۔"

میں نے ایک شخص کے دماغ پر قابض ہو کر کہا "ہم انسان یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ موت ایک کو نہیں آتی، ایک کے بعد دوسرے تیسرے کو بھی آتی چلی جاتی ہے۔"

ایک نے پوچھا "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ مقامی باشندے کو موت نے دیکھ لیا، اسے چکھ لیا۔ اب ہم سب اس کے لیے باقی رہ گئے ہیں۔ وہی موت ہمیں باری باری چکھنا شروع کرے گی۔"

"تمہاری بکواس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔"

"زیادہ وضاحت چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ ہم میں سے باری باری [illegible] ایک کو مرنا ہے۔ ہم میں سے صرف ایک زندہ رہے گا تاکہ وہ اپنے ماسٹر کی خدمت میں حاضر ہو اور اسے بتائے کہ زندگی اور موت کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کل کلاں کو ماسٹر کی موت کی آغوش میں چلا جائے۔ خواہ حادثاتی طور پر یا طبعی موت مرے۔ بہتر ہے کہ وہ براہِ راست مجھ سے آکر ٹکرائے ورنہ اس کی حسرت دل ہی میں رہ جائے گی۔"

ہمارا ہیلی کاپٹر پہاڑی چٹانوں پر پرواز کر رہا تھا۔ میں نے ان میں سے ایک کو مجبور کیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا دروازے پر آیا۔ اس کے سلائیڈنگ ڈور کو ایک طرف ہٹایا۔ پھر وہاں سے چھلانگ لگا دی۔ دوسرے نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو گولی مار دی۔ اب پائلٹ کے پیچھے صرف دو دشمن رہ گئے تھے۔ دوسرے نے ریوالور والے پر حملہ کیا۔ اس کے ہاتھ سے ریوالور چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔ دونوں گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ پائلٹ نے چیخ کر کہا "یہ کیا ہو رہا ہے، مسٹر فرہاد! پلیز آپ انتقامی کارروائی نہ کریں۔ آپ کی دشمنی ہمارے ماسٹر سے ہے، ہم سے نہیں ہے۔"

"تمہارے ماسٹر نے ہی تمھیں ہمارے لیے بھیجا ہے، ظاہر ہے دوستی کے لیے نہیں، دشمنی کے لیے۔ پھر دشمنی جاری رہنا چاہیے۔"

وہ دونوں لڑتے لڑتے سلائیڈنگ دروازے کے پاس آئے، میں نے ان دونوں کو وہاں سے گرانے میں دیر نہیں کی۔ پھر کہا۔ "مسٹر پائلٹ! تم میری مٹھی میں ہو۔ اپنی مرضی سے ہیلی کاپٹر کو تباہ نہیں کر سکو گے۔ اپنی مرضی سے مرنا چاہو گے تو نہیں مر سکو گے۔ لہٰذا اس ہیلی کاپٹر کو مکتی محل کی چھت پر اتار دو۔"

پھر میں نے کہا "رسونتی! تم اپنے دیوانے سلیمان موورز کے پاس جاؤ۔ مادام کمپیوٹر کی حیثیت سے وہ تمھارا دیوانہ ہے۔ چلو اس کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ تم نے ہیلی کاپٹر والوں کو ٹریپ کر لیا ہے۔ اب وہ یہاں چھت پر اترنے والا ہے۔ جتنے قیمتی اور نایاب جواہرات جمع کیے گئے ہیں وہ انہیں لے کر سجاد اور سونیا وغیرہ کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں سوار ہو جائے۔"

پائلٹ کا دماغ ہماری مٹھی میں تھا۔ پھر وہ ہمارے حکم کی تعمیل کیسے نہ کرتا۔ ہیلی کاپٹر چھت پر اتر گیا۔ اُدھر سلیمان موورز کی دیوانگی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی محبوبہ کے ہر حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ اسے رات بارہ بجے کا شدت سے انتظار تھا۔ جب رسونتی نے اُسے ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے کے لیے کہا تو وہ فوراً تیار ہو گیا۔ اس نے وہ بیگ اپنے ہاتھ میں لے لیا جس میں تمام جواہرات رکھے گئے تھے۔ پھر وہ ہمارے ساتھ ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گیا۔ اس دوران ہم نے ان فرانسیسی افسران سے رابطہ قائم کر لیا تھا جو صباح کے علاقے میں ہمارے منتظر تھے۔ ہمارے لیے وہاں ایک طیارہ مخصوص تھا۔

میں پائلٹ کے دماغ میں تھا اور رسونتی سلیمان موورز سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے کہا "سلیمان موورز! تم یقیناً محبِ وطن ہو، لیکن سپاہی سے زیادہ عاشق ہو۔ تمہارے جیسے دیوانے عاشقوں کو قوم کا لیڈر نہیں ہونا چاہیے۔"

اس نے کہا "اے جانِ سلیمان! تم کہتی ہو تو میں لیڈری سے توبہ کرتا ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں صرف تمہاری تمنا کر رہا ہوں۔ میں بارہ بجے رات کا انتظار کر رہا ہوں۔"

رسونتی نے پوچھا "میرے محبوب! کیا تم میری خاطر اپنی قوم کو چھوڑ دو گے؟"

"ہاں چھوڑ دوں گا۔"

"کیا اپنے وطن، اپنی زمین کو بھی چھوڑ دو گے؟"

"میں تمہاری خاطر ساری دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں۔"

"پھر تو تمہاری قوم ایک لیڈر کے بغیر بھٹکے گی۔ پتا نہیں، انہیں ایک نیا اور معقول لیڈر کب تک ملے گا۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔"

"تمہارے ملک میں تمہارے ساتھی پھر بستی میں چلے جائیں گے اور دوسرے حکمرانی کرتے رہیں گے۔"

"انہیں حکمرانی کرنے دو۔ میں اپنے دل و دماغ میں صرف تمہاری حکمرانی چاہتا ہوں۔"

"تم اچھی طرح سوچ کر جواب دو۔ کیا میرے لیے دنیا کو چھوڑ سکتے ہو؟"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں، ایک بار تم سے ملنے کے لیے سارے جہاں کو چھوڑ سکتا ہوں۔"

"نیچے دیکھو، اب ہمارا ہیلی کاپٹر ساحل پر پہنچ گیا ہے۔ اس کے بعد سمندر پر سے گزرے گا۔ آؤ دروازے پر آجاؤ۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا "میں دروازے پر جا کر کیا کروں گا؟"

"تم سمندر میں چھلانگ لگاؤ گے، اس کی تہ میں پہنچو گے وہیں مجھ سے ملاقات ہوگی۔"

وہ گھبرا کر بولا "یہ، یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"بے وقوف! کسی روح سے ملنے کے لیے اپنے جسم کو چھوڑنا پڑتا ہے اور تم تو دنیا چھوڑنا ہی چاہتے ہو، آجاؤ۔"

رسونتی نے اُسے اٹھنے پر مجبور کیا۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "نہیں، نہیں میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ میں چھلانگ نہیں لگاؤں گا۔"

"تم نے اپنی پوری قوم کو جدوجہد کے سمندر میں ڈوبنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ تمہیں اپنی قوم کی پروا نہیں ہے۔ تمہیں اپنے ملک کی پروا نہیں ہے۔ تم صرف عاشق ہو لہٰذا عاشق کا فرض ادا کرو گے۔"

وہ دروازے پر پہنچ گیا تھا۔ انکار کر رہا تھا مگر اپنے بس میں نہیں تھا۔ رسونتی نے اُسے ایک خیال خوانی کی ٹھوکر ماری اور وہ دروازے سے گزرتا ہوا چیخ مارتا ہوا نیچے جانے لگا۔ نیچے سمندر ہی سمندر تھا۔ میں مانتا ہوں، وہ ہمارا میزبان تھا۔ اس نے بڑی خوش دلی سے ہمیں خوش آمدید کہا تھا، ہماری خاطر مدارات کی تھیں لیکن ہم نے بھی کئی جگہ اسے موت کے منہ سے نکالا تھا۔ ایک بار کولی نامی بستی میں اس پر فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں نے اُسے ایک لات مار کر پیچھے ہٹا دیا تھا اور وہ گولیوں کی زد میں آنے سے بچ گیا تھا۔ دوسری بار اُسے فائرنگ سے بچانے کے لیے سونیا نے تھپڑ مارا تھا۔ اگرچہ یہ اُس سے زیادتی کی گئی تھی مگر اس کی جان بچا لی گئی تھی۔ تیسری بار رسونتی نے جان نہیں بچائی، اُسے ٹھوکر مار کر ہمیشہ کے لیے سمندر کی تہ میں پہنچا دیا۔ وہ آخری ٹھوکر اس لیے ماری کہ وہ اپنی پوری قوم کو ٹھکرا چکا تھا۔

ابھی منزل دور تھی، پرواز جاری تھی۔ رسونتی نے کہا "تمہاری ایک بُری عادت ہے۔"

"پتا نہیں، مجھ میں کتنی بُری عادتیں ہیں۔ فی الحال جس بُری عادت کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہو اُسے وضاحت سے بیان کرو۔"

"تم جس مقام سے جاتے ہو وہاں پلٹ کر نہیں آتے یا جس ساتھی کو چھوڑتے ہو اس کی خبر نہیں لیتے۔"

"تم کس ساتھی کی بات کر رہی ہو؟"

"لیلیٰ ثانی کی خبر لو۔ وہ آہنی سلاخوں کے پیچھے ہے۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ لبنان چھوڑنے کے بعد میں نے لیلیٰ اور حدیقہ کی خبر نہیں لی تھی۔ حدیقہ کے متعلق یوں بھی جاننا مشکل تھا۔ نہ میں اس کی آواز کبھی سُن سکا تھا نہ اس کے دماغ میں پہنچ سکتا تھا۔ جن دنوں میں بیروت میں کرسٹوفر میکی کے روپ میں تھا۔ لیلیٰ بھی وہاں تھی۔ وہ مجھ سے سادہ آرٹک کی حیثیت سے ملتی تھی اور میں کرسٹوفر میکی کی حیثیت سے۔ میں اس

کی اصلیت کو شروع سے جانتا تھا... اور وہ مجھ پر شبہ کرتی رہی کہ میں میکی نہیں فرہاد ہوں۔"

میں نے آج تک لیلیٰ کے دماغ میں پہنچ کر براہِ راست گفتگو نہیں کی۔ اگر کبھی اُسے گائیڈ کرنا ہوتا تو اسی کی سوچ میں کوئی بات کہہ دیتا تھا اور وہ یقین سے کہتی تھی "فرہاد! تم میرے دماغ میں ہو مگر مجھے مخاطب نہیں کرنا چاہتے۔ اگر تمھارے لیے پُراسرار بن کر رہنے میں کوئی مصلحت ہے تو یہی سہی، مگر مجھے اتنا یقین دلا دو کہ تم میرے اندر موجود رہتے ہو۔ بس میرے لیے یہی بہت ہے۔"

میں نے کبھی یقین نہیں دلایا لیکن حالات ایسے تھے کہ وہ یقین کرتی جاتی تھی۔ مثلاً آخری بار جب وہ سی سرپنٹ کے قلعے کی طرف اپنے ایک گائیڈ آفیسر کے ساتھ آ رہی تھی تو اس وقت بار بار سوچ کے ذریعے مجھے مخاطب کرتی تھی۔

یہ وہی وقت تھا جب شیبا اس گائیڈ آفیسر کے دماغ میں تھی۔ یہ انکشاف ہو چکا تھا کہ میں سی سرپنٹ کے قلعے میں موجود ہوں۔ مجھے چاروں طرف سے گھیرا جا رہا تھا۔ ایسے میں لیلیٰ چاہتی تھی، اس کا گائیڈ آفیسر قلعے کی طرف نہ جا سکے۔ جب شیبا گائیڈ آفیسر کے دماغ میں پہنچ سکتی تھی تو لیلیٰ کے دماغ میں کیسے نہ پہنچتی۔ بہرحال یہ راز نہ رہ سکا کہ وہ صرف سارہ آئزک ہے۔ شیبا نے اس کے اندر پہنچ کر اس کی ساری اصلیت معلوم کر لی۔ جب ربی اسفندیار کو معلوم ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ انھوں نے کہا "اب پتا چل رہا ہے کہ یہ اسرائیل سے لبنان تک اتنے حیرت انگیز کارنامے کیسے انجام دیتی رہی ہے۔ اس کے پیچھے فرہاد تھا اور اب بھی ہے اور یہ شروع سے ہمارے خلاف اس کا ساتھ دیتی رہی ہے۔"

انھوں نے سیکرٹ سروس کے چیف کو بلا کر کہا "میرے روحانی علم کے ذریعے جو کچھ معلوم ہوا ہے، اس کے مطابق تمھیں عمل کرنا ہے۔ سارہ آئزک کو فوراً اپنے ملک میں واپس بلا لو۔ پھر جیسے ہی وہ یہاں پہنچے، اسے حراست میں لے لو۔"

چیف نے حیرانی سے پوچھا "محترم ربی! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ وہ تو ہمارے یہاں کی ذہین ترین سیکرٹ ایجنٹ ہے۔"

"ہاں، اس سیکرٹ ایجنٹ کے پیچھے جو ... ہے وہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ جیسا کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو اور یہ یاد رکھو، یہ بات ابھی کسی کو معلوم نہ ہو۔ اگر سارہ کے کانوں میں اس کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ اِدھر کا رُخ نہیں کرے گی اور ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔"

ربی اسفندیار کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ لیلیٰ ثانی کو واپس

بلایا گیا۔ جیسے ہی وہ تل ابیب پہنچی، اسے حراست میں لے لیا گیا۔ اُسے ایسے قید خانے میں رکھا گیا جہاں غیر ملکی سراغرساں کو رکھا جاتا تھا، ان پر مظالم ڈھائے جاتے تھے اور ان سے راز اُگلوائے جاتے تھے کہ وہ اسرائیلی حدود میں کیوں آئے، کیسے آئے، کس کی طرف سے بھیجے گئے۔ اسی طرح لیلیٰ ثانی سے سوالات کیے جا رہے تھے۔

وہ انکار کر رہی تھی اور بار بار یہی کہتی تھی "میں سارہ آئزک ہوں۔ میں لیلیٰ ثانی نہیں ہوں۔ میں محترم ربی کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے لیکن روحانی علم ہو یا سائنسی علم، ان کے ذریعے جو معلومات فراہم کی جاتی ہیں وہ کبھی غلط بھی ہو سکتی ہیں۔"

اسے کچھ عرصے تک دھمکیاں دی گئیں۔ ہلکی پھلکی سزائیں دی گئیں۔ اس سے کہا گیا "سارہ! تم اچھی طرح جانتی ہو، بڑے سے بڑے خطرناک مجرم اور غیر معمولی قوتِ برداشت رکھنے والے غیر ملکی سراغرساں بھی اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

لیکن وہ مجبور نہ ہوئی۔ اس پر طرح طرح سے ظلم کیے گئے حتیٰ کہ بجلی کے جھٹکے بھی پہنچائے گئے۔ ایک دن ربی اسفندیار نے کہا "بیٹی شیبا! کہیں خیال خوانی کرنے کے سلسلے میں تم سے غلطی تو نہیں ہوئی ہے۔ سارہ آئزک بہت ہی غیر معمولی قوتِ برداشت کی حامل ہے یا پھر یہ سچ ہے، سارہ آئزک ہے، لیلیٰ ثانی نہیں ہے۔"

"میں آپ کے سامنے غلط بیانی سے کام نہیں لے سکتی۔ مجھے بھلا سارہ آئزک سے کیا دُشمنی ہو سکتی ہے؟"

ربی اسفندیار نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "ہاں شیبا! تم سے غلطی نہیں ہو سکتی لیکن اس طرح تو وہ ظلم سہتے سہتے مر جائے گی۔ کبھی اپنے جرم کا اعتراف نہیں کرے گی۔"

"ایک ہی صورت ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کی زبان کھلوا دوں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ اگر اس نے اعتراف جرم نہیں کیا اور خود کو سارہ آئزک ہی ثابت کرتی رہی تو سیکرٹ سروس کے تمام افسران میرے اس سچ پر شبہ کریں گے۔ یہاں کے افسران اور حکام کے سامنے پہلی بار میری باتوں میں وزن نہیں رہے گا۔"

آخر یہی کیا گیا۔ شیبا نے لیلیٰ کے دماغ پر قابض ہو کر اسے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ وہ لیلیٰ ثانی ہے، سارہ آئزک بھی ہے مگر اپنی یہودی ماں کے ناتے سے وہ سارہ ہے اور مسلمان باپ کے رشتے سے لیلیٰ ثانی۔

اس سے پوچھا گیا "تم فرہاد کو کب سے جانتی ہو؟"

"میں نے آج تک فرہاد کو نہیں دیکھا۔ ہاں، اس کے ساتھ کچھ وقت گزار چکی ہوں، لیکن مجھے کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہی فرہاد علی تیمور ہے۔"

ربی اسفندیار نے انہیں سمجھایا "اسے سزائے موت دینے میں تاخیر نہ کی جائے۔ فرہاد اور رسونتی وغیرہ اس سے غافل ہیں۔ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس کا قصہ تمام کر دیا جائے۔ اس نے ہمارے ملک کو نقصان پہنچایا ہے، ہمارے اعتماد کو بھی ٹھیس پہنچائی ہے۔ ایسی عبرت ناک سزا دی جائے کہ سیکرٹ سروس کا کوئی ایجنٹ کبھی بھولے سے بھی غداری کے متعلق سوچے تو لیلیٰ ثانی کا انجام دیکھ کر کان پکڑ لے، توبہ کر لے۔"

اسے سزائے موت سنا دی گئی۔ لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا۔ فلسطینی مجاہدین کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ لیلیٰ ثانی گرفتار ہو چکی ہے اور اس پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اور اب سزائے موت بھی سنائی جا چکی ہے۔

مجاہدین کے سامنے اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ وہ انتقامی کارروائی کرتے۔ انھوں نے ایک اسرائیلی حاکمِ اعلیٰ کی رہائش گاہ پر دھاوا بول دیا۔ وہاں اس اعلیٰ افسر کو یرغمال بنا کر فون کے ذریعے کہا "اگر لیلیٰ ثانی کو موت کی سزا دی گئی اور اسے رہا نہ کیا گیا تو تمہارا یہ سرکاری مہرہ بھی چند منٹ کے بعد موت کی نیند سو جائے گا۔"

فون پر یہ باتیں سنتے ہی کھلبلی سی مچ گئی۔ اس اعلیٰ افسر کی رہائش گاہ کے چاروں طرف فوراً ہی مسلح فوجی پہنچ گئے۔ انھوں نے دھمکی دی "مجاہدین نے اگر خود کو گرفتاری کے لیے پیش نہ کیا تو ان میں سے ایک بھی اس رہائش گاہ سے باہر زندہ نہیں جا سکے گا۔"

اندر سے جواب ملا "ہم کفن باندھ کر آئے ہیں۔ لیلیٰ ثانی کی رہائی چاہتے ہیں۔ ہماری شرط منظور نہیں ہے تو اپنے حاکم کی لاش کو یہاں سے لے جانے کے لیے تیار رہو۔"

اس دوران شیبا ان مجاہدین کے دماغوں میں پہنچ چکی تھی لیکن خیال خوانی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔ ربی اسفندیار کے حکم کے مطابق اس نے اپنی اس غیر معمولی صلاحیت کو راز میں رکھا تھا لیکن خیال خوانی کا ایک فائدہ ہوا۔ شیبا کو معلوم ہو گیا کہ آج تک کسی بھی مجاہد نے لیلیٰ ثانی کو نہیں دیکھا ہے گویا اُسے صورت و شکل سے نہیں پہچانتے ہیں۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ جس سارہ آئزک کو گرفتار کیا گیا ہے، اسی پر لیلیٰ ثانی کا شبہ کیا جا رہا ہے۔

ربی اسفندیار نے کہا "مجاہدین کی شرط تسلیم کر لی جائے۔ لیلیٰ ثانی کو رہا کیا جا رہا ہے۔"

سیکرٹ سروس کے چیف نے حیرانی سے پوچھا "پہلے آپ نے سارہ آئزک کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ واقعی وہ لیلیٰ ثانی نکلی۔ اب اس کی رہائی کا حکم دے رہے ہیں۔"

ربی نے مسکراتے ہوئے کہا "ان سے کہو، ہم لیلیٰ کو رہا کر رہے ہیں۔ چونکہ اس پر بڑے مظالم ڈھائے گئے ہیں لہٰذا وہ اپنا دماغی توازن کھو چکی ہے۔ بہکی بہکی باتیں کرتی ہے۔"

"لیکن محترم ربی! لیلیٰ ثانی کی دماغی حالت درست ہے۔"

"پاگل خانے سے ایک اسی قد و قامت کی لڑکی کو لے آؤ اور لیلیٰ ثانی کی جگہ پہنچا دو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ وہ چھاپا مار جو اسے لینے آئیں گے، وہ اسے لیلیٰ تسلیم نہیں کریں گے۔"

"کیوں تسلیم نہیں کریں گے، جس طرح آج تک ہم نے لیلیٰ ثانی کی اصلی صورت نہیں دیکھی تھی، اسی طرح کسی فلسطینی نے بھی نہیں دیکھی۔ میں دعوے سے کہتا ہوں، ان میں سے کوئی اصلی لیلیٰ کو نہیں پہچانتا ہے۔ آزما کر دیکھ لو۔"

یہ آزمایا گیا۔ مجاہدین کی شرائط تسلیم کرتے ہوئے کہا گیا کہ وہ جیل خانے پہنچ کر خود لیلیٰ کو وہاں سے لے جا سکتے ہیں۔

جو مجاہدین وہاں پہنچے، انہوں نے لیلیٰ کو بہت ہی بُری حالت میں دیکھا۔ اس کا لباس تار تار ہو چکا تھا۔ بال کاٹ کر چھوٹے کر دیے گئے تھے۔ چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں اور وہ وحشت زدہ نظروں سے سب کو تک رہی تھی۔ ایک نے کہا "ہم تمہاری رہائی کے لیے آئے ہیں۔ تم لیلیٰ ثانی ہو۔"

وہ قہقہے لگانے لگی۔ اس سے پھر پوچھا گیا۔ اس نے کہا "میں کون ہوں، تم کون ہو۔ یہ کون سی جگہ ہے۔ مجھے کہاں سے کہاں پہنچایا جا رہا ہے۔"

ایک مجاہد نے سوال کیا "بس اتنا ہی بتا دو کیا تمہارا ہی نام لیلیٰ ہے؟"

"لیلیٰ" وہ پھر قہقہے لگانے لگی "ہاں، میں لیلیٰ ہوں۔ میرا مجنوں کہاں ہے؟"

وہ سمجھ گئے کہ دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔ اتنا ہی کافی تھا کہ اس نے خود کو لیلیٰ کہا تھا۔ وہ اُسے جیل سے نکال کر لے آئے۔ اب دوسری شرط یہ تھی کہ جب

اسرائیلی سرحد کے پار لے جائیں گے تب اس اعلیٰ افسر کو رہا جائے گا۔ اسوقت تک مجاہدین اس کی رہائش گاہ میں موجود رہیں گے۔

ان کی دوسری شرط پر بھی عمل کیا گیا۔ اس پاگل عورت کو مجاہدین کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ سرکاری طور پر آسانیاں فراہم کی گئیں کہ وہ جلد سے جلد سرحد کے پار چلے جائیں۔ جب وہ چلے گئے اور وہاں سے انہوں نے کوڈ ورڈز کے ذریعے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی کہ وہ سرحد پار کر چکے ہیں، اب ان کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے تو مجاہدین نے اس اعلیٰ افسر کو رہا کر دیا۔ خود رہائش گاہ سے باہر آئے لیکن چاروں طرف سے گھیر لیے گئے۔ ان سے کچھ پوچھنا یا چند لمحوں کے لیے بھی زندہ رہنے کی مہلت دینا ضروری نہیں تھا۔ چاروں طرف سے گولیاں چلیں اور وہ بے مقصد مارے گئے، بے مقصد اس لیے کہ اصلی لیلیٰ ثانی کو اب بھی رہائی نہ دلا سکے تھے۔

لیلیٰ کو دوسری جیل میں منتقل کر دیا گیا تھا اور حکم دیا گیا تھا کہ دوسری صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی اسے گولی مار دی جائے۔ ایسے ہی وقت رسونتی فلپائنو زبان کے ذریعے شیبا کے دماغ میں جگہ بنا چکی تھی اور رفتہ رفتہ بہت سی معلومات حاصل کر رہی تھی۔ لیلیٰ ثانی بھی ان معلومات کا ایک حصہ تھی۔

چونکہ ہم مکتی محل کے تہ خانے میں الجھے ہوئے تھے، لیلیٰ کو اپنی جدوجہد کا مرکز نہیں بنا سکتے تھے، اس لیے رسونتی نے ربی اسفندیار کے دماغ پر دستک دی۔ اس وقت وہ شیبا کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سانس روک لی تھی۔ سوالیہ نظروں سے شیبا کو دیکھ رہے تھے کیونکہ وہ دونوں تنہا تھے اور شیبا کو خیال خوانی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ براہِ راست زبان سے گفتگو کر سکتی تھی۔

انھوں نے شیبا کو وہاں سے اُٹھ کر جانے کے لیے کہا۔ جب وہ چلی گئی تو انھوں نے ایک گہری سانس لی، پھر پوچھا۔ "کون ہے؟"

ان کے دماغ میں آواز اُبھری۔ "میں رسونتی بول رہی ہوں۔"

"خوش آمدید میری بچی! بہت دنوں بعد مجھے یاد کیا۔ خیریت تو ہے!"

"ہماری بساط کا ایک اہم مہرہ آپ کے ہاں پھنسا ہوا ہے۔ اسے فوراً ہی جیل سے رہائی دلا کر اسپتال پہنچائیں اور پوری توجہ سے علاج کرائیں۔"

"کیا حکم دے رہی ہو؟"

"ابھی مشورہ دے رہی ہوں۔"

"لیلیٰ ہماری مجرم ہے۔ اسے اتنی آسانی سے رہا نہ کیا جا سکتا۔"

"رہائی کی بات بعد میں ہوگی، ابھی میں اس کی سزائے موت منسوخ کرنے اور اُس کا علاج کرنے کی بات کر رہی ہوں۔ فی الوقت میں بہت مصروف ہوں۔ آپ سے زیادہ بحث نہ کر سکتی۔"

"رسونتی، رات ہونے کو ہے اور دوسری صبح اُسے گولی دی جائے گی لہٰذا اپنی مصروفیات کو ترک کرو اور مجھ سے تفصیل سے بات کرو، اگر واقعی تم اسے بچانا چاہتی ہو۔"

"محترم ربی! ابھی ہم فلپائن کے ایک جزیرے میں بہت مصروف ہیں۔ لیلیٰ کے سلسلے میں دوسرے دن گفتگو ہوگی۔ میں صرف اتنا کہہ دیتی ہوں کہ اُس پر کوئی آنچ نہ آئے، کوئی ظلم کیا جائے۔ اسے فوراً اسپتال پہنچا کر پوری توجہ سے علاج کیا جائے ورنہ مجاہدین نے صرف ایک اعلیٰ حاکم کو یرغمال بنایا تھا، ہم ایک لیلیٰ کے بدلے آپ کے کئی حاکموں اور بہت سے افسروں کو خاک میں ملا دیں گے، یہ آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ میں بہت مصروف ہوں، فرصت نہیں ہے۔ ہاں یا ناں میں جواب دیں۔ آپ لیلیٰ کو اسپتال پہنچا رہے ہیں یا نہیں؟"

"اچھی بات ہے۔ تم جاؤ۔ لیلیٰ کو جیل سے اسپتال میں منتقل کر دیا جائے گا۔ کل میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

رسونتی نے یہ تمام معاملات میری لاعلمی میں طے کیے تھے۔ اب مکتی محل سے نکل کر ہیلی کاپٹر میں پرواز کرنے کے دوران ذرا فرصت ملی تھی تو اس نے مجھے یہ حالات سنائے تھے اور اب میں لیلیٰ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ وہ کال کوٹھری میں سر جھکائے بیٹھی سوچ رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں اپنے نام کا اضافہ کیا تو وہ میرے متعلق سوچنے لگی۔ "فرہاد کوئی حقیقت نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو کوئی انسان اتنا بے مروّت نہیں ہوتا کہ پلٹ کر خبر بھی نہ لے۔ آخر وہ اپنی دوسری ساتھیوں کی خبر تو لیتا ہے۔ اگر وہ میرے پاس چھپ کر آتا تھا، میرے سامنے بہروپیا بنا تھا تو کیا اس کے دل میں میرے لیے اتنی سی بھی جگہ نہیں تھی کہ کبھی بھولے سے مجھے یاد کر لیتا۔ میری خیریت معلوم کر لیتا۔"

وہ سوچ رہی تھی اور میں نادم ہو رہا تھا۔ اس کی حالت کو اس کے دماغ میں رہ کر سمجھ رہا تھا۔ بے چاری پر ایسے مظالم ڈھائے گئے تھے کہ کوئی اور ہوتی تو اب تک دنیا سے اٹھ چکی ہوتی۔ میں نے ہولے سے مخاطب کیا۔ "لیلیٰ!"

وہ ایک دم چونک گئی۔ اُس کے دماغ میں ایک مردانہ

لہجہ گونج کر گم ہو گیا تھا۔ وہ پھیلی پھیلی آنکھوں سے کال کوٹھری کے اندھیرے کو یوں تکنے لگی جیسے میں آ گیا ہوں۔

"ہاں، میں آ گیا ہوں۔ مجھے بے حد شرمندگی ہے میں نے تمہاری خبر نہیں لی اور تم اس حال کو پہنچ گئیں۔"

وہ اب بھی بے یقینی سے اس کوٹھری کی تاریکی کو دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی۔ "کیا یہ بھی فریب ہے۔ کیا میں پھر دھوکا کھانے والی ہوں؟"

"نہیں لیلیٰ! اب تک میں نے براہِ راست کبھی تمہیں دماغ میں پہنچ کر مخاطب نہیں کیا۔ پہلی بار تمہیں مخاطب کر رہا ہوں۔ میں فرہاد ہوں۔"

وہ ہنسنے لگی۔ میں نے کہا۔ "میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تمہارے دماغ میں بول رہا ہوں۔ میں فرہاد ہوں۔"

وہ اور زور زور سے ہنسنے لگی۔ اس کا اعتماد مجھ پر سے اٹھ چکا تھا۔ جب اسے لاتوں سے اور گھونسوں سے مارا گیا، جب اس کی ریشمی زلفوں کو چھت سے باندھ کر لٹکایا گیا، اس پر کوڑے برسائے گئے تو وہ ہر لمحہ انتظار کرتی رہی۔ "وہ اب آئے گا، اب ضرور آئے گا۔ شاید کہیں مصروف ہے۔ کسی مصیبت میں گھرا ہوا ہے مگر نہیں، اب تو ظلم کی انتہا ہو رہی ہے۔ شاید میں اسے یاد آ جاؤں، شاید وہ کسی لمحے پہنچ جائے۔"

لیکن میں کسی بھی لمحے نہ پہنچ سکا۔ اسے بار بار بجلی کے جھٹکے پہنچائے گئے، اس کے جسم میں زلزلے پیدا کیے گئے، دماغ کو جھنجوڑ ڈالا گیا۔ وہ غیر معمولی قوتِ برداشت رکھنے والی ضدی لڑکی تھی، اس لیے جی رہی تھی لیکن میری آواز اور لب و لہجہ اپنے دماغ میں سنتے ہی اس کا دماغ چل گیا۔ بھلا یہ کیسی بات تھی کہ جب لمحہ لمحہ موت آ رہی تھی اور وہ سسکتی زندگی کے پاس سے اغوا کر کے لے جا رہی تھی تب میں نہیں آیا۔ اب موت کا فیصلہ ہو گیا، کسی لمحے وہ ہمیشہ کے لیے سکون سے قبر میں پہنچنے والی تھی تو میری آواز اور لب و لہجہ اسے زندگی کا پیغام دینے آیا تھا۔

وہ زور زور سے قہقہے لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "مجھے نہیں چاہیے زندگی۔ میں مرنا چاہتی ہوں۔ میں نے ہر لمحہ موت کی دعا مانگی مگر ان یہودیوں نے مجھے موت کی بھیک نہیں دی۔ اب یہ بھیک مجھے مل رہی ہے تو میں زندگی کی خیرات نہیں لوں گی۔ کسی کی ہمدردی، کسی کی محبت کو قبول نہیں کروں گی۔ نہیں کبھی نہیں۔"

وہ کہہ رہی تھی اور قہقہے لگا رہی تھی۔ پھر اسی طرح قہقہے لگاتے لگاتے چکرا کر گر پڑی۔ میں اس کے دماغ میں تھا مگر سمجھ رہا تھا،

وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ میں نے کہا۔ "رسونتی! میں کیا کروں؟ سیارے کی طرح گردش میں رہتا ہوں۔ خیال خوانی سے فرصت نہیں ملتی، میرے اپنے مسائل الگ ہیں۔ دشمن کبھی چین سے سونے نہیں دیتے۔ کبھی آرام سے رہنے نہیں دیتے۔ میں کتنوں کا خیال رکھوں، میں اسے کیسے سمجھاؤں؟"

رسونتی نے کہا۔ "وہ بہت زیادہ دل برداشتہ ہو گئی ہے۔ بے چاری نے ایسی اذیتیں برداشت کی ہیں جنھیں اس عمر کی کوئی لڑکی برداشت نہیں کر سکتی۔ رفتہ رفتہ ہماری مجبوریاں سمجھ لے گی۔ فی الحال اطمینان ہے۔ اسے گولی نہیں ماری جائے گی۔ ربی اسفندیار میں اب اتنی جرأت نہیں ہے۔ یہ لو، صبا کے علاقے میں پہنچ گئے ہو۔ دماغی طور پر حاضر رہو۔"

ہم دن کے گیارہ بجے صبا کے علاقے میں پہنچ گئے۔ ہمارے پروگرام کے مطابق ایک طیارے کو بالکل تیار رہنا چاہیے تھا لیکن وہاں پہنچتے ہی اطلاع ملی کہ اس طیارے میں کوئی خرابی ہو گئی ہے۔ فی الحال پرواز ممکن نہیں ہے۔

سونیا نے کہا۔ "ہم تمام رات کے جاگے ہوئے ہیں، بڑی محنت کی ہے۔ اگر کسی محفوظ جگہ پہنچ کر تھوڑی نیند پوری کر لیں تو بہتر ہوگا۔"

"نیند ضروری ہے مگر یہ سوچو کہ طیارے میں اچانک خرابی کیسے پیدا ہو گئی؟"

"آرام سے سوچیں گے۔"

وہاں اعلیٰ بی بی کے وہ ماتحت موجود تھے جو چالیس چوروں کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "ہم یہاں بیس کی تعداد میں ہیں۔ ہمیں جیسے ہی اطلاع ملی کہ طیارے میں کچھ خرابی ہو گئی ہے تو ہم نے یہاں کے ایک بڑے ہوٹل میں آپ کے لیے کمرہ ریزرو کرا دیا ہے۔ مناسب سمجھیں تو وہاں چل کر آرام کریں۔ شام تک دوسرا طیارہ آ جائے گا۔"

ہم اس ہوٹل میں پہنچے۔ یوں تو میرے اور سونیا کے لیے ایک کمرہ مخصوص تھا لیکن اس کمرے کے آس پاس دس کمرے اور ریزرو کرائے گئے تھے۔ ان دسوں میں اعلیٰ بی بی کے ماتحت تھے۔ ان میں سے دو کمرے پروفیسر ناٹیڈوا اور بائولی سپیرن کو دے دیے گئے۔ سونیا نے کمرے میں پہنچ کر بستر پر گرتے ہوئے کہا۔ "میں تو سو رہی ہوں۔ تمہیں بھی سونے کا مشورہ دیتی ہوں۔ رسونتی سے کہو، وہ تمام دہشت گرد تنظیموں کے سربراہوں تک پہنچے اور معلوم کرے، ہمارے طیارے کی خرابی ... ن یا سے کسی کا ہاتھ نہ ہو۔ تمہیں خیال خوانی نہیں کرنا چاہیے ... اسے سو جاؤ۔"

رسونتی نے کہا۔ "سونیا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میں معلومات حاصل کر لوں گی۔"

وہ سو گئی، میں دوسرے کمرے میں آ گیا کیونکہ میری حیثیت سجاد علی تیمور کی تھی۔ میں سونیا کے کمرے میں رہتا تو دشمنوں کو یقین ہو جاتا کہ فرہاد ہوں۔ اگرچہ ہمارے اطراف دور دور تک دس کمروں میں اعلیٰ بی بی کے آدمی محتاط پہرے داروں کی طرح موجود تھے تاہم دشمن بھی ہم سے کم نہ تھے۔ ہماری حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کے لیے نہ جانے کیسے کیسے ذرائع اختیار کر رہے ہوں گے۔ میں نے دودھ اور اوولٹین کا ایک گلاس منگایا پھر اُسے پینے کے بعد آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔

اب میں اطمینان سے اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سونا چاہتا تھا مگر مرد کے لیے سونا بستر پر ہو یا عورت کے لیے سونا زیورات کی شکل میں ہو، مقدّر کی بات ہوتی ہے اور میرے مقدر میں سونا نہیں تھا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

کون ہو سکتا ہے؟ دشمنوں کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ میں نے اعلیٰ بی بی کے خاص ماتحت کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "کیا بات ہے؟ دروازے پر کون ہے؟"

"جناب! میں کوریڈور میں موجود ہوں، باؤلی سپیرن آپ کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔"

میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ مجھے دیکھ کر مُسکرائی پھر اندر آتے ہوئے بولی "میرے من میں بات آئی، تیرے کمرے میں آؤں اور دیکھوں، تیرا بھی وہی حال ہے جو میرا ہے۔"

میں نے پوچھا "تیرا کیا حال ہے؟"

وہ بولی "دیکھ لے، میں ابھی جاگ رہی ہوں، تو بھی جاگ رہا ہے۔ ہم دونوں رات بھر نہیں سوئے مگر آنکھوں میں نیند نہیں ہے۔ جانے کیوں آنکھ بند کرتے ہی تو نظر آتا ہے۔"

"میرا مشورہ ہے تجھے آنکھ نہیں بند کرنا چاہیے۔ پھر نظر نہیں آؤں گا۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔ آنکھ کھلی رکھتی ہوں تو دل اِدھر کھنچا چلا آتا ہے۔ اور میں آ گئی۔"

"تیرا دعویٰ ہے کہ تو جس کے قریب جاتی ہے، وہ نیلا پڑ جاتا ہے، زندگی اس سے رُوٹھ جاتی ہے۔ کیا تو میری جان لینے آئی ہے؟"

اس نے گہری سنجیدگی سے دیکھا، نہیں نہیں کے انداز میں سر ہلایا "میں تیری جان نہیں لے سکتی۔ تیرے لیے جان دے سکتی ہوں۔" پھر وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "سجاد بابو! میں بڑی ناگن ہوں۔"

"اب کیا ہوا؟"

"میں نے آج تک کسی سے محبت نہیں کی۔ بڑے بڑے گبرو جوان میرے جیون میں آئے۔ میں نے پہلے تو منع کیا مگر انھیں اپنی جوانی پر غرور تھا۔ وہ میرے پاس آئے، مجھے زبردستی حاصل کرنا چاہا مگر پہلے ہی موت کی گود میں چلے گئے۔ میں سوچتی تھی، مجھے کوئی مرد اچھا نہیں لگ سکتا۔ میں زہریلی ہوں، ناگن ہوں، مجھے کسی انسان سے کیا لگاؤ ہو سکتا ہے۔ مگر کل سے تجھے دیکھ رہی ہوں، جانے کیوں یہ دل آپ ہی آپ تیرا ہوتا جا رہا ہے۔"

میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا "باؤلی! تو ناگن نہیں ہے، انسان ہے اور تجھے کسی بھی انسان سے محبت کرنا چاہیے۔ تو مجھ سے محبت کر رہی ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر پاس آنے سے تیرا زہر مجھے مار سکتا ہے تو میں تیری خوشی کے لیے مر جاؤں گا۔"

وہ فوراً ہی پیچھے ہٹ گئی۔ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں نہیں بابو! میں تیری جان نہیں لوں گی۔ میں اپنے آپ کو اندر ہی اندر مارتی رہوں گی۔ تیری آرزو کروں گی مگر تجھ سے دور رہوں گی۔"

"تو پھر یہاں کیوں آئی ہے؟"

"میں کیا بتاؤں، کیسے آ گئی۔ میں اپنے بس میں نہیں ہوں۔"

میں نے آگے بڑھ کر اچانک ہی اس کے بازو کو سختی سے پکڑ لیا۔ پھر کہا "مادام کمپیوٹر! تم اس کے دماغ میں بیٹھ کر مجھے ٹریپ نہیں کر سکو گی۔ اس بے چاری کو آلۂ کار بنا کر تمھیں کیا ملے گا۔ یہ محبت کی ماری ہے، انسان کے رُوپ میں پیدا ہوئی مگر اس کی پرورش کرنے والوں نے اسے زہریلی بنا دیا۔ کاش میں اس کی محبت کا جواب محبت سے دے سکتا۔"

باؤلی سپیرن نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے پوچھا۔ "تیرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے دماغ میں وہ مادام بول رہی ہے جو مجھے تہ خانے تک لے گئی تھی؟"

"ہاں، وہی چالیں چل رہی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ تو محبت سے کھنچی ہوئی میرے پاس آئے اور اپنی آرزوؤں کے جذبوں سے مجبور ہو کر مجھے ڈس لے۔"

باؤلی سپیرن نے ایک جھٹکے سے اپنے بازو کو میرے ہاتھ سے چھڑایا۔ دوڑتے ہوئے دروازے کے پاس گئی۔ پھر بولی "نہیں نہیں، کوئی بھی میرے دماغ میں آئے، اب میں تیرے کمرے میں نہیں آؤں گی۔ تجھ سے دور رہوں گی۔ میں تجھے دل و جان سے چاہتی ہوں۔ اب اس مادام نے مجھے تیرے پاس آنے پر مجبور کیا تو میں آنے سے پہلے ہی اپنی جان دے دوں گی۔"

اس نے یہ کہتے ہی ایک جھٹکے سے دروازے کو کھولا پھر دوڑتے ہوئے باہر چلی گئی۔ میں نے دروازے کو بند کر دیا پھر مسکرانے لگا۔ باؤلی سے گفتگو کرنے کے دوران میں نے چپکے سے شیبا کے دماغ میں جھانک کر دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کے دماغ میں موجود تھی۔ جو کچھ میں نے کہا تھا، وہ غلط نہیں تھا۔ اب وہ کمرے کی تنہائی میں میرے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اگرچہ میں سجاد کا رول ادا کر رہا تھا، اسے میرے دماغ میں آ جانا چاہیے تھا لیکن وہ ڈرتی تھی، کہیں سجاد کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر دماغ میں آنا چاہے تو فرہاد کے دماغ میں نہ پہنچ جائے کیونکہ میرا اور سجاد کا لب و لہجہ بالکل ایک جیسا تھا۔

بہرحال پھر اُسے شبہ ہونے لگا تھا کہ میں سجاد نہیں فرہاد ہوں۔ وہ اس بات کی تصدیق باؤلی سپیرن سے کر سکتی تھی۔ اگر میں فرہاد ہوں تو باؤلی کا زہر مجھ پر اثر نہیں کرے گا کیونکہ میں منجالی کی زندگی سے گزر چکا ہوں۔ اور اگر سجاد ہوں تو باؤلی سے کترانے کی کوشش کروں گا جیسا کہ میں ابھی کر چکا تھا۔

شیبا اپنے ربی سے کہہ رہی تھی "ہم کل رات سے تصدیق کرتے آ رہے ہیں، وہ سجاد ہی ہے پھر آپ کو بار بار شبہ کیوں ہوتا ہے؟"

"میں آخری بار تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ باؤلی سپیرن کے ذریعے۔ اب واقعی اعتراف کرنا پڑے گا کہ سونیا کے ساتھ اس ہوٹل میں سجاد ہے، فرہاد نہیں ہے۔"

ان کی باتیں سن کر میں بستر پر آ گیا۔ آرام سے لیٹ گیا لیکن دماغ کو ہدایات نہ دے سکا۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ کیا مصیبت ہے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ریسیور کو اُٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہیلو۔"

اعلیٰ بی بی کے خاص ماتحت کی آواز سنائی دی "سر! مجھے یقین تھا، آپ جاگ رہے ہوں گے، اسی لیے ڈسٹرب کیا ہے۔ سوری، ایک صاحب آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے شام تک کے لیے ٹالنا چاہا مگر وہ بضد ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ صاحب اسی لائن پر ہماری گفتگو سُن رہے ہیں۔"

اُن صاحب کی آواز سُنائی دی "ہاں، سُن رہا ہوں اور اب بول رہا ہوں۔ یقیناً تم نے مجھے آواز سے پہچان لیا ہو گا۔"

میں نے مسکرا کر کہا "اے پردہ نشین ماسٹر کی! میں نے پہچان لیا ہے۔ اس کے بعد تم کہو گے کہ میں پہچان کر، تمھاری آواز سن کر بھی تمھارے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا۔ تمھیں صرف اسی بات کا دعویٰ ہے۔"

"کیا میرا دعویٰ غلط ہے؟"

"تمھارا ایک دعویٰ غلط ہو گیا۔ تم نے کہا تھا کہ مجھے بے بس کر دو گے۔ میں تمھارے پاس نہیں پہنچ سکوں گا اور تم مجھے گھیر کر اپنا قیدی بناؤ گے۔ شاید مجھے اپاہج بنا کر دُنیا والوں کے سامنے عبرت ناک تماشا بننے کے لیے چھوڑ دو گے۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میرا یہ دعویٰ غلط ہو گیا ہے؟"

"تم مجھے اب تک قیدی بنا کر اپنے پاس نہیں بلا سکے۔ تمھاری پیشن گوئی غلط ہوئی۔ اب میں پیشن گوئی کرتا ہوں، تم اپنے دعوے میں ناکام ہو کر مجھے قیدی بنانے کے لیے خود میرے پاس چل کر آؤ گے۔ آج نہیں تو کل اور دوسری پیشن گوئی یہ ہے کہ جب بھی میرے پاس پہنچو گے، تمھیں بڑی مایوسی ہو گی۔"

ماسٹر کی نے کہا "تمھاری پہلی پیشن گوئی اسی لمحہ پوری ہو چکی ہے۔ میں تمھارے پاس چل کر آیا ہوں۔ تم سے زیادہ دُور نہیں ہوں۔ یہ مان گیا کہ تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ لیکن تمھاری دُوسری پیشن گوئی درست ثابت نہیں ہو گی۔"

"میں نے کہا نا، بڑے مایوس ہو کر تم میرے کوچے سے نکلو گے میرے دانش مند ماسٹر کی! اس وقت تم سجاد علی تیمور سے باتیں کر رہے ہو۔ میرے بھائی تک پہنچنے کے لیے تمھیں پتا نہیں کتنی بار مر کر پیدا ہونا پڑے گا۔"

دوسری طرف چند لمحوں کے لیے چپ سی لگ گئی۔ میں نے کہا "اب میں سونے جا رہا ہوں۔ پلیز مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔"

اس نے جلدی سے کہا "ذرا ٹھہرو۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں اتنا خوش مزاج نہیں ہوں کہ دشمنوں سے مل کر خوشی محسوس کروں، مجھے افسوس ہے۔"

"دیکھو، ریسیور نہ رکھنا۔ میں نے تمھیں یہاں روکنے کے لیے طیارے میں خرابی پیدا کرا دی ہے، دوسرے طیارے کا انتظار اس وقت تک فضول ہے جب تک مجھ سے ملاقات نہیں کرو گے۔ وہ طیارہ یہاں پہنچنے سے پہلے ہی تباہ ہو جائے گا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ تمھارے لیے فرانس سے پرواز کر چکا ہے۔ تم اسے تباہی سے بچا سکتے ہو۔"

"اس کا مطلب ہے، تمھارے آدمیوں نے اس طیارے میں کوئی ٹائم بم وغیرہ چھپا رکھا ہے۔"

"ایسی ہی کوئی بات ہوسکتی ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو ملنے سے انکار کرو اور شام تک اس کی تباہی کی خبر سن لو۔"

"میں اپنے بھائی اور رسونتی بھابی کے ذریعے ابھی اس طیارے کو پرواز سے روک سکتا ہوں۔ کسی قریبی ایئرپورٹ پر اسے اتار کر چیک کرنے کے لیے کہہ سکتا ہوں۔"

"بے شک چیک کرنے پر وہ ٹائم بم برآمد ہو جائے گا لیکن میں تمھیں یہاں سے نکلنے نہیں دوں گا۔ کوئی ہیلی کاپٹر یا طیارہ تمھیں نہیں لے جاسکے گا۔"

میں نے چند لمحوں تک سوچنے کے بعد کہا "میں ابھی سونے جا رہا ہوں، بہت تھکا ہوا ہوں۔ شام کو فیصلہ کروں گا، تم سے ملنا چاہیے یا نہیں۔ اس طیارے کو تباہی سے روکو۔ میں بھائی جان وغیرہ کے ذریعے اسے پرواز سے منع کرنے جا رہا ہوں۔ سو فار۔"

میں نے ریسیور رکھا پھر خیال خوانی کے ذریعے اعلیٰ بی بی کے خاص ماتحت کو بتایا "جو طیارہ ہمارے لیے آرہا ہے، وہ کہیں بھی ایک ٹائم بم کے ذریعے تباہ ہوسکتا ہے۔ فوراً متعلقہ افسران سے رابطہ قائم کرو اور اسے واپس بلا لو۔ اگر وہ دور نکل گیا ہے تو کسی قریبی ملک میں اترنے کے لیے کہو پھر اسے پوری طرح چیک کرانے کی ہدایات دو۔ سو ویٹس آل۔"

میں نے ریسیور رکھا، بستر پر پہنچ کر جوتے اتارے، آرام سے لیٹ کر دماغ کو ہدایت دی پھر سو گیا۔ ایسے ہی وقت تقدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے، انسان کہتا ہے ہم اپنے آپ پر کلی اختیار رکھتے ہیں جب چاہیں سو سکتے ہیں لیکن میں نے بارہا آزمایا ہے۔ جب چاہا ہے سو نہیں سکا اور جب تقدیر نے اجازت دی تو سونے کا موقع ملتا رہا۔

رسونتی کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ ماسٹر کی نے ہمارے طیارے میں کوئی خرابی پیدا کی تھی اور آئندہ بھی مجھے وہاں روکنا چاہتا ہے۔ اسے اعلیٰ بی بی کے ذریعے پتا چلا کہ جو طیارہ ہمارے لیے دوسری بار آرہا تھا اسے بھی کہیں روک دیا گیا تھا اور چیک کرنے پر اس میں سے ایک ٹائم بم برآمد ہوا تھا۔

ادھر سے اعلیٰ بی بی کے خاص ماتحت نے یہ بتایا تھا کہ ماسٹر کی فرہاد صاحب کو یہاں روکنا چاہتا ہے۔ نذر کہنے پر ہے، کوئی بھی ہیلی کاپٹر یا طیارہ یہاں پہنچنے نہیں دے گا۔ فرہاد صاحب یہاں سے نکل نہیں پائیں گے۔

اس ماتحت نے اعلیٰ بی بی کو یہ بھی بتایا کہ فرہاد صاحب نے اسے دوستی کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کے باوجود ماسٹر کی ان سے ملنا چاہتا ہے۔ فرہاد صاحب نے فی الحال رضامندی ظاہر نہیں کی ہے، اسے شام تک کے لیے ٹال دیا ہے۔

رسونتی کو شام تک اطمینان تھا اس لیے وہ ربی اسفندیار کے پاس پہنچ گئی۔ ربی نے پوچھا "کون؟"

"میں رسونتی بول رہی ہوں، دماغ میں آنے کی اجازت دیجیے۔"

"تم دماغ میں بول ہی رہی ہو۔ میں نے سانس نہیں روکی ہے۔"

"محترم ربی! میری دعا ہے کہ آپ کی سانس نہ رکے لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب آپ دوسروں کی زندگی کو بھی زندگی سمجھیں۔"

"تمھاری مراد لیلیٰ ثانی سے ہے۔"

"بیشک۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ ہم کبھی کے لیے آپ کے در پر حاضری دیں۔ لیلیٰ ہمارے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ میں نے آپ کے پاس آنے سے پہلے معلوم کرلیا ہے، اسے اسپتال پہنچایا گیا ہے اور باقاعدہ علاج ہو رہا ہے۔ اب آپ سے درخواست کرتی ہوں، اس کی رہائی کا حکم جاری کرا دیں۔"

"یہ ہمارے ملکی اور قانونی معاملات ہیں اور وہ قانون کی مجرمہ ہے۔ میں اس معاملے میں کلی اختیار نہیں رکھتا ہوں۔"

"سارے اختیارات آپ کے پاس ہیں۔ اس ملک کے ایک عام آدمی سے اعلیٰ حاکم تک آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ ہاں اگر آپ کہتے ہیں کہ کوئی اعلیٰ حاکم یا عدالت کا منصف لیلیٰ کی رہائی پر آمادہ نہیں ہوگا تو اسے مجھ پر چھوڑ دیجیے۔"

"تم کیا کرو گی؟"

"میں کیا کروں گی اور فرہاد نے اب تک کیا کیا ہے، یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہم ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں، ہماری بات جانے دیجیے۔ سونیا جو ہماری طرح یہ غیر معمولی علم نہیں رکھتی، اس نے آپ کے یہاں کیسی قیامت مچائی تھی، یہ آپ بھولے نہیں ہوں گے۔ بہرحال، میں کچھ اور بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں سن رہا ہوں۔"

"یہ احمد جوزف کون ہے؟"

"کون احمد جوزف؟"

"آپ ان جان بن رہے ہیں۔ وہی جوزف جو اسرائیل سے فلپائن پہنچا، فلپائن سے جزیرہ کادی کادی پہنچ کر خود کو عیسائی ظاہر کیا پھر بڑے ہی ڈرامائی انداز میں اسلام قبول کرلیا۔ کیا یہ کہنا ضروری ہے کہ میں نے احمد جوزف کے ذریعے معلوم کرلیا ہے کہ مادام کمپیوٹر سے اس کا گہرا رابطہ ہے۔ اور وہ اس کا خاص ماتحت ہے۔"

"اگر ایک نہیں دس جوزف ہمارے ملک سے کسی دوسرے ملک جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہاں سے تمام جانے والے یہودیوں کا تعلق ہماری منصوبہ بندی سے ہے۔ اگر جوزف کسی مادام کمپیوٹر سے رابطہ قائم رکھتا ہے تو ہم کیا جانیں کہ وہ مادام کمپیوٹر کون ہے۔"

"میں اندازے کی غلطی کرسکتی ہوں لیکن اعلیٰ بی بی کی ذہانت کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ سونیا کی مکاری کا ذکر آئے تو سب ہی کان پکڑتے ہیں۔ فرہاد نے بارہا ایسی پیشن گوئیاں کی ہیں کہ وہ بعد میں درست ثابت ہوئیں۔"

"ذرا میں بھی وہ پیشن گوئیاں سنوں۔"

"فرہاد کا، سونیا کا، اعلیٰ بی بی کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ مادام کمپیوٹر جو کہیں چھپی ہوئی ہے، اس کا تعلق آپ کے ملک سے ہے۔"

ربی اسفندیار نے انجان بن کر پوچھا "یہ مادام کمپیوٹر کیا بلا ہے؟ میں نے سنا ہے، دہشت پسند تنظیموں میں اس کا اکثر ذکر ہوتا ہے۔ اگر یہ ہمارے ملک میں ہے تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔ میں تم دونوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے دوستی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرچکا ہوں۔ چلو تم لوگوں سے نہ سہی، اگر مادام کمپیوٹر سے دوستی ہو جائے تو یہ بھی ہمارے مفاد میں ہوگا۔"

"آپ مادام کمپیوٹر سے دوستی کرکے کیا فائدہ اٹھائیں گے؟"

"وہی جو تم اور فرہاد علی ٹیلی پیتھی کے ذریعے اٹھا رہے ہو۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مادام کمپیوٹر کو ٹیلی پیتھی جاننے والی ہستی کے طور پر جانتے ہیں۔"

ربی اسفندیار ذرا گڑبڑا گئے۔ رسونتی نے کہا "ابھی آپ انجان بن کر پوچھ رہے تھے، یہ مادام کمپیوٹر کیا بلا ہے۔ پھر آپ نے کہا کہ اس کا ذکر دہشت گرد تنظیموں کے ذریعے سننے میں آیا ہے۔ اب آپ نے یہ بھی معلوم کرلیا کہ وہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے اور آپ اس سے فائدے اٹھا سکتے ہیں۔"

انھوں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا "تم کچھ زیادہ ہی ذہانت کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ تم نہیں ہو، فرہاد ہے اور رسونتی کے لہجے میں بول رہا ہے۔"

"فرہاد اس وقت آرام کر رہے ہیں۔ میں ان کی حفاظت کر رہی ہوں اور آپ سے گفتگو بھی جاری ہے۔ ہمیں گفتگو کے اصل موضوع سے ہٹنا نہیں چاہیے۔ میں کہہ رہی تھی کہ ہمیں اس مادام کمپیوٹر کی وہاں موجودگی کا شبہ ہے۔ ابھی آپ کے تغافلِ عارفانہ سے یہ شبہ یقین میں بدل گیا ہے۔"

"تم شبہ کرو یا یقین — ہماری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ ابھی ہم یہاں مادام کمپیوٹر کی موجودگی کو نہیں سمجھ پائے ہیں۔ تم کہہ رہی ہو تو اس کی جستجو ہوگی۔"

"ہم یہی چاہتے ہیں، آپ کی طرح دوسرے ممالک کے اہم افراد بھی مادام کمپیوٹر کو اپنے اپنے ملک میں تلاش کریں۔ اس سلسلے میں میں اور فرہاد آپ کا ساتھ دیں گے۔ ہماری پوری توجہ آپ کی طرف ہوگی۔"

"میری طرف کیوں؟"

"آپ اس حکومت کی سب سے اہم چابی ہیں۔ اس چابی سے پوری حکومت کی مشینری چلتی ہے۔ یقیناً مادام کمپیوٹر کا سراغ ملے گا تو آپ ہی سے ملے گا۔"

"آئندہ تمھیں میرے دماغ میں آنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ میں سانس روک رہا ہوں۔"

"ایک ربی اسفندیار کے سانس روک لینے سے کیا ہوگا، ایسے تمام افراد جو اب تک آپ سے ملتے رہے ہیں، آپ کی خاص توجہ کے مستحق رہے ہیں، میں اور فرہاد ان کے دماغوں تک پہنچنے کی کوششیں کرتے رہیں گے۔"

ربی اسفندیار نے فوراً سانس روک لی۔ رسونتی شیبا کے پاس پہنچ گئی۔ وہ اسے طلب کر رہے تھے۔ جب وہ حاضر ہوئی تو اس کے ذریعے رسونتی نے معلوم کیا۔ ربی اسفندیار بہت پریشان تھے۔ کہہ رہے تھے "رسونتی اور فرہاد وغیرہ کو شبہ ہے کہ تمھارا تعلق اسی ملک سے ہے۔ وہ ایسے تمام افراد کے دماغوں کو ٹٹولنا شروع کریں گے جو میری خاص توجہ کے مستحق رہے ہیں۔ یہ بات ان سے زیادہ عرصے تک نہیں چھپے گی کہ میں نے تمھیں بیٹی بنا رکھا ہے، اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ تمھیں تمھارے ماں باپ سے چھڑا لیا ہے۔"

شیبا پریشان ہوکر ان کی باتیں سن رہی تھی اور وہ کہہ رہے تھے "پھر وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی بلائیں تمھارے رشتہ داروں تک پہنچیں گی۔ ان کے دماغوں سے پتا چلے گا، تم میرے پاس رہتی ہو۔ وہ کسی نہ کسی طرح تمھارے پاس پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اب تک میں نے یہی دیکھا ہے، جب وہ کسی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تو پھر اس سے آگے نکل جاتے ہیں اور نکلنے کا راستہ نہ ملے تو اسے روندتے ہوئے، کچلتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔"

وہ پریشان ہوکر بولی "مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں، مجھے ایسا لگتا ہے جیسے فرہاد میرے

پاس موجود ہے اور وہ اچانک ہی مجھے دبوچ لے گا۔"

"میں جانتا ہوں، تنویمی نیند سونے کے دوران تم بے اختیار یہی باتیں کہہ رہی تھیں۔ تم خواہ مخواہ رسونتی اور فرہاد سے دہشت زدہ ہو رہی ہو۔ وہ کبھی تمہارے دماغ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"محترم ربی! میں التجا کرتی ہوں، مجھے کچھ دنوں کے لیے کسی ایسی جگہ بھیج دیں جہاں کھلی فضا ہو۔ میں اس چار دیواری میں رہتے رہتے گھبرا گئی ہوں۔"

ربی اسفندیار نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "ہوں۔ حالات کا تقاضا یہی ہے۔ تمھیں فی الحال اس ملک سے باہر ایسی جگہ رہنا چاہیے جہاں کبھی رسونتی اور فرہاد کا خیال تک نہ جاسکے۔ وہ میری طرف توجہ دے رہے ہیں۔ میرے آس پاس رہنے والوں کو ٹٹولتے رہیں گے۔ تم نہیں رہوگی تو مجھے اطمینان رہے گا۔ مجھے موجودہ حالات پر اچھی طرح غور کر لینے دو پھر میں جواب دوں گا۔"

وہ ربی اسفندیار کے سامنے دوزانو ہو گئی۔ اُن کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "محترم بزرگ! میں آپ کی احسان مند رہوں گی، مجھے اس چار دیواری سے نکلنے کا موقع دیجیے۔ شاید میرے دل اور دماغ سے ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی دہشت نکل جائے۔"

"میں نے مانا، موجودہ حالات پر غور کر رہا ہوں تمھیں ضرور کسی ایسی جگہ بھیجوں گا جہاں وہ نہ پہنچ سکیں۔ یہ سب کچھ رازداری سے ہوگا لیکن اس کے لیے تمھیں کچھ قربانیاں دینا ہوں گی۔"

"میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔"

"اسی دن کے لیے تمھیں سمجھاتا تھا، اپنے رشتے داروں سے حتیٰ کہ اپنی ماما سے بھی دُور رہو۔ تاکہ ٹیلی پیتھی جاننے والا ان کو ذریعہ بنا کر تمھارے پاس نہ آسکے۔ اب تمھیں کہیں بھی جانے کے لیے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمیشہ کے لیے اپنے خون کے رشتوں سے بچھڑ جاؤ گی۔ کبھی اُن سے کسی طرح کا رابطہ نہیں رکھو گی۔"

شیبا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "اور اپنی ماں سے؟"

"اپنی ماں سے بھی نہیں۔ اگر تم کسی وقت اپنی ماں کے دماغ میں پہنچو گی اور ایسے وقت وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی وہاں موجود ہوئے تو تم سمجھ لو کہ تمھارا انجام کیا ہوگا۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ ربی اسفندیار نے کہا۔ "تمھارے سامنے دو راستے ہیں۔ یا تو فرہاد اور رسونتی سے ڈرنا چھوڑ دو یا وہ جس طرح تمھیں ٹریپ کرنا چاہتے ہیں، کر لینے دو۔ ان کے ہاتھوں تباہ ہو جاؤ۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں نہیں۔ میں کبھی اُن کے قریب سے ہو کر نہیں گزروں گی۔ معلوم ہوتا ہے وہ جادوگر ہیں۔ اگر انھوں نے مجھے میرے ملک، میری قوم، میرے مذہب کے خلاف بھڑکایا اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے تسخیر کر لیا تو میں دین سے بھی جاؤں گی، دنیا سے بھی جاؤں گی۔ آپ کی نظروں سے بھی گر جاؤں گی۔"

انھوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "دوسرا راستہ یہی ہے، اپنی ماں کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ۔ اس سے خاموش رابطہ بھی نہ رکھو۔ جب جب ماما کے دماغ میں پہنچو گی، اس کے دُکھ درد کو سمجھو گی تو اس کی ممتا کی تڑپ تمھیں بے چین رکھے گی اور یہ تمھارے لیے بہت بُرا ہوگا۔ کبھی کبھی ماں کی ممتا بھی اولاد کے لیے مصیبت کا باعث بن جاتی ہے۔"

وہ دونوں ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ ربی اسفندیار نے صاف طور پر نہیں کہا تھا کہ شیبا کو اس ملک سے باہر بھیجا جاسکتا ہے اور شیبا بھی اپنی ماں کے سلسلے میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اس سے ہمیشہ کے لیے جیتے جی رخصت ہونا تھا اور جب تک ہماری ٹیلی پیتھی کا خوف اس کے حواس پر مسلط رہتا، اس وقت تک گویا ماں کیلیے بیٹی مرجاتی اور بیٹی کے لیے ماں مرجاتی۔ یہ شیبا کو بہت بڑی قربانی دینا تھی۔

میری نیند پوری کرنے کے دوران رسونتی نے یہ ساری معلومات حاصل کی تھیں۔ سونیا بیدار ہو گئی تھی۔ اعلیٰ بی بی کے ماتحت کے ذریعے اسے معلوم ہوا، ماسٹر کی نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ دشمن سے ملاقات کرنے کا مطلب صاف ظاہر ہے۔ ہم جب بھی ملتے، ہار یا جیت، زندگی یا موت کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔

میں نے ماسٹر کی کو شام تک کے لیے ٹال دیا تھا۔ شام کو پھر اُس نے فون کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ سونیا نے ریسیور اُٹھا کر کہا۔ "فرہاد ابھی آرام کر رہے ہیں، تم مجھ سے باتیں کرو ماسٹر کی!"

دوسری طرف سے ماسٹر کی نے کہا۔ "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، میں سونیا کی آواز سن رہا ہوں۔"

"موت بے آواز بھی ہوتی ہے اور آوازوں سے بھرپور بھی۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم موت کو اس کی آواز کے ساتھ یاد رکھتے ہو۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "عورتوں کی عادت ہوتی ہے،

وہ چیلنج کرتی ہیں اور چیلنج کرنے کے سوا کچھ نہیں کرتیں۔"

"ماسٹر کی! چیلنج کی ابتدا تم سے ہوئی۔ یاد کرو جب سپر ماسٹر، ماسک مین اور دوسری تمام خطرناک تنظیموں نے ہمارے راستے سے ہٹ جانے کا وعدہ کیا تو تم خدائی فوجدار بن کر یہ دعویٰ کرنے آگئے تھے کہ فرہاد کو بےموت مارو گے یا اسے پاہج بنا کر دوسروں کے لیے عبرت کا سامان کرو گے۔"

"یہ ہم سب کا فیصلہ ہے کہ تم دونوں کی موت قدرتی نہیں ہوگی۔ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کے ہاتھوں تمھیں مرنا ہے۔ خواہ ایک ساتھ مرو یا یکے بعد دیگرے۔ اور تم دونوں پر ایسا ہی وقت آن پڑا ہے۔ یہاں سے فرار کا راستہ ممکن نہیں ہے۔"

"جب تمھیں یقین ہے کہ ہم بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے تو پھر ملاقات کی دعوت کیوں دے رہے ہو؟"

"پہلے میں نرمی سے بُلا رہا ہوں۔ آجاؤ تو اچھی بات ہے۔"

"تم ہماری اچھائی نہ سوچو۔ اگر ہمارا راستہ روک سکتے ہو تو روکتے رہو۔ ہم سے ٹکرانا چاہتے ہو تو تمھیں خود چل کر آنا ہوگا۔"

"کیا تمھیں یقین ہے کہ تم دونوں یہاں سے کسی بھی طیارے میں پرواز کر سکو گے؟"

"نہیں، ہم فضائی راستے سے نہیں جائیں گے۔"

"بحری راستوں کی ناکہ بندی بھی کی جاچکی ہے۔"

"تم سب کچھ کر لو لیکن مادام کیپیوٹر سے صرف ایک سوال کا جواب پوچھ لو کہ ہم تہ خانے میں تھے، اس کے بس میں تھے۔ وہ ہمیں نابود کر سکتی تھی پھر کیوں نہ کرسکی۔ جب اس کا جواب مل جائے تو یہ سمجھنے کی کوشش کرنا کہ ہم صبا کے علاقے میں ہیں، کسی تہ خانے میں نہیں ہیں۔ اور جسے تم ملاقات کی دعوت دے رہے ہو، وہ سجاد ہے، فرہاد نہیں ہے۔ تم زیادہ سے زیادہ مجھے ٹریپ کرو گے۔ مجھے جانی نقصان پہنچاؤ گے لیکن فرہاد پھر بھی تمھارے حواس پر مسلط رہے گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ مجھے بیدار ہونے کے بعد یہ تمام باتیں معلوم ہوئیں۔ یہ بھی پتا چلا کہ سونیا، ماسٹر کی سے گفتگو کرنے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس ہوٹل سے چلی گئی تھی۔ کہاں گئی تھی، یہ کسی کو نہیں بتایا تھا۔ میں نے فوراً ہی رابطہ قائم کیا۔ اُس سے پوچھا۔ "یہ کیا حماقت ہے؟ ہمیں ماسٹر کی سے آخری فیصلہ کر لینا چاہیے تھا۔ تم نے اس کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ اسے یہ تاثر دیا کہ سجاد اس سے نہیں ملے گا اور تم یہاں سے چلی گئی ہو۔"

"تمھیں، اس طرح چلے آنے پر کیا اعتراض ہے۔ کیا تم سمجھ نہیں سکتے کہ میں ایسا کیوں کر رہی ہوں؟"

"شاید تم دور رہ کر میری نگرانی کرنا چاہتی ہو۔ جس طرح جزیرہ کاڈی کا ڈی میں مجھ سے اچانک دُور ہو کر ڈرامائی انداز میں گوری سجاتہ کی جگہ پہنچ گئی تھیں، اسی طرح ڈرامائی انداز میں ماسٹر کی کو چونکا دینا چاہتی ہو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم دشمنوں کو یہ سمجھاتے آرہے ہیں کہ تم فرہاد نہیں، سجاد ہو۔ اور یہی بات میں نے ماسٹر کی سے کہی تھی۔ وہ صبا کے علاقے میں زیادہ سے زیادہ مجھے ٹریپ کرسکتا ہے، مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ سجاد کو نقصان پہنچا کر اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم چاہتی ہو، وہ لوگ تمھیں تلاش کریں۔ میں سجاد ثابت ہو رہا ہوں لہٰذا اس علاقے میں تمھی ایک اہم مہرا ہو۔ تم ماسٹر کی کے ہاتھ آؤ گی تو وہ مجھے بھی اپنے پاس آنے پر مجبور کرے گا۔"

"بے شک، میں اسی لیے چلی آئی ہوں اور اب گم ہو چکی ہوں۔ تمھی خیال خوانی کے ذریعے میرا سراغ لگا سکتے ہو۔ ورنہ وہ تو قیامت تک ڈھونڈتے ہی رہ جائیں گے۔"

"مگر ایسا کب تک ہوگا۔ وہ ہماری ناکہ بندی کر چکے ہیں۔"

"تمھاری نہیں، صرف میری۔ تم سجاد کی حیثیت سے اتنے زیادہ اہم نہیں ہو۔ کوشش کرو، اعلیٰ بی بی وغیرہ کے ذریعے یہاں سے نکل سکو۔ تمھارے چلے جانے کے بعد......"

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ کیا میں تمھیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ یہ تم کیا سوچ کر کہہ رہی ہو؟"

"جب میں تمھارے ساتھ نہیں رہتی ہوں، اس وقت بھی خطرات میں گھری رہتی ہوں، کیا تم میری مدد کرنے کے لیے آتے ہو۔ زیادہ محبت جتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرو۔"

"تم نے اپنے طور پر ایک راستہ اختیار کر لیا۔ اب میں اپنے راستے پر چلوں گا۔ تم مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ میں ماسٹر کی سے ضرور ملاقات کروں گا۔"

وہ زیرِ لب مسکرانے لگی۔

میں نے کہا۔ "تم بلا کی مکار ہو۔ اب میں سجاد کی حیثیت سے اس کے پاس جاؤں گا تو میری اہمیت نہیں ہوگی۔"

وہ ہنسنے لگی۔ میں نے کہا۔ "اپنی چالاکیوں پر بڑی خوش ہوتی ہو۔ ٹھیک ہے، میں تمھیں بھی دیکھ لوں گا۔ پہلے ماسٹر کی سے نمٹ لوں۔"

اعلیٰ بی بی کے ماتحت نے اطلاع دی۔ "جناب! ماسٹر کی

پھر آپ سے مخاطب ہونا چاہتا ہے۔"
میں نے اپنے کمرے کا ریسیور اٹھا کر کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں۔"
دوسری طرف سے قہقہہ سنائی دیا "آخر اچانک ہی تمھاری زبان سے اصلیت ظاہر ہو گئی۔"
میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں، کیا کیا جائے — انسان خطا کا پتلا ہے، غلطی تو کرتا ہی ہے۔"
"تم نے کیا سوچ کر خود کو ظاہر کر دیا ہے؟"
"کچھ بھی نہیں سوچا، بس یہی غلطی ہو گئی۔ اچانک زبان سے اپنا ہی نام نکل آیا۔"
"سونیا کہاں ہے؟"
"وہ کہیں گم ہو گئی ہے۔ ہوٹل چھوڑ کر چلی گئی ہے۔"
چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا، پھر کہنے لگا "آئی سی — اب تم لوگوں کی چال میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ تم سجاد ہو، سجاد ہی رہو گے۔ زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ سونیا سے کہہ دو، اس کی چالاکی بھی کام نہیں آئے گی۔ اس نے خود کو ہماری نظروں سے گم کیا ہے کیونکہ وہی ایک مُہرہ ہے۔ ہم اسے ہاتھ سے نہیں جانے دے سکتے۔"
"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں فرہاد تم سے مخاطب ہوں اور تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"یو شٹ اپ۔"
ریسیور رکھ دیا گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ پھر باہر جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اب جو کھیل شروع ہو رہا تھا، وہ صرف دشمن سے نہیں تھا۔ دوست سے بھی تھا۔ ایک طرف ماسٹر کی سے فیصلہ کن انداز میں کہیں بھی ٹکرا جانا تھا، دوسری طرف سونیا کی حفاظت کرنا تھی۔ اس نے اپنے آپ کو بہت زیادہ اہم بنانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ماسٹر کی کی نظروں میں اپنے آپ کو اور زیادہ غیر اہم بنا دیا۔ اس طرح مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب ماسٹر کی کے آدمی میرے پیچھے نہیں پڑیں گے۔ ساری توجہ سونیا کی طرف ہو گی اور جس طرح سونیا مجھ سے دور رہ کر میری حفاظت کرنا چاہتی تھی، اب میں بھی اس کی حفاظت کر سکوں گا۔
رسونتی نے مخاطب کیا "فرہاد! لیلیٰ کے پاس پہنچو۔"
میں نے وہاں پہنچ کر دیکھا۔ میرا خیال تھا، وہ اسپتال میں ہو گی۔ رسونتی نے ربی اسفندیار سے کہہ دیا تھا بلکہ وارننگ دی تھی۔ اگر لیلیٰ ثانی کو رہا نہ کیا گیا تو وہاں کے یہودی اکابرین کی زندگیوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اس پر ربی نے کہا تھا۔ لیلیٰ ثانی ان کی نظروں میں بہت بڑی مجرمہ ہے۔ لہٰذا وہ تنہا اس کی رہائی کا حکم نہیں دے سکتے۔
اس پر رسونتی نے کہا تھا۔ رہائی کے سلسلے میں پھر بات ہو سکتی ہے۔ فی الحال لیلیٰ کو اسپتال پہنچایا جائے اور توجہ سے اس کا علاج کرایا جائے لیکن اب وہ اسپتال میں نہیں تھی، کسی طیارے میں سفر کر رہی تھی۔ چپ چاپ ایک بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا "لیلیٰ!"
وہ ذرا سی چونکی مگر پتھر کی طرح سخت ہو گئی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی، وہ مجھ سے نہیں بولے گی۔ اگر میں زبردستی اس کے دماغ میں آؤں گا تو مجھے اہمیت نہیں دے گی۔ میں نے پوچھا "کیا تم ناراض ہو؟"
وہ خاموش رہی، خلا میں تکتی رہی۔ میں نے پھر کہا "اچھی بات ہے۔ مجھ سے بات نہ کرو۔ اتنا ہی بتا دو، کہاں جا رہی ہو؟ کیا تمھیں علاج کے سلسلے میں دوسری جگہ بھیجا جا رہا ہے؟"
اس نے جواب نہیں دیا۔ رسونتی نے کہا "میں بھی کئی بار مخاطب کر چکی ہوں لیکن یہ چپ رہتی ہے۔ شاید کچھ بولنا نہیں چاہتی۔"
"تم ربی اسفندیار کے پاس جاؤ اور اس سے معلوم کرو۔"
"میں ان کے پاس گئی تھی۔ وہ لاعلمی ظاہر کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں، انھوں نے لیلیٰ کے باقاعدہ علاج کے لیے اسے اسپتال پہنچا دیا تھا۔ کچھ لوگوں نے اسے اغوا کیا ہے۔"
"کیا ربی اسفندیار ہمیں نادان سمجھتے ہیں؟"
"میں نے یہی بات ان سے پوچھی تھی۔ لیلیٰ کو سخت پہرے میں اسپتال پہنچایا گیا تھا، پھر اسے اغوا کیسے کیا جا سکتا ہے؟"
ربی نے جواب دیا "یہ مجاہدین کا کام ہے۔ جب انھیں اسرائیلی سرحد پار کرنے کے بعد پتا چلا کہ وہ کسی پاگل لڑکی کو لیلیٰ کے دھوکے میں لے آئے ہیں تو انھوں نے جوابی کارروائی کی۔ لیلیٰ کا سراغ لگایا۔ پھر اسپتال پہنچ کر اسے وہاں سے اٹھا لے گئے۔"
میں نے ربی سے کہا "مجاہدین کے ذرائع اتنے وسیع نہیں ہیں کہ وہ کوئی طیارہ چارٹرڈ کریں اور لیلیٰ کو اس میں دوسری جگہ لے جائیں۔"
ربی نے جواب دیا "اگر مجاہدین کا یہ کام نہیں ہے تو پھر کسی اور خطرناک تنظیم کا ہو سکتا ہے۔ لیلیٰ ان کے لیے بھی اتنی ہی اہم ہے۔ اب فرہاد کو سوچنا سمجھنا چاہیے کہ کون اسے یرغمال بنا کر اپنی کوئی بات منوا سکتا ہے۔"
یہ بات سنتے ہی میرا دھیان ماسٹر کی کی طرف گیا۔ یہاں صبا کے علاقے میں سونیا اس کیلیے بہت اہم تھی۔ وہ سونیا کو مجبور کر سکتا تھا۔ لیلیٰ کو چارہ بنا کر اسے کہیں بھی ملاقات کے لیے بلا سکتا تھا۔

میرے جی میں آیا، ابھی ماسٹر کی سے رابطہ قائم ہو جائے اور حقیقت معلوم ہو جائے لیکن میں نہ تو خیال خوانی کے ذریعے اس کے پاس پہنچ سکتا تھا اور نہ ہی اس نے رابطہ قائم کرنے کے لیے اپنا کوئی ٹیلیفون نمبر بتایا تھا۔
میں نے ربی اسفندیار کے دماغ میں دستک دی۔ اس نے کہا "ہاں کہو رسونتی، اب کیا ہے؟"
"میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں، ماسٹر کی سے کس طرح رابطہ قائم ہو سکتا ہے؟" میں نے رسونتی کے لہجے میں سوال کیا۔
"یہ سوال تم مجھ سے کیوں کر رہی ہو۔ میرا ماسٹر کی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔"
"آپ محترم سمجھے جاتے ہیں۔ جھوٹ آپ کی زبان پر نہیں سجتا۔ جب میں نے چیلنج کیا تو آپ سمجھ گئے کہ یہودی بڑوں کو جانی نقصان پہنچے گا لہٰذا اس بلا کو اسرائیل سے دور ایسی جگہ پہنچا دیا جائے — جہاں خیال خوانی کا پرندہ پَر نہ مار سکے۔ آپ نے اسے ماسٹر کی کے حوالے کر دیا ہے۔"
"یہ مجھ پر الزام ہے۔ میں نے تمھارے کہنے کے مطابق اسے اسپتال پہنچا دیا تھا۔ اس کا باقاعدہ علاج ہو رہا تھا۔ اب کس نے اسے اغوا کیا ہے، یہ میں نہیں جانتا۔ اگرچہ وہ ہمارے ملک سے کہیں لے جائی گئی ہے۔ ہم پر کچھ ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں لیکن ذمے دار ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم مجرم ہیں یا ہمارے ایما پر یہ سب کچھ ہوا ہے۔ تم یقین کرو یا نہ کرو، لیلیٰ ہمارے لیے بھی اہم تھی۔ ہم اسے سزا دینا چاہتے تھے یا پھر اسے تمھارے پاس پہنچانے کی بہت بڑی قیمت وصول کرنا چاہتے تھے — بھلا ماسٹر کی کے حوالے کر کے ہمیں کیا ملے گا؟"
"ہم بچے نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ لیلیٰ آپ لوگوں کے گلے میں ہڈی کی طرح اٹک گئی تھی۔ آپ نہ اسے نگل سکتے تھے نہ اگل سکتے تھے۔ نہ اسے موت کی سزا دے سکتے تھے۔ نہ ہی زندہ چھوڑ سکتے تھے۔ لہٰذا آپ نے یہی تیسرا راستہ اختیار کیا۔"
"میں کس طرح یقین دلا سکتا ہوں کہ لیلیٰ ثانی کے اغوا میں ہمارا ہاتھ نہیں ہے۔"
"مجھے اس وقت یقین ہو گا جب وہ ماسٹر کی کے پاس نہیں پہنچے گی اور ماسٹر کی ہمیں اس کے ذریعے کسی طرح بلیک میل نہیں کر سکے گا۔"
میرا یہ جواب سن کر ربی ایک ذرا پریشان ہوا، پھر فوراً ہی خیال آیا کہ میں دماغ میں ہوں۔ اپنی پریشانی چھپانے کے لیے اس نے فوراً سانس روک لی۔ میں نے اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے دوسری بار سانس لیتے ہوئے کہا "تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ اگر ماسٹر کی نے ہی اسے اغوا کیا ہو تو وہ شبہ جو تم نے مجھ پر کیا ہے، خواہ مخواہ ہی یقین میں بدل جائے گا۔"
خیال خوانی کے دوران اعلیٰ بی بی کے خاص ماتحت نے آ کر کہا "جناب! ماسٹر کی نے فون پر مخاطب کیا ہے۔"
میں نے ربی سے کہا "میں کچھ دیر بعد آؤں گی کیونکہ مجھے سجاد کے پاس پہنچنا ہے۔ کوئی اہم اطلاع ملنے والی ہے۔"
میں ربی کے دماغ سے چلا آیا۔ ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو، میں فرہاد بول رہا ہوں۔"
دوسری طرف سے ماسٹر کی نے ہنستے ہوئے کہا "تم خواہ مجھے کتنا ہی فریب دو، میں شطرنج کی بساط پر اپنے دماغ سے مہروں کو آگے بڑھاتا اور پیچھے ہٹاتا ہوں۔ مسٹر سجاد! مجھے ہر حال میں سونیا چاہیے۔ دو باتیں یاد رکھو، مجھے وہ نہ ملی اور براہِ راست فرہاد سے رابطہ قائم نہ ہوا تو لیلیٰ کو کس صحرا میں پہنچایا جائے گا، یہ اس کے مجنوں کو معلوم نہ ہو سکے گا۔ وہ بے چاری موت کے صحرا میں بھوکی پیاسی سسک سسک کر آخری سانسیں لیتی رہے گی۔"
میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا "مجھے تھوڑا وقت دو۔ میں ابھی جواب دیتا ہوں۔"
"نہیں، تم ریسیور نہیں رکھو گے۔ اگر تم فرہاد ہو تو مجھے فوراً بتاؤ، لیلیٰ اس وقت کہاں ہے؟"
میں جان بوجھ کر ذرا گڑبڑایا، پھر ہکلاتے ہوئے بولا "میں تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔ ابھی خیال خوانی کرنے والا ہوں۔"
"نہیں مسٹر سجاد! تم خیال خوانی نہیں کر سکو گے۔ تم کسی طرح فرہاد سے رابطہ قائم کرو گے۔ وہ تمھیں بتائے گا، اس وقت لیلیٰ کہاں ہے۔ اس سے کچھ پوچھنے سے پہلے فوراً جواب دو، تم لیلیٰ کے متعلق کیا جانتے ہو؟"
میں چپ رہا۔ اس نے کہا "آخر چوری پکڑی گئی نا۔ تم فرہاد ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ کسی بل میں چھپا ہوا ہے اور تمھیں چارہ بنا کر پیش کرتا رہتا ہے۔ اس سے پہلے بھی اس نے یہی کیا۔ اب بھی یہی کر رہا ہے۔ وہ خود غرض اور مکار ہے، تمھیں احمق بنا رہا ہے۔"
میں نے اچانک ہی جذباتی انداز میں کہا "خبردار! میں اپنے بھائی کے خلاف ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتا۔"
دوسری طرف سے اس نے قہقہہ لگایا "ابھی بچے ہو۔ میری ذہانت سے خواہ مخواہ ٹکرانے کی کوشش نہ کرو۔ فرہاد سے رابطہ قائم کرو۔ اسے بتا دو کہ لیلیٰ میرے شکنجے میں ہے۔ میری دونوں شرائط پوری کی جائیں۔ یعنی سونیا کو میرے پاس پہنچنا چاہیے اور فرہاد براہِ راست مجھ سے رابطہ قائم کرے۔"
"میں ابھی سونیا کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بھائی جان سے

پوچھ کر بتاؤں گا۔ رہ گئی ان کی بات تو یہ سب جانتے ہیں، پاکستان میں وہ بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ وہ ایک ماہ سے پہلے چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہو سکیں گے۔ لہٰذا انھیں بڑے ہی راز دارانہ طور پر ایسی جگہ پہنچایا گیا ہے..... جہاں وہ مکمل آرام کر سکیں اور باقاعدہ علاج ہوتا رہے۔ تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ سخت چوٹیں آنے کے باعث وہ دماغی توانائی نہیں رہی جس سے خیال خوانی کی پرواز کی جائے۔ ابھی صرف رسونتی بھابی خیال خوانی کے ذریعے ہم سب کی مدد کرتی رہتی ہیں۔"

"پھر اپنی بھابی سے کہو، لیلیٰ کی خبر لے۔ سونیا سے دماغی رابطہ قائم کرے اور اس سے کہہ دے کہ وہ صبا سے برونٹی کی طرف آئے۔ پھر بندر سری بیگوان پہنچ جائے اس کے بعد ہم اسے خود ہی اپنے پاس آنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"تھوڑی دیر بعد رسونتی بھابی تمھارا پیغام سونیا تک پہنچا دیں گی۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ فوراً ہی سونیا سے رابطہ قائم کیا اور اسے موجودہ حالات بتلائے۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا "آخر ماسٹر کی نے ہمیں مجبور کر ہی دیا کہ اس سے ملاقات کی جائے۔"

"ہمیں نہیں، صرف تمھیں مجبور کیا ہے۔ اسے تمھاری ضرورت ہے۔ تمھی اس کے لیے اہمیت رکھتی ہو۔"

"میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا، کسی طرح یہاں سے نکل جاؤ۔ میں اس کی نظروں میں اہم بن کر اسے چکر دیتی رہوں گی۔"

"تم اس کے چکر میں آگئی ہو۔ کیا خیال ہے، لیلیٰ ثانی کی خاطر وہاں جاؤ گی؟"

"جا رہی ہوں۔ اگر اس کا فون آئے تو کہہ دینا، آج آدھی رات تک بندر سری بیگوان پہنچ جاؤں گی۔"

ذرا سی دیر میں یہ خبر ہمارے تمام دوستوں اور دشمنوں تک پہنچ گئی کہ سونیا ماسٹر کی سے ملاقات کرنے جا رہی ہے۔ کہاں جا رہی ہے، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ ابھی اس کی منزل صرف برونٹی کے شہر بندر سری بیگوان تک تھی۔ اس کے بعد کیا ہونے والا تھا، کوئی نہیں جانتا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے اپنے تمام ماتحتوں کو حکم دے دیا کہ وہ صبا کا علاقہ چھوڑ دیں اور سونیا سے پہلے بندر سری بیگوان پہنچ جائیں۔

ہم جس ہوٹل میں تھے وہاں اعلیٰ بی بی کے صرف دو ماتحت رہ گئے۔ ان میں سے ایک کا لباس میں نے پہنا۔ عارضی سا میک اپ کیا پھر ہوٹل سے نکل گیا۔ میری جگہ یعنی میرے کمرے میں اعلیٰ بی بی کا ایک ماتحت چلا آیا۔ وہ اچھا خاصا ایکٹر تھا۔ میری آواز اور لب و لہجے کی نقل کر سکتا تھا۔ ماسٹر کی فون کے ذریعے تبجاد سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تو وہ ماتحت میرا رول ادا کر سکتا تھا۔

ہم سب اپنے اپنے طور پر سونیا کی حفاظت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ ماسٹر کی نادان نہیں ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اعلیٰ بی بی کی ٹیم کے منتخب افراد وہاں موجود ہیں۔ پھر ہمارے ذرائع محدود نہیں ہیں۔ وہ جہاں بھی سونیا سے ملاقات کرے گا، وہاں ہم اس کے چاروں طرف ہوں گے۔ اب دیکھنا یہی تھا کہ وہ ملاقات کہاں کرتا ہے اور کس طرح سونیا کو بے بس کر سکتا ہے جبکہ وہ کسی کے بس کی نہیں تھی۔

میں رات کے دس بجے بندر سری بیگوان پہنچ گیا۔ اس دوران اپنے تمام ساتھیوں سے دماغی رابطہ قائم کرتا رہا۔ سونیا کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ کچھ تو پتا چلتا کہ اسے کہاں بلایا گیا ہے اور ملاقات کے لیے کون سی جگہ مقرر کی گئی ہے۔

رات کے گیارہ بجے میں نے خیال خوانی کے ذریعے پوچھا "سونیا! کیا ماسٹر کی سے رابطہ قائم ہوا؟"

اس نے جواب دیا "ابھی تک ایسا کوئی شخص نظر نہیں آ رہا ہے جو میرا تعاقب کر رہا ہو یا میک اپ کے باوجود مجھ پر شبہ کر رہا ہو۔"

"جب تمھیں ماسٹر کی سے ملنا ہی ٹھہرا تو میک اپ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ تمھیں پہچان نہیں رہا ہے۔ اس لیے تم سے رابطہ قائم نہیں کر رہا ہے۔"

"وہ ہمیں الجھا رہا ہے، میں اسے الجھا رہی ہوں۔ کیا تم نے لیلیٰ کی خبر لی؟"

"اس کے پاس جا کر کیا کروں گا۔ وہ بات کرنا گوارا نہیں کرتی۔ میں خواہ کتنا ہی مخاطب کروں، وہ خاموش رہتی ہے۔"

"یہ تو معلوم کرو، وہ کہاں ہے۔ شاید ماسٹر کی اس کے ذریعے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہو۔"

یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ لیلیٰ کے ذریعے ماسٹر کی تک پہنچا جا سکتا ہے۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، وہ ایک بنگلے فرش پر پڑی ہوئی کراہ رہی تھی۔ اس کے ذریعے پتا چلا، ایک شخص قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اسے مخاطب نہیں کیا۔ چپ چاپ اس کی سوچ کو پڑھنے لگا۔ پتا چلا، اسے طیارے کے ذریعے کسی جگہ پہنچایا گیا تھا۔ ایک شخص نے اسے سہارا دے کر طیارے سے اتارا۔ ایک گاڑی میں پہنچایا۔ اس گاڑی کے ذریعے اسے ایک بہت بڑے محل میں پہنچایا گیا۔ وہ اسی محل کے ایک فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

میں نے لیلیٰ کے ذریعے اس شخص سے پوچھا "تم کون ہو؟ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

اس نے ہنستے ہوئے کہا "اچھا! اتنی دیر بعد تمھارے دماغ میں یہ سوال پیدا ہوا۔ حالانکہ تم اب تک خاموش تھیں۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ تمھارے ذریعے رسونتی یا فرہاد یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

میں نے لیلیٰ کی زبان سے کہا "ہاں، یہی بات ہے۔ میں رسونتی بول رہی ہوں۔ معلوم کرنا چاہتی ہوں، سونیا کو کہاں بلایا گیا ہے۔ ماسٹر کی سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

اس نے کہا "کہاں تو ماسٹر سے ملنے سے انکار کیا جا رہا تھا اور اب ملنے کی اتنی بے چینی ہے۔ دیکھو لیلیٰ کتنی بیمار ہے۔ بے چاری کو ایک آرام دہ بستر کی ضرورت ہے مگر یہاں نہ کوئی دوا ہے نہ آرام دہ بستر۔ ہاں اگر اسے آرام پہنچانا چاہتے ہو تو سونیا کو اس محل میں پہنچا دو۔"

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"یہ ایک قدیم تاریخی محل ہے۔ دنیا میں اتنے بڑے محل کی مثال نہیں مل سکتی۔ اس میں ایک ہزار سات سو اٹھاسی کمرے ہیں۔ یہاں عام آدمی کا داخلہ ممنوع ہے لیکن ہمارا ماسٹر کی دنیا کا اہم ترین آدمی ہے۔ بھلا اسے کہیں جانے سے کون روک سکتا ہے؟ وہ یہاں موجود ہے۔ سونیا کے لیے بھی راستہ کھلا ہوا ہے مگر یہ چور راستہ ہے۔ سیدھے محل میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے۔ باہر سخت پہرا رہتا ہے۔ محل سے ذرا دور صرف دو سو گز کے فاصلے پر ایک پولیس چوکی ہے۔ اس پولیس چوکی پر ہمارا قبضہ ہے۔ وہاں ہمارے آدمی پولیس والوں کے بھیس میں ہیں۔ اس پولیس چوکی کے ایک کمرے میں تہ خانہ ہے۔ اس تہ خانے میں اترنے کے بعد ایک تنگ راہداری سے گزرتے ہوئے اس محل میں پہنچا جا سکتا ہے۔"

میں نے کہا "اچھا۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی ہے کہ صرف سونیا اس راہداری سے گزر کر یہاں تک آ سکے اور اس کی مدد کو آنے والے محل کے باہر ہی بھٹکتے رہیں۔"

"ہاں، پولیس چوکی میں ہمارے جو آدمی ہیں، ان کی جگہ کسی طرح بھی تمھارے آدمی نہیں لے سکیں گے کیونکہ ہم نے انھیں کچھ کوڈ ورڈز اور کچھ مخصوص اشارے سکھا دیے ہیں۔ اگر تمھارے آدمی ان کی جگہ لینا چاہیں گے تو ہم انھیں بہ آسانی پہچان لیں گے۔"

اتنی معلومات حاصل کرنے کے بعد رسونتی، اعلیٰ بی بی کے پاس گئی۔ میں سونیا کے پاس آ کر اسے وہاں کے حالات بتانے لگا۔ رسونتی نے کہا "اعلیٰ بی بی کہہ رہی ہے، سونیا بارہ بجے سے پہلے اس محل میں نہ جائے۔ ہم وہاں تک پہنچنے کے لیے سرکاری ذرائع اختیار کرنے والے ہیں۔"

اس محل کا دروازہ دن کے وقت صرف سیاحوں کے لیے کھولا جاتا تھا۔ وہ بھی ایسے سیاحوں کے لیے جو ٹورسٹ منسٹری سے

اجازت حاصل کر لیتے تھے۔ اعلیٰ بی بی کے لیے ایسے ذرائع استعمال کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ایک گھنٹے کے اندر ہی مجھے ایک ماتحت کے ساتھ اس محل میں جانے کی اجازت مل گئی۔ ہم سیدھے راستے سے محل کے دروازے میں داخل ہوئے' اس کے احاطے سے گزرتے ہوئے دوسرے بڑے دروازے تک پہنچے۔ ایک پولیس افسر نے ہمارا استقبال کیا۔ ہم سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے دروازے کو کھولا۔ پھر ہمیں اندر لے گیا۔ ہم بہت بڑے ہال میں پہنچے۔ اس ہال سے کئی دروازے دوسری راہداریوں میں کھلتے تھے اور وہ راہداریاں اس محل میں آنے والوں کو ایک ہزار سات سو اٹھاسی کمروں تک لے جاتی تھیں۔ وہ کمرے کیا تھے' بھول بھلیاں تھے۔ کسی گائیڈ کے بغیر ان کمروں سے گزرنے والے واپسی کا راستہ بھول جاتے تھے۔ انھیں کوئی گائیڈ ہی محل سے باہر لاتا تھا۔ یہ بات ہمیں معلوم نہیں تھی اور نہ ہی ہم نے اس پولیس افسر سے پوچھا کیونکہ وہ خود گائیڈ بنا ہوا تھا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر اس نے کہا "آپ ذرا انتظار کریں۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ چلا گیا مگر واپس نہیں آیا۔ میں لیلیٰ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کے قریب وہی شخص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے رسونتی بن کر پوچھا "جب تم لوگ غیر قانونی طریقے سے اس محل کے اندر آئے ہو تو یہاں رات کے وقت کوئی آفیسر آسکتا ہے۔ کیا تم لوگوں کو پکڑے جانے کا اندیشہ نہیں ہے؟"

اس نے مسکرا کر کہا "جو آفیسر رات کو ڈیوٹی دیتا ہے' اسے ہم نے خرید لیا ہے۔ وہ نہ تو۔۔۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کے قریب ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو آفیسر' کیا بات ہے؟"

یہ کہہ کر وہ سننے لگا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ یوگا کا ماہر تھا۔ تھوڑی دیر دوسری طرف کی آواز سننے کے بعد اس نے جواباً کچھ کہا' پھر ریسیور رکھنے کے بعد لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے بولا "رسونتی! تمھارے دو آدمی سرکاری اجازت نامے کے مطابق اس محل میں پہنچ گئے ہیں۔ میں جس آفیسر سے بات کر رہا تھا' وہ انھیں محل میں لے آیا تھا لیکن ایک کمرے میں چھوڑ کر گویا بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ آفیسر تمھارے ان دو آدمیوں کے پاس نہیں آئے گا۔ ان سے خیال خوانی کے ذریعے کہہ دو' وہ یہاں تک پہنچ سکتے ہیں تو پہنچ جائیں۔ ویسے کسی نہ کسی کمرے میں ماسٹر کی سے سامنا ہوا تو اس محل سے ان کی لاشیں ہی نکلیں گی۔"

میں نے رسونتی کو بتا دیا کہ لیلیٰ کے ذریعے میں اس شخص سے کیا باتیں کر چکا ہوں اور کیا معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ وہ یہ بات سونیا کو بتانے لگی۔ اس وقت سونیا اس پولیس چوکی تک پہنچ گئی تھی۔

اس نے اپنا میک اپ اتار دیا تھا۔ اپنے اصل روپ میں تھی۔ لہٰذا پولیس چوکی کے اس کمرے میں جانے کی اجازت مل گئی تھی جہاں تہ خانہ تھا۔ اب وہ تہ خانے میں اتر کر اس محل میں آنے ہی والی تھی۔ میں نے اپنے ساتھ آنے والے اعلیٰ بی بی کے ماتحت سے کہا "وہ گائیڈ آفیسر نہیں آئے گا۔ لہٰذا ہم یہاں سے الگ ہوتے ہیں۔ ہمیں مختلف کمروں سے گزرتے ہوئے لیلیٰ ثانی اور ماسٹر کی تک پہنچنا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کمروں میں بھٹکنے کے دوران سونیا سے بھی ملاقات ہو جائے۔"

ہم کمرے کے دو مختلف دروازوں سے نکل گئے۔ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ تمام کمرے ایک جیسے تھے۔ ان کی دیواروں پر جو نقش و نگار بنے ہوئے تھے' وہ بھی تقریباً یکساں تھے۔ کہیں کہیں مختلف نقش و نگار دکھائی دیتے تھے۔ ان سے پتا چلتا تھا' میں کسی دوسرے کمرے میں آگیا ہوں۔ کبھی کسی کمرے کا دروازہ مجھے کسی راہداری میں پہنچا دیتا تھا۔ وہاں سے گزرتے ہوئے کسی نہ کسی کمرے میں داخل ہونا ضروری ہو جاتا تھا کیونکہ آگے راہداری بند ہو جاتی تھی۔

سونیا تہ خانے کی تنگ راہداری سے گزرتے ہوئے ایک زینے پر چڑھتے ہوئے محل میں پہنچ گئی تھی۔ میرا خیال تھا' وہ مجھ سے کہیں نہ کہیں ضرور ملے گی لیکن جہاں وہ پہنچی تھی' وہیں قریب ہی ایک کمرے میں ماسٹر کی سامنا کرنے کے لیے موجود تھا۔

سونیا کو اپنے سامنے جو کمرہ نظر آیا' وہ اس کے دروازے پر پہنچی۔ اندر ایک قد آور صحت مند شخص ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کرسی دروازے کی طرف گھوم گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا "ویلکم سونیا! دنیا کی خطرناک تنظیموں کے سربراہ اور خطرناک مجرم یہ جانتے ہیں کہ ماسٹر کی صرف ریوالونگ چیئر کے ذریعے گفتگو کرتا ہے۔ آج اس چیئر پر ماسٹر کی تمھارے سامنے بیٹھا ہے۔ تم پہلی خوش نصیب ہو جو مجھے پہلی اور آخری بار دیکھ رہی ہو۔"

پھر اس نے ہنستے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا "آخری بار کا مطلب سمجھ گئی ہو گی؟"

"ہاں! تمھارے خیال کے مطابق میں اپنی زندگی میں آخری بار اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ پھر یہ آنکھیں دیکھنے کے قابل نہیں رہیں گی۔"

"بہت خوب سمجھ رہی ہو۔"

"میرے خیال کے مطابق آخری بار اس لیے دیکھ رہی ہوں کہ آج کے بعد تمھیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

"اتنا ہی تمھیں اپنی صلاحیتوں پر ناز ہے تو اندر آجاؤ۔"

وہ پیچھے ہٹ کر بولی "کوریڈور میں دروازے نہیں ہوتے

اور کسی بھی کمرے کا دروازہ بند ہو سکتا ہے۔ میں سمندر رہوں۔ کنوئیں میں لڑنے کی عادی نہیں ہوں۔ باہر آجاؤ۔"

وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے باہر آیا۔ اب وہ سنجیدہ تھا۔ گہری نظروں سے سونیا کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "ابھی میرے آدمیوں نے اطلاع دی تھی' تمھاری اچھی طرح تلاشی لی گئی ہے۔ تمھارے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔"

"یہ کون سی نئی بات کہہ رہے ہو۔ فرہاد کے کسی ساتھی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہوتا۔ ہاں' دشمن اوچھے ہتھکنڈے پر اتر آئے اور ہمیں مجبور کر دے تو ہم ہتھیار ضرور استعمال کرتے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "کیا صرف ایک بلیڈ کے ذریعے تم مجھے زیر کرو گی۔ مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ تلاشی کے دوران ایک جیب سے بلیڈ برآمد ہوا تھا۔"

سونیا نے اپنی جیب کو تھپکتے ہوئے کہا "وہ بلیڈ میری جیب میں ہے۔"

"میرا احسان مانو۔ میں نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ تمھیں بلیڈ لانے سے نہ روکیں مگر تم کرنا کیا چاہتی ہو؟"

سونیا نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے نکالا پھر پوچھا "یہ بتاؤ' تم میرے پیچھے بھاگنا چاہتے ہو یا میں تمھارے پیچھے بھاگوں؟"

"میں تمھاری ایسی پٹائی کروں گا کہ تم اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتی ہوئی نظر آؤ گی۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے چہرے کا میک اپ اتار دیا تھا لیکن ہاتھوں کا نہیں اتارا تھا۔ تمھارے آدمی دھوکا کھا گئے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "کیا مطلب؟"

سونیا جس زینے پر چڑھتے ہوئے محل میں پہنچی تھی' اس زینے کے دروازے کو بند کر دیا' پھر کہا "یہ دروازہ تمھیں فرار ہونے کے لیے پولیس چوکی تک پہنچا سکتا تھا۔ اب یہ بند ہو چکا ہے۔"

اس نے اپنے بائیں ہاتھ میں بلیڈ کو تھام کر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھا پھر وہاں بلیڈ سے ایک لکیر کھینچ دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خون کی لکیر بن گئی۔ پھر اس نے کہا "ماسٹر کی! میں کتنی نادان ہوں۔ اپنے ہی ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو زخمی کر لیا مگر ذرا دیکھو تو۔۔۔"

اس نے جہاں خون کی لکیر کھینچی تھی وہاں ایک جھلی سے کوئی چیز نکالی۔ پھر اسے ماسٹر کی کے سامنے کرتے ہوئے کہا "یہ زہریلی سوئی ہے۔ اب تک خول میں تھی۔ میں اس خول کو الگ کر رہی ہوں۔"

اس نے سوئی کے خول کو الگ کر دیا۔ پھر پوچھا "اب بتاؤ۔ تم بھاگو گے یا میں؟"

ماسٹر کی پیچھے ہٹنے لگا۔ سونیا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا

"گھبراؤ نہیں! یہ زہریلی سوئی ضرور ہے مگر تم نہیں مرو گے۔ صرف تمھارا دماغ اس حد تک کمزور ہو گا کہ یوگا کا مظاہرہ نہیں کر سکو گے۔ رسونتی تمھیں شکار کرے گی۔ میں چپ چاپ تماشا دیکھوں گی۔"

اس نے ایک طرف بھاگتے ہوئے کہا "آج تم اپنے اصول کے خلاف لڑنے آئی ہو۔ پہلے دعویٰ کر چکی ہو کہ فرہاد کے کسی ساتھی کے پاس ہتھیار نہیں ہوتا۔"

"اور تم سونیا کے ریکارڈ کو بھول گئے ہو۔ میں کبھی ہاتھا پائی کرنے میں اپنا وقت برباد کرتی ہوں اور نہ ہی جسمانی تکلیف اٹھاتی ہوں۔ جب تم جیسے خطرناک دشمنوں کا فیصلہ آسانی سے کر سکتی ہوں تو دشواریوں سے گزرنا سراسر نادانی ہے۔ چلو' آجاؤ۔ اپنا دماغ رسونتی کے حوالے کر دو۔"

وہ بھاگتے ہوئے ایک کمرے میں گیا۔ سونیا اس کے تعاقب میں دوڑتی ہوئی جانے لگی۔ ادھر میں نے دوڑ لگائی۔ اگرچہ ان دونوں تک پہنچنے کا صحیح راستہ نہیں جانتا تھا۔ محل کے اندر اچھی خاصی روشنی تھی۔ ہر کمرے اور کوریڈور سے گزرا جا سکتا تھا لیکن وہ دونوں کہاں تھے' یہ میں نہیں جانتا تھا۔

محل کے اندر ہم تینوں دوڑ لگا رہے تھے۔ اِدھر میں اور اُدھر سونیا ماسٹر کی کے پیچھے دوڑی تھی۔ وہ بے چارا اپنی سلامتی کے لیے بھاگ رہا تھا۔ کیا یہ سوچا جا سکتا تھا کہ جو ماسٹر کی ہوا بنا ہوا ہے۔ تمام دہشت گرد تنظیموں پر چھایا رہتا ہے' وہ اس طرح بزدل بن کر اپنی سلامتی کے لیے بھاگتا رہے گا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا لیکن میں دوڑ رہا تھا۔

پتا نہیں' ہم تینوں کتنے کمروں سے گزرتے جا رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر میں رک گیا۔ کان لگا کر سننے لگا۔ مجھے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ ایک راہداری میں ماسٹر کی کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ پہلے ماسٹر کی نے اس سے کمرے کے اندر آنے کے لیے کہا تھا تاکہ

دروازہ بند ہو جائے تو وہ ایک کمرے کی چار دیواری میں آسانی سے اسے زیر کر سکے۔ اب وہ خود کمروں میں جانے سے کترا رہا تھا کہیں سونیا دروازہ نہ بند کر دے۔ وہ راہداریوں سے گزر رہا تھا۔ کبھی کسی کمرے سے گزرتا ہوتا تو پہلے محتاط نظروں سے دوسرے دروازے کو دیکھ لیتا پھر وہاں سے گزر کر دوسری راہداری میں پہنچ جاتا۔ اس طرح وہ اچانک ہی میرے سامنے پہنچ گیا۔

وہ بہت ہی پھرتیلا تھا۔ سمجھتا تھا کہ پیچھے سونیا آ رہی ہے۔ واپس نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے یکبارگی مجھ پر چھلانگ لگائی۔ میں بیٹھ گیا۔ وہ مجھ پر سے گزرتا ہوا دوسری طرف فرش پر پہنچ کر قلابازی کھاتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر وہاں سے بھاگنے لگا۔ میں نے بھی۔۔ دوڑتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی۔ وہ آگے جا رہا تھا۔ میری لاتیں اس کی کمر پر پڑیں۔ وہ بھاگتے بھاگتے اوندھے منہ گر پڑا۔

میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اٹھنے سے پہلے ہی ایک ٹھوکر ماری۔ وہ دوسری طرف الٹ کر گر گیا لیکن بڑی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ہم دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی۔ وہ اپنے داؤ آزما رہا تھا اور میں اپنے۔ سونیا ایک دیوار سے ٹیک لگائے بڑے اطمینان سے ہمیں لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ یوگا کا ماہر تھا۔ میری لاتوں اور گھونسوں کو بڑے آرام سے سہہ جاتا تھا لیکن وہ پلٹ کر حملہ کرتا تھا تو مجھے تارے نظر آنے لگتے تھے مگر ایسا کم ہوتا تھا۔ ہم لڑتے لڑتے اس کمرے کے سامنے پہنچ گئے جہاں لیلیٰ ننگے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کی نگرانی کے لیے جو شخص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ کمرے کے باہر آ کر ہمیں دیکھنے لگا۔ ماسٹر کی کو مجھ سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھ کر وہ میری طرف جھپٹنا چاہتا تھا مگر اچانک ہی لڑکھڑا کر گر پڑا۔ سونیا نے اپنی ٹانگ اڑا دی تھی۔ جیسے ہی وہ گرا پھر اٹھنے کے قابل نہ رہا۔ اس نے گرنے والے کے جسم میں سوئی چبھو دی تھی۔ اب وہ وہیں پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ یہ سب کچھ ذرا سی دیر میں ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر اس نے پیچھے سے ماسٹر کی کو ایک ٹھوکر ماری۔ ماسٹر جھنجھلا کر پلٹ گیا۔ غصے سے دہاڑتے ہوئے بولا "کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے"

ٹھوکر مارنے والے نے کہا "میں مجبور ہوں۔ اس وقت میرے حواس پر رسونتی چھائی ہوئی ہے"

یہ کہتے ہی وہ ماسٹر کی سے لپٹ گیا۔ اب مجھے لڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔ دو یوگا کے ماہر آپس میں زور آزمائی کر رہے تھے کبھی یہ اسے زیر کرتا تھا کبھی وہ اس پر زبر ہوتا تھا۔ دونوں ہی اپنے داؤ پیچ استعمال کر رہے تھے۔ ماسٹر کی لڑنے کے دوران سمجھاتا بھی جاتا تھا "رسونتی! اس کے دماغ سے نکل جاؤ یہ بیچارا ایک معمولی مہرہ ہے"

رسونتی نے جواب دیا "ماسٹر کی کتنی توہین کی بات ہے، تم اتنے خطرناک مجرم کہلاتے ہو اور اپنے ہی ایک معمولی مہرے کے ہاتھوں پٹ رہے ہو"

لڑنے کے دوران ماسٹر کی سونیا کے پاس آ کر گرا۔ سونیا نے اس کے منہ پر ایک ٹھوکر ماری۔ دوسری طرف سے میں نے اس کی پٹائی کی۔ اب تو وہ تین طرف سے پٹ رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ادھ موا ہونے لگا حالانکہ بڑا جی دار تھا مگر تین طرف سے مار پڑے تو پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ رسونتی جس کے دماغ پر قابض تھی وہ بار بار آ کر ماسٹر کی کے سر سے ٹکریں مارتا تھا۔ جب ہم ماسٹر کی سے نمٹنے لگتے تو وہ پلٹ کر دیوار کی طرف جاتا تھا اور وہاں سر ٹکرانے لگتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماسٹر سے پہلے وہی فرش پر گر کر ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا۔

ادھر ماسٹر کی بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ اس کا دماغ کمزور پڑ گیا تھا۔ وہ یوگا کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچنا چاہتا تھا۔ اسی وقت کمرے کے اندر ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں اسے سونیا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر کمرے میں گیا۔ لیلیٰ ایک طرف فرش پر پڑی ہوئی کراہ رہی تھی۔ میں نے اسے ہمدردی سے دیکھا پھر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے آواز آئی "ہیلو تم سونیا ہو یا تبجاد؟"

"میری آواز سے پہچان لو اور بتاؤ تم کون ہو؟"

"اچھا، تو تم تبجاد ہو۔ اپنے متعلق بتانے سے پہلے میں تم کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ ہزاروں مکار مرے ہوں گے تب وہ پیدا ہوئی ہو گی۔ کمبخت نے ہاتھ پاؤں چلائے بغیر ماسٹر کی کو زیر کر لیا۔ اب بے چارہ مرنے کے قریب ہے۔ اس کی جان چھوڑ دو"

میں نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں ایک بھیانک راز ہوں اور جو بھیانک راز فاش نہ ہو سکے، وہ دہشت بن کر دلوں پر طاری رہتا ہے"

دوسری طرف سے قہقہہ سنائی دیا۔ پھر اس نے پوچھا "نہیں سمجھے؟ مجھے ہرتالے کی چابی کہتے ہیں۔ اس محل میں ایک ہزار سات سو اٹھاسی کمرے ہیں۔ سونیا سے کہو اسے ایک ہزار سات سو اٹھاسی ماسٹروں سے گزرنا ہو گا تب کہیں جا کر وہ ایک ماسٹر کی تک پہنچ سکے گی"

یہ سنتے ہی میں چونک گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "اس محل کے تمام دروازے تم دونوں کے لیے بند ہو چکے ہیں۔ یہاں سے نکلنا ممکن نہیں ہے۔ باہر جانا چاہو گے تو تمہیں چابی کی ضرورت ہو گی اور میں ہوں ہرتالے کی چابی۔ ماسٹر کی!"

بول رہا تھا اور میں ریسیور کان سے لگائے سن رہا تھا۔ میرے سامنے لیلیٰ ثانی فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ میں کمرے کے باہر سونیا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی دانست میں ماسٹر کی پر غالب آ چکی تھی اور اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر چکی تھی۔

پہلے میں بھی اسی خوش فہمی میں مبتلا تھا۔ یہ بھول گیا تھا کہ اتنا خطرناک دشمن جو تمام تنظیموں کے سربراہوں کو خاطر میں نہیں لاتا، ان کے سامنے آ کر بھی روبرو گفتگو نہیں کرتا، ہمیشہ ریوالونگ چیئر کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کرتا ہے، وہ بھلا اتنی آسانی سے ایک چیونٹی کی طرح کس طرح مسلا جا سکتا ہے؟

سونیا کمرے میں آ کر لیلیٰ کو سنبھال رہی تھی۔ اسے اٹھا کر اپنے بازو کا سہارا دیتے ہوئے بولی "ذرا حوصلے سے کام لو۔ ابھی ہم تمہیں طبی امداد پہنچائیں گے۔ تمہیں یہاں سے لے جا کر کسی آرام دہ بستر پر سلائیں گے"

میں نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا "سونیا! یہ خام خیالی ہے۔ ہم نے شیر کے دھوکے میں بلی کو شکار کیا ہے"

وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "ماسٹر کی زندہ ہے۔ ابھی فون پر اسی سے گفتگو ہو رہی تھی"

سونیا نے لیلیٰ ثانی کو دیوار سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔ پھر وہاں سے اٹھتے ہوئے بولی "وہ کہاں ہے؟ کیا اسی محل میں؟"

"وہ کہتا ہے، یہاں ایک ہزار سات سو اٹھاسی کمرے ہیں۔ سونیا کو پہلے ایک ہزار سات سو اٹھاسی ماسٹروں سے لڑتے ہوئے آنا ہو گا۔ پھر کہیں اصلی ماسٹر کی سے سامنا ہو گا"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یہاں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ سب اس کے چمچے ہیں۔ یہ ہمیں گھیرنے اور مارنے کی کوشش کریں گے اور وہ چوہا اپنے بل میں محفوظ رہے گا۔ میں تمہیں پہلے ہی سمجھاتی تھی، یہاں آنا مناسب نہیں ہے۔ وہ چارہ ڈال رہا ہے۔ ہمیں گھیرنا چاہتا ہے"

"تم بھول رہی ہو۔ ہمیں نہیں، صرف تمہیں گھیرنا چاہتا ہے۔ میری اہمیت کیا ہو سکتی ہے۔ حالانکہ میں نے فرہاد بن کر یقین دلانے کی کوشش کی لیکن ماسٹر کی صرف تمہیں یہاں بلانا چاہتا تھا۔ تم اس کے لیے زیادہ اہم ہو۔ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر یہ سوچنا چاہیے کہ یہاں سے کس طرح نکلا جا سکتا ہے"

رسونتی نے آ کر کہا "محل کے باہر ہمارے آدمی چاروں طرف موجود ہیں۔ پولیس بھی چاروں طرف مورچے بنا رہی ہے۔ پولیس چوکی میں ماسٹر کی کے جو آدمی موجود تھے، انہیں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ محل کے اندر جتنے لوگ ماسٹر کی کا رول ادا کرنے کے لیے موجود ہیں، وہ یہاں سے نکل نہیں پائیں گے"

رسونتی کی بات ختم ہوتے ہی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے آواز گونجنے لگی۔ رات کا وقت تھا۔ وہ آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ بندر بیری بیگوان کا ایک پولیس افسر کہہ رہا تھا۔ "اس محل کے اندر جو لوگ موجود ہیں، وہ اپنے ہتھیار پھینک کر، دونوں ہاتھ اٹھا کر باہر چلے آئیں۔ ہم پندرہ منٹ کی مہلت دے رہے ہیں۔ اس کے بعد ہمارے آدمی محل میں داخل ہوں گے۔ پھر جو بھی مقابلے پر آئے گا، اسے بے دریغ گولی مار دی جائے گی"

یہ اعلان دو مرتبہ کیا گیا پھر تیسری بار اعلان کرنے کے بعد محل کے اندر سے آواز ابھرنے لگی۔ کوئی میگا فون کے ذریعے کہہ رہا تھا "ہم نے اعلان سن لیا ہے۔ بار بار گلا پھاڑنے کی زحمت نہ کرو۔ اب ہمارا اعلان سنو۔ اگر کسی نے یہاں آنے کی جرأت کی تو اس سے پہلے ہی اس محل میں بم کے دھماکے ہوں گے۔ یہ خوبصورت تاریخی محل جو حکومت کا قیمتی اثاثہ ہے، دیکھتے ہی دیکھتے کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گا۔ ہم تو جان سے جائیں گے ہی لیکن اس محل کو بھی تباہ کر جائیں گے"

مقامی پولیس کے لیے اتنی دھمکی کافی تھی۔ وہ اتنے خوبصورت تاریخی محل کو کھنڈر بنتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ پھر یہ کہ میں، سونیا اور لیلیٰ محل کے اندر تھے۔ ہمیں بھی بم کے دھماکوں سے جانی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے باہر مکمل خاموشی چھا گئی۔ اعلان کرنے والوں کو چپ سی لگ گئی۔ میں نے رسونتی سے کہا "تم اعلیٰ بی بی کے آدمیوں کے ذریعے باہر موجود افسران کو سمجھاؤ۔ کوئی محل میں داخل ہونے کی حماقت نہ کرے"

میں نے لیلیٰ کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر لاد لیا۔ پھر میں اور سونیا وہاں سے دوڑتے ہوئے اس دروازے کی طرف جانے لگے جو ہمیں چور راستے کی طرف لے جاتا۔۔۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ ہم تہ خانے کی تنگ راہداری سے گزرتے ہوئے دوسری طرف پولیس چوکی میں پہنچیں گے تو ماسٹر کی کے آدمی ہوں گے۔ اب تو وہاں مقامی پولیس کا پہرہ تھا۔

چور راستے کا علم سونیا کو ہونا چاہیے تھا۔ وہی اس راستے سے محل میں پہنچی تھی لیکن ہم بھول بھلیوں میں تھے۔ ایک ہزار سات سو اٹھاسی کمروں سے گزرتے رہنا۔ پھر راستوں کو یاد رکھنا ممکن نہیں تھا۔ جو گائیڈ افسران یہاں کے راستوں سے واقف تھے، انہوں نے کمروں اور راہداریوں میں ایسی نشانیاں رکھی ہوں گی جن کے ذریعے وہ صحیح راستوں تک پہنچ سکتے تھے مگر ہم ان

راستوں سے واقف نہیں تھے۔ سونیا نقلی ماسٹر کی کا تعاقب کرتے ہوئے نہ جانے کتنے کمروں اور راہداریوں سے گزرتے ہوئے آئی تھی۔ ادھر میں نے بھی کمروں اور راہداریوں کا حساب نہیں رکھا تھا۔ بہر حال بڑی دیر تک لیلیٰ ثانی کو اٹھائے ادھر سے اُدھر بھٹکتے رہے۔ پھر اچانک ہی ایک قدآور شخص سے سامنا ہوگیا۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی ہنسنے لگا۔ "اچھا تو فرار کا راستہ تلاش کیا جارہا ہے؟"

اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ راستہ صرف میں جانتا ہوں۔ رسونتی اور فرہاد سے کہو میرے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر سکتے ہیں تو کرلیں۔"

میں نے لیلیٰ کو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر فرش پر بٹھا دیا۔ سونیا نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

اس نے فخریہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ پھر کہا۔ "میں وہ ہوں جسے دیکھنے کی تمنا کتنے ہی خطرناک تنظیموں کے سربراہ کرتے ہیں لیکن میں اُن سے ریوالونگ چیئر کے ذریعے گفتگو کرتا ہوں۔"

سونیا نے کہا۔ "یعنی اس وقت میرے سامنے ہر تالے کی چابی ہے۔ اور یہی بڑی خرابی ہے۔ بے چارہ ایک ماسٹر کی اس سے پہلے بھی یہی دعویٰ کررہا تھا۔ آخر اس ڈرامے کی ضرورت کیا ہے۔ اپنے اصلی ماسٹر کی سے کہو، سونیا اس محل میں سجاد کے ساتھ تنہا ہے۔ وہ ہم سے ملاقات کرنا چاہتا تھا، ہم آگئے ہیں۔ اب بھی پردہ نشین بن کر رہنے میں کیا راز ہے؟"

"میں خود ماسٹر کی ہوں۔ یقین نہ ہو تو دو دو ہاتھ کرکے دیکھ لو۔ آج تک کوئی ان ہاتھوں سے بچ کر زندہ نہیں جاسکا۔ یا تو مرگیا یا ہمیشہ کے لیے اپاہج ہوگیا اور یہ تو میرا دعویٰ تھا کہ فرہاد کو ایک دن اپاہج بنا کر چھوڑدوں گا۔ وہ نہ سہی، تم سہی۔"

میں نے بیزاری سے کہا۔ "کیا مصیبت ہے۔ پتا نہیں کب تک ایسے بناسپتی ماسٹر کی سے مقابلہ کرتے رہنا ہوگا۔"

سونیا نے کہا۔ "ان لوگوں کا علاج میرے پاس ہے۔"

اس نے اپنے بائیں ہاتھ کے اسی زخم کی طرف دوسرا ہاتھ بڑھایا، جہاں لہو کی پتلی سی لکیر بن گئی تھی۔ اب وہ خون کی لکیر خشک ہوگئی تھی لیکن اس نے پھر ایک چٹکی سے سوئی نکال لی۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا، وہ مکاری دکھا رہی تھی۔ اس نے سوئی کو اس زخم سے نہیں نکالا تھا بلکہ فریب نظر سے کام لیا تھا۔ وہ سوئی پہلے ہی اس کے دائیں ہاتھ میں تھی۔ پھر اسے نقلی ماسٹر کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "اصلی

ہو تو نہ بھاگنا۔ ہاں، بناسپتی ہو تو بھاگ سکتے ہو۔ یہ زہریلی سوئی ابھی تمہاری دماغی توانائی کو کمزور کردے گی اور رسونتی تمہارے حواس پر چھا جائے گی۔"

اس نے گہری سنجیدگی سے سوئی کی طرف دیکھا۔ پھر فوراً ہی ایک قدم پیچھے ہٹ کر ریوالور نکال لیا۔ کہنے لگا۔ "میں نہیں چاہتا، ایک ہی گولی میں قصہ تمام کردوں۔ میں تمہیں زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے ذریعے رسونتی اور فرہاد کو کمزور بنانا چاہتا ہوں للذا یہ سوئی میرے جسم میں پیوست نہیں ہوگی۔ اسے لیلیٰ کی طرف لے جاؤ۔ بے چاری بیمار ہے۔ اسے دوا اور انجکشن کی ضرورت ہے۔ دوا نہ سہی، اپنے ہاتھوں سے یہ انجکشن لگادو۔"

سونیا بے بسی سے کبھی لیلیٰ کو اور کبھی مجھ کو دیکھنے لگی۔ وہ ایکٹنگ کررہی تھی۔ جو سوئی اس کی چٹکی میں دبی ہوئی تھی، اس میں وہ زہر نہیں رہا تھا جو آدمی کو کمزور بنا دیتا ہے اور اس طرح اس کی دماغی توانائی کمزور پڑ جاتی ہے۔"

بناسپتی ماسٹر کی نے ڈانٹ کر کہا۔ "میں انتظار نہیں کروں گا۔ فوراً آگے بڑھو اور لیلیٰ کو سوئی لگاؤ، ورنہ میں سجاد کو گولی ماردوں گا۔"

وہ چٹکی میں سوئی دبائے آہستہ آہستہ یوں بڑھنے لگی جیسے بہت مجبور ہوگئی ہو۔ بناسپتی ماسٹر کی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ذرا ٹھہرو، اگر رسونتی موجود ہے تو اسے کہو، فرہاد کو لیلیٰ ثانی کی آخری سانسوں کے متعلق اطلاع دے۔"

دوسرے ہی لمحے میں نے رسونتی کے لب و لہجے میں کہا۔ "میں سجاد کے ذریعے بول رہی ہوں۔ جیسا کہ تم لوگوں کو علم ہے، فرہاد ابھی خیال خوانی کے قابل نہیں ہے۔ میں انھیں لیلیٰ کی موجودہ حالت بتا رہی ہوں۔ پلیز، یہ ظلم نہ کیا جائے، یہ بے چاری بہت کمزور ہے۔"

اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "سونیا کے بیان کے مطابق اس سوئی میں اتنا زہر نہیں ہے کہ آدمی مرجائے۔ ہاں، اتنا ضرور ہے کہ دماغ کمزور پڑجائے۔ لیلیٰ پہلے ہی آدھی مر چکی ہے۔ دماغ کمزور پڑنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اس کی آدھی موت اس سوئی کے ذریعے ہوگی۔ چلو، میرے حکم کی تعمیل کرو۔ میں وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔"

سونیا، لیلیٰ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "ہمیں افسوس ہے۔ سجاد کو بچانا ضروری ہے کیوں کہ یہ فرہاد کا رول ادا کرتا رہتا ہے۔ لیلیٰ بھی تمہیں اگر اور تھوڑی دیر طبی امداد نہیں پہنچائی جائے گی تو مرجاؤ گی۔ میں بہت مجبور ہوکر اپنے ہاتھوں سے تمہیں دوا نہیں، زہر دے رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے لیلیٰ کے بازو میں وہ سوئی چبھودی۔ اس نے میری مرضی سے ایک ہلکی سی، کمزور سی چیخ منہ سے نکالی، اس کے بعد ایک ہچکی لی۔ پھر اُس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔

بناسپتی ماسٹر کی اسے بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اب وہ سوئی وہیں چھوڑ دو اور اٹھ کر کھڑی ہوجاؤ۔ پندرہ منٹ کے بعد اس محل کی چھت پر ایک ہیلی کاپٹر آئے گا۔ تم دونوں میرے آگے آگے چلتے ہوئے چھت پر پہنچو۔ میں تمہارے ساتھ سجاد کو بھی لے جاؤں گا۔"

ہم چپ چاپ دوسری طرف گھوم گئے۔ اس کے آگے آگے چلنے لگے۔ ابھی ہم چند قدم تک گئے تھے کہ اچانک ایک کمرے سے کوئی فرش پر پھسلتا ہوا باہر آیا۔ پھر اس نے بناسپتی ماسٹر کی ٹانگ پر ٹانگ ماردی۔ وہ ریوالور سمیت اوندھے منہ گر پڑا۔ اتنا ہی کافی تھا، اس کے بعد ہم نے اُسے دبوچ لیا۔ سونیا نے ریوالور لے لیا، میں نے اس کی پٹائی شروع کردی۔ وہ میرا مقابلہ کررہا تھا۔ بڑا جی دار تھا لیکن یہ مقابلہ زیادہ دیر جاری نہیں رہ سکا۔ سونیا نے کہا۔ "میں یہ دھینگا مشتی پسند نہیں کرتی۔ چپ چاپ ایک طرف کھڑے ہوجاؤ۔"

وہ اُٹھنے لگا۔ تب میں نے اس شخص کو دیکھا جو ایک کمرے سے پھسلتا ہوا آیا تھا اور بناسپتی ماسٹر کو اپنی ٹانگوں سے اُلجھا کر گرادیا تھا۔ وہ شخص اعلیٰ بی بی کا وہی ماتحت تھا جو میرے ساتھ محل میں داخل ہوا تھا۔ میں دوڑتا ہوا لیلیٰ کے پاس آیا، وہ ہولے ہولے سانس لے رہی تھی۔ میں اس کے اندر توانائی پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

دوسری طرف سونیا نے بلند آواز سے کہا۔ "رسونتی! تم اس بناسپتی کی کے دماغ میں پہنچو۔ میں راستہ بنا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے گولی چلائی۔ نقلی ماسٹر کی کے حلق سے چیخ نکلی۔ گولی اس کے بازو میں پیوست ہوگئی تھی اور رسونتی اس کے دماغ میں پہنچ چکی تھی۔ ذرا دیر بعد ہی اس نے کہا۔ "اس کا دماغ کہہ رہا ہے، اس محل میں ابھی سات عدد ماسٹر کی کا رول کرنے والے موجود ہیں۔ ہر ایک کی جیب میں ننھا سا ٹرانسمیٹر موجود ہے جس کے ذریعے اس کے ساتھیوں کو پتا چل جاتا ہے کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔ اس کے تمام ساتھیوں کو معلوم ہوچکا ہے کہ یہ ہماری گرفت میں ہے اور یقیناً وہ اس کی مدد کو آنے ہی والے ہوں گے۔"

رسونتی یہ باتیں اعلیٰ بی بی کے ماتحت کے ذریعے کہہ رہی تھی۔ اس ماتحت نے فوراً ہی آگے بڑھ کر بناسپتی ماسٹر کی کی جیب سے وہ ننھا سا ٹرانسمیٹر نکال کر اسے آف کردیا پھر اس نے میرے پاس آکر کہا۔ "میں لیلیٰ ثانی کو سنبھالتا ہوں۔ آپ اس بناسپتی کی کی خبر لیں۔"

میں نے لیلیٰ کو اس کے پاس چھوڑ دیا۔ وہ اسے اٹھا کر ایک کمرے میں لے آیا۔ میں نے کہا۔ "ہم سب کو اسی کمرے میں جانا چاہیے۔ اس کے ساتھی یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

سونیا میرے ساتھ اس کمرے میں آگئی۔ اب میں اس زخمی ماسٹر کی کے دماغ میں موجود تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ دو طرف سے کچھ لوگ آرہے تھے۔ میں نے اس زخمی کے ذریعے دیکھا، کوریڈور کے ایک طرف سے اس کے دو ساتھی پہنچ رہے تھے، دوسری طرف سے ایک اور ساتھی آرہا تھا۔ ادھر یہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ایک نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ کہاں ہیں؟"

باقی دو ساتھی دور دور تک محتاط انداز میں دیکھ رہے تھے۔ زخمی نے میری مرضی کے مطابق کہا۔ "وہ لیلیٰ کو اٹھا کر چور دروازے کی طرف جارہے ہیں۔ انھوں نے میرے دماغ سے معلوم کرلیا ہے کہ ہم کس طرح یہاں کے راستوں کو پہچان لیتے ہیں۔"

جب وہ یہ باتیں کہہ رہا تھا تو میں اس کے دماغ پر قابض تھا اور اس کے ذریعے یہ باتیں کہلوا رہا تھا۔ رسونتی بھی موجود تھی اور یہ معلوم کررہی تھی کہ کس طرح وہاں کے راستوں کو پہچانا جاتا ہے۔ اب یہ بات وہ سونیا کو بتا رہی تھی۔ سونیا نے کہا۔ "میں لیلیٰ کو اس تہ خانے کے راستے سے لے کر پولیس چوکی پہنچ رہی ہوں۔ فوراً ایمبولنس بلاؤ۔ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

اس زخمی ماسٹر کی کی باتیں سُن کر دو ماسٹر کی دوڑتے ہوئے چور راستے کی طرف جارہے تھے جو اس کے پاس رہ گیا تھا اسے سونیا نے گولی ماردی۔ اس حساب سے دو ماسٹر کی پہلے مرچکے تھے۔ یہ تیسرا ختم ہوا تھا۔ چوتھا زخمی تھا۔ دو چور راستوں کی طرف ہمیں تلاش کرنے کے لیے گئے تھے۔ کل چھ ہماری نظروں میں آگئے تھے۔ باقی چار رہ گئے تھے۔

سونیا نے جس ماسٹر کو گولی ماری تھی، یقیناً اس کی جیب میں رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر کے ذریعے گولی چلنے کی آواز اس کے

ساتھیوں نے سنی ہوگی۔ میں اس زخمی کے دماغ پر قابض ہو کر مرنے والے کی جیب کے قریب جھک گیا۔ ٹرانسمیٹر سے آواز آ رہی تھی "ہیلو، ہیلو جیکی، تم خیریت سے ہو؟"

اس زخمی نے کہا "آہ! ہم دھوکا کھا رہے ہیں۔ سونیا اور سجاد چور راستے کی طرف نہیں گئے ہیں۔ وہ دوسری طرف چھپے ہوئے تھے۔ انھوں نے ہمارے ساتھی کو گولی مار دی ہے۔ پلیز، میرے پاس آؤ، کسی طرح مجھے طبی امداد پہنچاؤ۔"

اعلیٰ بی بی کے ماتحت نے لیلیٰ کو اپنے شانے پر لاد لیا، سونیا کے ساتھ تیزی سے چلتا ہوا اس کمرے سے باہر آیا۔ اب وہ دوسرے راستے سے اس چور دروازے کی طرف جانے لگے۔ رسونتی نے بتا دیا تھا کہ ہر کمرے کے دروازے کے پیچھے بیس کمروں کا نقشہ بنا ہوا ہے۔ یعنی جس دروازے کے پیچھے اس نقشے کو پڑھا جائے، اس کمرے کے پیچھے پانچ کمروں، پھر اس کمرے کے آگے پانچ کمروں اسی طرح دائیں بائیں پانچ پانچ کمروں کا حساب موجود تھا۔ تیر کے نشان بنے ہوئے تھے اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ کس کمرے سے گزرتے ہوئے چور راستے تک جانا چاہیے اور کس راہداری سے گزرتے ہوئے محل کے بیرونی دروازے تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چھت تک پہنچنے کا راستہ بھی بتایا گیا تھا۔

میں نے مرنے والے کی جیب سے ریوالور نکال لیا تھا اگرچہ میں ایسی چیزیں استعمال نہیں کرتا لیکن یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ یہ لوگ میری ٹیلی پیتھی کے خلاف یوگا کا ہتھیار استعمال کر رہے تھے۔ اس کے لیے لازمی تھا، ان کے دماغ کو کمزور بنایا جائے۔ جیسے ہی اس کا ایک ساتھی چور دروازے کی طرف سے واپس آیا، میں نے اس کی ٹانگ پر گولی ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا گرا اور میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ تکلیف کی شدت سے کراہتے رہنے کے دوران سانس روکنے کا مظاہرہ کرتا۔ میں نے کہا۔ "تم اسی طرح پڑے رہو۔ میں تمھیں جان سے نہیں ماروں گی۔ لیکن یہ سبق سکھاؤں گی کہ ماسٹر کی ہمارے سامنے یوگا کا ہتھیار استعمال نہیں کر سکے گا۔ جب بھی ہمارے مقابل آئے گا بے موت مارا جائے گا۔"

میں نے آگے بڑھ کر اس کی جیب سے بھی ریوالور نکال لیا۔ اس وقت اس کی جیب سے آواز سنائی دے رہی تھی۔ "ہیلو ہیلو، مینڈورا! ہیلو مینڈورا! تم خیریت سے تو ہو؟"

اس نے کراہتے ہوئے کہا "کسی نے میری ٹانگ میں گولی ماری ہے۔ یہاں ہم دو زخمی پڑے ہیں۔ پلیز، ہمیں فوری طبی امداد پہنچاؤ۔"

دوسری طرف سے جواب ملا "اب ہم فریب میں نہیں آئیں گے۔ پہلے ساتھی کو طبی امداد پہنچانے کے لیے تم گئے تھے، تمھارا یہ حال ہو گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کتنے چالاک ہیں۔ اگر کوئی ہماری بات سن رہا ہے تو یہ سن لے اور اچھی طرح سمجھ لے کہ بھاگنے کے...... تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔"

"میں سجاد علی تیمور سن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں۔ دس بناسپتی ماسٹر کی میں سے تین مر چکے ہیں۔ دو زخمی ہیں۔ باقی پانچ میں سے تین ایسے ہیں جو اس محل سے نکلنے کے تین راستوں کی ناکہ بندی کریں گے۔ ایک چور دروازہ، ایک چھت پر جانے والا راستہ اور دوسرا اسی محل کا بیرونی دروازہ، باقی دو رہ گئے۔ ان دو کو چاہیے کہ وہ ہمیں تلاش کریں، اگر نہیں کریں گے تو ہم تین راستوں میں سے کسی ایک راستے سے ناکہ بندی کرنے والے کو ہمیشہ کے لیے ہٹا دیں گے۔"

ایسا کہتے وقت ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ آواز بہت زوردار تھی۔ یقیناً وہ چھت پر اتر رہا تھا۔ میں نے کہا "سنو! اس آواز کو سنو۔ تمھارے فرار کا وہی ایک راستہ ہے۔ محل میں رہ گئے تو جان سے جاؤ گے۔"

دوسری طرف سے ایک نے جھنجلا کر کہا "ہم تمھیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ نہ ہی سونیا کو یہاں سے نکلنے دیں گے۔ ہم اس محل کو بم کے دھماکوں سے اڑا دیں گے۔"

"بے وقوف کے بچے! تم اس محل کو تباہ کر دو گے تو میرے باپ کا کیا جائے گا۔ اپنی خیریت مناؤ اور کسی طرح اپنے ماسٹر کی تک پہنچ کر بتاؤ کہ اس نے کتنا نقصان اٹھایا ہے۔ اس کے دو اہم یوگا کے ماہر پاکستان میں میرے ہاتھوں مارے گئے۔ پانچ یہاں ختم ہو رہے ہیں۔ باقی پانچ نے اگر فرار کا راستہ اختیار نہیں کیا تو یہ ماسٹر کی کے لیے بڑی زبردست ٹریجڈی ہوگی۔ ایک ہی رات میں یہ محل دس یوگا کے ماہرین کا مقبرہ بن جائے گا۔"

یہ کہہ کر میں نے اس ٹرانسمیٹر کو آف کر دیا۔ سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ چور دروازے تک پہنچ گئی تھی۔ اس دروازے پر ایک بناسپتی ماسٹر کی موجود تھا۔ وہ سونیا کو دیکھتے ہی دیوار کی آڑ میں چلا گیا تھا اور وہاں سے فائرنگ شروع کر دی تھی۔ جواباً سونیا بھی فائرنگ کر رہی تھی۔ میں نے ان دونوں زخمیوں کو بھی ختم کر دیا۔ ان کے ریوالور لے کر سونیا کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ اب بھٹکنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ میں جہاں بھی راستہ بھولتا تھا، کسی کمرے کے دروازے کے پیچھے پہنچ کر نقشہ دیکھ لیتا تھا۔ پھر اُدھر جانے لگتا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو سونیا کا ریوالور خالی ہو چکا تھا۔ دیوار کی آڑ میں کھڑا ہوا دشمن کہہ رہا تھا "تمھاری بہتری اسی میں ہے کہ کمرے سے نکل آؤ۔ ہیلی کاپٹر تیار ہے۔ ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔ دیر کرو گی تو ہمارے ساتھ تمھاری جان بھی جائے گی۔ فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ دیوار کی آڑ سے نکل آیا۔ پھر کہنے لگا۔ "میں جانتا ہوں تمھارا ریوالور خالی ہو چکا ہے۔ ورنہ تم چوکنے والی عورت نہیں ہو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے ہٹائیں سے گولی چلائی۔ وہ اپنا بازو تھام کر رہ گیا۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے کہا "فوراً لیلیٰ ثانی کو یہاں سے لے جاؤ۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

اعلیٰ بی بی کے ماتحت نے لیلیٰ کو پھر شانے پر لاد لیا۔ اس کے بعد دوڑتا ہوا چور دروازے تک آیا۔ زخمی ماسٹر کی ان کا راستہ روکنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچایا۔ وہ چیخیں مارتا ہوا پیچھے جا کر دیوار سے لگ گیا۔ تکلیف سے کراہتے ہوئے زمین پر پڑے ہوئے ریوالور کو دیکھنے لگا۔

میں نے کہا "ہاں، ہاں آگے بڑھو اور اس ریوالور کو اٹھانے کی کوشش کرو۔ تم سے پہلے بہت سوں نے ایسی کوششیں کی ہیں، ایک تم بھی سہی۔"

اعلیٰ بی بی کا ماتحت لیلیٰ کو کاندھے پر لادے چور راستے سے گزر چکا تھا۔ سونیا بھی اس کے پیچھے چلی گئی تھی۔ اب وہ لوگ نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر ریوالور کو اٹھا لیا۔ پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لو اور گولی چلاؤ۔"

اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا "تم لوگوں کو ماسٹر کی بننے کا بہت شوق ہے۔ پتا نہیں وہ اصل ماسٹر کی کیسا ہوگا۔ تم لوگوں کو دیکھ کر مجھے مایوسی ہو رہی ہے۔"

وہ زخمی دیوار سے ٹیک لگائے بے یقینی سے ریوالور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں سچ مچ اسے ریوالور دے رہا ہوں۔ پھر اس نے اپنا دوسرا ہاتھ اس جیب میں ڈالا۔ جس میں ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ اسے نکال کر آف کرنے کے بعد کہنے لگا "مسٹر سجاد! اگر آپ یقین کرنا چاہیں تو میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، آپ لوگوں سے بہت متاثر ہوں۔ ایک بار فرہاد صاحب سے رابطہ قائم کرا دیجیے۔ وہ میرے دماغ میں جھانک کر میری سچائی کو تسلیم کر لیں گے۔ میں نے ان لوگوں کے متعلق بہت کچھ سنا تھا۔ مجھے بڑا شوق تھا، کبھی سونیا سے ٹکراؤں۔ بڑے چرچے سنے تھے۔ آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔ وہ سمندر کی مچھلی ہے۔ کبھی ہاتھ نہیں آتی ہاتھوں سے پھسل جاتی ہے۔"

میں نے رسونتی کے لب و لہجے میں کہا "میں اس وقت سجاد کی زبان سے رسونتی بول رہی ہوں۔ تم ہمارے لیے کیا خدمات انجام دے سکتے ہو؟"

"میری زندگی بخش دو۔ مجھے نہ مارو۔ واپس جانے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں، بہت جلد آپ کو یا فرہاد صاحب کو ماسٹر کی تک پہنچا دوں گا۔"

میں اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کے دماغ کو پڑھتا جا رہا تھا۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ اس کے من میں کھوٹ نہیں تھا۔ میں نے رسونتی کے لہجے میں کہا "اچھی بات ہے۔ ہم تمھیں جان سے نہیں ماریں گے۔ تمھیں آزمائیں گے۔"

میں نے اس سے ٹرانسمیٹر لے لیا۔ پھر کہا "اگر اس کے ذریعے تم یہ کہو گے کہ میں تمھیں زندہ چھوڑ کر چلا گیا ہوں تو وہ یقین نہیں کریں گے کیوں کہ تمھارے ساتھیوں کے ٹرانسمیٹر کے ذریعے میں انہیں کافی فریب دے چکا ہوں۔ تم ٹرانسمیٹر کے بغیر یہاں رہو، کوئی نہ کوئی ساتھی تمھاری مدد کے لیے ضرور پہنچے گا۔"

یہ کہہ کر میں وہاں سے دوسری جگہ گیا۔ ایک دروازے کے پیچھے اس راستے کو سمجھنے کی کوشش کی جو چھت کی طرف لے جاتا تھا۔ پھر میں اُدھر جانے لگا۔ ماسٹر کی کے دو ماتحت اسی چور دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ سونیا فرار ہونے میں کامیاب ہو رہی ہے۔ ان آنے والوں سے میرا سامنا ہو سکتا تھا لیکن میں ایک کمرے میں چھپ گیا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ اس زخمی کے پاس پہنچیں اور اسے اپنے ساتھ اٹھا کر لے جائیں۔

اس زخمی کا نام بہروز آفندی تھا۔ اس کمرے میں چھپ کر مجھے اطمینان سے اس کے خیالات پڑھنے اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا موقع ملا۔ وہ تقریباً چھ برس سے ماسٹر کی کا ماتحت رہتا آیا تھا۔ وہیں اس نے یوگا کا فن سیکھا تھا۔ تیر اور تلوار چلانے، ریوالور سے لے کر مشین گن تک چلانے کی مہارت رکھتا تھا۔ ماسٹر کی کے پاس آنے سے پہلے کسی اور ماسٹر کے ماتحت رہ کر کام کرتا رہا تھا۔ اس کی ایک عادت

یہ تھی کہ جو سیر پر سوا سیر نظر آتا، وہ اسی کا غلام بن جاتا تھا اور ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا تھا۔ اب اسے ماسٹر ڑکی سے زیادہ ہم سوا سیر نظر آرہے تھے، اس لیے وہ ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ آئندہ وہ کون سا رُخ بدلنے والا تھا، یہ ہم نہیں جانتے تھے۔ اگر کوئی ہم سے بھی سوا سیر نظر آتا اور وہ اُدھر جاتا تو پھر دیکھا جاتا۔

جب بہروز آفندی کے ساتھی اس کے پاس پہنچ گئے اور اس سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے تو میں چپ چاپ اس کمرے سے نکلا اور چھت پر جانے والے راستے کی طرف چلنے لگا۔ اس بار کسی سے سامنا نہیں ہوا۔ میں سیدھا اس زینے تک پہنچ گیا جو چھت تک لے جاتا تھا۔

اوپر چھت کی جانب خاموشی تھی۔ گردش کرنے والا ہیلی کاپٹر کا پنکھا خاموش تھا۔ میں سوچ رہا تھا، مجھے اوپر جانا چاہیے یا نہیں۔ پتا نہیں ہیلی کاپٹر میں بھی کچھ لوگ آئے تھے یا صرف یہاں سے جانے والے تھے۔ اسی وقت مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں زینے کے نیچے دبک گیا۔ ذرا دیر بعد ہی مجھے کسی کی کراہیں سنائی دیں۔ میں نے فوراً ہی بہروز آفندی کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ اس کے ساتھی اسے سہارا دے کر زینے کے قریب لے آئے تھے اور اب زینے پر چڑھتے ہوئے چھت کی طرف جارہے تھے۔ چھت پر سے کسی نے کہا "ہمارے دو ساتھی بہروز کو لارہے ہیں، چلو اسٹارٹ کرو۔"

اس کی بات ختم ہونے کے چند سیکنڈ بعد ہی پنکھے کے گردش کرنے کی آ۔ا۔ سنائی دی۔ پہلے وہ آواز بڑی آہستہ تھی پھر تیز ہونے لگی۔ پنکھے کی یہ گردش میرے لیے مفید ثابت ہوئی۔ میں زینے کے نیچے سے نکل کر د۔بے قدموں ان کے پیچھے جانے لگا۔ وہ اتنے شور میں میرے قدموں کی ہٹ نہیں سُن سکتے تھے۔

وہ اوپر پہنچ گئے۔ میں اُن سے ذرا پیچھے تھا۔ اگر ان کے پیچھے ساتھ ساتھ لگ کر چلتا تب بھی پتا نہ چلتا۔ اب زور کی ہوا چل رہی تھی۔ اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہورہا تھا۔ وہ بہروز کو مضبوطی سے پکڑے، مخالف ہوا کا سامنا کرتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی طرف جارہے تھے۔ پہلے انھوں نے اسے اُوپر چڑھایا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک گولی چلادی۔ ایک شکار ہوا۔ دوسرے نے پلٹ کر میری طرف فائر کیا۔ میں فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میری ناک کے پاس سے ہی گولی گزری ہو۔ مقدر ساتھ دے تو آدمی اسی طرح بال بال بچتا ہے۔ میں تھوڑی دیر تک دم سادھے بیٹھا رہا۔ پھر میں نے ذرا سر آگے بڑھا کر دیکھا۔ مجھ پر فائر کرنے والا ہیلی کاپٹر میں سوار ہو چکا تھا۔ میں نے ایک گولی داغ دی۔ پتا نہیں اسے لگی یا نہیں۔ وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا تھا۔ اتنے شور میں پتا نہیں چل رہا تھا۔ میں نے احتیاطاً دوسری بار گولی چلائی، پھر تیسری بار۔ اس کے ساتھ ہی اس کا بے جان جسم ہیلی کاپٹر سے گر کر چھت کے فرش پر آگرا۔ اب وہ بلند ہورہا تھا۔ پرواز کے لیے چھت سے اٹھ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ جو زندہ سلامت جارہے تھے، انھوں نے ہاتھ نکال نکال کر میری طرف فائرنگ شروع کردی تھی تاکہ میں جواباً فائرنگ نہ کروں اور وہ دور نکل جائیں۔ اس طرح وہ صحیح و سلامت دور نکل گئے۔

میں نے چھت پر آکر دیکھا، ہیلی کاپٹر دور نکل گیا تھا۔ میں نے ایک سرے پر آکر محل کے نیچے دیکھا۔ دور تک احاطے کے اندر پولیس والے نظر آرہے تھے۔ ان میں اعلیٰ بی بی کے آدمی بھی تھے۔ میں نے بلند آواز سے کہا "میں سجاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ دشمن یہاں سے جاچکے ہیں مگر بہت کم تعداد میں فرار ہوسکے۔ باقی کی لاشیں محل کے اندر ملیں گی۔ یہاں کے فرض دار افسر محل میں داخل ہوسکتے ہیں۔ کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے۔"

میرے کہتے ہی بہت سے پولیس والے دوڑتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف جانے لگے۔ میں نے تمام محل کے اندر گھوم کر یہ نہیں دیکھا تھا کہ دشمن موجود ہیں یا نہیں لیکن جس انداز میں وہ فرار ہوئے تھے اور چھت پر سے ایک آدمی نے کہا تھا کہ ہمارے دو ساتھی بہروز کو لارہے ہیں، اب چلنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس سے پہلے باقی لوگ ہیلی کاپٹر میں پہنچ چکے تھے۔ بہرحال یہاں کے پولیس والے جب محل کے اندر داخل ہوئے اور ہر کمرے میں جھانک کر دیکھ لیا تو اطمینان ہوگیا۔ کوئی دشمن زندہ سلامت نہیں تھا۔ جو تھے وہ مُردہ تھے۔

پولیس والے میرا بیان لینے کے لیے پولیس اسٹیشن لے جانا چاہتے تھے لیکن اعلیٰ بی بی کے آدمیوں نے انھیں سمجھایا "مسٹر سجاد کا آپ لوگوں کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ دشمن اب بھی یہاں موجود ہیں۔ اگرچہ محل میں نہیں ہیں لیکن آپ کے شہر میں ہیں۔ آپ بیان لینا چاہتے ہیں تو اسی شہر کے ایک ہوٹل کے اندر لے سکتے ہیں۔"

بہرحال میں نے اپنا بیان دیا۔ اس دوران رسونتی نے آکر بتایا۔ لیلیٰ کو بحفاظت اسپتال پہنچا دیا گیا ہے اور اسے فوری طبی امداد پہنچائی جارہی ہے۔ بہت توجہ سے علاج ہورہا ہے۔

میں نے کہا "تم جانتی ہو، اسرائیلی حکومت لیلیٰ کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتی۔ تم نے ربی اسفندیار کو چیلنج کیا تھا لہٰذا اس نے لیلیٰ کو ماسٹر ڑکی کے حوالے کردیا تھا۔ اب وہ ہماری پناہ میں ہے۔ دشمن چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ہر حال میں لیلیٰ کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ پتا نہیں اسرائیلی حکام کی طرف سے اسے ختم کرنے کے لیے ماسٹر ڑکی کو کتنا معاوضہ دیا گیا ہے۔ بہرحال تمھیں اسپتال میں رہنا چاہیے۔ وہاں کے ایک ایک ڈاکٹر، ایک ایک نرس اور وارڈ بوائے پر نظر رکھنا چاہیے۔"

"میں جارہی ہوں۔ ویسے میں نے سونیا کو سمجھا دیا تھا اور سونیا نے ڈاکٹروں سے کہہ دیا ہے کہ لیلیٰ کے کمرے میں صرف وہی ڈاکٹر، نرسیں یا وارڈ بوائے آسکتے ہیں جو انگریزی بولتے ہیں۔"

اعلیٰ بی بی کے آدمیوں نے بندر سری بیگوان کے ایک مہنگے ہوٹل میں میری رہائش کا انتظام کیا تھا اور انتظام کا طریقہ کار وہی تھا۔ جہاں میرا کمرہ تھا اس کے آس پاس انھوں نے دوسرے کمرے بھی ریزرو کرا لیے تھے۔ میں محل سے نکل کر ہوٹل میں پہنچا۔ پھر میں نے رسونتی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا آرام کررہا ہوں۔ تم مجھے دو گھنٹے بعد اٹھا دینا۔ پھر میں لیلیٰ کی نگرانی کروں گا۔ تم آرام سے سو جانا۔"

"میری فکر نہ کرو۔ تم آرام سے نیند پوری کرلو۔"

"میں نے کہا نا، مجھے زیادہ نہیں سونا ہے۔ صرف دو گھنٹے آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"میری طرف سے دو گھنٹے اور لے لو۔ میں ٹھیک چار گھنٹے کے بعد تمھیں بیدار کروں گی۔"

میں نے سونیا سے پوچھا "کیا تم صبح تک اسپتال میں رہوگی؟"

"ہاں، لیلیٰ کے کمرے میں رات گزاروں گی۔ میری فکر نہ کرو۔ تھوڑی سی نیند پوری کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

میں نے بستر پر آرام سے لیٹ کر اپنے دماغ کو ہدایت دی اور نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ ہمارا جینے کا انداز بھی خوب ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میں اور سونیا زندگی اور موت کے درمیان تھے۔ ہمارے مقابل یوگا کے ماہر تھے۔ ٹیلی پیتھی ان پر اثر انداز نہیں ہوسکتی تھی اور وہ جب لڑنے مرنے پر آمادہ ہوکر آئے تھے تو ہمارا وہاں سے بچ نکلنا مشکل تھا لیکن کاتب تقدیر نے ہماری موت کب اور کہاں لکھی ہے، یہ ہم خود نہیں جانتے تو دشمن کیسے جان سکتے ہیں۔

ان دشمنوں میں سے کچھ جان سے گئے اور کچھ فرار ہوگئے۔ اتنی بھاگ دوڑ، اتنی جدوجہد کے بعد میں اپنے بستر پر آکر ایسے سوگیا تھا جیسے کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ نئے اور پرانے دشمنوں سے ٹکرانا، ان سے دو دو ہاتھ کرنا جیسے ہمارے لیے اوڑھنا بچھونا ہوگیا تھا۔

میں گہری نیند سو رہا تھا۔ شاید تین گھنٹے تک سوتا رہا۔ رسونتی نے کہا تھا، چار گھنٹے بعد آکر بیدار کرے گی لیکن اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ کوئی غیر معمولی بات ہوئی تھی۔ میں نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر رسونتی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا "کیا تم میرے پاس آئی تھیں؟"

"نہیں — میرے دماغ کو پڑھ کر معلوم کرسکتے ہو۔ پارس پریشان کررہا ہے۔ میں اسے سمجھا منا رہی ہوں۔ اُدھر کی بھی فکر ہے۔ ذرا لیلیٰ کے پاس پہنچ کر دیکھو۔ ویسے یہ تم وقت سے پہلے کیسے بیدار ہوگئے؟"

"یہی تو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ تم لیلیٰ کی خبر لو۔ میں معلوم کرتا ہوں، میرے ساتھ کیا ہورہا ہے؟"

میں رسونتی کے پاس سے واپس آگیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر میں نے شیبا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں تھی۔ وہاں آدھی رات ہوچکی تھی۔ اسے آرام سے سو جانا چاہیے تھا لیکن وہ خواب گاہ کے وسط میں کھڑی ہوئی آتش دان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آتش دان کے اُوپر میری بڑی سی تصویر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے خیالات کو پڑھا۔ پتا چلا، تھوڑی دیر پہلے وہ میری تصویر کے بالکل قریب تھی۔

قریب آکر مجھے دیکھنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے عشق فرمانے لگی تھی۔ بات کچھ اور ہی تھی۔ دراصل اس کے دل اور دماغ میں یہ دہشت طاری رہتی تھی کہ میں اور رسونتی اس کے دماغ تک نہ پہنچ جائیں۔ وہ کئی بار ربی اسفندیار سے کہہ چکی تھی "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے فرہاد کہیں آس پاس چھپا ہوا ہے اور اچانک ہی آکر مجھے دبوچ لے گا۔"

آج رات سونے سے پہلے ربی اسفندیار سے پھر اسی موضوع پر گفتگو ہوئی تھی۔ ربی نے سمجھایا تھا "دیکھو بیٹی! جس چیز سے جتنا خوف کھاؤ اتنا ہی خوف بڑھتا جاتا ہے۔ اگر دشمن سے دور بھاگو تو وہ قریب آتا ہوا لگتا ہے حالاں کہ وہ دور ہی رہتا ہے لیکن محسوس ہوتا ہے جیسے ہر آہٹ پر وہی موجود ہے۔ ایسی صورت میں یا تو دشمن کو اہمیت نہیں دینا چاہیے یا پھر اس کا سامنا کرنا چاہیے۔ رہ گئی فرہاد کی بات

تو اس کا سامنا تم نہیں کر سکتیں اور نہ ہی میں یہ مشورہ دوں گا، لیکن دشمن سے محتاط اور محفوظ رہنے کے لیے اس کی اسٹڈی ضرور کرنا چاہیے۔ اگر اس سے ڈر لگتا ہے تو اس کی ہسٹری شیٹ پڑھو تاکہ اس کی کمزوریاں تلاش کر سکو۔"

ربی اسفندیار کے ہاں ہم سب کی ہسٹری شیٹ موجود تھی اور ساتھ ہی ہماری تصاویر بھی تھیں۔ شیبا نے اپنے بیڈ روم کا دروازہ اندر سے بند کرنے کے بعد پہلے میری ہسٹری کا کچھ حصہ پڑھا تھا۔ پھر میری تصویر دیکھی تھی۔ یوں تو پہلے بھی کئی بار تصویریں دیکھ چکی تھی مگر بیڈ روم میں تنہائی ملتے ہی اس نے میری تصویر کو آتش دان کے اوپر رکھ دیا اور سامنے کھڑی ہو کر دیکھنے لگی۔ اسی طرح دیکھنے کے دوران میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ یہ عمل بے اختیاری تھا۔ تصویر کی آنکھوں میں جھانکتے جھانکتے یکبارگی میرے دماغ میں پہنچ گئی تھی۔ ایسے ہی وقت میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

اب وہ اتنی دیر سے خواب گاہ کے وسط میں کھڑی خوف سے ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ اس نے خود کو میرے دماغ میں محسوس کیا تھا۔ یہ چند سیکنڈ کی بات تھی۔ وہ فوراً ہی واپس آگئی تھی لیکن سمجھ رہی تھی کہ میرے دماغ میں پہنچی تھی اور میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ کیا میں نے اس کے دماغ کو پا لیا ہے؟

یہ سوال اس کے اندر گونج رہا تھا "کیا فرہاد میرے دماغ میں پہنچ جائے گا؟"

اب یہ سوال اسے پریشان کر رہا تھا بلکہ خوف زدہ کر رہا تھا۔ اگر کوئی بزدل ہو اور خوف زدہ بھی ہو پھر ایسے میں کوئی بلی کہیں سے آکر کود پڑے تو خوف زدہ ہونے والے کی آدھی جان نکل جاتی ہے۔ اس وقت اس کے آس پاس کہیں سے بلی آکر تو نہیں کودی مگر اچانک کھڑکی کے پردے لہرائے۔ ذرا زور کی ہوا چلی۔ آتش دان پر رکھی ہوئی تصویر ذرا سی پھڑپھڑائی۔ شیبا کی سانس اوپر کی اوپر رہ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے میں حرکت کر رہا ہوں۔ پھر وہ تصویر ہوا کی زد میں آکر وہاں سے اُڑ گئی۔ کمرے کی اس محدود فضا میں ذرا سا لہرائی۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی، حالاں کہ اسی وقت تصویر فرش پر گر پڑی تھی لیکن اسے یہی لگا جیسے میں آتش دان سے پرواز کرتا ہوا اس کی گردن تک پہنچ گیا ہوں اور اس کا گلا دبانے ہی والا ہوں۔

وہ بھاگتے ہوئے دروازے کے پاس آئی، وہاں سے پلٹ کر دیکھا۔ آتش دان پر تصویر نظر نہیں آئی۔ چیخ مارنے کے دوران اس نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ وہ کہاں گئی ہے۔

وہ سہم کر دائیں بائیں اور اوپر نیچے دیکھنے لگی۔ میں کہاں ہوا کہاں جا کر چھپ گیا ہوں؟ اسی وقت دستک سنائی دی۔ وہ یکبارگی چیخ مار کر دروازے کے پاس سے ہٹ گئی۔ دو طرف سے ربی اسفندیار کی آواز آئی "بیٹی! کیا بات دروازہ کھولو۔ میں ہوں تمہارا ربی۔"

اس نے فوراً ہی آگے بڑھ کر دروازے کو کھول ربی کو دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ وہ پدرانہ شفقت کبھی اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے، کبھی اسے ننھی سی کی طرح تھپک رہے تھے اور کہہ رہے تھے "تم بہت خوف زدہ ہو، کیا بات ہے؟"

اس نے آتش دان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا "وہ فرہاد تھا، پتا نہیں کہاں چلا گیا۔"

ذرا دیر کے لیے ربی اسفندیار بھی چکرا گئے۔ انھ چونک کر آتش دان کی طرف دیکھا، پھر پوچھا "تم کیا کہہ رہ فرہاد آتش دان کے پاس کہاں سے آگیا؟"

"وہ ... وہ میں نے اس کی تصویر رکھی تھی۔"

"تصویر" پھر ربی نے فرش کی طرف دیکھتے ہوئے "تصویر تو وہاں پڑی ہے، تم اپنے حواس میں رہو۔ دل خوف کو نکال دو۔ مجھے صحیح طور پر بتاؤ، تم تصویر کی بات پھر یا تم نے واقعی اپنے خیال میں یا اپنے دماغ میں فرہاد کو م کیا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں، نہیں، میر دماغ میں کوئی نہیں تھا۔ وہ تصویر وہاں سے اڑ کر خود میرے پاس آرہی تھی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی تصویر فرش پر پھڑپھڑ ہوئی ذرا اوپر اڑی۔ ربی نے کہا "دیکھو، یہ تو اب بھی رہی ہے۔ کھلی کھڑکی سے تیز ہوا آرہی ہے۔ کوئی بھی اڑ سکتا ہے۔ تمہیں ڈر لگ رہا تھا تو کھڑکی کو بند کر دینا چا تھا۔"

وہ ربی سے الگ ہو گئی۔ وہ وہاں سے چلتے ہوئے کے پاس آئے۔ پھر جھک کر فرش پر سے تصویر اٹھالی ی نظر شیبا کے بستر پر گئی۔ وہاں ایک فائل رکھا ہوا تھا۔ قریب آکر فائل کو اٹھاتے ہوئے بولے "تم فرہاد کی ہسٹ پڑھ رہی تھیں۔"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر قریب آ ہوئے بولی "میں نے سوچا، مجھے فرہاد کی کمزوریاں تلاش چاہئیں۔"

اور تلاش کرتے کرتے خود کمزور پڑ گئیں۔ اسی طرح بزدلی سے کام لوگی تو کیسے زندگی گزارو گی۔ جب تک سانس چل رہی ہے، تب تک زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر رسونتی اور فرہاد سے تمہارا ضرور ہو گا۔ اس کے لیے تمہیں پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔ اپنے آپ کو مضبوط اور مستحکم بنانا چاہیے۔ میں تمہیں کئی بار سمجھا چکا ہوں، خوف بُری بلا ہے۔ یہ بلا نظر نہیں آتی، اپنے اندر سے پیدا ہوتی ہے اور اندر ہی اندر کمزور بناتی چلی جاتی ہے۔ اسے دل اور دماغ سے نکالنے کی کوشش کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔ آج سے تم پر تنویمی عمل کیا کروں گا اور اس کے ذریعے تمہارے دماغ میں استحکام پیدا کروں گا۔"

وہ ربی کے سامنے فرش پر دو زانو ہو گئی۔ ان کے قدموں کو چھو کر کہا "مجھے کچھ نہیں چاہیے، بس یہاں سے باہر بھیج دیجیے۔ جب سے میں نے سنا ہے، رسونتی اور فرہاد ایسے افراد کے دماغوں میں پہنچیں گے جو آپ کے قریب رہتے ہیں یا جن پر آپ زیادہ مہربان ہیں، تب سے میں پریشان ہوں۔ یہ بات دماغ سے نکالنا چاہتی ہوں، لیکن یہی بات خوف میں، دہشت میں تبدیل ہوتی جاتی ہے۔ اگر میں یہاں سے چلی جاؤں گی تو یہ خوف ہٹ جائے گا۔"

انھوں نے تھپک کر کہا "اچھی بات ہے۔ میں کل صبح تمہاری روانگی کا فیصلہ کروں گا۔ شاید تمہیں کسی ایسی جگہ بھیج دوں جہاں میرے سوا کوئی تم تک نہ پہنچ سکے۔ چلو، اب آرام سے سو جاؤ۔"

وہ بستر پر آکر بیٹھ گئی۔ پھر ربی کی ہدایت کے مطابق چاروں شانے چت لیٹ گئی۔ اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ ربی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تنویمی عمل شروع کیا، لیکن یہ عمل جاری نہیں رہ سکا۔ بستر کے سرہانے والی میز پر رکھے ہوئے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ انھوں نے کہا "کمپیوٹر کا چینل بتا رہا ہے کہ ماسٹر کی ہمیں مخاطب کر رہا ہے۔ میں ذرا دیر بعد تنویمی عمل کروں گا۔ تم اسے ہینڈل کرو۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کے ایک بٹن کو دبایا۔ اس کے ساتھ ہی ماسٹر کی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا "مادام کمپیوٹر! تم نے اسرائیلی حکومت سے جو سودا طے کرایا تھا اس میں ہمیں ناکامی ہوئی ہے۔"

ربی اسفندیار نے اس کے ایک بٹن کو دبایا۔ آواز بند ہو گئی۔ دوسری طرف سے بھی کوئی ان کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔ ربی نے مشورہ دیا "بیٹی! اس سے پوچھو، کیا لیلی ابھی تک زندہ ہے۔ کیا وہ اس کی موجودگی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا؟"

شیبا نے ربی کے مشورے کے مطابق ایک بٹن کو آن کیا، وہی سوال تحریر کی صورت میں پیش کیا۔ دوسری طرف جو کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر ماسٹر کی کے پاس تھا، وہاں اسے تحریری جواب موصول ہو رہا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ماسٹر کی نے جواب دیا "ہاں، لیلی ابھی تک زندہ ہے۔ میں اس کے ذریعے سونیا کو ٹریپ کرنا چاہتا تھا۔"

شیبا نے ایک بٹن دبا کر تحریری سوال کیا "صرف سونیا کو کیوں؟ فرہاد کو کیوں بھول رہے ہو؟"

دوسری طرف سے جواب ملا "اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ وہ سجاد ہے۔ فرہاد کسی محفوظ پناہ گاہ میں چھپا ہوا ہے۔ اور اس کا بڑی توجہ سے علاج کیا جا رہا ہے۔ وہ ابھی تک جسمانی اور دماغی طور پر کمزور ہے۔ خیال خوانی نہیں کر سکتا ہے۔ صباکے علاقے میں صرف سونیا ہی ایک اہم مہرہ تھی۔ اسے میں نے بندر سری بیگوان آنے پر مجبور کیا تھا۔ وہاں کے ایک قدیم تاریخی محل میں جہاں ایک ہزار سات سو اٹھاسی کمرے ہیں، میرے دس ماتحت موجود تھے۔ وہ دسوں یوگا کے ماہر تھے۔ رسونتی ان کے دماغوں میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔ سونیا ان کے مقابلے میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی تھی لیکن ....!"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ربی اسفندیار نے ایک بٹن کو دبا کر اس کی آواز بند کر دی۔ پھر دوسرے بٹن کو دبا کر شیبا کی طرف سے تحریری جواب پیش کیا۔ وہ جواب یہ تھا "لیکن کے بعد کچھ نہ کہو۔ ہم سمجھ گئے ہیں۔ آج تک کون ان کے مقابلے میں ٹھہر سکا ہے جو تمہارے دس یوگا کے ماہر ٹھہر سکتے۔ تم نے فرہاد کو چیلنج کیا تھا مگر ایک سونیا کو ٹریپ نہ کر سکے۔"

ماسٹر کی نے کہا "مجھے طعنے نہ دو۔ میں ان کے مقابلے میں کمزور نہیں ہوں۔ ابھی ان کی چالوں کو سمجھ رہا ہوں کہ وہ کس انداز سے مقابلہ کرتے ہیں۔ سونیا کی مکاریاں مشہور ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا تھا، وہ ایسے زبردست دشمنوں کے مقابلے میں نہتی آکر کس طرح مقابلہ کرتی ہے۔ میرے آدمیوں نے اس کی تلاشی لی تھی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا بلیڈ تھا۔ اسے بلیڈ کے ساتھ محل میں جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ننھا سا بلیڈ میرے دس آدمیوں کے لیے مصیبت کا باعث بن جائے گا۔"

ربی اسفندیار نے پھر اس بٹن کو دبا کر آواز بند کر دی۔

شیبا کی طرف سے تحریری جواب پیش کیا: "ماسٹرکی! میں تمہاری صفائی نہیں سننا چاہتی۔ تمہاری ناکامی کی وجہ سے مجھے اسرائیلی حکام کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ میں نے ان سے سودا کیا تھا۔ اور یہ سودا تم تک پہنچا دیا تھا۔ میں کچھ نہیں جانتی وہ چاہتے ہیں لیلیٰ کسی طرح زندہ نہ رہے۔ اگر تم سونیا یا فرہاد کو ٹریپ کرنا چاہتے ہو تو کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو لیکن لیلیٰ کو پہلی فرصت میں ختم کردو۔"

ماسٹرکی نے کہا: "تازہ ترین اطلاعات کے مطابق لیلیٰ کو بندر سری بیگوان کے ایک اسپتال میں پہنچایا گیا ہے۔ سونیا اس کے کمرے میں ہے۔ رسونتی یقیناً خیال خوانی کے ذریعے اس کی نگرانی کر رہی ہوگی۔ ہم موقع کی تاک میں ہیں۔ میں دو چار گھنٹے کے اندر لیلیٰ کی موت کی خوش خبری سناؤں گا۔ ویٹس آل۔"

ربی اسفندیار نے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کو آف کر دیا۔ پھر بے چینی سے شیبا کے بیڈ روم میں ٹہلنے لگے، بڑبڑانے لگے: "میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ ماسٹرکی کو لیلیٰ کے ذریعے سونیا اور فرہاد وغیرہ تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو سونیا، لیلیٰ تک پہنچ جائے گی اور اسے لے اُڑے گی آخر یہی ہوا۔"

وہ بڑبڑا رہے تھے اور ٹہل رہے تھے۔ شیبا انہیں دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے پوچھا: "ابھی ماسٹرکی کہہ رہا تھا، سونیا نے ایک ننھے سے بلیڈ کے ذریعے اس کے دس آدمیوں کو شکست دی۔ بھلا اس نے ایسا کیا کیا ہوگا؟"

ربی اسفندیار نے جھنجلا کر کہا: "جہنم میں گئی سونیا، کوئی مجھ سے پوچھے کہ شیطان نظر کیوں نہیں آتا۔ وہ کہاں چھپ کر اپنے کارنامے انجام دیتا رہتا ہے۔ تم اس کی مکاریوں کے قصے پڑھتی رہو گی تو پڑھتی ہی چلی جاؤ گی، حتیٰ کہ زندگی گزر جائے گی۔"

وہ ٹہلتے ٹہلتے اور بڑبڑاتے بڑبڑاتے رُک گئے۔ پھر ایک ہاتھ سے سر تھام کر بولے: "بیٹی مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں خواہ مخواہ جھنجلاہٹ میں مبتلا ہو رہا ہوں۔ جو ہوتا ہے ہونے دو۔ ماسٹرکی نے وعدہ کیا ہے، دو چار گھنٹے میں لیلیٰ کی موت کی خبر سنائے گا۔ چلو آرام سے لیٹ جاؤ۔ میں تنویمی عمل کروں گا۔"

وہ بیٹی ان کی ہدایت کے مطابق آرام سے بستر پر چت لیٹ گئی۔ اُدھر ربی اسفندیار نے تنویمی عمل شروع کیا، اِدھر میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ میں نے رسونتی اور سونیا کو، ربی اسفندیار، شیبا اور ماسٹرکی کے درمیان ہونے والی گفتگو کے متعلق تمام باتیں بتائیں۔ پھر کہا: "اب میں رسونتی بن کر ربی سے رابطہ قائم کر رہا ہوں اور اسے دھمکی دے رہا ہوں کہ ہم نے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہونے والی گفتگو اس مشین کے ذریعے سُن لی ہے جسے سونیا نے پاکستان میں تیار کرایا تھا اور ایک بار وہ مادام کمپیوٹر بن کر ماسٹرکی وغیرہ سے رابطہ قائم کر چکی تھی۔"

پھر میں نے یہی کیا۔ ربی اسفندیار کے دماغ پر دستک دی۔ انھوں نے پوچھا: "کون رسونتی؟"

"ہاں، میں بول رہی ہوں۔ آخر آپ کا جھوٹ پکڑا گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"ماسٹرکی یہ بھول گیا تھا کہ سونیا نے پاکستان میں ایسے ہی کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کا ایک بہت بڑا سیٹ تیار کرایا تھا جس میں تمام چینل تھے۔ مادام کمپیوٹر مختلف چینل پر مختلف افراد سے باتیں کرتی تھی۔ اسی طرح سونیا نے ایک بار مادام کمپیوٹر بن کر ماسٹرکی وغیرہ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ یہ بات آپ نہیں جانتے۔ اگر یقین نہ ہو تو ماسٹرکی سے پوچھ سکتے ہیں۔ اس نے بڑی حماقت کی جو مادام کمپیوٹر سے مخاطب ہوا۔ ہم اس چینل پر ہونے والی گفتگو سُن رہے تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم مادام کمپیوٹر تک نہیں پہنچ سکے۔ وہ کمبخت بڑی چالاک ہے۔ صرف تحریر کی صورت میں جواب دیتی ہے۔ اپنی آواز نہیں سناتی۔"

ربی اسفندیار میری اس بات پر خوش ہو رہے تھے کہ ہم مادام کمپیوٹر تک نہیں پہنچ سکے لیکن یہ پریشانی تھی کہ ہم نے ماسٹرکی کی باتیں سُن لی تھیں۔ انھوں نے ڈھیٹ بن کر پوچھا: "آخر ماسٹرکی نے مادام کمپیوٹر سے کیا کہا ہے اور جو کچھ بھی کہا ہے اس سے میرا کیا تعلق ہے؟"

"مادام کمپیوٹر نے آپ کی حکومت سے لیلیٰ کا سودا کیا۔ پھر یہ سودا اس نے ماسٹرکی سے کیا۔ شرط یہی تھی کہ وہ زندہ نہ رہنے پائے اور ماسٹرکی چاہتا تھا کہ لیلیٰ کے ذریعے ہمیں ٹریپ کیا جائے۔"

ربی اسفندیار نے انجان بن کر پوچھا: "اس کے ذریعے تم لوگوں کو کیسے ٹریپ کیا جا سکتا تھا؟"

"آپ اتنے انجان بھی نہ بنیں۔ سونیا صبا کے علاقے میں تھی۔ ماسٹرکی نے اس سے کہا تھا، اگر لیلیٰ کو زندہ دیکھنا چاہتا ہے تو اس سے تنہائی میں بات کرے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ماسٹرکی نے مادام کمپیوٹر کو بتایا ہے۔ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔ ماسٹرکی نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ دو چار گھنٹے میں لیلیٰ کی موت کی خوش خبری سنائے گا۔ میں یہ پیشگوئی کرنا مناسب سمجھتی ہوں کہ اگر واقعی دو چار گھنٹے کے اندر لیلیٰ کی موت واقع ہوئی تو صبح ہونے تک تل ابیب کھنڈر بن جائے گا۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"جو کہنا تھا، کہہ چکی ہوں۔ اب اس کا عملی ثبوت صبح مل جائے گا۔ اگر ہماری دُشمنی منظور نہیں ہے تو ماسٹرکی سے اپنا سودا واپس لے لو۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ اب واپس جا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ اُسے تمام باتیں بتائیں۔ وہ سونیا کو بتانے لگی۔ صبح ہو چکی تھی۔ میں نے اعلیٰ بی بی کے خاص ماتحت کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا: "جناب! حاضر ہو رہا ہوں۔"

میں نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے کہا: "سجاد صاحب یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے حیرانی سے کہا: "کون سجاد؟"

اسی وقت ایک اجنبی دروازے پر آ گیا۔ اس کا قد میرے برابر تھا۔ جسامت میں میری طرح تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "بھائی جان!" پھر آگے بڑھ کر میرے گلے لگ گیا۔ وہ سجاد علی تیمور تھا۔

میں نے پوچھا: "تم اچانک کیسے چلے آئے؟"

"یہ اعلیٰ بی بی کا منصوبہ ہے کہ یہاں آؤں، آپ کی جگہ لوں اور آپ کو یہاں سے روانہ کر دیا جائے۔ میرے ساتھ پلاسٹک سرجری کا ایک ماہر بھی ہے جو آپ کے چہرے میں تبدیلی کرے گا اور میرا چہرہ آپ کی طرح بنائے گا یعنی میں بابر جلال کے روپ میں رہوں گا۔ دشمن یہی سمجھیں گے کہ جس سجاد علی تیمور کو وہ تہ خانے سے یہاں تک سمجھتے آ رہے ہیں، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، وہ حقیقتاً سجاد ہے اور میں حقیقتاً سجاد ہی ہوں۔"

میں نے اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کیا۔ اُس نے کہا: "جب ماسٹرکی نے یہ انکشاف کیا کہ ایک طیارے میں ٹائم بم رکھا گیا ہے اور تمہارے وہاں سے نکلنے کے راستے مسدود کیے جا رہے ہیں۔ تب ہی سے میں نے یہ منصوبہ بنا لیا تھا اور سجاد کو یہاں سے روانہ کر دیا تھا۔ لٰہذا تم وہی کرو جو سجاد کہہ رہا ہے۔"

"سونیا اور لیلیٰ کا کیا ہوگا؟"

"انہیں ہم کسی طرح نکال کر لے آئیں گے۔"

"جب تک وہ دونوں بحفاظت یہاں سے نہیں جائیں گی، میں بھی یہیں رہوں گا۔"

"میں جانتی تھی تم یہی ضد کرو گے۔ کیا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے کہ سونیا اور لیلیٰ کی حفاظت کر سکوں گی؟"

"مجھے تم پر اعتماد ہے لیکن انہیں ایسی حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا جب کہ آج ہی دشمنوں سے زبردست ٹکراؤ ہو چکا ہے۔ وہ لیلیٰ کی جان لینے کے درپے ہیں۔"

میں نے اعلیٰ بی بی کو ماسٹرکی، ربی اسفندیار اور شیبا کے درمیان ہونے والی گفتگو کے متعلق بتایا۔ پھر یہ بھی بتایا کہ میں نے رسونتی بن کر ربی اسفندیار کو کس طرح دھمکی دی ہے۔ اعلیٰ بی بی نے کہا: "یقیناً اس دھمکی کا اثر ہوگا۔ تم معلوم کرو، ماسٹرکی کے آدمی لیلیٰ کی تاک میں ہیں یا نہیں؟"

"میں ابھی معلوم نہیں کر سکتا کیوں کہ شیبا سو رہی ہے۔ ہم صرف اسی کے ذریعے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ ورنہ ربی اسفندیار اپنے دماغ میں آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ دیتا بھی ہے تو اس کے ذریعے مطلوبہ معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ ماسٹرکی تک پہنچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اس کا ایک نیا مُہرہ ہمارے ہاتھ آیا ہے۔ بہروز آفندی ہمارے لیے خدمات انجام دے گا۔ ذرا ٹھہرو، میں معلوم کروں، وہ کہاں ہے؟"

میں نے معلوم کیا۔ وہ ایک طیارے میں سفر کر رہا تھا۔ اس کے زخمی بازو کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی اور وہ گہری نیند میں تھا۔ اس کے خوابیدہ دماغ سے معلوم ہوا، ابھی وہ سفر کر رہا ہے۔ جب ماسٹرکی تک پہنچے گا تو اس سے کچھ کام لیا جا سکے گا۔ میں نے یہ بات اعلیٰ بی بی کو بتا دی۔

"یہ کیسے پتا چلے گا کہ لیلیٰ پر قاتلانہ حملہ نہیں کیا جائے گا؟"

"ماسٹرکی نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے مادام کمپیوٹر سے وعدہ کیا تھا کہ دو چار گھنٹے م... ...ت کی خوشخبری سنائے گا۔ اگر یہ چار گھنٹے گزر گئے ... ...ب یہی ہوگا کہ ربی اسفندیار نے مادام کمپیوٹر کے ...ے لیلیٰ ثانی تک پہنچنے سے روک دیا ہے۔"

"فی الحال تم میرے منصوبے پر عمل کرو۔ سجاد جس روپ میں آیا ہے، وہی روپ اختیار کر لو۔"

"کیا یہ کسی زندہ شخص کا روپ ہے؟"

"ہاں، ہمارے ادارے میں رومیو کاسترو نام کا ایک نوجوان ہے۔ سجاد اسی کا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات لے کر تمہارے پاس پہنچا ہے۔ تم رومیو کاسترو کے پاسپورٹ کے ذریعے پیرس پہنچ سکتے ہو۔ اگر سونیا اور لیلیٰ کی وجہ سے نہیں آنا چاہتے تو نہ سہی۔ فی الحال روپ بدل لو۔ آزادی سے گھومتے رہو۔ دشمن تم پر شبہ نہیں کریں گے۔ تمہاری جگہ سجاد میرے آدمیوں کے درمیان رہے گا۔"

ڈاکٹر شیفرڈ نے میرے چہرے پر کچھ اس طرح پلاسٹک سرجری کی تھی کہ دوسرا ماہر بہ آسانی اس میں تبدیلیاں پیدا کرسکتا تھا۔ سجاد کے ساتھ سرجری کا جو ماہر بابا صاحب کے ادارے سے آیا تھا، اس نے میرے چہرے میں تبدیلیاں کیں۔ مجھے رومیو کاسترو بنادیا۔ صبح نو بجے میں نے آئینے کے سامنے اپنے آپ کو اس روپ میں دیکھا۔ وہ اچھا خوبرو نوجوان تھا۔ اس کے متعلق سجاد معلومات فراہم کرنے لگا۔ اس سے ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد میں اسپتال پہنچ گیا۔ لیلیٰ کی حالت سنبھل گئی تھی۔ سونیا اسی بستر پر ایک طرف سکڑی ہوئی سو رہی تھی۔ میں نے اسے بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیلیٰ نے مجھے اجنبی سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں پہنچ کر رسونتی کے لب و لہجے میں کہا "یہ ہمارے ہی آدمی ہیں، تمہاری خیریت معلوم کرنے آئے ہیں۔"

"میں نے مسکرا کر اسے دیکھا، پھر پوچھا "تم کیسی ہو؟"

"شکریہ، ٹھیک ہوں۔"

"تم کیا محسوس کرتی ہو، کب تک اپنے پاؤں پر کھڑی ہوجاؤ گی؟"

"مجھے صرف چھ گھنٹوں کا آرام و سکون مل جائے۔ میں پھر کسی کی محتاج نہیں رہوں گی۔"

"مجھے معلوم ہوا ہے، تم بہت ہی پختہ عزم اور مضبوط قوتِ ارادی رکھنے والی لڑکی ہو۔"

"مجھے سونیا اور رسونتی سے اتنی محبت اور اتنی توجہ مل رہی ہے کہ زندگی میں آج تک کسی سے بھی نہیں ملی۔ میں ان کی شکر گزار ہوں۔"

"کیا تم سونیا کے ساتھ رہنا پسند کرو گی؟"

"اس سے بڑی خوش نصیبی اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ میں ان کے ساتھ رہ کر قدم قدم پر بہت کچھ سیکھتی رہوں گی۔"

اسی لمحے سونیا نیند میں کسمسانے لگی۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "میں اس کمرے میں موجود ہوں مگر اجنبی کے روپ میں ہوں۔"

اس نے سوچ کے ذریعے جواب دیا "مجھے معلوم ہے۔ ابھی رسونتی نے بیدار کیا ہے۔ وہ کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہے، تم رسونتی کے پاس پہنچو۔"

میں نے رسونتی سے پوچھا "کیا بات ہے؟"

اچانک ہی پروگرام میں تبدیلی ہوئی ہے۔ اعلیٰ بی بی کہہ رہی ہے۔ ہمارا ایک چارٹرڈ طیارہ بندرسری بیگوان کے ایئرپورٹ پر موجود ہے۔ اس طیارے میں کوئی سازش نہیں کی جاسکتی۔ اسے اچھی طرح چیک کرنے کے بعد بھیجا گیا ہے۔ اس کا پائلٹ اور کو پائلٹ ہمارے اپنے آدمی ہیں۔ میں نے ان کے دماغوں کو اچھی طرح پڑھ لیا ہے۔ تم بھی اپنا اطمینان کرسکتے ہو۔"

"پروگرام بتاؤ۔"

"اسی وقت سونیا، لیلیٰ اور سجاد کو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ تم رومیو کاسترو کے روپ میں ہو۔ تم پر کوئی شبہ نہیں کرے گا۔ جب چاہو گے، یہاں سے جاسکو گے۔"

"اچھی بات ہے۔ تم سونیا سے پروگرام طے کرو۔ میں جا رہا ہوں۔"

"کیا اسپتال میں آتے ہوئے تمہیں کسی دشمن نے نہیں دیکھا ہوگا؟"

"میں پچھلے دروازے سے چھپ کر آیا ہوں۔ کسی نرس، وارڈ بوائے نے بھی نہیں دیکھا ہے۔ اسی طرح میں پچھلے دروازے سے نکل کر جا رہا ہوں۔ میرے آنے اور جانے کے متعلق صرف اعلیٰ بی بی کے ماتحت جانتے ہیں۔"

میں وہاں سے چلا آیا۔ اس شہر کی سیر کرتے ہوئے ایک خوبصورت سے باغیچے میں پہنچا۔ پھر وہاں بیٹھ کر خیال خوانی کے ذریعے دیکھنے لگا۔ لیلیٰ کو وہاں سے ایئرپورٹ پہنچایا جا رہا تھا۔ سونیا اور سجاد اس کے ساتھ تھے۔ جب وہ لوگ طیارے کے اندر پہنچے تو میں نے پائلٹ اور کو پائلٹ کے دماغ میں جھانک کر اطمینان کرلیا۔ پریشانی کی بات نہیں تھی۔ طیارے کے اندر لیلیٰ کے آرام سے سونے، بیٹھنے کا انتظام تھا۔ تمام ضروری دواؤں کا ذخیرہ بھی کردیا گیا تھا تاکہ کسی وجہ سے کہیں سفر ملتوی ہو تو لیلیٰ کے علاج میں کمی نہ ہو۔

میں مطمئن ہوکر بہروز آفندی کے دماغ میں پہنچا۔ وہ اپنی رہائش گاہ میں آرام کر رہا تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ وہ چونک کر خلا میں تکنے لگا۔ "میں رسونتی بول رہی ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ ہمارے لیے خدمات انجام دو گے۔"

"مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں زبان کا دھنی ہوں۔ آپ لوگوں کے لیے جان کی بازی بھی لگا سکتا ہوں۔"

"فی الحال تمہاری جان کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ماسٹر کی کی مصروفیات کے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ خصوصاً لیلیٰ ثانی کے متعلق اس کے منصوبے کیا ہیں؟"

"مجھے ایک ہفتہ آرام کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ میں اپنے بستر پر پڑا ہوا ہوں۔ ایک ہفتے سے پہلے میں ماسٹر کی کے کسی آدمی سے بھی نہیں مل سکتا، نہ کوئی میرے پاس آئے گا۔ نہ میں

کسی کے پاس جاؤں گا۔"

"پھر تو تم ابھی میرے لیے بے کار ہو۔ میں آئندہ پھر کبھی رابطہ قائم کروں گی۔"

میں اس کے دماغ سے چلا آیا۔ مجھے معلوم کرنا تھا کہ دشمنوں کے منصوبے کیا ہیں۔ ادھر سونیا، لیلیٰ اور سجاد طیارے کے ذریعے روانہ ہوچکے تھے۔ میں نے شیبا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں صبح ہوئی تھی۔ شیبا کی عادت تھی، روز صبح اٹھ کر چہل قدمی کرتی تھی۔ ہلکی سی ورزش بھی کرتی تھی۔ اس کے بعد کھلی فضا میں ملائم گھاس پر پلتھی مار کر بیٹھتی تھی۔ پھر زیر لب عبرانی زبان میں دعائیں پڑھنے لگتی تھی تاکہ دل کو سکون ملے اور نادیدہ خوف اس کے دماغ سے جاتا رہے۔ میں نے اس کے دماغ میں یہ بات پیدا کی "لیلیٰ زندہ ہوگی یا مرچکی ہوگی؟"

اس کی سوچ نے کہا "ہاں، ماسٹر کی نے وعدہ کیا تھا دو چار گھنٹے میں اس کی موت کی خوش خبری سنائے گا لیکن ابھی تک اس نے رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔"

سوچتے سوچتے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس کے سامنے ربی اسفند یار گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے دماغ پر دستک دی۔ انہوں نے پوچھا "کون، رسونتی؟"

"ہاں، میں بول رہی ہوں اور یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں، آپ نے لیلیٰ کے سلسلے میں کیا کیا ہے؟"

"میں نے سرکاری ذرائع سے ماسٹر کی کو یہ پیغام پہنچادیا ہے کہ اسے کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"اور اگر نقصان پہنچ گیا تو؟"

"میں اپنا فرض ادا کرچکا ہوں۔ اس سے زیادہ کیا کرسکتا ہوں۔ ہاں، اگر ماسٹر کی نے ہماری بات نہ مانی تو ہم اس کے خلاف کارروائی کریں گے۔ ابھی میں مصروف ہوں۔ پلیز، میرے دماغ سے چلی جاؤ۔ بعد میں رابطہ قائم کرلینا۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے سانس روک لی۔ میں شیبا کے پاس پہنچ گیا۔ شیبا نے پوچھا "آپ کس سوچ میں گم ہیں؟"

"رسونتی نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ میں نے فوراً ہی اسے ٹال دیا ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا تو وہ میرے دماغ میں رہ کر تمہاری موجودگی کو کسی طرح سمجھ سکتی تھی یا اچانک ہی تم کھانستیں یا بے اختیار تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلتی تو وہ پلک جھپکتے ہی مادام کمپیوٹر تک پہنچ جاتی۔ یہ کمبخت فرہاد کی ٹیم میں جو لوگ ہیں، کبھی ان پر تقدیر مہربان ہوتی ہے اور کبھی یہ اپنی صلاحیتوں سے کامیابی تک پہنچ جاتے ہیں۔ میں انہیں ایسا کوئی موقع نہیں دوں گا۔"

"محترم ربی! اسی لیے کہتی ہوں، مجھے کچھ عرصے کے لیے دور کردیں۔ آپ بھی میرے قریب نہیں رہیں گے تو خطرہ ٹل جائے گا۔"

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ آج رات تم یہاں سے لندن کے لیے روانہ ہوجاؤ گی۔ وہاں تمہاری رہائش کے انتظامات کیے جارہے ہیں۔"

"کیا میں لندن میں رہوں گی؟"

"نہیں، وہاں سے تم ہیلی کاپٹر کے ذریعے آئلس آف مین کے جزیرے میں جاؤ گی۔ اس جزیرے میں برائیڈ نامی ایک چھوٹا سا ٹاؤن ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے آخری ایام وہاں گزارنے کے لیے ایک چھوٹا سا محل نما بنگلا خریدا تھا۔ اس کے چاروں طرف مویشیوں کا فارم ہے۔ وہاں تم رہوگی تو تمہارا دل لگے گا۔ تمہاری خدمات کے لیے میرے نوکر چاکر ہوں گے۔ وہ سب اعتماد کے لوگ ہیں۔ باہر والوں کو نہ تو اندر آنے دیں گے اور نہ ہی اندر کا آدمی باہر تمہارے متعلق کوئی اطلاع پہنچا سکے گا۔"

"اگر مجھ پر کوئی افتاد آپڑے تو؟"

"میرے ملازمین سیدھے سادے نہیں ہیں۔ بہت اچھے فائٹر ہیں۔ اب سے چالیس پچاس برس قبل والے کاؤ بوائز کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی زندگی کا زیادہ حصہ گھوڑوں کی پیٹھ پر گزرتا ہے۔ ریوالور اور رائفلوں سے تو کھلونوں کی طرح کھیلتے ہیں۔"

"کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ وہاں کوئی ہماری مرضی کے خلاف نہیں آسکے گا؟"

"ہاں، مجھے یقین ہے۔"

"پھر تو میں اپنی ماما کو ساتھ لے جاسکتی ہوں۔"

ربی نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر کہا "تم نے ہر طرح کی قربانی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ قربانی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اپنی جان دے دی، زندگی ختم کردی اور دنیا میں نام پالیا۔ نہیں، زندہ رہ کر بڑی سے بڑی قربانی دینے کا نام اصل میں قربانی ہے۔ ماں کی ممتا کو بھول جاؤ۔ اپنی محبت کو کچل دو۔ ماما کے قریب جانے، اس کے سائے میں رہنے، اس کی آغوش میں منہ چھپانے کا خیال دل سے نکال دو۔ یہ جذباتی باتیں ہیں۔ تمہیں عملی زندگی گزارنا ہے اور تم گزار رہی ہو۔"

اسی وقت ایک ملازم دوڑتا ہوا بنگلے کے اندر سے آیا۔ پھر کہنے لگا "محترم ربی! آپ کے نام ٹیلی فون آیا ہے۔ کوئی صاحب اہم اطلاع دینا چاہتے ہیں۔"

ربی نے وہاں سے اٹھتے ہوئے کہا "میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ جانے لگے۔ شیبا اپنی ماں کے متعلق سوچ رہی تھی۔ اس سے جدائی کا خیال دل میں کچوکے لگا رہا تھا۔ ان کے جاتے ہی وہ چپ چاپ ماں کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہاں پہنچتے ہی اسے چونکنا پڑا۔ ابھی جو ٹیلی فون ربی اسفندیار کے نام آیا تھا' وہ دراصل شیبا کے گھر میں ہونے والی قتل کی واردات سے تعلق رکھتا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ کسی نے اس کے باپ کو گولی مار دی تھی۔ اس کی ماما قسمیہ بیان دے رہی تھی کہ کوئی دشمن اسے گولی مارنا چاہتا تھا۔ اُس لمحے وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے آئینے میں کھڑکی کے پاس کسی نقاب پوش کو دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھتے ہی وہ چیخ پڑی تھی۔ چیخ سُن کر شیبا کا باپ فوراً اس کے سامنے آیا تھا اور اس سے پوچھ رہا تھا' کیا بات ہے؟ اسی وقت گولی چل گئی تھی۔ اگر وہ نہ آتا تو قاتل کا نشکار یقیناً اس کی ماما ہوتی۔

شیبا کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ فوراً ہی ماما کے آس پاس رہنے والوں کے دماغوں میں جھانکتی جا رہی تھی۔ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی' آخر کسے اس کی ماما سے دشمنی ہو سکتی ہے۔ اگر ماما کا بیان غلط ہے تو باپ سے کون دشمنی کر سکتا ہے۔ بات تو ایک ہی تھی۔ خواہ باپ کو گولی ماری جاتی یا ماں کو۔

وہ خیال خوانی کے ذریعے جن لوگوں کے دماغوں میں پہنچ رہی تھی' میں بھی پہنچتا جا رہا تھا۔ میں خود تجسس میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اچانک قتل کی واردات شیبا کے ہاں کیوں ہوئی؟ کون اس کے والدین کو قتل کرنا چاہتا تھا؟ یہ بہت ہی اہم سوالات تھے۔

شیبا آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس عمارت کے اندر جا رہی تھی۔ اسی وقت ربی تیزی سے چلتے ہوئے باہر آیا۔ اس نے اس کے دونوں شانوں کو پکڑ کر بڑی محبت سے کہا "بیٹی! میں ایک بُری خبر سُنانے والا ہوں۔ حوصلہ رکھو۔"

"میں معلوم کر چکی ہوں۔"

"پھر تو تمہیں وہاں موجود رہنے والوں کے دماغوں میں پہنچنا چاہیے۔"

"میں نے سب کو ٹٹول لیا ہے۔ سب اپنے ہیں۔ کوئی دشمن نہیں ہے۔"

"پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آج تک تمہارے خاندان والوں کی کسی کی دشمنی نہیں ہوئی۔ اب کیسے ہو سکتی ہے؟"

ایسا کہتے ہوئے ربی اسفندیار نے یکبارگی چونک کر کہا "اوہ گاڈ' کیا رسونتی اپنا چیلنج پورا کر رہی ہے؟"

شیبا نے چونک کر ربی کو دیکھا۔ انہوں نے سر ہلا کر کہا "ہاں بیٹی، تمہیں یاد ہے' رسونتی نے چیلنج کیا تھا اگر لیلیٰ سے دشمنی کی جائے گی، اس کی جان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی تو وہ میرے آس پاس رہنے والے افراد کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

وہ شیبا سے کہہ رہا تھا اور میں غصّے سے سوچ رہا تھا کاش میں چپ چاپ ربی اسفندیار کے دماغ میں پہنچ کر کچھ معلوم کر سکتا' لیکن معلوم کرنے کے لیے کیا رہ گیا تھا۔ کھلی سازش کا علم ہو رہا تھا۔ ربی چاہتا تھا کہ شیبا کے ماں باپ اس دنیا میں نہ رہیں۔ جب نہیں رہیں گے تو محبت پہلے تو جوش مارے گی۔ پھر آہستہ آہستہ اُسے صبر آ جائے گا۔ جیسے ہر مرنے والے کے عزیز و اقارب کو صبر آ جاتا ہے۔ اب مجھے اس کی ماما کا بیان درست نظر آ رہا تھا۔ کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا نقاب پوش یقیناً ماما کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن باپ درمیان میں آ گیا تھا۔

وہ اس کی ماما کو قتل کیوں کرنا چاہتا تھا؟ جواب بھی سمجھ میں آ گیا۔ شیبا سب سے زیادہ ماما سے متاثر تھی۔ دن رات اس کے متعلق سوچتی تھی۔ اسے اپنے ساتھ لے جانا بھی چاہتی تھی۔ بھلا ربی اس بات کو کیسے برداشت کرتا کہ ان کے راز میں کوئی شریک رہے۔ خواہ شیبا کی ماں ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لیے اس نے سب سے پہلے ماں کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے منصوبے کے مطابق شیبا پہلے تو اس کی موت پر روئے گی۔ پھر صبر کر لے گی۔ اس کے بعد وہ دوسرے رشتے داروں سے ملنے کی تمنا نہیں کرے گی۔

ربی نے بڑی زبردست پلاننگ کی تھی۔ وہ پہلے ہی شیبا کو بتا چکا تھا کہ رسونتی نے چیلنج کیا ہے اور اب یہ ثابت کر رہا تھا کہ وہ چیلنج رسونتی نے پورا کر دیا ہے۔ آج باپ کو ٹھکانے لگایا گیا ہے، کل اس کی ماں کو ٹھکانے لگانا چاہے گی۔

شیبا نے تڑپ کر کہا "میرے بزرگ! میری ماما کو بچا لیجیے۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری ماما کے اطراف اتنا سخت پہرہ بٹھاؤں گا کہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکے گا۔"

"یہاں پرندے کے پر مارنے کا سوال نہیں ہے۔ یہ تو ٹیلی پیتھی کی پرواز ہے۔ وہ ہزار پہرے توڑ کر میری ماما تک پہنچ سکتے ہیں۔"

یہ کہتے کہتے وہ چونک گئی۔ دوسرے لفظوں میں میں نے اسے چونکا دیا۔ اس کے دماغ میں خیال پیدا کیا۔ جب رسونتی خیال خوانی کے ذریعے ماما کو ٹریپ کر سکتی ہے تو کسی کے ذریعے اُسے گولی مارنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس نے یہی سوال کیا۔ "رسونتی اگر چاہتی تو میری ماما کو زہر کھانے پر مجبور کر سکتی تھی۔ انہیں کسی اونچی عمارت کی بلندی پر لے جاتی یا کسی ریل گاڑی سے ٹکرانے پر مجبور کر دیتی۔ کسی کو آلۂ کار بنا کر ماما کو گولی مارنے کا منصوبہ اس نے کیوں بنایا؟"

پہلے تو ربی اسفندیار گڑبڑائے۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولے۔ "بیٹی! تم ان کی چالاکیوں کو نہیں سمجھتی ہو۔ اس نے ایک آلۂ کار کے ذریعے ایسا کیا ہے تاکہ ٹیلی پیتھی جاننے والوں پر الزام نہ آئے۔"

"لیکن وہ ہمیشہ کسی کو آلۂ کار نہیں بنائیں گے۔ جب دیکھیں گے کہ آپ نے سخت پہرہ لگا رکھا ہے تو پھر ٹیلی پیتھی کا استعمال کریں گے۔ براہِ راست ماما کے دماغ میں پہنچیں گے اور انہیں اپنے طور پر ٹریپ کریں گے۔"

"تمہاری ماما کو بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ کمپیوٹرکم ٹرانسمیٹر کے ذریعے ماسٹرکی سے رابطہ قائم کرو اور سختی سے منع کرو کہ لیلیٰ کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس طرح تمہاری ماما محفوظ رہیں گی۔"

ربی اسفندیار کی ہر بات کی کاٹ کرنا ضروری تھا۔ میں نے شیبا کے دماغ میں سوچ پیدا کی۔ اس نے اس کے مطابق کہا "میں ماسٹرکی سے ایسا کہہ دوں گی۔ وہ لیلیٰ کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، لیکن رسونتی کی نظروں میں میری ماما کی اہمیت بڑھ جائے گی۔ وہ جب بھی ہمیں بلیک میل کرنا چاہے گی تو ماما کی زندگی خطرے میں ڈال دیا کرے گی۔"

"تم آئندہ کی بات کر رہی ہو۔ تمہاری ماما کی اہمیت اب بھی رسونتی کی نظروں میں ہے۔ تبھی تو وہ انہیں ہلاک کرنا چاہتی ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔"

شیبا نے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر وہ میری ماما تک کیسے پہنچ گئی۔ کس لیے نہیں اہم سمجھ رہی ہے محترم! پلیز مجھے اجازت دیجیے۔ میں اپنی ماما کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔ رسونتی تمہاری ماما کے دماغ میں پہنچ چکی ہے۔ تم اُن کے ساتھ رہو گی تو وہ تمہارے دماغ میں پہنچ جائے گی۔ کیا تم اس کے لیے اپنے دماغ تک پہنچنے کا راستہ اتنا آسان بنا دینا چاہتی ہو؟"

وہ پہلے ہی خوف زدہ تھی' میں کہیں اس کے دماغ تک نہ پہنچ جاؤں۔ پھر بھلا وہ آسان راستہ کیسے بنا سکتی تھی۔ اس لمحے اس کے دماغ سے ماما کو ساتھ لے جانے کا خیال نکل گیا۔ ربی اسفندیار کی چال نہایت کامیاب رہی تھی۔ آئندہ وہ اس کی ماما کو کسی وقت بھی کسی کے ذریعے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ ہمیشہ کے لیے یہ قصّہ ختم ہو جاتا۔ شیبا دنیا میں تنہا رہ جاتی تو صرف ان کے اشاروں پر چلتی رہتی۔

میرا فرض تھا کہ میں اس کی ماما کی حفاظت کروں اور کسی طرح اسے ربی اسفندیار کی چال سمجھا دوں مگر جلد بازی سے کام لینا مناسب نہیں تھا۔ اس کے لیے اچھی خاصی پلاننگ کی ضرورت تھی۔ میں فی الحال خاموش رہا۔ چپ چاپ اپنی جگہ حاضر ہو کر سوچتا رہا مجھے کیا کرنا چاہیے۔ پھر مجھے سونیا، لیلیٰ اور سجاد کا خیال آیا۔ میں نے بہت دیر سے ان کی خبر نہیں لی تھی۔ اب خبر لینے پہنچا تو تھوڑی دیر کے لیے سکتے میں رہ گیا۔

ان تینوں کے دماغ بے حد کمزور تھے اور مجھے یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ کس حال میں ہیں اور کہاں ہیں۔ وہ طیارہ پرواز کر رہا ہے یا نہیں؟

میں نے پائلٹ اور کو پائلٹ کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ پھر یہی کہوں گا' کوشش کرنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ایسے وقت ناکامی ہوتی ہے۔ ان دونوں کے دماغ نہیں مل رہے تھے۔ گہری تاریکی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ خاموشی

اور موت کی سی خاموشی، کیا وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے تھے۔

اب ایسی صورت میں یہ سوچنا نادانی تھی کہ طیارہ پرواز کر رہا ہو گا۔ سونیا، سجاد اور لیلیٰ جہاں بھی تھے، وہاں کی نشاندہی فی الحال کسی طرح نہیں ہو سکتی تھی۔ اس حد تک اطمینان تھا کہ وہ تینوں محفوظ ہیں۔ طیارہ پرواز کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو، وہ ایسی جگہ ہیں جہاں انہیں جانی نقصان نہیں پہنچ رہا ہے۔

میں نے فوراً ہی رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو ان کے حالات بتائے۔ رسونتی سونیا کے دماغ میں جا کر دیکھنے لگی۔ میں اعلیٰ بی بی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے واپس آ کر کہا "تینوں بے ہوش ہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے یہ سب کچھ کیسے ہو گیا!"

"جب وہ ہوش میں آئیں گے۔ تب ساری باتیں معلوم ہو جائیں گی۔"

رسونتی نے پوچھا "کیا تم نے شیبا کے دماغ کو ٹٹولا تھا، کہیں ان کی شرارت نہ ہو؟"

"شیبا اور ربی اسفندیار اپنے معاملات میں الجھے ہوئے ہیں۔ شیبا کے باپ کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

میں رسونتی کو وہاں کے حالات بتانے لگا۔ کس طرح ربی اسفندیار ہمارے خلاف شیبا کو اور بھڑکا رہا ہے۔ آئندہ جب وہ اس کی ماما کو ہلاک کرانے میں کامیاب ہو جائے گا تو اس کا الزام بھی ہمارے سر آئے گا اور شیبا ہمیشہ کی طرح ہمیں دشمن تو سمجھتی رہی ہے پھر اور زیادہ ہم سے نفرت کرنے لگے گی۔

اعلیٰ بی بی نے کہا "تمھیں اس کی نفرت کی بڑی فکر ہے۔"

"کچھ اور نہ سمجھو۔ وہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ میں اپنی ٹیم میں اس کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ نفرت کی خلیج وسیع ہو جائے گی تو ہمارے لیے دشواریاں پیش آئیں گی۔ آخر ہم کب تک شیبا کے پاس جا کر اس کی نگرانی کرتے رہیں گے اور اس کے منصوبوں کو سمجھتے رہیں گے۔ جو دشمن ہے اور دوست بن کر ہمارے کام آ سکتا ہے تو اسے دوست بنانے کی راہ پر چلنا چاہیے۔"

اعلیٰ بی بی ہم سے باتیں کرنے کے دوران ٹرانسمیٹر پر فرانسیسی حکومت سے رابطہ قائم کر رہی تھی اور ان سے درخواست کر رہی تھی کہ سونیا اپنے ساتھیوں کے ساتھ جس طیارے میں آ رہی تھی، فوراً اس کا سراغ لگایا جائے۔

میں نے رسونتی سے پوچھا "پارس کہاں ہے؟"

"جانہ اسے جھیل کی طرف لے گئی ہے۔"

اس وقت اعلیٰ بی بی شیخ الفارس سے کہہ رہی تھی "آپ ہمارے ادارے کے تمام اسکاؤٹس کو تیار رکھیں۔ سونیا کا سراغ ملتے ہی انھیں وہاں بھیجا جائے گا۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کر دیا۔ پھر سر اٹھا کر آواز سننے لگی۔ بہت سے پرواز کرتے ہوئے طیاروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے رسونتی کے سامنے ادب سے جھک کر کہا "مادام! ہمارے علاقے میں بہت سے طیارے پرواز کرتے ہوئے آ رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی ملک کی فضائی فوج آ رہی ہو۔"

اعلیٰ بی بی نے فوراً ہی دوربین اٹھائی، کھڑکی کے پاس آ کر اسے آنکھوں سے لگاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ جتنے طیارے اسے نظر آ رہے تھے، شاید اس سے بھی زیادہ اس کے آگے پیچھے ہوں گے۔ وہ کاٹیج کے اندر تھی اس لیے تمام طیاروں کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے کہا "یہ کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں، ابھی کہنا مشکل ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب کے سب چارٹرڈ ہیں لیکن کسی نہ کسی ملک سے ان کا تعلق ضرور ہو گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی مسلسل دھماکوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ ان آوازوں کے ساتھ ہی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ لگ رہا تھا کہ بھگدڑ مچ گئی ہے۔ رسونتی چیخیں مارتی ہوئی کاٹیج سے باہر جانے لگی "پارس! میرا لال، میرا بچہ...."

اعلیٰ بی بی نے فوراً ہی اسے پکڑ لیا "کیوں حماقت کر رہی ہو۔ باہر بمباری ہو رہی ہے۔ دوسرے دروازے سے میرے ساتھ چلو۔ ہم قریب ہی کسی چٹان کے سائے میں پہنچ کر پناہ لیں گے۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔ میں اپنے بچے کے پاس جاؤں گی میرا بیٹا پارس..."

میں نے رسونتی سے کہا "نادان نہ بنو۔ وہ مرجانہ کے پاس ہے محفوظ رہے گا۔ تم اعلیٰ بی بی کے ساتھ جاؤ۔ میں پارس کی خیریت معلوم کرتا ہوں۔"

میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی بستی کی طرف آ رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ کو پڑھنے کی کوشش کی تو وہ رک گئی۔ سانس روک لیا۔ پھر اس نے پوچھا "کون ہے؟"

"میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

وہ پھر دوڑتے ہوئے بستی کی طرف جانے لگی۔ اور کہنے لگی "یہ کیا ہو رہا ہے۔ تمھیں کچھ علم ہے؟"

"میں ابھی رسونتی اور اعلیٰ بی بی کے پاس تھا۔ پتا چلا، بہت سے طیارے بیک وقت چاروں طرف سے آ رہے ہیں اور انھوں نے بمباری شروع کر دی ہے۔"

"یہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ اسی لیے جھیل کی طرف سے دوڑتی آ رہی ہوں۔"

"پارس کہاں ہے؟"

"میں نے اسے ایک عورت کے پاس چھوڑ دیا ہے۔ ابھی واپس جا کر لے لوں گی، اس کی فکر نہ کرو۔"

"مرجانہ، اندھا دھند دوڑتی نہ جاؤ۔ حالات کو سمجھو۔ ایسا نہ ہو کہ سبھی بمباری کا شکار ہو جائیں۔"

وہ ایسی جگہ سے گزر رہی تھی جہاں سے دھواں ہی دھواں اٹھ رہا تھا۔ پھر میں نے دیکھا، وہ لڑکھڑا کر گر پڑی تھی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"جو بم برسائے گئے ہیں، ان میں سے گیس خارج ہو رہی ہے۔ پتا نہیں کیسی گیس ہے، میرے اعصاب کمزور ہو رہے ہیں۔ میں سانس روک رہی ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے اس نے سانس روک لی۔ میں دماغ سے نکل آیا۔ میں نے اعلیٰ بی بی اور رسونتی کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔

آہ، پھر وہی کوشش۔ اس بار ان کے دماغ اس قابل نہیں تھے کہ ان سے دو باتیں کر سکتا یا اپنی سوچ کی لہروں کو وہاں زیادہ دیر ٹھہرا سکتا۔ کمزور دماغوں میں دوسری سوچ کی لہریں بوجھ بن جاتی ہیں۔ میں واپس آ گیا۔ میں نے ٹارزبلیا اور ٹارزغلیا دونوں کے دماغوں میں پہنچنے کی کوشش کی۔ ان کا بھی یہی حال تھا۔ ٹارزبلیا نے تو مرجانہ کی طرح سانس روک لی تھی لیکن غلیا کا دماغ بے حد کمزور ہو چکا تھا۔

اب سچویشن یہ تھی کہ مجھے کسی کے دماغ میں جگہ نہیں مل رہی تھی۔ کوئی ایک دماغ ایسا ہوتا جس کے اندر رہ کر وہاں کے حالات معلوم کر سکتا تو کسی نہ کسی طرح ان کی مدد کا کوئی راستہ نکالنے کی کوشش کرتا۔ میں اتنی دیر سے بندر سری بگوان کے ایک گارڈن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اب بیٹھا نہ رہ سکا۔ اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ میرے اندر ایسی ہلچل مچی ہوئی تھی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ میرے تمام عزیز ساتھی ایک ایک کر کے اتنی دور ہو رہے تھے کہ میری خیال خوانی بھی ان کے دماغوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ پہلے سونیا، سجاد اور لیلیٰ۔ پھر اعلیٰ بی بی، رسونتی، مرجانہ اور ٹارزبلیا۔ جیسے تقدیر مجھ پر غصہ دکھا رہی تھی یا جیسے

کوئی بہت بڑا گناہ مجھ سے سرزد ہو گیا تھا اور قدرت کی طرف سے مجھے سزا مل رہی تھی۔

میں نے پھر سونیا، لیلیٰ اور سجاد وغیرہ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ میں بار بار ایک ایک ساتھی کے دماغ میں اس امید پر جاتا تھا کہ کسی کا دماغ مجھے تھوڑی سی جگہ دے دے۔ پھر مجھے مرجانہ کے دماغ میں جگہ مل گئی۔ وہ زیادہ دیر تک سانس نہیں روک سکتی تھی۔ اب سانس لینے پر مجبور ہو گئی تھی۔ زمین پر رینگتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ دور اسے ٹارزبلیا نظر آ رہا تھا۔ وہ بھی ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مرجانہ کے ذریعے وہاں صرف خاموشی اور سناٹا نظر آ رہا تھا۔ ایک بچے کے بھی رونے کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جو بچے، عورتیں اور بوڑھے نظر آ رہے تھے، وہ سب کے سب زمین پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔

میں گارڈن میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا جیسے صرف میں زندہ رہ گیا ہوں، باقی ساری دنیا مر گئی ہے۔ جب اپنا سب کچھ لٹنے لگتا ہے تو ساری دنیا مردہ سی لگتی ہے۔ اب کچھ بھی نہیں رہا ہے۔

میرا دماغ بار بار یہی کہہ رہا تھا، مجھے فوراً وادیٔ قاف جانا چاہیے۔ سونیا، لیلیٰ اور سجاد کہاں ہیں؟ یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن رسونتی، اعلیٰ بی بی اور مرجانہ وغیرہ کے متعلق معلوم ہی تھا۔ میں وادیٔ قاف جا سکتا تھا۔ اس حقیقت کو بھی سمجھتا تھا، میرے جانے سے میرے اپنے ساتھیوں کا بھلا نہیں ہو گا۔ میں ان کا علاج نہیں کر سکوں گا۔ ہاں اتنا ضرور ہو گا کہ دشمنوں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس جاؤں گا۔ وہ میرے تمام ساتھیوں کو بے بس کر رہے تھے۔ شاید وادیٔ قاف میں میری موجودگی کی توقع بھی کر رہے تھے۔ میرے زخمی ہونے کے بعد یہ خبر عام ہوئی تھی کہ میں کسی محفوظ پناہ گاہ میں آرام کر رہا ہوں۔ اور علاج کروا رہا ہوں۔ اُن سب کے ذہن میں یہی بات ہو سکتی تھی کہ وہ محفوظ پناہ گاہ وادیٔ قاف ہے۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ دشمنوں کے اس طرح اچانک حملہ کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، کیا وہ گیس صرف جسمانی اور دماغی طور پر کمزور کرتی ہے۔ اعصاب کو کمزور بناتی ہے یا ہلاکت کا باعث بنتی ہے۔

اگر صرف جسم اور دماغ کو کمزور بناتی ہے تو یہ سمجھنا تھا کہ دشمن میرے تمام ساتھیوں کی کمزوری سے کیا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، اگر وہ میرے ساتھیوں کے پاس آتے ہیں اور

وادیٔ قاف سے انھیں کہیں لے جاتے ہیں تو وہاں پہنچ کر انھیں میری تلاش بھی ہوگی۔ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو پھر ان کے دماغوں کو دھچکا سا لگے گا۔ اتنی کوشش کرنے اور بیک وقت میرے تمام ساتھیوں پر حملہ کرنے کے باوجود میں ان کے ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔

ایک ضد تھی کہ وادیٔ قاف جانا چاہیے۔ دوسری طرف عقل سمجھا رہی تھی، صبر کرنا چاہیے۔ دیکھنا چاہیے کہ دشمن آگے کیا کرتے ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟

اچانک مجھے ماسٹر کا چیلنج یاد آیا۔ اس نے کہا تھا، ایک دن مجھے بُری طرح بے بس بنا دے گا۔ مجھے اپاہج بنا کر چھوڑ دے گا۔ دنیا والے میری حالت سے عبرت حاصل کریں گے۔ کیا وہ اس انداز میں مجھے بے بس بنانا چاہتا ہے؟

میں خود کو واقعی بے بس سمجھ رہا تھا۔ اپنے کسی ساتھی کے پاس پہنچ نہیں سکتا تھا۔ جہاں تھا، وہاں سے فوراً ہی پرواز کر کے جانے کی کوئی صورت نہیں تھی اور صورت بھی ہوتی تو دماغ رہ رہ کر سمجھا رہا تھا، وادیٔ قاف جانے کی حماقت نہیں کرنا چاہیے۔ بے بسی کا یہ عالم تھا کہ دماغ میں کوئی تدبیر نہیں آ رہی تھی۔ ماسٹر تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ بہروز آفندی سے معلوم ہو چکا تھا، وہ ایک ہفتے سے پہلے اپنے ماسٹر کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی اس کے کسی ماتحت سے رابطہ قائم کر سکے گا۔ میں ہر طرف سے کٹ گیا تھا۔

میں نے شیخ الفارس کو مخاطب کیا۔ انھیں اعلیٰ بی بی اور رسونتی وغیرہ کے حالات بتائے۔ وادیٔ قاف میں جو ہو چکا تھا، اس کی تفصیل سنائی۔ وہ پریشان ہو کر بولے "یہ اچانک کیا ہو رہا ہے؟"

"ہم خوش فہمی میں مبتلا رہے۔ دشمن ہمیں دوسرے محاذوں پر الجھاتے رہے لیکن اندر ہی اندر ایک منظم حملے کی پلاننگ کرتے رہے۔ وہ موقع کی تاک میں تھے کہ بیک وقت میرے تمام ساتھیوں کو کس طرح مفلوج بنایا جا سکتا ہے۔"

انھوں نے سمجھایا "بیٹے! حوصلے کی ضرورت ہے۔ تم اطمینان سے ایک جگہ بیٹھو اور وقفے وقفے سے ہر ایک کے دماغ میں پہنچتے رہو۔ دیکھیں، اس گیس کا اثر کتنی دیر رہتا ہے۔ میں یہاں ایسی ٹیموں کو منظم کر رہا ہوں جو وادیٔ قاف پہنچ کر صحیح حالات معلوم کر سکیں اور اعلیٰ بی بی وغیرہ کی مدد کر سکیں۔"

مجھے یقین تھا، وہ فرانسیسی حکومت کے تعاون سے گھنٹے دو گھنٹے کے اندر وادیٔ قاف پہنچ سکتے ہیں یا اپنے آدمیوں کو بھیج سکتے ہیں۔ میں اُدھر سے کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ میں نے سونیا کے دماغ پر دستک دی۔ مجھے دماغ میں جگہ ملی مگر جواب نہیں ملا۔ وہ گم صم تھی۔ پہلی بار جب میں گیا تھا تو اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اب وہ کھلی ہوئی تھیں۔ اس کے ذریعے میں کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے وہ روشنیوں کے درمیان ہے۔ آنکھوں کے سامنے اتنی زیادہ روشنی ہے کہ وہ کچھ دیکھ نہیں پاتی ہے۔

ایسی بات نہیں تھی کہ سامنے کسی نے تیز روشنی کر رکھی تھی۔ ایک نوزائیدہ بچے کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا جائے تو وہ نہ بولتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ اس کی کھلی آنکھوں سے دنیا صرف روشن نظر آئے گی لیکن اس روشنی میں اسے کیا نظر آ رہا ہے، گھر کیسا ہوتا ہے، انسان کیسے ہوتے ہیں، یہ بات پہلے پہل سمجھ میں نہیں آتی۔ رفتہ رفتہ بچہ سمجھنے لگتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سونیا کے سامنے اُجالا ہی اُجالا تھا لیکن اس کا دماغ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ سامنے کوئی مکان ہے؟ شخص ہے؟ کوئی چیز ہے؟ غرض یہ کہ اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی چیز اپنی کوئی شکل اختیار نہیں کر رہی تھی۔

اتنا سمجھ میں آیا کہ پہلے بے ہوشی کی وجہ سے دماغ میں نیم تاریکی تھی۔ جو شخص مردہ ہو جاتا ہے اس کے دماغ میں مکمل تاریکی ہوتی ہے لیکن سونیا کے دماغ میں مکمل تاریکی نہیں تھی۔ روشنی تھی یعنی وہ زندہ تھی مگر سوچنے کے قابل نہیں تھی۔ اس کا دماغ بے حس ہو چکا تھا۔

میں نے لیلیٰ اور سجاد کے دماغ میں باری باری پہنچ کر دیکھا ان کی بھی وہی حالت تھی۔ ان کی آنکھیں بھی یقیناً کھلی ہوں گی، تبھی میری سوچ کی لہریں ان کے دماغوں میں روشنی محسوس کر رہی تھیں زندگی کی روشنی۔

میں نے شیخ الفارس کے پاس پہنچ کر انھیں سونیا وغیرہ کی کیفیت بتائی۔ وہ تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی سوچ پڑھ کر میں بھی پریشان ہو گیا۔ انھوں نے کہا، سونیا، لیلیٰ اور سجاد کوما میں ہیں۔

کوما کا مطلب پڑھنے والے جانتے ہیں، انسانی جسم کا ساکت ہونا۔ جسم ساکت ہو جاتا ہے۔ آنکھیں ساکت ہو جاتی ہیں۔ دماغ سُن ہو جاتا ہے۔ نہ سوچنے کے قابل رہتا ہے، نہ جسم حرکت کر سکتا ہے اور کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ سامنے کیا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے جب طبّی تحقیقات کا دائرہ کار محدود تھا، ان دنوں شاذ و نادر ہی کسی انسان پر ایسی قدرتی آفت نازل ہوا کرتی تھی۔ اکثر لوگ موت سے پہلے ایسی کیفیت سے دوچار ہوتے تھے اور ایسے وقت کہا جاتا تھا کہ بے چارہ مرنے والا سکرات کے عالم میں ہے۔

اب سائنسی ریسرچ نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ طبّی ریسرچ ہو یا اینٹی ریسرچ، انسان نے جہاں مثبت انداز کی تحقیقات کیں اور انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کیا، وہاں منفی انداز میں انسانی تباہی کے لیے بھی بہت کچھ کیا جا رہا ہے۔ ایسی دوائیں اور انجکشن ایجاد ہو گئے ہیں جن کے ذریعے انسانی جسم کو بالکل ساکت کر دیا جاتا ہے۔ آدمی دل کی اور نبض کی ہلکی ہلکی رفتار سے زندہ رہتا ہے مگر بظاہر مردہ رہتا ہے۔ کسی کام کا نہیں رہتا۔ نہ حرکت کر سکتا ہے، نہ سوچ سکتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے۔ انسان کی ایسی حالت کو کوما کہتے ہیں۔

میں نے شیخ الفارس سے کہا "آخر سونیا وغیرہ کب تک کوما میں رہیں گے؟"

"ذرا انتظار کرو۔ میں نے اپنے ادارے کے میڈیکل آفیسر سے اس سلسلے میں معلومات طلب کی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔"

میں وہاں سے واپس آ گیا۔ اب بھی اسی گارڈن میں تھا اور کہاں جا سکتا تھا۔ ہوٹل میں میرے لیے کمرہ تھا لیکن وہاں جانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ صبح ہلکا سا ناشتا کیا تھا اور اب شام ہو گئی تھی۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ میں ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر دریا کے کنارے آیا۔ پھر ایک کشتی کرائے پر حاصل کر کے اس میں بیٹھ گیا۔ دماغ کو سکون پہنچانے اور تازہ ہوا کھانے کے لیے کشتی کی سیر مناسب تھی تاکہ مجھے تنہائی میں سوچنے سمجھنے کا موقع ملتا رہے۔

دریا کے ساحل پر بڑی ہریالی تھی۔ شام کو ڈوبتے ہوئے سورج کی لالی میں دریا کی لہریں سنہری لگ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کشتی تلے سونا پگھلتا جا رہا ہو۔ میں شاعر نہیں ہوں لیکن اس وقت اس انداز میں یونہی سوچتا جا رہا تھا۔ تاکہ دل بہلتا رہے۔ دماغ تھوڑی دیر کے لیے اس المیے کو بھول جائے۔ کوئی ساتھی مجھے یاد نہ آئے اور میں کسی خود غرض انسان کی طرح اپنے آپ کو بالکل تنہا سمجھوں۔ کسی سے کوئی لگن، کوئی محبت، کوئی دلچسپی نہ رکھوں۔

بے شک ایسا کرنے سے انسان بالکل تنہا ہو جاتا ہے۔ کسی سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا لیکن دل کب ماننے والا ہے۔ کیا میں کبھی اپنی سونیا کو بھول سکتا ہوں۔ کیا میں اپنے پارس کی ماں رسونتی کو بھول سکتا ہوں۔ اعلیٰ بی بی اور مرجانہ اب تک میرے لیے جو خدمات انجام دیتی رہیں اور قربان ہو جانے والی محبتوں کا ثبوت دیتی رہیں، کیا ایسی ہستیوں کو دل و دماغ سے نکالا جا سکتا ہے؟

میں بہت دیر تک کوشش کرتا رہا۔ کشتی دریا کی لہروں پر رواں دواں رہی۔ آدھے گھنٹے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔ میں اپنوں کی محبت میں اُلجھا رہوں گا اور کام کی بات سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہوں گا۔ یہ محبت بڑی ظالم شے ہے۔ کینسر کی طرح لگ جاتی ہے۔ جانے کا نام نہیں لیتی ہے۔

میں نے شیخ الفارس کو مخاطب کیا۔ انھوں نے کہا۔ "کوما کے متعلق سنو۔ یہ ہم جانتے ہیں، انسان پیدا ہوتے ہی حرکت کرنے لگتا ہے اور مرتے دم تک بے حس و حرکت نہیں ہوتا۔ لیکن انسانی زندگی کے دوران ایسے مرحلے بھی آتے ہیں جب وہ شدید تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس تکلیف سے نجات دلانے کے لیے دوائیں دی جاتی ہیں۔ جب دوائیں کام نہیں آتیں تو اس کے جسم کے اس حصے کو سُن کر دیا جاتا ہے، جہاں شدید تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح اب ایسی دوائیں اور انجکشن ایجاد ہو گئے ہیں جن کے ذریعے انسان کا پورا جسم سُن کر دیا جاتا ہے، وہ حرکت کے قابل نہیں رہتا۔"

وہ کہہ رہے تھے اور میں سن رہا تھا۔ انھوں نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "طب کے اصولوں کے مطابق جسم

کو اس وقت سُن کیا جاتا ہے جب کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی اور علاج کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ اس وقت تک مریض کو آرام پہنچانے کے لیے سر سے پاؤں تک بالکل بے حس کر دیا جاتا ہے، انجکشن کے ذریعے اسے کوما میں ڈال دیا جاتا ہے۔"

آدمی کو کوما میں لانے کا ایک مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے جب وہ لب بدم ہوتا ہے، اس کے بچنے کی امید نہیں ہوتی۔ اگر مرنے والا یہ وصیت کر جائے کہ اس کا دل، اس کی آنکھیں، اس کے گردے کسی کو عطیے کے طور پر دے دیے جائیں تو اس کی آخری سانسوں کے دوران ایسے انجکشن لگائے جاتے ہیں جن کے اثر سے دل، گردے آنکھوں اور دماغ وغیرہ میں مرنے کے بعد بھی زندگی کی ہلکی سی حرارت باقی رہتی ہے اور وہ اتنی دیر تک رہتی ہے، جتنی دیر میں اسے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کیا جا سکتا ہے یا طبی طریقوں سے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

اگر مرنے والے نے ایسی کوئی وصیت نہ کی ہو اور وہ لاوارث ہو اور اس کے مرنے کے بعد اس کی لاش کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو تو ایسے شخص کو بھی کوما کے اسٹیج پر لایا جاتا ہے حالانکہ یہ غیر قانونی ہوتا ہے لیکن بعض مفاد پرست نام نہاد مسیحا انسانی دل، دماغ، آنکھیں اور گردے بھاری معاوضے کے لالچ میں فروخت کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔"

میں نے شیخ الفارس سے پوچھا "محترم شیخ! ایسی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کا ریکارڈ آپ کے ہاں ضرور ہوگا؟"

"بے شک ہے۔ میں نے اپنے ادارے کے کرمنل برانچ سے کہا ہے، ایسے مجرموں کی فائل میرے سامنے پیش کی جائیں۔ تھوڑی دیر میں ان کے متعلق بھی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔"

"رسونتی اور اعلیٰ بی بی تک پہنچنے کے لیے کیا کیا جا رہا ہے؟"

"سارے انتظامات ہو چکے ہیں۔ ہمارے آدمی یہاں سے پرواز کر چکے ہیں۔ انشاءاللہ دو گھنٹے کے اندر وہاں پہنچ جائیں گے۔ اور انھیں فوری طبی امداد پہنچائیں گے۔"

ٹرانسمیٹر سے اشارہ موصول ہونے لگا۔ شیخ الفارس نے کہا "شاید کوئی اہم اطلاع ہے۔"

وہ اسے آن کر کے باتیں کرنے لگے۔ دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا "ہم نے طیارے کو ٹریس کر لیا ہے۔ وہ برما کے ایک جنگل میں پایا گیا ہے لیکن خالی ہے۔ سونیا، لیلیٰ اور سجاد نہیں ہیں۔ البتہ پائلٹ اور کو پائلٹ کی لاشیں پائی گئی ہیں۔ ہمارے سراغ رساں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان تینوں کو کہاں لے جایا گیا ہے اور لے جانے کے لیے کون سے ذرائع استعمال کیے گئے ہیں۔"

میں پھر سونیا، لیلیٰ اور سجاد کے دماغوں میں باری باری پہنچنے لگا۔ ان کے دماغ میری ٹیلی پیتھی کی لہروں کو محسوس کر رہے تھے لیکن وہ میرے لیے بے کار تھے۔ نہ میری آواز سن سکتے تھے اور نہ ہی میں ان کے بے حس دماغوں سے کچھ معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

پھر میں نے رسونتی، اعلیٰ بی بی، مرجانہ اور ٹارزر بلیا وغیرہ کے دماغوں میں جھانکنے کی کوشش کی ـــ وہ بھی اس دنیا میں حاضر تھے لیکن میرے لیے بے کار تھے۔ اب ان کی حالت بھی ایسی تھی جیسے وہ کوما میں پڑے ہوں۔

میں ان کے لیے پریشان ہو سکتا تھا۔ تڑپ سکتا تھا مگر ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر مجھے اپنے بیٹے کی یاد ستانے لگی۔ میں نے پارس کے دماغ میں پہنچنے کے لیے اس کے لب و لہجے کو یاد کیا پھر اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا مگر نہ پہنچ سکا۔ دراصل مجھے پارس کا صحیح لب و لہجہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ جب ایک بار میں اس کے دماغ میں گیا تھا تو وہ بولنا سیکھ رہا تھا۔ توتلی زبان میں ایک آدھ لفظ ادا کرتا تھا۔ میں نے سوچا تھا جب وہ اچھی طرح بولنے لگے گا تو اس کے آواز اور لب و لہجے کو اپنی یادداشت میں محفوظ کر لوں گا لیکن وہ وقت ہی نہیں آیا۔ حالات نے مجھے اس قدر مصروف رکھا کہ میں بیٹے کی طرف دھیان نہ دے سکا۔ رسونتی اس کے پاس تھی۔ میں مطمئن رہتا تھا۔ یہ کبھی سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وادیٔ قاف میں اچانک اس طرح فضائی حملہ ہوگا اور سب کے سب مجھ سے بچھڑ جائیں گے اور اس طرح بچھڑیں گے کہ نہ زندوں میں شمار کیے جائیں گے نہ مُردوں میں۔

مزید پریشانی یہ تھی کہ پارس کہاں ہے؟ کس کے پاس ہے؟ میں نے پھر اس کے اُکھڑے اُکھڑے لب و لہجے کو اور اس کی آواز کو یاد کرنے کی کوشش کی مگر بے سود مجھے کچھ یاد نہیں آیا۔

میں کچھ سوچتے ہوئے دریا کی لہروں کو دیکھنے لگا۔ سورج ڈوب چکا تھا لیکن ساحل کی روشنی ہم تک پہنچ رہی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ یاد کرنے لگا۔ پارس کو میں نے کن حالات میں رسونتی کے پاس دیکھا ہے اور اس کی کیسی کیسی آوازیں سنی ہیں۔ وہ کون کون سے لفظ اٹک اٹک کر ادا کرتا تھا۔ میں سوچنے لگا۔ پھر یاد آیا، ایک بار رسونتی نے کہا تھا "فرہاد، ذرا دیکھو تو، یہ ابو ابو کہہ رہا ہے۔"

اس وقت میں پارس کے دماغ میں گیا تھا۔ پھر رسونتی کے پاس آکر کہا تھا "بچے کوئی سا بھی لفظ ادا کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دونوں ہونٹ ملتے ہیں۔ ماما، پاپا، بابا، بوبو جیسے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میرا بیٹا مجھے یاد کرنے لگا ہے۔ اس روز میں نے رسونتی کو ٹال دیا تھا کیوں کہ میں دوسری طرف مصروف تھا۔ ان مصروفیات نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ میں اپنے بیٹے سے بھی گیا۔ اتنی دیر سے یاد کر رہا تھا مگر مجھے اس کا لب و لہجہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں میرے اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ ساتھ میرا بیٹا بھی بچھڑ گیا تھا۔ وہ زندہ سلامت تھا۔ خدا اسے سلامت رکھے مگر وہ کہاں تھا؟ کسی عورت نے اسے سنبھالا ہوا تھا اور اب وہ اسے لیے کہاں بھٹک رہی تھی؟ یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے شیخ الفارس سے پارس کے متعلق سوال کیا۔ انھوں نے جواب دیا "ذرا صبر کرو۔ ہمارے آدمی پہنچنے ہی والے ہیں۔ پارس کا سراغ مل جائے گا۔"

مگر یہ طفلانہ تسلیاں تھیں........ دو گھنٹے بعد میں.......... اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھا اور شیخ الفارس بتا رہے تھے۔ "ہمارے تمام آدمی پہنچ گئے۔ ہر طرف اپنے لوگوں کو تلاش کیا گیا لیکن وہاں لاشیں ملیں۔ جو اہم افراد تھے، وہ سب لاپتا تھے۔ رسونتی، اعلیٰ بی بی، مرجانہ، ٹارزر بلیا، ٹارزر بلیا وغیرہ کوئی نظر نہیں آیا۔"

میں نے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے حملہ کیا، اور انھیں بے حس و حرکت بنا دیا، وہ بعد میں وادیٔ قاف پہنچے پھر رسونتی، اعلیٰ بی بی، مرجانہ، ٹارزر بلیا وغیرہ کو وہاں سے لے گئے۔"

"یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔"

"لیکن میرا پارس کہاں ہے؟"

"شاید دشمن اسے بھی لے گئے ہیں۔"

میں نے انھیں بتایا کہ میں پارس کے دماغ میں پہنچ نہیں سکتا۔ "اگر وہ پارس کو اور دوسرے لوگوں کو قیدی بنا کر لے گئے ہیں تو آخر وہ کون ہیں، کہاں لے جا سکتے ہیں؟ پلیز، آپ اپنے آدمیوں کو ہر طرف پھیلا دیں۔ جتنے دشمن ہیں سب کی کڑی نگرانی کی جائے۔"

"میں سب کچھ کر رہا ہوں۔ انھیں ڈھونڈ نکالنے کے سلسلے میں کوئی کمی نہیں چھوڑوں گا۔ تم اطمینان رکھو۔ صبر کرو اور حوصلے سے کام لو۔"

میں دھیرے دھیرے ہنسنے لگا۔ پھر چُپ ہو گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں بے اختیار ہنسنے لگا تھا جیسے کوئی پاگل ہنستا ہے اور ہنسنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ میرے ہنسنے کی بھی کیا وجہ تھی جب کہ مجھ پر صدمات کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔

پھر میرا دل چاہنے لگا کہ ہنسنے لگوں اور زور زور سے ہنسنے لگوں۔ لیکن کیوں؟ کیا میرا دماغ چل گیا ہے یا چلنے والا ہے؟ میرے پاگل ہو جانے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔ میری ایک ایک محبت، میری ایک ایک عزیز ہستی مجھ سے بچھڑ گئی تھی، میرے خدایا! کچھ تو معلوم ہو کہ میرے لوگوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ان پر کیا گزر رہی ہے؟ میرا بیٹا کہاں ہے؟ دشمنوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے یا دوستوں کی پناہ میں ہے؟

تھوڑی دیر بعد میں نے شیخ الفارس سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے بتایا "ہمارے ادارے کی کرمنل برانچ نے کچھ ایسی ایجنسیوں کے نام پیش کیے ہیں جو قانونی طور پر انسانی اعضاء ضرورت مند ڈاکٹروں اور اسپتالوں تک پہنچاتی ہیں۔ جس طرح پرائیویٹ بلڈ بینک قائم کیے جانے کی اجازت ہے، اسی طرح دی گریٹ ڈیلر نامی ایک ادارہ ہے۔ اس ادارے میں ایسے لوگ آتے ہیں جو مرنے سے پہلے وصیت لکھواتے ہیں کہ ان کی موت کے بعد ان کے اعضاء کسی بھی ضرورت مند کو دیے جا سکتے ہیں۔ اس ادارے میں ایسے کروڑپتی... سرمایہ دار بھی آتے ہیں جنھیں دل یا گردوں کی بیماری ہوتی ہے اور وہ تبدیلیٔ قلب یا گردے کے لیے دی گریٹ ڈیلر کے ادارے سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ انھیں بھاری معاوضہ دیتے ہیں۔ دولت پاس ہو تو اس دنیا میں کیا نہیں مل جاتا۔ اب صرف گاڑی کے پارٹس بازاروں میں نہیں ملتے، اب انسانی جسموں کے پارٹس بھی مل جاتے ہیں۔ وہ اپنی دولت سے سب کچھ خرید لیتے ہیں۔

اور قانوناً ایسا ہوتا ہے کیونکہ اپنے جسم کا کوئی حصہ عطیے کے طور پر دینے والا... مرنے سے پہلے وصیت کر جاتا ہے، اس لیے یہ غیر قانونی عمل نہیں ہوتا۔

میں نے پوچھا "کیا یہی ایک ڈیلر ہے؟"

"نہیں، ابھی میرے سامنے تین نام ہیں۔ دی گریٹ ڈیلر، دوسرا ڈورینڈ پارٹس سپلائر اور تیسرے ادارے کا نام ہے ہیومن پارٹس بینک۔ ان اداروں کے مرکزی دفاتر لندن، پیرس اور...

نیویارک میں ہیں۔ جو دفاتر پیرس میں ہیں وہاں ہمارے سراغرساں اپنے لیے جگہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ باقی لندن اور نیویارک میں بھی ہمارے آدمی پہنچ ہی جائیں گے۔"

"لندن میں دفاتر کے پتے مجھے بتائیں۔ میں وہاں جا رہا ہوں۔"

انھوں نے تمام پتے نوٹ کرائے۔ میں نے اعلیٰ بی بی کے خاص ماتحت کو بلا کر کہا "میرے لیے لندن کا ٹکٹ لو۔ جو پہلا طیارہ یہاں سے جاتا ہے اس میں سیٹ ریزرو کراؤ۔"

وہ جانے لگا، میں نے کہا "سنو، لندن اور آئرلینڈ کے درمیان ایک جزیرہ ہے؟"

اس نے سر ہلا کر کہا "یس سر، اس جزیرے کو آئلس آف مین کہتے ہیں۔"

"میرا قیام لندن میں نہیں ہوگا۔ وہاں سے اسی جزیرے میں جاؤں گا۔ جو پتے تمھیں بتا رہا ہوں، وہاں پہنچ کر لوگوں سے گفتگو کروگے۔ اس کے بعد میں ان کے دماغوں میں پہنچ جاؤں گا۔ باقی معلومات خود حاصل کرتا رہوں گا۔"

وہ میرے حکم کی تعمیل کے لیے چلا گیا۔ رات گزرنے لگی۔ اعلیٰ بی بی کے ایک ماتحت نے آکر کھانے کے لیے پوچھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کھانا پینا انسانی زندگی کے لیے ضروری ہے مگر اب یہ ضروری چیز بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ میں بستر پر تھکے ہوئے انداز میں لیٹ گیا تھا۔ آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سونے کا ارادہ نہیں تھا۔ اگر ارادہ ہوتا تو اپنے دماغ کو ہدایات دیتا۔ میں سونا بھی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اپنے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں بند کیے پڑا ہوا تھا۔ پتا نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا مگر اب ہو رہا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا، ایک بہت ہی صاف ستھرا، سفید اُجلا سا کمرہ ہے۔ وہاں بستر پر سفید اُجلی سی چادر بچھی ہے۔ اس پر سونیا بے حس و حرکت لیٹی ہوئی ہے۔ وہ چاروں شانے چت ہے، آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ نہ وہ بول سکتی ہے نہ سن سکتی ہے، نہ حرکت کر سکتی ہے۔ پھر دوسرے ائیر کنڈیشنڈ کمرے میں لیلیٰ کو اسی حالت میں دیکھا۔ تیسرا ائیر کنڈیشنڈ کمرہ سجاد کے لیے تھا، چوتھا رسونتی کے لیے، پانچواں اعلیٰ بی بی کے لیے، چھٹا مرجانہ کے لیے اور ساتواں ٹارزبلا کے لیے۔ یکے بعد دیگرے میں ائیر کنڈیشنڈ کمروں کو دیکھتا جا رہا تھا۔ ہر کمرے میں میرے چاہنے والے بے بسی کے عالم میں پڑے ہوئے تھے۔ اور یہ کوئی مجبوری سی مجبوری تھی کہ وہ اپنی اس حالت پر فریاد تک نہیں کر سکتے تھے لب تک نہیں ہلا سکتے تھے۔

پھر میں نے ایک کمرے میں دیکھا۔ میرا ننھا پارس اسی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ وہ بھی کوما میں تھا۔ پھر میں نے دیکھا ڈاکٹر بڑے بڑے آپریشن کے اوزار لے کر میرے چاہنے والوں کی طرف آ رہے تھے اور ان کے جسم کے ایک ایک حصے کو کاٹ کر کروڑپتی اور ارب پتی سرمایہ داروں کے ہاتھوں فروخت کر رہے تھے۔

میں تڑپ کر وہاں پہنچ گیا۔ میں نے ایک ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن ایسا لگا جیسے کوئی اثر نہ ہوا ہو۔ وہ ہاتھ پکڑنے کے باوجود آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا رُک جاؤ، یہ میری محبتیں ہیں۔ میرے عزیز ترین رشتے دار ہیں۔ میرے لہو کے رشتے بھی ہیں، زبان کے رشتے بھی ہیں، انسانیت کے رشتے بھی ہیں۔ انھوں نے قدم قدم پر میرے لیے قربانیاں دی ہیں۔ ہمیشہ اپنی زندگی کو خطرات میں ڈالا ہے۔ ہمیشہ جان کی بازی لگائی ہے۔ آج ان کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ ان کے جسموں کو نہ کاٹو۔ ان کے دل نہ نکالو۔ ان کی آنکھیں نہ نکالو۔ خدا کے لیے رُک جاؤ۔

لیکن کوئی میری نہیں سن رہا تھا۔ میری جدوجہد سرد پڑ گئی تھی۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے ننھے پارس کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے چاقو تھے۔ میں ایک دم چیخنے لگا۔

مگر چیخنے سے کیا ہوتا ہے۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کتنے ہی مجبور اور لاچار انسان ظلم کے سائے میں چیختے چلاتے اور فریادیں کرتے رہتے ہیں۔ کون ان کی فریادیں سنتا ہے۔ کیا ظلم ختم ہو جاتا ہے۔ نہیں، کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ جب تک انسان سانس لیتا رہے گا ظلم ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔

وہاں میری ایک نہیں چل رہی تھی۔ میں فرہاد علی تیمور اپنے چاہنے والوں اور اپنے پر جان دینے والوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا اور جب انسان کچھ نہیں کر سکتا، رو بھی نہیں سکتا تو بے اختیار ہنسنے لگتا ہے۔ میں ہنسنے لگا۔ ہنستا ہی چلا گیا۔

میری آنکھ کھلی تو میں ہنس رہا تھا، زور زور سے قہقہے لگا رہا تھا۔ میرے قہقہے سن کر دروازے پر دستک ہونے لگی۔ میں نے ایک دم سے چپ ہو کر دروازے کو گھور کر دیکھا پھر گرج کر کہا "کون ہے؟ چلے جاؤ۔"

"سر! آپ قہقہہ لگا رہے ہیں، کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں ہے۔ چلے جاؤ۔ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں، جب چاہوں قہقہہ لگا سکتا ہوں۔ جب چاہوں آنسو بہا سکتا ہوں، میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ رو نہیں سکتا۔ دنیا مجھ پر ہنسے گی۔ اور دنیا یہ نہیں دیکھ رہی ہے کہ آج میں کتنا بے بس، لاچار اور ماسٹر کی پیشینگوئی کے مطابق مفلوج ہو کر رہ گیا ہوں۔"

"سر! دروازہ کھولیے۔ ہم آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ ہم یقین دلانا چاہتے ہیں، دشمن ہم پر وقتی طور پر غالب آیا ہے۔ انشاء اللہ صبح تک آپ کے تمام ساتھی دشمنوں کے چنگل سے نکل آئیں گے۔"

میں یقین نہیں کر سکتا تھا۔ اس بار جو اُفتاد آ پڑی تھی، اس سے بچ نکلنا اتنا آسان نہیں تھا۔ میں نے بستر سے اٹھ کر دروازے کو کھول دیا۔ وہ سب مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "میں خواہ مخواہ ہنسنے لگا تھا۔ تم لوگ پریشان ہو گئے۔ جاؤ، آرام کرو۔ میں نارمل ہوں۔"

میں نے دروازے کو بند کر دیا لیکن میں محسوس کر رہا تھا، نارمل نہیں ہوں۔ کسی وقت پھر اندر سے قہقہہ اُبھرے گا اور میں اپنے آپ میں نہیں رہوں گا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ انسان مسلسل کامیاب ہوتا رہے تو ناکامیوں کو بھول جاتا ہے۔ یہ ٹریجڈی یاد ہی نہیں رہتی کہ ناکامیوں سے دل کس طرح ٹوٹ جاتے ہیں۔ آدمی بے دست و پا ہو جاتا ہے۔ دماغ سوچنے کے قابل نہیں رہتا۔

ایک طویل عرصے کے بعد مجھے ایسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا جس کی میں کبھی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یقین دلایا گیا تھا کہ صبح تک میرے تمام لوگ دشمنوں کے چنگل سے نکل آئیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ان کا تو سراغ ہی نہیں ملا، صبح سے دوپہر ہو گئی۔ دوپہر کے تین بجے میں برٹش ائیرویز کے طیارے میں آکر بیٹھ گیا۔ اب میرا سفر لندن کی طرف شروع ہو رہا تھا لیکن دل اور دماغ کی ایسی حالت تھی جیسے طیارہ پرواز کرے گا تو مجھے اس کی پرواز اور رفتار پر اعتماد نہیں ہوگا کہ وہ مجھے جلد سے جلد میرے اپنوں تک پہنچائے گا۔ ہو سکتا ہے، میں طیارے سے چھلانگ لگا دوں۔ اگرچہ یہ احمقانہ خیال تھا لیکن میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ میرا دماغ میرے قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ صبح سے میں نے خیال خوانی بھی نہیں کی تھی۔ تمام معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک شیخ الفارس رہ گئے تھے۔ میں نے ان سے بھی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ وہ بھی کچھ مجبور سے لگ رہے تھے۔

میں نے سوچ رکھا تھا، شیخ الفارس کو کوئی اطلاع دینا ہوگی تو وہ اپنے ادارے کے آدمیوں کے ذریعے اہم خبر پہنچائیں گے۔ ان کے آدمی یعنی اعلیٰ بی بی کے چار ماتحت اس وقت بھی میرے ساتھ طیارے میں سفر کر رہے تھے مگر مجھ سے دور دور تھے۔ پچھلی رات تھوڑی دیر کے لیے میری آنکھ لگی تھی لیکن ایسا خواب دیکھا تھا کہ فوراً ہی پاگلوں کی طرح ہنستے ہوئے بیدار ہو گیا تھا۔ اب طیارے میں ذرا آرام دہ سیٹ پر بیٹھنے کا موقع ملا تو نیند آنے لگی۔ آخر انسان کتنا جاگ سکتا ہے۔ خواہ اس پر کتنے ہی غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، اسے ذرا سونا، ذرا کھانا پینا پڑتا ہی ہے۔ میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی اور وہیں بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر کے لیے سو گیا۔

لیکن میں زیادہ دیر نہ سو سکا، فوراً ہی آنکھ کھل گئی۔ میرے پاس بیٹھا ہوا شخص میرا ہاتھ پکڑ کر جھنجوڑ رہا تھا۔ میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ اس نے کہا "آنکھیں کیوں دکھاتے ہو۔ یہ جہاز ہے، تمام مسافروں کے لیے ہے۔ تنہا تمھارے لیے نہیں کہ خراٹے لیتے رہو۔"

میں نے غرّا کر پوچھا "میرے سونے سے تمھارا کیا بگڑتا ہے؟"

"مجھے تمھارے سونے پر نہیں، تمھارے خراٹوں پر اعتراض ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے ایک اُلٹا ہاتھ رسید کیا۔ وہ ایک دم سے چکرا گیا۔ تھوڑی دیر تو گم صم بیٹھا رہا پھر اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ غصے سے گالیاں بکنے لگا۔ میں نے پھر اس کے منہ پر ایک گھونسا رسید کیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دوسری سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت کی گود میں گر گیا۔ جہاز میں تھوڑی دیر کے لیے ہلچل سی مچ گئی۔ فوراً ہی اعلیٰ بی بی کے ماتحتوں نے آکر مجھے پکڑ لیا۔ سمجھانے لگے "مسٹر! آخر بات کیا ہے، ہم سارا معاملہ نمٹا لیں گے۔ آپ سکون سے، اطمینان سے بیٹھیں۔"

دو ماتحت مجھے پکڑ کر میری سیٹ پر لے آئے۔ باقی اس شخص کو سنبھال رہے تھے جو مجھ سے مار کھا چکا تھا۔ طیارے کے مسافر بڑبڑا رہے تھے۔ مجھے غصے سے دیکھ رہے تھے۔ اسٹیورڈ نے آکر مجھ سے کہا "مسٹر! آپ کو ایسی حرکت نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

میں نے کہا "کیا اس مسافر کو یہ زیب دیتا ہے کہ میرے سونے کے دوران میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جھنجوڑ ڈالے اور اول فول بکنے لگے۔"

وہ غصے سے بولا "میں نے تم سے کوئی غلط بات نہیں

کی تھی۔"

"کیا میں پاگل ہوں۔ خواہ مخواہ میرا دماغ خراب ہوگیا ہے کہ میں نے تم پر ہاتھ اٹھا دیا؟"

بات بہت بڑھ گئی تو... ایئر ہوسٹس اور اسٹیورڈ نے دوسرے مسافروں کے تعاون سے معاملے کو رفع دفع کر دیا۔ وہ مسافر میرے پاس بیٹھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اعلیٰ بی بی کے ایک ماتحت نے اپنی سیٹ کی پیش کش کی۔ وہ اُدھر چلا گیا اور یہ ادھر آکر بیٹھ گیا۔ پہلے تو اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر تشویش بھرے لہجے میں پوچھا "سر! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

"ہاں، مجھے کیا ہوا ہے؟"

"جی کچھ نہیں۔ اگر آپ میرے مشورے کو اہم سمجھیں تو یہ سفر ملتوی کر دیں۔"

"میں لندن جاؤں گا۔"

"لیکن سر..."

میں نے ڈانٹ کر کہا "بکواس مت کرو، کیا میں تمھیں پاگل نظر آرہا ہوں۔"

تمام مسافر پھر چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ اعلیٰ بی بی کے ماتحت نے جھینپ کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر مسکراتے ہوئے کہا "ایسی کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے۔"

میں نے ایک ہاتھ سے سر کو تھام لیا۔ تھوڑی دیر آنکھیں بند کرکے پڑا رہا پھر سوچنے لگا، مجھے کیا ہوگیا تھا۔ کیا مزدوری تھا کہ میں اپنے پاس بیٹھے ہوئے مسافر پر ہاتھ اٹھا دیتا۔ اگر اس نے مجھے نیند سے اٹھایا تھا تو میں ہمیشہ کی طرح زندہ دلی کا ثبوت دے سکتا تھا۔ اس کی اس حرکت کو مذاق میں اڑا سکتا تھا لیکن میری وہ زندہ دلی کہاں مرگئی؟ میں ایسا کیوں ہوگیا؟

میں نے سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کچھ مسافر عورتیں اور مرد اب بھی مجھے دیکھ رہے تھے اور کچھ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ یقیناً میرے ہی متعلق باتیں کر رہے ہوں گے۔ جی چاہا، خیال خوانی کروں۔ پھر دماغ میں بات آئی، جس شخص سے لڑنے کے [illegible] پاگل، بے ادب اور غیر مہذب مسافر سمجھا جا رہا ہوں تو کیوں نہ میں [illegible]ی کو پاگل ثابت کروں؟

یہ سوچتے ہی میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر اسے وہاں سے اٹھا دیا۔ چیخ کر کہنے پر مجبور کیا "ابے او مسافر کے بچے! تو مجھے کیا سمجھتا ہے۔ میں ابھی تیرا سر توڑ سکتا ہوں۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑی نرمی سے کہا "آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ آپ میرا سر توڑ سکتے ہیں۔ میری جان لے سکتے ہیں۔ میں پہلے بھی آپ کو سمجھا رہا تھا، آپ نہیں مان رہے تھے۔ آپ کے مجبور کرنے پر میرا ہاتھ اٹھ گیا اور تمام مسافر مجھے پاگل اور غیر مہذب سمجھ رہے ہیں۔ پلیز، آپ تو مہذب ہونے کا ثبوت دیں۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ پر پھر قابض ہوا۔ اس نے مجھے گالی دی۔ میں نے تمام مسافروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بھئی، کوئی انھیں قابو میں کرے۔ میں تو خاموش ہوں۔ میں لڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔"

اچانک ہی تمام مسافروں کی ہمدردیاں مجھے حاصل ہو گئیں۔ سب اسے بُرا بھلا کہنے لگے۔ میں اپنی جگہ بیٹھ کر مسکرانے لگا۔ مجھے اتنی دیر کے بعد خوشی ہو رہی تھی۔ یہ انسانی فطرت ہے، جب کوئی کسی شہ زور سے مار کھا کر آتا ہے تو کسی کمزور پر غصہ اتار کر اس کی کمی پوری کرتا ہے اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ یہی حال میرا تھا۔ میں بھی شہ زوروں سے مات کھایا ہوا تھا اس لیے ایک کمزور کو شکست دے کر اسے غیر مہذب ثابت کرکے خوش ہو رہا تھا۔

بہرحال وہ سفر تمام ہوا۔ رات کو ہم لندن پہنچے۔ وہاں بابا صاحب کے ادارے سے آنے والے لوگوں کے لیے چند رہائش گاہیں تھیں۔ میں نے ایک رہائش گاہ میں قیام کیا۔ وہ رات بھی گزر گئی۔ میں نے شیخ الفارس سے پوچھا۔ "کیا ہوا۔ چالیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔ کچھ تو سراغ ملا ہوگا؟"

انھوں نے سرد آہ بھر کر کہا "مجھے افسوس ہے فرہاد، ہمیں اب تک سراغ نہیں مل سکا۔ تمھیں صبر کرنا چاہیے۔ میں پھر کہوں گا حوصلے سے کام لو۔"

"آپ پچھلے چالیس گھنٹے سے یہ کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ کسی ایسے شخص کو صبر کرتے ہوئے اور حوصلہ رکھتے ہوئے دیکھ چکے ہیں جس کا پورا خاندان ایک ساتھ کسی گھر میں جل مرا ہو یا ایک ساتھ کسی دریا میں ڈوب گیا ہو یا ظالموں نے ایک ہی رات میں پورے خاندان کے افراد کو قتل کر دیا ہو اور ایک صبر کرنے والا زندہ رہ جائے تو کیا اسے صبر آجاتا ہے؟"

"جو بات میں تمھیں سمجھانا چاہتا ہوں، وہ تم کہہ رہے ہو۔ یقیناً ہماری دنیا میں ایسے المیہ واقعات ہوتے ہیں کہ ایک ہی رات میں ایک ہی خاندان کے بے شمار افراد قتل کر دیے جاتے ہیں یا ایک ہی خاندان کے تمام افراد دریا میں ڈوب مرتے ہیں یا ایک ہی گھر میں جل کر سب مر جاتے ہیں۔ اور بھی

کئی طرح کے واقعات ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو زندہ بچ جاتا ہے اسے صبر کرنا پڑتا ہے۔ وہ نہ کرے تب بھی اسے زندہ رہنا پڑتا ہے اور اپنے لوگوں کے مر جانے کے بعد خود زندہ رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ زندہ رہنے والا صبر کر رہا ہے، مشیتِ ایزدی کے سامنے سر جھکا رہا ہے۔ سر نہیں جھکائے گا تو اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ بہت سے لوگ جذباتی ہو کر ان حالات میں خودکشی کر لیتے ہیں یا پاگل ہو جاتے ہیں۔ اس میں دنیا والوں کا کیا بگڑتا ہے جنھوں نے مظالم ڈھائے ہیں، وہ تو خوش ہوں گے۔ دشمنوں نے وادیٔ قاف پہنچ کر رسونتی، اعلیٰ بی بی وغیرہ کو اغوا کیا ہے، وہاں..... انھوں نے تمھیں بھی تلاش کیا ہوگا اور تم انھیں نہیں ملے۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ تم ان حالات میں پاگل ہو جاؤ۔ دماغی توازن کھو بیٹھو اور اس طرح بے اختیار خود کو ظاہر کر دو۔ کیا تم دشمن کی چال میں آنا چاہتے ہو؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ وہ دشمن میری نظروں میں آجائے، آخر کس نے ایسا کیا ہے؟"

"یہ تو تم ہی ہر دشمن کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر سکتے ہو۔"

"میں معلوم کرتا رہا ہوں۔ ثبیا کا باپ قتل ہو چکا ہے، اب اس کی ماں کی باری ہے۔ ابھی اس کے گھر میں ماتم ہے۔ وہ کسی طرف دھیان نہیں دے رہی ہے اور نہ ہی اسے ماسٹر کی وغیرہ کی جانب سے ایسی کوئی اطلاع ملی ہے کہ رسونتی وغیرہ جتنے بھی اہم مہرے ہیں، سب کے سب کسی کے قبضے میں آگئے ہیں، سارے دشمن خاموش ہیں اور جن دشمنوں کے دماغوں میں میں پہنچ چکا ہوں، ان کا ہاتھ اس معاملے میں نہیں ہے۔"

شیخ الفارس نے کہا "یہی تو حیرانی کی بات ہے۔ سونیا اور رسونتی جیسی قوتوں کو کسی نے اپنی مٹھی میں کر لیا ہے اور اتنی اہم بات کسی کی گفتگو کا موضوع نہیں بن رہی ہے۔"

"میں نے یہ کب کہا ہے کہ یہ موضوع زیرِ بحث نہیں ہے۔ سبھی جانتے ہیں۔ ربی اسفندیار کو یہ معلوم ہو چکا ہے۔ ماسکو تک اطلاع پہنچ چکی ہے۔ جتنی دہشت گرد تنظیموں کے سربراہ ہیں، وہ سب جانتے ہیں۔ ان سب کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سونیا رسونتی، اعلیٰ بی بی، مرجانہ، ثنا، ٹرلیا، لیلیٰ، سجاد سبھی کو کسی ناگہانی بلا نے نگل لیا ہے۔ وہ بلا کون ہے، یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ ہماری طرح ہمارے دشمن بھی حیران ہیں۔"

شیخ الفارس نے کہا "اپنے ساتھیوں میں سب کا نام لے رہے ہو۔ تم نے [illegible] کا ذکر نہیں کیا۔"

میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر میں نے کہا "میں کس زبان سے کہوں کہ مجھے ثبانہ کا دماغ نہیں مل رہا ہے۔ میری سوچ کی لہریں وہاں جاتی ہیں مگر تاریکی اور موت کا سناٹا ہی ملتا ہے۔"

"اوہ خدایا! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"جو کچھ بھی ہو رہا ہے، کسی انجانے دشمن کی طرف سے ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا نامعلوم دشمن ہے جو شہ زور بھی ہے اور بہت ذہین اور چالاک بھی۔ وہ نہ جانے کتنے عرصے سے ہمارے خلاف ایک منظم منصوبہ بناتا آرہا ہے اور اب اس پر عمل کرکے کامیاب ہو چکا ہے۔"

"بے شک، اس نے صرف ہمیں ہی نہیں، ہمارے سابقہ تمام دشمنوں کو بھی حیران اور پریشان کر دیا ہے۔ ویسے وہ جو کوئی بھی ہے، زیادہ عرصے تک چھپ نہیں سکے گا کیونکہ صرف ہم اسے تلاش نہیں کر رہے ہیں، ہمارے دشمنوں کو بھی یہ تجسس ہے، وہ کون ہے؟ اسے بے نقاب کرنا چاہیے۔ لہٰذا وہ بھی اسے تلاش کریں گے۔ یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ سونیا اور رسونتی وغیرہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے یا وہ نامعلوم شخص ان تمام اہم مہروں کے ذریعے فرہاد علی تیمور کو اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتا ہے۔"

میں نے پوچھا "آپ کس منصوبے پر عمل کر رہے ہیں؟"

"ہم مجرموں کے اس حلقے کی طرف زیادہ توجہ دے رہے ہیں جن کا تعلق میڈیکل سے ہے اور جو قانونی یا غیر قانونی طریقوں سے لوگوں کو کوما میں رکھتے ہیں پھر ان کے جسمانی اعضا کو فروخت کرکے بھاری رقومات حاصل کرتے ہیں۔"

"آپ لندن میں میرے لیے ایک لاکھ پونڈ فراہم کر دیں، میں اپنے طور پر کچھ کرنے جا رہا ہوں۔"

میں نے ان سے رابطہ ختم کر دیا۔ ڈاکٹر شیفرڈ کو خیال خوانی کے ذریعے مخاطب کیا۔ وہ خوش ہو کر بولا "اچھا تو اتنے دنوں بعد میری یاد آرہی ہے۔"

"میں لندن میں ہوں۔ مجھے اپنے بارے میں ایک میڈیکل رپورٹ کی ضرورت ہے۔ جس میں یہ لکھا ہو کہ میرے گردے ناکارہ ہو گئے ہیں۔ میرا موجودہ نام رومیو کاسترو ہے۔ آپ میرا پتا نوٹ کریں۔"

میں نے انھیں اپنا پتا لکھوا دیا۔ انھوں نے کہا "آج شام تک رومیو کاسترو کے متعلق میڈیکل رپورٹ تمھیں مل جائے گی۔"

میں نے اعلیٰ بی بی کے ایک ماتحت سے کہا "یہاں کے تمام اخبارات میں یہ اشتہار شائع کرادو کہ جو رومیو کاسترو کو اپنے گردے کا عطیہ دے گا اُسے پچاس ہزار پونڈ دیے جائیں گے۔"

یہ درست ہے، انسان پر خواہ کتنے ہی غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں اسے اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ تمام مصائب کو جھیلنا پڑتا ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ میں صبر کر رہا تھا مگر اندر ہی اندر لاوا پکتا جا رہا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا، کوئی مجھ سے بات نہ کرے۔ کسی کی آواز سنتا تو اسے مارنے کو دل چاہتا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا میرا دماغ بے قابو ہونا چاہتا ہے اور میں اسے قابو میں رکھ رہا تھا۔ اپنے آپ کو بہلانے کے لیے میں نے ٹی وی کو آن کیا۔ ٹی وی اسکرین پر ایک ڈرامائی منظر تھا۔ ایک لڑکی دہشت سے چیخ رہی تھی۔ مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ ایسے وقت پتا نہیں کیوں مجھے بڑا سکون محسوس ہوا۔ اسے چیختے ہوئے دیکھ کر اس پر ظلم ہوتے دیکھ کر مجھے عجیب سی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا جیسے میں اس لڑکی پر حملہ کر رہا ہوں اور صرف اس لڑکی پر نہیں بلکہ دنیا کے تمام لوگوں کو اسی طرح دہشت زدہ کر رہا ہوں۔ انھیں اذیتیں دے رہا ہوں اور اپنے عزیز لوگوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا انتقام لے رہا ہوں۔

میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وحشیانہ انداز میں ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے ایک ہیرو اس لڑکی کی مدد کے لیے پہنچ گیا تھا۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ میں نے فوراً ہی ایک گلدان اٹھا کر اسکرین پر دے مارا۔ میں نہیں چاہتا تھا، کوئی اسے بچائے۔ ظلم ہوتا ہے، ہونے دیا جائے۔ اب مجھے کسی سے ہمدردی نہیں تھی۔ میں نے بہت ہمدردیاں کیں، بہت نرمی اور محبت سے کام لیتا رہا۔ اب میں وہ نہیں ہوں۔ میں محسوس کر رہا تھا، میں تبدیل ہو رہا ہوں۔ اندر ہی اندر مجھ میں انقلابی تبدیلی آ رہی ہے اور یہ تبدیلی کسی وقت بھی آتش فشاں کی طرح میرے اندر سے پھوٹ پڑے گی۔

ڈاکٹر شیفرڈ نے اپنے وعدے کے مطابق میڈیکل رپورٹ بھجوا دی۔ مجھے وہ رات کسی طرح گزارنا تھی۔ صبح کے اخبارات میں اشتہارات شائع ہونے والے تھے۔ میں دل بہلانے کے لیے اپنی رہائش گاہ سے باہر لندن کی وسیع و عریض.... تفریح گاہوں میں جا سکتا تھا۔ کلبوں میں دل بہلا سکتا تھا لیکن میں اپنے آپ کو روک رہا تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ باہر جاؤں گا تو کوئی جنونی حرکت کر بیٹھوں گا۔

کسی طرح وہ رات بھی بے چینی سے گزر گئی۔ میرے اپنوں میں سے کسی کی خیریت کی خبر نہیں ملی۔ شیخ الفارس کی تدابیر اور منصوبے ناکام ہو رہے تھے۔ بابا صاحب کے ادارے کے تقریباً تمام افراد کیا مرد، کیا عورتیں، کیا جوان، کیا بوڑھے سبھی رنوتی، سونیا وغیرہ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اپنی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہے تھے اور ناکام ہو رہے تھے۔

صبح دس بجے پہلا ٹیلیفون موصول ہوا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو، میں رومیو کاسترو بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "میں دی گریٹ ڈیلر کا لیگل ایڈوائزر بھی ہوں اور جنرل منیجر بھی۔ آپ کو مطلوبہ گردے مل جائیں گے۔ آپ نے اخبارات میں ہماری توقع سے کہیں زیادہ معاوضہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ ہم آپ سے پہلی فرصت میں ملنا چاہتے ہیں۔ پلیز، ہم سے ملاقات کا وقت مقرر کریں۔"

"میں آج شام پانچ بجے آپ کے دفتر میں خود آؤں گا۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ پانچ منٹ کے بعد ہی پھر ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر ا۔ نام بتایا۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔ "میں ہیومن پارٹس سپلائرز کے دفتر سے بول رہا ہوں۔ آپ نے پچاس ہزار پونڈ دینے کا اعلان کیا ہے۔ جناب، اتنی رقم میں تو آپ کو بہت سے گردے مل جائیں گے۔ اگر اجازت ہو تو میں ابھی آپ سے ملاقات کر دوں اور آپ کی مشکل آسان کر دوں۔ ہمارے ہاں آپ کی ضرورت کے مطابق گردے دستیاب ہیں۔"

میں نے جواب دیا۔ "میں آج شام چھ بجے آپ سے ملاقات کرنے خود آپ کے دفتر آؤں گا۔ دیٹس آل۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ ٹیلیفون کے ذریعے دو اداروں کے دو افراد کی آوازیں سن چکا تھا۔ ان کا لب و لہجہ ذہن نشین کر چکا تھا۔ اب ان کے دماغوں میں پہنچنا چاہتا تھا۔ پھر ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر وہی کاروبار کرنے والے تیسرے ادارے کے ایک فرد کی آواز سنی۔ وہ بھی حیرانی سے کہہ رہا تھا۔ "جناب رومیو کاسترو صاحب، یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔ دیکھیے، آپ کو زیادہ سے زیادہ دو گردوں کی ضرورت ہو گی۔ میں اپنا ایک گردہ دے سکتا ہوں۔ میرے چھ بیٹے ہیں۔ یوں سمجھیے، میں اپنے خاندان کے تمام گردے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔ فرمائیے، کب ملاقات کر دوں۔"

"میں شام کو سات بجے خود آپ کے دفتر میں ملاقات کرنے آؤں گا۔ دیٹس آل۔"

میں نے پھر ریسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد ٹیلیفون کا سلسلہ

رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ انگلینڈ بہت امیر ملک ہے۔ دنیا کا خواہ کوئی بھی امیر ملک ہو، وہاں غریبوں، محتاجوں اور مجبوروں کی اکثریت ہوتی ہے۔ میں نے ٹیلیفون پر کتنے ہی لوگوں کو روتے اور گڑگڑاتے سنا اور وہ فریاد کر رہے تھے، مجھ سے التجا کر رہے تھے کہ میں ان کے گردے خرید لوں اور رقم انھیں دے دوں۔ یہ ہماری دنیا کیسی دنیا ہے۔ ہم نے اپنے ہی جیسے مجبور انسانوں کو قصائیوں کی منڈی میں لا کر کھڑا کر دیا ہے اور انسان اپنی ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے دل، اپنے دماغ، اپنی آنکھیں اور اپنے گردے فروخت کر رہا ہے۔

میں نے ٹیلیفون پر مجبوروں کی فریاد سننے کے لیے اعلیٰ بی بی کے ایک ماتحت کو وہاں بٹھا دیا۔ دوسرے کمرے میں پہنچ کر خیال خوانی کا ارادہ تھا۔ اگرچہ مجھے مجبوروں اور مظلوموں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ بلکہ میں کسی سے بھی کوئی لگاؤ رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ تاہم اعلیٰ بی بی کے ماتحت کو سمجھا دیا تھا، اگر کوئی ایسا شخص رابطہ قائم کرے جو مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے نام نہاد ڈاکٹروں کو جانتا ہو تو مجھے فوراً اطلاع دے۔

ابھی میں اپنے کمرے میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس ماتحت نے آ کر کہا۔ "ایک شخص فون پر دیوانے کی طرح باتیں کر رہا ہے۔ پچاس ہزار پونڈ کی پیش کش پر ہمیں گالیاں دے رہا ہے۔"

میں فوراً ہی دوسرے کمرے میں آیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو میں رومیو کاسترو بول رہا ہوں۔"

اس نے رومیو کاسترو کو ایک زبردست گالی دی پھر کہا۔ "میں تم سب لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ارے تم انسان ہو یا انسانوں کے دلال؟ اب تک یہی سننے میں آیا تھا کہ مجبور عورتیں اپنا جسم فروخت کرتی ہیں۔ مگر تم لوگ عورتوں، مردوں، بوڑھوں اور بچوں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے قصائی کی طرح بازار لگاتے ہو۔ تم لوگ قصائیوں سے بدتر ہو، ذلیل ہو، کمینے ہو۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔ وہ اور چیخ چیخ کر گالیاں دینے لگا۔ میرے قہقہے اتنی ہی بلند آواز سے گونجنے لگے۔ اعلیٰ بی بی کے ماتحت آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے مجھے دیکھنے لگے۔ ایک نے قریب آ کر میرے ہاتھ سے ریسیور لے کر اُسے کریڈل پر رکھ دیا۔ دوسرے نے بڑی تشویش سے کہا۔ "سر، ہوش میں آئیے۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

ہاں مجھے کچھ ہو گیا تھا۔ یا کچھ ہوتا جا رہا تھا۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اُن اداروں تک پہنچنا چاہتا تھا لیکن وحشیانہ انداز میں گالیاں دینے والے شخص نے متوجہ کر لیا تھا۔ مجھے اُس سے کوئی ہمدردی نہیں تھی، وہ جتنا چیخ رہا تھا اور گالیاں بک رہا تھا، مجھے اس کی حالت پر اتنی ہی ہنسی آ رہی تھی۔ میں چاہتا تھا، وہ اور تڑپے اور چلاتا رہے۔"

میں اُسی چلانے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا میں اسکی سوچ پڑھ رہا تھا۔ اسکا نام رابرٹ اسٹینلے تھا۔ وہ کوئلے کی کان میں مزدور تھا۔ ترقی کرتے کرتے سپروائزر بن گیا تھا۔ اسے ہفتے میں جو تنخواہ ملتی تھی، وہ اخراجات کے لیے پوری نہیں پڑتی تھی، میری بلا سے وہ کتنا ہی مجبور اور بے بس ہو۔ اُس کے بدترین حالات پر مجھے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ میرے اندر عجیب سی تبدیلی پیدا ہو رہی تھی۔ میں دہشت پسندی اور اذیت رسانی کو پسند کرنے لگا تھا۔

میرے اندر یہ خواہش اُبھرتی تھی کہ جو ٹوٹ پھوٹ میرے ساتھ ہوئی ہے، اُس سے زیادہ ٹوٹ پھوٹ دوسروں کے ساتھ ہو۔ لوگ مجبور ہوتے رہیں اور ظلم سہتے رہیں۔ آخر میں بھی تو ظلم سہتا جا رہا ہوں۔ میرے تمام چاہنے والوں کو نہ موت آ رہی ہے، نہ زندگی مل رہی ہے۔ اور نہ ہی اُن کا سراغ مل رہا ہے کہ وہ زمین پر ہیں یا آسمان پر؟

جو مجھ پر بیت رہی ہے، اُسے لوگ دیکھ سکتے ہیں، سمجھ سکتے ہیں، میرے حالات پڑھ سکتے ہیں۔ مگر میرے اندر جھانک کر میرے کرب کو اور میرے اذیت ناک صدمات کو کبھی سمجھ نہیں سکتے۔

رابرٹ اسٹینلے کو پانچ ہزار پونڈ کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ وہ اتنا قرض دار تھا کہ رقم نہ ملنے پر قرض دینے والے اُسے زندہ نہ چھوڑتے۔ وہ جوا کھیلنے کا عادی تھا۔ اس کی ایک بہن اور بوڑھے والدین تھے۔ وہ سب سے الگ رہتا تھا۔ بہن کہیں ملازمت کرتی تھی۔ بوڑھے ماں باپ اپنا گزارا کسی طرح کر لیتے تھے۔ یوں بھی مغربی سماج میں بیٹا جوان ہو کر بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنے کا رواج نہیں ہے۔

بہرحال اُسے اتنی بڑی رقم کہیں سے نہ مل سکی۔ اُس کے دوست جیکی نے کہا۔ "اگر تم اپنے جسم کا کوئی حصہ فروخت کرنا چاہو تو خاصی رقم مل جائے گی۔"

اس نے پوچھا۔ "مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"ہماری دنیا میں ایسے بے شمار مریض ہیں، جو صحت مند جسمانی اعضاء سے محروم رہتے ہیں۔ کسی کی بینائی چلی جاتی ہے، وہ دوسروں کی آنکھیں خریدنا چاہتا ہے۔ کسی کا دل صحیح طور پر کام نہیں کرتا، وہ تبدیلیٔ قلب کا خواہاں ہوتا ہے۔ کسی کے گردے خراب ہوتے ہیں، وہ کسی دوسرے کے گردے ہر قیمت پر لینا چاہتا ہے۔ اگر تم اپنا ایک گردہ فروخت کرنا چاہو تو شاید تمھیں پانچ ہزار پونڈ مل جائیں۔"

رابرٹ سوچنے لگا۔ جیکی نے کہا۔ "پریشانی کی بات نہیں ہے۔ انسان کے دو گردے ہوتے ہیں۔ اگر ایک نکل جائے پھر بھی وہ طبعی عمر تک زندہ رہتا ہے۔"

جیکی اسے ڈاکٹر ہیرالڈ کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "اگر تم ضرورت مند ہو تو میں تمھاری ہر ضرورت پوری کر سکتا ہوں۔ فی الحال ہمیں گردوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم قانونی طور پر معاہدہ کر لو کہ میری ضرورت کے وقت اپنا ایک گردہ راضی خوشی میرے مریض کو دو گے تو میں ابھی تمھیں پانچ سو پونڈ پیشگی دے سکتا ہوں۔"

"ڈاکٹر! پانچ سو سے میرا کام نہیں چلے گا۔"

"میں اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ ہاں اگر تم اپنی رضامندی سے یہ وصیت لکھ دو کہ مرنے کے بعد اپنا دل، اپنی آنکھیں ضرورت مند افراد کو عطیے کے طور پر دینا چاہتے ہو اور اس وصیت پر عمل کرنے کا حق تم مجھے دو گے تو میں تمھیں مزید پانچ سو پونڈ دوں گا۔"

"ایک ہزار پونڈ سے بھی میری ضرورت پوری نہیں ہوگی۔"

"تمھیں کچھ روز انتظار کرنا پڑے گا۔ ہمارے ہاں ضرورت مند آتے رہتے ہیں۔"

اسی لمحے ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ڈاکٹر نے ریسیور اٹھا کر دوسری طرف کی گفتگو سنی۔ پھر کہا۔ "ہاں، ضرور انتظام ہو سکتا ہے۔ ہم آپ حضرات کی خدمت کرنے کے لیے ہی یہاں بیٹھے ہیں۔ پلیز ہولڈ آن کریں۔ میں ابھی بات کرتا ہوں۔"

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر رابرٹ سے کہا۔ "فٹ بال کا ایک کھلاڑی دو ہفتے پہلے آگ میں جل گیا تھا۔ اس کا بایاں پاؤں بری طرح متاثر ہوا تھا۔ اب اس کا پاؤں ٹھیک ہو گیا ہے۔ مگر جلنے کا داغ بہت بدنما ہے۔ ڈاکٹر نے اُسے پلاسٹک سرجری کا مشورہ دیا تھا۔ سرجری کے لیے کسی مُردے کی جلد کاٹ کر کھلاڑی کے پاؤں کی جلد سے میچ کرائی جاتی۔ طبی رپورٹ کے مطابق جس مُردے کی جلد اس سے میچ کرتی، وہ اُسے لگا دی جاتی۔ مگر وہ کھلاڑی اپنی ٹانگ سے کسی مُردے کی جلد میچ کرانا نہیں چاہتا۔ لہٰذا اُسے کسی زندہ شخص کے جسم کی تھوڑی سی جلد چاہیے۔ کیا تم اپنی جلد دے سکتے ہو۔ تمھیں دو سو پونڈ ملیں گے۔"

رابرٹ نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "سب ملا کر میرے پاس بارہ سو پونڈ ہو جائیں گے۔ لیکن مجھے پانچ ہزار کی ضرورت ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "ابھی تمھارے مطلب کا خریدار نہیں ہے۔ اتنی بڑی رقم نہیں مل سکے گی۔ ذرا ٹھہرو، میں ابھی بات کرتا ہوں۔"

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "میرے پاس ایسے لوگ ہیں جو بھاری معاوضہ لے کر اپنے جسم کی تھوڑی سی جلد دے سکتے ہیں۔ میں اپنے ایک آدمی کی میڈیکل رپورٹ حاصل کرنے والا ہوں۔ آپ اپنے کھلاڑی کی میڈیکل رپورٹ بھیج دیں۔ یہ اس سے میچ کرے گا تو اس کھلاڑی کا کام بن جائے گا۔"

ڈاکٹر نے ریسیور رکھ کر کہا۔ "میں ایک پرچی لکھ کر دے رہا ہوں۔ اسے لے کر لیبارٹری جاؤ۔ وہاں تمھاری جلد کا ٹیسٹ ہوگا۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں، تمھاری جسم کی کھال اس کھلاڑی کی کھال سے میچ کرتی ہے یا نہیں؟"

"ڈاکٹر! میری مطلوبہ رقم کا کیا ہوگا؟"

"تم گردے کے سلسلے میں معاہدہ کرو گے، دل اور آنکھیں بعد از مرگ عطیہ دینے کی وصیت لکھو گے تو میں ایک ہزار پونڈ دوں گا۔ اگر تمھاری جلد اس کھلاڑی کے مطابق ہو گی تو دو سو پونڈ اور مل جائیں گے۔ اس کے بعد تمھیں انتظار کرنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے آج کل میں کوئی تمھاری ضرورت پوری کرنے خود ضرورت مند بن کر آجائے۔ پھر تمھاری مطلوبہ رقم مل جائے گی۔"

وہ معاہدے کے لیے تیار ہو گیا۔ ڈاکٹر ہیرالڈ نے کہا۔ "میں وارننگ دیتا ہوں، اگر تم معاہدے کی خلاف ورزی کرو گے اور ضرورت کے وقت اپنا ایک گردہ دینے سے انکار کرو گے تو ہم تمھارے خلاف قانونی کارروائی نہیں کریں گے چپ چاپ تمھیں ٹھکانے لگا دیں گے۔ ہم جتنے اچھے نظر آتے ہیں اتنے ہی بُرے بھی ہیں۔"

اس نے معاہدہ کر لیا۔ ایک ہزار پونڈ لے لیے۔ دوسرے دن اطلاع ملی، اس کی کھال فٹ بال کے کھلاڑی سے میچ کر رہی ہے۔ یوں اسے دو سو پونڈ اور مل گئے۔ بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ نامور کھلاڑی تھا۔ نیکر پہن کر میدان میں آتا تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کو پسند کرنے والے پاؤں

کے عیب کو دیکھیں۔ اس عیب کو چھپانے کے لیے پتا نہیں اُس نے کتنی رقم ڈاکٹر ہیرالڈ کو دی ہوگی۔ رابرٹ کو صرف دو سو پونڈ ملے تھے اور وہ اسی میں خوش تھا۔

جواری ہمیشہ خوش نہیں رہ سکتا۔ ہر نئی بازی جیتنے کی خوش فہمی میں ہارتا رہتا ہے۔ وہ دو ہی دن میں بارہ سو پونڈ ہار گیا۔ جن سے پہلے قرض لیا تھا، ان کی پوری رقم ادا نہیں کی تھی۔ وہ پھر اس کے پیچھے پڑ گئے۔ اس نے ایک ہفتے بعد اپنے دوست سے پوچھا۔ "کیا اور کوئی ایسا ڈاکٹر نہیں ہے، جو مجھ سے دل گردے اور آنکھوں وغیرہ کا سودا کرے؟"

"رابرٹ! قمار بازی نے تمھیں اندھا کر دیا ہے۔ تم صرف رقم حاصل کرنے کے ناجائز ذرائع ڈھونڈتے ہو۔ اور جو رقم حاصل ہوتی ہے اُسے جوئے میں ہار جاتے ہو۔"

"میں تم سے نصیحت نہیں، رقم حاصل کرنے کا ذریعہ پوچھ رہا ہوں۔"

"اے عقل کے اندھے! تو ایک ڈاکٹر سے سودا کر چکا ہے۔ تیرے پاس ایک دل ہے۔ یہ عشق کا معاملہ نہیں کہ ہر لڑکی کو دیتا پھرے۔ ڈاکٹر ہیرالڈ کو معلوم ہو گا کہ تُو نے ایک ہی دل کا سودا کسی دوسرے سے بھی کیا ہے تو اس کے آدمی تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تیری بوٹی بوٹی بیچ کر اپنی دی ہوئی رقم سے کئی ہزار گنا منافع حاصل کر لیں گے۔"

"چلو دل نہ سہی، ہر انسان کے دو گردے ہوتے ہیں۔ میں نے ڈاکٹر ہیرالڈ سے ایک کا سودا کیا ہے۔ دوسرے گردے کا سودا کسی اور سے کر لوں گا۔"

"دونوں گردے بیچنے کے بعد زندہ رہ سکے گا؟"

"دونوں ایک ساتھ نہیں جائیں گے۔ ابھی تو صرف معاہدہ ہوگا اور ایڈوانس کی رقم ملے گی۔ جب کوئی خریدار آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

"رابرٹ! تو نے کبھی اپنے دوست فیٹی کی خبر لی ہے؟"

"وہ طوطا چشم ہے، اُس نے مجھے رقم ادھار نہیں دی تھی۔"

"تجھے معلوم ہے، وہ رقم کہاں سے لایا تھا؟"

"جہنم میں جائے فیٹی۔ تم میرے مطلب کی بات کرو۔"

"پہلے فیٹی کے پاس چلو۔ پھر آگے بات ہوگی۔"

رابرٹ جانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر یہ سوچ کر گیا کہ شاید کچھ کام بن جائے۔ جب وہ فیٹی کے ہاں پہنچے تو وہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے موٹاپے کے باعث تمام دوست اسے فیٹی کہتے تھے۔ اب وہ اتنا دُبلا ہو گیا تھا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ دوست نے کہا۔ "فیٹی! یہ اپنا رابرٹ بھی ڈاکٹر ہیرالڈ سے سودا کر چکا ہے۔ مزید رقم کے لیے کسی دوسرے سے بھی معاہدہ کرنا چاہتا ہے۔"

فیٹی نے کمزور لرزتے ہوئے ہاتھ سے رابرٹ کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "نہیں، ایسی غلطی نہ کرنا۔ ڈاکٹر ہیرالڈ سے جو رقم لے چکے ہو، کسی طرح اُسے واپس کر دو۔ وہ ڈاکٹر نہیں قصائی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے چھ ماہ پہلے اُس سے معاہدہ کیا تھا۔ اس کے چار ماہ بعد ڈاکٹر کے ایک مریض کو گردے کی ضرورت پڑ گئی۔ اس مقصد کے لیے آپریشن تھیٹر جانا پڑا۔ وہاں مجھے بے ہوش کر دیا گیا۔ میرے ساتھ کیا ہوا، میں نہیں جانتا۔ ہوش میں آنے کے بعد دو ماہ سے بستر پر پڑا ہوں۔"

"تمھیں کیا بیماری ہے؟"

"کوئی بیماری نہیں ہے۔ میں نے ایک ڈاکٹر سے علاج کرایا۔ اُس نے میری مکمل طبی رپورٹ حاصل کرنے کے بعد کہا۔ "میرا ایک گردہ ہے اور وہ بھی ناقص ہے۔ میں نے ڈاکٹر کو یہ نہیں بتایا کہ دوسرا گردہ ڈاکٹر ہیرالڈ کے ذریعے کسی کو دے چکا ہوں لیکن میں یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ میرا دوسرا گردہ ناکارہ ہے۔"

"میڈیکل رپورٹ کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔"

فیٹی نے کہا۔ "جب میں ڈاکٹر ہیرالڈ کے پاس پہلی بار گیا تو میڈیکل رپورٹ کے مطابق میرے دونوں گردے صحیح تھے۔ جب ہیرالڈ نے آپریشن کے بعد ایک گردہ نکال لیا تو دوسرے کو صحیح رہنا چاہیے تھا۔ پھر وہ ناکارہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

رابرٹ نے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"سمجھنے کے لیے اور کیا رہ گیا ہے۔ اس قصائی نے میری بے ہوشی کے دوران دونوں گردے نکال لیے۔ اور اُن کی جگہ کسی مریض کے ناقص گردے کی پیوند کاری کر دی۔"

"اوہ گاڈ! تم نے ڈاکٹر ہیرالڈ کا گریبان نہیں پکڑا؟"

"ہمارا تمھارا ہاتھ اس کے گریبان تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ بظاہر ایک ڈاکٹر ہے۔ مگر چھپا ہوا مجرم ہے۔ سنا ہے اُس کے آدمی ہم جیسوں کو پلک جھپکتے ہی غائب کر دیتے ہیں۔ پھر کسی دوا یا انجکشن کے ذریعے کوما میں رکھتے ہیں اور بوقتِ ضرورت جسم سے مطلوبہ عضو نکال کر مہنگے داموں فروخت کر دیتے ہیں۔"

رابرٹ نے تھوک نگل کر پوچھا۔ "کیا وہ میرے بھی دونوں گردے نکال لے گا؟"

"کیوں نہیں، ضرور نکالے گا۔ تم اس کے رشتے دار تو نہیں ہو۔ اور ہو بھی تو یہ سمجھ لو کہ منافع خور کسی کا رشتے دار نہیں ہوتا۔"

فیٹی سے باتیں کرنے اور اس کی حالت دیکھنے کے بعد رابرٹ کا خون خشک ہونے لگا تھا۔ اب تو ہر روز اُسے یوں لگتا جیسے آج ہی ڈاکٹر ہیرالڈ کا بلاوا آئے گا اور وہ کہے گا، "چلے آؤ رابرٹ! ایک مریض کو گردے کی ضرورت ہے۔ آپریشن تھیٹر میں پہنچو۔"

اور جب آپریشن تھیٹر میں اسے بے ہوش کیا جائے گا تو بے ہوشی کے دوران ایک کے بجائے دونوں گردے نکال لیے جائیں گے۔ وہ سوچتا تھا اور فکر میں مبتلا ہوتا تھا۔ کبھی دل میں خیال آتا، یہ ملک یہ شہر چھوڑ کر دور چلا جائے۔ مگر ملک سے باہر بھاگنے کے لیے بھی رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ خواہ کتنی ہی تھوڑی رقم کی ضرورت ہو۔ اگر یہ ہوتی تو وہ تاش کی ایک بازی نہ کھیل لیتا؟

آج سے دو دن پہلے اس کا بلاوا آ گیا۔ ڈاکٹر ہیرالڈ کے ایک آدمی نے پیغام پہنچایا۔ "رابرٹ! کل صبح نہار منہ اسپتال پہنچو۔ ایک مریض کو گردے کی ضرورت ہے۔ تمھیں آپریشن تھیٹر لے جایا جائے گا۔ آج شام ڈاکٹر ہیرالڈ سے ملاقات کرو۔ تمھاری بقیہ رقم ساڑھے چار ہزار پونڈ ادا کر دیے جائیں گے۔"

رابرٹ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "جس مریض کو میرا گردہ دیا جائے گا، وہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی اسی اسپتال کے اسپیشل کمرہ نمبر دو میں ہے۔"

"مجھے اس کا نام معلوم ہونا چاہیے، جسے میں اپنے جسم کا ایک حصّہ دے رہا ہوں۔"

رابرٹ نے اس مریض کا نام معلوم کیا۔ شام کو ڈاکٹر ہیرالڈ سے مل کر بقیہ رقم وصول کی۔ دوسری صبح اسپتال آنے کا وعدہ کیا پھر ایک قمار خانے میں پہنچ گیا۔ وہاں آدھی رات تک کھیلتا رہا۔ کبھی ہارتا رہا کبھی جیتتا رہا۔ پھر ایک بجے اسپتال پہنچ گیا۔ اُس نے کوشش کی کہ کوئی اُسے پہچان نہ سکے۔ اس نے قتل کا جو منصوبہ بنایا تھا، اس میں دشواری تو ہوئی مگر وہ کامیاب رہا۔ اُس کا گردہ حاصل کرنے والا مریض ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا۔

رابرٹ کے سامنے یہی ایک راستہ تھا، وہ ڈاکٹر ہیرالڈ کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہتا تھا۔ دوسری صبح معصوم بن کر اسپتال پہنچا۔ ڈاکٹر نے گھور کر اُسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "بڑے خوش نصیب ہو۔ جب سے تم نے معاہدہ کیا ہے، کوئی تمھارے گردے کا خریدار نہیں آیا۔ جو آیا وہ پچھلی رات قتل کر دیا گیا۔ تم تو ہمارے بھی باپ نکلے۔"

"جی! میں نہیں سمجھا۔"

"میں تمھیں اچھی طرح سمجھا دوں گا۔ پہلے قاتل کے خلاف ثبوت ملنے دو۔ فی الحال ساڑھے چار ہزار پونڈ واپس کر دو۔"

"آپ نے یہ رقم واپس کرنے کے لیے نہیں دی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مریض دنیا سے اٹھ جائے گا۔ میں پچھلی رات دو ہزار پونڈ ہار چکا ہوں۔ صرف ڈھائی ہزار رہ گئے ہیں۔"

ڈاکٹر نے اپنے غنڈوں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے دونوں طرف سے آ کر رابرٹ کو پکڑا پھر ایک جھٹکے سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ اس کی تلاشی لی۔ تین ہزار پونڈ برآمد ہوئے۔ ڈاکٹر نے نوٹوں کو گننے کے بعد اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اسے خوب پلاؤ اور حقیقت اگلواؤ۔"

"نہیں! میں نہیں پیوں گا۔ مجھے چھوڑ دو۔"

اُسے چھوڑ دیا گیا لیکن رہائی ملتے ہی اس کے منہ پر ایک گھونسا پڑا۔ وہ ذرا پیچھے گیا۔ پیچھے سے ایک لات پڑی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے کی طرف جھکتا ہوا ایک دروازے سے ٹکرایا دروازہ کھل گیا۔ دوسری لات کھاتے ہی وہ کمرے کے اندر پہنچ گیا۔ وہاں شراب و شباب کا اہتمام کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر نے آ کر کہا۔ "بے وقوفو! اپنے شکار کی فطرت اور اس کے مزاج کو سمجھا کرو۔ رابرٹ عورتوں کا نہیں تاش کے پتوں کا دلوانہ ہے۔"

اُس نے تاش کی گڈّی میز پر پھینکتے ہوئے کہا۔ "اسے کھلاتے جاؤ اور پلاتے جاؤ۔"

وہ کمرے سے چلا گیا۔ ایک غنڈے نے رابرٹ کو ایک سو پونڈ دیتے ہوئے کہا۔ "یہ تمھارے ہیں، واپس نہیں لیے جائیں گے۔ آؤ اور سو کے سو ہزار بناؤ۔"

رابرٹ کبھی پینے کے لیے نہ بیٹھتا مگر تاش کے پتّے دل کھینچ رہے تھے۔ مُفت کے سو پونڈ مل گئے تھے۔ ایسے میں قسمت نہ آزمانا سراسر حماقت تھی۔ اُس نے سوچا، زیادہ کھیلے گا، تھوڑی پیے گا۔ مگر کھیل شروع ہوا تو مقدّر نے خوش کر دیا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اس نے سو کے ہزار پونڈ بنا لیے۔ وہ موڈ میں آ کر پینے لگا۔ اتنی سی بات سمجھ میں نہ آئی کہ مخالف کھلاڑی جان بوجھ کر ہار رہے ہیں۔

ایک گھنٹے بعد وہ ہارنے لگا۔ انسان بھی عجیب ہے

جب بازی مارتا ہے تو جشن منانے کے لیے پیتا ہے اور بازی [illegible]ارتا ہے تو غم غلط کرنے کے لیے شراب میں ڈوب جاتا ہے۔ وہ [illegible]ی ڈوب گیا۔ مدہوشی کے عالم میں جانے کیا کچھ بکتا رہا۔ اس کے [illegible]خالف سوالات کرتے رہے، وہ سینہ ٹھونک ٹھونک کر شیخی [illegible]سے جواب دیتا رہا۔ آخر کار نشے کی زیادتی نے اُسے بے خبر کر دیا۔

دوسری صبح آنکھ کھلی تو وہ ایک بستر پر پڑا ہوا تھا۔ وہ جگہ [illegible]ں کے لیے نئی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ تب اُسے یاد آیا۔ وہ فوراً [illegible]ی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہاں سے دروازے پر آیا۔ اُسے کھول کر [illegible]یسے ہی باہر قدم رکھنا چاہا ---- منہ پر گھونسا پڑا۔ وہ واپس [illegible]رے میں آ کر فرش پر گر پڑا۔ پھر چیخ کر کہنے لگا۔ "تم لوگوں نے [illegible]یھے حبسِ بے جا میں رکھا ہے۔ تم لوگ ڈاکٹر نہیں ڈاکو ہو۔ میں [illegible]ھانے میں رپورٹ کروں گا۔ تمھارے خلاف قانونی کارروائی کر دل[illegible]ا میں۔ میں...."

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ دوسرے کمرے سے خود اپنی آواز [illegible]ے سنائی دے رہی تھی۔ سمجھ میں آ گیا کہ اُدھر ٹیپ ریکارڈر [illegible]ل رہا ہے۔ کیسٹ سے اُس کی آواز ابھر رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ [illegible]اں، میں سینہ ٹھونک کر کہتا ہوں میں نے اُسے قتل کر دیا۔ اُس [illegible]ے گُردے ناکارہ تھے، اُسے مرنا چاہیے تھا۔ میرے گُردے [illegible]ام کر رہے ہیں مجھے جینے کا حق ہے۔ مگر یہ کیسی دنیا ہے۔ [illegible]ولت والے ہمارا حق چھین کر دل گُردے خرید لیتے ہیں۔ گویا [illegible]م جانور ہیں۔ نہیں جانور بھی نہیں ہیں۔ جانور کو تو ایک ہی [illegible]ت میں کاٹ کر فروخت کر دیا جاتا ہے۔ ہمیں قسطوں میں [illegible]اٹا جاتا ہے۔ کسی دن گردے کا خریدار آتا ہے، کسی دن [illegible]ال خریدنے والا آتا ہے۔ پھر ہماری موت کا انتظار کیا [illegible]اتا ہے۔ تاکہ اِدھر دم نکلے اُدھر ہمارا دل اور ہماری آنکھیں [illegible]ال لی جائیں۔"

کیسٹ آن تھا۔ وہ نشے میں بولتا جا رہا تھا۔ اُس [illegible]نے یہ بھی کہہ دیا کہ کس طرح اسپتال میں داخل ہوا اور اس [illegible]ریض کو کتنی چالاکی سے قتل کر کے چلا آیا۔ اب کیسٹ کے [illegible]ریعے اپنی زبان سے اپنا بیان سُن کر حلق خشک ہو رہا تھا۔ [illegible]س نے فرش سے اٹھ کر گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پانی!"

ایک حسینہ دروازے پر آئی۔ اس کے ہاتھ میں جام [illegible]ھلک رہا تھا۔ اس نے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "پیو۔"

رابرٹ نے جام لیا اسے ہونٹوں سے لگایا۔ حسینہ نے [illegible]ا۔ "یہ زہر ہے۔"

اُس کے ہاتھ سے جام چھوٹ کر فرش پر چکنا چور ہو گیا۔ [illegible]سینہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ وہ آگے بڑھا پھر رک گیا۔ دروازے پر ڈاکٹر ہیرالڈ آ گیا تھا۔ اس نے رابرٹ کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا۔ "جتنے ٹکڑے جام کے ہوئے، اتنے ہی تمھارے ہوں گے۔"

"مم... مجھے معاف کر دو۔"

"مجھے سمجھاؤ، تمھیں معاف کیوں کیا جائے؟ کیا اس لیے کہ جس مریض سے مجھے تیس ہزار پونڈ کی آمدنی ہونے والی تھی، اُسے تم نے قتل کر دیا۔ میں تمھیں پانچ ہزار دے رہا تھا۔ باقی پچیس ہزار کا منافع میرا تھا۔ تم نے مجھے ڈبو دیا۔ میں تمھیں معاف کیوں کر دوں؟ زندہ کیوں چھوڑ دوں؟"

"میں تمھارا نقصان پورا دوں گا۔ ایک کے بدلے دو گردے دے دوں گا۔ دل دے دوں گا، جان دے دوں گا۔"

"میرے ہاتھوں مرنے سے گھبرا رہے ہو۔ پھر جان کیسے دو گے؟"

"میں بے مقصد نہیں مرنا چاہتا۔ جب تک زندہ رہوں گا، میرے جسم کا ایک ایک حصّہ تمھاری امانت رہے گا۔ تم جب بلاؤ گے، میں چلا آؤں گا۔ میں زیادہ رقم نہیں مانگوں گا۔ بس اتنا دے دینا کہ میں تھوڑی پی سکوں، تھوڑا کھیل سکوں۔"

"تم نہ بھی کہو، تب بھی تمھارے جسم کے ایک ایک حصّے کا مالک میں ہوں۔ تم یہ شہر چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکو گے۔ یقین نہ ہو تو جاؤ آزما لو۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

ڈاکٹر ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ جانے لگا۔ ڈاکٹر نے پیچھے سے کالر پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "یہ آواز جو کیسٹ میں ریکارڈ کی گئی ہے، یہ قانونی چارہ جوئی کے لیے ہے۔ مگر میں قانونی بکھیڑوں میں پڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔ وقت ضائع کیے بغیر سزا سنا دیتا ہوں۔ آئندہ مجھے دھوکا دینا چاہو گے تو میرے آدمی کہیں بھی تمھیں گولی مار دیں گے۔"

اس نے کالر کو چھوڑ دیا۔ رابرٹ وہاں سے جان چھڑا کے چلا آیا۔ مگر جان نہیں چھوٹی تھی، ڈاکٹر کے بس میں تھی۔ وہ جب چاہتا اُسے ایک قصائی کی طرح پکڑوا کر آپریشن تھیٹر میں بلا لیتا۔ اس نے شہر چھوڑ دینے کے متعلق سوچا۔ یہ آزمانا مقصود تھا کہ ڈاکٹر کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں؟

واقعی ڈاکٹر ہیرالڈ پورے شہر میں شیطان کی آنت کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ رابرٹ جب بھی ائیر پورٹ، ریلوے اسٹیشن یا کنٹری سائیڈ جانے والی بسوں کے اسٹاپ پر پہنچتا تو ڈاکٹر کا کوئی نہ کوئی آدمی قریب سے گزرتا ہوا کہتا تھا۔ "تم منافع بخش جسم ہو، ہم تمھارے سائے ہیں، جہاں جاؤ گے ہمیں پاؤ گے۔"

وہ شہر سے باہر نہ جا سکا۔ اور شہر میں سکون غارت ہو

گیا تھا۔ برسوں تک جینے کی آس نہیں رہی تھی۔ وہ ہر رات اس خوف سے کروٹیں بدلتا رہتا کہ دوسری صبح بلاوا آئے گا۔ ڈاکٹر نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ تقدیر کا دھنی ہے۔ موت ایک دن ضرور آتی ہے۔ مگر گاہک نہیں آرہا تھا۔ روز بروز کے انتظار سے دہشت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ کچھ خبطی ہو چلا تھا۔ ہر آہٹ پر چونکتا تھا۔ ہر بات پر غصہ دکھاتا تھا۔ شاید اسے ہر شخص قصائی نظر آنے لگا تھا۔

ایسے ہی وقت جب اُس نے اخبار میں میرا اشتہار پڑھا کہ مجھے ایک گردے کی ضرورت ہے اور میں پچاس ہزار پونڈ دینے کو تیار ہوں تو وہ غصے سے بھڑک گیا۔ پچاس ہزار میں تو ڈاکٹر ہیرالڈ اُس کے بدن کی بوٹی بوٹی بیچ دے گا۔ اسی غصے میں رابرٹ نے مجھے فون کیا تھا۔ اور جی بھر کے گالیاں بکتا رہا تھا۔

اُس نے ایک بوتھ سے فون کیا تھا۔ پھر رابطہ ختم ہوتے ہی وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ جب سے میرا اشتہار شائع ہوا تھا، وہ ایک جگہ ٹھہرتا نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا ڈاکٹر ہیرالڈ اخبار پڑھتے ہی رومیو کاسترو سے سودا کرے گا۔ پھر اسے آپریشن تھیٹر میں بلائے گا۔ اگر وہ انکار کرے گا تو غنڈے اسے اغوا کریں گے۔ اغوا کرنے میں ناکام رہے تو اُسے گولی مار دیں گے۔

ڈاکٹر ہیرالڈ کا تعلق "دی گریٹ ڈیلرز" کے ادارے سے تھا۔ میں نے اس سے پانچ بجے شام کو ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس سے پہلے میں دماغی ملاقات کے لیے اس کے پاس پہنچ گیا۔ یہ لوگ بظاہر قانونی طور پر یہ کاروبار کرتے تھے۔ اگر کوئی رضامندی خوشی اپنے جسم کی تھوڑی سی کھال یا ایک گردے کا عطیہ دے تو قانون آڑے نہیں آتا تھا۔ لیکن اس ادارے کی آڑ میں قانون سے کھیلا جاتا تھا۔ یہ ایسے لوگوں کو اپنے خفیہ اڈے میں تبدیلیٔ اعضا کے لیے لے جاتے تھے، جو زندگی سے بیزار ہوتے، خودکشی کرنا چاہتے اور ہیرالڈ کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ جاتے۔ یا کوئی ایسا شخص ہوتا جس کا کوئی پُرسانِ حال نہ ہو۔ یا کوئی بھٹکا ہوا پردیسی ہو تو ایسے افراد کو اغوا کر کے اپنا قیدی بنا لیتے تھے۔

قیدی خواہ کیسا ہی ہو، اسے پا بہ زنجیر رکھنا پڑتا ہے یا آہنی سلاخوں کے پیچھے تنگ کوٹھریوں میں محدود کر دیا جاتا ہے۔ پھر مسلح گارڈز کا پہرہ لگانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر ہیرالڈ کے قیدی آزاد ہوتے تھے نہ انھیں زنجیروں میں نہ آہنی سلاخوں کے پیچھے رکھا جاتا تھا، نہ مسلح پہرہ بٹھایا جاتا تھا۔ ان قیدیوں کو صرف ایک انجکشن لگایا جاتا تھا۔ اس کے اثر سے ان کے جسم ساکت اور دماغ بے حس ہو جاتا تھا۔ وہ نہ حرکت کر سکتے تھے، نہ کچھ سوچ سکتے تھے۔ صرف دل کمزوری سے دھڑکتا رہتا تھا، نبض چلتی رہتی تھی، آنکھیں کھلی رہتی تھیں۔ اُن میں بصیرت ہوتی تھی، بصارت نہیں ہوتی تھی۔ انھیں زندہ رکھنے کے لیے انجکشن کے ذریعے مخصوص غذا پہنچائی جاتی تھی۔ اس طرح وہ خفیہ سرد خانے میں پڑے رہتے تھے۔

میں نے اس کی سوچ میں رسونتی کا نام لیا۔ اس نے حیرانی سے سوچا "کیا؟ یہ میرے دماغ میں ابھی کون سی بات آئی تھی؟ پوری بات نہیں صرف ایک لفظ تھا۔ وہ کیا تھا؟"

میں نے پھر اس کی سوچ میں ٹھہر ٹھہر کر کہا "رسن... ون... تی"

"یہ لفظ میں نے کہیں پہلے بھی سنا ہے۔"

میں نے آہستگی سے کہا "سو... نی... یا..."

وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ نام اسے الیکٹرک شاک کی طرح لگا تھا۔ اس نام کے ساتھ ہی اُسے فرہاد علی تیمور یاد آیا۔ پھر وہ کسی پُراسرار ٹیلیفون کال کے مطابق سوچنے لگا۔ میں نے بڑے صبر سے اُس کے دماغ کو کریدنا شروع کیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آج سے دس دن پہلے کسی نے فون پر رابطہ قائم کیا تھا اور کہا تھا "ڈاکٹر ہیرالڈ! ہم تمھیں اور تمھارے کاروبار کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کاروبار کے حوالے سے ہمارے ایک شکار کو رکھنا چاہو تو منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا۔"

ہیرالڈ نے جواب دیا تھا "پتا نہیں تم کس کاروبار کی باتیں کر رہے ہو۔ بائی دی وے ذرا بھی عقل رکھتے ہو تو روبرو آ کر باتیں کرو۔"

"ہم جانتے ہیں، تم فون پر ایسے معاملات میں گفتگو نہیں کرو گے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم کسی کے سامنے نہیں آ سکتے۔ ہاں، ہمارا ایک کارندہ تمھارے روبرو آ کر سارے معاملات طے کر لے گا۔"

اسی شام دو ایشیائی باشندے اس سے ملنے آئے۔ اُس نے پوچھا "تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

ایک نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس میں ایک ٹائپ شدہ خط تھا۔ جس میں لکھا تھا "ڈاکٹر ہیرالڈ! صبح فون پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اس معاملے کو آگے بڑھانے کے لیے یہ دو نمائندے حاضر ہیں۔"

ہیرالڈ نے ان سے پوچھا "تم کس ملک سے تعلق رکھتے ہو؟"

ایک نے جواب دیا "ایشیا کا کوئی بھی ملک سمجھ لو۔ تم ہمارے باس کا اندازہ نہیں لگا سکو گے۔ اُس کے خانے میں دنیا کے ہر ملک کے مجرم پناہ لیتے ہیں اور اس کے لیے کام کرتے رہتے ہیں۔"

"تمھارا باس کیا چاہتا ہے؟"

"تمھارے سرد خانے میں اپنے ایک شکار کو کوما میں رکھنا چاہتا ہے۔"

"پہلے شکار کے تمام کوائف بیان کرو۔"

"کیا یہ ضروری ہے؟"

"بے شک۔ اگر تم کسی ایسے شخص کو سرد خانے میں پہنچاؤ گے جو میرے لیے دردِ سر بن جائے تو..."

"جب وہ کوما میں رہے گا تو دردِ سر کیسے بنے گا؟"

"ایک پتّا اڑتا ہوا اندر آتا ہے، ہم اُسے باہر پھینک دیتے ہیں، یہ بھول جاتے ہیں کہ ہوا اس کے ساتھ آئی تھی۔ آج تک کسی نے مصیبت کو آتے نہیں دیکھا۔ جب وہ آجاتی ہے تب انکشاف ہوتا ہے۔"

آنے والے نے پوچھا "فرہاد علی تیمور کا نام سنا ہے؟"

ہیرالڈ نے جواب دیا "میرا باپ سنتے سنتے مر گیا۔ اب میں سن رہا ہوں۔ گمان غالب ہے کہ ہماری اولادیں بھی سنتی رہیں گی۔"

"ہم اسی فرہاد کو یہاں پہنچائیں گے۔"

ہیرالڈ نے پہلے تو چونک کر انھیں دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا تم لوگ مجھے ٹیلی پیتھی کے سرد خانے میں پہنچانا چاہتے ہو؟"

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اسپتال میں زخموں سے چور ہے۔ خیال خوانی کے قابل نہیں ہے۔ ہم کسی وقت بھی اسے پاکستان سے یہاں پہنچا سکتے ہیں۔"

"تم کسی دوسرے سرد خانے میں پہنچا دو۔ میرے ہاں ہاؤس فل ہے۔"

"ہم تمھیں منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔"

"مسٹر! تمھارا باس شہ زور ہوگا، اسی لیے فرہاد کو شکار کرنا چاہتا ہے۔ میں دو چٹانوں کے درمیان سینڈوچ نہیں بنوں گا۔ بھاری معاوضے کے لالچ میں آنے سے بہتر ہے میں چھوٹے چھوٹے شکار کروں اور تھوڑا تھوڑا منافع حاصل کرتا رہوں۔ پلیز مجھے معاف کرو۔"

وہ دونوں جانے کے لیے اٹھ گئے۔ ایک نے کہا "تم نے باس کے ڈیئر گیم کی قدر نہیں کی۔ ابھی تو ہم جا رہے ہیں مگر جس دن تمھاری خدمات حاصل کرنا چاہیں گے، جبراً حاصل کر لیں گے۔ فی الحال تم اپنے کاروبار سے بہلتے رہو۔"

وہ چلے گئے۔ اس کے بعد نہ وہ واپس آئے، نہ اُن کے باس نے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے ڈاکٹر ہیرالڈ کو نظر انداز کیوں کیا؟ یہ بات میری سمجھ میں آگئی۔ جن دنوں میں ساہیوال کے اسپتال میں زخمی پڑا ہوا تھا اور خیال خوانی کی طاقت نہیں رہی تھی، دشمنوں کو یہ یقین تھا کہ وہ مادام کمپیوٹر کی مدد سے مجھے اغوا کر لیں گے۔ پھر ایک سرد خانے میں پہنچا کر کوما میں رکھیں گے۔ اس طرح ٹیلی پیتھی سے نجات ملے گی۔ اور میرے ساتھی بھی مجھے تلاش کرنے کے دوران ایک ایک کر کے اُن کے ہاتھوں سرد خانوں میں پہنچ جائیں گے۔

وہ مجھے اغوا کرنے میں ناکام رہے تھے لیکن موقعے کی تاک میں تھے۔ میں اُن کے ہاتھ نہیں آیا، میرے تمام ساتھی آگئے۔ مگر وہ سب کون سے سرد خانے میں تھے؟ ڈاکٹر ہیرالڈ کا دماغ بتا رہا تھا کہ میرا کوئی ساتھی اس کے سرد خانوں میں نہیں ہے۔ فون پر باتیں کرنے والے پُراسرار باس نے پھر کبھی اس سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔

میں یہی کاروبار کرنے والے دوسرے ادارے کے منیجر کے پاس پہنچ گیا۔ اس منیجر نے اشتہار پڑھنے کے بعد مجھے فون کیا تھا۔ میں اس کے دماغ سے ہوتا ہوا اُس ادارے کے سب سے بڑے ڈاکٹر آرتھا کے پاس پہنچ گیا۔ اس سے جو معلومات حاصل ہوئیں، وہ ڈاکٹر ہیرالڈ کی داستان سے مختلف نہیں تھیں۔ یعنی اُس سے بھی کسی پُراسرار باس نے سونیا کو سرد خانے میں لا کر رکھنے کی بات کی تھی۔ اس کے بعد یہ بات آگے نہیں بڑھی۔ سرجن فلیش کے اندر پہنچ کر میں نے معلوم کر لیا تھا کہ سونیا اور رسونتی وغیرہ اس کے سرد خانوں میں نہیں ہیں۔

میں نے تیسرے ادارے میں بھی معلومات حاصل کیں پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ لندن کے کسی ادارے میں کسی سرد خانے میں میرا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ کسی پُراسرار شخص نے دکھاوے کے لیے ان اداروں سے سودا کیا ہو۔ انھیں سونیا اور فرہاد وغیرہ کے ناموں سے چوکنا کر کے سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی، مرجانہ، لیلیٰ، سجاد اور ٹارزن بیا وغیرہ کو انہی اداروں کے سرد خانوں میں اس طرح پہنچایا ہو کہ ان اداروں کے مالکان کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔ سونیا وغیرہ کو بے حس بنا کر ان کے چہروں کو میک اَپ کے ذریعے بدلا جا سکتا ہے۔ ان سب کو دوسرے ناموں سے سرد خانوں میں پہنچایا جا سکتا ہے۔

اس پہلو پر غور کرنے کے بعد تینوں اداروں کے ڈاکٹروں سے معلوم ہوا کہ مختلف عورتیں اور مرد پچھلے پچاس گھنٹوں کے اندر مختلف سرد خانوں میں پہنچائے گئے ہیں۔ بس اتنی ہی معلومات

کافی تھیں۔ میں نے اعلیٰ بی بی کے ماتحتوں سے کہا: "میک اَپ کا سامان فراہم کرو۔ میں تینوں اداروں میں باری باری جاؤں گا۔"

آدھے گھنٹے میں سامان فراہم کیا گیا۔ میں میک اَپ کرنے لگا۔ میری ہدایات کے مطابق ایک چھوٹے سے بریف کیس میں دس ہزار پونڈ کے چھوٹے بڑے نوٹ رکھے گئے۔ میں میک اپ کرتے وقت رابرٹ کی خبر لے رہا تھا۔ وہ سہما ہوا تھا، ہیرالڈ کے آدمیوں سے چھپتا پھر رہا تھا۔ یہی ایک بات دماغ میں سمائی ہوئی تھی کہ ہیرالڈ پچاس ہزار پونڈ نہیں چھوڑے گا۔ رومیو کاسترو سے سودا کرے گا۔ پھر اس کے آدمی اُسے پکڑ کر آپریشن تھیٹر میں لے جائیں گے۔

میں میک اَپ کر کے رہائش گاہ سے باہر آیا۔ ایک کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ایک ماتحت ڈرائیور کا فرض انجام دے رہا تھا۔ وہ میری ہدایت کے مطابق کار ڈرائیو کرتا ہوا مجھے بیکر اسٹریٹ تک لے آیا۔ اس دوران میں نے رابرٹ کو ٹریپ کرتے ہوئے وہاں پہنچا دیا تھا۔ وہ ایک پب کے سامنے کھڑا بیئر پی رہا تھا اور محتاط نظروں سے ہیرالڈ کے آدمیوں کو تاڑ رہا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق اسٹریٹ لیمپ کے پاس کھڑا ہوا شخص ہیرالڈ کا آلۂ کار ہو سکتا تھا۔ میں نے رابرٹ کو اپنی کار کے پاس آنے پر مجبور کیا۔ اس وقت میں بریف کیس کھول کر چھوٹے بڑے نوٹوں کی گڈیاں اِدھر سے اُدھر رکھ رہا تھا۔ وہ کار کے قریب پہنچتے ہی ٹھٹک گیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نوٹوں کو دیکھنے لگا۔ وہ تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل سے سوچ رہا تھا: "کاش یہ دولت میرے ہاتھ آجاتی۔ آج رات کیسینو میں یہ رقم لے کر کھیلنے بیٹھ جاؤں تو اس سے چار گنی رقم جیت کر اٹھوں گا۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "انجانے دشمن پیچھے لگے ہیں۔ مجھے اس کار والے سے لفٹ مانگ کر یہاں سے بھاگنا چاہیے۔ راستے میں ہاتھ کی صفائی دکھانے کا موقع مل سکتا ہے۔"

اُس نے کار کی کھڑکی کے پاس جھک کر لفٹ کے لیے پوچھا۔ میں نے خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ وہ میرے پاس پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا: "میرا نام رابرٹ ہے۔ میں کول مائن میں سپروائزر ہوں۔"

میں نے ناگواری سے کہا: "پھر تو میں نے غلط آدمی کو لفٹ دی ہے۔ تم تو حلال کی روزی کھانے والے لگتے ہو۔"

"جی میں نہیں سمجھا۔ آپ نے مجھے کیا سمجھ کر لفٹ دی ہے؟"

"بھئی ناراض نہ ہونا، میں نے تمھیں دلال سمجھا تھا۔"

اس نے تعجب سے پوچھا: "کیا لندن شہر میں لڑکیوں کی کمی ہے کہ تمھیں دلال کی ضرورت پڑ رہی ہے؟"

میں نے کہا: "یوں تو قدم قدم پر لڑکیاں ملتی ہیں۔ خوب سے خوب تر بھی ہیں۔ مجھے خوب ترین چاہیے۔"

اُس نے بریف کیس کو دیکھا پھر کہا: "میں حلال کی روٹی کھاتا ہوں۔ مگر تمھارے لیے یہ کام کر سکتا ہوں۔"

"ویری گڈ تو پھر ڈرائیور کو گائیڈ کرو۔"

اُس نے پتا بتایا۔ کار اُدھر چل پڑی۔ اُس نے پوچھا "مجھے کیا ملے گا؟"

"لڑکی دولت جیسی حسین ہوگی تو..." میں نے بریف کیس کو تھپکتے ہوئے کہا: "جتنا چاہو گے لے جاؤ گے۔"

وہ ہوسناکی سے خلا میں تکتے ہوئے کسی قمار خانے میں پہنچ گیا۔ میں نے معلوم کر لیا، وہ پورے بریف کیس پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے مجھے اپنی بہن کے پاس لے جا رہا تھا۔ آدمی انتہائی شریف بھی ہوتا ہے، اور انتہائی ذلیل بھی۔ غیرت مند ہو تو بہن کے لیے جان دے دیتا ہے۔ بے غیرت ہو تو بہن کی عزت کو ایک بریف کیس میں نیلام کر دیتا ہے۔

وہ مجھے ایک اپارٹمنٹ کے سامنے لے آیا۔ پھر بولا: "تم ایک منٹ انتظار کرو، میں ابھی آیا۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے ماتحت سے کہا: "جب میں اندر جاؤں تو تم کہیں سے ٹیلیفون کے ذریعے ڈاکٹر ہیرالڈ سے سودا کرنا۔ میرا نام موجودہ روپ میں جوپیٹر ہے۔ تم جوپیٹر بن کر اُس کے سرد خانے میں ایک شکار کے لیے جگہ طلب کرو گے۔ اس کے لیے منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا۔"

اس نے پوچھا: "سر! شکار کون ہے؟"

میں نے سرد لہجے میں کہا: "رابرٹ کی بہن۔"

"اوہ گاڈ! آپ اسے سرد خانے میں پہنچائیں گے؟"

"ہاں۔ سرد خانہ۔"

"وہ کوما میں رہے گی؟"

"ہاں۔ میں اسی کے ذریعے سرد خانے میں پہنچ کر اپنوں کو تلاش کر سکتا ہوں۔"

"سر! اگر آپ نے سرد خانے کا محلِ وقوع معلوم کر لیا ہے تو ہم اپنی مسلح پارٹی کے ساتھ وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ یا پولیس ریڈ کرا سکتے ہیں۔"

"پھر کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ڈاکٹر ہیرالڈ کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ اُس سرد خانے کا انتظام کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ جب پولیس ریڈ یا دشمنوں کی دھاندلی کا اندیشہ ہوتا ہے تو مخصوص میکنزم کے ذریعے اُس سرد خانے کو انڈر گراؤنڈ پہنچا دیا جاتا ہے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے، میں اس کے دماغ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

رابرٹ نے آکر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا: "آؤ اور حسن کا جلوہ دیکھو، شاید تم نے زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔"

میں گاڑی سے اُتر گیا۔ اعلیٰ بی بی کا ماتحت کار کی ٹنکی فل کرانے کے بہانے وہاں سے چلا گیا۔ رابرٹ مجھے اس اپارٹمنٹ کے کمرے میں لایا، ایک صوفے پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر اندر چلا گیا۔ اس کے ذریعے پتا چلا، اس کی بہن کا نام لیزا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں پردے کے پیچھے سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ رابرٹ کو دیکھ کر بولی: "کیا اُس بریف کیس میں وہ بڑی رقم ہے؟"

"ہاں۔ سمجھو، سب مال ہمارا ہے۔"

"مگر کیسے؟"

"بیٹی وہ تمھارا مہمان ہے۔ اُسے ویلکم کہو۔ مسکرا کر ڈرنک پیش کرو۔ وہ ذرا موڈ میں آئے گا تو میں اس سے پتے کھیلوں گا۔"

"نو رابرٹ! یہ قمار خانہ نہیں ہے۔"

"میں کسی قمار خانے میں اسے لے جاؤں گا تو کتنے ہی جواری اسے گھیر لیں گے۔"

"تو میں کیا کروں؟"

"اپنے بھائی کی مدد کرو۔"

"کب تک مدد کرتی رہوں۔ جب تم ہزاروں میں کھیلتے ہو تو بہن یاد نہیں آتی۔ ہارتے ہو تو میرے پاس آتے ہو۔ محنت سے بری کمائی چھین کر لے جاتے ہو۔ تمھیں قرض دینے والے مجھے پریشان کرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ہیرالڈ نے مجھے دھمکی دی تھی، اگر تم شہر چھوڑ کر جاؤ گے تو وہ مجھے غائب کر دیں گے۔"

"بریف کیس کی یہ رقم جیت کر میں ڈاکٹر کے منہ پر ماروں گا۔"

"تمھیں یہ رقم جیتنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"میں ڈاکٹر کے غنڈوں سے چھپتا پھر رہا ہوں۔ آج صبح کے اخبار میں رومیو کاسترو نے پچاس ہزار پونڈ کی آفر دی ہے۔ ڈاکٹر اس رقم کی خاطر میری بوٹی بوٹی کاٹ کر بیچ دے گا۔"

"میں نے کہا نا! تمھیں رقم ادا کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ڈاکٹر کے غنڈے تمھاری طرف رُخ نہیں کریں گے۔"

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہو؟"

"وہ لوگ میرے پاس آئے تھے، مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔"

"کیوں لے گئے تھے؟"

"تمھارا وہ کیسٹ سنانے، جس میں تم نے ارتکاب قتل کا اعتراف کیا ہے۔"

"میں انھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"یہی وہ بھی کہہ رہے تھے۔ اس مریض سے ہزاروں پونڈ وصول ہونے والے تھے۔ تم نے اُسے قتل کر کے انھیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ وہ مجھ سے کہہ رہے تھے، اگر میں نے اپنے جسمانی اعضاء کا سودا نہیں کیا تو تمھیں مار ڈالیں گے۔"

رابرٹ نے پاؤں پٹخ کر کہا: "میں ان سے اپنا سودا کر چکا ہوں۔"

"انھیں تم پر بھروسا نہیں ہے۔ میں نے اس شرط پر اُن سے سودا کیا ہے کہ وہ تمھارا سودا منسوخ کر دیں گے۔ تمھیں دی ہوئی رقم واپس نہیں لیں گے۔ اور نہ ہی تمھیں جبراً آپریشن تھیٹر لے جائیں گے۔"

"کیا تم نے واقعی ان سے معاہدہ کیا ہے؟"

"رابرٹ! تم کیا سمجھتے ہو۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو تم اُن سے چھپ سکتے تھے؟ کبھی نہیں۔ اُن کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ یہ تمھاری خوش فہمی ہے کہ تم اب تک ان سے چھپنے میں کامیاب رہے ہو۔ میرے بھائی! کیا تم بہن کے پیار کو کبھی نہیں سمجھو گے۔ وہ دشمن تمھیں مار ڈالتے تو کیا میں زندہ رہتی؟ نہیں رابرٹ نہیں۔ اب کبھی ایسا سودا نہ کرنا۔ میرے پاس ایک ہی جان ہے، ایک ہی جسم ہے، میں نے تمھاری خاطر اس کا سودا کر لیا۔ شکر ہے جسم کا سودا کیا ہے، عزت کا نہیں۔ آئندہ ایسا کرو گے تو میں کہاں کہاں تمھیں بچاتی پھروں گی۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے بہن کو دیکھا۔ لالچی انسان دیکھتا ایک طرف ہے، سوچتا ایک طرف ہے۔ وہ بریف کیس کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس نے قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "میں جانتا ہوں، تم مجھے بہت چاہتی ہو۔ تم میرے لیے قربانیاں دیتی آئی ہو۔ آج میں قربانی دوں گا۔ اس اجنبی مہمان سے جیتی ہوئی رقم ڈاکٹر ہیرالڈ کے منہ پر ماروں گا اور تمھارا معاہدہ منسوخ کرا دوں گا۔ چلو دیر نہ کرو، مہمان تنہا ہے۔ تم اس سے باتیں کرو۔ میں ڈرنک بنا کر لاتا ہوں۔"

وہ شراب کے دو پیگ بنانے الماری کے پاس گیا۔ لیزا میری طرف آئی۔ درمیانی دروازے پر رُک کر مسکراتے ہوئے دیکھا۔ میں جواباً مسکراتے ہوئے اٹھ گیا۔ اُس نے آگے بڑھ کے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا۔ میں اس کے خوبصورت سفید ہاتھ کی تعریف ضرور کرتا۔ مگر میرے ہاتھ سے میری چاہنے

والیوں کے ہاتھ چھوٹ گئے تھے۔ لیزا بے انتہا حسین ہونے کے باوجود کشش کا باعث نہ بن سکی۔

اس نے کہا "میرا نام لیزا ہے۔ میں رابرٹ کی بہن ہوں۔ بیٹھ جاؤ۔"

میں نے ڈراما پلے کرنے کی خاطر عاشقانہ انداز میں کہا۔ "بیٹھوں گا تو سر اٹھا کر چاند کو دیکھنا ہوگا۔ ابھی یہ روبرو ہے۔"

وہ ہنستی ہوئی بیٹھ گئی۔ میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا "کیا چاند پر کوئی اُترا ہے؟"

"ہاں۔ اب تک دو انسان جھنڈے گاڑ چکے ہیں۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا "پھر تو میں غلط جگہ آ گیا۔"

اس نے حیرانی سے اٹھتے ہوئے پوچھا "کیا مطلب؟"

"مطلب رابرٹ سے پوچھو۔ اس نے کہا تھا' اس چاند تک ابھی تک کوئی نہیں پہنچا ہے۔"

"یو شٹ اپ۔ کیا تم نے مجھے بکنے والی سمجھا ہے؟"

"جب میں نے پہلے تمھیں دیکھا ہی نہیں تو سمجھوں گا کیا؟ مجھے تو سمجھایا گیا ہے۔"

"میں سمجھانے والا کا منہ توڑ دوں گی۔"

"منہ سے پہلے ناک توڑو۔ دنیا کو معلوم تو ہو کہ بے غیرت کی ناک نہیں ہوتی۔ یہ لو، آ گیا رابرٹ، شروع ہو جاؤ۔"

رابرٹ دو ہاتھوں میں دو جام اٹھائے آ رہا تھا۔ لیزا نے غصے سے پوچھا "کیا تم نے اس سے کہا ہے کہ میں گندی لڑکی ہوں؟"

وہ گڑبڑا گیا۔ فوراً سنبھل کر بولا "ارے مسٹر! میرا مطلب ہے مسٹر! تم نے کیا نام بتایا تھا اپنا۔ خیر نام کچھ بھی ہو۔ یاد رکھو' لیزا بہت اچھی لڑکی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے رابرٹ نے مجھے آنکھ ماری۔ ایک جام میرے سامنے سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا "سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹھیک ہونے کے لیے موڈ بنانا ضروری ہے۔ موڈ بنانے کے لیے پینا لازمی ہے۔ لیزا! یہ تمھارے لیے ہے۔ غصہ تھوک دو۔"

لیزا نے غصے سے مجھے گھورتے ہوئے گلاس لیا۔ میں چند سیکنڈ کے لیے رابرٹ کے دماغ پر قابض ہوا۔ اُس نے میرے لیے رکھے ہوئے جام کو اٹھایا پھر ایک ہی سانس میں حلق سے اتار لیا اور خالی جام میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں نے اس کے دماغ کو چھوڑ دیا۔ وہ ذرا بوکھلایا۔ پھر کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا "ارے واہ لیزا! دیکھو ہمارے مہمان نے جام خالی کر دیا۔ اور تم ابھی تک ہاتھ میں لیے کھڑی ہو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ہچکی لی۔ لیزا نے کہا "رابرٹ! تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ باس کا حصہ میری آنکھوں کے سامنے پی گئے۔ پھر کہتے ہو مہمان کو پلایا ہے۔ جاؤ دوسرا پیگ لاؤ۔"

رابرٹ نے دوسری ہچکی لی "ہیں۔ یہ مجھے ہچکیاں کیوں آ رہی ہیں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے پی ہے۔ حالاں کہ نہیں پی ہے۔ کوئی بات نہیں، میں دوسرا لاتا ہوں۔"

وہ میرے ہاتھ سے خالی جام لے کر جانے لگا مگر لڑکھڑا گیا۔ دیوار کے سہارے سنبھل گیا۔ کہنے لگا "تعجب ہے۔ میں نے نہیں پی۔ مگر قدم لڑکھڑا رہے ہیں۔"

وہ چلا گیا۔ لیزا نے پریشان ہو کر کہا "رابرٹ ایک پیگ میں کبھی نہیں بہکتا۔ اسے کیا ہو گیا ہے۔ مسٹر! کیا نام ہے تمھارا؟"

"جیو پیٹر۔"

"تم یہ پیگ لو۔"

"نہیں یہ تمھارا ہے۔"

"میں پیش کر رہی ہوں۔"

رابرٹ نے کمرے میں آ کر کہا "تم پیش نہ کرو۔ میں لے آیا ہوں۔"

وہ بھرا ہوا جام لے کر ڈگمگاتے ہوئے میرے سامنے آیا' مجھے پیش کیا۔ میں نے لینے کے ارادے سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اُس نے فوراً ہی جام کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اسے ہونٹوں سے لگا لیا۔ لیزا "ارے ارے" کہتی رہ گئی' اس نے اُسے غٹاغٹ خالی کر دیا۔ اس خالی جام کو پہلے کی طرح میرے ہاتھ میں تھما کر بولا "کمال ہے مہمان نے دوسرا جام بھی پی لیا۔ اور تم ابھی تک ہاتھ میں لیے کھڑی ہو۔"

اُس نے ایک زور کی ہچکی لی۔ پھر صوفے پر گر پڑا۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ وہاں سے لڑھکتا ہوا فرش پر آ کر چاروں شانے چت ہو گیا۔ لیزا نے اپنا جام مجھے دیتے ہوئے کہا "تم پیئو۔ میں اسے سنبھالتی ہوں۔"

وہ اس کے پاس جا کر فرش پر جھک گئی۔ میں نے کہا "میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ اسے پی جاؤں۔ میرے سامنے پینے والا دو ہی پیگ میں آؤٹ ہو گیا ہے۔ یقیناً اس میں کوئی چیز ملائی گئی ہے۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولی "کیا تم سمجھتے ہو، ہم مہمانوں کو کچھ ملا کر پلاتے ہیں؟"

"ہاں یہی کرتے ہو تم لوگ۔ اسی لیے تم نے اپنا حصہ مجھے دیا ہے۔"

اُس نے میرے ہاتھ سے جام لے کر کہا "ابھی تمھارا شک دور کرتی ہوں۔"

اس نے ہونٹوں سے اُسے لگایا۔ پھر چند گھونٹ میں خالی کر دیا۔ اس کا منہ بنا۔ اُس نے کچھ محسوس کیا۔ پھر ہچکی لی۔ میں نے کہا

"رابرٹ نے بھی اسے پیتے ہی ہچکی لی تھی۔ اب بتاؤ یہ شراب ہے یا شر انگیز آب ہے؟"

وہ جھومتے ہوئے نشیلی آواز میں بولی "مجھے ایک پیگ میں نشہ نہیں ہوتا۔ تم ٹھیک کہتے ہو، یہ شراب ہے، مگر شراب میں کچھ کالا ہے۔"

وہ ڈگمگا کر گرتے گرتے مجھ پر آ گئی۔ جام چھوٹ کر قالین پر چلا گیا۔ میں نے پوچھا "نشے کی عینک سے دیکھ رہی ہو، کیسا لگ رہا ہوں؟"

اس نے ایک انگلی میری ناک پر رکھتے ہوئے کہا "فنٹاسٹک' اب تک کہاں تھے؟"

"زمین پر تھا۔ اب چاند پر پہنچنے والا ہوں۔ چلو۔"

میں نے اپنا بریف کیس اٹھایا پھر اُسے سنبھالتے ہوئے اپارٹمنٹ سے باہر آ گیا۔ ماتحت نے کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ وہ میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی "میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"ہم کہیں نہیں جا رہے ہیں۔ یہ کار جا رہی ہے۔"

کار چلنے لگی۔ وہ ہنستے ہوئے بولی "او۔ سچ مچ کار جا رہی ہے۔ میں سمجھی ہم جا رہے ہیں۔"

وہ ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی۔ میں نے پوچھا "کچھ ہوش ہے' کس حال میں ہو؟"

"میں ہوش میں ہوں اور مدہوش بھی ہوں۔ میں جانتی ہوں تم اجنبی ہو۔ مجھے کہیں لے جا رہے ہو۔ مجھے جانا نہیں چاہیے مگر میں جا رہی ہوں۔ مجھے تمھارے اتنے قریب نہیں آنا چاہیے مگر میں دور ہونا بھی نہیں چاہتی۔"

"جس بھائی سے تم اندھا پیار کرتی ہو' یہ اسی کی کارستانی ہے۔ اس نے شراب میں نیند کی گولیاں ملا دی تھیں۔ ایسا نشہ مہلک ہوتا ہے۔ پتا نہیں دو پیگ پینے والے کا کیا ہوگا۔ بائی دی وے تمھیں کچھ نہیں ہوگا۔"

"ہاں تم ہو تو کچھ نہیں ہوگا۔"

میں نے غصے سے بھڑک کر کہا "بکواس مت کرو۔ کیا میں سپرمین ہوں کہ میرے ہونے سے کچھ نہیں ہوگا؟"

"تم مجھے سپرمین لگتے ہو۔"

میں نے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ زندگی میں پہلی بار غصے میں ایک عورت کو مارا۔ وہ مجھے سپرمین کہہ کر طعنے دے رہی تھی۔ جیسے کہہ رہی تھی' اپنی سونیا کو نہ بچا سکے۔ رسوتی، اعلیٰ بی بی، مرجانہ، لیلا اور سجاد کو زندہ موت کے سرد خانے سے نہ لا سکے۔ کل کا شیر آج بوڑھا یا بے بس ہو جائے تو بلا سے وہ شیر نہ رہے' شیر کا ٹائٹل تو رہتا ہے۔ اسی طرح میں بالکل بے بس تھا اور سپرمین کا ٹائٹل میرے لیے گالی بن گیا تھا۔

ماتحت نے کہا "سر! ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ آپ اپنے آپ میں نہیں ہیں۔"

"شٹ اپ" میں نے ڈانٹ دیا۔

لیزا نے کہا "یو شٹ اپ۔ تم نے مارا ہے مجھے۔ چلو معافی مانگو۔"

میں نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر قریب کر لیا۔ وہ تکلیف سے کراہنے لگی۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی۔ وہ نیک لڑکی ہے تو ہوا کرے' کیا میری سونیا نے عمر بھر نیکی نہیں کی؟ وہ رابرٹ سے محبت کرنے اور اس پر جان دینے والی بہن سہی' کیا میری چاہنے والیاں میرے لیے قدم قدم پر جان کی بازی نہیں لگاتی تھیں؟ جب میرے اپنوں پر ظلم ہو رہا ہے تو پھر دوسروں پر بھی ہوگا۔ میں ظلم کروں گا اور تسکین حاصل کروں گا۔

اگر دنیا چاہتی ہے کہ میں ظلم و ستم کے اندھے راستے پر نہ چلوں تو میری محبتیں لوٹا دی جائیں۔ کوئی مجھے بتائے کہ کیا میری محبت کرنے والیوں کو فنا کر دیا گیا ہے یا انھیں زندگی اور موت کی کشمکش میں رکھا گیا ہے۔ یہ سوچ سوچ کر تڑپ جاتا ہوں کہ وہ کوما میں ہیں۔ یعنی زندہ ہیں مگر زندوں میں نہیں ہیں۔ وہ مُردہ ہیں مگر زندگی کی سانسیں بھیک میں لے رہے ہیں۔

میں لیزا کو لے کر ڈاکٹر ہیرالڈ کے پاس پہنچ گیا۔ اگرچہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ لیزا بھائی کی خاطر پہلے ہی ہیرالڈ سے اپنا سودا کر چکی ہے مگر رابرٹ سے کھیل شروع کرنے سے پہلے یہ معلوم نہ تھا۔ اب تو بازی پلٹ گئی تھی۔ رابرٹ مجھے اور اپنی بہن کو شراب پلا کر ہمیں ہوس کے یا موت کے بستر پر پہنچا کر بریف کیس لے جانا چاہتا تھا۔ اور میں اس کی بہن کے ذریعے سرد خانے تک پہنچنا چاہتا تھا۔

ہیرالڈ نے چونک کر پہلے لیزا کو دیکھا پھر مجھ سے پوچھا۔ "کون ہو تم؟"

"میرا نام جیو پیٹر ہے۔ فون پر ہماری بات ہو چکی ہے۔"

"مگر یہ لیزا ہے۔ اس سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے۔ یہ ہماری کلائنٹ ہے۔"

میں نے کہا "یہ میری موکلہ بھی ہے۔ اس کے بھائی نے مجھ سے وقتاً فوقتاً چھ ہزار پونڈ لیے۔ جب قرض ادا نہ کر سکا تو بہن کو میرے حوالے کر کے بھاگ گیا۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"رابرٹ نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے ایک گردے کا سودا کیا ہے۔ مرنے کے بعد دل اور آنکھیں دینے کی وصیت بھی لکھ چکا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا تم ایسے معاہدے پر بھاری رقم دیتے ہو۔ میں

چاہتا ہوں، تم مجھے چھ ہزار پونڈ دے کر لیزا کو رکھ لو۔ تمھارے سرد خانے میں اس کے لیے گنجائش نکل آئے گی۔"

"تم میرے سرد خانے کے متعلق کیسے جانتے ہو؟"

"بھئی! تم اتنے بڑے اسپتال کے ڈاکٹر ہو۔ لاوارث لاشوں کو محفوظ رکھنے کے لیے سرد خانے ضرور بنائے ہوں گے۔ پھر آج کل تو زندہ لوگوں کو بھی وہاں کوما میں رکھا جا سکتا ہے۔"

ڈاکٹر نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر اپنے آدمیوں کو بلا کر کہا: "مسٹر جیوپیٹر کو لے جاؤ اور حقیقت اگلواؤ۔"

دو پہلوان نما ماتحتوں نے دونوں طرف سے میرے بازو جکڑ لیے۔ مجھے ایک جھٹکے سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ ایک کمرے کی طرف لے جانے لگے۔ لیزا نے اٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے کہا: "ڈارلنگ جیوپیٹر! میں بھی تمھارے ساتھ جاؤں گی۔"

میں نے ذرا جدوجہد کرتے ہوئے کہا: "چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو۔"

انھوں نے چھوڑ دیا مگر ایک نے اچانک منہ پر گھونسا جڑ دیا۔ پھر پیٹ میں گھونسا جڑ دیا۔ میں ذرا سا جھکا۔ پیچھے سے کسی نے لات ماری۔ میں لڑکھڑاتا ہوا سامنے والے دروازے سے ٹکرایا۔ دروازہ کھلا اور میں اندر پہنچ گیا۔ وہاں دو حسین عورتیں میز پر رکھے ہوئے گلاس میں شراب انڈیل رہی تھیں۔ یہ سب کچھ وہی تھا، جو رابرٹ کے ساتھ پیش آ چکا تھا۔ میں نے یہاں تک پہنچنے کے لیے جان بوجھ کر مار کھائی تھی۔ ایک نے مجھ سے پوچھا: "اپنی اصلیت کیسے بتاؤ گے؟ شراب و شباب سے، باتوں سے یا لاتوں سے؟"

"شراب میں پیتا نہیں۔ شباب سے بیزار ہوں۔ باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں گی اور لاتیں برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

دوسرے کمرے سے لیزا کو بھی دھکا دیا گیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی آئی۔ میں نے اُسے سنبھال لیا۔ وہ ابھی تک نشے میں تھی۔ پوچھنے لگی: "میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔ مجھ سے کون سی دشمنی نکال رہے ہو؟"

"میں دشمنی نہیں نکال رہا ہوں۔ دشمنوں کو یہاں سے نکالنے والا ہوں۔ دیکھو ایسے..."

یہ کہتے ہی میں نے ایک کے پیٹ میں کہنی ماری۔ دوسرے کو الٹا ہاتھ رسید کیا۔ تیسرے نے مجھ پر چھلانگ لگائی۔ میں نے اُسے کیچ کرتے ہوئے پیچھے کی طرف پارسل کیا۔ وہ اس میز پر جا کر گرا، جہاں شراب بھی تھی، شباب بھی تھا۔ گرنے والے کے وزن سے میز ٹوٹی۔ شراب کی بوتلیں چکنا چور ہوئیں۔ حسینائیں چیختی چلاتی بھاگیں۔ وہاں اب سے پہلے جتنے بھی شکار آئے تھے، وہ مجبور اور بے بس ہوتے تھے۔ ڈاکٹر کے غنڈے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایسے سرپھرے سے پالا پڑے گا۔

ڈاکٹر ہیرالڈ نے کمرے میں آ کر حیرانی اور پریشانی سے دیکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا، اس ہنگامے کی روداد باہر جائے اور اس کی بدنامی ہو۔ اس نے ریوالور نکال کر کہا: "ہالٹ۔ اپنے ہاتھ اُٹھاؤ۔ تم کوئی پاگل ہو اور میں پاگلوں کا علاج جانتا ہوں۔"

ڈاکٹر کے ہاتھ سے ریوالور گرانا بڑی بات نہیں تھی مگر میں نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا: "تم ڈاکٹر نہیں جلاد ہو، ڈاکٹر کے معزز پیشے کو بدنام کر رہے ہو۔ لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے جسمانی اعضا فروخت کرتے ہو۔ میں یہ بات ساری دنیا سے کہوں گا۔"

"تم باہر جا سکو گے، تب کہو گے۔"

اس نے ایک غنڈے کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: "تنڈا! کیا ان کے ساتھ کوئی اور آیا تھا؟"

وِنڈسر نے کہا: "یہ دونوں کار میں آئے تھے۔ ڈرائیور وہ کار لے گیا ہے۔"

ہیرالڈ نے مجھ سے پوچھا: "وہ کس کی کار تھی؟ کون تھا ڈرائیور؟"

"وہ رینٹڈ کار تھی۔ جہاں سے کرائے پر حاصل کی تھی، وہیں واپس چلی گئی۔ مگر میں یہاں سے واپس جا کے دکھاؤں گا۔ یہاں میرا کام نہیں بنے گا۔ تمھارے سرد خانے میں لیزا کے لیے گنجائش نہیں نکلے گی۔"

اُس نے قہقہہ لگایا پھر کہا: "اب تو تمھارے لیے بھی گنجائش نکل چکی ہے۔ میں زیادہ اچھلنے والوں کو یہاں منجمد کر کے چھوڑ دیتا ہوں۔ انھیں سرد خانے میں لے چلو۔"

میری مراد پوری ہو رہی تھی۔ مگر غصہ دکھاتے ہوئے بولا: "نہیں جاؤں گا، میں سرد خانے میں نہیں جاؤں گا۔ میں اس لڑکی کا سودا کرنے آیا تھا۔ تم میری مرضی کے بغیر مجھے کوما میں نہیں رکھ سکتے۔"

غنڈوں نے مجھے پکڑ لیا۔ ایک نے لیزا کو پکڑا کر کھینچا۔ پھر ہمیں جبراً کھینچتے ہوئے، دھکے دیتے ہوئے لے جانے لگے۔ ہیرالڈ میرے ساتھ چل رہا تھا۔ تاکہ میں ریوالور سے سہما رہوں۔ وہ ہمیں اسپتال کے اُن حصوں سے لے جا رہے تھے، جہاں ہیرالڈ کے خاص آدمی رہتے تھے۔ وہاں سے باہر کے لوگوں کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہمیں ایک زینے سے اتارتے ہوئے انڈر گراؤنڈ راہداری میں لے گئے۔ راہداری کے اطراف سرد خانے تھے جہاں لاوارث لاشیں رکھی گئی تھیں۔

مگر سب لاوارث نہیں تھیں۔ وہاں ایسے سرد خانے بھی تھے جہاں زندہ عورتوں اور مَردوں کو کوما میں رکھا گیا تھا۔ یوں بھی

وہ بھی مُردہ سے لگتے تھے۔ مُردوں اور مُردوں کا فرق اسی طرح سمجھ میں آتا تھا کہ عورتیں اپنے مُردوں کو ڈراتی ہیں اور مُردوں سے ڈرتی ہیں۔ سرد خانے میں مُردوں کو دیکھتے ہی لیزا کی چیخ نکل گئی۔ نشہ ہرن ہو گیا۔ وہ دہشت زدہ ہو کر کانپ رہی تھی اور پوچھ رہی تھی: "میں یہاں کیسے آ گئی؟ مجھے کیا ہو گیا تھا؟"

میں نے کہا: "تمھیں کچھ نہیں ہوا تھا۔ اب ہونے والا ہے۔ تم نے اپنے بھائی کو بچانے کے لیے ڈاکٹر سے معاہدہ کیا تھا۔ اب معاہدے پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ ڈاکٹر کے آدمی تمھارے ساتھ مجھے بھی پکڑ کر لے آئے ہیں۔"

ہیرالڈ نے ایک سرد خانے میں پہنچ کر کہا: "بکواس مت کرو۔ تم لیزا کو سرد خانے میں بُک کرانے لائے تھے۔"

"اگر میں جھوٹا ہوں تو ہمیں یہاں بُک کرانے کیوں لائے ہو۔"

ہیرالڈ نے حکم دیا: "دونوں کو بیڈ پر باندھ دو۔"

اُس سرد خانے میں دو عورتیں، ایک مرد اور ایک بچہ کوما میں پڑے ہوئے تھے۔ دو بستر خالی تھے۔ ڈاکٹر کے ماتحتوں نے ہمیں جبراً بستروں پر لٹا دیا۔ سرہانے دو طرف ہاتھوں میں اور پائنتی دو طرف پاؤں میں ہتھکڑیاں لگا دیں۔ جب ڈاکٹر کو ہماری بے بسی کا یقین ہو گیا تو اس نے خاص ماتحت سے کہا: "دو انجکشن تیار کر کے لاؤ۔"

میرے سامنے سرد خانے کا انچارج کھڑا ہوا تھا۔ اس انچارج کا ایک ماتحت تھا۔ اُن دونوں کے سوا کوئی تیسرا... سرد خانے میں نہیں آ سکتا تھا۔ وہ جتنے لوگ ڈاکٹر ہیرالڈ کے ساتھ آئے تھے، وہ ڈاکٹر کے ساتھ ہی واپس جانے والے تھے۔ ڈاکٹر نے کہا: "لیزا! تم معاہدہ کر چکی ہو۔ معاہدے پر عمل کل ہونا تھا، وہ آج ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور تم جیوپیٹر! پتا نہیں تم کون ہو؟ کہاں سے ٹپک پڑے ہو؟ مگر ابھی جہاں پڑے ہو، وہاں سے اٹھ کر کوئی نہ جا سکے گا۔ یہ زندگی کا آخری بستر ہے۔"

اس کا خاص ماتحت ایک ٹرے میں دو سرنج رکھ کر لے آیا۔ دونوں سرنج میں کوئی رقیق دوا بھری ہوئی تھی۔ ہیرالڈ نے ٹرے سے ایک سرنج اٹھائی، دوا کو اس کی سوئی سے پچکاری کی طرح نکالا۔ پھر فاتحانہ انداز میں میری طرف بڑھتے ہوئے بولا: "بتا دو کون ہو تم؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟ نہیں بتاؤ گے تو یہ دوا انجکٹ ہونے کے بعد کبھی بولنے کے قابل نہیں رہو گے۔"

میں نے اُسے غصے سے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ دوسرے ہی لمحے میرے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس ہوئی۔ وہ دوا میرے جسم میں داخل ہو رہی تھی۔ جس کے اثر سے چند سیکنڈ بعد ہی آدمی حرکت کرنے، بولنے یا سوچنے کے قابل نہیں رہتا۔ جیتے جی مر جاتا ہے۔

وہ زہر میری رگوں میں سرایت کر رہا تھا۔ یکبارگی میرے دیدے پھیل گئے۔ میں بالکل ساکت ہو گیا۔ اس کا قہقہہ سنائی دیا۔ حالاں کہ کوما میں جاتے ہی کان سننے کے قابل نہیں رہتے۔ لیزا چیخ رہی تھی: "چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو۔ میں زندگی کی ایسی سانسیں نہیں چاہتی جو موت کی گود میں لینا پڑیں۔"

وہ کہتے کہتے یکبارگی چپ ہو گئی۔ دوسری سرنج کی دوا اس کی جوان رگوں میں دوڑ رہی تھی۔ اس کے دیدے بھی پھیل کر ساکت ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر ہیرالڈ نے میرے پاس آ کر اسٹیتھسکوپ کے ذریعے میرے دل کی رفتار معلوم کی۔ پھر مطمئن ہو کر لیزا کے پاس گیا۔ وہاں بھی اطمینان کرنے کے بعد سرد خانے کے انچارج سے بولا: "راکی! ہم جا رہے ہیں۔ پندرہ منٹ کے بعد دل کی رفتار معلوم کر لینا۔ فون کے ذریعے مجھے رپورٹ کر دینا اور ان کا خیال رکھنا۔"

وہ سب ایک ایک کر کے چلے گئے۔ ہیرالڈ کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں تھا کہ خود اس نے میرے اور لیزا کے جسم میں گلوکوز کا پانی انجکٹ کیا ہے۔ جب اس کا خاص ماتحت انجکشن تیار کرنے گیا تھا، میں اس کے دماغ میں تھا۔ پھر بھلا وہ ہمیں کوما میں ڈالنے والی دوا سرنج میں کیسے بھر سکتا تھا۔ میں نے خاص ماتحت کو احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ ٹیلی پیتھی کے زیرِ اثر رہا تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق جو کیا، وہ بے خودی کے عالم میں کیا۔ بہر حال اُن کے جاتے ہی میں نے لیزا کے دماغ کو آزاد کر دیا۔

وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی بولی: "یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ چند لمحے پہلے میں جیسے کوما میں تھی۔ اب اپنے حواس میں ہوں۔ بول بھی رہی ہوں، سوچ بھی رہی ہوں۔"

"میں نے تو سنا ہے عورت بولتی ہے، سوچتی نہیں ہے بلکہ سوچتی ہوئی عورت تو کسی نے دیکھی ہی نہیں۔"

اس نے گھور کر پوچھا: "کیا تم زندہ دلی سے دکھا رہے ہو؟"

"جب مرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو ہنستے بولتے مرنا چاہیے۔"

"مگر ہم تو زندہ ہیں۔ نہ مُردہ ہیں، نہ کوما میں ہیں۔"

"شاید انھوں نے غلط دوا انجکٹ کر دی ہے۔"
"ہاں۔ یہی ہوا ہے۔ تقدیر ہم پر مہربان ہے۔"
"ایسی مہربان تقدیر نہیں دیکھی جو ہاتھ پاؤں باندھ کر رکھ دے۔ بستر بھی ایک نہ ہو۔ دریا کے دو کنارے بنا دیے گئے ہوں۔"
"ہر معاملہ تقدیر پر نہیں چھوڑنا چاہیے، کچھ عقل اور تدبیر سے بھی کام لینا چاہیے۔ تم کیسے مرد ہو، مرنے کے لیے زندہ دل بن گئے ہو۔ زندہ رہنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔"
"کچھ کروں گا تو چلاؤ گی۔ لہٰذا سب سے پہلے خاموش رہنے کا وعدہ کرو۔"
"وعدہ کرتی ہوں۔ مگر تم کیا کرو گے؟"
"پندرہ منٹ گزرنے ہی والے ہیں۔ راکی ہمارے دل کی رفتار معلوم کرنے آئے گا۔ تم ایسی بن جاؤ جیسے کوما میں ہو۔"
"میں کوشش کروں گی۔"
"منہ سے ایک لفظ نہ نکالنا۔"
"کوشش کروں گی۔"
"ساری کوششیں کرنے والیاں مر گئیں۔ اب تمھاری باری ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"کچھ نہیں، چپ ہو جاؤ۔ دروازے پر آہٹ سنائی دے رہی ہے۔"
"میں چپ ہوں مگر سردی لگ رہی ہے۔"
"یعنی سردی کے بہانے دانتوں سے بولو گی۔"
میری بات ختم ہوتے ہی دروازے کے کی ہول میں چابی گھمانے کی آواز آئی۔ میں پہلے کی طرح دیدے پھیلا کر ساکت ہو گیا۔ خیال خوانی کی چھلانگ لگا کر دیکھا۔ لیزا بھی ساکت رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو کر اُسے کوما کی حالت میں لے آیا۔ راکی نے دروازے کو بند کیا۔ پھر لیزا کی طرف یوں گیا جیسے کھنچا جا رہا ہو۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے میری جانب دیکھا کہیں میں دیکھ تو نہیں رہا ہوں؟ واردات کی جگہ مردہ بھی پڑا ہو تو مجرم ڈرتا ہے۔ ایک لمحے کو خیال آتا ہے کہیں مردہ دیکھ تو نہیں رہا ہے؟
اس نے اطمینان کی سانس لی۔ پھر لیزا پر جھک گیا۔ بڑی چاہت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا "تمھارے رخسار ایسے تپ رہے ہیں جیسے سرد خانے میں آگ لگ رہی ہو۔ ایک مُردے اور کوما کے مارے میں یہی فرق ہوتا ہے۔ مردہ سرد پڑ جاتا ہے، مگر بستر مرگ پر تمھارے جسم میں زندگی کی حرارت رہے گی۔"
وہ اسٹیتھسکوپ سے دل کی رفتار معلوم کرنے لگا۔ اگر میں لیزا کے دماغ پر قابض نہ ہوتا تو وہ اس کے منہ پر تھوک دیتی۔ میں اس کے دماغ کو چھوڑ کر راکی کی کھوپڑی میں جاتا اور وہاں سے ہٹاتا تو لیزا میری گرفت سے نکلتے ہی اسے گالیاں بکنے لگتی۔ میں مجبور تھا۔ صبر کر رہا تھا۔
پھر اُسے باس کا حکم یاد آیا کہ پندرہ منٹ کے بعد دونوں کے دلوں کی رفتار معلوم کرنا ہے۔ اور وہ ایک ہی طرف رہ گیا تھا۔ وہ میری طرف آ گیا۔ اسٹیتھسکوپ کے ذریعے میری دھڑکن کو سمجھنے لگا۔ ایسے ہی وقت میں نے لیزا کو چھوڑ کر اس پر قبضہ جما لیا۔ ہم دونوں کے ہاتھ پاؤں بستر سے ہتھکڑیوں کے ذریعے بندھے ہوئے تھے۔ ایسا نہ ہوتا تو لیزا ٹیلی پیتھی کی گرفت سے نکلتے ہی راکی کو کچا چبا جاتی۔ وہ شدید غصے سے تلملائی جیسے آہنی ہتھکڑیاں توڑ کر نکل جائے گی۔ یہ خیالِ خام تھا۔ لہٰذا بے تحاشا گالیاں دینے لگی۔
راکی نے میری مرضی کے مطابق اس کی طرف گھوم کر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آہستگی سے کہا "ششش۔ آہستہ گالی دو۔ یا کوما میں پڑی رہو۔ ورنہ پھر آؤں گا تمھارے پاس۔"
اسے ایک دم سے چپ لگ گئی۔ راکی نے کہا "شاباش! چپ رہو گی تو میں نہ آؤں گا، نہ ہاتھ لگاؤں گا۔"
راکی نے جیب سے چابیاں نکالیں۔ پھر میرے ہاتھ پاؤں کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔ لیزا پہلے تو چپ چاپ دیکھتی رہی پھر بولی "مجھے بھی کھول دو۔"
راکی نے کہا "سوری۔ میں وعدہ کر چکا ہوں، تمھارے پاس نہیں آؤں گا۔"
"یہ بھی کوئی وعدہ ہے۔ کیا میں جکڑی رہوں؟ نیک ارادے سے آ سکتے ہو۔"
"آگ بھی یہی کہتی ہے، ارادہ نیک ہے آ جاؤ۔ پھر جلا دیتی ہے۔"
وہ جھلا کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "آزاد ہو کر آرام سے لیٹے ہوئے ہو۔ کیا اس سے چابیاں نہیں چھین سکتے؟"
میں نے کہا "غصہ تھوک دو۔ راکی ہمارا دوست ہے۔ یہ ہیرالڈ کی لاعلمی میں ہماری مدد کرنے آیا ہے۔"
میری باتوں کے دوران راکی دماغی طور پر آزاد تھا۔ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا کہ ابھی غائب دماغ کیسے ہو گیا تھا۔ پھر میری طرف دیکھ کر چونک گیا۔ کیوں کہ میں ہتھکڑیوں سے نجات پا چکا تھا۔ وہ میری طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ میں پھر اس پر قابض ہو گیا۔ اس نے لیزا کے پاس جا کر اس کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر بستر سے اُتر کر سرد خانے سے بھاگنا چاہا۔ راکی نے اُسے پکڑ لیا۔ واپس بستر پر لاتے ہوئے بولا "ابھی یہاں سے نکلو گی تو ہم سب پھنسیں گے۔ صبر کرو۔ میں راستہ صاف کر کے آؤں گا۔"
یہ کہہ کر وہ باہر گیا۔ دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔ لیزا دوڑتی ہوئی دروازے تک گئی۔ کان لگا کر سننے لگی۔ میں نے اسی دیر کے لیے راکی کو آزاد کیا۔ وہ پھر چکرایا۔ دروازے کی طرف دیکھ کر سوچنے لگا "ابھی میں سرد کمرے میں تھا۔ ابھی باہر کیسے آ گیا۔ یہ کیا چکر ہے، میرے غائب دماغ ہوتے ہی جیو پیٹر کی ہتھکڑیاں کھل گئی تھیں؟"
پھر اس نے چونک کر سوچا "اوہ گاڈ! کیا میں فرہاد یا سونتی کا شکار ہو رہا ہوں؟"
میں نے کہا "ہاں میں تمھارے دماغ میں فرہاد بول رہا ہوں۔ ٹیلی پیتھی کی مٹھی سرد خانے سے زیادہ سرد ہوتی ہے۔ قبر میں بھی گرمی نہیں لگتی۔ بولو زندگی چاہتے ہو یا موت؟"
اُدھر لیزا دروازے سے پلٹ کر میری طرف آ رہی تھی۔ پھر مجھے دیکھتے ہی ٹھٹک گئی۔ کیوں کہ میرے دیدے پھیلے ہوئے تھے۔ میں کوما کی حالت میں نظر آ رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے بازو کو ہولے سے جھنجوڑ کر کہا "ارے تمھیں کیا ہو گیا ہے؟"
میں نے اُسے پریشان ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔ اُدھر راکی کہہ رہا تھا "مم... میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ فار گاڈ سیک، میرے دماغ سے چلے جاؤ۔"
"میں جس کے دماغ میں جاتا ہوں، اُسے اپنا گھر بنا لیتا ہوں۔ جو مجھے دوست بنا کر نہ رکھے، اس گھر کو جلا دیتا ہوں۔"
وہ جلدی سے بولا "میں تمھاری دوستی پر فخر کروں گا۔ ہمیشہ دوست بن کر رہوں گا۔"
"یہ تو جانتے ہو کہ ہم اندر چھپے ہوئے فریب کو بھی پڑھ لیتے ہیں۔"
"میں جانتا ہوں۔ کبھی بھول کے بھی دھوکا نہیں دوں گا۔"
اُدھر لیزا نے مجھے جھنجوڑ کر کہا "اے، مر گئے ہو کیا؟ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ یہاں سے نکلنے کی تدبیر کرو۔"
سردی مجھے بھی لگ رہی تھی۔ مگر برداشت کر رہا تھا۔ میں نے اُسے ستانے کے لیے اپنے جسم میں حرکت پیدا کی۔ تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے قریب آ کر پوچھا "تم کیا چیز ہو؟ ابھی مُردہ پڑے ہوئے تھے، ابھی کانپنے لگے۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟"
"سردی لگ رہی ہے۔"
وہ بولی "یہاں کمبل نہیں ہے۔"
مجھے بچپن میں پڑھی ہوئی کہانی یاد آئی۔ ایک شخص سیاہ ریچھ کو کمبل سمجھ کر لپٹ گیا تھا۔ جب ریچھ بھی اس سے لپٹ گیا تو ریچھ اور کمبل کا فرق سمجھ میں آیا۔ باہر کھڑا ہوا راکی اندر آنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں کہا "واپس جاؤ۔ ڈاکٹر ہیرالڈ سے رابطہ قائم کرو۔ اس سے کہو، شکار نارمل ہے۔ ایک اور انجکشن لگانا ہو گا۔"
وہ میرے حکم کے مطابق ہیرالڈ سے رابطہ قائم کرنے چلا گیا۔ میرے منصوبے کے مطابق اس بار راکی صحیح انجکشن تیار کرنے والا تھا۔ جب تک وہ واپس آتا، تب تک ہمارا سرد خانہ گرم ہو چلا تھا۔ شاید ائیر کنڈیشنر میں کوئی خرابی ہو گئی تھی۔ وہ مجھ سے دور ہو کر بیٹھ گئی۔ نظریں چار ہوئیں تو گھور کر بولی "ریچھ کہیں کے...!"
پھر وہ منہ پھیر کر مسکرانے لگی۔
راکی فون پر ہیرالڈ سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے جو سمجھایا تھا، وہی کہہ رہا تھا۔ ہیرالڈ نے رپورٹ سننے کے بعد کہا۔
"دوسرا انجکشن دینا ہی ہو گا۔ میں آ رہا ہوں۔"
میں نے لیزا سے کہا "راکی دوست بن کر گیا ہے یا دشمن، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمیں چیک کرنے کے لیے ہیرالڈ بھی آ سکتا ہے۔ تم اپنے بستر پر چلی جاؤ۔"
وہ دوسرے بستر پر گئی۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا ہیرالڈ آ رہا ہے۔ میں نے کہا "لیٹ جاؤ اور کوما کی حالت میں رہو۔ کوئی آ رہا ہے۔"
وہ بولی "تعجب ہے۔ تم بند کمرے میں رہ کر کسی آنے والے کے متعلق یقین سے کہہ رہے ہو۔"
"میرے کان تیز ہیں۔ میں دُور کی آہٹیں سُن لیتا ہوں۔"
اسی وقت دروازہ کھلنے لگا۔ ہم دم سادھ کر کوما میں پڑ گئے۔ پہلے ہیرالڈ کمرے میں آیا۔ اس کے پیچھے راکی ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے ہوئے تھا۔ ٹرے میں ایک سرنج رکھی ہوئی تھی۔ ہیرالڈ قریب آ کر جیسے ہی میرے معائنے کے جُھکا، میں نے اُسے دبوچ لیا۔ پہلے تو وہ سہم گیا۔ پھر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں نے پہلے ہی راکی کو سمجھا دیا تھا کہ وقت ضائع نہ کرنا۔ جب میں نے لڑنے کے دوران اسے بستر پر گرایا اور اسے پوری قوت سے دبوچ کر رکھا تو راکی نے سرنج کی سوئی اس کے ایک بازو میں پیوست کر دی۔
وہ تڑپ کر میری گرفت سے نکلنا چاہتا تھا۔ جتنی دیر اس نے جدّوجہد کی، اتنی دیر میں سرنج کی تمام دوا اُس کے جسم میں خالی ہو گئی۔ میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ وہ جدّوجہد کرنا بھول گیا تھا۔ میں نے کہا "چند سیکنڈ کے بعد تم میری آواز بھی نہیں سن سکو گے۔ اپنی زندگی کا آخری فقرہ سُن لو۔ تم نے جو گڑھا اوروں کے لیے کھودا تھا، اس میں خود گر چکے ہو۔ اب اپنی طبعی عمر تک عدم اور وجود کے درمیان رہو گے۔"

میں چپ ہو گیا۔ اس کا سپاٹ چہرہ اور ساکت دیدے بتا رہے تھے کہ وہ کوما میں پہنچ چکا ہے۔

لیزا گم صم سی ہو کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھے ڈاکٹر ہیرالڈ کو دیکھ رہی تھی۔ پہلے اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے بھائی کا، پھر اس کا سودا کرنے والا خود اپنی سوداگری کے بازار میں پہنچ گیا ہے۔ جب یقین آ گیا تو وہ ہنسنے لگی۔ اس کی طرف انگلی اٹھا کر بولی "یہ گیا۔ یہ گیا۔ میرے بھائی کا دشمن گیا۔ اب کوئی اس کا سودا کرے۔ بہت سے گاہک ڈھونڈ کر لائے اور اس کے جسم کے ایک ایک عضو کی بولی دے کر پوچھے، خریدارو! بتاؤ کیا خرید گے۔ یہ انسانی بوچڑ خانہ ہے۔ فی گردہ پانچ ہزار پونڈ۔ چھ انچ کی کھال دو سو پونڈ میں۔ آنکھیں دس ہزار میں لے لو۔ اور یہ دل ہے۔ دل محبوب کو مفت دیا جاتا ہے۔ گاہک کے لیے پچیس ہزار پونڈ قیمت لگائی ہے۔ قیمت زیادہ نہیں ہے۔ یہ انسان کے ضمیر سے بھی زیادہ سستا ہے۔"

وہ کہہ رہی تھی اور ہنس رہی تھی۔ میں نے راکی کے ساتھ باہر آ کر کہا "مجھے ایک ایک سرد خانے میں لے چلو، جتنے افراد کوما میں رکھے گئے ہیں، میں انھیں چیک کرنا چاہتا ہوں۔ شاید دشمنوں نے میرے کسی عزیز کو میک اپ میں چھپا کر یہاں بھیجا ہو۔"

وہ مجھے ایک سرد خانے میں لے آیا۔ ہر کمرے میں چار چھ افراد کو کوما میں رکھنے کی گنجائش تھی۔ وہاں مجھے ایک عورت سونیا کے قد اور جسامت کے مطابق نظر آئی۔ میں اس کے قریب گیا۔ اس کے چہرے کو چھو کر دیکھا۔ میک اپ نہیں تھا۔ گردن پر ہاتھ پھیر کر معلوم کیا۔ ماسک میک اپ بھی نہیں تھا۔ جانے بے چاری کون تھی؟ کس کی بہن اور بیٹی تھی؟ کس کی بیوی تھی؟ ڈاکٹر ہیرالڈ نے اس کی آنکھیں اور سینے سے دل نکالنے کے لیے ایسی حالت میں رکھا تھا۔ میں نے کہا "راکی! تم ہیرالڈ کے بھیانک جرم میں شریک رہے۔ اب اس کی تلافی کرو۔ انھیں وہ انجکشن لگاؤ، جس کے اثر سے یہ زندگی کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔"

اس نے کہا "مجھے افسوس ہے، میں ایسی کسی دوا کے متعلق نہیں جانتا۔"

میں نے اُسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔ ڈاکٹر ہیرالڈ نے زندگی کی طرف واپس لانے والی دوا کبھی اس کے سامنے استعمال نہیں کی۔ نہ ہی ایسی دوا کے متعلق اسے کبھی بتایا ہے البتہ ایک اور ڈاکٹر جس کا نام میکڈونلڈ عرف میکی ہے، وہ ہیرالڈ کا راز دار ہے۔ وہ سرد خانے کے ہر شکار کو کوما سے واپس لا سکتا ہے۔

میں نے کہا "انھیں نئی زندگی ملنا چاہیے۔ تم ڈاکٹر میکی سے کسی بہانے ملاقات کرو۔ فرہاد تمہارے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچ جائے گا۔"

وہ چلا گیا۔ لیزا نے آ کر کہا "یہاں سے چلو۔ دیکھو راکی جا رہا ہے۔ وہ ہمیں باہر پہنچا دے گا۔"

میں نے کہا "راکی کہتا ہے، اسپتال کے اندر اور باہر ڈاکٹر کے غنڈے موجود ہیں۔ ہمیں موقع دیکھ کر یہاں سے نکلنا چاہیے۔"

میں دوسرے سرد خانے میں جا کر کوما میں رہنے والوں کو چیک کرنے لگا۔ وہاں کوئی میک اپ میں نہیں تھا یعنی میرا کوئی اپنا نہیں تھا۔ میری کوئی اپنی نہیں تھی۔ میں مایوس ہو کر ایک بستر پر بیٹھ گیا۔ وہ مجھ سے بولی "سردی لگ رہی ہے" میں اُسے پرے ہٹا کر اٹھ گیا۔ وہ بولی "کیا مجھ سے بیزار ہو گئے ہو؟"

"میں دنیا سے بیزار ہوں۔"

"مگر میں حسین ہوں، جوان ہوں، لوگ میرا ارمان کرتے ہیں۔ جو مجھے ایک بار دیکھتے ہیں، پھر میرے ہی خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ اور تم نے تو مجھے صرف دیکھا ہی نہیں، اپنایا بھی ہے۔ کیا مجھ میں کوئی کمی ہے؟"

"کوئی کمی نہیں ہے۔ تمہارے وجود میں میلہ لگا ہوا ہے۔ کوئی بھی میلے میں بھٹک سکتا ہے۔ مگر تم میرے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو۔ میں دماغی مریض ہوں۔"

"کیا؟" اس نے بے یقینی سے کہا۔

"مجھ پر کبھی کبھی دورہ پڑتا ہے۔ پہلے میں کسی کے گلے کا ہار بنتا ہوں، پھر اس کا گلا دبا دیتا ہوں۔"

وہ ذرا پیچھے ہٹ کر تھوک نگلتے ہوئے بولی "کیوں خوف دلاتے ہو؟"

"ابھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی تو میں نارمل ہوں۔ ہاں جب دورہ پڑے گا تو دیکھا جائے گا۔ تب تک راکی آ جائے گا۔"

وہ اور پیچھے ہٹ کر بولی "تم عجیب آدمی ہو۔ اچانک میرے سامنے آئے اور میرے حواس پر چھا گئے۔ میں حیران ہوں کہ چند گھنٹوں میں تم نے مجھے کیسے جیت لیا اور میں ہار کیسے راضی ہو گئی۔ تم اپنا علاج کیوں نہیں کراتے؟ بائی گاڈ! اب تم سے دور نہیں رہ سکتی۔"

"یو شٹ اپ" میں نے غصے سے کہا "میری زندگی میں جو عورت آتی ہے کفن بن جاتی ہے۔ جانتی ہو، جو مجھے دل و جان سے چاہتی تھیں، وہ سب کہاں پہنچ گئی ہیں؟"

"کہاں؟"

"ایسے ہی کسی سرد خانے میں۔ میری تلاش یہاں سے شروع ہوئی ہے اور جانے کہاں ختم ہو گی۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے یہ ساری دنیا ایک سرد خانہ ہے۔ میں انھیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے ختم ہو جاؤں گا۔"

وہ مجھ سے دور رہنے لگی۔ سوچ رہی تھی، شاید مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔ میں راکی کے ذریعے ڈاکٹر میکی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس انجکشن کا نام اچھی طرح یاد کر لیا، جو کوما میں رہنے والوں کو نارمل حالت میں لا سکتا تھا۔ اس انجکشن کا اسٹاک ہیرالڈ کی رہائش گاہ کے ایک ایئر کنڈیشنڈ اسٹور روم میں تھا۔ راکی مجھ سے ملنے آ رہا تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔

"ہیرالڈ کے گھر جاؤ۔ میں تمھیں گائیڈ کروں گا۔"

وہ اُدھر جانے لگا۔ میں نے لیزا کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "راکی جانے کہاں چلا گیا ہے۔ ہم اُس سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ آؤ ہم یہاں سے نکل جائیں۔"

"ابھی تم کہہ رہے تھے اسپتال کے اندر اور باہر غنڈے ہو سکتے ہیں۔"

"ہم یہاں آئے تھے، اُس وقت بھی غنڈے تھے۔ چلو۔"

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ وہ میرے ساتھ چلنے لگی۔ مگر سہمی ہوئی سوچ رہی تھی، کہیں مجھ پر دورہ تو نہیں پڑ رہا ہے۔ وہ مجبور تھی۔ میں ہوش مند رہوں یا دیوانہ، وہ میرے ساتھ ہی وہاں سے نکل سکتی تھی۔

ہم اُس زینے پر چڑھنے لگے جو ہمیں اسپتال کے گراؤنڈ فلور تک لے جا سکتا تھا۔ وہاں دو مسلح غنڈے موجود تھے۔ ایک نے چونک کر کہا "ارے یہ دونوں تو کوما میں تھے۔"

دوسرے نے ریوالور تان کر پوچھا "اے! ڈاکٹر ہیرالڈ کہاں ہیں؟"

میں نے جواب دیا "تمہارا ڈاکٹر تھکا ہوا تھا، اُسے ہم نے اپنی جگہ سلا دیا ہے۔"

ایک نے کہا "معلوم ہوتا ہے، راکی ان سے ملا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گیا۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ انڈر گراؤنڈ کیا ہو رہا ہے۔"

"اس نے نہیں بتایا تو یہ بتائیں گے۔" ریوالور والے نے یہ کہتے ہوئے مجھ پر چھلانگ لگائی۔ جب ریوالور تھا تو چھلانگ لگانے کی کیا ضرورت تھی، ہٹائیں سے گولی مار سکتا تھا۔ لیکن میں نے چھلانگ لگانے پر مجبور کیا تھا۔ وہ اوپری زینے سے کود کر مجھ پر آیا، اور ریوالور مجھے دیتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ دیکھنے والوں کی سمجھ میں یہی آیا کہ میں نے ریوالور چھین لیا ہے۔

دوسرے نے اپنا ریوالور نکالنا چاہا۔ میں نے کہا "خبردار! گولی مار دوں گا۔ ہاتھ اوپر رکھو اور تم دونوں میرے آگے آگے انڈر گراؤنڈ چلو۔"

وہ میرے حکم کی تعمیل پر مجبور تھے۔ میں نے انھیں ایک سرد خانے میں پہنچا کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ ہم دوبارہ زینے پر چڑھتے ہوئے اسپتال میں پہنچے۔ اب ہمارا راستہ روکنے والا کوئی نہ تھا۔ باقی غنڈے مطمئن ہو کر چلے گئے تھے۔ اطمینان کی بات ہی تھی آج تک کوما میں جانے کے بعد کوئی نارمل نہیں ہو سکا تھا۔ وہ ہمارے متعلق بھی یہی سوچ رہے تھے۔

میں نے اسپتال سے باہر آ کر کہا "لیزا تم جاؤ۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ کوئی دماغی مریض حاضر دماغی سے دشمنوں کو زیر نہیں کر سکتا۔ تم نے غنڈوں کو بڑی دلیری سے سرد خانے میں بند کر دیا۔ ہیرالڈ کو عبرتناک انجام تک پہنچا دیا۔۔"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "میں اُس انجام تک نہیں

پہنچا، جہاں میرے ساتھی مجھے مل جائیں گے۔ تم جاؤ۔"

"نہیں جاؤں گی۔ ایک بار تمھاری ہو گئی اب کسی کا منہ نہیں دیکھوں گی۔"

میں بحث میں وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا ایک کیب کے پاس لایا۔ پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر کہا: "بیٹھ جاؤ۔"

وہ اپنی مرضی سے کبھی نہ بیٹھتی، میری خیال خوانی نے اُسے بٹھایا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی کیوں بیٹھ رہی ہے۔ جانا نہیں چاہتی مگر کیب ڈرائیور کو اپنے اپارٹمنٹ کی طرف جانے کو کہہ رہی ہے۔ دل جیوپیٹر کے پاس واپس جانا چاہتا ہے اور وہ بے اختیار اُس سے دور جا رہی ہے۔ جب وہ بہت دور چلی گئی تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

راکی نے ہیر اللہ کے گھر پہنچ کر اس کی بیوی سے کہا تھا۔ "ڈاکٹر نے وہ دوائیں منگوائی ہیں، جو ایئر کنڈیشنڈ اسٹور روم میں رکھی ہوئی ہیں۔"

ہیر اللہ کی بیوی راکی کو وفادار ملازم سمجھتی تھی۔ اُس نے دوائیں لے جانے کی اجازت دے دی۔ اعلیٰ بی بی کا ماتحت میرے بلاوے پر گاڑی لے آیا تھا۔ ادھر راکی دواؤں کی دو بڑی پیٹیاں لایا تھا۔ میں نے ایک پیٹی میں سے پچیس انجکشن نکال کر راکی کو دیتے ہوئے کہا: "سرد خانوں میں صرف بائیس افراد کوما میں ہیں۔ میں کچھ زیادہ انجکشن دے رہا ہوں۔ جاؤ اور ان مظلوم افراد کو زندگی لوٹا دو۔ مگر ہیر اللہ بدستور عالمِ بے بسی میں رہے گا۔"

راکی چلا گیا۔ اعلیٰ بی بی کا ماتحت باقی تمام دوائیں اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ دوائیں آئندہ ہمارے کام آسکتی تھیں۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ سردی شباب پر تھی۔ ہمارا ماتحت میرے لیے اوور کوٹ اور فلٹ ہیٹ لے آیا تھا۔ میں اسے پہن کر ایک کیفے میں گیا۔ کیفے کے اندر ذرا حرارت تھی۔ میں نے کافی کا آرڈر دیا۔ پھر شیبا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے باپ کا سوگ منانے کے لیے اب تک اسرائیل میں تھی۔ اب اپنی ماما کے لیے فکر مند تھی۔ ربی نے یہ بات اُس کے دماغ میں بٹھا دی تھی کہ اس کے باپ کو ہلاک کرنے کے بعد اس کی ماما کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ وہ اپنی ماما سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ اس محبت کی خاطر ربی سے کہہ رہی تھی: "آپ رسونتی سے سمجھوتا کیجیے۔ اس کی شرائط مان لیجیے اور میری ماما کو بچا لیجیے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمھاری ماں پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

میں نے شیبا کے دماغ میں سونیا اور رسونتی کے متعلق یہ خیال پیدا کیا کہ وہ سب لاپتا ہیں۔ ہو سکتا ہے رسونتی اپنے معاملات میں اس قدر الجھی ہوئی ہو کہ اس کی ماما کی طرف دھیان ہی نہ دے سکے۔ شیبا نے اسی خیال کے مطابق ربی سے پوچھا: "سونیا کے اغوا کے متعلق کچھ معلوم ہوا؟ اور وہ جو کوہ قاف میں بمباری کی گئی تھی، اُس کا نتیجہ کیا نکلا؟ آخر یہ سب کون کر رہا ہے؟"

ربی نے کہا: "ہم حیران ہیں کہ ایسا کون کر رہا ہے۔ سپر ماسٹر اور ماسک مین بھی اس سلسلے میں لاعلمی ظاہر کر رہے ہیں۔ تم نے خود ماسک مین کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا ہے۔ اس نے فرہاد کی کسی ساتھی کو اغوا نہیں کرایا ہے۔ سپر ماسٹر کے لیے کام کرنے والا ماسٹر بھی ایسے پُراسرار سنڈیکیٹ کا سراغ لگا رہا ہے، جہاں رسونتی، سونیا، مرجانہ، لیلیٰ، ثار ثربلا اور سجاد وغیرہ پہنچائے گئے ہیں۔ اس سنڈیکیٹ کا سرغنہ جو بھی ہے، قابلِ تعریف ہے۔ اس نے ایک ہی دن میں چند گھنٹوں کے اندر فرہاد کے تمام جاں نثاروں پر جھاڑو پھیر دی ہے۔"

"فرہاد کہاں ہے؟"

ربی نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "وہ آسیب ہے۔ نظر نہیں آتا۔ گرفت میں نہیں آتا۔ تازہ ترین اطلاع کے مطابق وادیٔ قاف ویران ہو چکی ہے۔ بے شمار عورتیں، بچے اور بوڑھے مارے گئے ہیں۔ جو بے ہوش پائے گئے، انھیں فوری طبی امداد پہنچائی گئی۔ لیکن رسونتی، اعلیٰ بی بی اور مرجانہ وغیرہ ہاتھ نہیں آئیں۔"

"فرانس کی حکومت ان کا ساتھ دیتی ہے۔ شاید اُن سب کو وادی سے نکال کر فرانس کے کسی شہر یا قصبے میں لا کر چھپا دیا گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے فرہاد کی تمام ساتھی عورتیں ماری گئی ہیں۔"

انھوں نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہوتے ہی کہا: "مجھے ریکارڈ کے ذریعے فرہاد کے تمام ساتھیوں کی آوازیں باری باری سناؤ۔"

پھر انھوں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا: "شیبا! میرے دماغ کو پڑھو۔ دوسری طرف سے سونیا اور رسونتی وغیرہ کی آواز سنائی جا رہی ہے۔ تم سنتی جاؤ اور باری باری ان کے دماغ میں پہنچتی جاؤ۔"

وہ حیرانی اور پریشانی سے بولی: "آپ نے سختی سے منع کیا ہے کہ ان میں سے کسی کے دماغ کو نہیں چھیڑنا چاہیے۔"

"ہمیں جو اطلاع ملی ہے، اس کے مطابق وادی میں ایسے بم برسائے گئے ہیں، جن سے مہلک گیس خارج ہوتی ہے۔ اس کے اثر سے انسان کا دماغ اور اس کے اعصاب کمزور پڑ جاتے

ہیں۔ فرہاد پہلے ہی زخموں سے چُور ہے۔ اس کے دوسرے ساتھی اعصابی کمزوریوں کا شکار ہوں گے۔ تمھیں ان کے دماغ کو چھیڑنا نہیں ہے۔ چپ چاپ وہاں جانا ہے اور اُن کا موجودہ خفیہ ٹھکانہ معلوم کرنا ہے۔"

انھوں نے شیبا کو اپنے دماغ میں آنے کی اجازت دی۔ فون پر دوسری طرف کیسٹ آن کر دیا گیا تھا۔ سب سے پہلے سونیا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اُس کے بعد ربی نے کہا۔ "دوسرا کیسٹ سیٹ کرو۔"

ادھر جب تک دوسرا کیسٹ، ریکارڈر میں لگایا جاتا، تب تک شیبا نے سونیا کے دماغ کو چھو لیا۔ دس پندرہ سیکنڈ تک خاموش رہی۔ ربی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سوچ کے ذریعے بولی: "ہمارا پہلا خیال درست تھا۔ سونیا کوما میں ہے۔ اس کا دماغ اس قدر کمزور ہے کہ وہ خود اپنے طور پر سوچنے کے قابل نہیں ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ کہیں لیٹی ہوئی ہے۔ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ مگر سمجھ نہیں سکتی، کیا دیکھ رہی ہے اور کہاں لیٹی ہوئی ہے۔"

فون پر دوسری طرف سے کیسٹ کے ذریعے رسونتی کی آواز سنائی۔ پھر یکے بعد دیگرے میرے تمام ساتھیوں کی آوازیں سنائی جاتی رہیں۔ شیبا ہر ایک کے متعلق یہی کہہ رہی تھی کہ وہ کوما میں ہے۔ ربی نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سب ایک ہی نامعلوم شخص کے شکنجے میں ہیں۔"

میں کیفے میں بیٹھ کر کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔ ربی اسفند یار کا یہ اندازہ درست ہو سکتا تھا، میرے تمام ساتھی ایک ہی نامعلوم شخص کی گرفت میں آگئے تھے۔ وہ وادیٔ قاف میں نہیں تھے۔ سونیا، لیلیٰ اور سجاد جس طیارے میں گئے تھے، وہ برما کے جنگل میں پایا گیا تھا۔ مگر وہ تینوں برما کے جنگل یا شہروں میں نہیں تھے۔ باباصاحب کے ادارے کے بے شمار افراد انھیں ہر متوقع ملک اور متوقع مقامات میں تلاش کر رہے تھے۔

کافی دیر سے آئی تھی اور میں پینے میں بھی دیر کر رہا تھا۔ میں نے پھر شیبا کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ ربی کہہ رہے تھے: "ہمیں یقین نہیں آتا کہ فرہاد بھی ان کی طرح کہیں بے بسی سے پڑا ہوگا۔ وہ ابھی تک زخمی ہے یا صحت مند ہو چکا ہے، دشمنوں میں ہے یا دوستوں میں، یہ تم معلوم کر سکتی ہو۔"

"میں؟" وہ گھبرا گئی۔

"ہاں تمھارے سوا کوئی اُس کا سراغ نہیں لگا سکتا۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب تک کی معلومات کے مطابق وہ زخموں سے چُور ہے۔ تم چپکے سے جاؤ گی، وہ تمھاری سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر سکے گا۔"

"اور اگر محسوس کر لیا تو؟"

"تو کمزوری کے باعث سانس نہیں روک سکے گا۔ یہی سمجھے گا کہ مادام کمپیوٹر جبراً اس کے دماغ میں آگئی ہے۔"

"محترم ربی! فرض کیجیے، وہ زخمی نہ ہو، دماغی طور پر کمزور نہ ہو، میری سوچ کی لہر جانے اور وہ مجھے پکڑ لے تو؟"

"ایک ننھی بچی بھی اتنی دہشت زدہ نہیں ہوتی، جتنی تم ہو رہی ہو۔ بیٹی! جب تم آواز نہیں سناؤ گی، خاموشی سے جاؤ گی، خاموشی سے معلومات حاصل کر کے آؤ گی تو وہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ حوصلہ کرو۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ تم چپکے سے جاؤ۔"

وہ ربی اسفند یار کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ سوچ رہی تھی، فرہاد کے دماغ میں پہنچنے کا خطرہ مول لینا چاہیے یا نہیں؟ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "اگر میں پھنس گئی تو کبھی نجات حاصل نہیں کر سکوں گی۔ وہ مجھے اپنی ساتھی کی فہرست میں شامل کر لے گا۔ اس کا ریکارڈ بتاتا ہے، جو اُس کے ہاتھ میں ایک بار گئی، پھر اُسی کی ہو کر رہ گئی۔"

شیبا کی سوچ نے کہا: "نہیں، میں اس کے دماغ میں نہیں جاؤں گی۔"

ربی نے پوچھا: "تم ابھی تک پریشان نظر آرہی ہو۔ میں یقین دلاتا ہوں، وہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ جاؤ بیٹی جاؤ۔"

میں نے اس کی سوچ میں سمجھایا: "اگر میں اُس کی گرفت میں آؤں گی تو ربی کی آنکھیں بدل جائیں گی۔ وہ کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ میں فرہاد کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاؤں۔ ابھی یہ میرے بزرگ اور مہربان ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن بن جائیں گے۔ اپنے ملک اور قوم کے خلاف مجھے فرہاد کی طرف مائل ہوتے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مجھے موت کی سزا بھی دے سکتے ہیں۔ میں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا۔"

اس نے ربی اسفند یار کی تسلی کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے پھر اُس کی سوچ میں کہا: "ہاں یہی مناسب ہے۔ ظاہر یہ کرنا چاہیے کہ خیال خوانی کر رہی ہوں۔ لیکن..."

میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اُس کی سوچ نے بے اختیار کہا: "لیکن میں اُس کے دماغ میں نہیں جاؤں گی۔ خواہ مخواہ خطرے کو دعوت دینا حماقت ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی، آ بیل مجھے سینگ مار۔ نہیں، میں کبھی اُسے سینگ مارنے کا موقع نہیں دوں گی۔"

اُس نے آنکھیں کھول کر ربّی کو دیکھا۔ انھوں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"اُس کے دماغ میں بھی دھند چھائی ہوئی ہے۔ میرے بزرگ! وہ بھی کوما میں پڑا ہوا ہے کہیں!"

ربّی نے شدید حیرانی سے پوچھا "کیا واقعی؟"

"جی ہاں۔ سونیا اور رسونتی وغیرہ کے دماغوں کی جو کیفیت ہے، ویسی ہی فرہاد کی دماغی حالت ہے!"

"اوہ گاڈ! آخر وہ کون ہے جس نے ٹیلی پیتھی کی تمام بلاؤں کو کوما میں پہنچا دیا ہے!"

شیبا نے کہا "مجھے ماسٹر کِی پر شبہ ہے!"

"اگر وہ ایسا کرتا تو سینہ تان کر ڈنکے کی چوٹ پر کہتا کہ اُس نے چیلنج کے مطابق نہ صرف فرہاد کو بلکہ اس کی پوری ٹیم کو کوما میں پہنچا کر بے دست و پا بنا دیا ہے!"

"ماسٹر کِی اعلانیہ ایسا نہیں کہے گا!"

"کیوں؟"

"ابھی میں ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی اس کی پہنچ سے دور ہوں!"

ربی نے تائید میں سر ہلا کر کہا "بات سمجھ میں آرہی ہے ماسٹر کِی تمھاری تاک میں ہے۔ جب تک تمھیں بھی کوما میں نہیں پہنچائے گا، فرہاد وغیرہ کے سلسلے میں ڈینگیں نہیں مارے گا!"

شیبا اور ربی کی باتیں میرے دل کو لگ رہی تھیں۔ ایک وہی تھا، جس کے پاس میں اور شیبا براہِ راست نہیں پہنچ سکتے تھے۔ پہلے اس کے متعلق معلوم کرنا لازمی تھا۔ آخر وہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ ایک بار وہ سامنے آجاتا تو اس کی کوئی کمزوری ڈھونڈ نکالنا کچھ مشکل نہ ہوتا۔

میں نے خیال خوانی کے ذریعے ماتحت سے کہہ دیا تھا کہ وہ کیفے کے سامنے گاڑی لے آئے۔ میں کافی کا بل ادا کرکے آیا۔ میرے لیے کار موجود تھی۔ میں نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا "ہیومن پارٹس بنک چلو!"

ہیومن پارٹس بنک کا ڈاکٹر آرتھر اس ادارے کا ڈائریکٹر بھی تھا۔ اس کے علاوہ اور چار ڈاکٹر تھے۔ مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ڈاکٹر آرتھر کے دماغ سے معلومات حاصل کرچکا تھا۔ ڈاکٹر ہیرالڈ کے اسپتال کی طرح ڈاکٹر آرتھر کا بنک بھی گراؤنڈ فلور میں تھا۔ وہاں سرد خانوں میں لاوارث لاشیں رکھی ہوئی تھیں۔ آرتھر نے کوما میں رہنے والے زندہ انسانوں کے سرد خانوں میں آہنی گیٹ پر برقی رو جاری کرا رکھی تھی۔ اُسے چھونے والا موت کے سرد خانوں میں خود بخود پہنچ جاتا تھا۔ اس برقی رو کا کنکشن اور مین سوئچ کہاں ہے؟ اُسے کس طرح آف کیا جاتا ہے؟ یہ صرف ڈاکٹر آرتھر جانتا تھا۔ اب میں بھی جان گیا تھا۔ اُس آہنی گیٹ سے گزرنے کے بعد سرد خانوں کے بند دروازوں پر ایسے تالے تھے، جو نمبروں کی مخصوص ترتیب سے کھلتے اور بند ہوتے تھے۔

ہماری کار انسانی اعضا کے بنک کے سامنے رُک گئی۔ وہاں دو مسلح گارڈز تھے۔ ہمارا ماتحت ان کے پاس گیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں اس کے ذریعے کس طرح مسلح گارڈز کو بے بس کرنے کے بعد بنک کے اندر پہنچا۔ برقی رو والے گیٹ سے گزر کر سرد خانوں کے تالے کھولنا بھی آسان تھا۔ میں صرف اپنوں کو تلاش کرنے آیا تھا۔ جس سرد خانے کے دروازے پر پہنچتا، ڈاکٹر آرتھر کا دماغ مجھے اس تالے کا مخصوص نمبر ترتیب سے بتاتا اور میں اُسے کھول کر اندر چلا جاتا۔ جو لوگ کوما میں ہوتے اُن کے متعلق تصدیق کرتا کہیں وہ میک اَپ میں تو نہیں ہیں؟ ہمارا ماتحت ایک بیگ میں چھوٹے چھوٹے فلیگ بنا کر لایا تھا۔ لاشوں کے درمیان جو لوگ کوما میں پڑے ہوئے تھے، ان کے سرہانے وہ فلیگ لگا دیتا تھا۔ اس فلیگ پر لکھا تھا "ابھی میں زندہ ہوں!"

میرے زندہ ساتھی وہاں نہیں تھے۔ میں وہاں سے بھی مایوس ہوکر بنک کے باہر آیا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ہمارا ماتحت ٹیلیفون کے ذریعے پولیس افسر کو اطلاع دینے گیا کہ ہیومن پارٹس بنک میں غیر قانونی طور پر انسانی اعضاء فروخت کیے جاتے ہیں۔ اس اطلاع کی تصدیق کے لیے پولیس پارٹی بنک کے سرد خانوں میں جاکر دیکھ سکتی ہے۔ مردہ خانوں کے جن بستروں پر یہ فلیگ لگے ہوئے "ابھی میں زندہ ہوں"، اُن بستروں پر پڑے ہوئے افراد واقعی زندہ ہیں اور کوما میں ہیں!"

پولیس افسر نے پوچھا "تم کون ہو؟"

"میں اس بنک کا ڈاکٹر اور ڈائریکٹر آرتھر ہوں۔ میں آپ کا سامنا نہیں کروں گا۔ آج میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ میں نے سیکڑوں مجبور افراد کو ان کی زندگی میں مُردہ بنا کر لاشوں کے درمیان رکھا۔ جب بھاری معاوضہ ادا کرنے والے گاہک آتے تو میں کوما میں رہنے والوں کے جسم کے اہم حصّے کاٹ کر ضرورت مند گاہکوں کے جسم میں پیوند کاری کرتا رہا!"

افسر نے کہا "ڈاکٹر! تم درندہ صفت مجرم بن کر اب تک زندگی گزارتے رہے۔ اور اب جرائم کا اعتراف کر رہے ہو۔ ہم تمھاری سزا کم سے کم کرائیں گے تم آجاؤ!"

"سوری آفیسر! میں سامنا نہیں کروں گا۔ اس وقت میرے ہاتھ میں بھرا ہوا ریوالور ہے۔ تم ادھر آؤ گے تو میں خود کو ہلاک کر دوں گا۔ مجھے کچھ دیر زندہ رکھنا چاہتے ہو تو فوراً بنک پہنچ کر کوما میں رہنے والوں کو نئی زندگی دو۔ انھیں زندگی کی طرف لانے کے لیے جو دوائیں استعمال میں لائی جاتی ہیں، اُن کا علم میرے اسسٹنٹ ڈائریکٹر اور ڈاکٹر واٹسن کو ہے۔ تم ڈاکٹر واٹسن کا پتا نوٹ کرلو!"

میں خیال خوانی کے ذریعے دیکھ رہا تھا۔ ادھر ہمارا ماتحت بتا رہا تھا۔ اور آفیسر نوٹ کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "ڈاکٹر آرتھر! تم قانون سے تعاون کر رہے ہو۔ وعدہ کرو، خودکشی نہیں کروگے!"

ہمارے ماتحت نے کہا "تم وعدہ کرو، میری طرف نہیں آؤ گے۔ جب تک نہیں آؤ گے میں زندہ رہوں گا!"

میں انھیں چھوڑ کر ڈاکٹر آرتھر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سو رہا تھا۔ میں نے اُسے خوابیدہ حالت میں اٹھایا۔ وہ میز کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ قلم اٹھا کر لیٹر پیڈ پر لکھنے لگا "میں نے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہوکر اپنے تمام جرائم کا اعتراف کرلیا ہے۔ میں نے اب تک دو سو دس افراد کو کوما میں رکھا ہے۔ ان میں سے ایک سو ستر افراد کا آپریشن کیا۔ کسی کا دل نکالا، کسی کی آنکھیں اور کسی کے گُردے نکالے پھر انھیں ضرورت مند گاہکوں کے جسموں میں لگایا۔ دولت مندوں کو نئی زندگی دینے کے لیے غریبوں اور محتاجوں کو بے موت مار ڈالا۔ آج میں بے موت مر رہا ہوں۔ میں ایک معزز ڈاکٹر سمجھا جاتا رہا۔ اب ایک مجرم کی حیثیت سے دنیا کو منہ نہیں دکھا سکوں گا۔ لٰہذا خودکشی کر رہا ہوں!"

اس نے قلم کو اپنی تحریر کے پاس رکھ دیا۔ دراز کھول کر ریوالور نکالا۔ اس کی نال اپنی کنپٹی پر رکھی۔ میں نے کہا "آرتھر! تمھارے جیسے درندوں کا ضمیر پہلے مرتا ہے۔ اور جب ضمیر مر جاتا ہے تو آدمی کبھی شرم سے نہیں مرتا۔ تم بھی نہ مرتے۔ ویسے اب تمھاری موت ضروری ہے تاکہ یہ بات صاف ہوجائے کہ برقی رو والا گیٹ اور مخصوص نمبروں کے تالے تم نے ہی کھولے پھر پولیس افسر کو اطلاع دی۔ اس کے بعد خودکشی کرلی!"

ایسا کہتے وقت میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ خوابیدہ نہیں تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے دماغ میں میری آواز سن رہا تھا۔ اس دوران اس نے ریوالور کو کنپٹی سے ہٹانے کی کوشش کئی بار کی اور ناکام رہا۔ میں نے کہا۔ "تم زندہ رہنا چاہتے ہو، مگر نہیں رہ سکتے۔ اسے کہتے ہیں ٹیلی پیتھی کا کوما۔ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن!"

اس کا ریوالور والا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ وہ موت اور زندگی کے درمیان تھا۔ میں نے کہا "جو بے چارے تمھارے سرد خانے میں لاشوں کے درمیان پڑے ہیں، وہ بھی انتظار میں ہیں کہ موت ٹل جائے گی۔ نئی زندگی مل جائے گی۔ تم بھی سوچ رہے ہو، ریوالور ہٹ جائے گا مگر کیسے ہٹے؟ کیا آج تک تم نے کسی کو کوما کی حالت سے نکالا؟"

وہ تھر تھر کانپتے ہوئے معافی مانگتے اور گڑگڑانے لگا۔ لیکن وہ تحریری بیان دے چکا تھا۔ اس کے مطابق ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھا۔ ٹھائیں سے گولی چلی۔ اس کے ساتھ ہی میری سوچ کی لہریں واپس آگئیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میری کار ایک شاہراہ سے گزر رہی تھی۔ میں نے پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟"

ماتحت نے جواب دیا "سر! بنک کے پاس پولیس پارٹی پہنچنے والی تھی۔ اس لیے کار وہاں سے لے آیا ہوں۔ آپ خیال خوانی میں مصروف تھے۔ آپ کے حکم کے انتظار میں یونہی ڈرائیو کرتا جا رہا ہوں۔ ویسے ہم تیسرے ادارے کے ڈاکٹر سرجن فلیش کی رہائش گاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں!"

اس نے ایک طرف گاڑی روک دی۔ میں سرجن فلیش کے پاس پہنچ گیا۔ شام سے اب تک جسمانی اعضا کا کاروبار کرنے والے دو بڑے اداروں پر پولیس نے کامیاب چھاپے مارے تھے۔ دونوں اداروں کے سرد خانوں میں جتنے افراد کوما میں تھے، انھیں زندگی کی طرف واپس لایا جا رہا تھا۔ یہ باتیں سرجن فلیش کو معلوم ہوگئی تھیں۔ جو لوگ کوما کی حالت سے واپس لائے جا رہے تھے ان کی دماغی اور جسمانی حالت تشویشناک تھی۔ ان سب کو زندہ رکھنے اور پوری توجہ سے علاج کرانے کی خاطر کئی تجربہ کار ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی گئیں تھیں۔ توقع تھی کہ ان کی حالت سنبھلتے ہی وہ سب کے سب کوما میں لے جائے جانے کے چونکا دینے والے بیانات قلم بند کرائیں گے۔

سرجن فلیش کو اپنی شامت نظر آرہی تھی۔ وہ یہ شہر، یہ ملک چھوڑ کر کچھ عرصے کے لیے آئرلینڈ جانا چاہتا تھا۔ اس لیے اپنی کار ڈرائیو کرتا ہوا فلائنگ کلب جا رہا تھا۔ وہاں سے ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے ملک چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ میں نے ماتحت سے کہا "سرجن فلیش فرار ہونا چاہتا ہے۔ تم پولیس کی نظروں میں آئے بغیر انھیں سرجن فلیش کے سرد خانوں میں پہنچا دو۔ بعد میں پولیس والوں کے ساتھ رہنے کی کوشش کرو، اس طرح معلوم کرسکو گے کہ فلیش کے سرد خانوں میں کسی کو میک اَپ کرا کے پہنچایا گیا ہے یا نہیں؟ اب میں اپنی رہائش گاہ میں جانا چاہتا ہوں!"

وہ مجھے ہدایت کے مطابق رہائش گاہ تک پہنچا کر چلا گیا۔ وہاں بھی اعلیٰ بی بی کے ماتحت موجود تھے۔ انھوں نے کھانے کے لیے پوچھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ بیڈ روم میں پہنچ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ سرجن فلیش کے پاس پہنچ گیا۔ وہ فلائنگ کلب کے ایک پائلٹ سے کہہ رہا تھا: "جونی! گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ہیرالڈ اور آرتھر کے سرد خانوں تک پولیس پہنچ چکی تھی؟"

جونی نے پوچھا: "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہیرالڈ کے سرد خانے خاص میکنزم کے تحت تہ خانے میں پہنچا دیے جاتے تھے۔ پولیس کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور آرتھر..."

سرجن فلیش نے کہا: "یہ بحث بعد میں ہو سکتی ہے کہ ان پر تباہی کیسے آئی اور کس کے ذریعے آئی؟ فی الحال یہاں سے بھاگ چلو، ورنہ پکڑے جائیں گے۔"

"تمھیں گرفتاری کا اندیشہ ہے، مجھے نہیں ہے۔ میں تمھارے کاروبار میں شریک نہیں ہوں۔"

"یہ مت بھولو جونی! کہ تمھارا ایک گردہ ناکارہ ہو گیا تھا، تمھارے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ..."

جونی نے بات کاٹ کر کہا: "یار، مجھے سب یاد ہے۔ میں تمھارے کام آنے سے انکار نہیں کر رہا ہوں۔ بولو میں تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"فوراً ایک ہیلی کاپٹر آئرلینڈ کے لیے چارٹر کرو۔ اور مجھے وہاں پہنچا دو۔"

"آل رائٹ۔ انتظار کرو۔ میں ابھی سارا بندوبست کر لوں گا۔"

جونی چلا گیا۔ سرجن فلیش انتظار کرنے لگا۔ اُن کا قصہ یوں تھا کہ جونی ناکارہ گردہ نکلوانے اور کارآمد گردہ لگوانے پھر آپریشن اور طویل علاج کرانے کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ سرجن فلیش سے اچھی دوستی تھی۔ فلیش نے پوچھا۔ "تمھارا ایک سوتیلا جوان بیٹا ہے؟"

"ہاں ہے۔"

"تم اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو۔"

"ہاں، وہ کباب میں ہڈی ہے۔ میں کماتا ہوں، میری بیوی کمائی کا کچھ حصہ چھپا کر بیٹے کو دیتی رہتی ہے۔ اس بات پر کئی بار جھگڑا ہو چکا ہے۔ وہ قسم کھاتی ہے کہ بیٹے کو کچھ نہیں دیتی۔ مگر میں نادان نہیں ہوں۔"

"تم سوتیلے بیٹے کو کسی طرح میرے سرد خانے میں پہنچا دو۔ اس کا ایک گردہ تمھارے کام آئے گا۔ آپریشن کے اخراجات کی پروا نہ کرو۔ اس کا دل اور آنکھیں کسی ضرورت مند کو دے کر میں نقصان پورا کر لوں گا۔"

یہ ایک لمبی کہانی ہے کہ جونی نے سوتیلے بیٹے کو کیسے ٹریپ کیا۔ اور سرجن فلیش کے آدمیوں کی مدد سے کس طرح اسے سرد خانے میں پہنچایا۔ ہماری دنیا میں ایسا ایسے غیر انسانی دھندے ہوتے ہیں، جن کے متعلق سن کر یا پڑھ کر یقین نہیں آتا۔ ایسے واقعات آنکھوں کے سامنے ہوں تو آنکھیں پھوڑ لینے کو جی چاہتا ہے۔ جونی کی بیوی نہیں جانتی تھی کہ جس شوہر سے محبت کرتی ہے، وہی اس کے لختِ جگر کو بے موت مارنے کے لیے کوما کے مرحلے تک پہنچا دے گا۔

... جو ہونا تھا، سو ہو گیا۔ اُس کی بیوی کا نام ڈورا تھا۔ ڈورا آج بھی اپنے گم شدہ بیٹے کو تلاش کرتی ہے۔ پولیس والے اُسے تسلیاں دیتے ہیں کہ بیٹا نادان نہیں ہے، جوان ہے۔ غلط لوگوں کی صحبت میں پڑ کر ہپیوں کی طرح نگر نگر گھومنے چلا گیا ہو گا۔ بے چاری ڈورا نہیں جانتی تھی کہ جب اُس کا شوہر جونی محبت کرنے کے لیے پاس آتا ہے تو اپنے وجود میں اس کے بیٹے کا گردہ چھپا کر آتا ہے۔ دنیا میں کیسی کیسی چوریاں ہوتی ہیں۔ چوری کا مال پاس ہوتا ہے، پھر بھی اس کا سراغ نہیں ملتا۔

جونی اپنے محسن سرجن فلیش کے لیے ابھی ہیلی کاپٹر چارٹر کرانے والا تھا۔ میں تھوڑی دیر کے لیے اپنے ماتحت کے پاس پہنچا۔ وہ پولیس پارٹی کے ساتھ ایک فوٹوگرافر کی حیثیت سے تھا۔ سرجن فلیش کے سرد خانوں کی تصاویر اخبارات کے لیے اتار رہا تھا۔ اس کے ذریعے میں ایک پولیس افسر تک پہنچا پھر وہ میری مرضی کے مطابق کوما میں پڑے ہوئے افراد کے چہروں اور گردنوں کو چھو کر دیکھنے لگا۔ وہاں بھی کوئی عارضی یا ماسک میک اپ میں نہیں تھا۔ لندن کے تین بڑے اداروں میں اپنا ایک ساتھی بھی مجھے نہیں ملا۔ یہ میرے لیے حیرانی، پریشانی اور تھکا ڈالنے والی بات تھی۔

اسی وقت ایک اور افسر نے آ کر پوچھا: "کیا اور کوئی میک اپ میں ہے؟"

"یہاں کوئی نہیں ہے۔"

دوسرے نے کہا: "دو افراد جو میک اپ میں تھے، انھیں خصوصی نگرانی کے ساتھ پولیس اسپتال لے جا رہا ہوں۔ ان کی حالت تشویش ناک ہے۔ ویسے ایمبولنس میں ڈاکٹر موجود رہے گا۔"

میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ وہ دو افراد میرے اپنے ہو سکتے تھے۔ میں اس افسر کے دماغ میں بیٹھ گیا۔ وہ عمارت کے

باہر ایمبولنس کی طرف جا رہا تھا۔ میرے ایک بھی ساتھی کے مل جانے سے دوسروں کا سراغ لگانا کچھ آسان ہو جاتا۔ وہ افسر ایمبولنس کے پاس آیا۔ وہاں تیسرا پولیس افسر بھی موجود تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ کیونکہ وہ ایمبولنس کے پچھلے حصے میں ڈاکٹر اور مریضوں کے ساتھ سفر کرنے والا تھا۔

ایمبولنس وہاں سے روانہ ہوئی۔ ڈاکٹر دونوں کو باری باری چیک کر رہا تھا۔ آفیسر نے کہا: "ڈاکٹر! یہ ماسک میک اپ میں ہیں، اگر ان کے چہروں پر سے ماسک ہٹا دیا جائے تو انھیں کچھ آرام آئے گا۔"

ڈاکٹر نے اجازت دے دی۔ آفیسر ماسک ہٹانے لگا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی اصلی چہرہ ظاہر ہوا۔ میں آفیسر کے ذریعے اُسے دیکھنے لگا اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے کہا: "یہ جوان لڑکی ہے۔ چہرے کے نقوش بتاتے ہیں، یہ کسی عرب ملک سے تعلق رکھتی ہے۔"

یقیناً وہ لیلیٰ ہو گی۔ میں وہی دیکھ سکتا تھا اور سمجھ سکتا تھا جو آفیسر کی آنکھیں دکھا رہی تھیں۔ اور دماغ سمجھا رہا تھا۔ وہ لیلیٰ کو پہچانتا نہیں تھا۔ اسے عرب دوشیزہ کہہ رہا تھا۔ میں نے ڈاکٹر کے سوچ میں کہا: "اس عرب لڑکی سے کچھ پوچھنا چاہیے۔"

"نان سنس۔" اس نے اپنے آپ سے کہا: "یہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ یہ بولنے کے قابل نہیں ہے۔ کوما میں رہنے والے جسمانی اور دماغی طور پر اس قدر کمزور ہو جاتے ہیں کہ ان کی جلد واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں، جو قوتِ ارادی سے جدوجہد کرتے ہیں، موت سے لڑتے ہیں اور زندگی کو پا لیتے ہیں۔"

دوسری طرف آفیسر نے دوسرے مریض کا ماسک اتار لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے شدید حیرانی سے کہا: "اوہ گاڈ! یہ فرہاد علی تیمور ہے!"

ڈاکٹر نے گھوم کر غور سے دیکھا۔ پھر کہا: "میں نے فرہاد کا نام سُنا ہے۔ کبھی دیکھا نہیں ہے۔ کیا واقعی یہ فرہاد ہے؟"

میں اپنی جگہ سوچ رہا تھا۔ سجاد صبا کے علاقے میں آیا تو مور کاسترو کے روپ میں تھا۔ اب یہ روپ میں نے اختیار کر رکھا تھا۔ صبا کے علاقے تک میں بابر جلال بنا ہوا تھا۔ سجاد میری جگہ لینے کے لیے بابر جلال بن گیا تھا۔ چونکہ وہ عارضی میک اپ تھا لہٰذا انجانے دشمن نے اُسے پہچاننے کے بعد فرہاد کی حیثیت سے شناخت کیا تھا۔ اور سرد خانے تک پہنچانے کے لیے اس کے چہرے پر ماسک میک اپ کیا تھا۔

پولیس افسر ٹرانسمیٹر آن کر کے اپنے اعلیٰ افسران کو فرہاد کے متعلق اطلاع دے رہا تھا۔ نرس نے کہا: "ڈاکٹر! پلیز اس لڑکی کو دیکھیں۔ اس کی نبض ڈوب رہی ہے۔"

ڈاکٹر نے لیلیٰ کی طرف توجہ دی۔ پھر ایک بار اس کی نبض اور دھڑکنوں کی رفتار محسوس کرنے لگا۔ ساتھ ہی نرس کو ایک انجکشن تیار کرنے کے لیے کہہ رہا تھا لیکن جب تک انجکشن تیار ہوتا، اس کے ہاتھ سے لیلیٰ کی کلائی چھوٹ گئی۔ وہ چند لمحوں تک اُسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر افسر سے بولا: "سوری، شی از نو مور (مجھے افسوس ہے۔ یہ ختم ہو چکی ہے)!"

میرا سر جھک گیا۔ جو میں سوچ نہیں سکتا تھا، وہ ہو گیا۔ وہ بہت ہی مضبوط قوتِ ارادی کی مالک تھی۔ اپنی طبعی عمر تک موت سے لڑ سکتی تھی۔ مگر تل ابیب میں اس پر بے انتہا مظالم ڈھائے گئے تھے۔ اسے اس قدر کمزور بنا دیا گیا تھا کہ وہ کوما کے عذاب کو برداشت نہ کر سکی۔ اس کی موت بڑی ہی دردناک تھی۔ میں کئی منٹ تک نہ بول سکا، نہ ہی خیال خوانی کر سکا۔ جی چاہتا تھا، تھک کر بستر پر گر جاؤں۔ آنکھیں بند کر لوں اور ساری دنیا سے غافل ہو جاؤں۔

ایک کی موت نے مجھے دوسرے ساتھیوں کے لیے اور زیادہ تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں لمحہ بھر کے لیے آنکھیں بند کر کے غافل نہیں رہ سکتا تھا۔ ڈاکٹر اور پولیس افسر کے ذریعے پتا چل رہا تھا کہ سجاد اپنی زندگی کے لیے لڑ رہا ہے۔ ویسے بھی وہ فرہاد سمجھا جا رہا تھا۔ وہ لوگ اُسے بچانے کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ تمام اگلے پچھلے دشمنوں تک یہ اطلاع پہنچنے والی تھی کہ فرہاد کو کوما سے واپس لایا گیا ہے اور اُسے زندہ رکھنے کی ہر ممکن کوششیں کی جا رہی ہیں۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سونیا، رسونتی اور پارس کی صورتیں آنکھوں میں گھوم رہی تھیں۔ جب تک ان کے متعلق بھی کچھ معلوم نہ ہوتا، مجھے سکون نہ ملتا۔ میں نے اعلیٰ بی بی کے ایک ماتحت کو بلا کر کہا: "لیلیٰ ثانی کی لاش پولیس اسپتال لے جائی جا رہی ہے۔ تم لوگ سرکاری ذرائع استعمال کر کے اس کی لاش بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دو۔ سجاد بھی پولیس اسپتال میں زیرِ علاج رہے گا۔ فی الحال وہ فرہاد سمجھا جا رہا ہے۔ اسپتال کے آس پاس خفیہ نگرانی کرنے والوں کی ڈیوٹی لگا دو۔"

وہ احکامات کی تعمیل کے لیے چلے گئے۔ میں نے شیخ الفارس کو مخاطب کر کے تمام حالات بتائے۔ پھر کہا: "جناب! انسانی اعضا کی خرید و فروخت کے سلسلے میں جن اداروں کا ذکر آپ نے کیا تھا، میں نے یہاں ان تمام کا محاسبہ کیا ہے۔ یہاں لیلیٰ اور سجاد کوما کی حالت میں پائے گئے۔ بے چاری لیلیٰ جانبر نہ ہو سکی۔ سجاد کو فرہاد سمجھ کر اس کا علاج خصوصی توجہ سے کیا جا رہا ہے۔ اب میں

پیرس کے سردخانوں میں پہنچنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں آپ نے کہاں تک کامیابی حاصل کی ہے؟"

شیخ الفارس نے کہا "ہمارے جوان تینوں اداروں کے سردخانوں تک پہنچنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اُن اداروں کے ڈاکٹروں تک رسائی ہو چکی ہے۔ مگر سردخانوں تک پہنچنے میں عرصہ لگے گا۔ فوراً پہنچنا چاہو تو میرے ان جوانوں کے ذریعے اُن اداروں کے ڈاکٹروں تک پہنچو۔ میں ان کی آوازیں سُنا رہا ہوں۔"

انھوں نے ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے یکے بعد دیگرے تمام آوازیں سنائیں۔ اس کے بعد مجھے اپنے طریقۂ کار کے مطابق ان سردخانوں تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ رات کا وقت تھا۔ وہ تمام ڈاکٹر جو غیر قانونی طور پر زندہ لوگوں کو کوما میں رکھتے تھے، وہ سب آرام سے اپنی خواب گاہوں میں سو رہے تھے۔ میں نے ایک ڈاکٹر کو دماغی جھٹکا پہنچایا۔ وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے کہا "ذلیل کے بچے! تمھاری منافع خوری میرے عزیزوں کو زندگی سے موت کی طرف لے جا رہی ہے اور تم سو رہے ہو۔ اٹھو اور اس وقت تک جاگتے رہو جب تک میرے لوگوں کا سراغ نہ ملے۔ وہ نہیں ملیں گے تو تم سو نہیں سکو گے۔ پلکیں جھپکاؤ گے تو دماغی جھٹکے پہنچیں گے۔ تم نیند کو ترستے رہو گے اور یہ تمھیں بھیک میں کبھی نہیں ملے گی۔ حتیٰ کہ جاگتے جاگتے تمھارا دم نکل جائے گا۔"

وہ سہمے ہوئے انداز میں بولا "یہ میرے دماغ میں کیسی آوازیں گونج رہی ہیں۔ جیسے کوئی بول رہا ہو؟"

"تمھارا باپ بول رہا ہے۔ چلو اٹھو۔"

وہ بستر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی چیخ سن کر بیوی، ایک جوان بیٹا اور ملازم دوڑتے آئے تھے۔ معلوم کرنا چاہتے تھے، چیخ کی آواز کیسی تھی۔ میں نے اس کی زبان سے کہا "کچھ نہیں، میں خواب میں ڈر گیا تھا۔ تم لوگ جاؤ، سو جاؤ۔ میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔"

بیٹے نے کہا "ڈیڈ! اتنی رات کو تنہا جا رہے ہو؟ میں بھی چلوں گا۔"

میں نے کہا "اچھی بات ہے برخوردار! ایک نہ شُد دو شُد۔"

وہ لباس تبدیل کرنے گیا۔ ڈاکٹر کی بیوی نے پوچھا "تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔ کیا میں تمھارے ساتھ رہوں؟"

"نہیں تم جاؤ۔ میں بیٹے کے ساتھ باہر جاؤں گا۔"

وہ چلی گئی۔ اس نے دروازہ بند کیا۔ میں نے اس کے دماغ پر گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ سہم کر بولا "یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کیا یہ ٹیلی پیتھی کا عمل ہے؟"

"بڑی دیر میں سمجھے۔ اب لباس تبدیل کرتے رہو اور بتلاتے جاؤ، تمھارے سردخانوں میں فرہاد کے کتنے ساتھی ہیں؟"

"ایک بھی نہیں ہے۔ کسی نامعلوم نے مجھ سے سودا کرنا چاہا تھا، میں نے انکار کر دیا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں، میں پہلے ہی فرہاد اور سونتی کے نام سے ڈر گیا تھا۔ ان سے دشمنی مول لینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ تم کون ہو؟"

"میں کوئی بھی ہوں۔ کسی کے سامنے ٹیلی پیتھی کا ذکر نہ کرنا، خواہ تمھارا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔"

"جب میں قسم کھا رہا ہوں کہ میرے سردخانے میں فرہاد کا کوئی ساتھی نہیں ہے تو پھر مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"تم اپنے بیٹے کے ساتھ سردخانے میں جاؤ گے۔ میں تم دونوں کے ذریعے ہر اُس فرد کو چیک کروں گا، جو کوما میں ہے جس نامعلوم شخص سے تم نے سودا منظور نہیں کیا، اُس نے میرے عزیزوں کو میک اپ میں چھپا کر تمھارے ہاں پہنچایا ہوگا۔"

"پھر تو میں سردخانوں میں ضرور جاؤں گا۔ تم سے ہر طرح تعاون کروں گا۔"

"وہ تو کرو گے۔ اور میری ٹیلی پیتھی کا ذکر بھی کسی سے نہیں کرو گے۔ ورنہ تمھارا پورا خاندان تمھارے ساتھ کوما میں چلا جائے گا۔"

"نہیں نہیں، میں کسی سے تمھارا ذکر نہیں کروں گا۔"

"میں ابھی جا رہا ہوں۔ سردخانے میں تمھارے پاس آؤں گا۔"

میں چپ ہو گیا۔ وہ لباس تبدیل کر کے اپنے دماغ میں مجھے محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے مجھے مخاطب کیا۔ جواب نہ ملنے پر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے بولا "چلا گیا۔ تھینکس گاڈ۔ یہ ٹیلی پیتھی کیا بلا ہے۔ میری توبہ، میرے باپ کی توبہ، میں کوئی حرکت ایسی نہیں کروں گا، جو دماغ میں بولنے والے کی مرضی کے خلاف ہو۔ مجھے یقین ہے، وہ بولنے والا فرہاد ہی ہے۔"

مجھے اطمینان ہو گیا۔ میں اُسے چھوڑ کر سرجن فلیش کے پاس پہنچا۔ ہیلی کاپٹر پرواز کر رہا تھا۔ جونی پائلٹ کا فرض انجام دے رہا تھا۔ فلیش اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے جونی کے خیالات پڑھے۔ پھر اعلیٰ بی بی کے ایک ماتحت سے کہا "اسٹار فلائنگ کلب کے ایک پائلٹ جونی کا پتا نوٹ کرو۔ اُس کے گھر جاؤ۔ اُس کی بیوی ڈورا سے کہو، اس کے بیٹے کا سراغ مل گیا ہے۔ بیٹا انگلینڈ کے ایک قریبی جزیرے میں ہے۔ اُسے لے کر کسی بھی فلائنگ کلب میں جاؤ۔ ایک ہیلی کاپٹر چارٹر کراؤ۔ میں گائیڈ کرتا رہوں گا اور تمھیں اُس جزیرے تک پہنچا دوں گا۔"

وہ جونی کا پتا نوٹ کر کے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں سردخانے میں پہنچا۔ ڈاکٹر میرے حکم کے مطابق کوما میں رہنے والوں کو باری باری دیکھنے لگا۔ اُس کے بیٹے نے پوچھا "ڈیڈ! نہیں کیا ہو گیا ہے۔ اتنی رات کو اِن مُردوں میں کیا تلاش کر رہے ہو؟"

"بیٹے! یہ جتنے لوگ کوما میں ہیں، ان کے چہروں کو چھُو کر توجہ سے دیکھو۔ پھر ان کی گردن پر ہاتھ پھیرو۔ شاید ان میں سے کوئی میک اپ میں ہو۔ میں نے ایک نامعلوم مجرم سے سودا کرنے سے انکار کیا تھا۔ وہ ہم سے فراڈ کر سکتا ہے۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ ایک چہرہ میک اپ زدہ تھا۔ میں نے کہا "فوراً اس کا ماسک اتارو۔"

ڈاکٹر نے حکم کی تعمیل کی۔ ماسک اتارتے ہوئے بولا "یہ ایک خوبصورت لڑکی ہے۔ اس کے چہرے پر جتنا حُسن ہے، اتنی ہی سختی بھی ہے۔ مشرق کے کسی ملک سے اس کا تعلق ہو سکتا ہے۔"

میں نے کہا "اس کے ہاتھ کو اور انگلیوں کو چھُو کر دیکھو۔"

اُس نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو چھونا شروع کیا۔ اُس کی سوچ کہہ رہی تھی "یہ تو فولاد ہیں۔ انگلیاں نہیں، آہنی سلاخیں لگتی ہیں۔"

میں نے بے اختیار کہا "یہ یقیناً مرجانہ ہے۔ ڈاکٹر! اسے فوراً کوما سے نکالو۔"

ڈاکٹر نے بیٹے کو انجکشن تیار کر کے لانے کے لیے کہا۔ پھر دوسرے افراد کو چیک کرنے لگا۔ بیٹے کے واپس آنے تک ایک اور شخص کا میک اپ اتارا گیا۔ ڈاکٹر کی سوچ نے اس کا جو حلیہ بتایا، اس سے انکشاف ہوا کہ وہ ٹارزن بلبا ہے۔ میں نے کہا "ڈاکٹر! یہ دونوں میرے جاں نثار ہیں۔ اگر تم انھیں کوما سے نکال کر زندہ رکھنے میں ناکام رہے تو بہت ہی عبرتناک انجام کو پہنچو گے۔ بس اتنا سمجھ لو، ان کی زندگی تمھارے اہلِ خانہ کی زندگی ہے۔ ان کی موت تم سب کی موت ہے۔ لہٰذا انھیں زندہ رکھنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو کام میں لاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں واپس آؤں گا۔"

اب اُس سردخانے میں کوئی تیسرا میک اپ میں نہیں تھا۔ لہٰذا میں ڈورا کے پاس پہنچ گیا۔ میں جانتا تھا، ایک ماں اپنے گم شدہ بیٹے کی بازیابی پر کسی بھی اجنبی پر بھروسا کر سکتی ہے اور اس کے ساتھ کہیں بھی جا سکتی ہے۔ وہ ہمارے ماتحت کے ساتھ ایک ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گئی تھی۔ میں ماتحت کو اس جزیرے کے متعلق بتلانے کے بعد سرجن فلیش کے پاس پہنچ گیا۔ جزیرے کے ایک ویران حصے میں ہیلی کاپٹر اُتر گیا تھا۔ سرجن فلیش حیرانی سے پوچھ رہا تھا "جونی! یہ کون سی جگہ ہے۔ ہم تو آئرلینڈ جا رہے ہیں؟"

جونی نے ہیلی کاپٹر کے انجن کو بند کرتے ہوئے کہا "آدمی جاتا کہیں ہے، پہنچتا کہیں ہے۔ تم حیات کے آخری جزیرے

میں پہنچ گئے ہو۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

جونی نے ریوالور نکال کر کہا "تم اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں گرنے آئے ہو۔ تم نے فلائنگ کلب کے رجسٹر میں غلط نام اور غلط پتے کی انٹری کی ہے۔ اس انٹری کے مطابق میں نے جارج لوئس کو آئرلینڈ پہنچا دیا ہے۔ تم یہاں مُردہ پائے جاؤ گے تو مجھ پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ کیوں سرجن فلیش عرف جارج لوئس کیسی رہی؟"

وہ سہم کر بولا "کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ ہیلی کاپٹر میں تمہارے خون کے دھبے نہیں چاہتا لہٰذا نیچے اُترو۔"

"مگر تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ میں تمہارا محسن ہوں۔ تمہارا ایک گردہ ناکارہ ہوگیا تھا۔ میں نے مفت آپریشن کیا۔"

"ڈاکٹر! مفت نہیں۔ تم نے منافع میں میرے سوتیلے بیٹے کا دل اور آنکھیں حاصل کیں۔ مجھے صرف ایک گردہ ملا۔"

"پھر بھی تمہیں میرے ہاتھوں نئی زندگی ملی۔"

"اب یہ زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ جسمانی اعضا کا غیر قانونی دھندا کرنے والے اداروں پر پولیس کا عتاب نازل ہو رہا ہے۔ تم آج نہیں تو کل پکڑے جاؤ گے۔ تمہیں بیان دینا پڑے گا کہ کس طرح لوگوں کو پھانس کر کوما میں پہنچا دیتے تھے۔ پھر میرا ذکر بھی آئے گا۔ میں نے تمہارے آدمیوں کے ساتھ مل کر سوتیلے بیٹے کو کوما میں پہنچا دیا۔ میں اس کے قتل میں تمہارے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔ اس لیے میں اپنے قاتل ہونے کے ثبوت اور گواہ کو ہمیشہ کے لیے مٹا دینا چاہتا ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی سرجن فلیش نے ریوالور والے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا۔ پھر دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ ان کی زور آزمائی کے دوران ریوالور سے ایک گولی چلی، وہ گولی ہیلی کاپٹر کے ونڈ اسکرین کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے اوپر نیچے ہوتے ہوئے ہیلی کاپٹر سے باہر ریت پر آکر گر پڑے۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اب دونوں فری اسٹائل کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ بار بار ریوالور تک پہنچنا چاہتے تھے مگر ایک دوسرے کے لیے رکاوٹ بن جاتے تھے۔

اب دوسرا ہیلی کاپٹر آگیا تھا اور اُن کے سروں پر پرواز کرنے کے بعد ایک جگہ اُتر رہا تھا۔ سرجن فلیش نے کہا "جونی! ہوش میں آؤ۔ دوسرے ہیلی کاپٹر میں پولیس والے ہوسکتے ہیں یا پھر وہ دشمن ہیں، جن کے ذریعے پولیس تمام سرد خانوں میں پہنچ رہی ہے۔ پلیز عقل سے کام لو۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے، ہم فرار ہو سکتے ہیں۔"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی جونی نے ریوالور کی طرف چھلانگ لگائی۔ ریت پر آکر گرا۔ پھر ریوالور کو وہاں سے اٹھاتے ہوئے، ریت پر لڑھکتے ہوئے دور جا کر کھڑا ہوگیا۔ تب میں نے اس کی زبان سے کہا "سرجن فلیش! تم اتنی دیر سے اپنی زندگی کے لیے لڑ رہے ہو مگر بے چارے کوما میں رہنے والے تو لڑ بھی نہیں سکتے۔ ایک قاتل کو سزائے موت دی جاتی ہے تو اُس کی آخری خواہش پوچھی جاتی ہے۔ تم نے انھیں کوما میں ڈال کر آخری خواہش بیان کرنے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔"

میں نے جونی کے ذریعے اس کی ایک ران میں گولی ماری۔ وہ چیخ مار کر اچھلتے ہوئے ریت پر گرا۔ پھر تڑپ تڑپ کر زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔ میں نے کہا "میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں، تمہیں زندگی کی بھیک کیسے مل سکتی ہے۔ میری ثباتہ کی زندگی چھین لی گئی۔ میرا پارس لاپتا ہوگیا۔ لیلیٰ بے موت ماری گئی۔ پتا نہیں سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کس حال میں ہیں۔ سجاد، مرجانہ اور ٹھار ٹر ملیا زندگی اور موت کے درمیان معلق ہیں۔ انھیں کوما سے واپس لایا گیا ہے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ زندہ رہ جائیں گے۔"

وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا "فرہاد صاحب! آپ کے جو ساتھی کوما میں ہیں، مجھے ان کے پاس لے چلیں۔ میں انھیں بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

"تم سے زیادہ باصلاحیت، تجربہ کار اور معزز ڈاکٹر انھیں بچانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر جو بچ نہ سکے، ان کے نام پر تمہیں گولی مار رہا ہوں۔ پہلی گولی ثباتہ کے نام سے آئی تھی، اب لیلیٰ کے نام سے آنے والی کو سنبھالو۔"

یہ کہتے ہی جونی نے فائر کیا۔ ٹھیک دل کا نشانہ تھا۔ وہ پھر اُچھل کر گرا۔ اس کے بعد جلد ہی ٹھنڈا پڑ گیا۔ چند لمحوں تک وہاں سناٹا چھایا رہا۔ دُور سمندر کی لہروں کا شور سُنائی دے رہا تھا۔ تیز ہوا سائیں سائیں کرتی گزر رہی تھی۔ ہوا اور سمندر کے شور میں دُور سے ڈورا کی آواز سنائی دی "انتونی! میرے بیٹے! تم کہاں ہو؟ اس جزیرے میں آکر کیوں چھپ گئے؟ جواب دو بیٹے! میں تمہاری ممی ہوں۔ انتونی، ان... تو... نی..."

تیز ہوائیں ماں کی صداؤں کو دُور دُور لے جارہی تھیں۔ جونی پریشان ہوکر سوچ رہا تھا، ڈورا یہاں کیسے آگئی؟ اس ویرانے میں بیٹے کو کس اُمید پر صدائیں دے رہی ہے۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہوگیا۔ اس نے ریوالور تان کر کہا "ڈورا!

خبردار! میرے قریب نہ آنا۔ دیکھو، سرجن فلیش کی لاش کو دیکھو، ہم دونوں نے مل کر تمہارے بیٹے کو قتل کیا۔ اپنے قاتل ہونے کا ایک ثبوت مٹا چکا ہوں۔ تم یہاں آکر چشم دید گواہ بن گئی ہو۔ میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ڈورا حیرانی سے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا "میرے انتونی کو تم نے قتل کیا ہے؟ نہیں وہ زندہ ہے۔ ابھی میں زندہ ہوں، میرا جوان بیٹا کیسے مر سکتا ہے۔"

جونی نے چیخ کر کہا "وہ مر چکا ہے۔ سرجن فلیش نے اس کا دل اور آنکھیں ضرورت مندوں کو فروخت کر دیں۔ میرا ایک گردہ ناکارہ تھا، اب نہیں ہے۔ تمہارے بیٹے کے گردے سے جی رہا ہوں۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اس لیے میں بے باکی سے اقبالِ جرم کر رہا ہوں۔"

"جونی! تم؟ تم نے میرے بیٹے کو قتل کیا؟ میں نے تم سے محبت کی۔ اپنا تن من سب کچھ تمہیں دیا اور تم نے میری گود جلا دی۔ ایک گردے کی خاطر میرے بیٹے کی زندگی چھین لی۔"

"ہاں، چھین لی۔ اب تمہاری زندگی بھی..."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ہمارے ماتحت نے گولی چلا دی۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ کر سامنے گر پڑا۔ وہ فوراً ہی اُسے نہ اُٹھا سکا۔ اپنے زخمی ہاتھ کو پکڑ کر کراہنے لگا۔ اتنی دیر میں ڈورا نے ریوالور کو اُٹھا کر پوچھا "کہاں ہے میرا بیٹا؟"

وہ بوکھلا کر بولا "تم... میں نہیں جانتا، میری سمجھ میں نہیں آتا، ابھی میں کیا بک رہا تھا۔"

"وہی جو ایک قاتل ریوالور ہاتھ میں لے کر غرور سے بکتا ہے۔ اب یہ میرے ہاتھ میں ہے۔ چلو میرا بیٹا مجھے واپس کرو۔"

"ڈورا! بائی گاڈ! انتونی میرے پاس نہیں ہے۔"

وہ روتی ہوئی، چیختی ہوئی بولی "تمہارے پاس ہے۔ کمینے! تم نے میرے بیٹے کو چھپا رکھا ہے۔"

"میں سچ کہتا ہوں، میں نے..."

ٹھائیں سے گولی چلی اور بات ادھوری رہ گئی۔ وہ زخمی ٹانگ کو پکڑ کر ریت پر گر پڑا تھا۔ ڈورا نے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا۔ پھر کہا "میرا بیٹا سلامت نہیں رہا۔ کسی نے دل لیا، کسی نے آنکھیں اور تم نے..."

اس نے دوسری ٹانگ پہ گولی ماری۔ جونی ریت پر تڑپنے لگا۔ وہ روتے روتے بولی "تم ابھی نہیں مرو گے۔ پہلے لُوٹا ہوا مال واپس کرو گے۔"

ڈورا نے ریوالور کو دُور پھینک دیا۔ پھر اپنے پرس میں سے ایک چاقو نکال کر کھولنے لگی۔ ہمارے ماتحت نے آگے بڑھ کر جونی کے سینے پہ پاؤں رکھا۔ پھر کہا "چُپ چاپ پڑے رہو۔ ایک ماں تمہارے ساتھ جو سلوک کرے، اس کے خلاف دم نہ مارو، ورنہ گولی مار دوں گا۔"

وہ ویسے بے چارے تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ڈورا نے چاقو کی دھار پہ انگلی رکھتے ہوئے کہا "کوئی ڈاکو لوٹ کا مال خود واپس نہیں کرتا۔ اُسے قانون کے سہارے یا بازو کے سہارے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ جونی! تم میرا سالم بیٹا واپس نہیں کر سکتے، مگر جو تم نے اس سے چھینا ہے، اُسے تو واپس لے سکتی ہوں۔"

وہ چاقو لے کر اس پر جھک گئی۔ دوسرے ہی لمحے جزیرے کی ویرانی میں جونی کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ گردے کی پیوندکاری کے وقت اُسے آپریشن تھیٹر میں بے ہوش کیا گیا تھا لیکن یہ دُنیا بہت بڑا آپریشن تھیٹر ہے، یہاں مکافاتِ عمل کے دوران بے ہوش نہیں کیا جاتا۔ آدمی ہمیشہ چیختا ہے، سزا پاتے وقت ضرور چیختا ہے۔ جونی بھی چیختے چیختے ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ جزیرے میں پہلے جیسی ویرانی اور سناٹا چھا گیا جیسے وہاں کوئی نہ ہو۔ سمندر بھی شور نہیں مچا رہا تھا۔ ہوا تھم تھم کر گزر رہی تھی۔ اس ماتمی ماحول میں ایک ماں کی سسکیاں دھیرے دھیرے اُبھرتی اور ڈوبتی جارہی تھیں۔
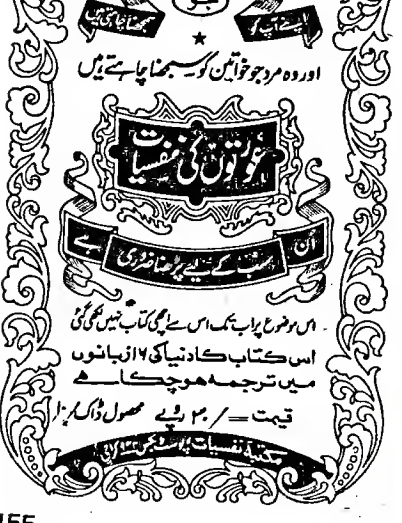
میں نے ڈاکٹر اور اس کے بیٹے کے پاس واپس آکر دیکھا۔ وہ دونوں اپنے ذاتی اسپتال میں تھے۔ ایک کمرے کے دو بیڈ پر مرجانہ اور ببلا پڑے ہوئے تھے۔ وہ کوما سے واپس آ گئے تھے مگر ان کی حالت تشویشناک تھی۔ ڈاکٹر کی اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ انھیں بچانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایسے ڈاکٹر ساتھیوں کو بھی بلا لیا تھا، جو ڈاکٹر کے معزز پیشے کو بدنام کرنے میں برابر کے شریک تھے۔

میں نے مرجانہ اور ببلا کے دماغوں میں پہنچ کر دیکھا۔ وہاں دھند بھری ہوئی تھی۔ نہ کوئی سوچ تھی، نہ کوئی آواز ان کی سمجھ تک آتی تھی، پھر وہ میری سوچ کی لہروں کو کیسے سمجھ سکتے تھے۔ فی الحال اتنی سی تسلی تھی کہ وہ زندہ ہیں۔ وہ تمام ڈاکٹر اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتے تو انھیں مکمل زندگی مل جائے گی۔"

اس وقت رات کے تین بجنے والے تھے۔۔ میں شیبا کے پاس پہنچ گیا۔ میرے ساتھ بہت کچھ ہو چکا تھا۔ انجانے دشمن ایک ایک کرکے میرے ساتھیوں کو زندگی سے چھین رہے تھے۔ رسونتی کو ٹریپ کرکے ٹیلی پیتھی کا ایک ہتھیار مجھ سے چھین چکے تھے۔ ہوسکتا ہے کسی دن وہ مجھ کو بھی مجھ سے چھین لیں ـــ پھر میرے لیے لڑنے والا اور دشمنوں کو سبق سکھانے والا کون رہے گا؟

کوئی نہیں رہے گا۔ ہاں اگر پیش بندی کرلی جائے تو آنے والا کل محفوظ رہ سکتا ہے۔ میرے سامنے یہی راستہ رہ گیا تھا کہ جس طرح رسونتی مجھ سے چھین لی گئی، اسی طرح میں ربی اسفندیار سے شیبا کو چھین لوں۔

وہ آرام سے سو رہی تھی، ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ ایسا پہلے بھی ہو چکا تھا، وہ مجھے خواب میں دیکھتی تھی اور سہم کر چونک کر بیدار ہو جاتی تھی۔ اس بار اس نے خواب نہیں دیکھا تھا۔ میں نے خود کو ظاہر کیے بغیر اُسے اُٹھا دیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی "میں دماغ کو ہدایات دے کر سوتی ہوں۔ پھر وقت کے مطابق بیدار ہوتی ہوں۔ ابھی ایسی کون سی غیر معمولی بات ہوگئی کہ وقت سے پہلے ہی آنکھ کھل گئی؟"

وہ اپنی خواب گاہ کو دیکھ رہی تھی۔ کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ کمرے میں کوئی نہیں آیا تھا پھر دماغ میں کیا آیا تھا؟

وہ اس خیال سے ہی لرز گئی۔ کبھی اُسے رسونتی کا خیال نہیں آتا تھا۔ دماغ میں آنے کی بات ہوتی تو ہمیشہ میری طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اس نے اٹھ کر ربی کو آواز دینا چاہی مگر میں نے ایسا کرنے نہیں دیا۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی انجانی قوت اُسے روک رہی ہو۔ یہ بھی سوچنے اور خوفزدہ ہونے کی بات تھی، بھلا کون اُسے روک سکتا تھا؟

وہ بستر سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کھڑکی کے پاس گئی۔ اُسے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی، ربی کو نہ سہی کسی ملازم کو ہی آواز دے۔ اس نے کھڑکی کے پردے کو ذرا سرکایا۔ اسی وقت ربی کی بھاری بھرکم سرگوشی سنائی دی "وہ سو رہی ہے۔ تم میرے پیچھے آؤ۔"

مجھ میں تجسس پیدا ہوا، آخر ربی یہ دیکھنے کیوں آئے تھے کہ وہ سو رہی ہے یا نہیں؟ اور وہ کسے اپنے پیچھے آنے کا حکم دے رہے تھے؟ شیبا میں یہ تجسس نہیں تھا مگر میں نے اُسے دروازے کے پاس آنے اور اُسے کھول کر باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ وہ عمل کر رہی تھی۔ دل ہی دل میں کہتی بھی جا رہی تھی "میں اپنے بس میں نہیں ہوں۔ میں اپنی مرضی کے بغیر بیڈ روم سے باہر کیوں جا رہی ہوں؟ کون ہے؟ میرے دماغ میں کون ہے؟"

وہ محل نما کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے دوسرے لفظوں میں ربی کا تعاقب کرتے ہوئے ایک کمرے کے دروازے پر رک گئی۔ اس کمرے میں ربی نے ایک کرسی پر بیٹھ کر کہا "میں نے تمھیں اچھی طرح سمجھایا تھا، یہاں کبھی نہ آنا۔ اگر شیبا نے تمھیں دیکھ لیا تو۔"

اجنبی نے بات کاٹ کر کہا "یہاں نہ آؤں تو کیا کروں۔ آپ سے کسی طرح رابطہ قائم نہیں ہوتا۔ میں ملنا چاہتا ہوں، پہرا دینے والے سپاہی اندر آنے نہیں دیتے۔"

ربی نے ڈانٹ کر کہا "اور تم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سخت پہرے کے باوجود میرے گھر میں داخل ہوسکتے ہو۔"

"میں مجبور تھا۔ میرے جوان بیٹے کو موت کی سزا سنائی گئی تھی۔ آپ نے کہا تھا، اگر میں شیبا کی ماما کو قتل۔۔۔"

ربی گرجتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گئے "شٹ اپ یو نان سنس۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تم ٹھہرو، میں دیکھتا ہوں، باہر کوئی ہے تو نہیں۔"

شیبا سامنا کرنا چاہتی تھی مگر میں نے اُسے پلٹا کر فوراً پاس والے کمرے میں پہنچا دیا۔ وہ حیرانی اور پریشانی سے سوچ رہی تھی "میرا دماغ میرے قابو میں نہیں ہے۔ کون ہے؟ میرے دماغ میں کون ہے؟"

اسے جواب نہیں ملا۔ وہ گھبرا رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "فرہاد ایک آسیب ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ وہ میرے دماغ تک پہنچ نہیں سکتا۔ میں کتنی نادان ہوں۔ اہم معاملے کو نظرانداز کرکے خواہ مخواہ اس کی ٹیلی پیتھی سے خوفزدہ ہو رہی ہوں۔"

وہ بے اختیار سوچنے لگی "اہم معاملہ۔ ہاں وہ میری ماما کو قتل کرنے کے متعلق کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ اس سے کیا ہوتا ہے، کوئی بھی بات زبان سے ادھوری رہتی ہے مگر وہ دماغ میں مکمل ہوتی ہے۔"

یہ سوچتے ہی اُس نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ میں بھی اس کے ساتھ اجنبی کے دماغ میں گیا۔ وہ کمرے میں تنہا تھا۔ ربی یہ کہہ کر گئے تھے "تم ٹھہرو، میں دیکھتا ہوں، باہر کوئی ہے تو نہیں۔"

وہ باہر گئے تھے اور ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ وہ اس کمرے میں آ سکتے تھے، جہاں میں نے شیبا کو چھپنے پر مجبور کیا تھا۔ اگر وہ آجاتے تو میرے منصوبے کے خلاف بازی پلٹ جاتی۔ شیبا کو وہاں دیکھ کر ربی طرح طرح کے سوالات کرتے۔ یہ سمجھ لیتے کہ جو بات اس سے چھپائی گئی ہے، اُسے شیبا نے چھپ کر سُن لیا ہے۔

اُدھر اس نے اجنبی کے دماغ سے سب کچھ سُن لیا۔ وہ حیران ہو رہی تھی، اتنا کچھ سُننے کے باوجود ربی کی اس قدر عقیدت مند تھی کہ یقین نہیں آرہا تھا۔ حالانکہ اجنبی کا دماغ ایک کھلی ہوئی کتاب تھا۔ ربی نے کہا تھا، اگر وہ شیبا کی ماما کو قتل کردے تو اس کے جوان بیٹے کو سزائے موت سے بچالیا جائے گا۔ اس کا بیٹا ایک قتل کے الزام میں آہنی سلاخوں کے پیچھے تھا۔ وہ بیٹے کو بچانے کی خاطر شیبا کی ماما کو قتل کرنے گیا تھا، مگر ریوالور سے چلنے والی گولی شیبا کے باپ کو لگ گئی تھی۔ شیبا کبھی اجنبی کے دماغ کو پڑھتی تھی، کبھی اپنے طور پر سوچتی تھی "یہ کیسے ممکن ہے؟ محترم ربی کو میری ماما سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے؟"

اس سوال کا جواب پانے کے لیے وہ پھر اجنبی کے دماغ میں پہنچی۔ اسی لمحے ایک کھٹکے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی اجنبی کے حلق سے کراہ نکلی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا دماغ تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ وہ موت کی تاریکی تھی۔ اُسے سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

پھر ربی کی آواز سنائی دی۔ وہ گرج کر کہہ رہے تھے "تم لوگ پہرا نہیں دیتے، رات کو نیند پوری کرتے ہو۔ یہ میرے گھر میں کیسے گھس آیا تھا؟ مجھے اس کا جواب چاہیے۔ ناؤ گیٹ آؤٹ ـــ یہ لاش اُٹھا کر لے جاؤ۔"

بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پہرا دینے والے اُس اجنبی کی لاش اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی چھا گئی۔ یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ ربی اسفندیار کہاں ہیں؟ ہم دونوں میں سے کوئی اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ شیبا اس کمرے میں چھپی ہوئی سوچتی رہی۔ پھر وہاں سے۔۔۔ نکل گئی۔

وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ ربی اسفندیار اس کی خواب گاہ کی طرف سے آرہے تھے۔ ایک راہداری میں دونوں ایک دوسرے کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک گئے۔ تنویمی عمل جاننے والے ربی کی آنکھوں سے کوئی آنکھیں نہیں ملا سکتا تھا۔ شیبا جلتی ہوئی شمع کی لَو سے مسلسل آنکھیں ملاتی رہی تھی۔ ٹیلی پیتھی کے سخت آزمائشی مراحل سے گزرتی رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے بھی کوئی آنکھیں نہیں ملا سکتا تھا۔

ربی نے گھورتی ہوئی سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ اس نے جوابی نظروں سے دیکھا۔ وہاں دو زبردست قوتیں تھیں۔ ایک تنویمی عمل، دوسری ٹیلی پیتھی۔ اور وہ دو قوتیں پہلی بار نظروں ہی نظروں میں ٹکرا رہی تھیں۔

ربی اسفندیار محترم شخصیت کے مالک تھے۔ کوئی ان سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا ـــ کجا یہ کہ شیبا اُن سے نظریں ملا رہی تھی۔ وہ روحانی پیشوا اور استاد تھے۔ یہ اُن کی عقیدت مند اور شاگرد تھی۔ ہر فرد کے لیے ایک حد مقرر ہوتی ہے۔ اُستاد یا شاگرد میں جو بھی اپنی حد سے بڑھتا ہے، وہ کشیدگی اور اختلافات کا باعث بنتا ہے۔

وہ روحانی پیشوا اور استاد ہوکر بھی اپنی حد میں نہیں رہ سکے تھے۔ انھوں نے شیبا کو صرف اپنی مُٹھی میں رکھنا چاہا۔ اس مقصد کے لیے اُسے سمجھایا کہ وہ اپنی ٹیلی پیتھی کے علم کو راز میں رکھے۔ اسے اسرائیلی حکام کے علم میں نہیں لایا گیا۔ اسے مستقل راز میں رکھنے کے لیے انھوں نے شیبا کو اُس کے قریبی رشتوں سے حتیٰ کہ جنم دینے والی ماں سے بھی دور رکھا۔

بات یہیں تک ہوتی تو کوئی بات نہ تھی۔ یہی سمجھا جاتا کہ وہ شیبا کی بھلائی چاہتے ہیں لیکن یہ کیسی بھلائی تھی کہ انھوں نے اس کی ماں کو قتل کرانے کی سازش کی؟

دشمن ہماری کمزوریوں کو جاننے کی تاک میں رہتے ہیں۔ میں بھی اس انتظار میں تھا کہ ایسا کوئی موقع آئے، جب میں شیبا کو ربی کا اصلی چہرہ دکھا سکوں۔ آخر وہ موقع مل ہی گیا۔ شیبا کو پتا نہ چلا کہ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اسے ربی کے پیچھے لگا دیا تھا۔ بہرحال اُس نے چھپ کر سُن لیا تھا۔ اُسے معلوم ہوگیا تھا کہ اُس کی ماما کو قتل کرانے کے لیے ربی نے کسی قاتل کو بھیجا تھا۔

بزرگوں سے عقیدت رکھنا ایک نیک عمل ہے لیکن عقیدت حد سے بڑھ جائے تو نقصان پہنچاتی ہے۔ شیبا سب کچھ سُن کر بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں کر رہی تھی۔ اس نے سوچا "بھلا ربی کو میری ماما سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے؟ روحانی پیشوا پر شبہ کرنا کفر ہے، توبہ توبہ۔۔"

بعض حالات میں انسان آنکھیں رکھتے ہوئے بھی وہ نہیں دیکھتا، جو اُسے دیکھنا چاہیے۔ ایسے وقت اس کے پاس بصارت ہوتی ہے، بصیرت نہیں ہوتی۔ وہ ایک بار ٹھوکر کھائے تو سوچتا ہے یہ محض اتفاق تھا۔ میں نے یہ سوچ کر صبر کیا کہ یہ شیبا کی پہلی ٹھوکر ہے۔ میں اسے آئندہ بھی ربی کے اُن راستوں سے گزاروں گا، جہاں یکے بعد دیگرے ٹھوکریں لگتی جائیں گی۔ آنکھیں کھلتی جائیں گی اور عقیدت کا شیش محل چکنا چور ہوتا جائے گا۔

میں چاہتا تھا' وہ ابھی اپنی خواب گاہ میں چلی جائے اور جب وہ جانے لگی تو اچانک ربی اسفند یار سے سامنا ہو گیا۔ ایسے ہی لمحات میں دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔ شیبا کے ذریعے معلوم ہوا، وہ گھورتی ہوئی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ یقیناً سوچ رہے ہوں گے "کیا شیبا نے چھُپ کر اپنی ماما کے خلاف ہونے والی سازش کے متعلق سُن لیا ہے؟"

اُس بے چاری نے چند لمحوں تک آنکھیں ملائی تھیں۔ پھر نظریں جھکالی تھیں۔ سامنے استادِ گرامی کی قدآور شخصیت تھی۔ وہ خود کو بہت چھوٹی، بہت حقیر سمجھ رہی تھی۔ اُس نے جو کچھ سُنا تھا' اس پر بحث کرنے کی جراُت نہیں تھی اور جھوٹ بھی نہیں بول سکتی تھی کہ اُس نے کچھ نہیں سُنا ہے۔ عجب مشکل میں تھی۔ آخر کچھ سمجھ میں نہ آیا تو سر چکرانے لگا۔ وہ آگے پیچھے ڈولنے لگی۔ ربی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا: "کیا طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"

وہ جواب نہ دے سکی۔ چکرا کر فرش پر گرنے لگی۔ ربی نے فوراً ہی سنبھال میں نے دل ہی دل میں کہا: "عجب بیہودہ لڑکی ہے، جب مقابلے میں ڈٹ جانے کا وقت آیا تو چکرا کر گر پڑی۔"

خدا کی قدرت سمجھ میں نہیں آتی۔ مضبوط اعصاب رکھنے والے لوگ ٹیلی پیتھی کا علم حا کرنے کے لیے عمر گزار دیتے ہیں، مگر وہ خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور یہ شیبا کمزور دل کی ڈرپوک لڑکی تھی مگر قدرت نے دماغی توانائی دی تھی۔ کیا شانِ خدائی ہے، دل کمزور اور دماغ توانا۔ اور اُس نے خیال خوانی کا علم حاصل کر لیا تھا۔

ربی کی چار کنیزیں شیبا کو اٹھا کر خواب گاہ میں لے گئیں۔ اٹھانے کو تو ملازم بھی تھے، لیکن کوئی غیر مرد اُسے ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ ربی کو استاد اور باپ کی طرح سمجھتی تھی' اس لیے ان کی قربت کو برداش کر لیتی تھی۔ اسے خواب گاہ میں لاکر بستر پر لٹا دیا گیا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے گئے، خوشبو سُنگھائی گئی۔ تب اُسے ہوش آیا۔

ربی نے اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر پوچھا: "تمھیں کیا تکلیف ہے؟ ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

"نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تم ٹھیک ہو مگر بالکل نہیں۔"

"میرے بزرگ! محترم ربی! میں اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہتی ہوں۔"

ربی نے نظریں اٹھا کر کنیزوں کو دیکھا۔ وہ اپنے آقا، اپنے روحانی پیشوا کی نظریں پہچانتی تھیں، سر جھکا کر وہاں سے چلی گئیں۔ خواب گاہ کا دروازہ بند ہو گیا۔ پھر ربی نے پوچھا: "کس غلطی کا اعتراف کرنا چاہتی ہو؟"

"مم..... میں۔ چھُپ کر آپ کی اور اس کی باتیں سُن رہی تھی۔"

"تم نے ہماری گفتگو سے کیا نتیجہ نکالا؟"

"یہی کہ وہ بدمعاش تھا۔ آج تک کسی نے اجازت حاصل کیے بغیر یہاں قدم رکھنے کی جراُت نہیں کی، اور وہ گھُسا چلا آیا۔ جب آپ نے اُسے بُرا بھلا کہا تو وہ بکواس کرنے لگا۔ یہ بکواس نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ بھلا آپ کو میری ماما سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ اس کے منہ میں خاک، وہ آپ پر الزام لگا رہا تھا۔"

انھوں نے محبت سے تھپک کر کہا: "آسمان پر تھوکنے والے کے منہ پر تھوک واپس آتا ہے۔ وہ مجھ پر کیچڑ اُچھالنے آیا تھا۔ میرے گارڈز نے ریوالور کی گولیاں اُس پر تھوک دیں۔ تم اپنے دل پر بوجھ نہ ڈالو۔"

"میں نے چھُپ کر گفتگو سُنی، آپ کے اعتماد کو دھوکا دیا؟"

"کوئی بات نہیں۔ بچے غلطی کرتے ہیں، بڑے معاف کر دیتے ہیں۔ تمھیں آرام کرنا چاہیے۔ آنکھیں کھلی رکھو، مجھے دیکھتی رہو۔ میں ابھی سُلا دوں گا۔"

شیبا سمجھ گئی تھی، وہ تنویمی عمل کریں گے۔ پھر اسے معمولہ بنا کر سچائی اُگلوالیں گے۔ وہ ربی کے سامنے جھوٹ نہیں بولتی تھی۔ صرف ایک بار میرے دماغ تک نہ جانے کے لیے جھوٹ کہہ دیا تھا کہ میں ابھی کوما میں ہوں۔

اس کی طرح میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ ربی کو میری حقیقت معلوم ہو۔ یہ اچھا ہوا کہ میں وہاں موجود تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تنویمی عمل کے لیے لیٹ گئی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "تمھیں گھبراہٹ پر قابو پانا چاہیے۔ میری قوتِ ارادی مضبوط ہو گی تو ربی اپنے عمل سے میرے اندر کی بات نہیں اُگلوا سکیں گے۔"

اس کی اپنی سوچ نے کہا: "مگر معمولہ بننے کے بعد خوابیدہ دماغ اپنے قابو میں نہیں رہتا۔ اور جب دماغ قابو میں نہیں رہے گا تو پھر قوتِ ارادی کیسے قائم رہے گی؟"

اس وقت ربی اسفند یار تنویمی عمل کے مخصوص فقرے ادا کر رہے تھے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "میرا دماغ بے قابو نہیں رہے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ میں ربی کے تنویمی فقرے سُن کر وہرا تی رہوں۔ یہی تاثر دیتی رہوں کہ اُن کے زیرِ اثر ہو رہی ہوں۔ ہپناٹزم کے آخری مرحلے پر جب وہ مجھے آنکھیں بند کر کے سونے کا حکم دیں گے تو میں آنکھیں بند کر لوں گی۔ ان کے سوالات کے جواب میں دماغ کو سچ بولنے نہیں دوں گی۔ اپنی مرضی سے جواب دوں گی۔"

میں جو تدابیر سمجھا رہا تھا، شیبا انھیں اپنے دماغ کی پیداوار سمجھ رہی تھی۔ اس پر عمل کر رہی تھی۔ میرے اور ربی کے درمیان بے چاری سینڈوچ بنی ہوئی تھی۔ ویسے وہ میرے دباؤ میں تھی۔

ربی کو جب یقین ہو گیا کہ وہ تنویمی عمل کے زیرِ اثر ان کی معمولہ بن گئی ہے تو انھوں نے سوال کیا: "کیا یہ سچ ہے کہ آج کل تم راتوں کو جاگتی ہو اور دن چڑھے تک سوتی ہو؟"

شیبا نے معمولہ کی حیثیت سے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا: "جی ہاں، یہ سچ ہے۔"

"پھر آج صبح پانچ بجے کیسے بیدار ہو گئیں؟"

"میں نے بھیانک خواب دیکھا تھا۔ دہشت کے مارے اُٹھ بیٹھی۔"

"خواب کیا تھا؟"

"میں نے فرہاد علی تیمور کو شیطان کے روپ میں دیکھا۔ اُس کے دو بڑے بڑے دانت باچھوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ وہ مجھ پر جھک گیا تھا، اس نے خون آشام دانتوں کو میرے دماغ میں پیوست کر دیا تھا۔ پھر وہ میری ٹیلی پیتھی کے علم کو چوستا جا رہا تھا۔ میرے دماغ کو خیال خوانی سے محروم کرتا جا رہا تھا۔"

"اُس کے متعلق نہ سوچا کرو۔"

"میں نہیں سوچتی، وہ خود بخود میری سوچوں میں آجاتا ہے۔"

"کیا تم نے کبھی اُس کی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا؟"

"جس دن محسوس کروں گی، دہشت سے مر جاؤں گی۔"

"آج صبح بیدار ہوتے ہی میرے کمرے کی طرف کیوں آئیں؟"

"مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ آپ جانتے ہیں ایسے وقت میں آپ کی پناہ میں آتی ہوں۔"

"تو پھر سیدھی میرے کمرے میں کیوں نہیں آئیں۔ چھُپ کر باتیں کیوں سُن رہی تھیں؟"

"آپ کے کمرے میں ایک اجنبی تھا۔ آپ جانتے ہیں، میں کسی اجنبی کے سامنے نہیں آتی۔ پھر میں نے اس کی زبان سے اپنی ماما اور پاپا کا ذکر سنا۔ میں تجسس میں مبتلا ہو گئی۔ دروازے کے پاس رُک کر آپ دونوں کی گفتگو سنتی چلی گئی۔"

"میں تمھیں سچ بولنے کا حکم دیتا ہوں۔ بتاؤ کیا تم مجھے اپنی ماما کا دشمن سمجھتی ہو؟"

"میں سچ کہتی ہوں، پہلے ایسا خیال دل میں آیا تھا۔ پھر دماغ نے سمجھایا کہ کبھی کبھی آنکھ سے دیکھی ہوئی اور کان سے سُنی ہوئی باتیں جھوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ محترم ربی کو نہ پہلے ماما سے دشمنی تھی نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔ وہ میری، میرے خاندان والوں کی، میرے ملک اور قوم کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اگر وہ میری جان بھی لیں گے تب بھی انھیں دشمن نہیں سمجھ سکتی۔"

"کیوں نہیں سمجھ سکتیں؟"

"اس لیے کہ وہ جو بھی کرتے ہیں، ملک و قوم کے مفاد کے لیے کرتے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا، اپنے ملک کے لیے جان دے دوں گی۔ یہ وعدہ نباہنے کے لیے میں اپنے عزیزوں سے، اپنی پیاری ماما سے جیتے جی بچھڑ گئی۔ میں اپنے وعدے کے مطابق اپنی جان دوں یا آپ جان لے لیں تو پھر آپ دشمن کیسے ہوئے؟ دشمن تو اسے کہتے ہیں، جو ہماری مرضی کے خلاف جان لیتا ہے۔"

انھوں نے قائل ہو کر کہا: "میں جانتا ہوں، تم مجھ پر اندھا اعتماد بھی کرتی ہو اور اندھا اعتقاد بھی رکھتی ہو۔ اس کے باوجود میں تمھیں حکم دیتا ہوں' تم آئندہ چھُپ کر میری گفتگو نہیں سُنو گی۔"

"میں آئندہ چھپ کر آپ کی گفتگو نہیں سنوں گی۔"

"جو سُن چکی ہو اسے ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ گی۔"

"جو سُن چکی ہوں اسے ہمیشہ کے لیے بھول جاؤں گی۔"

"تمھارے باپ کے بعد تمھاری ماں بھی قتل کر دی جائے تو تم اس سلسلے میں مجھ پر شبہ نہیں گی۔"

شیبا کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ ربی کے اس حکم سے صاف ظاہر تھا کہ باپ کے بعد اُس کی پیاری ماما بھی قتل کر دی جائے گی۔ اگر میں اس کے دماغ میں نہ ہوتا تو اس بات پر وہ بھڑک جاتی۔ مگر میں نے خیال خوانی کے ذریعے اسے قابو میں رکھا۔ اس میں ایسی بے چینی پیدا نہیں ہونے دی، جس سے وہ تلملانے لگے۔ اگر وہ تلملاتی اور جسم میں حرکت ہوتی تو ربی کو شبہ ہو جاتا۔ کیوں کہ تنویمی عمل کے دوران جو بھی معمول ہوتا ہے، وہ بے حس و حرکت اپنے عامل کے پڑا رہتا ہے۔

شیبا نے میرے مجبور کرنے کہا: "میرے باپ کے بعد میری ماں بھی قتل کر دی جائے تو میں اس سلسلے میں آپ پر شبہ نہیں کروں گی۔"

"تمھارے دماغ میں یہ بات نقش رہے گی کہ تمھارے والد کے قتل کے ذمے دار وہ افراد ہیں جو حوتی اور اعلیٰ بی بی سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔"

"میرے دماغ میں یہ بات نقش رہے گی۔"

وہ ربی کے حکم کے مطابق کہہ رہی تھی مگر سوچ رہی تھی۔ "یہ کتنا لمبا فراڈ ہے۔ محترم ربی کی چالوں میں کس قدر ہیر پھیر ہے، یہ اب سمجھ میں آرہا ہے۔"

میں نے شیبا کو زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ اسے ربی کے سوالات کی طرف توجہ دلائی۔ وہ کہہ رہے تھے "شیبا! جب تم اٹلس آف مین کے جزیرے میں جاؤ گی، اس سے پہلے پھر ایک بار معمولہ بنو گی۔"

"میں پھر ایک بار معمولہ بنوں گی۔"

"تم اپنی ماما سے بہت پیار کرتی ہو۔ میں جب بھی تم پر تنویمی عمل کرتا ہوں، تمھارے دماغ سے ماما کی محبت کو مٹانے کی کوشش کرتا ہوں، تم اس عمل کے زیرِ اثر کچھ دنوں تک ماما کا ذکر نہیں کرتی ہو مگر پھر ان کی طرف جھکتی چلی جاتی ہو۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

شیبا نے جواب دیا "محبت، تنویمی عمل سے برتر اور قوی تر ہے۔ آپ اسے دباتے ہیں، یہ دب جاتی ہے مگر پھر اُبھر آتی ہے۔"

"میرا حکم ہے، اب تم دوسرے انداز میں ماما کو فراموش کرو گی۔"

"میں دوسرے انداز میں ماما کو فراموش کروں گی۔"

"تمھیں اس انداز میں سوچنا ہوگا کہ ماما سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاؤ گی تو ماں اپنی طبعی عمر تک زندہ رہے گی۔ اور اس کے قریب رہنا چاہو گی تو وہ کسی وقت بھی نادیدہ ہاتھوں سے ہلاک ہو سکتی ہے۔"

"میں ماما کی ہلاکت نہیں چاہتی۔ میں اس کی سلامتی کے لیے دور رہا کروں گی۔"

"دور رہنے کے لیے ابھی سے ذہنی طور پر خود کو تیار رکھو، میں آئندہ تنویمی عمل کے دوران تمھارے دماغ سے ماما کی محبت، ماما کا خیال حتٰی کہ ماما کا تصور بھی مٹا دوں گا۔"

ایسے ظالمانہ منصوبے پر وہ پھر کسمسانا چاہتی تھی، میں نے اسے کنٹرول کیا۔ اس نے ایک معمولہ کی حیثیت سے کہا "میں ذہنی طور پر خود کو تیار کر دوں گی۔"

"اب آخری سوال کرتا ہوں، درست جواب دو۔ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ فرہاد بھی کوما میں ہے؟"

"میں آپ کے حکم سے اُس کے دماغ میں گئی تھی۔"

"شیبا! تم جانتی ہو، میں قیافہ شناس بھی ہوں۔ جب میں نے تمھیں فرہاد کے دماغ میں جانے کے لیے کہا تو تم بُری طرح خوفزدہ تھیں۔ میرے سامنے بیٹھی جبراً خیال خوانی کر رہی تھیں۔ مجھے شبہ ہے تم نے ڈر کے مارے اپنی سوچ کی لہروں کو فرہاد تک نہیں پہنچایا تھا۔ سچ بتاؤ کیا تم نے مجھ سے جھوٹ نہیں کہا تھا؟"

"میں نے جھوٹ نہیں سچ کہا تھا۔ میں اس کے دماغ میں گئی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی میرا ڈر نکل گیا، کیوں کہ وہ کوما میں تھا۔"

"کیا تمھیں یاد ہے، میں تنویمی عمل کے دوران تمھیں فرہاد کے متعلق کیا سمجھاتا ہوں؟"

شیبا سوچ میں پڑ گئی۔ اگر وہ سچ مچ تنویمی عمل کے زیرِ اثر ہوتی تو اُسے ربی کی سمجھائی ہوئی وہ خاص بات یاد آجاتی۔ میں بھی پریشان ہو گیا کہ ربی نے کیا سمجھایا ہوگا، اب شیبا اسے کیا جواب دے؟

ربی نے پوچھا "تم خاموش کیوں ہو؟ میں حکم دیتا ہوں، جواب دو، تمھیں کیا سمجھایا تھا؟"

اس نے کہا "میں کیا جواب دوں؟ فرہاد کے خوف نے میری یادداشت کو بھی کمزور بنا دیا ہے۔ نہ جانے میں کب تک اُس سے ڈرتی رہوں گی۔"

ربی نے کہا "شاباش! میں نے یہی سمجھایا تھا کہ اُس سے تاحیات ڈرتی رہو گی۔ جب تنویمی عمل کے بعد بیدار ہوتی ہو تو میں سمجھاتا ہوں اس سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے برعکس میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ خوفزدہ رہو۔ تمھارے دماغ تمھارے دل میں اس کے لیے کوئی نرم گوشہ نہ ہو۔ ہوگا تو ایک دن اس کی طرف کھنچی چلی جاؤ گی۔ یہی وجہ ہے کہ بیداری کی حالت میں تمھیں اس سے نہ ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں، اور تنویمی عمل کے دوران حکم دیتا ہوں، ڈرتی رہو۔ جس طرح ایک ننھی بچی شیطان سے ڈرتی ہے، اسی طرح ساری عمر فرہاد سے ڈرتی رہو۔"

"میں ڈرتی رہوں گی۔ جس طرح ایک ننھی بچی شیطان سے ڈرتی ہے، اسی طرح فرہاد سے ساری عمر ڈرتی رہوں گی۔"

"شاباش! اب میرا عمل ختم ہو رہا ہے۔ آنکھیں بند کر لو۔"

شیبا نے آنکھیں بند کر لیں۔ انھوں نے کہا "اب تم دو گھنٹے تک مکمل آرام سے سوتی رہو گی۔ پھر خود بخود تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی۔"

وہ چپ چاپ آنکھیں بند کیے پڑی رہی جیسے تنویمی اثر سے گہری نیند میں ڈوب چکی ہو۔ میں اُس کے دماغ میں رہ کر ہلکی سے ہلکی آہٹ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ بند ہونے کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ ربی نے اس کی خواب گاہ سے باہر جا کر دروازے کو بند کر دیا ہے۔ اس کے باوجود وہ احتیاطاً آنکھیں بند کیے پڑی تھی اور سوچ رہی تھی "جو مجھ پر گزر رہی ہے، یہ خواب ہے؟ خدا کرے یہ خواب ہو۔ میرے بزرگ ربی اسفندیار ایسے نہ ہوں، جیسے اب نظر آرہے ہیں۔ اوہ خدایا! میرے چاہنے سے سچائی بدل کیوں نہیں جاتی؟ یہ کتنی تلخ حقیقت ہے کہ جس پر اندھا اعتماد کرتی آرہی تھی، وہ خود میرے اعتماد کو صحیح معنوں میں اندھا کر چکا ہے۔ کیا اب میں اپنے بزرگ پر اعتماد کر سکتی ہوں؟"

وہ سوچ رہی تھی اور خود کو تنہا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے خون کے رشتوں کو چھوڑ کر ربی اسفندیار پر تکیہ کیا تھا، اور جس پر تکیہ تھا، وہی پتّا ہوا دے رہا تھا۔ اب اتنی بڑی دنیا میں کوئی اپنا نہیں تھا۔ ربی کے تنویمی عمل سے یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ اسے اپنی ماما سے دور رہنا ہوگا۔ وہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے گی تو ماما اپنی طبعی عمر تک زندہ رہے گی۔ اگر اس کے قریب رہنے کی ضد کرے گی تو کسی وقت بھی نادیدہ ہاتھوں سے ہلاک ہو جائے گی۔

"نہیں نہیں، میں قریب نہیں جاؤں گی۔ میں اپنا من مار لوں گی، جیتے جی ماما کے لیے مر جاؤں گی۔ مگر ماما کو بے موت مرنے نہیں دوں گی۔"

سوچتے سوچتے آنکھیں بھر آئیں، اگرچہ آنکھیں بند تھیں لیکن اندر کے جذبات باہر آنے کا راستہ بنا ہی لیتے ہیں۔ وہ آنسو اس کی آنکھوں کے گوشوں سے بہتے ہوئے کنپٹیوں سے گزرتے ہوئے کانوں میں جا رہے تھے۔ حسین عورت کے رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوں تو گل تر لگتے ہیں۔ یہ ضروری ہے، گل کو ہمیشہ شبنم سے اور گالوں کو کبھی کبھی آنسوؤں سے بھیگنا چاہیے۔

میں اُسے روتا چھوڑ کر چلا آیا۔ اُس کا غم اُس کے لیے اور میرا غم میرے لیے بھاری تھا۔ میرے اپنے زندگی اور موت کے درمیان خاموش عذاب میں مبتلا تھے۔ میں نے سوچا، ابھی شیبا کو اور ٹھوکریں کھانا چاہیے، اتنی ٹھوکریں کہ وہ تلملا کر جھنجلا کر ربی کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دے اور یہ وقت دور نہیں تھا، جلد ہی آنے والا تھا۔

میں پیرس کے ادارے دی گریٹ ڈیل کے ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا، اس کے سرد خانوں میں مرجانہ اور مارٹر بلیا بائے گئے تھے۔ انھیں کوما سے نکال لیا گیا تھا۔ مگر دونوں کی حالت مایوس کن تھی۔ میں نے ڈاکٹر سے کہہ دیا تھا اگر وہ انھیں بچانے اور ان کی صحت مند زندگی واپس لانے میں ناکام رہا تو میں اس کی فیملی کے ایک ایک فرد کو حرام موت مرنے پر مجبور کر دوں گا۔

ڈاکٹر کے ساتھ اس کا جوان بیٹا بھی تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کا باپ ٹیلی پیتھی کا شکار ہو چکا ہے۔ وہ حیران تھا کہ ڈیڈی آدھی رات کے بعد سرد خانے میں آکر ایک عورت اور ایک مرد کو کوما سے نکال کر انھیں کیوں زندہ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ دوسرے ڈاکٹروں کو بھی وہاں بلوا لیا ہے۔

میں مرجانہ کے پاس آیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اُس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ برداشت کر رہی تھی۔ میں اس کے اندر پہنچ کر دوہری قوّت بن گیا۔ اس طرح اس کے برداشت کرنے کی قوّت بڑھ گئی۔ میں نے کہا "مرجانہ! میں فرہاد ہوں۔"

اُس نے گہری سانس لی "آہ فرہاد! تم آگئے؟"

"ہاں آگیا ہوں۔ تمھارے پاس ہوں، تمھارے دماغ میں ہوں۔ حوصلہ کرو، مجھے بتاؤ وہ کون لوگ تھے؟ تم کن کن ہاتھوں سے ہوتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہو؟"

"وہ... وہ..." وہ کہتے کہتے رُک گئی۔ رُک رُک کر سانس لینے لگی۔ میں اس کے ساتھ سانسیں لینے لگا۔ وہ ذرا سہولت محسوس کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا "ہاں بولو مرجانہ! وہ کون لوگ تھے۔؟"

"وہ ماسک پہنے ہوئے تھے۔"

"تم انھیں چہروں سے نہ پہچان سکیں۔ کوئی اور پہچان؟"

"میں... میں وادی میں بیہوش ہو گئی تھی۔ آنکھ کھلی تو خود کو ایک ٹرالی بیڈ پر پایا۔ میرے ہاتھ پاؤں بیڈ کے سرے سے بندھے ہوئے تھے۔"

"تم نے وہاں کیا دیکھا؟"

"میرے سر پر جو چھت تھی، وہ بہت آہستہ آہستہ گھوم رہی تھی۔ میں نے سر گھما کر دیکھا، دیواریں بھی گھوم رہی تھیں۔ میں سمجھی کہ سر چکرا رہا ہے۔ بعد میں پتا چلا کہ چھت اور دیواریں اپنی جگہ ہیں، فرش ریوالونگ ہے۔ وہ فرش غیر محسوس طریقے پر دائرے کی صورت میں گھومتا ہے۔ چونکہ میرا دماغ کمزور تھا، اس لیے میں نے اس کی گردش کو فوراً محسوس کر لیا۔"

"تم نے وہاں اور کیا دیکھا؟"

"ایک خوبرو مرد اور ایک حسین عورت کو دیکھا۔ دونوں نے ہاتھوں پر دستانے چڑھا رکھے تھے۔"

"اُن کا حلیہ بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں، اُن کے چہرے کسی بھی عیب سے پاک

تھے۔ دونوں بے حد خوبصورت تھے۔ وہ تقریباً ہم شکل تھے۔ دونوں کے نقوش ایک جیسے تھے۔ فرق اتنا ہی تھا کہ ایک کے چہرے پر مردانگی تھی اور دوسری کے چہرے پر نسوانیت، شاید وہ بھائی بہن تھے۔"

مرجانہ کراہنے لگی۔ میں اُس کے اندر رہ کر سمجھ رہا تھا، وہ اعصابی کمزوریوں میں مبتلا تھی۔ دل ڈوب رہا تھا۔ سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ میں اس کی دماغی توانائی بن کر حوصلہ نہ دیتا تو شاید وہ دو چار سانسوں میں ختم ہو جاتی۔

میں بڑی دیر تک اُسے سنبھالتا رہا۔ ایک ڈاکٹر نے اس کی نبض محسوس کی۔ پھر ایک انجکشن لگایا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ذرا دیر بعد وہ پھر بولنے کے قابل ہو گئی۔ میں نے کہا: "ہاں بولو۔ تمھارا یہ بیان میرے لیے اہم ہے کہ وہ بھائی بہن ہو سکتے ہیں۔ ایک کے چہرے پر نسوانیت اور دوسرے کے چہرے پر مردانگی ہے۔ مگر ناک نقشہ ایک جیسا ہے۔ ان کے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔"

وہ ذرا چپ رہی۔ میں اُسے سانسیں فراہم کرتا رہا۔ پھر اس نے کہا "اس حسینہ کے ہاتھوں میں ٹرے تھی۔ اُس کے ساتھی نے ٹرے پر سے سرنج اٹھائی۔ میرے پاؤں اور بازو بندھے ہوئے تھے۔ میں کہنیوں کی طرف سے ہاتھ موڑ سکتی تھی۔ میں نے ذرا سا ہاتھ موڑ کر اوپر اٹھایا۔ پھر حسینہ کے ایک ہاتھ کو پکڑ لیا۔"

مرجانہ سانس لینے کے لیے رُکی۔ پھر بولی "حسینہ نے بے اختیار ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں ٹرے پر رکھی ہوئی دوائیں گر پڑیں۔ اُس کے ساتھی نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ میرے یہ ہاتھ کتنے فولادی تھے مگر اعصابی کمزوریوں نے مجھے پہاڑ سے چیونٹی بنا دیا ——— اس کے جھٹکا دینے سے ہاتھ چھوٹ تو گیا، مگر دستانہ میرے ہاتھ میں رہ گیا۔ تب میں نے دیکھا، اُس حسینہ کے دائیں ہاتھ میں ساڑھے چار انگلیاں تھیں۔"

"ساڑھے چار کا مطلب ہوا ایک انگلی آدھی ہو گی؟"

مرجانہ کراہنے لگی۔ میں نے کہا: "پلیز، بتاؤ، کون سی انگلی آدھی تھی؟"

اس میں بولنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ دماغی توانائی اتنی رہ گئی تھی، جسے توانائی کہا نہیں جا سکتا۔ اُس کے دماغ سے سوچ کی لہریں ابھرنا چاہتی تھیں۔ پھر پانی کے بُلبلے کی طرح بیٹھ جاتی تھیں۔ میں نے فوراً ہی ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "ہری اپ، مرجانہ کو اٹینڈ کرو، ہری اپ!"

وہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا۔ ایک ساتھی ڈاکٹر سے انجکشن لانے کے لیے کہا۔ ڈاکٹر نے جواب دیا "ابھی ایک منٹ پہلے میں نے یہ انجکشن لگایا ہے۔"

"کوئی بات نہیں، دوسرا لگانا ہو گا۔ اس کی نبض ڈوب رہی ہے۔"

اُسے فوراً ہی دوسرا انجکشن لگایا گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد دل کی رفتار ذرا درست ہوئی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا "فرہاد! میں جا رہی ہوں۔"

"نہیں مرجانہ! ایسا نہ کہو۔ تم موت سے لڑتی آئی ہو اب بھی لڑو گی۔"

"لڑنے والے اپنی طاقت، اپنا حوصلہ سمجھ کر ہی میدان میں آتے ہیں۔ میں زندگی کے میدان سے باہر جا رہی ہوں۔ مجھے پتا چل گیا ہے، اس انجکشن کے ذریعے جگنو کی چمک کی طرح حیات ملی ہے۔ میں بجھنے ہی والی ہوں۔"

"ایسا مت سوچو۔ دیکھو ڈاکٹر کوشش کر رہے ہیں۔"

کرنے دو۔ میری آخری بات سُن لو۔ میں رسونتی کا حق مارنا نہیں چاہتی تھی۔ تم سے دور ہونے کے لیے میں نے بلبا کو قبول کر لیا۔ مگر یہ دل بڑا بے ایمان ہے، تمھارے سوا کسی کو قبول نہیں کرتا۔"

"میں جانتا ہوں تم دل و جان سے مجھے چاہتی ہو۔"

"دل و جان سے بھی اور ایمان سے بھی آج تک کوئی مجھ سے کچھ نہ... کچھ نہ... نہ لے سکا۔ تم... تم نے لے لیا۔ مم... میرے جسم... جسم و جان... کے ما... مالک... "

وہ کہتے کہتے تھم گئی۔ ہمیشہ کے لیے تھم گئی۔ موت کا ایک جھٹکا لگا تھا۔ میری سوچ کی لہریں دماغ کی تاریکی میں چمگادڑ کی طرح بھٹک رہی تھیں۔ کبھی اُدھر جا رہی تھیں، کبھی اِدھر آ رہی تھیں "کہاں ہو؟ مرجانہ! تم کہاں ہو؟ آواز دو۔ اپنے جسم و جان کے مالک کو ایک بار آواز دو۔ مرجانہ مرجانہ!"

میں اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ غم و غصے سے کانپ رہا تھا۔ "نہیں چھوڑوں گا، کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ مرجانہ! تمھارے لبوں پر جو محبت لب دم تھی، اس محبت کی قسم، میں انسانی جسموں کو فروخت کرنے والے ایک مجرم کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مرجانہ! آہ میری مرجانہ۔"

دروازے پر دستک ہونے لگی۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ اعلیٰ بی بی کا ایک ماتحت کہہ رہا تھا: "سر! آپ مادام مرجانہ کو آوازیں دے رہے ہیں۔ سر! آپ کو تنہا نہیں رہنا چاہیے پلیز، دروازہ کھولیے۔"

"تنہا کیوں نہیں رہنا چاہیے۔ کیا مجھے پاگل سمجھ ہو تم؟"

"نہیں سر! آپ نارمل ہیں مگر..."

"یو شٹ اپ، چلے جاؤ۔ اپنے شیخ الفارس سے کہہ دو، تم میں سے کوئی میرے عزیزوں کو نہیں بچا سکتا۔ مرجانہ بھی مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا چکی ہے۔ جاؤ اور شیخ الفارس سے کہہ دو، میں پیرس آ رہا ہوں۔"

بند دروازے کے پیچھے سے وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے دیکھا، وہ سوچتا جا رہا تھا، پہلے شیخ الفارس کو مرجانہ کے انتقال کی اطلاع دے گا پھر میرے لیے پیرس تک ہیلی کاپٹر چارٹر کرے گا۔ میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا کروں؟ ایسا کون سا راستہ اختیار کروں کہ سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی اور سجاد وغیرہ موت کے سرد خانے سے صحیح سلامت نکل آئیں۔ میری تمام محبتیں مجھے مل جائیں۔ میں کون سا راستہ اختیار کروں؟

میں پھر سرد خانے میں پہنچ گیا۔ میں اُس ڈاکٹر کو یوں بھی معاف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ میری ٹیلی پیتھی کا شکار تھا، کسی وقت بھی... کسی سے میرا ذکر کر سکتا تھا۔ میں شکار کے پاس پہنچا تو وہ خود شکار ہو رہا تھا۔ ہوا یہ کہ اس نے نارڈ بلبا کو بچانے کے لیے انجکشن لگانا چاہا تھا ——— بلبا دیکھ چکا تھا، مرجانہ کو پے در پے انجکشن لگانے کے بعد بھی بچایا نہیں جا سکا تھا۔ پھر وہ کس امید پر انجکشن لگواتا؟

ڈاکٹر سرنج لے کر جیسے ہی آگے آیا، بلبا نے اُسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ پھر اسے دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔ وہ سہم کر چیخ مارتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنا چاہتا تھا اور شاید نکل بھی جاتا کیونکہ بلبا بہت کمزور ہو چکا تھا۔ مگر ڈاکٹر کا چہرہ جیسے ہی قریب آیا، بلبا نے اسے اور قریب کھینچ کر اس کے حلقوم میں دانت پیوست کر دیے۔

ڈاکٹر کی چیخ گھُٹ گئی تھی۔ دیدے پھیل رہے تھے۔ اُس کا بیٹا بچانے کے لیے آیا۔ دوسرے ڈاکٹر بھی مدد کے لیے لپکے مگر بے سود، ڈاکٹر کا نرخرہ کٹ چکا تھا۔ اس کا لہو بلبا کے منہ میں جا رہا تھا۔ باچھوں پر پھیل رہا تھا۔ جب دوسروں نے اُسے الگ کیا تو وہ آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کی سانسیں گلے سے نیچے نہیں جا رہی تھیں۔ کٹے ہوئے نرخرے سے اس کی سانسیں خرخر کی آواز سے خارج ہو رہی تھیں۔ جسم کا سانس سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ پھر وہ کب تک زندہ رہتا؟ جب تک دوسرے ڈاکٹر طبی امداد پہنچاتے، وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا پڑ گیا۔

اس کے بیٹے نے غصے کے مارے ٹرے پر رکھے ہوئے چاقو کو اٹھایا، وہ بلبا کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ میں نے روک دیا۔ اُسے بلبا کو دیکھنے اور سمجھنے پر مجبور کیا۔ تب اس کی سمجھ میں آیا، بلبا کے دیدے پھیل کر ساکت ہو گئے تھے۔ اس کی باچھیں اور ہونٹ لہو کے رنگ میں بھیگے ہوئے تھے۔ وہ مرتے مرتے دشمن کا لہو پی گیا تھا۔

جہنم رسید ہونے والے ڈاکٹر کے بیٹے نے سوچا۔ "میں چاقو سے اسے ختم کر دوں؟ مگر یہ تو پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ آہ موت کیا ہوتی ہے؟ موت ہم کو آئے یا ہمارے پیارے والوں کو آئے، تب زندگی کی قیمت معلوم ہوتی ہے۔ ڈیڈی دوسروں کی زندگیوں کی قیمتیں لگاتے رہے۔ آج حرام موت نے ان کی قیمت چکا دی۔ مجھے مثبت انداز میں سوچنا چاہیے۔"

اس کے ہاتھ سے چاقو گر گیا۔ میں چاہتا تو چیلنج کے مطابق اس کے پورے خاندان کو موت کی سزا دیتا لیکن ایک مجرم کا پورا خاندان مجرم نہیں ہوتا۔ پھر وہ نوجوان مثبت انداز میں سوچ رہا تھا۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو تلاش کرنے دوسرے ادارے کے ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔

پیرس میں اب دو ادارے رہ گئے تھے۔ ایک ہیومن پارٹس بنک اور دوسرا ڈونیٹڈ پارٹس سپلائر۔ میں اپنے طریقۂ کار کے مطابق وہاں کے ڈاکٹروں اور ان کے سرد خانوں میں پہنچا۔ کوما میں رہنے والوں کو اچھی طرح دیکھا، سمجھا۔ اُن میں میری کوئی چاہنے والی نہیں تھی۔ نہ سونیا، نہ رسونتی، نہ اعلیٰ بی بی اور پارس کے متعلق کچھ پتا نہیں چل رہا تھا، وہ کہاں ہے؟ کس کے پاس ہے؟ اور کس حال میں ہے؟

میری بے چینی اس حد تک بڑھ گئی تھی، جہاں پہنچ کر آدمی جنون میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ میرے اندر پارا مچل رہا تھا۔ میں ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس رہائش گاہ سے نکل آیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ جنون میں کیا کر گزروں گا۔ اگر راہ چلتے کسی سے ٹکر ہوتی تو میں پاگلوں کی طرح اس سے ٹکرا جاتا۔ کوئی اگر آنکھ دکھاتا تو کچھ پوچھے بغیر اُس کی آنکھیں نکال لیتا۔ یہ دنیا دشمن لگ رہی تھی۔ اس دنیا نے میرے چاہنے والوں اور میرے لختِ جگر کو نگل لیا تھا۔ انھیں برآمد کرنے کے لیے نگلنے والوں کا پیٹ چاک کرنا ضروری تھا۔

میں جیسے ہی رہائش گاہ سے باہر آیا، دو ماتحت میرے سامنے آ گئے۔ وہ بے چارے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ میرے جنونی دماغ نے سمجھایا، دشمن سامنے آ کر راستہ روک رہے ہیں۔ میں نے ایک کے منہ پر ہاتھ جڑ دیا۔ دوسرا مجھے سمجھانے آ رہا تھا، وہ

بھی ہاتھ کھا کر پیچھے چلا گیا۔ دور ہی سے ہاتھ اٹھا کر بولا "پلیز سر! ہم ... ہم آپ کے خادم ہیں۔"

میں نے سر جھٹک کر انھیں غور سے دیکھا، جیسے کچھ نظر نہ آ رہا ہو۔ دوسرے نے کہا "سر! پیرس جانے کے انتظامات ہو چکے ہیں۔ ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔"

اس کی بات سن کر مجھے معلوم ہوا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ دراصل میں پیرس جانا چاہتا تھا — ان اداروں کے ڈاکٹروں کو جن جن کو تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا تھا۔ اگرچہ ان کے سرد خانوں میں میرا اپنا کوئی نہ تھا .... اس کے باوجود وہ مجرم تھے، نہ جانے کتنے محبت کرنے والے اور والیوں کو کوما میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ قابلِ معافی نہیں تھے۔

میں کار کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ایک ماتحت دوڑتا ہوا بنگلے کے اندر گیا۔ میں نے گرج کر دوسرے سے پوچھا "کس کا انتظار ہے؟ چلتے کیوں نہیں؟"

"سر! آپ کا سامان لایا جا رہا ہے۔"

میں نے غصے سے کہا "ٹو ہیل ودھ دی بیگیج۔ سامان کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو۔"

"جناب! آپ رومیو کاسترو کے روپ میں ہیں۔ یہاں سے پیرس جانے کے لیے آپ کے ضروری کاغذات ضروری ہیں، ہم ابھی ایک منٹ میں چلتے ہیں۔"

میں ایک منٹ بھی انتظار کا متحمل نہیں تھا۔ وہ ماتحت اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے کوٹ کے کالر پکڑ کر کھینچے اور کہا "میں خیال خوانی کے ذریعے بھی دشمنوں تک پہنچ سکتا ہوں مگر بنفسِ نفیس ان کی گردنیں توڑنا چاہتا ہوں۔ ضروری کاغذات کی ایسی کی تیسی۔ فوراً گاڑی اسٹارٹ کرو۔"

وہ پریشان ہو کر بولا "ہم ضروری کاغذات کے بغیر انگلینڈ سے باہر نہیں جا سکیں گے۔"

میرے گرم دماغ نے سمجھایا کہ اُسے اسٹیئرنگ سیٹ سے دھکا دوں اور خود ڈرائیو کرتا چلا جاؤں۔ ایسے ہی وقت دوسرا ماتحت میرا اور اپنا سامان اٹھا کر لے آیا۔ انھیں ڈکی میں رکھا۔ پھر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور فلائنگ کلب کی طرف جانے لگی۔ دن کے دس بج رہے تھے۔ میں پچھلی رات سے جاگ رہا تھا پھر بھی نیند کوسوں دور تھی۔ آنکھیں انتقام کے جنون سے کھلی ہوئی تھیں۔ اور انگاروں کی طرح جل رہی تھیں۔

میرے بگڑے ہوئے تیور نے دونوں ماتحتوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ جب ہمارا سفر ہیلی کاپٹر میں شروع ہوا تو ایک نے کہا "جناب! آپ ذرا آرام سے سو جائیں۔ ہم بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ کر ..."

میں نے بات کاٹ کر گرجتے ہوئے کہا "میں اس ادارے میں نہیں جاؤں گا۔ شیخ الفارس نے اور تم سب نے میرا کون سا کام کیا ہے؟ میرے ایک ساتھی کو بھی ڈھونڈ کر نہ نکال سکے۔ مجھے کسی کی مدد نہیں چاہیے۔ مجھے پیرس کے فلائنگ کلب تک پہنچا دو۔ آج سے میرا راستہ بالکل الگ ہے۔ تم سب سے الگ ہے۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ سر میں ایسا درد تھا جیسے کھوپڑی تڑخ جائے گی۔ میری تمام محبتیں یکے بعد دیگرے جان سے جا رہی تھیں ہر لمحہ میری بھی جان نکلتی جا رہی تھی۔ ایک ماتحت نے کافی پیش کرتے ہوئے کہا "کافی پی لیجیے۔ آپ نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔"

میں نے ناگواری سے کہا "میں نادان نہیں ہوں کہ تمھارے ہاتھوں سے زہر پی لوں۔ میں ایک ایک دشمن کے مرنے تک زندہ رہوں گا۔"

"سر! یہ زہر نہیں کافی ہے۔"

"یو شٹ اپ۔" میں نے ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا "میں تم سب کو ہیلی کاپٹر سے نیچے پھینک دوں گا۔ تم چاہتے ہو کہ میں آرام کروں، تھوڑا سو جاؤں اور اپنی سونیا کو، رسونتی کو اور اعلیٰ بی بی کو تلاش نہ کروں۔"

میں نے کافی کی پیالی کو ہاتھ مارا۔ وہ دور چلی گئی۔ پھر کہا "یاد رکھو، میں بابا صاحب کے ادارے میں نہیں جاؤں گا — وہاں ہیلی کاپٹر اتارنا چاہو گے تو تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ایک ماتحت، جو میری سیٹ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اس نے اچانک ہی پھندا ڈال کر مجھے سیٹ کے ساتھ جکڑ دیا۔ میں نے تڑپ کر نکلنا چاہا، پھر ناکام ہو کر چیختے ہوئے بولا "یہ کیوں بھولتے ہو کہ میں خیال خوانی کے ذریعے پھندے سے نکل بھی سکتا ہوں اور تم سب کو جہنم میں پہنچا بھی سکتا ہوں۔"

"سر! آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مگر آپ یہ بھول گئے کہ اعلیٰ بی بی کی طرح ہمارے پاس بھی ایسی انگوٹھیاں ہوتی ہیں جن کے نچلے حصے کو دباؤ تو اوپری حصے سے ایک ننھی سوئی برآمد ہوتی ہے۔"

اس نے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "یہ دیکھیے۔ یہ سوئی برآمد ہو گئی، جیسے ہی یہ آپ کے جسم میں پیوست ہو گی، آپ بے ہوش ہو جائیں گے لیکن ہم ایسی بے ادبی نہیں کرنا چاہتے۔ پلیز خود کو نارمل رکھیے اور ہمارے ساتھ بابا صاحب کے ادارے میں..."

بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں اُس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے بڑے اطمینان سے اپنی انگوٹھی کی ننھی سی سوئی کو دیکھا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسے اپنے جسم میں پیوست کر لیا۔ وہ مجھے ہوش سے بیگانہ کرنا چاہتا تھا۔ اب خود اپنی سیٹ کی پشت سے لگ گیا تھا۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ پھر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

جیسے ہی میں اس کے دماغ سے واپس آیا، مجھے اپنے ایک بازو میں چبھن کا احساس ہوا۔ مجھے یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ دوسرے ماتحت کے پاس بھی وہی انگوٹھی ہو سکتی ہے۔ مگر دیر ہو چکی تھی۔ میں جسمانی اور دماغی توانائی کھو چکا تھا۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ مگر بے سود، میں چند سیکنڈ میں ہی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔

نہ جانے میں کتنی دیر تک اپنی ذات سے غافل رہا۔ میں سمجھتا ہوں، اعلیٰ بی بی، سونیا اور رسونتی بھی اسی طرح اپنی ذات سے غافل ہوں گی۔ وہ بے شک زندہ ہوں گی مگر موت کی ہتھیلی پر بے حس و حرکت پڑی ہوں گی۔ جب مجھے ہوش آنے لگا تو میرے کانوں نے کسی کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا "ہوش آ رہا ہے۔ ہمیں یہاں نہیں رہنا چاہیے۔"

ذرا دیر بعد ہی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دیں۔ جو بھی میرے آس پاس رہے ہوں گے، وہ جا چکے تھے۔ بے ہوش ہونے والے جب ہوش میں آنے لگتے ہیں تو حواسِ خمسہ میں سے پہلے سننے کی قوت کام کرتی ہے۔ بعد میں آنکھیں کھلتی ہیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ایک خوابگاہ نظر آئی۔ میں آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ سرہانے کی میز پر تازہ پھل اور خشک میوے رکھے ہوئے تھے۔ گلاس اور پانی سے بھرا ہوا جگ بھی تھا۔

مجھے شدید پیاس کا احساس ہوا۔ میں نے اٹھ کر گلاس میں پانی لیا۔ چند گھونٹ پینے کے بعد خیال آیا، بھوکا ہوں۔ میں نے سیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اچانک رسونتی، سونیا اور اعلیٰ بی بی کا خیال آیا۔ کیا وہ کوما کی حالت میں کھا سکتی ہیں؟ پانی پی سکتی ہیں؟

میرے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔ ان کے جسموں میں انجکشن کے ذریعے خوراک پہنچائی جاتی ہو گی۔ وہ کس قدر بے بسی کے عالم میں ہوں گی۔ میرا دل کٹنے لگا۔ اسی وقت شیخ الفارس کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہے تھے "کیا ماتم کرنے سے گم شدہ محبتیں مل جاتی ہیں؟"

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرے میں کہیں اسپیکر نصب کیا گیا تھا۔ میں نے ناگواری سے پوچھا۔ "میں یہاں کیسے آیا۔ کیا آپ مجھے قیدی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں؟"

انھوں نے پدرانہ شفقت سے کہا "بیٹے! بعض حالات میں دوستوں کو دشمن بن کر کسی دوست کا تحفظ کرنا پڑتا ہے۔ تم رفتہ رفتہ جنون میں مبتلا ہو کر دماغی توازن کھو بیٹھو گے۔ اگر میرے جوان تمھیں بے ہوش کر کے یہاں نہ لاتے تو تم ایک خطرناک پاگل بن کر ہیلی کاپٹر کو تباہ کر دیتے۔ تم اس طرح لائے گئے، مجھے اس کا افسوس ہے۔"

"کیا اس خوابگاہ کے دروازے باہر سے بند ہیں؟"

"مجھے اس کا بھی افسوس ہے۔"

"پھر تو بات صاف ہو گئی۔ آپ مجھے قیدی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں مگر دشمنی سے نہیں، دوستی سے۔"

میں نے دہاڑتے ہوئے کہا "مجھے نہیں چاہیے ایسی دوستی۔"

"دیکھو کس طرح دہاڑ رہے ہو۔ ذرا سوچو، ذرا سمجھو، کیا ابھی تم نارمل ہو؟ کیا تمھارا دماغ تمھارے قابو میں ہے؟"

"ہاں میرے قابو میں ہے۔ اور اگر نہیں ہے تو آپ مجھے پابندی میں رکھنے والے کون ہوتے ہیں؟"

"میں تمھارا بزرگ اور خیر خواہ ہوں۔ اور اگر نہ بھی ہوتا تو کسی پاگل کو زنجیروں میں جکڑ کر رکھنا میرا فرض ہوتا۔"

"میں پاگل نہیں ہوں۔"

"ثابت کرو۔"

"آپ مجھے ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔"

"اگر تم نے اپنے بزرگ کے خلاف یہ ہتھیار استعمال کیا تو کیا ہوش مند کہلاؤ گے؟ اگر تم نے ایسا کیا تو یہاں اس کا توڑ ہے، مجھے ٹیلی پیتھی کے جھٹکوں سے بچانے کے لیے ایک انجکشن تیار رکھا گیا ہے۔ اس کے ذریعے مجھے بے ہوش کر دیا جائے گا۔"

"آپ کو کتنی بار بے ہوش کیا جائے گا۔ جب بھی آپ ہوش میں آئیں گے۔ میں آپ..."

انھوں نے بات کاٹ کر کہا "مجھے بیہوش کرنے کے بعد آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا جائے گا تاکہ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجبور کر کے مجھے اپنے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لیے نہ بلا سکو۔"

میں دانت بھینچ کر ان کی باتیں سُن رہا تھا۔ انھوں نے کہا۔ "آہنی سلاخوں کے پیچھے جانے کے بعد میری جگہ جو آئے گا، وہ تمھیں اپنی آواز نہیں سنائے گا۔ بابا صاحب کے ادارے میں جتنے افراد کی آوازیں سُن چکے ہو، انھیں فی الحال ادارے سے باہر بھیج دیا گیا ہے۔ تم انھیں یہاں آنے پر مجبور کرو گے تو ان بے چاروں کو احاطے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

"آپ جانتے ہیں کہ اب سے پہلے ہزاروں بار دشمنوں نے مجھے گرفت میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور میں ہر بار زنجیریں توڑ کر نکل گیا۔"

"پہلے تم ہوش میں رہا کرتے تھے، اس لیے مخالفین پر غالب آجاتے تھے۔ اگر تم میری پابندیاں توڑ کر نکل سکو تو میں تمھیں ہوش مند تسلیم کرلوں گا۔"

میں چُپ ہو گیا۔ مجھے اُن پر غصّہ آرہا تھا۔ میں نے سوچا، غصّہ دکھاؤں گا تو جنونی یا پاگل سمجھا جاؤں گا۔ مجھے تحمّل سے کام لینا چاہیے۔ شیخ الفارس جہاں بھی تھے، وہاں سے مجھے ٹی وی اسکرین پر دیکھ رہے تھے۔ میں بستر کے سرہانے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

انھوں نے پوچھا "فرہاد! تمھاری زندہ دلی کیا ہوئی؟"

"کیا اپنے عزیز مرتے رہیں تو کوئی زندہ رہ سکتا ہے؟ اور آپ زندہ دلی کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"ہنستے کھیلتے دنوں میں سب ہی زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہزاروں برس میں کوئی ایک ایسا پیدا ہوتا ہے جو صدمات سے چُور چُور ہو کر بھی مسکراتا رہے۔"

"کہنا آسان ہے، کرنا مشکل ہے۔"

"مرد وہی کرتے ہیں جو کرنا مشکل ہو۔"

"آپ چاہتے ہیں میں کوما میں جانے والوں کو بھول کر قہقہے لگاؤں اور ایک نئی زندگی شروع کر دوں۔"

"تم شروع نہیں کرو گے تو وہ نئی زندگی خود بخود شروع ہو جائے گی۔ اگر وہ سب دنیا سے اُٹھ چکے ہیں تو کیا تم بھی اُٹھ جاؤ گے؟"

"نہیں۔ میں مرنے سے پہلے اُن قاتلوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ماروں گا۔"

"اس کے لیے تمھیں زندہ رہنا ہوگا۔ قاتلوں کو ڈھونڈنے کے لیے تمھیں کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا ہوگا۔ دماغ کو سوچنے سمجھنے کے قابل بنانا ہوگا۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اُن سے باتیں کرنے کے دوران میرا غصّہ قدرے سرد پڑ گیا تھا۔ وہ میرا نفسیاتی علاج کر رہے تھے اور میں کون سا پاگل تھا؟ میرا دماغ اک ذرا آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اب وہ کیفیت نہیں تھی۔ انھوں نے پوچھا "کیا مجھے دشمن سمجھ رہے ہو؟"

"میں نادم ہوں۔ اب تک سمجھتا رہا، اب نہیں سمجھ سکتا۔ آپ ہم سب کی نظروں میں بزرگ اور محترم ہیں۔"

"میری ایک بات مان لو۔ اس کے بعد چاہے جیسی من مانی کرتے رہنا۔"

"آپ کی ہدایات اور احکامات سر آنکھوں پر۔ میں عمل کروں گا۔"

"میری ہدایت ہے پہلے اپنی کھوئی ہوئی زندہ دلی واپس لاؤ۔ پھر گم شدہ محبتیں بھی مل جائیں گی۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ حالاں کہ دل جل رہا تھا۔ جو مسکراہٹ آگ میں کھلتی ہے، وہ کندن ہوتی ہے۔ شیخ الفارس کی یہ بات دل کو لگی تھی کہ میری سابقہ زندہ دلی لازمی ہے۔ ایک مختصر سا قہقہہ، دماغ پر چھائے ہوئے غبار کو صاف کر دیتا ہے۔ میں نے پھلوں کی ٹرے میں سے ایک سیب کو اٹھایا۔ قہقہہ لگایا، اُسے فضا میں اچھالا۔ جب وہ بلندی سے واپس آیا تو میں نے منہ کھول کر اسے دانتوں کے درمیان کیچ کر لیا۔ پھر میں نے ایک جھٹکے سے یوں چبایا جیسے ہنستے ہنستے دشمنوں کی ہڈیاں چبا رہا ہوں۔

واقعی ہوش و جنون میں بھول گیا تھا کہ ہنستے ہنستے دماغی طور پر صحت مند رہ کر دشمنوں سے انتقام لیا جا سکتا ہے۔ اس وقت میں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ کھانے کے دوران پیرس کے اُن اداروں کے ویڈیو کیسٹ دکھائے گئے جو انسانی اعضا کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کے سرد خانوں میں میری کوئی ساتھی نہیں تھی۔ مگر شیخ الفارس کے جوانوں نے یہ غیر انسانی دھندا کرنے والوں کو بڑی اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا تھا۔

میں اسکرین پر دشمنوں کو جہنّم رسید ہوتے دیکھ کر بولا "محترم شیخ صاحب! میری تسلّی نہیں ہو سکتی۔ انھیں تو میں کتوں کی موت مارنا چاہتا تھا۔"

"تم ایسے اداروں سے تعلق رکھنے والوں کو ہلاک کرتے رہو گے اور خطرناک تنظیموں کو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ کون ایسا کر رہا ہے تو ان کا دھیان خود بخود تمھاری طرف جائے گا۔ میرے جوان یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ اپنی اعلیٰ بی بی کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے دشمنوں سے نمٹ رہے ہیں۔ تمھارے سابقہ اور موجودہ دشمن تمھیں زخموں سے چُور اتنا ناکارہ سمجھ رہے ہیں جو کسی کو انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

میں نے کہا "شیبا نے ربی کو یہ غلط رپورٹ دی ہے کہ میں

بھی کہیں کوما میں پڑا ہوں۔ وہ مادام کمپیوٹر کی حیثیت سے میرے تمام دشمنوں کو بھی یہی غلط اطلاع دے چکی ہوگی۔"

میں نے شیخ الفارس کو بتایا کہ شیبا نے اپنے ربی سے جھوٹ کیوں کہا ہے۔ شیخ صاحب نے کہا "یہ تو اور اچھی بات ہے۔ وہ اپنا جھوٹ نباہنے کے لیے اپنے بیان پر قائم رہے گی اور تم گمنام رہ کر آزادی سے وہ سب کچھ کر سکو گے جو چھپ چھپا کر نہیں کر سکتے تھے۔"

"میں اور کیا کرتا۔ میرا مقصد تو اب یہی رہ گیا ہے کہ سونیا، سونی اور اعلیٰ بی بی اور پارس کو تلاش کروں۔"

"بے شک تلاش کرو۔ مگر تلاش کرتے رہنے سے کچھ ملتا ہے، کچھ نہیں ملتا۔ میرا مشورہ ہے پتھر بن جاؤ۔ خود کو پہلے سے اس تلخ حقیقت پر آمادہ کر لو کہ تم پر تمام جان دینے والیاں اپنی جان ہار چکی ہیں۔ اس انداز میں سوچنے سے برداشت کا حوصلہ رہتا ہے۔ ہاں اگر نصیب سے کوئی زندہ سلامت مل جائے تو یہ تمھاری خوش نصیبی ہوگی۔"

شیخ الفارس دو دنوں تک مجھے سمجھاتے رہے۔ دوسرے لفظوں میں میرا نفسیاتی علاج کرتے رہے۔ مجھ پر سے پابندیاں اٹھالی گئی تھیں۔ میں بابا صاحب کے ادارے میں آزادی سے کہیں بھی جا سکتا تھا۔ کسی سے بھی مل سکتا تھا۔ شیخ الفارس اور چند ماتحتوں کے سوا کوئی مجھے فرہاد کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔ میں وہاں کے مختلف شعبوں میں گیا۔ بابا فرید واسطی کا مزار اسی احاطے میں ایک دور افتادہ گوشے میں تھا۔ وہاں کٹیا نما ایک چھوٹا سا خوبصورت سا کاٹج تھا۔ اسی کاٹج کے اندر بابا فرید واسطی کو سپردِ خاک کیا گیا تھا۔

میں کاٹج کے اندر آکر ادب سے بیٹھ گیا۔ ادارے کی ایک نوجوان طالبہ رہنمائی کے لیے میرے ساتھ تھی۔ وہ بتا رہی تھی کہ بابا صاحب کہاں سوتے، کہاں پڑھتے، کہاں کھاتے اور کہاں بیٹھ کر مراقبے میں پہنچ جاتے تھے۔ ان کے آخری ایام میں سونیا اُن کے ساتھ تھی۔ اس کے سوا کوئی کاٹج کے اندر نہیں جاتا تھا۔

نوجوان طالبہ کی بات سُن کر اچانک مجھے بابا فرید واسطی کی ایک پیشگوئی یاد آئی۔ انھوں نے سونیا سے کہا تھا "فرہاد کی زندگی میں کتنے ہی ساتھی آئیں گے اور جائیں گے۔ اس کی شریکِ حیات بھی ہمیشہ شریک نہیں رہے گی۔ بیٹی سونیا! فرہاد کی آخری سانسوں میں صرف تم ہی اس کے قریب رہو گی۔"

یہ پیشنگوئی یاد آتے ہی میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ اُس ادارے کے ذمّے دار افراد گواہ ہیں کہ بابا صاحب کی پیشنگوئی اکثر درست ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سونیا کوما میں پہنچنے کے باوجود زندہ رہے گی۔ مجھے پھر ملے گی اور آخری سانسوں میں میرے قریب رہے گی۔

میں نے خوش ہو کر اُس کی طرف پرواز کی۔ وہ شاید ابھی تک کوما میں تھی۔ اس کے دماغ میں دُھند چھائی ہوئی تھی، نہ وہ کچھ سمجھتی تھی، نہ میں اس کے ذریعے کچھ سمجھ سکتا تھا۔ سونی اور اعلیٰ بی بی کی بھی وہی حالت تھی۔ کاش چند سیکنڈ کے لیے ان کا دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوتا۔ میں فوراً ہی اُس جگہ کے متعلق معلوم کر لیتا۔ ویسے امید تھی، اسی طرح وقتاً فوقتاً ان کے دماغوں میں پہنچتا رہا تو ضرور اس پُراسرار دشمن تک پہنچ جاؤں گا۔

اس روز پتا چلا شیبا اپنا وطن چھوڑ کر آئس آف مین کے ایک علاقے برانڈ میں رہائش اختیار کرنے جا رہی ہے۔ میں نے شیخ الفارس سے کہا "میں شیبا سے پہلے وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔"

یہ بات میں شیخ صاحب کو پہلے بتا چکا تھا کہ وہ آئندہ برانڈ میں رہا کرے گی۔ یہ معلوم ہوتے ہی بابا صاحب کے ادارے کے دو ذمّے دار افراد وہاں چلے گئے تھے۔ انھوں نے بھاری قیمت ادا کر کے برانڈ میں ایک چھوٹا سا بنگلا خرید لیا تھا۔ اس بنگلے کا نام لکی کاٹج تھا۔ کاٹج کے مالک کا نام لکی واٹسن تھا۔ لکی واٹسن کی عمر یہی کوئی پچیس اور تیس برس کے درمیان ہوگی، وہ اس علاقے میں نوجوان نجومی کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ اس کی پیشنگوئی اکثر درست ہوتی تھی۔ دولتمند خواتین اسے ہمیشہ گھیرے رہتی تھیں۔ ریس اور سٹّے کھیلنے والے پہلے اس کے دروازے پر حاضری دیتے تھے پھر تقدیر آزمانے جاتے تھے۔

جب شیخ الفارس کے دو آدمی وہاں پہنچے تو لکی واٹسن نے ڈرائنگ روم میں اُن کا استقبال کیا۔ پھر پوچھا "اچھا تو آپ حضرات میرا کاٹج خریدنے آئے ہیں؟"

ایک نے حیرانی سے کہا "ہم نے اپنا مدعا بیان نہیں کیا۔ پھر تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ ہم کاٹج خریدنے کی نیت سے آئے ہیں؟"

لکی نے کہا "میں صرف دوسروں کی نہیں، اپنی تقدیر بھی پڑھتا ہوں۔ میرے مقدر کی کتاب میں لکھا ہے کہ چار دن کے اندر مجھے یہ کاٹج فروخت کر کے چپ چاپ چلا جانا چاہیے۔ اسے خریدنے کے لیے دو شخص آئیں گے اور آپ حضرات آگئے ہیں۔"

شیخ الفارس کے آدمی نے کہا "ہمیں معلوم ہوا تھا کہ تم نجومی ہو مگر تم نجومی سے بھی کچھ زیادہ ہی لگتے ہو۔"

"میرا علم کہتا ہے، مجھے تم دونوں کے ساتھ مشرق کی طرف جانا چاہیے۔ وہاں کسی ملک میں مجھے اس کاٹیج کا نہایت معقول معاوضہ ملے گا۔ اگر میں جانے سے انکار کردوں تو نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ شیخ الفارس کی پلاننگ کے مطابق مجھے لکی واٹسن بن کر لکی کاٹیج میں رہنا تھا۔ اس طرح میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے معلومات حاصل کرکے دوسروں کے سامنے نجومی کا کردار بخوبی ادا کرسکتا تھا۔ اگر لکی وہ کاٹیج فروخت کرنے سے انکار کرتا تو شیخ صاحب کے دونوں آدمی اسے ہمیشہ کے لیے وہاں سے غائب کرکے میرے لیے راستہ صاف کر دیتے۔ وہ نجومی درست کہہ رہا تھا کہ اُس کاٹیج کو چھوڑنے سے انکار کرے گا تو اُسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔

بہرحال وہ جا چکا تھا۔ میرے لیے راستہ صاف ہوگیا تھا۔ اُس کی مختلف تصویریں، ویڈیو فلمیں اور پوری ہسٹری شیٹ میرے سامنے لاکر رکھ دی گئی تھیں۔ اس کے اسٹڈی روم سے ہر سال کی ڈائریاں بھی لاکر دی گئی تھیں۔ ان کے ذریعے اس کی تمام مصروفیات کا پتا چلتا تھا۔ پھر یہ کہ اس کا دماغ میرے لیے کھلی کتاب کی طرح تھا۔ جب تک سرجری کے ذریعے مجھے لکی واٹسن بنایا جاتا رہا تب تک میں اس کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرتا رہا۔

پیرس چھوڑنے سے پہلے میں نے کئی بار سجاد کی خبر لی۔ وہ بڑی حد تک نارمل ہوگیا تھا لیکن چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا۔ شیخ الفارس کے جوان اُسے ادارے میں لے آئے تھے۔ اس کا علاج پوری توجہ سے ہو رہا تھا۔ میں نے رات کے دس بجے ہیلی کاپٹر میں سفر شروع کیا۔ پھر آدھی رات کے بعد براڈ پہنچ گیا۔ وہ کاٹیج لکی واٹسن کے لیے لکی تھا اب دیکھنا تھا، مجھے بھی اس کاٹیج میں خوش نصیبی ملتی ہے یا نہیں؟

میرے ساتھ شیخ صاحب کے دو ذہین ماتحت آئے تھے۔ اُس نئے علاقے میں کچھ عرصہ ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا: "شیبا بارہ گھنٹے کے اندر یہاں پہنچنے والی ہے، وہ کسی وقت بھی تمہارے دماغ میں چپ چاپ آکر میری اصلیت معلوم کرسکتی ہے۔"

یہ باتیں ان کی سمجھ میں آگئیں۔ وہ دوسری صبح وہاں سے چلے گئے۔ میرے کاٹیج میں ایک ادھیڑ عمر کی ملازمہ روز صبح آتی تھی۔ گھر کی صفائی اور ضروری کام کرکے دوپہر کو جاتی تھی۔ پھر شام کو آکر رات کا کھانا تیار کرتی تھی۔ لکی واٹسن دوپہر کو صرف دو سلائس کھاکر گزارہ کرتا تھا۔ ملازمہ نے صبح آتے ہی مجھے غور سے دیکھا۔ دیکھنے کے انداز میں حیرانی بھی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

وہ بولی: "میں حیران ہوں، چوبیس گھنٹے میں تم اتنے صحت مند کیسے ہوگئے؟ کیا تم نے اپنا وزن کرایا ہے؟"

میری اور لکی کی صحت میں اُنیس بیس کا فرق تھا۔ ملازمہ کی نظریں تیز تھیں، وہ اتنے سے فرق کو بھی تاڑ گئی تھی۔ میں نے جواب دیا: "پیرس کی آب و ہوا مجھے راس آتی ہے۔ دو برس پہلے بھی ایک بار وہاں گیا تھا۔ اُن دنوں تمہاری جگہ نینسی یہ گھر سنبھالتی تھی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے، جب بھی میں پیرس جاتا ہوں صحت مند ہوکر آتا ہوں۔"

میں نے ملازمہ کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ مطمئن ہوکر اپنے کام میں لگ گئی تھی۔ مگر یہ میرے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔ میں نے کہا: "میری! تم نے مجھے اپنے ہاتھوں کے پرنٹ دیے تھے۔"

"یس مائی لکی لارڈ! تم نے میری قسمت کا حال بتایا تھا۔ میں انتظار کر رہی ہوں کہ تمہاری پیشن گوئی کے مطابق مجھے ایک بڑی رقم کب ملے گی، کہاں ملے گی؟ کیا مجھے اور کچھ نہیں بتا سکتے؟"

"ہم نجومی بتانے کو بہت کچھ بتا سکتے ہیں مگر سامنے والے کی بھلائی کی خاطر کچھ باتیں چھپا لیتے ہیں۔"

وہ پریشان ہوکر بولی: "میرے مقدر کی ایسی کیا بات ہے جو مجھ سے چھپا رہے ہو؟"

"مجھے افسوس ہے، میں بتا نہیں سکتا لیکن نیک مشورہ دے سکتا ہوں۔"

"میں آپ کے مشورے پر عمل کروں گی۔"

"تمہیں اپنی باقی عمر لندن میں گزارنا چاہیے۔ یہاں رہو گی تو کل کے بعد تمہیں کوئی بھی حادثہ پیش آسکتا ہے۔"

اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ گھر کا کام بھول کر میرے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا: "اگر تم آج رات تک یہ علاقہ چھوڑ دو، کسی کو اپنے مقدر کا حال نہ بتاؤ تو بلا ٹل جائے گی۔"

"مم... میں چلی جاؤں گی۔ وہاں کسی ہوسٹل میں رہ لوں گی۔"

"تم جگہ بدلو گی تو تقدیر بھی بدلے گی۔ لندن پہنچتے ہی اتنی دولت تمہارے ہاتھ آئے گی، جس کی تم توقع نہیں کرسکتیں۔"

وہ خوشی سے اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اپنا گھر اپنا علاقہ کون چھوڑتا ہے۔ برسوں رہتے رہتے اس جگہ سے محبت ہوجاتی ہے۔ مگر جہاں موت کا دھڑکا ہو، وہاں آدمی جگہ سے اپنی اُنسیت کو بھول جاتا ہے۔ ایک تو اُسے حادثے کا ڈر تھا۔ دوسرے جگہ چھوڑ دینے کے بعد اچھی خاصی رقم ملنے والی تھی۔

[...]اس سے پہلے ہی اپنا گھر، اپنا شہر چھوڑ کر چلی گئی۔

میں نے خیال خوانی کے ذریعے شیخ الفارس کے اُس ماتحت [...]ے رابطہ قائم کیا جو لندن میں رہتا تھا۔ پھر اُسے سمجھایا کہ میری [...]ی عورت لندن پہنچنے والی ہے۔ اُسے دس ہزار پونڈ اس طرح دیے [...]ئیں جیسے راستہ چلتے مل گئے ہوں یا کوئی مسافر رقم سے بھرا ہوا [...]یف کیس اس کے پاس بھول کر چلا گیا ہو۔ غرض یہ کہ وہ دس ہزار [...]نڈ کو مقدر کی پیشکش سمجھ کر قبول کرلے۔

اس کے جانے کے بعد میں اُس علاقے کا دورہ کرنے [...]لا۔ اس سے پہلے میں نے آئر آف مین کے جغرافیائی حالات [...]ھے تھے۔ ویڈیو فلم میں براڈ کے چھوٹے سے ٹاؤن کو بھی دیکھا [...]ھا لیکن کسی بھی علاقے کو گھوم پھر کر دیکھنا اور بات ہے۔ میں [...]ی کی چھوٹی سی اسپورٹس کار میں بیٹھ کر نکلا۔ پورا ٹاؤن مجھے پہچانتا [...]ھا جہاں سے گزرتا تھا لوگ سلام کرتے تھے۔ جوان لڑکیاں [...]جھے عقیدت سے دیکھتی تھیں۔ بدمعاش قسم کے لوگ بھی ایک طرف [...]ٹ کر گزرنے کا راستہ دیتے تھے۔ عورتیں اور بوڑھے مرد ہاتھ اٹھا [...]ر مجھے دعائیں دینے لگتے تھے۔

میں نے اس فارم کی طرف جانے کا ارادہ کیا، جہاں [...]با اسفندیار کی محل نما کوٹھی تھی۔ اب دو چار گھنٹے میں شیبا وہاں [...]ہنچنے والی تھی۔ وہ فارم براڈ ٹاؤن کے باہر میلوں دور تک پھیلا [...]وا تھا۔ میں اپنی کار ڈرائیو کرتا ہوا ٹاؤن سے باہر آیا۔ تقریباً ایک [...]یل کے فاصلے پر شیبا کا وہ محل نظر آرہا تھا۔ وہ محل ایک چھوٹی [...]ی پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ قریب جانے پر معلوم ہوسکتا تھا کہ محل [...]الی کی حفاظت کیلیے کیسے کیسے انتظامات کیے گئے ہیں۔

میں اپنی گاڑی اس راستے پر موڑنا چاہتا تھا۔ اسی وقت [...]یک شاندار مرسیڈیز نے آکر میرا راستہ روک لیا۔ میری معلومات [...]ے مطابق لکی کا ایسا کوئی بے تکلف دوست نہیں تھا جو اس [...]رح راستہ روکتا۔ اس کار کی اگلی سیٹ کا دروازہ کھلا۔ ایک [...]ارزن نما قد آور شخص برآمد ہوا۔ اُس نے شیر کی کھال کی نیکر پہنی [...]وئی تھی۔ قمیص نہ ہوتا تو پتا نہیں کیا پہنتا؟ نیکر کے ایک طرف [...]ولسٹر میں ریوالور تھا اور دوسری طرف ٹارزن کا بڑا سا خنجر لٹک [...]ا تھا۔ کارتوس کی پیٹیاں شانوں پر سے ایک دوسرے کو کراس [...]رتی ہوئی کمر کے گرد بیلٹ کی طرح بندھی ہوئی تھیں۔ اس کے ایک [...]اتھ میں جدید طرز کی چمکتی ہوئی نئی رائفل تھی۔ وہ میری طرف آنے [...]لگا۔ اس کے پاؤں میں جرابیں اور کینوس کے جوتے تھے۔ اس [...]نے قریب آکر رائفل کے دستے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "ویل [...]ماسٹر لکی! اپنی گاڑی ایک طرف کردو۔ اور باس کے پاس چلو۔"

میں نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اُسے سڑک کے کنارے کرنا [...]چاہتا تھا، ایسے وقت سہولت سے اُس ٹارزن کے دماغ کو پڑھنے کا موقع مل گیا۔ اس کے باس کا نام کیمرون ڈی مورا تھا۔ وہ یہاں سے بیس میل دور ایک بہت بڑے فارم کا مالک تھا۔ اُس کا ٹارزن ملازم ٹیرر کے نام سے مشہور تھا۔ ٹیرر کے معنی دہشت ہوتے ہیں۔ اس کی دہشت دور دور تک تھی۔ مگر ربی کے فارم میں کام کرنے والے بھی کیمرون ڈی مورا کے خطرناک ملازموں سے کچھ کم نہ تھے۔

میں یہاں آنے سے پہلے ہی کیمرون ڈی مورا جیسے لوگوں کے متعلق کافی معلومات حاصل کرچکا تھا۔ میں نے اپنی کار ایک طرف کھڑی کردی۔ ٹیرر کے آگے چلتا ہوا مرسیڈیز کے پاس پہنچا۔ ایک اور مسلح گارڈ نے میرے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ کیمرون ڈی مورا نے مسکراتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا: "ہیلو ماسٹر لکی! اس طرح راستہ روکنے پر مجھے افسوس ہے بائی دی وے ہم دوست ہیں، دوست رہیں گے۔"

میں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا: "لارڈ کیمرون! میں مانتا ہوں تم بہت بڑے جاگیردار ہو۔ اور تم بھی مان لو کہ میں تمہاری جاگیر میں نہیں ہوں۔ دوست ہو تو کار سے باہر آکر استقبال کرو، تب میں مصافحہ کروں گا۔"

میری بات سنتے ہی ٹیرر نے رائفل سیدھی کرلی۔ دوسرے مسلح گارڈز بھی اپنے لارڈ کی توہین محسوس کرتے ہوئے مجھ پر غرانے لگے۔ کیمرون نے ہنستے ہوئے کہا: "ارے نہیں ٹیرر! رائفل سیدھی نہ کرو۔ ہم سیدھے سادے لوگ ہیں، خواہ مخواہ خون خرابہ نہیں کرتے۔ اس نجومی نے مجھ سے مصافحہ نہیں کیا۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اب یہ میرے برابر نہیں بیٹھے گا۔ میری گاڑی کے ساتھ بیس میل تک پیدل چلتا ہوا میری جاگیر میں قدم رکھے گا۔ تب اسے پتا چلے گا کہ فی الوقت ہماری جاگیر میں نہ ہونے کے باوجود یہ ہمارا محکوم ہے۔ اور ہماری سزا کا پابند ہے۔"

یہ کہتے ہوئے کیمرون ڈی مورا نے دروازے کو زوردار آواز سے بند کیا۔ میں نے کھڑکی کی طرف جھک کر کہا: "اگر تم نے مجھے پیدل چلنے پر مجبور کیا تو میں اُس ہستی کے متعلق کبھی سچی بات نہیں بتاؤں گا جو ربی اسفندیار کے فارم میں آکر رہنے والی ہے۔"

کیمرون نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر کہا: "میں نے بھی سنا ہے یہ فارم آج آباد ہونے والا ہے۔ اور میں اسی سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتا تھا مگر تم ٹیڑھے ہو، تمہارے ساتھ ٹیڑھا بن کر سلوک کرنا چاہیے۔ میں اپنی جاگیر میں پہنچ کر تم سے حقیقت اگلوا لوں گا۔"

اُس کی گاڑی آگے بڑھنے لگی۔ ایک گارڈ نے رائفل کی نال سے میری پیٹھ پر ٹھوکا دیا۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "کیمرون! میرا علم کہتا ہے کہ میں چند قدم چلوں گا۔ اس کے بعد تم بیس میل پیدل چل کر اپنی جاگیر تک پہنچو گے۔"

ایسا میں نے یہ سوچ کر کہا کہ اس کے گارڈز میں سے کسی کے ذریعے گولی چلاؤں گا۔ اور گاڑی کا پہیہ برسٹ کرادوں گا۔ اگرچہ یہ بات ان کے لیے حیران کن ہوگی۔ جو گارڈ پہیے پر گولی چلائے گا اسے سخت سزا دی جائے گی مگر یہ معما حل نہیں ہوگا کہ اس نے خواہ مخواہ اپنے مالک کی گاڑی کو نقصان کیوں پہنچایا۔

میں چل رہا تھا اور سوچ رہا تھا ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟ کیمرون نے کھڑکی سے سر نکال کر طنزیہ انداز میں کہا۔ "نجومی! تمھاری پیش گوئی غلط ثابت ہوئی۔ تم ابھی تک غلام کی طرح میری گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہے ہو اور میں...!"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے تڑا تڑ گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کیمرون کا ایک مسلح گارڈ زخمی ہو کر گرا۔ گولیوں کے تسلسل میں آس پاس کی زمین سے گرد اُڑی۔ ایک گولی مرسڈیز کی باڈی میں لگی۔ ایک گولی کی زد میں آتے ہی پہیہ زوردار آواز سے برسٹ ہوا۔ میں فوراً ہی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا تاکہ اندھی فائرنگ سے محفوظ رہوں۔

ٹیرر نے دو گارڈز کے ساتھ مرسڈیز کے ایک طرف محاذ بنالیا تھا۔ کیمرون ڈی مورا پچھلی سیٹ پر جھکا ہوا بالکل دبک گیا تھا۔ میں نے جھک کر کہا۔ "میری پیشنگوئی درست ثابت ہوئی۔ تمھاری ہوا نکل چکی ہے۔ اپنی جاگیر تک پیدل ہی جانا ہوگا۔"

"شٹ اَپ!" وہ سر اٹھا کر غصے سے دہاڑنا چاہتا تھا۔ اسی وقت ایک گولی بیک اسکرین کا شیشہ توڑتی ہوئی آئی۔ وہ فوراً ہی سر جھکا کر چپ ہوگیا۔ میں نے کہا۔ "موت کے سامنے اچھے اچھوں کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔"

وہ ناک سے یوں سانس لے رہا تھا جیسے غرا رہا ہو پھر اس نے دہاڑتے ہوئے کہا۔ "ٹیرر! یو فول۔ اُن سے پوچھو، وہ کیا چاہتے ہیں۔ اُن سے صلح کی بات کرو۔"

اس کے حکم کے مطابق ٹیرر نے چیخ چیخ کر پوچھا۔ "ہم پر گولیاں کیوں چلائی جارہی ہیں؟"

جواب ملا۔ "تم ہمارے ایک معزز شہری کو قیدی بنا کر لے جارہے ہو۔ پھر پوچھتے ہو، گولیاں کیوں چلائی جارہی ہیں۔ ہم حکم دیتے ہیں، ماسٹر نکی والٹسن کو فوراً چھوڑ دو۔"

کیمرون نے سر اٹھا کر مجھ سے کہا۔ "جاؤ۔ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "ایسے نہیں، پہلے تم باہر نکل کر میرے لیے دروازہ کھولو۔ احتراماً سر جھکاؤ۔ پھر میں گاڑی سے باہر نکلوں گا۔"

وہ غرا کر بولا۔ "جانتے ہو کس سے باتیں کر رہے ہو؟"

"اُس خطرناک اور خونی جاگیردار سے جو اپنی جان بچا[نے] کے لیے نہ صرف میرے لیے دروازہ کھولے گا بلکہ بیس میل پید[ل] چلے گا۔"

"میں تمھارا محکوم نہیں ہوں۔ تمھارے لیے دروازہ نہیں..."

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ پھر گولیاں چلنے لگی تھیں۔ ... کے بعد کسی نے کہا۔ "ہم آخری بار پوچھ رہے ہیں، ماسٹر نکی کو چھوڑ[تے] ہو یا نہیں۔"

کیمرون نے ٹارزن سے پوچھا۔ "کیا یہاں سے نکلنے [کی] کوئی صورت نہیں ہے؟"

"نو مائی لارڈ! ہم چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔"

کیمرون ڈی مورا نے بے بسی سے گھور کر مجھے دیکھا پھر دروازہ کھولتے ہوئے چیخ کر بولا۔ "اسٹاپ فائرنگ۔ ماس[ٹر] نکی تمھارے پاس آرہا ہے۔"

وہ گاڑی سے نکل کر باہر گیا۔ دروازے کو کھلا رکھ[ا] تاکہ میں باہر آؤں۔ میں نے اُسے بند کرتے ہوئے کہا۔ "اد[ب سے] کھولو اور سر جھکاؤ۔ پھر باہر آؤں گا۔"

وہ تلملا رہا تھا مگر مجبور تھا۔ اُسے دروازہ کھول کر جھکنا پڑا۔ میں نے باہر آکر چاروں طرف دیکھا۔ دور دور تک ربی اسفندیار کے فائیٹر رائفلوں کے ساتھ نظر آرہے تھے۔ میں و[ہاں] سے چلتا ہوا اپنی کار کے پاس آیا پھر بلند آواز سے کہا۔ "[میں] تم سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مسٹر کیمرون مجھے بیس میل تک پیدل چلانا چاہتے تھے۔ اب اتنے بڑے لارڈ کو پید[ل] چلنا چاہیے۔"

کیمرون نے کہا۔ "میری گاڑی یہاں نہیں رہے گی۔ م[یرے] آدمی اسے دھکا دے کر لے جائیں گے۔"

میں نے کہا۔ "اور تم دھکے کھانے والی گاڑی میں [آرام] سے بیٹھ کر جاؤ گے۔ نہیں مسٹر کیمرون! گاڑی یہیں رہے گی۔"

میں اپنی کار میں بیٹھ کر ربی کے دو ماتحتوں کے پاس آ[یا]۔ کیمرون اور اس کے آدمی ناکارہ مرسڈیز کے پاس کھڑے ہو[ئے] تھے۔ میں نے ایک ماتحت سے کہا۔ "انھیں دھمکی دو۔"

اس ماتحت نے اپنے ساتھیوں کو مخصوص اشارہ [کیا]۔ ذرا سی دیر میں چاروں طرف سے فائرنگ ہونے لگی۔ ... اور اس کے آدمیوں کو نشانہ نہیں بنا رہے تھے۔ مگر اسی طر[ح] فائرنگ کر رہے تھے۔ اُن کے قدموں کے آس پاس مٹی اُڑ رہی تھی پھر کہا گیا۔ "اگر پیدل نہیں جاؤ گے تو شاندار مرسڈیز کو تمھا[را] تابوت بنا کر یہاں سے بھیجا جائے گا۔"

وہ اپنی گاڑی کو چھوڑ کر جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ اُس [کے] ماتحت کھلی سڑک پر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ پھر حکم [دی]ا گیا کہ ٹیرر اور دوسرے ماتحت اپنے ہتھیار پھینک کر جائیں [ا]نھیں اس حکم کی تعمیل بھی کرنا پڑی۔ میں اسپورٹس کار ڈرائیو کرتا [ہ]وا کیمرون ڈی مورا کے پاس آیا۔ پھر بولا۔ "اسے کہتے ہیں، [مق]در کا کھیل۔ تھوڑی دیر پہلے تم شاندار مرسڈیز میں بیٹھے [ہو]ئے تھے، میں پیدل چل رہا تھا۔ تم نے میری پیشنگوئی پر یقین [نہ]یں کیا۔ اب یقین آیا۔؟"

وہ چل رہا تھا، غصے سے ہانپ رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "چند [س]انسیں جی لو اور میری پیشنگوئی یاد رکھو۔ تمھارے ہاتھ پر جو زندگی [کی] لکیریں ہیں، میں انھیں کل صبح تک بندوق کی گولی سے مٹا [د]وں گا۔"

میں نے بھرپور قہقہہ لگایا۔ "کیمرون ڈی مورا! اتنا بتا [دی]نا میرا فرض ہے کہ آج کی رات تم پر بھاری ہے۔ اب میں جارہا [ہ]وں۔ نو گڈ بائی، نو گڈ لک فار یو۔"

میں نے کار کی رفتار بڑھائی، دور تک گیا۔ پھر اُسے روک [ک]ر برانڈ ٹاؤن کی طرف موڑ لیا۔ اس کے بعد تیزی سے ڈرائیو [ک]رتا ہوا کیمرون اور اس کے آدمیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا چلا گیا۔ جب ربی کے آدمیوں کے درمیان پہنچا تو انھوں نے [ف]اتحانہ انداز میں ہوائی فائرنگ کی۔ برانڈ ٹاؤن والوں کی [ط]رح ربی کے فارم میں کام کرنے والے خطرناک فائٹر بھی نکی والٹسن کے عقیدت مند تھے۔ اور اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔

ایک نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ویل ماسٹر [آ]ف لک! کچھ ہماری نئی مالکہ کے متعلق بتاؤ؟"

میں نے انجان بن کر پوچھا۔ "نئی مالکہ؟ کس نئی مالکہ کی بات کر رہے ہو۔ کیا یہ فارم کسی خاتون نے خرید لیا ہے؟"

"فارم ہمارے ربی کا ہے۔ یہاں ان کی منہ بولی بیٹی رہنے کے لیے آرہی ہے۔ آپ تو کسی کا نام سن کر اس کا زائچہ تیار [ک]ر لیتے ہیں۔"

انھوں نے نام بتایا۔ میں نے کہا۔ "شیبا اچھا نام ہے۔ انگریزی حرف ایس سے شروع ہوتا ہے۔ ایس سے لکی سیون بھی ہوتا ہے اور آج سات تاریخ بھی ہے۔ اگر وہ رات بارہ بجے سے پہلے فارم میں داخل ہو جائے گی تو تم سب کے لیے اور خود اپنے لیے بھی خوش نصیبی لائے گی۔ رات بارہ بجے کے بعد آٹھ تاریخ شروع ہو جائے گی۔ اور یہ تاریخ بڑی ہنگامہ [خی]ز ہے۔"

ایک نے رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی چھ بج رہے ہیں۔ مادام شیبا رات نو بجے سے پہلے آجائیں گی۔ اُن کے لیے ڈنر کا اہتمام کیا گیا ہے۔"

"وہ تو آئیں گی۔ مگر کیا دشمن انھیں آرام سے آنے دیں گے؟"

دوسرے ماتحت نے رائفل کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "دشمن چوٹ کھا کر گئے ہیں۔ انتقامی کارروائی ضرور کریں گے۔ ہم بھی غافل نہیں ہیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔"

میں نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "انسان اپنی سی کوششیں کرتا ہے۔ تقدیر اپنا تماشا دکھا دیتی ہے۔ بس اتنا یاد رکھنا کہ وہ رات بارہ بجے سے پہلے فارم میں داخل ہو جائے۔ گڈ لک فار یو اینڈ فار یور گیسٹ لیڈی۔"

میں ڈرائیو کرتا ہوا اپنے کاٹیج تک آیا۔ میرے عقیدت مندوں کا بس چلتا تو مجھے صبح سے شام تک گھیرے رکھتے اور اپنی اپنی قسمت کا حال پوچھتے رہتے۔ نکی والٹسن نے صبح دس بجے سے بارہ بجے تک ملاقات کا وقت مقرر کیا تھا اس لیے مجھے ان سے نجات مل گئی۔ میں نے کاٹیج میں آکر دروازہ بند کرنا چاہا۔ ایک عورت برآمدے میں نظر آئی۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ اس نے کہا۔ "ماسٹر! میں نے سنا ہے میری چلی گئی ہے۔ اب تمھیں دوسری ملازمہ کی ضرورت ہوگی۔ تم میری بیٹی کو جانتے ہو۔ تم نے اس کی بدنصیبی کا حال وقت سے پہلے سنایا تھا۔ اب تک اس کے نصیب نہیں جاگے۔ شاید تمھاری خدمت کرتے کرتے تقدیر بدل جائے۔ اگر تمھیں اعتراض نہ ہو تو...."

"میرے گھر کا کام کوئی بھی کرے، اعتراض نہیں ہے۔ رات ہو چکی ہے۔ رینی کو لے جاؤ۔ صبح بھیج دینا۔"

میں نے اتنی دیر میں معلوم کر لیا تھا کہ اُس خاتون کی بیٹی کا نام رینی ہے۔ اس کی بدنصیبی کا حال فرصت میں معلوم کرسکتا تھا۔ جب وہ ماں بیٹی چلی گئیں تو میں نے کاٹیج کے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر پلٹ کر ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے بیڈ روم میں جانا چاہا مگر میرے قدم رک گئے۔ ڈرائنگ روم کے دوسرے دروازے کے پیچھے سے دھواں یوں نظر آرہا تھا جیسے کوئی سگریٹ پی رہا ہو۔ میں نے ڈپٹ کر پوچھا۔ "کون ہے...؟"

اُسی لمحے ڈرائنگ روم کا ایک صوفہ اچانک ہی فضا میں اُچھلا، پھر میرے قریب آکر گرا۔ میں دو قدم پیچھے چلا گیا۔ جہاں سے صوفہ اُچھلا تھا، وہاں ایک شخص قالین پر پلتھی مارے بیٹھا تھا۔ قہقہہ لگانے کے بعد کہہ رہا تھا۔ "نجومی! تیرے تو پر نکل آئے ہیں۔ تو نے لارڈ کیمرون سے چھیڑ کی۔ سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالا۔ اب کتنی سانسیں رہ گئی ہیں تیری؟"

دروازے کے پیچھے سے سگریٹ پینے والا نمودار ہوا۔ اس نے بھی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "دنیا کا ہر نجومی دوسروں کا حال بتاتا ہے، اُسے اپنے حال کا پتا نہیں ہوتا — چلو نہ سہی مگر عقل سے اتنا تو سمجھ سکتا تھا کہ لارڈ کیمرون اپنے دشمن کو چند گھنٹے بھی جینے کی مہلت نہیں دیتا۔"

میں نے پاس گرے ہوئے صوفے کو لات مار کر سیدھا کیا۔ پھر اس پر بیٹھتے ہوئے پوچھا "کیا تمہارے لارڈ نے میری پیشگوئی کے متعلق تمہیں کچھ نہیں بتایا؟"

دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر ایک نے پوچھا "کیسی پیشن گوئی؟"

"بھئی تھوڑی دیر پہلے میں نے کیمرون سے کہہ دیا تھا کہ آج رات آٹھ بجے سے پہلے میرے کاٹیج سے ایک شخص اندھا اور دوسرا لنگڑا ہو کر نکلے گا۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اپنے آدمی نہ بھیجنا مگر اس نے بھیج ہی دیے۔"

دروازے پر کھڑے ہوئے شخص نے میری پیشن گوئی کو تگڑی سی گالی دی۔ اس کے ساتھ ہی مجھ پر چھلانگ لگائی۔ میں صوفے سے پھسل کر قالین پر آیا۔ وہ صوفے پر پہنچا اور پھر اس کے ساتھ دوسری طرف اُلٹ گیا۔ دوسری طرف قالین پر بیٹھے ہوئے شخص نے یکبارگی اچھل کر جیسے فضا میں غوطہ لگایا، سیدھا مجھ پر آیا۔ مگر میں وہاں نہیں تھا۔ وہ اوندھے منہ گرا۔ جب وہاں سے پلٹا تو منہ پر زبردست ٹھوکر پڑی۔ وہ دہاڑتے ہوئے چاروں شانے چت ہو گیا۔ اس وقت تک دوسرا میرے مقابلے پر آ گیا تھا۔ میں نے پینترا بدلتے ہوئے کہا "میرے علم نے یہ نہیں بتایا کہ تم میں سے کون اندھا ہوگا اور کون لنگڑا؟"

وہ پھر پیشین گوئی کے خلاف کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہنے کی حسرت رہ گئی۔ اس کی ٹھوڑی پر گھونسا پڑا، منہ گھوم گیا۔ دوسرے گھونسے میں سیدھا ہو گیا۔ وہ دونوں تگڑے اور کسرتی جسم کے مالک تھے۔ لڑنا مرنا جانتے تھے مگر ہزار داؤ پیچ جاننے کے باوجود جھنجلانے اور غصے میں آنے والے فائٹر ہمیشہ مار کھاتے ہیں۔ اُن کے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔

وہ دو تھے، میں ایک تھا۔ مجھے بھی مار کھانا چاہیے تھا۔ یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ میں حملے سے پہلے ہی ان کے داؤ پیچ کو دماغوں میں گھس کر سمجھ لیتا تھا۔ جب انھوں نے مجھے ناقابلِ تسخیر پایا تو اپنے اپنے چاقو نکال لیے۔ میں نے ایک کے دماغ میں نامعلوم سی بے چینی پیدا کی۔ اس کے ساتھ ہی چاقو والے ہاتھ کو ٹھوکر ماری، چاقو ہاتھ سے نکل کر فضا میں اُچھلا، اُسے دوسرے ساتھی نے کیچ کر لیا۔ میں یہی چاہتا تھا۔ اُدھر میرے نے نہتے دشمن کو پیچھے سے جکڑ لیا۔ وہ میری سوچ کے مطابق بے نام سی جدوجہد کر رہا تھا۔

دوسرا دشمن دونوں ہاتھوں میں چاقو لیے ہوئے ہماری طرف بڑھتے ہوئے بولا "میرے ساتھی کو چھوڑ دو۔ تم اسے ڈھال بنا کر نہیں بچ سکو گے۔"

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ میں اُس کے دماغ پر لمحہ بھر کے لیے قابض ہوا۔ اس کے دونوں چاقو اپنے ہی ساتھی کے چہرے تک آئے۔ دوسرے ہی لمحے سے ایسی چیخیں گونجنے لگیں جیسے کسی کو ذبح کیا جا رہا ہو۔ میں نے جسے جکڑا تھا اسے چھوڑ دیا۔ اس کی دونوں آنکھیں لہو میں ڈوب گئی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بڑے کرب سے چیخ رہا تھا اور قالین پر گر کر تڑپ رہا تھا۔

دوسرے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نشانے کی غلطی کیسے ہو گئی۔ وہ چاقو سے مجھ پر حملہ کرنے آیا تھا۔ اور اپنے ساتھی پر حملہ کر بیٹھا تھا اور تو اور وہ حملہ پیشگوئی کے مطابق تھا۔ اُن میں سے ایک اندھا ہو چکا تھا۔

وہ کبھی اپنے ہاتھ میں چاقوؤں کو دیکھ رہا تھا کبھی تڑپتے ہوئے ساتھی سے نظریں چرا رہا تھا۔ میں نے کہا "احمق! ایک زمانہ میرے علم نجوم کو مانتا ہے۔ کیا تم پہلی بار برانڈ ٹیپ آئے ہو؟"

اس نے جلدی سے چاقو پھینک کر گھٹنے ٹیک دیے گڑگڑا کر بولا "میں مانتا ہوں۔ میں نے تمہارے عقیدت مندوں سے بہت کچھ سنا تھا۔ آج آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تم سچی پیشین گوئیاں کرتے ہو، میں مانتا ہوں۔"

"اب ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ مقدر میں جو لکھا تھا وہ ایک کے ساتھ پورا ہوا، دوسرے کے ساتھ بھی ہوگا۔ قدرت کبھی ادھورا کام نہیں کرتی۔"

"مم... مجھے معاف کر دو۔"

"معافی خدا سے مانگو۔ شاید تقدیر بدل جائے۔"

وہ خدا سے معافی مانگنے لگا۔ گڑگڑانے لگا۔ پھر اُس کے دماغ میں بات آئی کہ یہاں سے نکل بھاگنا چاہیے۔ اُس خیال کے ساتھ ہی اُس نے دوڑ لگائی۔ تیزی سے بھاگتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکلا۔ میں اُس کے دماغ میں تھا۔ میری مرضی کے مطابق اُس نے برآمدے میں ٹھوکر کھائی۔ وہاں اُچھل کر برآمدے کی سیڑھی پر ایک گھٹنے کے بل گرا۔ اُس کے حلق سے چیخ نکلی۔ گھٹنا جیسے تڑخ گیا تھا۔ وہ تکلیف کے باوجود چیختا ہوا زمین پر سے اٹھا۔ نہیں نہیں، میں لنگڑا نہیں

سکتا۔ میں لنگڑا نہیں ہوں۔"

اُس نے آزمائش کے طور پر وہ پاؤں زمین پر رکھا۔ پھر درد کی شدت سے چیخ مار کر ایک پاؤں سے لنگڑاتا ہوا گول گھوم گیا۔ اس گھومنے کے دوران میں نے اس کے زخمی گھٹنے کو اسپورٹس کار سے ٹکرا دیا۔ رہی سہی کسر پوری ہو گئی۔ میرا کاٹیج برانڈ شہر کے جس علاقے میں تھا، وہاں دور دور کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود میرے دشمنوں کی چیخ و پکار لوگوں کو کھینچ لائی تھی۔ سب پوچھ رہے تھے "کیا ہو گیا؟ آخر کیا ماجرا ہے؟"

اور جب لوگوں نے ماجرا سنا تو دونوں کو ملامت کرنے لگے۔ سبھی کی متفقہ رائے تھی کہ مجھ سے دشمنی کرنے والا جہنم میں جاتا ہے یا پھر اس دنیا کو اپنے لیے جہنم بنا لیتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ لوگوں نے ان دونوں کو پولیس اسٹیشن پہنچا دیا۔ پولیس والے بھی الیکی والٹسن کی بے حد عزت کرتے تھے۔ میرا ایک مختصر سا تحریری بیان کافی تھا۔ میں نے لوگوں کا شکریہ ادا کیا پھر کاٹیج کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

پہلی بار سوچ کر کاٹیج میں آیا تھا کہ خیال خوانی کروں گا مگر دشمنوں نے اتنا وقت برباد کر دیا۔ میں نے سب سے پہلے شیخ الفارس سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے بتایا کہ سونیا وغیرہ کی تلاش جاری ہے۔ مرجانہ نے موت سے پہلے جو بیان دیا تھا، اس کی روشنی میں ایسے بھائی بہن کو بھی تلاش کیا جا رہا تھا جو ہم شکل تھے اور بہن کے دائیں ہاتھ میں ساڑھے چار انگلیاں تھیں۔ اُن کے ذریعے ایسے خفیہ اڈے تک پہنچا جا سکتا تھا، جہاں سونیا، رسونتی اور راعلیٰ بی بی کو کوما میں رکھا گیا تھا۔

شیخ الفارس نے انھیں تلاش کرنے کے سلسلے میں تمام رپورٹ سنانے کے بعد کہا "میرا مشورہ کبھی نہ بھولنا، عملی طور پر زندہ دلی کا ثبوت دیتے رہو۔ تمام صدمات کو دھواں دھواں کر دو۔ اور زندہ رہو، زندہ رہو گے تو بچھڑنے والوں کو ایک دن پا سکو گے۔"

میری آنکھوں کے سامنے سونیا، رسونتی اور راعلیٰ بی بی کی صورتیں گھومتی رہتی تھیں۔ انھیں بھلانا آسان نہیں تھا۔ میں نے خود کو بہلانے کے لیے خیال خوانی کی پرواز کی اور کیمرون ڈی مورا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بیس میل پیدل چلنے کے بعد اپنے فارم میں پہنچ گیا تھا۔ اب گرم پانی میں دونوں پاؤں ڈبوئے بیٹھا ہوا تھا۔

پتا چلا اس نے ایک میل پیدل چلنے کے بعد اپنے ٹارزن ٹیرر کے کاندھے پر سوار ہونا چاہا تھا۔ اسی وقت پھر کہیں سے لائرنگ ہوئی کسی نے کہا "ہم ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ مسٹر کیمرون! تمہارے غلاموں کا کاندھا بھی تمہیں نصیب نہیں ہوگا۔"

اُسے مجبوراً پیدل چلنا پڑا۔ وہ تمام راستے دور دور تک نظریں دوڑاتا رہا۔ کبھی اُسے ربی کے آدمی نظر آتے تھے، کبھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔ بہرحال زندگی میں پہلی بار میلوں پیدل چلنے کے بعد وہ گرم پانی میں پاؤں ڈبوئے بیٹھا ہوا تھا۔ غصے سے بڑبڑا رہا تھا۔ قسمیں کھا رہا تھا کہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس مقصد کے لیے اس کے دو آدمی میرے کاٹیج میں آ چکے تھے۔

اُسے یقین تھا کہ میرا کام تمام ہو جائے گا۔ میری طرف سے مطمئن ہو کر وہ اس مہمان کا راستہ روکنا چاہتا تھا جو ربی کے فارم میں پہنچنے والا تھا۔ ایک مخبر نے آکر رپورٹ دی "مائی لارڈ! وہ مہمان کوئی مرد نہیں، عورت ہے۔ بلکہ نوخیز حسینہ ہے۔ اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے فلائنگ کلب میں اس کا نام اور دوسری تفصیلات پہنچ گئی ہیں۔ انٹیلی جنس کے ایک آدمی نے بتایا ہے اس لڑکی کا نام شیبا ہے۔ ربی اسفندیار نے اُسے بیٹی بنا لیا ہے۔ شاید یہاں کا تمام فارم اُس کے نام کرنے والے ہیں۔"

کیمرون نے تلخی سے مسکراتے ہوئے کہا "ربی نے اُسے بیٹی بنایا ہے تو پھر مجھے داماد تسلیم کرے گا۔ اُسے فارم تک پہنچنے مت دو، گھیر کر میرے پاس لے آؤ۔"

میں نے کیمرون کے دماغ کو گہرائی تک پڑھا، آخر وہ ربی اسفندیار کا فارم حاصل کیوں کرنا چاہتا تھا۔ پتا چلا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہوسِ زر کی بات ہے، وہ اپنی جاگیر بڑھانا چاہتا ہے۔ وہاں کا سب سے بڑا جاگیردار کہلانا چاہتا ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے، وہ لوگوں کے حواس پر دہشت بن کر چھائے رہنا چاہتے ہیں۔

میں شیبا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک مخصوص طیارے میں سفر کر رہی تھی۔ اور اب آئلس آف مین کے ایئرپورٹ تک پہنچنے والی تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی، نو بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ برانڈ ٹاؤن سے ایئرپورٹ تقریباً ستر میل کے فاصلے پر تھا۔ درمیان میں کیمرون ڈی مورا کا فارم تھا۔ ایئرپورٹ کا راستہ اُس کی جاگیر کے قریب سے گزرتا تھا۔ کیمرون کے آدمیوں نے اُس راستے کی ناکہ بندی کر لی تھی۔ دوسری طرف ربی کے مسلح جوان ہر طرح سے چاق و چوبند تھے۔

ایئرپورٹ کے پارکنگ ایریا میں شیبا کے لیے ایک رولس رائس کار موجود تھی۔ اس نے سرخ رنگ کے لباس پر زرد رنگ کے فر کا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ میں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہا تھا، اس کے ماتحتوں کے ذریعے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ غضب کی حسینہ ہے۔ چہرے پر غضب کی سنجیدگی نے اس کے حسن کو اور غضبناک بنا دیا ہے۔ وہ سب فوجی انداز میں الرٹ ہو کر

سلام کر رہے تھے جیسے وہ کسی ملک کی شہزادی ہو۔ ویسے وہ ایسی غضبناک نہیں تھی۔ جیسے نظر آ رہی تھی۔ دراصل اسے اپنی ماما سے دور ہونے کا صدمہ بھی تھا۔ اور غصّہ بھی آ رہا تھا کہ وہ خود اتنی مجبور کیوں ہے۔ ان حالات میں اس کی خاموشی اور سنجیدگی نے ماتحتوں پر رعب اور دبدبہ طاری کر رکھا تھا۔

وہ ایک شانِ بے نیازی سے کار کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ ربی اسفندیار کے سامنے جان بوجھ کر اپنی ماں کو بھول جاتی ہے۔ اس نے تنویمی عمل کے دوران ربی سے وعدہ کیا تھا کہ ماما کے رشتے اور اس کی محبت کو برائے نام یاد رکھے گی، اور اپنی ماما کو اپنے ساتھ لے جانے کا خیال تک دل میں نہیں لائے گی۔

اب ربی سے دور ہو کر وہ صرف ماما کو یاد کر رہی تھی۔ سوچ رہی تھی: "خدا کرے حالات ایسے بدل جائیں کہ ماما خود بخود پاس آجائے۔"

مجھے علّامہ اقبال کا ایک نصیحت آمیز شعر یاد آیا۔ میں اس کے دماغ میں وہ شعر پڑھتا تو اوّل اردو زبان اس کی سمجھ میں نہ آتی۔ دوم وہ شبہے میں مبتلا ہو جاتی۔ میں نے اس کی سوچ میں ترجمہ پیش کیا: "خدا اس قوم کی یا اس فرد کی حالت نہیں بدلتا، جس کے اندر خود کو بدلنے یا اپنے اندر..... انقلاب پیدا کرنے کا جذبہ نہ ہو۔"

جواباً اس کی سوچ نے کہا: "میری سمجھ میں نہیں آتا، میں خود کو کیسے بدل سکتی ہوں؟"

میں نے کہا: "خدا کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے اور میں نے عقیدت سے ربی اسفندیار کا بُت تراش لیا ہے۔ نادانستگی میں ربی کو پوجتی ہوں۔ ان سے ڈرتی ہوں جس دن یہ ڈر میرے دل سے نکلے گا، ربی کا بُت پاش پاش ہو گا۔ اور میں تدابیر سوچنے اور ان پر عمل کرنے کے قابل ہو جاؤں گی اور وہ دن میری پیاری ماما سے قریب ہونے کا دن ہو گا۔"

اس نے چونک کر سوچا: "اوہ خدایا! میرے اندر یہ خیالات ایسے پیدا ہو رہے ہیں جیسے کوئی بہکا رہا ہو۔ کیا میں اپنے ربی کے خلاف کوئی تدبیر سوچ سکتی ہوں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ محترم ہیں، بزرگ ہیں، مذہبی پیشوا ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا: "لعنت ہے، حد سے بڑھی ہوئی عقیدت انسان کو خبطی اور بزدل بنا دیتی ہے۔"

میں بھی ایک ضدی ہوں۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ شیبا کے عقیدت مندانہ بُت کو رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقے سے چکنا چور کر کے رہوں گا۔ میں نے شیخ الفارس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "جناب! میں شیبا کی ماما کو تل ابیب سے نکالنا چاہتا ہوں۔"

انھوں نے ذرا سوچنے کے بعد کہا: "ہمارے تقریباً ڈھائی سو ذہین اور تجربے کار افراد سونیا وغیرہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ویسے تو ادارے میں بے شمار طلبا اور طالبات ہیں مگر وہ ٹریننگ کے مراحل سے گزر رہے ہیں، انھیں عملی طور پر اسرائیل نہیں بھیجا جا سکتا۔"

"جناب! اگر میں اس کی ماما کو اسرائیل سے نکلنے پر مجبور کر دوں تو آپ اس خاتون کو کہیں چھپا کر رکھ سکیں گے؟"

"کیوں نہیں، ایسی صورت میں خاتون کو یوں غائب کیا جائے گا کہ کوئی اس کے سائے تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"اچھی بات ہے، جب بھی اسے تل ابیب سے نکالوں گا، اس سے پہلے آپ کو اطلاع دوں گا۔"

میں شیبا کے پاس آیا۔ وہ کار میں بیٹھی آرام سے سفر کر رہی تھی۔ کار کے آگے دو موٹر سائیکل پر مسلح جوان تھے۔ موٹر سائیکلوں کے آگے اور کار کے پیچھے چار چار گھوڑوں پر کاؤبوائز ٹائپ کے رائفل بردار محافظ تھے۔ میں نے کاٹیج سے نکل کر اسے لاک کیا، اپنی اسپورٹنگ کار سنبھالی پھر اُس طرف چل پڑا جہاں کیمرون کے مسلح غنڈوں نے راستے کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی۔

رولس رائس کار کی اگلی سیٹ پر بھی ڈرائیور اور باڈی گارڈ پوری طرح مسلح تھے۔ باڈی گارڈ نے رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا: "دس بج کر چالیس منٹ ہوئے ہیں۔ ہم بارہ بجے سے پہلے ہی فارم میں پہنچ جائیں گے۔"

شیبا نے پوچھا: "کیوں؟ بارہ بجے کوئی خاص بات ہے؟"

"جی ہاں، ماسٹر لکی نے کہا ہے، آج بارہ بجے سات تاریخ بدل جائے گی۔ آٹھ تاریخ شروع ہونے سے پہلے آپ کو فارم میں پہنچ جانا چاہیے۔"

"ورنہ کیا ہو گا؟"

"آپ کو اور ہم سب کو ہنگامہ خیز صورت حال کا سامنا کرنا ہو گا۔"

شیبا نے سوچتے ہوئے کہا: "محترم ربی نے لکی واٹسن کا ذکر کیا تھا۔ وہ علمِ نجوم اور قیافہ شناسی میں غیر معمولی صلاحیت کا مالک ہے بیشتر درست پیشین گوئیاں کرتا ہے۔ میرے بزرگ نے کہا تھا، وہ صاف گو اور قابلِ اعتماد ہے، میں اس پر بھروسا کر سکتی ہوں!"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "وہ قابلِ اعتماد ہے یا نہیں، میں خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر سکتی ہوں۔"

وہ سوچنے لگی: "خیال خوانی شاید کام نہ آئے۔ ربی کہ رہے تھے دو برس پہلے انھوں نے لکی کو یوگا کی مشقیں کرتے دیکھا تھا۔ اس کے روبرو پتا چلے گا کہ اس کے دماغ کے دروازے دستک کے بغیر کھل سکتے ہیں یا نہیں؟"

وہ روبرو میرا امتحان لینے والی تھی۔ اور بڑے انتظار کے بعد تقدیر ہمیں ایک دوسرے کے سامنے لا رہی تھی، اسی وقت دور کہیں سے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ میں نے کار کی رفتار سست کر دی۔ وہ جگہ زیادہ دور نہیں تھی جہاں کیمرون کے آدمیوں نے محاذ بنا رکھا تھا۔ میں نے ٹارزن نما ٹیرر کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، اس کے علاوہ بیس آدمی اور تھے اُن میں سے دو دو آدمی سڑک کے اطراف ذرا دور ٹیلوں کے پیچھے سے شیبا کی کار کی جانب فائرنگ کر رہے تھے۔ جوابی فائرنگ بھی ہو رہی تھی۔ شیبا کا قافلہ تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ ٹیرر چاہتا تھا وہ اسی طرف آگے بڑھتے رہیں۔ کیوں کہ آگے اُس کے مسلح جوان خاصی تعداد میں تھے، وہ اس قافلے کو چاروں طرف سے گھیر کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر سکتے تھے۔

میں نے اسپورٹنگ کار کو سڑک کے کنارے ذرا دور ایک درخت کے سائے میں پہنچا دیا، اسے لاک کیا پھر دوڑنے کے انداز میں تیزی سے اُدھر جانے لگا جدھر ٹیرر کے بیس آدمیوں میں سے چار آدمی آخری زبردست محاذ بنائے ہوئے تھے۔ ٹیرر اُن چار آدمیوں کے قریب نہیں تھا۔ ورنہ اس کے ذریعے میں کسی کے دماغ میں پہنچ جاتا۔ فی الحال ٹیرر کے دماغ نے اس کے سامنے دور تک پھیلے ہوئے محاذ کا نقشہ پیش کر دیا تھا۔

ابھی اس آخری محاذ پر خاموشی تھی۔ وہاں سے پتا نہیں کتنی دور شیبا کے قافلے سے فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ جب وہ قافلہ ادھر آتا تب آخری محاذ سے فائرنگ کھولی جا سکتی تھی اچانک میرے قدم رک گئے۔ میں ہری بھری گھاس پر اوندھے منہ گر پڑا۔ کوئی پوچھ رہا تھا: "کون ہے یہاں؟"

میں خاموش پڑا رہا۔ مگر سوال کرنے والے کے دماغ میں پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک بڑے سے درخت کے تنے سے لگ کر کھڑا ہوا تھا۔ محتاط انداز میں رائفل سنبھالے ادھر دیکھ رہا تھا جدھر میں اونچی اونچی گھاس کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ دوسرے درخت کے پاس کھڑے ہوئے شخص نے کہا: "جیڈ! کوئی نہیں ہے۔ سڑک کی طرف دھیان دو۔ گاڑیوں اور گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دے رہی ہیں۔ وہ قافلہ قریب آ رہا ہے۔"

جیڈ نے گھوم کر سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "آخر ہمارے آدمی اُس قافلے کو اب تک کیوں نہ روک سکے؟ سیدھی سی بات ہے، گاڑی کے پہیے کو ایک گولی سے بیکار کیا جا سکتا ہے۔"

"بعض اوقات سیدھی سی بات پر عمل ممکن نہیں ہوتا۔ بھاگتی ہوئی گاڑی کے پہیے پر فائر کرنا اتنا آسان بھی نہیں ہے اور وہ بھی رات کے وقت۔"

میں ان کی باتوں کے دوران گھاس پر رینگنے لگا۔ جیڈ نے پھر چونک کر دیکھا۔ اور کہا: "میرے کان دھوکا نہیں کھا سکتے۔ کوئی ہے یقیناً کوئی ہے۔"

میں اسے نظر نہیں آ رہا تھا مگر اس نے اندازے سے رائفل میری طرف سیدھی کر لی تھی۔ میں نے اس کے ساتھی کے دماغ پر قابض ہو کر کہا: "گدھے کے بچّے! تیری ڈیوٹی سڑک کی طرف ہے تو اُدھر کیا اپنی بہن کو دیکھ رہا ہے!"

جیڈ نے غصّے سے کہا: "میں تیری بہن کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک دن رینی کو زبردستی اٹھا کر لے جاؤں گا۔"

"اپنی بہن کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی تجھے گولی مار دوں گا۔"

جیڈ نے ہنستے ہوئے کہا: "دونوں کے پاس رائفلیں ہیں۔ کون جانے کس کی گولی کس کا کام تمام کرے گی۔ کیوں نہ ہم رائفل ایک طرف رکھ کر مردوں کی طرح دو دو ہاتھ کریں۔ اگر میں جیت گیا تو رینی میری ہو جائے گی۔"

رینی کے بھائی نے غیرت میں آکر جیڈ پر چھلانگ لگائی۔ اس کے ساتھ ہی وہ مردوں کی طرح دو دو ہاتھ کرنے لگے۔ میں اٹھ کر گھاس پر بیٹھ گیا۔ ان کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ رینی وہی لڑکی ہے جو ماں کے ساتھ میرے کاٹیج میں آئی تھی۔ اور ملازمہ کی طرح میرے گھر کا کام کرنا چاہتی تھی۔ کیمرون کے فارم سے تعلق رکھنے والے بھائی کی بہن میرے ہاں ملازمہ کیوں بننے آئی؟ یہ بات اب واضح ہو رہی تھی۔

جیڈ لڑتے ہوئے کہہ رہا تھا: "بڑا غیرت مند بنتا ہے۔ آج دوپہر کو جب لارڈ کیمرون نے تجھے حکم دیا کہ تیری بہن نجومی کے ہاں کام کرے گی۔ اور اس نجومی کو ذریعہ بنا کر ربی کے فارم میں نئے مہمان تک پہنچے گی تو تیری غیرت کو کیا ہوا تھا۔ کیا رینی اس نجومی کے کاٹیج میں عزت آبرو سے رہ سکتی تھی؟"

وہ دونوں لڑتے جا رہے تھے، بولتے جا رہے تھے اور میری معلومات کا ذریعہ بنتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف شیبا کی کار کا پہیّہ برسٹ ہو گیا تھا۔ قافلہ ایک جگہ رک گیا تھا۔ وہ دو سیٹوں کے درمیان دبک گئی تھی ۔۔ تاکہ اندھی گولیوں سے محفوظ رہ سکے۔ ویسے اس کے محافظ جی جان سے دشمنوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ انھیں کار کے قریب آنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔

شیبا چُپ چاپ دبکی ہوئی اس انتظار میں تھی کہ کسی

دشمن کی آواز سنائی دے اور وہ اس کے دماغ میں پہنچ جائے۔ مجھے بھی اطمینان تھا۔ جب بھی ٹیرر فتحیاب ہو کر اُس کے پاس آئے گا، ٹیلی پیتھی کے چکر میں پڑ جائے گا۔

میں گھاس پر سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دو توں لڑتے لڑتے تھک گئے۔ میں نے بزرگانہ انداز میں پچکارتے ہوئے کہا: "دو کتے لڑتے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔ پھر شروع ہو جاؤ۔"

جیڈ غراتا ہوا میری طرف بڑھا۔ میں نے رینی کے بھائی کی ٹانگ آگے بڑھا دی۔ وہ الجھ کر اوندھے منہ گرا۔ پلک جھپکتے ہی اچھل کر کھڑا ہوا پھر پلٹ کر رینی کے بھائی کو گالیاں دیتا ہوا گتھم گتھا ہو گیا۔ میں نے ایک کو رائفل اٹھانے اور اسے نال کی طرف سے پکڑ کر حملہ کرنے پر مجبور کیا۔ دوسرے نے بھی اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اپنی رائفل کو نال کی طرف سے تھام لیا۔ ان کی لڑائی خطرناک مرحلے میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ لہولہان ہو رہے تھے۔ سڑک کے دوسری طرف ان کے دو ساتھیوں نے محاذ بنایا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نے چیخ کر پوچھا "وہاں کیا ہو رہا ہے؟ جیڈ کیا بات ہے؟"

رینی کے بھائی کی آخری چیخ سنائی دی۔ رائفل کے کندے سے اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ جیڈ نے اس رائفل کو میری جانب سیدھا کیا۔ وہ فائر کرنے کے بعد دوسرے ساتھیوں کو یہاں کی سچویشن بتانا چاہتا تھا لیکن وہ مجھ پر فائر نہ کر سکا۔ اس کی انگلی ٹرائیگر تک پہنچتے پہنچتے رک جاتی تھی۔ میں نے پاس آکر اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "یار کیوں تکلیف کرتے ہو۔ صرف انگلی سے کام نہیں چلے گا۔ میں طریقہ بتاتا ہوں۔"

وہ مجھ پر حملہ کرنے کے لیے پینترا بدلنا چاہتا تھا مگر ہل کر رہ گیا۔ اس سے زیادہ حرکت نہ کر سکا۔ میں نے کہا: "یہ رائفل اس وقت تک نہیں چلے گی جب تک تم سر نیچے اور ٹانگیں اوپر نہیں کرو گے۔"

وہ ایسا کبھی نہ کرتا۔ میں نے مجبور کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کیے ہوئے تھا۔ اس حالت میں اس کی انگلی ٹرائیگر پر گئی پھر ایک فائر ہوا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی سڑک کے دوسری طرف سے ایک ساتھی نے غصے سے کہا: "یو نان سنس! تم ہم پر گولی چلا رہے ہو؟"

جیڈ فوراً ہی سنبھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اچانک مجھ پر فائر کرنے کی کوشش کی۔ مگر انگلی ٹریگر پر پہنچنے سے انکار کر رہی تھی۔ میں نے پھر اس کے شانے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "بڑے واہیات ہو۔ طریقہ بتانے پر بھی عقل نہیں آئی۔ اب سنو میرا علم کیا کہتا ہے؟ کہتا ہے تم یہاں سے دوڑتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف جاؤ گے اور وہ تمھیں دشمن سمجھ کر گولی مار دیں گے۔"

"نہیں۔" وہ پریشان ہو کر بولا۔

"تمھارے انکار کرنے سے تقدیر نہیں بدل سکتی۔ کیا میری پیشن گوئی غلط ہوتی ہے؟"

اُس نے سر ہلا کر کہا: "نہیں نہیں۔ غلط نہیں ہوتی۔ کبھی غلط نہیں ہوتی۔ مم... مگر میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"موت اگر مرنے والے کی مرضی دیکھے تو کبھی نہ آئے۔ گر وہ نہیں دیکھتی۔ اندھی ہوتی ہے۔ یہ دیکھو، ہاں دیکھو دیکھو تمھاری زندگی کا آخری لمحہ آ ہی گیا۔"

ایسا کہتے ہی وہ بے اختیار پلٹ کر سڑک کی طرف بھاگنے لگا۔ وہ دوسری طرف اپنے ساتھیوں کی پناہ میں جانا چاہتا تھا مگر پناہ مانگنے والے فائر نہیں کرتے۔ وہ اپنی مرضی کے خلاف اپنی رائفل سے فائر کرتا جا رہا تھا۔ ایک ساتھی نے وارننگ دی: "جیڈ! پاگل پن سے باز آ جاؤ۔"

دوسرے نے کہا: "وہ جیڈ نظر آ رہا ہے۔ مگر کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے۔"

پہلے ساتھی نے تاکید کی: "ہاں جیڈ پاگل نہیں ہے۔ وہ بھلا ہماری طرف فائرنگ کیوں کرے گا۔ مگر ہم باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ وہ ہمارے سروں پر پہنچ جائے گا۔"

یہ فیصلہ ہوتے ہی دونوں ساتھیوں نے جوابی فائرنگ کی۔ جیڈ کے ہاتھ سے پہلے رائفل چھوٹی، پھر قدم اُکھڑے، اس کے بعد وہ گھاس پر لڑھکتا ہوا سڑک کے کنارے پہنچ کر ٹھنڈا پڑ گیا۔

میں نے شیبا کے پاس پہنچ کر دیکھا، وہاں گہرا سناٹا تھا۔ وہ کان لگائے کسی کی آہٹ، کسی کی آواز سننا چاہتی تھی۔ گہری خاموشی بتا رہی تھی کہ اس کے تمام محافظ کام آ گئے ہیں۔ کوئی اس کی حفاظت کے لیے زندہ نہیں ہے۔ دشمن بھی چپ تھے مگر وقفے وقفے سے کار کی طرف ایک آدھ فائر کرتے تھے۔ آخر ٹیرر کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا، اگر کوئی زندہ ہے تو ہم اُسے زندہ چھوڑ دیں گے۔ بشرطیکہ وہ اپنی مہمان کو چھوڑ کر چلا جائے۔"

وہ جواب سننے کے لیے چپ ہوا مگر جواب نہیں ملا۔ اس نے ایک ماتحت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "شوکی! تم گاڑی کی طرف جاؤ۔"

شوکی نے سہمے ہوئے انداز میں کہا: "مسٹر ٹیرر! مجھے قربانی کا بکرا کیوں بنا رہے ہو۔ اُس مہمان لڑکی کو حکم دو۔ وہ کار سے خود باہر آئے گی۔"

یہ مشورہ معقول تھا۔ ٹیرر کو مان لینا چاہیے تھا مگر شیبا اس کے دماغ میں پہنچ گئی تھی۔ اسے غصہ دلا رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: "شوکی! میں تمھارا لیڈر ہوں۔ میرے حکم کی تعمیل کرو۔"

شیبا نے اس کے دماغ سے شوکی کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ وہ کہنے لگا: "تم لیڈر نہیں گیدڑ ہو۔ خود پیچھے رہتے ہو اور ہمیں مرنے کے لیے آگے کرتے ہو۔ شیر نر ہو تو میرے ساتھ گاڑی کی طرف چلو۔"

وہاں ٹیرر اور شوکی کے علاوہ اور تین مسلح جوان تھے۔ وہ شوکی کی حمایت کرنے لگے۔ ٹیرر نے مجبور ہو کر شیبا کو حکم دیا: "اے لڑکی! تم زندہ رہنا چاہتی ہو تو دونوں ہاتھ اٹھا کر ہمارے پاس آ جاؤ۔"

اس دوران میں گھنی گھاس کے درمیان رینگتا ہوا شیبا کی طرف آنا چاہتا تھا۔ وہ مجھ سے کافی دور تھی۔ میں دوڑ نہیں سکتا تھا کیوں کہ آخری محاذ پر سڑک کے دوسری طرف دو دشمن موجود تھے۔ اس سے پہلے کہ میں انھیں ٹھکانے لگاتا ان میں سے ایک نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اور مسلح جوان طلب کر لیے تھے۔ وہ آخری محاذ خالی ہونے والا نہیں تھا۔

بہت دور رینگتے رہنے کے بعد میں نے اُٹھ کر دوڑ لگائی۔ مجھے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ میں نے ٹیرر کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ اس نے بے اختیار اپنے ایک ماتحت پر گولی چلا دی تھی۔ یہ شیبا کا کھیل تھا۔ شوکی نے جواباً ٹیرر کے ہاتھ پر گولی ماری۔ رائفل نیچے گری پھر سب کے سب ٹیرر پر پل پڑے۔ وہ پوچھنا چاہتے تھے کہ اس نے اپنے ایک ماتحت کو خواہ مخواہ گولی کیوں ماری؟ مگر یہ پوچھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ٹیرر واقعی ٹارزن تھا۔ جسمانی قوت کے لحاظ سے تین ماتحتوں پر بھاری پڑ رہا تھا۔

میں کبھی دوڑ رہا تھا، کبھی تیزی سے چل رہا تھا۔ شیبا دوسری طرف کار کا دروازہ چپکے سے کھول کر باہر آ گئی تھی۔ وہ گھوڑے بھاگ گئے تھے جن پر اس کے محافظ سوار تھے اور اب مر چکے تھے۔ دو موٹر سائیکلیں سڑک کے کنارے پڑی ہوئی تھیں۔ شیبا نے گھڑ سواری اور ڈرائیونگ سیکھی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی ایک موٹر سائیکل کے پاس پہنچ گئی۔ اُسے اٹھا کر اسٹارٹ کرنا شروع کیا۔ جتنی دیر میں وہ اسٹارٹ ہوئی، اتنی دیر میں ٹیرر سامنے پہنچ گیا۔ ہنستے ہوئے بولا: "یہ حسن، یہ نوخیزی، کیا بلاخیزی ہے۔ یہ موٹر سائیکل تمھیں لارڈ کیمرون کی خواب گاہ میں لے جائے گی۔"

وہ دماغی جھٹکا پہنچانا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی میں پہنچ گیا۔ فضا میں اچھلتے ہی ٹیرر کے سینے پر ایک لات رسید کی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دور جا کر گرا۔ اس کے ماتحتوں کو عقل آ گئی تھی کہ آپس میں لڑنا نہیں چاہیے۔ ان میں سے ایک نے مجھ پر حملہ کیا۔ دوسرے نے رائفل سیدھی کی۔ شیبا نے اس رائفل سے تیسرے کو نشانہ بنا دیا۔ جو مجھ پر حملہ کرنے آیا تھا، وہ مار کھا کر پیچھے گیا۔ پھر وہ بھی گولی کا نشانہ بن گیا۔ ٹیرر نے غصے سے کہا: "شوکی! تمھارا دماغ چل گیا ہے، اپنے ہی ساتھیوں کو گولی مار رہے ہو؟"

میں ٹیرر جیسے ٹارزن سے اچھی طرح مقابلہ کیے بغیر اُسے مرنے نہ دیتا۔ مگر میں شیبا کے سامنے مجبور تھا۔ خیال خوانی کے ذریعے شیبا کو من مانی سے روکتا تو میری اصلیت ظاہر ہو جاتی۔ میں خاموش تماشائی بنا رہا۔ ادھر شیبا نے شوکی کے ذریعے ٹیرر کو گولی مار دی۔ وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے شوکی کو خودکشی کے لیے مجبور کر دیا۔ میدان صاف ہو گیا۔

میں نے حیرانی کا اظہار کیا۔ مرنے والوں کو تعجب سے دیکھتے ہوئے پوچھا: "یہ، یہ کیا طلسم ہے۔ ایک آدمی نے اپنے تمام آدمیوں کو ہلاک کیا پھر خودکشی کر لی۔"

میرے سوال کے جواب میں وہ مسکراتی ہوئی میرے دماغ میں آئی۔ میں نے سانس روک کر سر کو تھام لیا۔ پریشان ہو کر کہنے لگا۔ "یہ... یہ ابھی مجھے کیا ہوا تھا؟"

اس نے انجان بن کر پوچھا: "کیا ہوا تھا؟"

"میں نے ایک ساعت کے لیے بے چینی محسوس کی تھی۔ پھر بے اختیار سانس روک لی۔"

اس نے پھر سوال کیا: "کیا ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے؟"

"پچھلے دو برس سے یوگا کی مشق کر رہا ہوں۔ کوئی غیر معمولی بات ہوتی ہے تو میری چھٹی حس مجھے چونکا دیتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، ابھی غیر معمولی بات کیا ہوئی تھی ــــ ویسے میرا علم کہتا ہے، تم ایک غیر معمولی لڑکی ہو۔"

"میں تمہاری باتوں سے سمجھ گئی، تم لکی واٹسن ہو۔"

"کمال ہے، کیسے سمجھ گئیں؟"

"میرے بزرگ، محترم ربّی اسفندیار نے تمہارا ذکر کیا تھا۔ مجھے یقین ہے تم فارم تک میری راہنمائی کرو گے۔"

"ضرور کروں گا لیکن آگے بھی دشمنوں نے محاذ بنا رکھا ہے۔ میں اُن سے ذرا فاصلے پر گھاس پر رینگتا آیا ہوں، وہ دو تھے مگر ٹرانسمیٹر کے ذریعے مزید مسلح ساتھیوں کو طلب کر رہے تھے۔"

"کیا فارم تک جانے کا دوسرا راستہ ہے؟"

"کیا تم مشکل حالات میں پورے اعتماد سے موٹر سائیکل چلا سکتی ہو؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ پہلی بار چار دیواری سے نکلی ہوں۔ مجھے مہماتی زندگی کا تجربہ نہیں ہے۔"

میں نے موٹر سائیکل کو سنبھالتے ہوئے کہا "پیچھے بیٹھو، میں ڈرائیو کروں گا۔"

وہ موٹر سائیکل سے اُتر کر ذرا دور ہو گئی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی: "مجھے افسوس ہے، میری ماما اور محترم ربّی کے سوا کوئی میرے قریب نہ بیٹھ سکتا ہے، نہ مجھے چھو سکتا ہے۔"

"کیا تم آگ ہو؟"

"طنز نہ کرو، یہ میرا مزاج ہے۔ میں کسی کی قربت برداشت نہیں کر سکتی۔"

میں نے موٹر سائیکل چھوڑ دی، وہ گر پڑی۔ پھر میں نے کہا: "اسے اٹھاؤ اور خود ڈرائیو کرو۔ میں بھی سوسائٹی میں اونچا مقام رکھتا ہوں۔ تم سے کسی طرح کمتر نہیں ہوں۔ اس لمحے سے تمہیں کمتر سمجھتا ہوں اور تمہیں اپنے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں سمجھتا۔"

اس نے توہین محسوس کی۔ گلابی ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ اس کے جی میں آیا مجھے دماغی جھٹکا پہنچائے۔ مگر مجبوری تھی۔ خواہ مخواہ اپنی غیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پھر میں یوگا کا مظاہرہ کر چکا تھا اور آخری بات یہ کہ وہ اجنبی جگہ بالکل تنہا تھی۔ ایک راہنما چاہیے تھا۔ اس نے غصّے کو برداشت کرتے ہوئے کہا: "مسٹر لکی! تمہارا علم جھوٹ نہیں کہتا۔ میں ایک غیر معمولی لڑکی ہوں مگر کیا ہوں، یہ کبھی جان نہیں سکو گے۔ تمہیں پہلی اور آخری بار سمجھاتی ہوں، آئندہ کبھی مجھے کمتر کہا یا سمجھا تو پھر ساری زندگی کچھ سمجھنے کے قابل نہیں رہو گے۔"

میں نے دوسری موٹر سائیکل کو اٹھاتے ہوئے کہا: "واہ کیا انداز ہیں، کیا دھمکی ہے، کیا دھماکا ہو۔ مارنا ہی چاہتی ہو تو نظر بھر کے دیکھو، پٹ سے مر جاؤں گا اور نہ مرنا چاہوں تو تمہارے فرشتے بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یقین نہ ہو تو اپنے ربّی سے میرے متعلق اور معلومات حاصل کر لینا۔"

"مجھے معلوم ہے، تم نے اپنی کتابِ زندگی پڑھ لی ہے۔ تمہیں یقین ہے، ابھی نہیں مرو گے۔ اور نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ گے۔ اسی غرور میں بھول گئے ہو کہ کاتبِ تقدیر تمہاری کتابِ زندگی.... کی تحریر چشمِ زدن میں بدل سکتا ہے۔"

"میں نے کاتبِ تقدیر سے التجا کی ہے کہ کسی خوبصورت بلا کے حوالے سے موت نہ آئے۔ باقی اللہ مالک ہے۔ میں جا رہا ہوں، آنا چاہو تو پیچھے پیچھے چلی آؤ۔ اپنے فارم تک پہنچ جاؤ گی۔"

میں نے ذرا وقت ضائع کر کے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تاکہ وہ بھی ساتھ آ سکے۔ جب میں آگے بڑھا تو وہ پیچھے اپنی موٹر سائیکل پر آ رہی تھی۔ وہ سچ مچ اپنے مزاج سے مجبور تھی۔ اس کی ماما اور ربّی کے سوا کسی نے اسے متاثر نہیں کیا تھا۔ اسی لیے وہ کسی کی قربت برداشت نہیں کرتی تھی۔ کبھی بیمار پڑتی تو کوئی لیڈی ڈاکٹر ہی آ کر اسے ہاتھ لگاتی تھی۔ زندگی کے کسی بھی مرحلے پر اپنے کسی بھی معاملے میں کسی اجنبی کی ضرورت آج تک نہیں ہوئی۔ ہاں اب وہ زندگی کے ایسے موڑ پر آ گئی تھی جہاں میں اس کی ضرورت بن سکتا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ وہ کب تک مجھ سے کتراتی ہے۔

رات کے سناٹے میں موٹر سائیکلوں کی آواز دور تک جا رہی ہو گی۔ آخری محاذ پر دشمن پوری طرح مستعد ہوں گے۔ میں نے راستہ بدل دیا۔ اگرچہ میں نے اٹلس آف مین کا نقشہ اچھی طرح دیکھا اور سمجھا تھا۔ وہاں کا جغرافیہ بھی پڑھا تھا۔ تاہم ایک راستے کی تفصیل یاد نہیں تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ راستہ ہمیں کہاں لے جائے گا۔ بس یہ امید تھی کہ ادھر دشمن نہیں ہوں گے۔

وہ ڈرائیو کرتی ہوئی میرے برابر آ گئی۔ میں نے اُسے دیکھا پھر کہا: "حسین مورت پھولوں بھری سیج پر سجتی ہے۔ موٹر سائیکل پر سارا رومانس غارت ہو جاتا ہے۔"

"یو شٹ اپ، میں یہ پوچھنے آئی ہوں، فارم کتنی دور ہے؟"

"اب جتنی بھی دور ہو، بارہ بج کر پانچ منٹ ہو چکے ہیں۔ میرے علم کے مطابق نہ تو تم فارم میں داخل ہو سکو گی اور نہ ہی تمہیں یہ کوشش کرنا چاہیے۔"

"مجھے تمہارے علم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، فاصلہ بتاؤ۔"

"کیسے بتاؤں؟ میں نے وہ راستہ چھوڑ دیا ہے جو فارم کی طرف سیدھا جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے موٹر سائیکل روک دی۔

میں نے بھی رکتے ہوئے کہا: "میں بتا چکا ہوں کہ اُس سیدھے راستے پر دشمن خاصی تعداد میں محاذ بنائے بیٹھے ہیں۔ یہ راستہ لمبا ہے، ہم دیر سے پہنچیں گے مگر شاید خیریت سے پہنچ جائیں گے۔"

"کہیں تم مجھے بھٹکا تو نہیں رہے ہو؟"

"کیا میں دشمن لگ رہا ہوں؟"

اُس نے مجھے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ وہ سوچ رہی تھی: "کاش میں اس کے دماغ کو چپکے سے پڑھ سکتی۔ ایک اجنبی جگہ اجنبی ملا۔ وہ بھی یوگا کا ماہر، میری دسترس سے باہر..."

میں نے کہا: "مجھے اچھی طرح دیکھ لو۔ اگر قیافہ شناس ہو تو چہرہ پڑھ کر معلوم کرو، میں دشمن ہوں یا دوست؟"

اس نے کہا: "ٹیرر نامی بدمعاش نے میرا راستہ روکا تھا۔ تم اچانک میری مدد کرنے کیسے پہنچ گئے تھے؟"

میں نے پوچھا: "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس بدمعاش کا نام ٹیرر ہے؟"

وہ بوکھلا گئی۔ کیوں کہ خیال خوانی کے ذریعے اس کا نام معلوم کیا تھا۔ پھر جلدی سے سنبھل کر بولی: "اس کے ایک ساتھی نے اُسے نام لے کر پکارا تھا۔ تم میرے سوال کا جواب دو، تمہیں میری آمد کا علم کیسے ہوا؟ اور تم میری خاطر اتنی دور کیوں چلے آئے؟"

"سارا قصہ یہاں بیٹھ کر سنو گی یا آگے راستے میں؟"

ہم نے ایک ساتھ گاڑی اسٹارٹ کی۔ پھر انجانے راستے پر بڑھتے ہوئے میں نے اسے بتایا کس طرح کیمرون ڈی مورا مجھے گھیرنا چاہتا تھا۔ اس کے آدمیوں نے میرے کاٹیج میں پہنچ کر مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے جھوٹ کہہ دیا کہ ان حملہ آوروں کے ذریعے کیمرون کے اس منصوبے کا علم ہوا جس کے تحت وہ شیبا کو اغوا کرنا چاہتا تھا۔

شیبا نے کہا: "میرے سوال کا جواب ادھورا رہ گیا۔ تم میری خاطر اتنی دور کیوں آئے؟"

"اس کے دو جوابات ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ ربّی اسفندیار سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔ تمہاری حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ دوسرا جواب ایسا ہے جس پر تم یقین نہیں کرو گی۔"

"کیا وہ یقین کرنے والی بات نہیں ہے؟"

"بعض باتیں وقت سے پہلے ناقابلِ قبول ہوتی ہیں۔"

"ایسی کیا بات ہے۔ میں ضرور سننا چاہوں گی۔"

"سننا چاہتی ہو تو سنو۔ میں نے تمہارا زائچہ بنایا، تمہارے نام کے اعداد کی تفسیر پڑھی، تمہارے مقدر کے پتّے پھینٹ کر دیکھے، ہر بار یہی جواب ملا کہ ہمارے ستارے ملتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی زندگی میں بڑی اہمیت اختیار کرنے والے ہیں۔"

وہ ناگواری سے بولی: "تم خوش فہمی میں اور خیالی دنیا میں رہنے والے ہو۔"

"میں خیالی نہیں، خالی دنیا میں رہتا تھا۔ اب یہ دنیا تمہاری ذات سے پُر ہو رہی ہے۔"

اس نے پہلی بار پرکھنے والی نظروں سے دیکھا۔ ایسے وقت ڈرائیونگ کی طرف سے دھیان ہٹ گیا۔ موٹر سائیکل ڈگمگانے لگی۔ وہ فوراً ہی سنبھل گئی۔ میں نے کہا: "گاڑی روکتا ہوں، مجھے اچھی طرح دیکھ لو۔"

اس نے تیور بدل کر کہا: "دیکھوں گی۔ تمہیں دیکھ لوں گی۔"

وہ چُپ ہو کر ربّی اسفندیار کے پاس پہنچ گئی۔ "میرے بزرگ! میں بول رہی ہوں۔"

"بیٹی! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ خیریت سے پہنچ گئی ہو نا؟"

"کیسی خیریت؟ یہاں تو قدم رکھتے ہی مصیبت پر مصیبتیں آ رہی ہیں۔"

وہ کیمرون ڈی مورا اور اس کے بدمعاشوں کے متعلق بتانے لگی۔ پھر میرا ذکر کرتے ہوئے کہا: "اگرچہ میرے تمام محافظ مارے گئے ہیں۔ تاہم میں تنہا دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہی تھی، اچانک لکی واٹسن میری مدد کو پہنچ گیا۔ حالانکہ مجھے مدد کی ضرورت نہیں تھی۔"

"بیٹی! ایسا نہ کہو۔ کوئی دوستانہ امداد پہنچائے تو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ تمام محافظ مارے گئے ہیں، یوں بھی تمہیں ایک ہمدرد ساتھی کی ضرورت ہے۔"

شیبا نے مجھے کن انکھیوں سے دیکھا۔ پھر ربّی سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں، میں کسی اجنبی کا ساتھ برداشت نہیں کرتی۔ خواہ وہ کتنا ہی مہربان ہو۔"

"میری بچّی! حالات سے سمجھوتا کرو۔ لکی واٹسن کا ساتھ وقتی ہے۔ وہ عزت دار اور نیک نام ہے، تمہیں اس سے کبھی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

وہ کہنا چاہتی تھی: "یہ نیک نام اپنے اور میرے ستارے

ملا رہا ہے۔ میری زندگی میں اہمیت اختیار کرنے کی پیشین گوئی کر رہا ہے۔"

میں نے اُسے ایسا کہنے سے باز رکھا۔ اس کی سوچ میں کہا: "ربی سے ایسی باتیں نہیں کہنا چاہئیں۔ کتنی مشکلوں کے بعد چار دیواری سے باہر ایک وسیع دنیا میں زندگی گزارنے آئی ہوں۔ ربی کو معلوم ہوگا کہ نکی داٹسن مجھ پر ڈورے ڈال رہا ہے تو وہ مجھے کسی کے ہاتھ لگنے نہیں دیں گے۔ فوراً واپس بلا لیں گے۔"

شیبا کو عقل آگئی۔ اس نے سوچا: "نہیں، میں ربی کو ذاتی معاملات کی ہوا بھی لگنے نہیں دوں گی۔ پھر یہ نکی مجھ پر کیا ڈورے ڈالے گا۔ مجھے غصہ آیا تو میں اسے مجنوں بنا کر پتھروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مرنے پر مجبور کر دوں گی۔"

اس نے ربی سے کہا: "میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گی۔ یہ نکی مجھے کسی لمبے راستے سے فارم کی طرف لے جا رہا ہے، سیدھے راستے پر دشمنوں کا خطرہ ہے۔"

"تم اس پر اعتماد کرو۔"

اچانک ہی کئی طرف سے فائرنگ ہوئی۔ میری موٹر سائیکل ڈگمگا گئی۔ میں سنبھل گیا، وہ نہ سنبھل سکی۔ ہینڈل بہک گیا تھا۔ وہ چیخیں مارتی ہوئی گاڑی سے اچھل کر سڑک کے کنارے پہنچی پھر وہاں سے لڑھکتی ہوئی ہری بھری گھاس کی سیج پر ٹھہر گئی۔ تکلیف سے کراہنے لگی۔ میں تنہا ہوتا تو گاڑی کی رفتار بڑھا کر فائرنگ رینج سے نکل جاتا۔ مگر اس کی خاطر گولیوں کی بوچھاڑ میں رکنا پڑا۔

میں نے موٹر سائیکل کو ایک طرف پھینکا۔ جھکتا ہوا دوڑتا ہوا سڑک کو پار کر گیا۔ پھر فائرنگ ہوئی۔ کتنی ہی گولیوں نے پختہ سڑک پر سُر سنگیت سنائے۔ میں فوراً ہی گر کر لڑھکتا ہوا شیبا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی۔ اپنی کمر پکڑ کر کراہتے ہوئے بولی: "تم نے کہا تھا، یہ راستہ محفوظ ہے۔"

"زندگی کا کوئی راستہ محفوظ نہیں ہوتا۔ بچ کر چلنا پڑتا ہے۔"

"باتیں نہ بناؤ۔"

"اور تم غصہ نہ دکھاؤ۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تمام راستوں کی ناکہ بندی کی گئی ہوگی۔"

وہ کراہنے لگی۔ میں نے کہا: "کراہتے وقت منہ ٹیڑھا ہوتا ہے، آئینہ دیکھ سکتی ہو۔"

وہ یکلخت کراہنا بھول گئی۔ عورت کو اپنے حُسن کا بڑا خیال ہوتا ہے۔ وہ کبھی ٹیڑھا منہ دکھانا پسند نہیں کرتی، شیبا بڑی خاموشی سے کمر کی تکلیف برداشت کرنے لگی۔ میں نے کہا: "تم میرے پاس نہیں آنا چاہتی تھیں۔ اب ہم پاس پاس موجود ہیں۔"

وہ فوراً کروٹ بدل کر دور ہوگئی۔ کسی نے دور سے چیخ کر کہا: "تم دونوں ہاتھ اٹھا کر سڑک پر آجاؤ۔ ہم گولی نہیں چلائیں گے۔"

ہم دونوں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ بولنے والے کے دماغ میں پہنچے۔ وہ اور اس کے چار ساتھی مختلف درختوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ پتا چلا سڑک کے دوسری طرف اس کے اور ساتھی ہیں۔ اگر وہاں سے بچ کر نکلے تو آگے اور بھی روکنے والے موجود ہیں۔

میں اس کے ذریعے معلومات حاصل کر رہا تھا۔ اسی وقت شیبا نے اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ وہی پرانا طریقۂ کار اختیار کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ذریعے گولیاں چلا کر اس کے تمام ساتھیوں کو ہلاک کرنا چاہتی تھی۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "مجھے اچھی طرح سوچ سمجھ لینا چاہیے۔ میں اس طرح دشمنوں کو ہلاک کروں گی تو نکی داٹسن کو ٹیلی پیتھی کا شبہ ہوگا۔ اس سے پہلے شوکی نے ٹیرا اور دوسرے ساتھیوں کو بے اختیار ہلاک کیا۔ اور خود کو بھی مار ڈالا۔ یہی واقعہ یہاں ہوگا تو میری خیال خوانی کا بھید کھل جائے گا۔"

سوچنے کے دوران پھر گولیاں چلیں۔ پھر دھمکی دی گئی کہ ہم دونوں سڑک پر نہ آئے تو بے موت مارے جائیں گے۔ میں شیبا کی سوچ میں اسے سمجھا رہا تھا مگر بے موت مرنے کے خیال نے میرے مشورے کو بے اثر کر دیا۔ اس نے اپنے طریقۂ کار کے مطابق دشمنوں کو آپس میں لڑنے مرنے پر مجبور کر دیا۔ ذرا سی دیر میں موت کا سناٹا چھا گیا۔

وہ بولی: "میں سڑک پر نہیں جاؤں گی۔ کیا ہم اِدھر جنگل کے راستے فارم تک پہنچ سکتے ہیں؟"

"یہ کیمرون کا علاقہ ہے۔ میرا اس جنگل سے کبھی گزر نہیں ہوا ہے۔"

"مگر ہمارے بچاؤ کا یہی ایک راستہ ہے۔"

"تو پھر چلو۔"

وہ چلنے کے لیے ذرا اٹھی۔ پھر کمر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ سڑک کے دوسری طرف سے دھمکیاں ملنے لگیں۔ میں نے ایک ہاتھ بڑھا کر کہا: "سہارے کے بغیر چل سکتی ہو یا ہاتھ لگاؤں؟"

"نہیں۔" وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر آہستہ آہستہ اٹھنے لگی۔

"عملی زندگی اس طرح گزارتی رہوگی تو معلوم ہوگا انسان کس طرح زخموں سے چُور ہو کر بھی دوڑتا رہتا ہے۔"

وہ ہمت کر کے آگے بڑھنے لگی۔ اسی وقت دور سے فائرنگ ہوئی۔ وہ لڑکھڑا کر گرنا چاہتی تھی، میں نے تھام لیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے اچانک اسے پکڑ لیا تھا۔ وہ خود کو چھڑانے لگی۔ پھر گولی چلی تو میں نے اس کے مزاج کی ایسی کی تیسی کر دی۔ اُسے یکبارگی اُٹھا کر کاندھے پر لاد لیا۔ پھر دوڑنے لگا۔

وہ آرام سے جا رہی تھی۔ مجھ پر لدی ہوئی تھی۔ مگر پیٹھ پر گھونسے مار رہی تھی: "چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو۔ تم نے مجھے ہاتھ لگانے کی جرأت کیسے کی۔ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

اچانک میرے دماغ کو جھٹکا لگا۔ تکلیف کی شدت سے چیخ نکل گئی۔ قدم لڑکھڑا گئے۔ میں اُسے لیے لیے اوندھے منہ گر پڑا۔ دماغ کو جھٹکا پہنچتے ہی میں نے سانس روک لی تھی۔ تکلیف برداشت کر رہا تھا۔ شیبا نے پھر جھٹکا پہنچانا چاہا۔ مگر ناکام رہی۔ میں نے اُسے گھور کر دیکھا۔ پھر کہا: "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا، تم کوئی غیر معمولی لڑکی ہو۔ اب یقین سے کہہ سکتا ہوں تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"تم نے میرے دماغ کو جھٹکا پہنچایا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"میں شوکی اور اس کے آدمیوں کے مرنے کا تماشہ دیکھ کر سمجھ رہا تھا، شاید وہ پاگل ہوگئے تھے۔ مگر یہاں بھی ہم پر فائر کرنے والے آپس میں ایک دوسرے کو گولی مار کر مر گئے۔ کیا یہ سب محض اتفاق ہے۔"

"میں نے کہہ دیا میں نہیں جانتی۔"

میں نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا، وہ تلملا کر بولی۔ "چھوڑ دو ورنہ تمھارے دماغ۔۔۔"

وہ کہتے کہتے رُک گئی۔ میں نے کہا: "میں یہی اگلوانا چاہتا تھا۔"

میں نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، اس سے پہلے ہی چیخ مار کر گھاس پر گر پڑی۔ ایک گولی قریب ہی سے سنسناتی ہوئی گزری تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی گر پڑا تھا۔ کسی نے چیخ کر کہا: "ہم چار ہیں اور تم چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہو۔ تم میں سے کسی نے بھاگنے کی حماقت کی تو جان سے جائے گا۔"

چاند نکل آیا تھا۔ گھنے درختوں کے باوجود وہ سب چاندنی میں نظر آرہے تھے۔ آواز کی سمت ایک شخص درخت کی آڑ میں کھڑا ہوا تھا۔ ہم نے دائیں طرف دیکھا۔ اُدھر سے دوسرا شخص کہہ رہا تھا: "تم دونوں کے پاس جو ہتھیار ہیں، انھیں دور پھینک دو۔"

میں نے کہا: "ہمارے پاس ایک بھی ہتھیار نہیں ہے۔"

تیسری جانب سے تیسرے نے کہا: "جھوٹ مت بولو۔ تم نے ہتھیار کے بغیر ہمارے آدمیوں کو کس طرح ہلاک کیا؟"

میں نے شیبا سے سرگوشی میں کہا: "جواب دو، کیسے ہلاک کیا۔"

اس نے بڑی بڑی بادامی آنکھوں سے گھور کر دیکھا۔ کچھ سوچا پھر بلند آواز سے کہا: "میں بتاتی ہوں، وہ کیسے مر گئے، مگر تم تین آدمیوں نے اپنی آواز سنائی ہے۔ کیا چوتھا گونگا ہے؟"

چوتھی سمت سے آواز آئی: "میں منہ سے نہیں بندوق کی زبان سے بولتا ہوں۔"

شیبا نے مجھ سے سخت لہجے میں کہا: "اسی طرح لیٹے رہو، ابھی گولیاں چلیں گی۔"

میں نے اس کی طرف کروٹ بدل کر کہا: "کہو تو ساری زندگی اسی طرح لیٹا رہوں۔ ہمارے درمیان فاصلہ ہی کتنا ہے؟"

اس بات پر وہ ضرور پرے ہٹ جاتی مگر اب دماغی طور پر حاضر نہیں تھی۔ خیال خوانی کی مشین گن چلا رہی تھی۔ یکے بعد دیگرے چاروں طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ جو ہم پر گولیاں چلانے آئے تھے، وہ اپنے بس میں نہیں تھے۔ ذرا سی دیر میں اچانک فائرنگ تھم گئی۔ للکارنے اور فائرنگ کرنے والے ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئے تھے۔

ہمارے درمیان بھی کچھ دیر خاموشی رہی پھر میں نے حیرانی سے پوچھا: "کیا واقعی تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو؟"

"میں کالا علم جانتی ہوں۔"

"میں جادو پر یقین نہیں کرتا۔"

"یقین کر لوگے، جب تمھاری شامت آئے گی۔"

"شامت اتنی حسین ہوتی ہے تو ابھی آجائے۔"

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ غصے سے دیکھنے لگی۔ میں اس کا خیال پڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی: "میں نے بہت مجبور ہو کر اس کے سامنے ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کیا ہے۔ کمبخت اسے کالا جادو ماننے سے انکار کر رہا ہے۔ میں کیا کروں؟"

اس نے ربی اسفندیار کو مخاطب کر کے اپنی پریشانی بتائی۔ انھوں نے کہا: "یہ بہت برا ہوا۔ ہم نکی کو اپنا رازدار نہیں بنا سکتے۔ کسی کو بھی اس راز میں شریک نہیں کر سکتے۔"

"محترم ربی! جان بچانے کے لیے خیال خوانی کا سہارا لینا پڑا۔ میں بہت مجبور تھی۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ تم پہلی بار ایسے حالات سے گزر رہی ہو، تم نے جو کچھ کیا وہ لازمی تھا۔ نکی داٹسن اگرچہ دوست آدمی

ہے مگر تمھیں پُراسرار بن کر رہنے کے لیے دوست پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔ جب میں نے اپنی ماما کو اپنا راز نہیں بتایا تو یہ لکی کون ہوتا ہے۔"

"اسے ٹھکانے لگانا ہوگا۔"

"یہ سانس روک لیتا ہے۔ ٹیلی پیتھی کا ہتھیار کام نہیں آئے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ اس کے ساتھ ہنستی بولتی رہو۔ فارم میں پہنچ کر میرے آدمیوں کو حکم دینا، وہ لکی کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دیں گے۔"

وہ خوش ہو کر مسکرانے لگی۔ میں نے پوچھا: "کیا مجھے تصوّر میں دیکھ رہی ہو؟"

وہ چونک گئی۔ مجھے ناگواری سے دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر جبراً ہنستے ہوئے بولی: "تم سامنے ہو، پھر تصوّر کیا ضروری ہے۔ ویسے تم زندہ دل ہو۔"

اچانک میری زندہ دلی پر اوس پڑ گئی۔ یاد آ گیا کہ میں اپنی محبوب ہستیوں کو بھلانے کے لیے جبراً زندہ دل بن گیا ہوں۔ شیبا نے تعجب سے پوچھا: "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔"

"منہ ایسے لٹک گیا ہے جیسے اپنے عزیز کے مرنے کی خبر سُن لی ہو۔"

میں فوراً ہی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک طرف چلنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے واقعی کسی نہ کسی کے مرنے کی خبر سننے والا ہوں۔ شیبا نے پیچھے آتے ہوئے پوچھا: "جنگل میں کہاں بھٹکنے جا رہے ہو؟"

میں نے رُکے بغیر کہا: "تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو۔ کیا تم نے کسی دشمن کے دماغ سے یہ معلوم نہیں کیا کہ اس سڑک پر آگے اور دشمن مل سکتے ہیں؟"

"کیا جنگل میں نہیں مل سکتے؟"

"ایک دشمن تمھارے ساتھ ہے۔"

وہ چونک گئی۔ میں نے اس کے اندر کی بات کہہ دی تھی۔ اس نے جلدی سے ہنستے ہوئے کہا: "تم میرے ہم سفر ہو، میرے گائیڈ ہو۔ فارم تک میری راہنمائی کرنے والے ہو۔"

"کبھی راہنما بھی راستے میں دھوکا دے جاتا ہے۔ کبھی راستہ چلنے والا راہنما کا گلا کاٹ دیتا ہے۔"

یہ بات بھی اس کے دل کی تھی۔ وہ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی: "یہ بڑا گہرا آدمی ہے۔ کاش میں اس کے چور خیالات پڑھ سکتی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "چاہے جتنا گہرا ہو، خیالات پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔"

شیبا چپ چاپ میرے ساتھ چلنے لگی۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے پوچھا: "تم پُراسرار بن کر کیوں رہنا چاہتی ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"اگر دشمن نہ گھیرتے، اگر مرنے کا خوف نہ ہوتا تو تم ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ نہ کرتیں۔ اپنی اس صلاحیت کو راز رکھتیں۔ ایسی رازداری میں کیا مصلحت ہے؟"

"میں پبلسٹی کی قائل نہیں ہوں۔"

"مگر اب تو ہو گئی پبلسٹی۔"

اس نے چونک کر پوچھا: "کیسے ہو گئی؟"

"بھئی مجھے معلوم ہو گیا۔ تم انکساری سے کام لے کر اب تک گمنام رہیں۔ اب میں دنیا والوں کو بتاؤں گا کہ تم غیر معمولی صلاحیت کی مالکہ ہو۔ تم حیرت انگیز طور پر کسی کے بھی دماغ میں گھس جاتی ہو۔"

"یو شٹ اپ۔ تم کسی سے میری کوئی بات نہیں کرو گے ورنہ تمھارے ساتھ ایسا سلوک کروں گی کہ ہمیشہ یاد رکھو گے۔"

"کوئی سلوک نہ کرو، تب بھی تم ہمیشہ یاد رہنے والی چیز ہو۔"

وہ سوچنے لگی: "اس آدمی سے بات نہ کی جائے تو بہتر ہے۔ پتا نہیں یہ جنگل کتنی دور تک پھیلا ہوا ہے۔ کب میں اپنے فارم میں پہنچوں گی۔ کب اس سے نجات ملے گی؟"

ہم چلتے رہے، واقعی جنگل دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے اور چھور کا پتا نہیں تھا۔ سرد رات کی چاندنی پھیکی پھیکی تھی۔ پیچیدہ راستے کچھ سُجھائی دیتے تھے، کچھ سمجھ بوجھ کر آگے بڑھنا پڑتا تھا۔ رات کے دو بج گئے۔ وہ تھک ہار کر بولی: "اب مجھ سے چلا نہیں جاتا۔"

"چلنا تو ہوگا۔ اگر اب تک کوئی جانور نہیں ملا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جنگل میں درندے نہیں ہوتے۔"

"کیا تم مجھے ڈرا رہے ہو؟"

"سمجھا رہا ہوں۔ جنگلی جانور تمھاری ٹیلی پیتھی کو چبا کر نگل جائیں گے۔ اور ڈکار بھی نہیں لیں گے۔"

وہ ہاتھ میں ایک مُردہ دشمن کی رائفل اٹھائے ہوئے تھی۔ اس نے رُک کر کہا: "کچھ بھی ہو، اب مجھ سے ایک قدم چلا نہیں جائے گا۔"

ایک سیاہ پتھر درخت کے تنے سے لگا پڑا تھا۔ شاید وہ سیاہ نہ ہو۔ صاف طور سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ میرے مشورے کے خلاف آرام کرنا چاہتی تھی۔ اپنی بات منوانے کے لیے ایک جھٹکے سے اس پر بیٹھ گئی۔ جتنی تیزی سے بیٹھی تھی، اتنی ہی تیزی سے چیخیں مارتی ہوئی اُچھل پڑی۔ اُس پتھر نے بھی چیخ ماری تھی اور اُچھل کر بھاگتا چلا گیا تھا۔ شیبا کے ہاتھ سے رائفل چھوٹ گئی تھی۔ پہلے تو میں بھی بوکھلا گیا تھا۔ پھر سمجھ میں آیا، وہ کوئی گیدڑ تھا جو ہم سے خوف کھا کر بھاگا تھا۔ اِدھر یہ خوف کھا کر میری پناہ میں آ گئی تھی۔

دھک دھک دل دھڑک رہا تھا۔ صاف طور پر اس کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں۔ کوئی بلا آتی ہے تو گزر بھی جاتی ہے۔ مگر اس کی دہشت دیر تک قائم رہتی ہے۔ وہ دیر تک دہشت زدہ رہی۔ دیر تک بھولی رہی کہ کہاں پناہ لے رہی ہے۔

وہ حُسن و شباب کی مورت تھی۔ معصوم صورت تھی مگر آنکھیں کھولتی تو معصومیت کی جگہ غرور جھلکتا۔ اُس کی رفتار میں گفتار میں ایسی شانِ بے نیازی تھی کہ آپ ہی آپ رعبِ حُسن طاری ہو جاتا تھا۔ فی الحال وقت مہربان تھا۔ حُسن کا غرور، رعب اور دبدبہ میری پناہ میں سمٹا ہوا تھا۔ وہ اپنی آن اور شان سب کچھ بھول کر اپنی سلامتی کی دُعا مانگ رہی تھی۔ اچانک اُسے احساس ہوا کہ وہ دُعا مانگ رہی ہے، اور میں دوا دے رہا ہوں۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

طلسم ٹوٹ گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے الگ ہو کر ذرا دور ہوئی، کبھی مجھے دیکھنے لگتی، کبھی آس پاس اس بلا کو ڈھونڈنے لگتی جس نے اُسے میرے پاس پہنچا دیا تھا۔ میں نے کہا: "گیدڑ تھا۔ کمبخت نے بھاگنے میں جلدی کی۔"

وہ مجھے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ مگر سوچ رہی تھی: "میں اب تک کہاں تھی؟ کس عالم میں تھی؟ کیا خوف کے سائے میں بھی بے خودی سی طاری رہتی ہے؟ مجھے زندگی میں پہلی بار ایسی پناہ ملی کہ خدا کی پناہ، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

میں نے پوچھا: "تم مجھے گھور رہی کیوں ہو؟"

"تم نے مجھے ڈرا دیا تھا۔"

"اسے کہتے ہیں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ تم نے اُس گیدڑ کو ڈرا دیا۔ خیریت ہوئی کہ وہ بھاگ گیا۔ اگر تم بھاگ جاتیں اور وہ میری آغوش میں آ جاتا تو میرا انجام کیا ہوتا؟"

اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ رہی تھی۔ مگر اس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ پھر پوچھا: "تم آدمی ہو یا مسخرے؟"

"آدمی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مسخرا ہو، جانوروں کو آج تک کسی نے لطیفہ سناتے اور ہنساتے نہیں دیکھا۔"

وہ گھاس پر پڑی ہوئی رائفل اٹھانے لگی۔ میں نے پوچھا: "کیا تم رائفل نہیں چلا سکتیں؟"

"میں ہر طرح کے ہتھیار سے صحیح نشانہ لے سکتی ہوں۔"

"ہاں یہ اور بات ہے کہ نشانہ لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک ہی چیخ میں درندوں کو بھگا دیتی ہوں۔"

"مجھے طعنے دو گے تو گولی مار دوں گی۔"

وہ پاؤں پٹخ کر جانے لگی۔ کہاوت کے مطابق سر منڈاتے ہی اولے پڑتے ہیں۔ وہ بے چاری پہلی بار چار دیواری سے کیا نکلی، مصیبتیں ٹوٹنے لگیں۔ اس کے لیے یہ مصیبت کی گھڑیاں تھیں، میرے لیے راحت کی۔ کیوں کہ حُسنِ مجسّم ہم سفر تھا۔ وہ غصّہ دکھا رہی تھی۔ نفرت کر رہی تھی۔ پھر بھی دل میں سمائی جا رہی تھی۔ مچھلی پانی سے نکل کر پہلے پھڑپھڑاتی ہے، پھر دسترخوان پر آ جاتی ہے۔

ہم چلتے چلتے رُک گئے۔ کان لگا کر سننے لگے۔ ہمیں پتّوں کی سرسراہٹ سنائی دی تھی جیسے کوئی جھاڑیوں کو ہٹاتا ہوا گزر رہا ہو۔ میں گھاس پر اوندھے منہ لیٹ گیا۔ زمین سے کان لگا کر سننے لگا۔ وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر میرے پاس بیٹھ گئی۔ میں نے کہا: "ہمارے آس پاس کچھ لوگ ہیں۔ ہم سے دور ہیں مگر چلتے جا رہے ہیں۔ شاید ہماری طرف آ رہے ہیں۔"

"تم مجھے ڈرا رہے ہو۔"

اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ خود گھاس پر لیٹ گئی۔ کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگی۔ لوگوں کی سماعی صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ سبھی اس انداز میں کان لگا کر دور کی آہٹیں نہیں سُن سکتے۔ مگر وہ دیر تک کوشش کرتی رہی۔ میں نے پوچھا: "کیا سو گئی ہو؟"

وہ اٹھتے ہوئے بولی: "تم جھوٹ کہتے ہو۔ مجھے قدموں کی آہٹیں سنائی نہیں دے رہی ہیں۔"

"سنا ہے موت سے پہلے آنکھوں میں دُھند چھا جاتی ہے اور کانوں سے سنائی نہیں دیتا۔"

"مر گئے تم۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اسی لمحے ایک فائر ہوا۔ ہم نے سر اٹھا کر دیکھا، ایک چنگاری سی آسمان کی طرف گئی پھر وہ روشن شعلہ بن گئی۔ ہمارے آس پاس کا جنگل دور تک روشن ہو گیا۔ وہ بولی: "کسی نے ٹریسر گولی چلائی ہے۔"

میں نے پوچھا: "اب میری سماعت پر یقین آیا۔ رات کے اندھیرے میں ٹریسر فائرنگ کے ذریعے دشمنوں کو تلاش کیا جاتا ہے اور ہمیں تلاش کیا جا رہا ہے۔"

اس نے پھر زمین پر سے رائفل اٹھا لی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر کہا: "یہ مجھے دو۔ تمھارے پاس ٹیلی پیتھی کا ہتھیار ہے۔"

"تم بھی اپنے علم میں مہارت رکھتے ہو۔ کیا تمھارے ستارے یہ نہیں بتا سکتے کہ دشمنوں سے کب نجات ملے گی؟"

"میرے ستارے مجھے بتا چکے ہیں' آٹھ تاریخ کو میں جس سے ہمدردی کروں گا' وہ میری جان کا دشمن بن جائے گا۔"

وہ ذرا پریشان ہوئی پھر بولی "تم مجھ سے ہمدردی کر رہے ہو۔ کیا میں تمھاری جان کی دشمن ہوں؟ اگر تمھیں اپنے علم پر اتنا ہی بھروسا ہے تو میرا ساتھ کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟"

"تم نادان اور ناتجربے کار لڑکی ہو۔ میں تمھیں مصیبت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ خواہ میری جان کیوں نہ چلی جائے۔"

اس نے پہلی بار متاثر ہو کر مجھے دیکھا۔ اس کے دل نے پوچھا "میں کیوں اس کی جان لینا چاہتی ہوں؟"

اس کے دماغ نے جواب دیا "یہ ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ دیکھ چکا ہے۔ اس کی زبان ہمیشہ کے لیے بند نہ کی گئی تو رفتہ رفتہ تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہوں کو میرا نام اور پتا معلوم ہو جائے گا۔ اگر یہ زبان بند رکھنے کا وعدہ کرے، تب بھی میرا ہمراز رہے گا۔ کسی مرحلے پر بھی مجھے بلیک میل کر سکتا ہے۔ نہیں' اسے چھوٹ نہیں دی جا سکتی۔ اور یہ میرا ہوتا کون ہے، جس کے مر جانے سے مجھے افسوس ہو گا۔ اونہہ!"

وہ سوچتے سوچتے چونک گئی۔ کتنے ہی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے اس کے ہاتھوں سے رائفل جھپٹ لی۔ اس نے پوچھا "یہ کیا حرکت ہے، مجھے دو، یہ میری ہے۔ میں بہت دور سے لائی ہوں۔"

وہ رائفل چھیننے کے لیے بڑھی' میں نے ایک ہاتھ سے روک دیا۔ اسی وقت کسی نے آواز دی "مادام شیبا! تم کہاں ہو؟ ہم تمھارے خادم ہیں۔ تمھیں تلاش کر رہے ہیں۔"

اس نے پہلے خیال خوانی کی پروا نہ کی۔ جب اپنے آدمیوں کی تصدیق ہو گئی تو بلند آواز میں بولی "میں یہاں ہوں۔ میری آواز کی طرف آؤ۔"

دور دور تک دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ یہ آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ شیبا نے کن انکھیوں سے میرے ہاتھوں میں رائفل کو دیکھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا' جیسے ہی اس کے خادم نظر آئیں گے' وہ دوڑتے ہوئے اُن کے پاس چلی جائے گی۔ پھر مجھے گولی مار دینے کے لیے انھیں حکم دے گی۔

وہ یکے بعد دیگرے نظر آنے لگے۔ وہ تعداد میں پانچ تھے۔ شیبا اُدھر جانا چاہتی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر یہ میرے خادم نہ ہوئے اور چالباز ثابت ہوئے تو؟"

میں نے بلند آواز سے کہا "تم سب جہاں ہو، وہیں رُک جاؤ۔ ہم پہلے تصدیق کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ سب ربی کے فارم میں کام کرنے والے بہترین فا[ئٹر] تھے۔ لکی واٹسن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک نے کہا "ماسٹر! آپ کیا تصدیق کریں گے؟ کیا آپ ہمیں نہیں جانتے ہیں؟"

"میں جانتا ہوں مگر تمھاری مادام کا طریقہ کار مختلف ہے۔ ابھی یہ تمھارا امتحان لیں گی۔ ہاں تو مس شیبا! تم اپنا اطمینان کر لو۔"

وہ میری باتوں کے دوران دو خادموں کے درمیان پہنچ گئی تھی۔ اس نے مجھے دشمن کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا "میں محترم ربی اسفندیار کے نام پر حکم دیتی ہوں، لکی واٹسن کو گولی مار دو۔"

سب نے حیرانی سے شیبا کو دیکھا۔ وہ بولی "میں حکم دیتی ہوں' گولی مار دو۔ یہ دشمن ہے۔ ہمارے لیے خطرناک ہے۔"

ایک نے کہا "مادام! کیا آپ نہیں جانتیں' ماسٹر لکی ہمارے دوست اور محترم ہیں ۔۔۔ بلائنڈ کے بچوں سے بوڑھوں تک سب ان کے عقیدت مند ہیں۔"

"میں سب جانتی ہوں۔ مگر میرا حکم اٹل ہے۔"

دوسرے نے کہا "ہم آپ کے غلام ہیں۔ لیکن آپ نئی مالکہ ہیں۔ پہلے ہم آپ کے مزاج کو اور آپ کے مقصد کو سمجھنا چاہتے ہیں۔"

میں نے خوش ہو کر کہا "شاباش ریڈی! تم امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ مس شیبا! اب بے چاروں کو زیادہ نہ آزماؤ۔"

وہ غصہ کرنا چاہتی تھی۔ سب نے دیکھا' اُس کے تیور بگڑ گئے تھے۔ وہ کچھ بکنا چاہتی تھی۔ مگر اچانک مسکرانے لگی۔ ساتھ ہی حیران ہونے لگی "یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں غضبناک ہو رہی تھی۔ یکایک مسکرانے کیوں لگی؟"

میں نے ایک خادم سے کہا "جیری! کیا ربی نے تم لوگوں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ نئی مالکہ دماغی مریضہ ہے؟"

وہ جھنجلا کر بولی "یو شٹ اَپ۔"

میں نے اسے آگے یہ سوچنے پر مجبور کیا "میں اور دماغی مریضہ؟ ہا ہا ہا ہا۔ مجھے پاگل کہہ رہا ہے۔"

وہ بے اختیار ہنستے ہوئے بولی "ہا ہا ہا ہا! میں مریضہ ہوں؟ وہ بھی دماغی۔ ذرا سنو! یہ کیا کہہ رہا ہے۔ مگر سننے سے پہلے قہقہہ سنو۔"

وہ پھر ہنسنے لگی۔ اس دوران وہ اندر ہی اندر سمجھ رہی تھی کہ اس کا دماغ قابو میں نہیں ہے۔ وہ خود کو قابو میں رکھنا چاہتی ہے مگر بے قابو ہو جاتی ہے۔

میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے سوچ رہی تھی "یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا وہی ہو رہا ہے' جو میں دوسروں کے ساتھ کرتی ہوں؟ کیا میرے دماغ میں اجنبی سوچ کی لہریں ہیں؟"

وہ پریشان اور خوفزدہ ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے بڑی معصومیت سے کہا "شیبا! مذاق بند کرو۔ تم نے مذاقاً انھیں گولی مارنے کا حکم دیا۔ میں نے بھی مذاقاً تمھیں دماغی مریضہ کہہ دیا۔ اور تم نے سچ مچ قہقہہ لگانا شروع کر دیا۔ واقعی زندہ دل ہو۔"

یہی بات اسے پریشان کر رہی تھی کہ اس نے بے اختیار قہقہے کیوں لگائے۔ یہ ٹیلی پیتھی کا علم ہے جو آدمی کو با اختیار سے بے اختیار بنا دیتا ہے۔ وہ گھبرا کر بولی "کون ہے میرے دماغ میں؟ کون ہے؟"

وہ بدحواسی میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ایک نے کہا "مادام! کیا پوچھ رہی ہو۔ دل اور دماغ میں تو خدا رہتا ہے۔"

میں نے آگے بڑھ کر پوچھا "شیبا! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟"

وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ ایک خادم کے پیچھے چھپتے ہوئے بولی "میرے قریب نہ آنا۔ سچ سچ بتاؤ' تم کون ہو؟"

"تم رات کے نو بجے سے میرے ساتھ ہو۔ مجھے لکی واٹسن کہتی آئی ہو۔ تمھارے یہ محافظ بھی مجھے ماسٹر لکی کہتے ہیں۔ اس کے باوجود پوچھ رہی ہو...؟"

"تم لکی واٹسن نہیں ہو۔"

تمام محافظ مسکرانے لگے۔ میں نے کہا "تم اپنی باتوں سے خود کو دماغی مریضہ ثابت کر رہی ہو۔"

"میں نارمل ہوں' نارمل رہوں گی۔ تم پاگل ہو۔"

"شیبا! تمھیں آرام کی اور ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔ کیوں ریڈی! فارم یہاں سے کتنی دور ہو گا؟"

"زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم ایک گھنٹے کے اندر پہنچ جائیں گے۔"

ہم سب آگے بڑھ گئے۔ وہ ایک ہاتھ سے سر تھامے چل رہی تھی۔ میں نے سرگوشی کے انداز میں سمجھایا "خود کو سنبھالو' یہ تمھیں کیا ہو گیا تھا۔ کیوں مجھے گولی مارنا چاہتی تھیں۔ میں تمھیں بخیریت فارم تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ اور تم خواہ مخواہ دشمن بن رہی تھیں۔ کیا ایسے میں کوئی تمھیں نارمل کہے گا؟"

وہ دانت پیس کر بولی "میں نارمل ہوں۔ محض اس لیے پریشان ہوں کہ بے اختیار قہقہہ کیوں لگایا۔"

"یہی پریشانی مجھے ہے۔ میں تمھارے لیے فکر مند ہوں۔"

وہ چپ رہی۔ سوچنے لگی "میں مضبوط قوتِ ارادی کی مالک ہوں۔ میرا دماغ خواہ مخواہ نہیں بہک سکتا۔ میں بے وجہ قہقہہ نہیں لگا سکتی۔ کیا فرہاد...؟"

وہ سوچتے سوچتے کانپ گئی "نن... نہیں۔ فرہاد میرے دماغ میں نہیں ہے۔ اس کا دھیان کبھی میری طرف نہیں ہو گا۔ پھر وہ میری طرف کیسے رُخ کر سکتا ہے۔ نہیں وہ میرے دماغ میں نہیں ہے۔"

پھر اس نے کن انکھیوں سے مجھے دیکھا اور سوچا "یہ لکی واٹسن بہت گہرا ہے۔ میں نے گولی مارنے کا حکم دیا اور اس نے محافظوں کے سامنے مجھے پاگل ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اس نے ان پر بھی نفسیاتی اثر ڈالا، اور مجھ پر بھی۔ اسی لیے میں نے بے اختیار قہقہہ لگایا تھا۔"

اس نے چلتے چلتے ربی اسفندیار سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے کہا "شیبا! میں تمھارے لیے پریشان ہوں۔ ٹرانسمیٹر کے ذریعے پتا چلا' تم ابھی تک فارم نہیں پہنچیں۔ میرے خادم تمھیں تلاش کر رہے ہیں۔"

"وہ مجھے مل گئے ہیں۔ میں ان کے ساتھ جا رہی ہوں۔ مگر آپ کے ان خادموں نے لکی واٹسن کو گولی مارنے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ شخص بہت چالاک ہے۔ خادموں کے سامنے مجھے دماغی مریضہ ثابت کر رہا ہے۔"

ربی نے کہا "ایسا چالاک شخص تمھاری ٹیلی پیتھی کا رازدار بن کر رہا تو ایک دن ہمارا بدترین دشمن ثابت ہو گا۔ میں ابھی اپنے خادموں کو حکم دیتا ہوں۔"

میں شیبا کے دماغ سے نکل کر سوچنے لگا۔ اب اہم فیصلے کا وقت آ گیا تھا۔ میرے پاس رائفل تھی مگر تنہا اتنے مسلح گارڈز سے نمٹنا آسان نہ تھا۔ کسی کی رائفل کی گولی میرا خاتمہ کر سکتی تھی۔

میں چلتے چلتے آس پاس دیکھنے لگا۔ ابھی جو دوست ہیں' وہ دشمن بننے والے ہیں۔ ایک مسلح محافظ سب سے آگے تھا۔ چھوٹا سا ٹرانسمیٹر ہاتھ میں لیے کچھ بولتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ ربی اسفندیار کہہ رہے تھے "شیبا نارمل ہے۔ لکی واٹسن آگے چل کر ہمارے لیے مصیبت بن سکتا ہے۔ یہ اچھا موقع ہے۔ جنگل میں اسے کس نے ہلاک کیا، یہ معلوم نہ ہو سکے گا۔ اُسے فوراً ختم کر دو۔"

ربی کا حکم ان کے لیے پتھر کی لکیر ہوتا تھا۔ اس نے ٹرانسمیٹر کو آن رکھا۔ پھر ایک ایک مسلح ساتھی کو پاس بلا کر انھیں براہِ راست ربی کا حکم سنایا۔ وہ سن رہے تھے' مجھے دیکھ رہے تھے اور رائفلیں سیدھی کر رہے تھے۔ ان کے لیڈر نے ٹرانسمیٹر آف کرتے ہوئے مجھ سے کہا "ماسٹر لکی! ہم آج تک تمھاری عزت

کرتے رہے۔ تمھیں گولی مارنے کے بعد بھی ہمیشہ عزت سے تمھارا نام لیتے رہیں گے۔ ہمیں افسوس ہے، ہم اپنے آقا کے حکم پر اپنی جان بھی دیتے ہیں اور دوسروں کی جان بھی لیتے ہیں۔"

میرے سامنے ایک نہیں، پانچ رائفلیں تھیں۔ میں بیک وقت پانچوں کا رُخ نہیں پھیر سکتا تھا۔ اس صورت میں ڈھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے پہلے کہ ان کی انگلیاں ٹریگر پر دبتیں، شیبا اچانک ڈرامائی انداز میں دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی "نہیں نہیں۔ لکی کو نہ مارو، میرے لکی پر گولی نہ چلاؤ۔"

وہ گلے کا ہار بن گئی۔ بہ الفاظِ دیگر ڈھال بن گئی۔ یہ شدید حیرانی کا مقام تھا پہلے اس نے میری موت کا حکم صادر کیا تھا، ریڈی نے اس کی تصدیق کی تھی۔ اب وہی دشمنِ جاں ڈھال بن گئی تھی۔

میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ چونک گئی۔ خود کو میرے اتنے قریب پاکر چیخ مارتے ہوئے الگ ہونا چاہتی تھی۔ میں نے اُسے جکڑتے ہوئے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا: "تمھارے خادم جدھر سے گولی چلائیں گے، میں اُدھر تمھیں کر دوں گا مگر یہ کیا؟ ذرا دیکھو تو یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔"

شیبا نے سر گھما کر دیکھا۔ اور حیرانی سے دیکھا۔ وہ اب تک جو طریقۂ کار دشمنوں کو مارنے کے لیے استعمال کرتی آئی تھی، اُسی کے مطابق مسلح خادم ایک دوسرے پر گولیاں چلا رہے تھے۔ چیخ رہے تھے، چلّا رہے تھے، موت کے قدموں میں گرتے جا رہے تھے۔ آخر ان میں سے ایک بچ گیا اس نے رائفل کا رُخ ہماری طرف کرتے ہوئے کہا: "شیبا کو چھوڑ دو۔"

میں نے چھوڑ دیا۔ وہ الگ ہوتے ہی بولی: "یہ کیا ہو رہا ہے۔ ریڈی! اسے فوراً ختم کر دو۔"

ریڈی نے شیبا کا نشانہ لیتے ہوئے کہا: "تمھیں کیوں نہ ختم کیا جائے۔ تم احسان فراموش ہو۔"

وہ فوراً ہی اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔ اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہتی تھی۔ ریڈی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا تو تم میرے دماغ کو نقصان پہنچانے آئی ہو۔ کیا اس طرح اپنی موت کو ٹال سکو گی۔"

وہ حیرانی سے پیچھے ہٹ کر بولی: "ریڈی! تم... تم ریڈی نہیں ہو۔ تم نے کیسے معلوم کیا کہ میں تمھارے دماغ کو نقصان پہنچانا چاہتی ہوں۔ تم کون ہو؟ خدا کے لیے مجھے بتا دو۔ تم نے ہی مجھے قہقہہ لگانے پر مجبور کیا تھا۔"

"میں جو کوئی بھی ہوں، مرتے وقت پوچھ کر کیا کرو گی۔"

ریڈی میری مرضی کے مطابق کہہ رہا تھا۔ پھر اُس نے رائفل سیدھی کی شیبا کا نشانہ لیا۔ وہ چیخ مار کر بولی: "نہیں۔" اُس وقت میں نے ٹھائیں سے گولی چلا دی۔ وہ چکرا کر گر پڑی۔ اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ اسے گولی مار دی گئی ہے۔ وہ گھاس پر گر کر کراہنے لگی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "گولی کھا کر مرنے والے کراہتے نہیں ہیں۔"

"آں؟" وہ حیرانی سے اپنے آپ کو ٹٹول کر یقین کرنے لگی کہ ابھی زندہ ہے۔ میں نے کہا: "یہ ریڈی تمھیں ہلاک کرنا چاہتا تھا، میں نے اسے ختم کر دیا۔"

تب اس نے ریڈی کی لاش دیکھی۔ پھر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا "جب سے تم ملی ہو عجیب تماشے ہو رہے ہیں۔ کبھی تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے دشمنوں کو آپس میں لڑ مرنے پر مجبور کر دیتی ہو۔ کبھی مجھ جیسے ساتھی کو گولی مارنے کا حکم دیتی ہو۔ کبھی میرے لیے ڈھال بن جاتی ہو۔ اور یہ ریڈی جو خود کو تمھارا خادم کہتا تھا، یہ بھی اچانک تمھاری جان کا دشمن بن گیا تھا۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ریڈی کی لاش کی طرف گئی۔ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ پھر پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"

"کون؟" میں نے پوچھا۔

"وہی جو ریڈی کے اندر تھا۔ میری ٹیلی پیتھی کی لہریں اسے کو محسوس کر رہا تھا۔ تم نے ریڈی کے جسم کو مارا ہے، جو اس کے دماغ میں تھا، وہ زندہ ہے اور یہاں ہے۔"

وہ خوفزدہ ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر ذرا پیچھے ہٹ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ گڑگڑاتے ہوئے بولی: "تمھارے اندر رسونتی ہے۔ نہیں رسونتی نہیں۔ وہ تو کوما میں ہے۔ تم... تم فرہاد..."

وہ چیخ مار کر بھاگنے لگی: "نہیں، نہیں مجھ سے دور رہو۔ تمھارے دماغ میں وہ ہے۔ وہ میرے دماغ میں آنا چاہتا ہے۔ میں مر جاؤں گی۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتی ہوں، اس سے ڈرتی ہوں۔ مجھے جانے دو۔ میرے پیچھے نہ آؤ، نہیں تو میں مر جاؤں گی۔"

وہ اندھا دُھند بھاگتی جا رہی تھی۔ چیختی جا رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگا۔ مگر اس کے دماغ میں رہا۔ وہ دوسری طرف بھاگ رہی تھی۔ راستے بدل کر مڑتی بھی جا رہی تھی۔ پھر ایک دم سے سہم کر رُک گئی۔ وہ میرے سامنے پہنچ گئی تھی۔

میں نے اُسے دیکھا پھر منہ پھیر کر جانے لگا۔ وہ مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے دوسری طرف دوڑنے لگی۔ ہماری راہیں مختلف تھیں مگر جنگل کے راستے سمجھ میں نہیں آتے۔ اور سمجھ میں آ بھی جائیں تو میں خیال خوانی کے ذریعے سمجھنے کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔ اُسے ذرا دیر دوڑانے کے بعد پھر اپنے سامنے لے آیا۔

وہ کچھ فاصلے پر ٹھٹک گئی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔ دوڑتے رہنے کے باعث بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ مزید دوڑنے کا حوصلہ نہیں تھا مگر اس دہشت نے اسے پھر بھگایا کہ لکی واٹسن کے اندر فرہاد چھپا ہوا ہے۔ وہ پہلے کی طرح پھر مجھ سے دور بھاگتی جا رہی تھی۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ کیا اتنا نہیں سمجھ سکتی کہ فرہاد، لکی کے دماغ میں آ سکتا ہے تو میرے دماغ میں بھی پہنچ سکتا ہے؟"

وہ دوڑتے دوڑتے رُک گئی۔ ہانپتے ہوئے سوچنے لگی: "ہاں میرے دماغ میں پہنچ سکتا ہے۔ اس نے لکی وغیرہ کے پاس رہ کر میری باتیں سُنی ہوں گی۔ وہ آ سکتا ہے۔ میرے دماغ میں آ سکتا ہے بلکہ آ گیا ہے۔"

اس خیال سے وہ پھر بھاگنا چاہتی تھی مگر رُک گئی۔ عقل آ گئی کہ بھاگ کر کہاں جائے گی۔ اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھا۔ میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک طرف تیزی سے جانے لگی۔ اب پوری طرح حاضر دماغ تھی۔ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کوئی اس کے دماغ میں آ کر اسے راستے سے بھٹکا رہا ہے یا نہیں؟

وہ ٹیلی پیتھی کے مختلف طریقۂ کار کو سمجھتی تھی۔ یہ بھی جانتی تھی کہ فرہاد اس کی سوچ میں بھٹکائے گا تو اسے پتا نہیں چلے گا۔ اس کے باوجود وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اپنی ہی سوچ کے ذریعے کس طرح بھٹکتی ہے۔

مثلاً اس نے سوچا: "اب مجھے دائیں طرف مڑنا چاہیے۔" پھر اس نے سوچا: "کہیں میری سوچ میں کوئی مجھے بھٹکا تو نہیں رہا ہے؟"

وہ دائیں سمت چھوڑ کر بائیں سمت چل گئی۔ یہ بھول گئی کہ میں اس کے دماغ میں رہ کر اس کے راستوں کو پہچانتا جا رہا ہوں۔ ایک جگہ پہنچ کر اس کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ میں نگاہوں کے سامنے چلا آ رہا تھا۔

"تم... تم" وہ میری طرف انگلی اٹھا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "میں جہاں جاتی ہوں، وہیں پہنچ جاتے ہو۔"

میں نے جواب نہیں دیا۔ اُسے گہری چُبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر اپنے راستے پر چلنے لگا۔ وہ مجھ سے دور تھی۔ مگر کتی آ رہی تھی۔ "ماسٹر لکی! مجھے سچ سچ بتاؤ، تمھارے دماغ میں کوئی ہے یا نہیں؟"

میں خاموش رہا، چُپ چاپ چلتا رہا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی آئی۔ ذرا فاصلہ رکھ کر بولی: "یہ سوچ سوچ کر میرا دم گھٹ رہا ہے کہ میرے اندر کوئی ہے۔ یہ تم بتا سکتے ہو۔ تمھیں خدا کا واسطہ، تمھیں انسانیت کا واسطہ..."

میں چلتے چلتے رُک گیا۔ پلٹ کر اُسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا: "کس انسانیت کا واسطہ دے رہی ہو؟ میں انسانی ہمدردی کے تحت تمھارے دشمنوں کو اپنا دشمن بناتا رہا۔ فارم تک تمھاری راہنمائی کر رہا تھا مگر اپنے آدمیوں کے درمیان پہنچتے ہی تم نے مجھے مار ڈالنا چاہا۔ کیا یہی انسانیت ہے؟"

"مجھے معاف کر دو۔"

میں نے ایک طمانچہ رسید کیا۔ اس کا منہ گھوم گیا۔ وہ ایک طرف گرنے والی تھی، میں نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ وہ تکلیف سے کراہنے لگی۔ میں نے کہا: "معافی مانگ رہی ہو۔ تمھاری کمینگی کے باعث مر جاتا تو کس سے معافی مانگتیں۔"

"میں شرمندہ ہوں۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔"

"تم انسان نہیں ہو۔"

"جانور سمجھ کے معاف کر دو۔"

اس نے بے ساختہ بڑی معصومیت سے ایسی بات کہہ دی جسے سنتے ہی ہنسی آ گئی۔ وہ جلدی سے بولی: "اب ہم دوست ہیں نا؟"

میں نے ایک طرف بڑھتے ہوئے پوچھا: "تم کسی کا ساتھ برداشت نہیں کرتیں۔ پھر مجھے دوست کیسے بنا رہی ہو؟"

"حالات مجھے جھکنا سکھا رہے ہیں۔ ابھی مجھے تمھارے جیسے ساتھی کی سخت ضرورت ہے۔ میں تنہا نہیں رہ سکتی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ وہ ضرور ہمارے آس پاس ہے۔"

"کون؟"

"فرہاد۔"

"کیا تم فرہاد علی تیمور کی بات کر رہی ہو؟"

"ہاں، مجھے اس سے بچا لو۔" وہ میرے قریب آ گئی۔

"مگر وہ کہاں ہے؟" میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"وہ تمھارے دماغ میں چھپ کر مجھے دیکھ رہا ہوگا۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ میں یوگا کا ماہر ہوں۔ تمھاری سوچ کی لہروں کو میں نے قبول نہیں کیا۔ پھر وہ میرے دماغ میں کیسے آ سکتا ہے۔ اوّل تو وہ نہیں ہے۔ اگر ہے تو تمھارے ہی دماغ میں ہے۔"

اس نے دہشت زدہ ہو کر پہلی بار میرے بازو کو تھام لیا۔ "نہیں، ایسا نہ کہو۔ وہ میرے اندر آئے گا تو میں سانس بھی نہیں لے سکوں گی۔ دہشت سے مر جاؤں گی۔"

"کیا اس کی صورت ایسی ہی دہشت ناک ہے؟"

وہ پریشان ہو کر بولی: "دماغ میں آنے والے کی صورت نظر نہیں آتی۔"

"تو پھر وہ ظالم ہوگا۔"

"ہاں ظالم ہے۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ جس عورت کو پسند کرتا ہے، اُسے محبت سے گرفتار کر لیتا ہے۔ محبت کے چابک سے عورت کو جتنا بھی مارو، وہ فریاد نہیں کر سکتی۔ سونیا، رسونتی، مرجانہ، اصلی بی بی اور نہ جانے کتنی عورتیں اس کی اسیر ہیں۔ اس کی محبت کے چنگل سے نکل نہیں سکتیں۔ میں... میں اس کے دام میں نہیں آنا چاہتی۔ مجھے بچالو۔ خدا کے لیے اس سے کہیں دور لے چلو۔"

"میں تمھیں فارم تک پہنچا سکتا ہوں۔"

وہ دعا مانگنے لگی "خدایا! مجھے ایسی جگہ پہنچادے جہاں اس کی خیال خوانی کام نہ آسکے۔ یا میرے مالک! اس کی ٹیلی پیتھی کا علم اس سے چھین لے۔ اُسے پاگل بنادے۔ اسے کینسر کا مریض بنا دے۔ یا خدا! تو چاہے تو وہ ابھی مر سکتا ہے۔"

عورتیں ہزار باصلاحیت ہوں، مگر کوسنے سے باز نہیں آتیں۔ میں نے کہا "دعا مانگنے کے بعد انتظار کرنا ہوگا۔ پتا نہیں کب قبول ہوگی۔ کب وہ مرے گا۔ اتنی پریشانی سے بہتر ہے اس سے دماغی رابطہ قائم کرو۔ جس طرح دو سپر طاقتیں آپس میں سمجھوتے اور معاہدے کرتی ہیں، اُسی طرح تم کرلو۔"

"میں اس سے دماغی رابطہ قائم نہیں کرسکتی۔"

"کیوں؟"

"فرض کرو اس نے اب تک میری آواز نہ سنی ہو۔ یہ میرا وہم ہو کہ وہ دماغ میں آتا ہے۔ اگر میں اُسے مخاطب کروں گی تو وہ کمبل بن جائے گا۔"

"میرا خیال ہے وہ تمھارے دماغ میں نہیں تمھارے حواس پر چھایا ہوا ہے۔"

"آں، ہاں۔ محترم ربّی بھی یہی کہتے ہیں۔"

"تو پھر ربّی سے مشورہ کرو۔"

"نن... نہیں۔ میں اس سلسلے میں ان سے بات نہیں کرسکتی۔ انھیں ذرا بھی شبہ ہوا کہ فرہاد مجھ تک پہنچ رہا ہے تو وہ مجھے واپس بلالیں گے۔"

وہ یوں بھی ربّی سے میرے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اُس نے جھوٹ کہا ہوا تھا کہ فرہاد بھی کوما میں ہے۔ اس نے پوچھا۔ "مسٹر لکی! تم بتا سکتے ہو کہ ریڈی اور اس کے ساتھی کیسے مرگئے؟"

"ریڈی کو میں نے تمھاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا۔ باقی کو تمھاری ٹیلی پیتھی نے...!"

"نہیں میری نہیں، کسی اور کی ٹیلی پیتھی نے۔ وہ ہے، ابھی ہمارے پاس موجود ہے۔"

"ایسے تو تم گھُل گھُل کر مر جاؤ گی۔ جو کچھ تمھاری آنکھوں کے سامنے ہوا، اسے دوسرے پہلو سے بھی سوچو۔ ہوسکتا ہے، ریڈی در پردہ اپنے ساتھیوں کا دشمن رہا ہو۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے موقعے سے فائدہ اٹھا کر انھیں ہلاک کردیا۔"

"یہ بے سر وپا باتیں ہیں۔"

"جب کوئی دشمن بے حد پریشان کرے تو بے سروپا باتیں سہارا دیتی ہیں۔ میں فرہاد کے متعلق زیادہ نہیں جانتا۔ مگر یہ سُنا ہے کہ وہ بیاہتا عورتوں کی عزّت کرتا ہے۔ اس نے کبھی کسی کی شریکِ حیات پر میلی نظر نہیں ڈالی۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں اُس کا ریکارڈ بھی یہی بتاتا ہے۔"

"تو پھر اُس سے بچنے کا آسان نسخہ ہے۔ فوراً کسی سے شادی کرلو۔"

"کیا؟" اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"ذرا غور کرو۔ اِدھر تمھاری شادی ہوئی، اُدھر وہ تمھارے خیال سے دور ہوا پھر تمھیں کبھی اپنی محبوبہ نہیں بنائے گا۔ یوں بھی شادی کے بعد تم میں پہلے والی شگفتگی نہیں رہے گی۔ یا تو بہت موٹی ہو جاؤ گی، یا بچے پیدا کرتے کرتے سوکھی ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاؤ گی۔ آج تم دہشت زدہ ہو، کل وہ تمھاری صورت دیکھ کے ڈر جائے گا۔ اس سے اچھی بات کیا ہوگی کہ وہ تم سے نفرت کرے گا۔ اس سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔"

وہ چڑ کر بولی "نفرت کرے گا تم سے۔ نفرت کرے گا تمھاری کسی ہونے والی سے۔ سونیا اور رسونتی کیا بیچتی ہیں۔ وہ مجھے ایک نظر دیکھ لے تو دلوا...!"

وہ کہتے کہتے رُک گئی۔ یکبارگی احساس ہوا کہ اس کی زبان سے اس کا اپنا لاشعور بول رہا ہے۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "عورت کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اپنے ڈر کا مطلب سمجھو۔ تم اس سے ڈرتی ہو مگر اس پر مرتی ہو۔"

"نان سنس۔ تم ماہرِ نفسیات بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں شادی نہیں کرسکتی۔ کسی سے نہیں کرسکتی۔"

"تمھارے انکار کرنے سے تقدیر نہیں بدلے گی۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں پہلے ہی بتا چکا ہوں، میں نے تمھارا زائچہ تیار کیا تھا۔ تمھارے نام کے اعداد پڑھے تھے۔ تمھارے ستاروں کی

چال دیکھی تھی۔ میرا علم کہتا ہے کہ تم شادی کی زنجیریں پہنو گی۔ انکار کرو گی تو کوئی تمھیں محبت سے جکڑ لے گا۔"

"کون؟" اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

"ستارے کسی کا نام نہیں بتلاتے۔ اس کا عمل یا پیش آنے والے واقعے کا ہلکا سا خاکہ پیش کردیتے ہیں۔ میں نے بھی پیش کردیا۔"

"تم بکواس کرتے ہو۔"

"وقت سے پہلے جس نے بھی میری پیشین گوئی کو بکواس کہا، وہ تقدیر کے ہاتھوں بکواس بن کر رہ گیا۔"

"وہ مجھے محبت سے نہیں جکڑ سکے گا۔" میں اسے موقع نہیں دوں گی۔"

"میں نے فرہاد کے متعلق نہیں کہا ہے مگر تم نے اسے مرکزِ خیال بنا رکھا ہے۔"

وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھتے ہوئے چلنے لگی پھر جھنجلا کر بولی "آخر ہم کب تک چلتے رہیں گے؟"

اسی وقت ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ میں نے کہا "اب ہم نہیں چلیں گے۔ شاید ہمیں اٹھا کر لے جانے والے آرہے ہیں۔"

وہ سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک تو اوس پڑ رہی تھی۔ دوسرے چاند دھندلایا ہوا تھا۔ دور دور تک کہر کی سفیدی نظر آرہی تھی۔ پھر فائر کی آواز سنائی دی۔ کسی نے ٹریسر گولی چلائی تھی۔ چشم زدن میں ایک چنگاری شعلہ بنی۔ پھر کہر کے دھندلکے کو چیرتے ہوئے ہمارے آس پاس کے جنگل کو روشن کرنے لگی۔

ہم نے ایک ہیلی کاپٹر کو دیکھا۔ وہ دور بلندی پر تھا۔ اب ہماری طرف آرہا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ پھر اسے کھینچتے ہوئے دوڑتے ہوئے ایک درخت کی طرف جانے لگا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ، مجھے کہاں لے جارہے ہو؟"

"وہ ہیلی کاپٹر تمھاری ٹیلی پیتھی کی زبان نہیں سمجھے گا۔ ویسے مجھے ہاتھ پکڑنے کا شوق نہیں ہے۔"

وہ بے سہارا ہوتے ہی لڑکھڑا کر گر پڑی۔ ذرا فاصلے سے ہی تڑ تڑا تڑ فائرنگ کی آواز تیزی سے آئی، ہمارے پاس سے گزری پھر دور ہوتی چلی گئی۔ ہیلی کاپٹر سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ خیریت ہوئی شیبا گھنے درخت کے سائے میں گری تھی۔ میں نے کہا "ہیلی کاپٹر پھر فائرنگ کرتا ہوا آئے گا۔"

وہ زمین پر سے اُٹھی، دوڑتی ہوئی میرے پاس آگئی۔ ہم درخت کے بڑے سے تنے کے پیچھے تھے۔ سامنے سے ہیلی کاپٹر واپس آرہا تھا۔ پھر وہ اسی درخت کے پاس سے فائرنگ کرتا ہوا گزر گیا۔ وہ پریشان ہو کر بولی "یہ کون لوگ ہیں؟"

"پوچھ کر بتاؤں گا۔" میں وہاں سے جانے لگا۔ وہ میرے پیچھے آتے ہوئے بولی "مجھے کہاں لے جارہے ہو؟"

"ٹریسر فائرنگ کی روشنی ختم ہوگئی ہے۔ دوسری فائرنگ سے پہلے ہمیں جگہ بدل دینا چاہیے۔"

وہ میرا بازو تھام کر دوڑنے لگی۔ اندھیرے میں گرنے کا خطرہ تھا۔ یوں تو اس جنگل میں گھنے درختوں کا سلسلہ تھا۔ مگر ہم جنگل کے میدانی حصے میں تھے۔ دوسرے درخت تک پہنچتے ہی پھر ٹریسر فائرنگ کی روشنی ہوئی۔ وہ ایک درخت کے تنے سے لگ کر ہانپتے ہوئے بولی "تم بہت حاضر دماغ ہو۔ وہ ہیلی کاپٹر اس درخت کی طرف جارہا ہے۔ وہ ہمیں تلاش کرتے رہیں گے۔ مگر ہم نظر نہیں آئیں گے۔ لکی! تم بہت اچھے ہو۔"

"تم ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتیں۔ مگر مصیبت کے وقت ہاتھی کو ناک پر سے گزار لو گی۔ تمھاری تعریف کا شکریہ۔ میرا بازو چھوڑ دو۔"

اس نے چھوڑ دیا۔ ہیلی کاپٹر پہلے ایک تھا۔ اب دو نظر آرہے تھے۔ اُن کی پرواز اتنی نیچی تھی کہ درخت کے پتے، گھاس اور جھاڑیاں تیزی سے ہل رہی تھیں۔ ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں، شور مچا رہی تھیں۔ اُس پر دو ہیلی کاپٹروں کی گھن گرج نے کچھ کہنے سننے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شور تھمنے لگا۔ وہ ہیلی کاپٹر میدانی حصّے میں اُتر رہے تھے۔ گردش کرتے ہوئے پنکھے چُپ ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ہی کوئی میگا فون کے ذریعے کہنے لگا "لڑکی! تم جہاں کہیں بھی ہو، ادھر آجاؤ۔ ہم نے محض دھمکی کے طور پر گولیاں چلائی تھیں۔ ہم تمھاری جان کے دشمن نہیں ہیں۔"

میں نے اور شیبا نے خیال خوانی کی پرواز کی، کہنے والے کے دماغ میں پہنچے۔ وہ ایک ہیلی کاپٹر کے دروازے پر جھکا ہوا باہر دیکھتا جارہا تھا۔ اس کے پیچھے مختلف نشستوں پر نو مسلح دشمن تھے۔ ایک مسلح شخص اس کہنے والے کے پیچھے بیٹھا اجنبی زبان میں کہہ رہا تھا اور ہم اس کا ترجمہ میگا فون والے کے ذریعے سن رہے تھے۔

میں نے کہا "تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے دشمنوں کو تباہ کر سکتی ہو۔"

"میں صرف کہنے والے کے دماغ میں پہنچ سکتی ہوں۔ ہیلی کاپٹروں میں آنے والے خاموش ہیں۔ ایک شخص اجنبی زبان میں جو کہتا ہے، وہ میگا فون والا اس کا مطلب ہمیں سمجھاتا ہے۔"

یہ بات قابلِ غور تھی کہ دشمن محتاط کیوں ہیں؟ میں نے کہا۔ "کیا یہ دشمن تمھاری خیال خوانی کے متعلق جانتے ہیں؟"

"یہ بھلا کیسے جان سکتے ہیں؟"

"ان کا طریقۂ کار بتا رہا ہے، یہ اپنے ساتھ ایسے شخص کو لائے ہیں جو انگریزی اور ان کی اجنبی زبان جانتا ہے۔ کیا ہیلی کاپٹروں میں آنے والے اتنے سارے لوگوں میں سے کوئی انگریزی نہیں جانتا ہوگا؟ مگر جاننے والا تمھیں مخاطب نہیں کرے گا۔ وہ سب تمھاری ٹیلی پیتھی کے متعلق ضرور جانتے ہیں۔ یا پھر شبہ کر رہے ہیں اور اب کسی طرح شبہے کی تصدیق چاہیں گے۔"

"میں کیا کروں؟ میرا علم کام نہیں آئے گا۔ تمھارے پاس ایک رائفل ہے۔ دشمن بے شمار ہیں۔ آخر یہ چاہتے کیا ہیں؟"

"تمھیں جو دیکھے گا، چاہے گا۔ یہ آنے والے تمھیں دیکھے بغیر چاہتے ہیں۔ بائی دی وے کیا ہم یہیں کھڑے کھڑے حالاتِ حاضرہ پر گفتگو کریں گے۔"

میگا فون سے آواز آنے لگی "لڑکی! جواب دو۔ فرار ہونے کی بچکانہ کوشش نہ کرنا۔ اپنے ساتھی کے ساتھ چلی آؤ۔"

اس نے کہا "میں نہیں جاؤں گی۔"

"میں جاؤں گا۔"

"کیا؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

میں نے ایک ہوائی فائر کیا۔ آواز دور تک دیر تک گونجتی رہی پھر میں نے بلند آواز سے کہا "ہم ہتھیار پھینک کر آنا چاہتے ہیں۔ مگر ہمیں معلوم ہونا چاہیے تم کون لوگ ہو؟"

جواب ملا "تعارف ضروری نہیں ہے۔"

"اتنا بتا دو، ہم دونوں کو چاہتے ہو یا صرف لڑکی کو؟"

"ہمیں صرف لڑکی چاہیے۔"

میں نے شیبا سے کہا "ان کے ہاں بیٹی نہیں ہے، وہ تمھیں گود لینا چاہتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔ کیا یہ زندہ دلی کا موقع ہے؟"

"یہی تو موقع ہے۔ میں نے تم سے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا سیکھا ہے۔ تم دوست سے دشمن بن کر مجھے قتل کرانا چاہتی تھیں مگر ناکام رہیں۔ اب میری باری ہے۔ پلیز ان کے پاس چلی جاؤ۔ وہ مجھے زندہ چھوڑ دیں گے۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔ تم بزدل ہو، بے مروت ہو۔"

میں نے بلند آواز سے کہا "یہ آنا نہیں چاہتی۔ میں اسے زبردستی گھسیٹ کر لاؤں گا۔ کوئی گولی نہ چلائے۔"

وہ اچھل کر اُدھر گئی جدھر میں نے رائفل پھینکی تھی۔ پھر فوراً ہی اسے اٹھا کر بولی "تم سانپ ہو۔ تمھیں زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

"پہلے بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ ناکام ہونے کے بعد تم نے معافی مانگی پھر وہی غلطی کرنے جا رہی ہو۔"

"معافی مانگے گی، میری جوتی۔ لو اب جہنم میں جاؤ۔"

اس کی انگلی ٹرائیگر پر چل گئی۔ ایک بار نہیں دو بار چلی۔ تیسری بار بھی چلی۔ پھر اس نے بے بسی سے رائفل کو دیکھا۔ میں نے کہا "صرف ٹیلی پیتھی جاننے سے کچھ نہیں ہوتا۔ کبھی عقل سے استعمال کر لیا کرو۔ کوئی احمق بھی مقابلے کے وقت ہتھیار نہیں پھینکے گا۔ ہمارے دشمنوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ رائفل خالی ہو چکی ہے۔ یوں بھی اسے پھینکنا تھا۔ میں نے دشمنوں کو یہ تاثر دیا ہے کہ اُن کے ڈر سے ہتھیار ڈال رہا ہوں۔"

اس نے حسرت سے رائفل کو دیکھا پھر اسے پھینک دیا۔

میں ایک قدم آگے بڑھا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی "مجھے معاف کر دو۔"

"گرگٹ خواہ مخواہ بدنام ہے۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کارتوس نکالا۔ دشمن میگا فون کے ذریعے آخری وارننگ دے رہے تھے۔ میں نے رائفل زمین سے اٹھا کر شیبا کی طرف اچھالی۔ اس نے کیچ کر لی۔ اسی طرح کارتوس بھی اس کی طرف اچھالا۔ وہ اسے بھی لینے کے بعد چند سیکنڈ بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ اسی وقت میں نے بلند آواز سے کہا "مجھے مہلت دو۔ میں اس لڑکی کو لا رہا ہوں۔"

باتوں کے دوران اس نے مجھے غافل سمجھ کر کارتوس کو لوڈ کیا پھر وقت ضائع کیے بغیر مجھ پر گولی چلا دی۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ میں سینے پر ہاتھ رکھ کر اچھلا۔ پھر چیخ مار کر گر پڑا۔ گھاس پر اوندھے منہ گر کر تڑپنے لگا۔ میں نے گولی کھا کر گرنے اور مرنے کی ایکٹنگ کی۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ میں نے نشانہ بہکا دیا تھا۔

اس نے میرے دماغ میں پہنچ کر کہا "لکی واٹسن! موت تمھارے دماغ کو بجھانے والی ہے۔ اب یوگا کا مظاہرہ کر کے مجھے دماغ میں آنے سے روک سکتے ہو تو روک لو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے ایک ہچکی لی۔ اور سانس روک لی۔ اس کی سوچ کی لہریں واپس چلی گئیں۔ اس کی سمجھ میں آیا کہ دماغ مردہ ہو چکا ہے۔ میری آخری سانس ختم ہو چکی ہے۔ وہ رائفل پھینک کر وہاں سے بھاگنے لگی۔

آخر وہ کہاں جا سکتی تھی۔ راستے انجانے تھے۔ دشمن بھی جانے پہچانے نہیں تھے ورنہ ٹیلی پیتھی کام آ سکتی تھی۔ میں اسے چھوڑ کر گھاس پر لیٹے ہی لیٹے میگا فون والے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ جن لوگوں کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں آیا تھا، ان کے متعلق

نہیں جانتا تھا۔ معاوضے کے لالچ میں ان کے ساتھ آ گیا تھا۔ وہ اسپین کا رہنے والا تھا۔ باقی لوگ کہاں سے آئے تھے؟ جنگل میں انھیں کسی لڑکی کا سراغ کیسے ملا تھا؟ وہ کیوں شیبا کو حاصل کرنا چاہتے تھے؟ اور اسے اپنے ساتھ کہاں لے جانا چاہتے تھے؟ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے شیبا جیسی کسی لڑکی سے دلچسپی نہیں تھی۔

اس وقت وہ ہیلی کاپٹر میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ باقی مسلح لوگ جنگل میں مختلف سمتوں میں ہماری تلاش میں گئے تھے۔ دو ہیلی کاپٹروں کے سائے میں دو مسلح جوان نگرانی کے لیے رہ گئے تھے۔ میگا فون سے آواز سنانے والا آلۂ کار اناڑی تھا۔ ہیلی کاپٹر میں پائلٹ کی جگہ نہیں لے سکتا تھا۔ اسی لیے وہ سب مطمئن ہو کر ہی گئے تھے۔

میں اُس آلۂ کار کو اچھی طرح ٹٹولتے ہوئے ایک سمت جا رہا تھا تاکہ تلاش کرنے والوں کی نظروں میں نہ آ سکوں۔ اس کے دماغ نے بتایا کہ وہ مسلح افراد اجنبی زبان بولتے .... ہیں۔ وہ سب انگریزی جانتے ہیں۔ مگر جب سے اس جنگل کی طرف آئے ہیں، انگریزی کا ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہیں کیا ہے۔

ایسی معلومات سے یقین ہو گیا کہ انھیں ٹیلی پیتھی کا خوف ہے۔ اور وہ شیبا کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔ یہ بڑی حیرانی کی بات تھی۔ شیبا اب تک گہرے اسرار کے پردے میں رہی تھی۔ لیکن چار دیواری سے باہر آتے ہی انجانے دشمنوں کی نظروں میں آ گئی تھی۔ آخر اس کی اصلیت کا علم دوسروں کو کیسے ہوا تھا؟

میں اور شیبا ان کی گرفت میں آنے کے بعد یا تو جان سے جاتے یا دشمنوں کو بے نقاب کر دیتے۔ جان بوجھ کر دشمنوں کی گرفت میں جانا دانشمندی نہیں تھی۔ اگر یہ وہی لوگ ہوتے جنھوں نے میری عزیز ساتھیوں کو کوما میں پہنچا دیا تھا تو پھر ہم بھی ان کے ہاتھوں کوما میں پہنچ کر ہمیشہ کے لیے بے دست و پا ہو جاتے۔ ان سے دور ہی سے نمٹنا مناسب تھا۔

میں نے پھر اس آلۂ کار کے پاس پہنچ کر آس پاس کا جائزہ لیا۔ دونوں مسلح گارڈز اطمینان سے کھڑے ہوئے ہیلی کاپٹروں کی نگرانی کر رہے تھے۔ آلۂ کار کے قریب کھڑا ہوا گارڈ ایک لائیٹر جلا رہا تھا پھر وہ سر جھکا کر سگریٹ سلگانے لگا۔ اچانک آلۂ کار نے اس پر چھلانگ لگائی۔ اسے لیے ہوئے گھاس پر گرا۔ پھر اس سے ہتھیار چھیننے کے لیے زور آزمائی کرنے لگا۔

وہ آلۂ کار اناڑی تھا۔ لڑنا نہیں جانتا تھا مگر میں تو جانتا تھا۔ چند سیکنڈ میں ہی میں نے اُس گارڈ کو ٹانگوں پر رکھ کر دور اچھال دیا۔ اب ہتھیار میرے معمول کے ہاتھوں میں تھا۔ دوسرے ہیلی کاپٹر — کے گارڈ نے للکار کر کہا "ہالٹ ٹو فول اینڈ یو وِل بی نو مور!"

وہ گارڈ اسپین کی ...... زبان نہیں جانتا تھا۔ اُسے گونگا بنا کر لایا گیا تھا۔ مگر کوئی افتاد آ پڑے تو بے اختیار مادری زبان منہ سے نکل جاتی ہے۔ اُدھر وہ بے اختیار ہوا، اِدھر مجھے اس کے دماغ پر اختیار حاصل ہو گیا۔ وہ اپنی وارننگ کے مطابق فائر نہ کر سکا۔ اس آلۂ کار نے لڑنے والے گارڈ کو گولی مار دی۔ میں نے دوسرے گارڈ کے دماغ میں پہنچ کر اُس آلۂ کار سے کہا "تم فوراً پائلٹ کی سیٹ سنبھالو۔ تم کچھ نہ جانتے ہوئے بھی آج ... ہیلی کاپٹر اڑاؤ گے۔"

وہ گھبرا کر بولا "مم ..... میں یہ کام نہیں کر سکتا۔"

میں نے گارڈ کے ذریعے ڈانٹ کر کہا "جو کہا جا رہا ہے، اس پر فوراً عمل کرو۔ ورنہ ....."

گارڈ نے رائفل سیدھی کی۔ وہ آلۂ کار خوفزدہ ہو کر ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے لگا۔ میں نے گارڈ سے کہا "اب تمھاری سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ تم سر سے پاؤں تک ٹیلی پیتھی کے شکنجے میں ہو۔ بتاؤ تم لوگ کون ہو؟ تمھارا سرغنہ کون ہے؟"

وہ سہم کر بولا "میں ایک معمولی ورکر ہوں۔ میں صرف مسٹر ایل مانڈو کو جانتا ہوں۔ یہ ہمارا لیڈر ہے۔ ابھی شیبا مدام کو تلاش کرنے جنگل میں گیا ہے۔"

"میں شیبا مدام ہوں۔ تم لوگ مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ ہمارے لیڈر ایل مانڈو کے پُراسرار باس نے حکم دیا تھا کہ برانڈ کے مضافات میں ربی اسفندیار کا فارم ہے۔ وہاں شیبا مدام پہنچ رہی ہے۔ اسے اغوا کر کے لایا جائے۔ ساتھ ہی تاکید کی گئی تھی کہ ہم میں سے کوئی تمھیں اپنی آواز نہ سنائے۔ جو اجنبی زبان نہیں جانتے، وہ گونگے بنے رہیں۔"

"مجھے کہاں لے جایا جائے گا؟"

"یہ صرف ایل مانڈو جانتا ہے۔ وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے کسی سے رابطہ قائم کرتا ہے اور اچانک اپنا پروگرام بدلتا رہتا ہے۔"

میں چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ اگر شیبا اس گارڈ کے دماغ پر قابض ہوتی اور میں اس آلۂ کار کو سنبھال لیتا تو دونوں ہیلی کاپٹروں کو یہاں سے دور پہنچا دیا جاتا۔ پھر ہمیں تلاش کرنے والے دشمن مسائل کا شکار ہو جاتے۔ مجھے اطمینان ہوتا کہ وہ شیبا کو اب آسانی سے نہیں لے جا سکیں گے۔

یہ سوچ کر میں شیبا کے پاس پہنچا تاکہ اس کی سوچ کے ذریعے اُسے ہیلی کاپٹر کی طرف جانے پر مجبور کر دوں۔ مگر وہ ایک جھاڑی کے پاس چھپی ہوئی خوف سے کانپ رہی تھی۔ قصہ یہ تھا کہ جب میں نے اس آلۂ کار کے دماغ کو قابو کر کے ایک گارڈ کو

ہلاک کیا تھا۔ اور دوسرے گارڈ کے دماغ کو قابو میں کیا تھا تو وہ تمام وقت اس آلۂ کار کے ذریعے میری ٹیلی پیتھی کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ چونکہ رسونتی کوما میں تھی، لہٰذا میری وہاں موجودگی کی تصدیق ہوگئی۔

ربّی اسفندیار نے اُسے اس معاملے میں ننھی سی بچی بنا دیا تھا۔ مجھے ایک آسیب بنا کر اس کے دل میں ایسی دہشت بٹھا دی تھی کہ وہ میرے نام سے ڈرتی تھی۔ میرے خیال سے کانپ جاتی تھی۔ جب میں ساہیوال کے ایک اسپتال میں زخموں سے چُور پڑا ہوا تھا، تب اُس نے بڑے غرور سے دماغ میں آکر مجھے چیلنج کیا تھا۔ مجھ پر برتری حاصل کرتی رہی تھی۔ اس کے بعد ہی ربّی نے شاید سوچا ہوگا کہ شیبا کو برتری کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ فرہاد سے ہمیشہ سہم کر رہے تو کبھی اس کی دوستوں کی فہرست میں شامل ہونا پسند نہیں کرے گی۔ محبت کے فریب میں آنے کے بجائے دور بھاگتی رہے گی۔ اور یہی ہو رہا تھا۔ اب وہ میرے دماغ میں پہنچنے کے خیال سے بھی کانپ جاتی تھی۔

اس وقت جھاڑی میں دبک کر سوچ رہی تھی "وہ ہے۔ وہ اب بھی میرے دماغ میں ہے اور نہ جانے کتنے عرصے سے میرے اندر سمایا ہوا ہے۔ شاید کتنی محل کے تہ خانے سے مجھے پالیا۔ تبھی گورُی سجاتا کو لے اُڑا۔ یا شاید اور پہلے سے میرے گھر کا بھیدی بنا ہوا ہے اور میرے دل و دماغ کی لنکا ڈھا رہا ہے۔"

اس نے سوچتے ہوئے ذرا سر اٹھا کر جھاڑی کے پار دیکھا۔ "میں کہاں جاؤں؟ وہ میرے بالکل پاس ہے۔ مگر بولتا نہیں ہے۔ بڑی خاموشی سے مجھے اندر ہی اندر قتل کرتا جا رہا ہے۔ میں بے خبر تھی۔ اور اس کی دسترس میں تھی۔ اب با خبر ہوں۔ اب بھی اُس کے بس میں ہوں۔ مگر وہ بولتا نہیں ہے۔ کیوں نہیں بولتا ہے۔ بولو۔ اے تم بولو۔ ہاں بولو۔ نہیں تو میرا دم نکل جائے گا۔"

میں نے . . . . . . ایک گہری سانس لی۔ سانس لینے کا مختلف انداز تھا۔ اس لیے وہ میری موجودگی کو محسوس کرنے لگی۔ ابھی اور انتظار تھا۔ وہ میری آواز سننا چاہتی تھی۔ میں نے پچکارنے کی آواز پیدا کرتے ہوئے بڑی نرمی سے کہا "اچھے بچے نہیں ڈرا کرتے۔"

اس کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ میں نے اُسے سانس لینے پر مجبور کیا۔ ورنہ وہ زندہ رہنا بھول جاتی۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ دل کی طوفانی دھڑکنوں پر قابو پانا چاہتی تھی۔ میں نے کہا۔ "تم ننھی بچی نہیں ہو اور نہ میں زیادہ دیر تمھیں پچکار سکتا ہوں۔ وقت ضائع نہ کرو، فوراً ہیلی کاپٹر کے گارڈ کے پاس پہنچو۔ اسے دھمکی دیتی رہو۔ وہ ہیلی کاپٹر کو وہاں سے لے جائے گا۔ میگا فون پر بات کرنے والا اناڑی ہے۔ مجھے اس کے دماغ میں رہ کر دوسرے ہیلی کاپٹر کو لے جانا ہوگا۔ اس طرح تمھیں اغوا کرنے والے شُرلا کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

میں اسے سمجھا کر آلۂ کار کے پاس آیا۔ صرف دس منٹ کے اندر دونوں ہیلی کاپٹروں کے پنکھے گردش کرنے لگے تھے۔ جنگل کی پُر سکون فضا میں پھر ہلچل مچ گئی تھی۔ جیسے آندھی آ رہی تھی۔ درخت کی شاخیں اور پتے زور زور سے ہل رہے تھے۔ دشمنوں کی سمجھ میں آیا کہ میں اور شیبا ان کے ہیلی کاپٹروں کو لیے جا رہے ہیں۔ وہ دوڑتے آ رہے تھے اور فائرنگ کرتے جا رہے تھے۔ ویسے ہمارے آلۂ کار زمین سے بلند ہو چکے تھے۔ جب تک فائرنگ کرنے والے میدانی حصے میں پہنچے، وہ دونوں ہیلی کاپٹر بلندی پر جاتے ہوئے ان کی شوٹنگ رینج سے دور نکل گئے تھے۔

رات کے وقت صرف ہیلی کاپٹروں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ انھوں نے دیکھنے کے لیے ٹریسر گولی چلائی۔ تھوڑی دیر میں وہ جنگل روشن ہوگیا۔ وہ ہیلی کاپٹروں کو دیکھ رہے تھے۔ میں آلۂ کار کے ذریعے بلندی سے انھیں دیکھ رہا تھا۔ کچھ لوگ گارڈ کی لاش کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ ہم ان میں سے کسی کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اندازہ کر سکتے تھے کہ وہ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ میں اور شیبا ہیلی کاپٹروں کے پاس آئے، ایک گارڈ کو ہلاک کیا، دوسرے کو قابو میں کیا پھر شیبا اُس آلۂ کار کے دماغ پر قبضہ جما کر ان کے ہیلی کاپٹر لے گئی۔

وہ ایسا سمجھ رہے تھے مگر ہم فرار نہیں ہو سکے تھے۔ ابھی تک ان کے پیچھے جنگل میں چھپے ہوئے تھے۔ وہاں سے میدانی حصے کی طرف جاتے تو ان کی گرفت میں آجاتے۔ لہٰذا صرف ہیلی کاپٹر وہاں سے گئے تھے۔ میں نے ٹریسر فائرنگ کی روشنی میں ان کی گنتی کی تھی۔ وہ پندرہ تھے۔ ممکن ہے اور بھی درختوں وغیرہ کے سائے میں ہوں۔ بہرحال ہم ایک چھوٹی سی فوج کے نرغے میں تھے۔

وہ ہیلی کاپٹر سمندر کے قریب پہنچ رہے تھے۔ میں نے آلۂ کار سے پوچھا "تیرنا جانتے ہو؟"

وہ بوکھلا کر بولا "آں۔ یہ میرے دماغ میں کوئی بول رہا ہے۔ مجھ پر کوئی سایہ ہے۔ میں ہیلی کاپٹر کے ایک پُرزے کے متعلق بھی نہیں جانتا۔ مگر اسے چلا رہا ہوں۔ کیا میرا آخری وقت آگیا ہے؟"

میں نے ڈانٹ کر کہا "زیادہ مت بولو۔ جواب دو کیا تمھیں تیرنا آتا ہے؟"

"ہاں میں اچھا تیراک ہوں۔ مگر میرے اندر کون بول رہا ہے؟"

"کوئی سوال نہ کرو۔ میری بات غور سے سنو۔ جب یہ ہیلی کاپٹر

سمندر کے ساحلی حصے پر پرواز کرتا ہوا پہنچے تو تم پانی میں چھلانگ لگا دینا۔ تیار ہو جاؤ۔"

"مگر میں کیوں چھلانگ لگاؤں۔ ہیلی کاپٹر کو آرام سے زمین پر کیوں نہ اتاروں؟"

"بکواس نہ کرو۔ تم نے میرے مشورے پر عمل نہ کیا تو ہیلی کاپٹر سمندر کے گہرے حصے کی طرف چلا جائے گا۔ پھر تم ساحل تک تیر کر نہیں آسکو گے۔ چلو دروازے کی طرف آؤ۔"

"نہیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"تم سیدھی طرح میرے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے؟"

"نہیں۔ تم جن بھوت ہو۔ تم ٹیلی پیتھی والے ہو یا والی ہو؟"

میں نے پوچھا "تم اسپین پہنچ کر لوگوں سے ہماری ٹیلی پیتھی کا ذکر کرو گے؟"

"ہاں کروں گا۔ میری اچھی آمدنی ہوگی۔ جو لوگ بھی ٹیلی پیتھی والوں سے براہِ راست بات کرنا نہیں چاہیں گے، وہ ایلی مانڈو کی طرح میری خدمات حاصل کریں گے۔"

"میں بھول گیا تھا کہ تم ہماری پبلسٹی کر سکتے ہو۔ ذرا دیکھو تو کتنے گہرے سمندر پر پرواز کر رہے ہو۔ یہاں سے کوئی کشتی یا جہاز ہی تمھیں ساحل تک پہنچا سکتا ہے۔ اور دور دور تک کوئی نہیں ہے۔ اچھا وِش یو اے گُڈ جرنی انڈر دی سی۔"

میں اُس کے دماغ سے نکل آیا۔ دوسرے ہیلی کاپٹر میں دوسرے معمول کے پاس پہنچا۔ وہ بھی سمندر کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ میں نے وہاں سے آلۂ کار کے ہیلی کاپٹر کو ڈوبتے دیکھا۔ میں نے گارڈ کے دماغ کو قابو میں کیا۔ اس کے ذریعے اس ہیلی کاپٹر کے آلات میں خرابی پیدا کی پھر جیسے ہی وہ ڈگمگانے لگا، میں وہاں سے واپس آگیا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ بھی زندہ سلامت واپس جا کر اپنے لوگوں میں ہمارا ذکر ضرور کرتا۔

شیبا اُسی جھاڑی میں چھپی ہوئی تھی۔ پتا نہیں وہ مجھ سے کتنی دور تھی۔ میں نے پوچھا "کیا اس جھاڑی میں زندگی گزر جائے گی؟"

وہ اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں جھاڑی کے اندر اُس کی تنہائی میں آگیا ہوں۔ میں نے کہا "میں مانتا ہوں، تنہائی میں بغیر اجازت نہیں آنا چاہیے۔ مگر جنگل میں تہذیب نہیں ہوتی۔ میں بہت زیادہ مہذب بن جاؤں گا تو دشمن تمھیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ بہرحال تمھاری خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔ اب جا رہا ہوں، میری ضرورت ہو تو مجھے مخاطب کر لینا۔"

میں اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ دشمنوں کا پتا نہیں چل رہا تھا، وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ ان کے پاس یقیناً ٹرانسمیٹر ہوگا۔ ایلی مانڈو اپنے باس کو صورتِ حال بتا کر دوسرے ہیلی کاپٹر طلب کر سکتا تھا۔ اگر ایسا کوئی ذریعہ نہ ہوتا تو وہ سب صبح کا انتظار کرتے اور ہم دن کی روشنی میں ان سے چھُپ کر نہیں رہ سکتے تھے۔

بعض حالات میں آدمی سوچتا رہ جاتا ہے، کچھ کر نہیں سکتا۔ ایسے میں قدرت ہی ساتھ دیتی ہے۔ اچانک جنگل کی خاموشی لرز گئی۔ شیبا کی ایک دلدوز چیخ گونج سنائی دی۔ میں نے فوراً خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ وہ جھاڑی سے نکل کر بھاگ رہی تھی۔ پتا چلا، جھاڑی میں ایک سانپ نظر آگیا تھا۔ وہ بے اختیار چیخ پڑی تھی۔ میں نے کہا "یہ کیا پاگل پن ہے۔ فوراً کہیں چھُپ جاؤ ورنہ دشمنوں کی نظروں میں آجاؤ گی۔"

وہ رُک گئی۔ اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگی۔ میں گھاس پر لیٹ گیا۔ زمین پر کان رکھ کر سننے لگا۔ بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ میں نے فوراً ہی اٹھ کر اس رائفل کو اٹھایا جسے شیبا پھینک کر گئی تھی۔ اسے نال کی طرف سے پکڑ کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ پتا نہیں وہ کتنے تھے۔ دوڑتے آ رہے تھے۔ پھر وہ میرے قریب سے گزرنے لگے۔ رات مہربان تھی اور درخت مجھے چھپا رہا تھا۔

پانچ مسلح دشمن گزر چکے تھے۔ میں نے ایک ذرا گردن گھما کر دیکھا، چھٹا شخص دوڑنے میں پیچھے رہ گیا تھا مگر دوڑتا آ رہا تھا۔ میں نے اپنی رائفل کو لاٹھی کے انداز میں تولا۔ جیسے ہی وہ قریب سے گزرنے لگا، میں نے درخت کی آڑ سے نکل کر اس کے دستے سے منہ پر شدید ضرب لگائی۔ اس کے منہ سے مختصر سی کراہ نکلی۔ پھر وہ چیخنے کے قابل نہ رہا تھا۔

میں نے اس کی اسٹین گن اٹھالی۔ آگے جانے والا شخص رُک گیا تھا۔ پیچھے آنے والے ساتھی کو دیکھنا چاہتا تھا۔ میری اسٹین گن سے گولیاں برسیں۔ تاریکی میں جیسے شعلے بھڑکے۔ پھر اس کی زندگی کا شعلہ بجھ گیا۔

اس سے بھی آگے جانے والوں نے فائرنگ کی آواز پر مورچے بنالیے۔ ایک نے للکار کر اجنبی زبان میں کچھ کہا۔ اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ مگر اس کی پوزیشن معلوم ہوگئی۔ میں اسٹین گن دونوں ہاتھوں میں لیے گھاس پر اوندھے منہ رینگتا ہوا اس کے پیچھے پہنچ گیا۔ مجھے ایک کے بجائے دو درختوں کی آڑ میں دو دشمن نظر آئے۔ میں نے فائرنگ میں دیر نہیں کی۔ ان حالات میں ذرا بھی دیر ہوتی ہے تو اندھیر ہوتا ہے۔ وہ دونوں موت کے اندھیروں میں ڈوب گئے۔ باقی دو سے بھی فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اُن میں سے ایک زخمی ہو کر گرا، دوسرا بھاگنے لگا۔

میں رینگتا ہوا زخمی شخص کے پاس پہنچا۔ اُس کے بازو

میں گولی لگی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی رائفل کو زمین سے اٹھانا چاہا مگر کراہنے لگا۔ زخمی بازو اُسے مقابلے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ اُس نے بایاں ہاتھ اپنے ہولسٹر کی طرف بڑھایا۔ میں نے کہا۔ "بائیں ہاتھ سے میرا نشانہ نہیں لے سکو گے۔"

اس نے پھرتی دکھانا چاہی۔ میں نے اس سے زیادہ پھرتی دکھائی۔ ایک پیر سے اچھل کر قریب پہنچا پھر اس کے منہ پر زبردست ٹھوکر رسید کی۔ وہ غصّے سے گالیاں دینے اور بڑبڑانے لگا۔ میں نے اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر کہا۔ "یہ تمھاری گالیاں نہیں گولیاں ہیں! جواب تمھارے ساتھیوں کو لگیں گی۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق وہاں سے اٹھا۔ رائفل کو بائیں ہاتھ سے اٹھایا پھر کراہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی تلاش میں بھاگنے لگا۔ کئی بار اس نے پلٹ کر ایک ہاتھ سے رائفل چلانے کے متعلق سوچا۔ مگر میں نے اجازت نہیں دی۔

تھوڑی دیر میں وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ ہانپتے ہوئے تکلیف سے کراہتے ہوئے اپنے لیڈر کے قدموں میں گر پڑا۔ ایل مانڈو نے اس پر جھکتے ہوئے اجنبی زبان میں پوچھا۔ "کون گولیاں چلا رہا تھا؟ شیبا یا اس کا ساتھی؟"

میں اپنے معمول کے دماغ سے اجنبی زبان کا ترجمہ سن رہا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ "اس کے ساتھی نے ہمارے پانچ ساتھیوں کو مار ڈالا ہے۔ اب ہم سب کی باری ہے۔"

ایل مانڈو کے حکم سے دو آدمی اُس زخمی کو سہارا دے کر لے جانے لگے۔ اسی وقت میں نے فائرنگ کی۔ اسٹین گن چلتی ہے تو روکنے سے ہی رکتی ہے۔ جب میں نے روکا تو پانچ اور ختم ہو چکے تھے۔ ایل مانڈو اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بچ کر نکل گیا تھا۔

میں نے حساب کیا۔ ایک گارڈ پہلے مارا گیا تھا۔ دو افراد پہلی کاپٹروں میں بیٹھ کر جہنم کی طرف گئے تھے۔ پہلے میں نے چار کو مارا تھا، ایک کو زخمی کیا تھا۔ بعد میں پانچ کو ٹھکانے لگایا تھا۔ کل بارہ دشمن فنا ہو چکے تھے۔ ایل مانڈو کے ساتھ دو رہ گئے تھے۔ وہ تینوں کہیں چھپ گئے تھے۔ یا کہیں دور نکل گئے تھے۔ ان کی طرف سے جوابی کارروائی نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے پھر زمین سے کان لگا کر سنا۔ قدموں کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے آواز کی سمت کا تعین کیا پھر محتاط انداز میں اُدھر جانے لگا۔ سو پچاس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد رُک جاتا تھا۔ کان لگا کر سنتا تھا پھر آگے بڑھ جاتا تھا۔ اس دوران شیبا اُن کی نظروں میں آ گئی۔

میں اس سے کہہ چکا تھا۔ "اب نہیں آؤں گا۔ ضرورت کے وقت وہ خود مجھے مخاطب کرے۔" دشمنوں نے اُسے چیخنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ اُس کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ کر دھمکی دی تھی کہ اگر چلّائے گی تو ماری جائے گی۔

دشمن ٹیلی پیتھی سے ڈرتے ہیں۔ مگر بعض اوقات ہمارے طریقۂ کار کو بھول جاتے ہیں۔ ان احمقوں نے یہ نہیں سوچا کہ منہ پر ہاتھ رکھنے یا مار ڈالنے کی دھمکی دینے سے خیال خوانی کی پرواز نہیں رُکے گی۔ شیبا نے مجبوری کی حالت میں مجھے مخاطب کیا۔ "مجھے بچاؤ، پلیز جلدی آؤ۔ یہ مجھے مار ڈالیں گے۔"

میں قدموں کی آوازوں کے ذریعے ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ایل مانڈو آگے جا رہا تھا۔ شیبا پیچھے تھی۔ اس کے پیچھے دو مسلح شخص اسٹین گنیں لیے چل رہے تھے۔ میں نے ریوالور کو سنبھالا۔ پچھلے پہر کا چاند کچھ واضح ہو چکا تھا۔ چاندنی بڑی حد تک دشمنوں کو نمایاں کر رہی تھی۔ میں نے ایک کا نشانہ لیا اور گولی داغ دی۔ وہ اچھل کر گرا۔ دوسرا بھاگ کر درخت کے پیچھے چھپنا چاہتا تھا۔ وہ درخت دور تھا۔ وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی دوسری گولی نے اس کے قدم اکھاڑ دیے۔ ایل مانڈو پھر بچ نکلا۔ ان دونوں سے نمٹنے کے بعد جب میں نے اُسے ڈھونڈا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔ شیبا تنہا کھڑی رہ گئی تھی۔

میں نے کہا۔ "تمھاری تنہائی میں بغیر اجازت نہیں آ سکتا۔ اگر تم ایل مانڈو کی گولی سے محفوظ رہنا چاہتی ہو تو میری طرف چلی آؤ۔ میں تمھارے پیچھے ہوں۔"

اس نے گھوم کر دیکھا۔ میں نے درخت کی آڑ سے ہاتھ ہلایا۔ وہ دوڑتی ہوئی چلی آئی۔ وقت کیسے کیسے تماشے دکھاتا ہے۔ وہ دور بھاگنے والی، دوڑتی ہوئی پاس آ گئی تھی۔ میں نے بلند آواز سے کہا۔ "ایل مانڈو! تم جہاں بھی ہو، میری آواز تم تک پہنچ رہی ہے۔ اچھی طرح سُن لو۔ تم ہماری ٹیلی پیتھی کی داستان سنانے کے لیے اپنے لوگوں تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

اتنا کہتے ہی میں شیبا کو لے کر گھاس پر گر پڑا۔ وہ مجھے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے کہا۔ "ایل مانڈو میری آواز کی سمت کا تعین کر کے پیچھے سے حملہ کر سکتا ہے۔ یوں گر پڑنا ایک احتیاطی تدبیر ہے۔"

وہ میرے مشورے کے مطابق میرے ساتھ ساتھ گھاس پر اوندھے منہ رینگنے لگی۔ جب وہ تھک گئی تو میں نے کہا۔ "اتنا کافی ہے۔ ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ یہاں کچھ دیر رُک سکو گی۔"

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگا۔ دور تک وضاحت سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے پاس پڑے ہوئے ایک پتھر کو اٹھایا پھر اُسے پوری قوت سے پھینک دیا تھا۔ کافی فاصلے پر اس کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ ایل مانڈو وہاں تک ہوتا تو چونک کر بے اختیار اس پتھر کی جگہ فائرنگ کرتا۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔

لڑکی خاموشی چھائی رہی۔

میں نے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کہا۔ "تم سامنے والے درخت سے لگ کر آرام کرو۔ وہاں سے میرے پیچھے دیکھتی رہو۔ میں تمھارے پیچھے نظر رکھوں گا۔ پھر میری سماعی قوت تیز ہے۔ آنے والے کی چاپ سُن لوں گا۔"

وہ میرے سامنے والے درخت کے پاس گئی مگر بیٹھ نہ سکی۔ بھاگ کر میرے پاس آ گئی۔ میں نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"وہ، وہ درخت پر گرگٹ ہے۔"

"اپنے سگے سے کیا ڈرنا۔ یہ لو ریوالور، مجھے مار دو۔ اور ہنسی خوشی گرگٹ کے ساتھ زندگی گزارو۔"

وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ ریوالور لے لیا۔ گھوم کر دوسرے درخت پر گرگٹ کو دیکھا۔ پھر اس کا صحیح نشانہ لگایا۔ میں نے کہا۔ "یہ ثابت ہو گیا کہ تمھارا نشانہ سچا ہے۔ فائرنگ کی آواز ایل مانڈو نے ضرور سنی ہو گی۔"

وہ سر جھکا کر خیال خوانی کے ذریعے بولی۔ "اس ریوالور میں باقی گولیاں دشمن کے لیے ہیں۔ دوست کے لیے نہیں۔"

میں نے انجان بن کر پوچھا۔ "کیا تم نے مجھے دوست کہا؟"

"میں دوستی کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتی کیونکہ کسی سے کبھی دوستی نہیں کی۔ جب دوستی سیکھ لوں گی تو تمھارے سوال کا جواب دوں گی۔"

"تم کب تک خیال خوانی کے ذریعے بولو گی؟ زبان سے گفتگو کرو گی؟"

وہ منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے روبرو ہو کر زبان سے کچھ بولتے ہوئے شرما رہی تھی۔ سوچ رہی تھی۔ "کیا فرہاد جسے پسند کرتا ہے اُسے ایسے ہی متاثر کرتے ہوئے میٹھے انداز میں ٹریپ کرتا ہے؟"

وہ ایسا سوچتے وقت بھول گئی کہ میں اس کی سوچ پڑھ سکتا ہوں۔ میں نے کہا۔ "تم نے اب تک میرے متعلق جو کچھ سنا ہے اُس میں جھوٹ زیادہ اور سچ کم ہے۔ میں نے جسے پسند کیا، اُسے کبھی اس کی مرضی کے خلاف ٹریپ نہیں کیا۔ یہ حقیقت موٹی عقل سے بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کے دل میں ۔۔۔ زبردستی اپنی محبت پیدا نہیں کر سکتا۔ اُس پر جبر تو کر سکتا ہے مگر اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا۔"

وہ ذرا دیر چپ رہی۔ پھر بولی۔ "ایک وعدہ کرو گے؟"

"وعدہ سُن کر وعدہ کروں گا۔"

"میں چاہتی ہوں، میری لاعلمی میں میری سوچیں نہ پڑھا کرو۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ جب تک تم سے کوئی نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں ہو گا، میں تمھارے دماغ میں اجازت حاصل کیے بغیر نہیں آؤں گا۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں، میری ذات سے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"سوچ سمجھ کر زبان دو۔ یہ تم اپنے ربّی کے اعتماد کے خلاف بول رہی ہو۔"

وہ پریشان ہو گئی۔ ربّی یاد آئے تو یہ بھی یاد آیا کہ میں اسرائیلی حکومت اور یہودی قوم کا دشمن ہوں۔ میں نے کہا۔ "میں یہودی قوم کا دشمن نہیں ہوں۔ کسی بھی قوم کے تمام افراد نیک اور صالح نہیں ہوتے۔ ہر قوم میں فرشتے بھی ہوتے ہیں اور شیطان بھی۔ تمھاری قوم میں جو شیطان ہیں، میں اُن کا دشمن ہوں۔"

"میں بھی شیطانوں کی دشمن ہوں۔ خواہ وہ میری قوم میں کیوں نہ ہوں۔ کیا تم ان کی نشاندہی کر سکتے ہو؟"

میں کہنا چاہتا تھا، کیا یہ شیطانیت نہیں ہے کہ کوئی تمھیں بیٹی بنائے اور اس رشتے کے پیچھے تمھارے باپ کو قتل کرا دے اور ماں کو جیتے جی تم سے جدا کر دے۔ اور ذرا بھی ماں بیٹی کے ملنے کا شبہ ہو، تو ماں کو بھی ایک دن قتل کرانے سے دریغ نہ کرے۔

وہ ربّی پر اندھا اعتماد کرتی تھی۔ میں ایسا کہتا تو وہ کبھی یقین نہ کرتی۔ میں نے کہا۔ "میں جلد ہی نشاندہی کر دوں گا۔"

"ابھی کیوں نہیں کرتے؟"

"میں پہلے ثبوت فراہم کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم نے میرے دشمنوں کو ختم کیا ہے۔ میری جان بچائی ہے۔ میں کسی ثبوت کے بغیر تم پر اعتماد کرتی ہوں۔"

"ابھی نہیں۔"

"کیوں نہیں؟"

"تم ایک عرصے تک مجھ سے دہشت زدہ رہیں۔ ربّی اسفندیار نے تمھیں سمجھایا ہے کہ میں خطرناک اور ناقابلِ اعتماد ہوں۔ پہلے یہ فیصلہ کرو کہ ربّی اسفندیار نے میرے متعلق سچ کہا ہے یا نہیں؟ اگر سچ کہا ہے تو اس سچ پر اعتماد کرو۔ اور اگر ربّی کی بات کو غلط سمجھتی ہو تو اس کا مطلب ہو گا، واقعی مجھ پر اعتماد کرتی ہو۔ فیصلہ تم پر ہے۔"

وہ چند لمحوں تک پس و پیش میں رہی۔ پھر بولی۔ "محترم ربّی کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ کیا تم انھیں درمیان میں لا کر مجھے ان کے خلاف بھڑکانا چاہتے ہو؟"

"میں نے سیدھی سی بات کہی ہے، اگر وہ سچے ہیں تو میں ناقابلِ اعتماد ہوں۔ ایسی صورت میں تم ثبوت کے بغیر مجھ پر اعتماد نہیں کرو گی۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "کیا ہم ساری رات جنگل میں ہی گزار دیں گے؟"

"میں دشمنوں کے خوف سے کبھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا۔ سونیا

ہوتی تو مجھ سے پہلے تیر کی طرح یہاں سے نکل جاتی۔ یہ تمھاری زندگی میں پہلا موقع ہے پہلی بار عملی طور پر دشمنوں کا سامنا کر رہی ہو۔ یہاں ٹیلی پیتھی ہمیشہ کام نہیں آتی۔ ایسی صورت میں تم میرے ساتھ زیادہ نہیں چل سکوگی۔ کہیں سے کوئی اندھی گولی آئے گی تو ٹھنڈی پڑ جاؤگی۔"

وہ ناگواری سے بولی "کیا سونیا کو کہیں سے اندھی گولی نہیں لگتی ہے؟"

"سونیا اور اعلیٰ بی بی کی چھٹی حس حیرت انگیز طور پر بیدار رہتی ہے۔ وہ ہلکی سی آہٹ کو خطرے کا سائرن سمجھ کر فوراً جوابی کارروائی کرتی ہیں۔ ایک جگہ بیٹھی نہیں رہ جاتیں۔"

وہ فوراً اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر تن کر بولی "میں دیکھتی ہوں، وہ ایل مانڈو میرا کیا بگاڑے گا۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا "ریوالور سنبھال کر رکھو۔ ابھی استعمال نہ کرنا۔"

میں نے اس کے چاروں طرف گھوم کر اسٹین گن سے فائرنگ کی۔ اگر وہ کہیں ہوتا تو پہلے فائرنگ سے بچاؤ کرتا۔ پھر جوابی فائر کرتا۔ اس سے پہلے ہی میں شیبا کا ہاتھ پکڑ کر درخت کی آڑ میں آگیا۔ ایک پتھر کو اٹھا کر دور تک لڑھکا دیا۔ یہ سوچا جا سکتا تھا کہ ہم فائرنگ کے بعد ادھر بھاگ رہے ہیں۔ اتنی تدابیر کے باوجود جوابی فائرنگ نہیں ہوئی۔

میں نے آگے بڑھتے ہوئے خیال خوانی کے ذریعے پوچھا "دماغ میں آؤں؟"

اس نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

"ہم خطرہ مول لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس دوران خیال خوانی کے ذریعے باتیں کریں گے۔ ورنہ گفتگو کی آواز پر کہیں سے گولی آسکتی ہے۔"

وہ چپ چاپ چلنے لگی۔ ہمیں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ یوں کہنا چاہیے کہ ہمیں گھڑی دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ہم نے ابھی ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کیا تھا کہ صبح کی ہلکی سی روشنی جھلکنے لگی۔ میں نے کہا "اب ہم فارم کے راستے کا تعین کر سکیں گے۔"

وہ خوش ہوگئی۔ ویسے بڑی نازک سی تھی۔ تھوڑی دور چلتے ہی تھک جاتی تھی۔ کبھی چلتے چلتے پیچھے ہو جاتی تھی۔ ایسے ہی وقت میں نے ہلکی سی چیخ سنی۔ پلٹ کر دیکھا تو ایل مانڈو نے اس کی گردن کو ایک ہاتھ سے دبوچ رکھا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے چاقو فضا میں بلند کر کے جیسے دھمکی دے رہا تھا کہ میں ایک قدم بھی اٹھاؤں گا تو چاقو اس کے خوبصورت جسم میں پیوست ہو جائے گا۔

شیبا کے دیدے خوف سے پھیل گئے تھے۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے کہہ رہی تھی "مم... میں مرنا نہیں چاہتی۔ خدا کے لیے مجھے بچالو!"

میں نے ایل مانڈو سے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو؟"

اس نے مجھے ہتھیار پھینکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اسٹین گن کو دور پھینک کر شیبا سے پوچھا "تمھارا ریوالور کیا ہوا؟"

"وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر قدموں کے پاس گر پڑا ہے۔ ابھی اس پر ایل مانڈو کی نظر نہیں پڑی ہے۔"

میں نے دشمن کو باتوں میں لگانے کے لیے کہا "معلوم ہوتا ہے تمھارے ہتھیار کے کارتوس ختم ہوگئے اور تم نے انھیں پھینک دیا۔ اسی لیے صرف چاقو لے کر آئے ہو۔"

وہ شیبا کو لیے میری اسٹین گن کی طرف جا رہا تھا۔ میں اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے ریوالور کی طرف آنے لگا۔ اسی وقت اس نے ریوالور کو دیکھ لیا۔ مجھے رکنے کا اشارہ کیا۔ میں نے کہا۔ "تم بھی اسٹین گن کی طرف نہیں جاؤ گے۔ یاد رکھو میں نے شیبا کی جان بچانے کے لیے ہتھیار کو پھینکا ہے لیکن میری جان کو خطرہ ہوگا تو تمھارے اسٹین گن تک پہنچنے سے پہلے میں ریوالور تک پہنچ جاؤں گا۔"

وہ الجھن میں پڑ گیا۔ پھر شیبا کو لے کر دوسری طرف جاتے ہوئے مجھے بھی آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے پیچھے جانے لگا۔ وہ شیبا کے ساتھ الٹے قدموں جا رہا تھا۔ یعنی اس کا رُخ میری طرف تھا۔ ہم ریوالور اور اسٹین گن سے دور ہوتے گئے۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے سوچا یوں کام نہیں چلے گا۔ شاید ایل مانڈو کو کمک پہنچنے والی ہے اور یہ اس طرح وقت ضائع کر رہا ہے۔

میں نے شیبا سے کہا "میں تمھارے دماغ میں رہوں گا تم پہلے سے کہیں زیادہ قوت محسوس کروگی۔ ایک دو تین کہہ کر اس کے چاقو والے ہاتھ کو جھٹکا دو۔ اُسے اپنے سے ذرا دور کرو۔ میرے لیے اتنا کافی ہوگا۔"

اس نے "ایک دو تین" کہا۔ تین کہنے سے پہلے میں نے فلائنگ کک کے لیے فضا میں چھلانگ لگائی۔ اُدھر چاقو والا ہاتھ ذرا ہٹا، ادھر میں نے اس کے منہ پر فلائنگ کک ماری۔ وہ مار کھا کر پیچھے گیا۔ شیبا آزاد ہوگئی۔

مگر چاقو ابھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ہاتھوں پر دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ وہ حملہ کرنے کے لیے پینترا بدلنے لگا۔ میں نے کہا۔ "دستانے پہن کر کبھی کامیاب حملہ نہیں کر سکو گے۔"

اس نے حملہ کیا۔ میں بچ گیا۔ کن انکھیوں سے شیبا کو دیکھتے ہوئے بولا "سونیا ہوتی تو چپ چاپ کھڑی تماشا نہ دیکھتی۔"

وہ بے بسی سے بولی "میں فائٹر نہیں ہوں۔"

"سونیا بھی شاذ و نادر ہی کسی سے مقابلہ کرتی ہے۔ اکثر ذہانت سے دشمنوں کا کباڑا کرتی ہے۔"

اس دوران اس نے چاقو سے دوسرا حملہ کیا۔ میں اچھل کر پیچھے چلا گیا۔ وہ پھر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر کراہ کر رہ گیا۔ میں نے سونیا کا حوالہ دے کر شیبا کو تاؤ دلایا تھا۔ اور اس نے تاؤ میں آکر اپنی ذہانت کا ثبوت دینے کے لیے ایل مانڈو کو پتھر مار دیا تھا۔ بے چاری اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتی تھی۔

بہرحال پتھر اس کے ہاتھ میں لگا۔ چاقو ہاتھ سے نکل کر دور گیا۔ اور میں نے پاس آکر کراٹے کے جوہر دکھانے شروع کر دیے وہ بھی کم نہیں تھا۔ جوانا جم کر مقابلہ کر رہا تھا۔ بڑا ہی گبرو جوان تھا۔ خوبصورت بھی تھا۔ خطرناک بھی تھا۔ ہمارے درمیان زبردست جنگ ہو رہی تھی۔ ایسے میں ہم پنجہ آزمائی کے مرحلے سے بھی گزرنے لگے۔

اور تب میں نے کچھ محسوس کیا۔ (اس نے دونوں ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھے) اس کا دایاں پنجہ بھرپور نہیں تھا۔ میں نے پوچھا "تم نے دستانے کیوں پہن رکھے ہیں؟"

سوال فضول تھا۔ وہ گونگا بنا ہوا تھا۔ میں اُسے رگیدتے ہوئے ایک درخت تک لے گیا۔ اسی وقت شیبا میں سے گولی چلی۔ ایل مانڈو کے بائیں بازو سے لہو بہنے لگا۔ شیبا اب ایکشن میں آگئی تھی۔ ہماری جنگ کے دوران دوڑتے ہوئے اُدھر گئی تھی جہاں ریوالور گر پڑا تھا۔ وہاں سے ریوالور لاتے ہی پھر اپنے سچے نشانے کا ثبوت دیا تھا۔

میں نے اسی لمحے ایل مانڈو کے دائیں ہاتھ سے دستانے اتار دیے۔ وہ بازو کی تکلیف کے باعث جدوجہد نہ کر سکا۔ دستانے اترتے ہی میں نے وہ دیکھا، جو پنجہ آزمائی کے دوران محسوس کرتا رہا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ساڑھے چار انگلیاں تھیں۔ اسے دیکھ کر ایک دم سے میرا سر گھومنے لگا۔ مرجانہ کی آخری باتیں دماغ میں گونجنے لگیں۔ اس نے کہا تھا "وہ دونوں جوان مرد اور عورت تقریباً ہم شکل تھے۔ شاید بھائی بہن تھے۔ جب میں نے اس حسین لڑکی کے دائیں ہاتھ سے دستانہ اتارا تو اس کے ہاتھ میں بھی ساڑھے چار انگلیاں تھیں۔"

یہ باتیں یاد آتے ہی میں نے ایل مانڈو کو گھورتے ہوئے دیکھا۔ مرجانہ کے بیان کے مطابق وہ خوبرو تھا۔ اپنی بہن کی طرح خوبصورت مگر مردانہ حسن لیے۔ شکل ایک جیسی۔ کیا دونوں بھائی بہن کے دائیں ہاتھ بھی ایک جیسے ہوں گے؟

مرجانہ کے بیان کے مطابق بہن کے ہاتھ میں ساڑھے چار انگلیاں تھیں۔

میری آنکھیں بتا رہی تھیں کہ بھائی کے ہاتھ میں بھی ساڑھے چار انگلیاں تھیں۔

میں نے گرج کر پوچھا "کون ہو تم؟ تم کون ہو؟ جلدی بتاؤ ورنہ...!"

میں نے بات ادھوری چھوڑ کر شیبا کے ہاتھ سے ریوالور لیا پھر کہا "بولو تمھاری ایک ہم شکل بہن ہے۔ تم بھائی بہن مرجانہ کو ایسے کمرے میں لے گئے تھے، جس کا فرش گول گھومتا ہے۔ بولو یہ سچ ہے؟"

میں نے غصے میں گولی چلائی۔ اس کا بایاں بازو پہلے ہی زخمی تھا۔ بائیں ہاتھ کی کلائی میں بھی سوراخ ہو گیا۔ وہ تکلیف کی شدت سے بیٹھنا چاہتا تھا، میں نے دوڑ کر چاقو کو زمین پر سے اٹھایا۔ پھر اس کے پاس آکر بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر دوبارہ کھڑا کر دیا۔ اس کے دائیں پنجے کو درخت کے تنے پر رکھ کر ہتھیلی میں چاقو پیوست کر دیا۔

اس کے حلق سے چیخ نکلی مگر وہ ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔ بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے چاقو کے پھل سے اس کے دائیں پنجے کو درخت سے ٹانک دیا تھا۔ دوسرا ہاتھ اس قابل نہیں تھا کہ وہ چاقو سے نجات دلا سکتا۔

میں نے ذرا دور ہو کر انگلی اٹھاتے ہوئے کہا "میری ایک ایک محبت تمھارے سردخانوں میں میرا انتظار کر رہی ہے۔ بتادو، مجھے وہاں پہنچادو۔ ورنہ خدا کی قسم تمھاری لاش نہیں گراؤں گا، تمھیں تڑپا تڑپا کر زندہ رکھوں گا۔ اور تمھاری آخری سانس تک اپنی محبتوں کا پتا پوچھتا رہوں گا۔"

شیبا حیرانی سے میری باتیں سُن رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی وغیرہ کا سراغ ملنے والا ہے۔ میں نے ایل مانڈو کے سامنے ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے کہا "میں نہیں جانتا کہ دونوں بھائی بہن کے ہاتھوں میں ساڑھے چار انگلیاں کیونکر ہیں۔ قدرت کے کھیل سمجھ میں نہیں آتے۔ اور اگر سمجھنے والوں کی سمجھ میں آتے ہیں تو میں بعد میں سمجھوں گا۔ اگر تم بھائی بہن جڑواں پیدا ہوئے تھے تو یقین کرلو میں تمھارے بعد تمھاری بہن تک پہنچ جاؤں گا۔"

وہ پریشان ہو کر انکار میں سر ہلانے لگا۔ میں نے کہا "زبان کھول، میری محبت کے دروازے کھول۔ میں تیری زندگی کا دروازہ کھول دوں گا۔ دیکھ تیری ہتھیلی سے قطرہ قطرہ خون بہہ رہا ہے۔ تیرا دماغ قطرہ قطرہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اور میں کمزور دماغ کو بولنا سکھا دیتا ہوں۔ بول! میں انتظار کر رہا ہوں۔ بول رے ساڑھے چار انگلیاں بول۔"

بعض اوقات اپنا ہی خنجر اپنی ہی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ وہ درخت سے لگا کھڑا تھا۔ اس کا خنجر اس کی ہتھیلی سے گزرتا ہوا درخت کے تنے میں پیوست ہو گیا تھا۔ گویا کہ وہ کیل سے ٹھونک دیا گیا تھا اور درخت سے چپکا دیا گیا تھا۔ وہاں سے ہل نہیں سکتا تھا۔ صرف فریاد کر سکتا تھا لیکن فریاد اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ وہ اپنی زبان اور اپنا لہجہ ہمیں سنانا نہیں چاہتا تھا۔ بندوق کی گولی اندھی اور بہری ہوتی ہے لیکن ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے نکلنے والی گولی کے کان ہوتے ہیں۔ وہ زبان اور لہجے کی طرف جاتی ہے اور دماغ میں پیوست ہو جاتی ہے۔

پہلے اس کا دایاں بازو زخمی ہوا تھا۔ خون پہلے ہی کافی بہہ چکا تھا۔ جہاں ہتھیلی میں خنجر پیوست ہوا تھا وہاں بھی خون کی مقدار بس اتنی ہی رہ گئی تھی کہ بوند بوند لہو ٹپک رہا تھا۔

درخت سے ٹیک لگا کر کھڑے رہنے کے باوجود اب اس کے پاؤں میں سکت نہیں رہی تھی۔ جسم کمزور ہو چکا تھا۔ سر گھوم رہا تھا۔ آنکھیں کمزوری سے بند ہونا چاہتی تھیں۔ مگر وہ پلکیں جھپک کر آنکھیں کھول دیتا تھا۔ دیدے پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھتا تھا۔ میں نے قریب آ کر اس کے جبڑوں کو سختی سے تھام کر جھنجوڑتے ہوئے کہا: "ایل مانڈو، اب بھی زبان کھول دو۔ میں تمھاری ہتھیلی سے خنجر نکال رہا ہوں۔"

میں نے خنجر کو ہتھیلی سے کھینچ لیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ میں اب اس کے کمزور دماغ میں پہنچ تو سکتا تھا مگر اس کی سوچ کا کوئی لہجہ، کوئی زبان ضروری تھی اور جو زبان وہ بولتا آیا تھا وہ میرے لیے اجنبی تھی۔

میں اس کی آنکھوں کے ذریعے اس کے دماغ میں اُتر کر اس کی کمزوری اور شکست خوردگی کو سمجھ رہا تھا۔ یہ بھی جلد سمجھ میں آ گیا کہ وہ انگریزی نہیں جانتا ہے۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ گھاس پر گر کر کراہنے لگا۔

میں نے شیخ الفارس سے رابطہ قائم کیا پھر ان سے کہا: "مجھے فوری طور پر ہیلی کاپٹر کی ضرورت ہے۔"

میں نے مختصراً بتایا کہ کس طرح شیبا میرے پاس پہنچی ہے اور ایک ایسا شخص میرے پاس ہے جس کے ذریعے ہم سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ اس پُراسرار دشمن تک پہنچ سکتے ہیں۔

میری تمام باتیں سننے کے بعد شیخ الفارس نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ ہم جلد سے جلد تمھیں ہیلی کاپٹر پہنچائیں گے۔ ہمارے ہاں ایسی زبان جاننے والے بہت سے لوگ ہیں۔ ہم اس سے سب کچھ اگلوا لیں گے۔"

میں نے ایل مانڈو کی طرف دیکھا۔ وہ گھاس پر چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ رک رک کر سانس لے رہا تھا۔ یوں لگتا تھا اب تب میں دم نکلنے والا ہو۔ میں نے سوچا اگر بابا صاحب کے ادارے سے یا پیرس کے کسی فلائنگ کلب سے ہیلی کاپٹر آئے گا تو کم از کم دو ڈھائی گھنٹے لگیں گے۔ اس وقت تک یہ جانبر نہ ہو سکے گا۔

میں نے چپکے سے شیخ الفارس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا کہ وہ کس طرح کے انتظامات کر رہے ہیں۔ واقعی وہ ہم سے زیادہ ذہین اور معاملہ فہم تھے۔ انھوں نے لندن میں رہنے والے ماتحتوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ انھیں ہدایات دے رہے تھے کہ فوراً ایک ہیلی کاپٹر لے کر فرہاد کے پاس پہنچا جائے۔

وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہدایات دے رہے تھے۔ میں نے کہا: "میں آپ کے اس ماتحت کی آواز سن رہا ہوں۔ اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا۔ ہیلی کاپٹر میں جو بھی آئے گا میں دماغی رابطے کے ذریعے اسے ہدایت دیتا جاؤں گا۔ وہ ہمارے پاس پہنچ جائے گا۔ ایک ڈاکٹر اور ضروری طبی امداد کا سامان ضرور بھیجا جائے۔"

شیبا مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا تم خیال خوانی میں مصروف ہو؟"

میں نے پوچھا: "کیا تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ میرے قریب آئی پھر سر جھکا کر بولی: "میرے محترم ربی پریشان ہوں گے۔ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"ان کی پریشانی کا حل میرے پاس نہیں ہے۔ کوئی اڑن کھٹولا ہوتا تو اس میں بیٹھ کر تم پہنچ جاتیں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں وہاں جانا نہیں چاہتی۔ جاؤں گی تو پھر یہ کھلی فضا نصیب نہیں ہو گی۔"

"بہتر ہے، تم ان سے دماغی رابطہ قائم کرو۔ اس طرح معلوم ہو گا کہ وہ تمھیں اس جنگل سے نکالنے کے سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔"

وہ اپنی دو انگلیوں کے ناخنوں سے کھیلنے لگی۔ پھر اس نے بڑی بڑی کٹورا جیسی آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ میں نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی: "میں محترم ربی کو نہیں بتا سکتی کہ تمھارے ساتھ ہوں۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ انھیں بتاؤ۔ یہ بات انھیں معلوم نہیں ہونا چاہیے۔"

"وہ پوچھیں گے، میں کس کے ساتھ ہوں؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ تم لکی واٹسن کے ساتھ ہو۔"

یہ کہتے ہی میں شیبا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ ربی اسفندیار نے پوچھا: "کیا تم ہو؟"

"جی ہاں، میں شیبا ہوں۔"

انھوں نے ایک گہری سانس لی۔ دماغ کے تاریک خانے میں اگر کوئی پہنچے اور وہ یوگا کا ماہر ہو تو فوراً محسوس کر لیتا ہے لیکن ایک سوچ کے لیے راستہ کھولے تو دوسری سوچ کی لہر بھی اس راستے سے گزر کر دماغ کے اندھیرے میں چھپ سکتی ہے اس طرح اسے دوسری سوچ کی لہر کا پتا نہیں چلتا۔

میں پہلے بھی شیبا کے ذریعے ان کے دماغ میں پہنچ سکتا تھا لیکن احتیاطاً ایسا نہیں کیا۔ اس بات کا اندیشہ تھا ربی اسفندیار دوسری سوچ کی لہر کو کسی اور طرح سے محسوس کر لیتے کہ شیبا کے دماغ میں فرہاد یا رسونتی پہنچ چکے ہیں۔ میں انھیں ذرا بھی شبہ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا لیکن آج پہلی بار ربی اسفندیار کے دماغ میں شیبا کے حوالے سے داخل ہو چکا تھا۔

جب میں نے ربی کے دماغ کو اس کی گہرائی میں پہنچ کر ٹٹولنا چاہا تو ان کے اندر کچھ اضطراب پیدا ہوا۔ انھوں نے پریشان ہو کر کہا: "بیٹی! پتا نہیں مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا ہے، تم ذرا میرے دماغ سے باہر جاؤ۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے سانس روکی۔ سانس رکتے ہی سوچ کی لہریں آپ ہی آپ دماغ سے باہر نکل جاتی ہیں۔ خواہ وہ ایک لہر ہو یا کئی لہریں ہوں۔ یوں میں شیبا کے ساتھ باہر نکل آیا۔

اس نے پھر ربی کو مخاطب کیا۔ ربی نے کہا: "ہاں اب تم میرے دماغ میں رہ سکتی ہو۔"

اس نے پوچھا: "آپ نے مجھے باہر جانے کے لیے کیوں کہا تھا۔ کوئی خاص بات ہے؟"

"میری چھٹی حس کہہ رہی تھی، کوئی خطرہ ہے مگر کس قسم کا خطرہ ہے، کہاں خطرہ ہے، میں سمجھ نہ سکا۔ میرے اندر جو اضطراب تھا وہ تمھارے دماغ سے جاتے ہی دور ہو گیا اور میں نے سکون محسوس کیا تھا۔"

"کیا وہ پہلے جیسی بے چینی ہے؟"

"نہیں، اب میں پُرسکون ہوں۔ تم فوراً اپنے متعلق بتاؤ۔ کیا اپنے فارم میں پہنچ گئی ہو؟"

"ابھی تک جنگل میں بھٹک رہی ہوں۔ میں اپنے حالات بتاؤں گی تو آپ اور زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔"

"میری فکر نہ کرو بتاؤ، تم کن حالات سے گزر رہی ہو؟"

"تھوڑی دیر پہلے انجانے دشمنوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ اگر لکی واٹسن نہ ہوتا تو میں اب تک زندہ نہ ہوتی۔"

"ریڈی کہاں چلا گیا ہے۔ وہی ٹرانسمیٹر کے ذریعے مجھ سے رابطہ قائم کرتا تھا؟"

"ریڈی اور تمام خادم، دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے ہیں۔"

"ٹرانسمیٹر کہاں ہے؟"

"اسی کے پاس رہ گیا ہو گا۔ میں اپنی جان بچانے کی فکر میں تھی۔ ٹرانسمیٹر کی طرف دھیان نہیں دیا۔ یوں بھی مجھے اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں تو اس کے بغیر ہی باتیں کر رہی ہوں۔"

"لیکن بیٹی! ہم نے سوچا کیا تھا اور کیا ہو رہا ہے۔ وہ تمام خادم تمھیں وہاں سے فارم تک لے جاتے اور... لکی واٹسن کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے گئے تھے۔ جسے مرنا چاہیے تھا وہ زندہ ہے اور جو مارنے والے تھے، وہ سب کے سب مر گئے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے؟"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

"ذرا سوچو، غور کرو۔ کیا لکی واٹسن ایک غیر معمولی شخص نہیں ہے؟"

"ہاں، اپنے علم کے حوالے سے مختلف شخص ہے۔"

"مگر علم نجوم کے ذریعے وہ ہمارے خادموں سے نہیں لڑ سکتا تھا۔ ان انجانے دشمنوں سے بھی نہیں جو تمھیں مارنے آئے تھے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"مجھے لکی واٹسن سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔"

"لیکن میں تو مطمئن ہوں۔ جب سے یہ میرے ساتھ ہے، قدم قدم پر حفاظت کر رہا ہے۔ جو بھی دشمن بن کر آتا ہے، اسے کبھی ذہانت سے کبھی طاقت سے اور کبھی ہتھیاروں سے ختم کر دیتا ہے۔"

"ایسا شخص ہمارا رازدار بن کر رہا تو ہم کہیں کے نہیں

رہیں گے۔"

"محترم بزرگ! یہ پہلے ہی کہہ چکا ہے بلکہ اپنے متعلق پیشنگوئی کر چکا ہے کہ کچھ لوگ دوست بن کر اسے ہلاک کرنے کی تدبیریں کریں گے اور ناکام ہوتے رہیں گے۔ اسے ابھی زندہ رہنا ہے۔ کاتبِ تقدیر جب تک اجازت نہیں دے گا، اس وقت تک موت قریب نہیں آئے گی۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس کی پیشنگوئی درست ہو۔ جیسے ہی فارم تک پہنچے گا، اس کی تقدیر بدل جائے گی۔ مشکل یہ ہے کہ میرے آدمیوں کے پاس وہی ایک ٹرانسمیٹر تھا۔ میں یہاں سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ انھیں تمھارے پاس بھیج نہیں سکتا۔ ان کمبختوں کو بھی یہ عقل ہونی چاہیے کہ جب ان کے ساتھی جنگل سے واپس نہیں آئے ہیں تو انھیں دوسری ٹیم لے کر جانا چاہیے۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہو کر ایل مانڈو کو دیکھنے لگا۔ وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ میں نے قریب جا کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ پھر کان لگا کر سنا۔ دل ابھی دھڑک رہا تھا۔ پھر میں نے نبض ٹٹولی۔ اس کی رفتار بہت سست تھی۔ میں نے لندن میں رہنے والے ماتحت سے رابطہ قائم کیا۔ وہ ہیلی کاپٹر میں سفر کر رہا تھا اور ہماری طرف چلا آ رہا تھا۔ میں اسے گائیڈ کرنے لگا۔ میں نے اسے بتایا کہ جنگل کے جس حصے میں ہوں وہاں کس قسم کے درخت ہیں اور اُدھر ایک اونچا سا ٹیلہ ہے۔ ٹیلے پر لکڑی کے ایک مکان کا ٹوٹا ہوا ڈھانچہ ہے۔ کبھی وہاں ریسٹ ہاؤس رہا ہوگا۔ شکار کھیلنے والے ادھر آتے ہوں گے۔ اس ریسٹ ہاؤس کی شکستگی بتا رہی تھی، اب کوئی نہیں آتا ہے۔

بہرحال میں اسے گائیڈ کرتا رہا۔ اس ہیلی کاپٹر کو پرواز کرتے ہوئے چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ ٹھیک ایک گھنٹے دس منٹ کے بعد وہ ہمارے اطراف ذرا بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ پھر اسی میدانی حصے میں جا کر اُتر گیا۔ مزید دس منٹ کے بعد دو اشخاص دوڑتے ہوئے ادھر آئے۔ میں نے کہا: "ایل مانڈو کو اٹھا کر لے چلو۔" پھر میں نے شیبا سے کہا: "آؤ، ہم چلتے ہیں۔"

اس نے حیران ہو کر پوچھا: "کیا یہ تمھارے آدمی ہیں؟"

"ہاں۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی: "میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

"اس جنگل میں تنہا رہنے کا ارادہ ہے یا دشمن پسند آ گئے ہیں۔ تم کیا سمجھتی ہو، وہ جو ناکام ہو گئے ہیں، دوبارہ تمھیں گھیرنا نہیں چاہیں گے۔ جب کہ انھیں تمھاری اصلیت بھی معلوم ہو چکی ہے۔"

"فرہاد! تم درست کہتے ہو۔ میں تمھارا احسان بھی مانتی ہوں مگر میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

"اس جنگل میں تنہا رہنے کا شوق ہے تو بڑے شوق سے رہو۔"

وہ دونوں ایل مانڈو کو اٹھا کر لے جا چکے تھے۔ میں آگے بڑھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر میں نے اسے اپنی طرف آنے پر مائل کیا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آتے ہوئے بولی: "میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ میں محترم ربی کو چھوڑ نہیں سکتی لیکن ان کے پاس تل ابیب میں بھی نہیں رہ سکتی۔ میں آزادی اور کھلی فضا چاہتی ہوں۔"

"کیا میرے ساتھ تمھیں آزادی اور کھلی فضا میسّر نہیں ہے؟"

"ہے تو سہی مگر تم... تم..."

"ہاں، ہاں بولو۔ میں حسین لڑکیوں پر ڈورے ڈالتا ہوں۔ انھیں دوست بناتا ہوں۔ پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے، بوٹی بوٹی کر کے ان کا اچار، چٹنی، مربّہ بنا کر ہوس کے شوروم میں سجا دیتا ہوں۔"

"یہ جھوٹ تو نہیں ہے۔ تمھاری ساتھی عورتیں جو..."

میں نے بات کاٹ کر کہا: "تمھیں ان عورتوں سے جا کر پوچھنا چاہیے۔ معلوم کرنا چاہیے کہ انھوں نے میرا ساتھ دینا کیوں پسند کیا؟ عورتیں یہ تو شکایت کرتی ہیں کہ مرد ہوس پرست ہوتا ہے لیکن وہ ایک عورت کے ہوتے ہوئے اس کی سوکن بن کر چلی آتی ہیں۔ ایک سوکن نہیں، دو سوکن نہیں، کئی کئی سوکنیں۔ اس وقت یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ دنیا میں صرف ایک ہی مرد نہیں ہے۔ لاکھوں ہیں، کروڑوں ہیں، اربوں ہیں۔ اگر کئی عورتیں ایک ہی مرد کی ہم سفر بن کر رہنا چاہتی ہیں تو اس میں اس ایک مرد کا نہیں ان عورتوں کا قصور ہے۔ یہ بات اگر تمھاری سمجھ میں نہیں آتی ہے تو تم اسی جنگل میں رہو۔ میں نے تمھیں اپنے پیچھے آنے کے لیے تو نہیں کہا ہے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ عورتیں جب مجبور ہوتی ہیں تب ہی ایک مرد کا سہارا لینے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑتی ہیں۔ کیوں کہ عورت کی فطرت میں وفاداری اور محبت کوٹ کوٹ

بھری ہے اس لیے وہ ایک مرد کے بعد کسی دوسرے کا تصور نہیں کرتیں۔ اس طرح اسی ایک مرد کے جال میں پھنس کر رہ جاتی ہیں۔"

"میں تمھیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں، میرے جال میں ہرگز نہ پھنسنا۔ تم اس وقت مصیبت میں ہو۔ میں تمھیں مصیبت سے نکالنا چاہتا ہوں۔ میں تمھیں فارم میں نہیں جانے دوں گا۔"

"کیوں نہیں جانے دو گے؟"

"تم آزادی اور کھلی فضا چاہتی ہو۔ ربی کو جب سے معلوم ہوا ہے کہ تم جنگلات میں بھٹک رہی ہو اور انجانے دشمن بھی تمھیں اغوا کرنا چاہتے ہیں تو اب اس کا فیصلہ بدل گیا ہوگا۔ وہ تمھیں کبھی آزاد نہیں چھوڑے گا۔ تمھیں تل ابیب کے اسی خوبصورت سے شیش محل میں لے جائے گا جو تمھارے لیے قید خانہ بنا ہوا تھا۔"

"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"میں جہاں بھی جا رہا ہوں، وہ جگہ تمھیں پسند نہ آئے تو میرا وعدہ ہے، تم ہر حال میں آزاد رہو گی۔ وہاں سے جب جانا چاہو گی، کوئی تمھیں نہیں روکے گا۔"

وہ ذرا مطمئن ہو گئی۔ ہم ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ ہیلی کاپٹر کے پچھلے حصے میں ایل مانڈو کو لٹا دیا گیا تھا۔ اسے فوری طبی امداد پہنچائی جا رہی تھی۔ ہیلی کاپٹر پرواز کرنے لگا تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا: "ابھی ربی اسفند یار سے رابطہ قائم نہ کرنا۔ ورنہ تمھیں بتانا ہوگا کہ یہاں سے جا رہی ہو۔"

"یہ بات ابھی نہ سہی، بعد میں انھیں معلوم ہو جائے گی۔"

"تم دو گھنٹے بعد ان سے رابطہ قائم کرنا اور کہنا کسی نے تمھارے سر پر شدید ضرب لگائی تھی۔ اور تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اب آنکھ کھلنے پر اپنے آپ کو کسی اجنبی جگہ پا رہی ہو۔"

"مگر کس جگہ؟"

"جو تمھارے دل میں آئے کہہ دینا۔ بعد میں ہم اس بات کو نبھا لیں گے۔"

شیخ الفارس نے اپنے ماتحتوں کو جو طریقۂ کار بتایا تھا اس پر عمل کیا جا رہا تھا۔ ہمارا ہیلی کاپٹر لندن کے ایک فلائنگ کلب تک پہنچا، وہاں سے ہم کار میں بیٹھ کر دوسرے فلائنگ کلب میں پہنچے۔ ہمارے لیے دوسرا ہیلی کاپٹر تیار تھا۔ ہم اس کے ذریعے پیرس پہنچ گئے۔ پیرس کے اس فلائنگ کلب سے ہم نے کار کے ذریعے سفر کیا اور دوسرے فلائنگ کلب پہنچ کر بابا صاحب کے ادارے کے خاص ہیلی کاپٹر میں سوار ہوتے ہوئے آخر ادارے کے احاطے میں پہنچ گئے۔

اتنی احتیاط اس لیے برتی گئی کہ ربی اسفند یار یا دوسرے انجانے دشمن یہ معلوم کرنا چاہیں کہ شیبا ہیلی کاپٹر سے کہاں گئی ہے تو آئس آف مین کے فلائنگ کلب سے پتا چلے گا کہ ایک ہیلی کاپٹر لندن سے آیا تھا اور فلاں وقت واپس گیا۔ پھر لندن کے اس فلائنگ کلب سے رابطہ قائم کیا جائے گا تو رپورٹ ملے گی کہ یہاں شیبا کتّی واٹسن اور کچھ لوگوں کے ساتھ پہنچی تھی، پھر کار میں بیٹھ کر کہیں چلی گئی۔ یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ وہاں سے ہم دوسرے فلائنگ کلب میں گئے تھے کیونکہ دوسرے فلائنگ کلب وغیرہ سے کتنے ہی ہیلی کاپٹر مختلف ممالک کی طرف پرواز کرتے رہتے ہیں۔ کتّی واٹسن شیبا کو لے کر کس ملک میں گیا ہے یا وہیں رہ گیا ہے، یہ جاننا بہت دشوار ہوگا۔

ایل مانڈو کو ہیلی کاپٹر سے اتار کر فوراً ہی ایمرجنسی وارڈ میں پہنچایا گیا۔ شیبا نے حیرانی سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "یہ کون سی جگہ ہے؟"

"یہ بابا فرید واسطی کا ادارہ ہے۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر کہا: "میں سمجھ رہی تھی، ضرور تم مجھے ایسی جگہ لاؤ گے جہاں سے نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔"

"تم غلط سمجھ رہی تھیں۔"

شیخ الفارس ہمارے استقبال کے لیے ہیلی کاپٹر تک آئے تھے۔ وہ شیبا کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اس بات کی خوشی تھی کہ دشمن کا ایک بہت ہی اہم مہرہ ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ میں نے ان سے کہا: "جناب! شیبا کو یقین ہونا چاہیے کہ یہ قیدی بنا کر نہیں لائی گئی ہے۔ لہٰذا یہ جانا چاہے تو یہ ہیلی کاپٹر اس کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔"

شیخ الفارس نے پدرانہ شفقت سے پوچھا: "بیٹی شیبا! تم کہاں جاؤ گی؟"

پھر انھوں نے پائلٹ سے کہا: "تم ہماری بیٹی کے احکامات کی تعمیل کرو گے۔"

میں نے کہا: "کیا سوچ رہی ہو؟ ہم کوئی ڈراما نہیں کر رہے ہیں۔ تم ہمیں ہر طرح آزما سکتی ہو۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے مجھے دیکھا پھر سر جھکا کر ہیلی کاپٹر کی سیڑھی کی طرف چلی گئی۔ اس میں سوار ہونے کے بعد اس نے پھر میری طرف دیکھا۔ سیڑھی ہٹا لی گئی۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ اب میں اس کے دماغ میں تھا۔ وہ پائلٹ سے کہہ رہی تھی: "ہم فلائی کریں گے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے کہاں

جانا چاہیے ؟"

پائلٹ نے حکم کی تعمیل کی۔ ہیلی کاپٹر وہاں سے پرواز کرنے لگا۔ ہم اسے دور جاتے دیکھتے رہے۔ میں نے کہا "شیبا! میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، بغیر اجازت تمھارے دماغ میں نہیں آؤں گا۔ اگر تمھیں مجھ سے رابطہ قائم کرنا ہو تو مجھے مخاطب کرلینا۔ میں تمھارے دماغ سے جارہا ہوں۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ میں پائلٹ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد پائلٹ سے کہا "اگر میں تل ابیب جانا چاہوں تو؟"

پائلٹ نے کہا "میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا لیکن اس ہیلی کاپٹر کو فرانس کی حدود میں پرواز کرنے کی اجازت ہے۔ باہر جانے کے لیے مخصوص اجازت نامے کی ضرورت ہوگی۔"

اس نے ذرا سوچنے کے بعد کہا "مجھے کسی فلائنگ کلب میں پہنچا دو۔"

"جو حکم، مادام! آپ دس منٹ کے اندر ایک فلائنگ کلب کے لینڈنگ گراؤنڈ تک پہنچ جائیں گی۔ چونکہ آپ ہماری مہمان ہیں اس لیے مناسب مشورہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ آپ کی شخصیت معمولی نہیں ہے۔ دشمن آپ کی تاک میں ہیں۔ آپ کسی فلائنگ کلب میں جائیں گی یا ہوٹل میں قیام کریں گی تو ان کی نظروں میں آجائیں گی۔"

شیبا اس سے باتیں کرنے کے دوران سوچنے کے انداز میں چپ ہوتی تھی لیکن پائلٹ کے دماغ میں پہنچ کر اسے ٹٹولتی تھی کہیں وہ دھوکا تو نہیں دے رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی چال ہو۔ صرف وفاداری کی نمائش ہو رہی ہو لیکن ہر بار اس نے پائلٹ کو اپنے فرض کے سلسلے میں دیانت دار پایا۔ وہ سچ مچ شیخ الفارس کے حکم کے مطابق شیبا کے احکامات کی تعمیل کررہا تھا۔

میں پائلٹ کے دماغ سے واپس آگیا۔ شیخ الفارس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ آرہی ہے۔"

تھوڑی دیر میں وہ پھر اسی جگہ موجود تھی۔ ہیلی کاپٹر سے باہر آکر مجھے دیکھتے ہی اس نے سر کو جھکا لیا تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا "مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم مجھ پر اور بابا صاحب کے ادارے کے معزز افراد پر اعتماد کرنے آئی ہو۔ ہم تمھارے اعتماد کو دھوکا نہیں دیں گے۔ یہ ایک مرد کی زبان ہے کہ میں تمھیں کبھی محبت کا فریب نہیں دوں گا اور نہ ہی تمھیں

اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

ہم وہاں سے ادارے کے اسپتال میں آگئے۔ ایک بند کمرے میں ایل مانڈو کی مرہم پٹی کی جارہی تھی۔ اسے ہوش میں لانے کی کوششیں جاری تھیں۔ پھر میں نے ایک ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ اس پر نفسیاتی اثر ڈال رہے تھے۔ آہستہ آہستہ اس کے کان کے پاس سرگوشی میں کہہ رہے تھے "ایل مانڈو، ایل مانڈو! تم زندہ ہو۔ تم مرد ہو، دلیر ہو اور اب اپنے آدمیوں میں پہنچ گئے ہو۔"

یہ فقرے کئی بار دہرائے گئے۔ اسے ہوش آرہا تھا اور وہ یہی فقرے بار بار سن رہا تھا۔ پھر اس نے کراہتے ہوئے پوچھا "میں کہاں ہوں؟"

"جہاں تمھیں ہونا چاہیے۔ ہم نے تمھارے دشمن کو مار ڈالا ہے اور شیبا کو اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ تم اپنے دماغ پر زور دو۔ خود سمجھو کہ کہاں ہو۔"

اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر نہ کھول سکا۔ اس پر تیز روشنی پڑ رہی تھی۔ باقی چاروں طرف کی بتیاں بجھا دی گئی تھیں تاکہ اس کمرے کا ماحول اسے نظر نہ آئے۔ صرف روشنی ہی روشنی دکھائی دے۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا "یہ کتنی تیز روشنی ہے۔ کیا میں میڈرڈ میں ہوں؟"

"شاباش! تم ہوش میں آرہے ہو۔ اب ثابت کرو کہ اپنے حواس میں بھی ہو۔ اپنا نام، اپنی ولدیت اور اپنا پتا ٹھکانا آہستہ آہستہ دہراتے جاؤ۔"

میں جس کے دماغ میں تھا، وہ انگریزی اور اسپین کی مقامی زبانیں بھی جانتا تھا۔ میں اس کے ذریعے ایل مانڈو کی باتوں کا ترجمہ سمجھتا جارہا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ اپنا نام اور ولدیت وغیرہ بتاتا جارہا تھا پھر اس نے اپنا پتا بتایا۔ وہ میڈرڈ شہر کے ایک علاقے سلمانکا میں کالے ڈی گویا کی شاہراہ کے قریب رہتا تھا۔ اس سے سوال کیا گیا "تمھارا پُراسرار باس کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ وہ کبھی میرے سامنے نہیں آتا۔"

"کیا تم اس کی آواز سے اسے پہچان سکتے ہو؟"

"وہ مجھے آواز بھی نہیں سناتا۔ پہلے کہتا تھا جب تک فرہاد شکنجے میں نہ آئے اس وقت تک کسی سے نہیں بولے گا۔ بعد میں یہ بھی کہنے لگا۔ اب فرہاد نہیں، ایک اور ہستی ہے اس کا نام شیبا ہے۔ جب تک وہ بھی گرفت میں نہیں آئے گی، میرا باس گونگا بنا رہے گا۔"

"تمھارے باس کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ شیبا نامی لڑکی

[illegible] پیتھی جانتی ہے؟"

"ہمارا باس ایک ایسا راز ہے جو سمندر سے زیادہ [گہرا] ہے، وہ کبھی اپنی ذات کے متعلق کچھ نہیں بتاتا۔ پھر اپنے [خیا]لات کے متعلق ہمیں کیسے بتاسکتا ہے۔ ہاں مگر میں نے [ا]ب اندازہ کیا ہے۔"

"کیسا اندازہ؟ تمھارا اپنا کیا خیال ہے۔ شیبا کے متعلق [اس]ے کیسے معلوم ہوا؟"

"ہم نے... ہم نے...."

وہ کہتے کہتے رکنے لگا۔ اسے سانس لینے میں تکلیف [ہو] رہی تھی۔ فوری طور پر اسے آکسیجن پہنچائی گئی۔ پھر اس سے [و]ہی سوال کیا گیا۔ اس نے کہا "ہم نے وادیٔ قاف میں طیاروں [ک]ے ذریعے گیس بم کی شیلنگ کی تھی۔ ایسے بھی بم برسائے تھے [جو] ہلاکت کا باعث بنتے تھے۔ بعد میں جب ہم وادیٔ قاف [پ]ہنچے تو ہم نے رسونتی، اعلیٰ بی بی، مرجانہ اور ٹارزبلبا کی طرف [تو]جہ دی۔ وہ زندہ تھے لیکن پارس لاپتا تھا۔ ہم نے باس کے [ح]کم کے مطابق مرجانہ اور ٹارزبلبا کو میڈرڈ پہنچا دیا۔ سونیا، [ر]سونتی اور اعلیٰ بی بی کو لے کر الاسکا کے ایک شہر تنانا چلے گئے۔ وہاں کی ایک لیبارٹری میں ان تینوں کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ہماری ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ میں اپنے آدمیوں کے ساتھ میڈرڈ واپس چلا آیا۔"

اس کے بیان کے مطابق مرجانہ اور ٹارزبلبا کو میڈرڈ پہنچایا گیا تھا۔ شاید وہی وہ جگہ تھی جہاں مرجانہ سے میں نے آخری بار رابطہ قائم کیا تھا۔ وہ ٹرالی بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کمرے کا فرش گھوم رہا تھا۔ وہیں اس نے دو ہمشکل بھائی بہن کو دیکھا تھا۔ اس نے بہن کے دائیں ہاتھ میں ساڑھے چار انگلیاں دیکھی تھیں۔ اس کے بھائی ایل مانڈو کے ہاتھ پر دستانے تھے۔ اس کی انگلیاں گن نہیں سکتی تھی، اور انھیں میں نے گن لیا تھا اور وہ شکار اب ہمارے آپریشن تھیٹر میں پڑا ہوا تھا۔

میں نے شیخ الفارس سے کہا "میں ابھی الاسکا جاؤں گا۔ آپ مجھے وہاں کے شہر تنانا پہنچانے کا فوری طور پر انتظام کریں۔"

انھوں نے میرے شانے کو تھپک کر کہا "صبر کرو۔ ہمیں سراغ مل گیا ہے۔ یقیناً وہ تنانا شہر کے سرد خانے میں ہوں گی۔ ہم تمھاری روانگی کا انتظام کرتے ہیں۔ تم کل سے تھکے ہوئے ہو۔ تم نے نیند پوری نہیں کی ہے۔ ٹھیک سے کھایا پیا نہیں ہے...."

میں نے بات کاٹ کر کہا "مجھے بھوک نہیں ہے۔ مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔ سونا ہوگا، کھانا ہوگا تو میں سفر کے دوران اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہوں۔"

"جلد بازی سے کام نہ لو۔ تم مجھے اپنا بزرگ سمجھتے ہو، یہ بھی تسلیم کرتے ہو کہ میں کبھی غلط مشورہ نہیں دیتا۔ میں جب تک انتظامات کر رہا ہوں، اس وقت تک نیند پوری کرلو۔ زیادہ بحث نہ کرو۔ اب جاؤ۔"

اگرچہ میں پرواز کرکے تنانا شہر پہنچ جانا چاہتا تھا، سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو ایک نظر دیکھ لینے کی تڑپ ایسی تھی کہ میں بیان نہیں کرسکتا تاہم مجھے شیخ الفارس کا ذرا بزرگانہ انداز میں ڈانٹنا بہت اچھا لگا۔ اتنی بڑی دنیا میں کوئی تو ہے جو مجھے بچہ سمجھ کر ڈانٹ سکتا ہے، سمجھا سکتا ہے۔ میں سر جھکا کر وہاں سے چلا آیا۔ شیبا کے لیے الگ رہائش کا بہترین انتظام کیا گیا تھا۔ وہ مجھ سے رخصت ہوگئی۔ ایک کمرا میرے لیے مخصوص تھا۔ میں سوجانا چاہتا تھا مگر شیخ الفارس کی نصیحت یاد آئی۔ کہ بھوکے پیٹ نہیں سونا چاہیے۔ میں نے تھوڑے سے پھل کھائے، ایک گلاس دودھ پیا۔ اس دوران خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے شیبا کی ماما کے پاس پہنچ گیا۔

وہ ممتا کی ماری ایک البم کھول کر اپنی بیٹی کی تصویر دیکھ رہی تھیں اس البم میں شروع سے آخر تک شیبا کے بچپن سے لے کر جوانی تک کی تصویریں موجود تھیں۔ وہ تصویروں کو دیکھتی جارہی تھیں اور کڑھتی جارہی تھیں۔ سوچ رہی تھیں، "میں محترم ربی کو کیا کہہ سکتی ہوں۔ کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ انھوں نے اعلانیہ میری بیٹی کو اپنی بیٹی بنالیا ہے۔ جیسے یہ بھی کوئی سرکاری فیصلہ ہو۔ اگر کسی نیک مقصد کے لیے بنایا گیا ہے اور نیک ارادے ہیں تو ماں سے بیٹی کو جدا کرنا کیا ضروری ہے؟"

میں جس انداز میں چاہتا تھا وہ اسی انداز میں سوچ رہی تھیں پھر میں ان کی سوچ کے ذریعے اس بات پر آمادہ کرنے لگا کہ انھیں تل ابیب سے باہر بلکہ اسرائیل سے باہر کسی دوسرے ملک میں آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے جانا چاہیے۔ وہ شیبا کی ایک بڑی سی تصویر کو دیکھ رہی تھیں۔ میں نے ان کے دماغ میں ایسا تاثر پیدا کیا جیسے وہ تصویر زندہ ہو رہی ہو۔ ویسے بھی تصویر میں شیبا مسکرا رہی تھی۔ بہت صاف تصویر تھی جیسے بیٹی سامنے بیٹھی ہو۔

یوں بھی جس سے شدید محبت ہوتی ہے اس کی تصویر نہ ہو تب بھی وہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے اور وہ تو جیتی

بیٹی تھی۔ ماں کے دل کی دھڑکن تھی۔ میں نے ایسے محسوس کرایا جیسے تصویر بولنے لگی ہو۔ پھر میں نے شیبا کی آواز اور لہجے میں کہا۔" ماما! میں ہوں۔ دیکھو میں بول رہی ہوں۔ تصویر میں بول رہی ہوں۔"

ماں کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ غور سے تصویر کو دیکھنے لگیں۔ میں نے شیبا کی آواز میں پھر کہا۔" ماما! تم چلی آؤ۔ اسرائیل سے باہر نکل آؤ۔ میں ملوں گی۔ کہیں نہ کہیں تم سے ضرور ملوں گی۔"

ماما نے بے چین ہو کر پوچھا۔" کیا تم تل ابیب میں نہیں ہو؟ اسرائیل سے باہر ہو؟"

"ہاں، ماما! بس اتنا ہی کہتی ہوں اور کچھ نہیں کہوں گی۔ لو، اب تصویر بن رہی ہوں۔"

"پھر خاموشی چھا گئی۔ ماں نے اسے مخاطب کیا، پکارا۔ "بیٹی بیٹی، بولو۔ دیکھو تصویر نہ بنو۔ ہائے اولاد کی محبت کتنی ظالم ہوتی ہے۔ کبھی خوابوں میں ستاتی ہے۔ کبھی جاگتے میں رُلاتی ہے اور تصویر دیکھو تو زندہ ہو کر دل میں ایسے دھڑکنے لگتی ہے جیسے اب تب میں دم نکلنے والا ہو۔ محبت کرنے والے ہی جانتے ہیں کہ ایک ماں کو اولاد کی محبت کس طرح مارتی ہے۔ میں آؤں گی۔ میری بچی، میں ضرور اسرائیل سے باہر کہیں آؤں گی۔ ضرور آؤں گی۔ میرا دل کہتا ہے تم مجھ سے ضرور ملو گی۔"

میں نے پھر ماما کی سوچ میں کہا۔" مجھے محترم ربی سے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہیے اور بیٹی سے ملنے کی فرمائش کرنا چاہیے۔"

اس خیال کے تحت ماما نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔" ہیلو، میں محترم پیشوا کا سیکریٹری بول رہا ہوں۔"

"میں شیبا کی ماما ہوں۔ محترم ربی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہولڈ آن کیجیے۔"

تھوڑی دیر بعد ربی کی آواز سنائی دی۔" کیا بات ہے بیٹی؟"

محترم بزرگ! میں کتنے دنوں سے بیٹی کو دیکھنا چاہتی ہوں مگر اسے دیکھ نہ سکی۔ پلیز، فون پر ہی اس کی آواز سنا دیجیے۔"

ذرا دیر کے لیے خاموشی رہی۔ یقیناً ربی اسفندیار سوچ میں پڑ گئے ہوں گے، جب شیبا نہیں ہے تو آواز کیسے سنائی جائے؟ پھر انھوں نے کھنکار کر ذرا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔" مجھے افسوس ہے۔ شیبا سات دن کی مسلسل عبادت میں مصروف ہے۔ اس عبادت کے دوران نہ تو وہ کسی سے مل سکے گی اور نہ ہی کسی سے بات کر سکے گی۔ تم سات دن کے بعد اس سے مل سکو گی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں نے اس کی سوچ میں سمجھایا۔" مجھے دھوکا دیا جا رہا ہے۔ میری بیٹی یہاں نہیں ہے۔ سات دن کی مہلت مانگی گئی ہے۔ پتا نہیں، یہ سات دن پورے ہوں گے یا ستر دن اور ستر سال بن جائیں گے۔ مجھے اپنے خدا پر بھروسا کرنا چاہیے۔ قدرتی حالات اور کبھی اندر کی روح بے چین ہو کر حقیقت بیان کرتی ہے۔ اس تصویر نے کہا ہے، مجھے اسرائیل سے باہر جانا چاہیے، وہ مجھے ملے گی، ضرور کہیں ملے گی۔ ہاں میں باہر جاؤں گی۔"

میرا کام بن گیا۔ میں دماغی طور پر واپس آیا۔ پھر بستر پر چاروں شانے چت لیٹ کر اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ دماغ کو ہدایت دی۔ اس کے بعد گہری نیند میں ڈوب گیا۔

مجھے الاسکا کے شہر تنانا پہنچنے کی جلدی تھی۔ رہ رہ کر سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کا خیال آتا تھا۔ میں نے صرف چار گھنٹے کی نیند پوری کی، اس کے بعد اٹھ کر بیٹھ گیا۔ شیخ الفارس سے دماغی رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا۔" میں نے نیند پوری کر لی ہے۔ آپ بتائیں کیا انتظامات ہوئے ہیں؟"

انھوں نے کہا۔" الاسکا میں ہمارے ادارے کے صرف چار آدمی ہیں۔ ان میں ایک ڈاکٹر میکاکس ہے۔ ہم نے اسے یہاں واپس آنے کے لیے کہا ہے تاکہ تم اس کے روپ میں وہاں جا سکو۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے جاؤ گے تو کسی بھی میڈیکل لیبارٹری اور سرد خانے میں پہنچ سکو گے۔"

"پتا نہیں، ڈاکٹر میکاکس کب یہاں پہنچے گا؟"

"تم جلدی نہ کرو۔ اطمینان سے کام کرو۔ ہمیں ان کا سراغ مل گیا ہے۔ بڑی سہولت سے وہاں اس طرح پہنچنا چاہیے کہ دشمنوں کو ہماری آہٹ بھی نہ ملے۔ اگر وہ پہلے سے محتاط ہو جائیں گے تو تمھارے لیے قدم قدم پر دشواریاں پیدا ہوں گی۔"

"کچھ معلوم تو ہو، ڈاکٹر کب یہاں پہنچ رہا ہے؟"

"وہ روانہ ہو چکا ہے۔ آج رات کو پہنچ جائے گا۔ کل ایک طیارے میں تمھارے لیے سیٹ ریزرو کرائی جا رہی ہے۔ اس کے یہاں آنے تک تمھارے چہرے کی سرجری کی جائے گی اور تمھیں مکمل ڈاکٹر میکاکس بنایا جائے گا۔ اس دوران تم اس کے متعلق اسٹڈی کرتے رہو گے۔"

میں نے غسل کیا۔ اچھا سا لباس پہنا۔ پھر دو طلبا اور طالبات کی رہنمائی میں ایک ایسے کمرے میں پہنچا جہاں چاروں طرف آئینے لگے ہوئے تھے۔ وہاں میرے چہرے کو تبدیل کرنے کے سلسلے میں انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ ایک کیسٹ ریکارڈر سامنے رکھا ہوا تھا۔ شیخ الفارس وہاں موجود تھے۔ انھوں نے کہا۔" تم میک اپ کے دوران یہ کیسٹ سنتے رہو گے۔ اس میں میکاکس کی آواز، اس کا لب و لہجہ صاف طور پر سنائی دے گا۔ اس میں اس کے متعلق ضروری معلومات بھی ہیں۔"

میں آئینوں کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کیسٹ ریکارڈر کو آن کیا گیا۔ پھر دو سرجن میرے چہرے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میں ڈاکٹر میکاکس کی آواز سن رہا تھا۔ آدھے گھنٹے کے بعد میں نے کہا۔" اسے بند کر دیجیے۔ میں تھوڑی دیر خاموش رہنا چاہتا ہوں۔"

ریکارڈر کو آف کر دیا گیا۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور ڈاکٹر میکاکس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک طیارے میں سفر کر رہا تھا اور ہماری طرف آ رہا تھا۔ بہت سی باتیں کتابوں میں ہوتی ہیں، ڈائری میں ہوتی ہیں، کیسٹ میں ہوتی ہیں یا زبان پر ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ جاننے کی ضرورت رہ جاتی ہے جسے انسان تمام دنیا والوں سے چھپاتا ہے۔ میں یہی معلوم کرنے کے لیے اس کے پاس آیا تھا۔

وہ ایک ذہین ڈاکٹر تھا۔ اس نے بچپن سے بابا صاحب کے ادارے میں پرورش پائی تھی۔ وہیں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اور ایک بہت ہی باصلاحیت ڈاکٹر بن کر وہاں سے عملی میدان میں آیا تھا۔ مختلف ممالک میں اپنی خدمات انجام دیتا ہوا الاسکا کے شہر تنانا پہنچ گیا تھا۔ وہاں رہ کر بھی وہ بابا صاحب کے ادارے کا وفادار رہا۔ تنانا کے میڈیکل سینٹر اور وہاں کی سوسائٹی میں کوئی اس کا تعلق بابا فرید واسطی کے ادارے سے نہیں جانتا تھا اور نہ ہی اس نے کسی کو بتایا تھا۔

اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کی حسن پرستی تھی۔ اس نے شیخ الفارس پر اپنی یہ کمزوری ظاہر نہیں کی تھی۔ ایسی باتوں کو نہ تو وہ ڈائری میں لکھتا تھا، نہ زبان پر لاتا تھا۔ یہ تو میں اس کے اندر پہنچ کر بہت سی ڈھکی چھپی باتوں کو سمجھتا جا رہا تھا۔

میں نے شیبا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ میں اس سے اجازت لینا چاہتا تھا کہ اس کی تنہائی میں آنا چاہیے یا نہیں، لیکن وہ گہری نیند میں تھی۔ میں واپس چلا آیا۔ بے چاری تھکی ہوئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار جنگل کے اونچے نیچے راستوں سے رات بھر گزرتی رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ایسا بھیانک تجربہ پھر کبھی نہیں ہو گا۔ یہ اس کا معصوم سا خیال تھا۔ جیسے کوئی ننھی سی بچی بھیانک خواب دیکھ کر بیدار ہو جائے اور سوچے، آئندہ وہ خواب کبھی نہیں دیکھے گی لیکن جو کچھ بھی اس پر گزری وہ خواب نہیں تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ زندگی کے عملی میدان میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں لے کر آئی ہے۔ ابھی اسے کتنے ہی عذابوں سے گزرنا ہو گا۔

میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ ربی اسفندیار کے متعلق سوچتا رہا۔ جن دنوں شیبا ان کے پاس تھی اور میں شیبا کے دماغ میں پہنچ کر اس کی باتیں سنتا تھا، انھی دنوں اس کے اس پاس آنے جانے والے خادموں اور خادماؤں کی بھی آوازیں سنی تھیں۔ ان میں سے ایک خادم کی آواز اور اس کا لب و لہجہ مجھے یاد تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ربی کے محل نما بنگلے کے ایک حصے سے گزرتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ پتا چلا وہاں کوئی سیکیورٹی آفیسر آیا ہوا ہے اور ربی سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اس خادم نے آفیسر کو ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ ڈرائنگ روم میں

آیا۔ ذرا دیر بعد ربی اسفند یار بھی وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے پوچھا "آفیسر کیا بات ہے؟"

آفیسر نے چند کاغذات ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "شیبا کی ماما نے ملک سے باہر جانے کی درخواست دی ہے اور یہ ان کا پاسپورٹ وغیرہ ہے۔"

ربی نے سر گھما کر خادم کو دیکھا۔ ان کی نظریں سب پہچانتے تھے۔ خادم سر جھکا کر وہاں سے چلا گیا۔ ویسے اب میں اس آفیسر کے دماغ میں تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "جناب! آپ نے حکم دیا تھا کہ شیبا کے خاندان کا کوئی بھی فرد ملک سے باہر جائے یا کوئی نیا مہمان ان کے ہاں آئے تو آپ کو اطلاع دی جائے۔"

ربی اسفند یار نے کاغذات دیکھتے ہوئے کہا "ہوں، تو یہ محترمہ ملک سے باہر جانا چاہتی ہیں۔ تعجب ہے، اچانک کیوں ایسا پروگرام بنا لیا۔ ٹھیک ہے آفیسر، آپ یہ کاغذات رکھیں اور کچھ دنوں تک انھیں یہ کہہ کر ٹالتے رہیں کہ سرکاری معاملات میں دیر ہوتی ہے۔ انھیں جلد ہی باہر جانے کی اجازت مل جائے گی۔"

آفیسر نے وہ تمام کاغذات اور پاسپورٹ لے لیے پھر وہاں سے چلا گیا۔ ربی اسفند یار ڈرائنگ روم میں تنہا تھے۔ میں ان کے دماغ میں نہیں جا سکتا تھے۔ خادم دوسری طرف چلا گیا تھا۔ آفیسر اس بنگلے سے باہر نکل آیا تھا۔ میں شیبا کی ماما کے پاس آ گیا اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ماما نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو۔"

"میں تمھارا ربی بول رہا ہوں۔ تم ملک سے باہر جانا چاہتی ہو؟"

"جی ہاں، میں یہاں پریشان ہو گئی ہوں۔ بیٹی سے ملاقات بھی نہیں ہو رہی ہے۔ باہر جاؤں گی تو دل بہل جائے گا۔"

"بے شک تمھیں جانا چاہیے۔ آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی۔ میں نے آفیسر سے کہہ دیا ہے۔ تمھیں جلد ہی باہر جانے کی اجازت مل جائے گی۔"

"محترم ربی! میں کب تک جا سکوں گی؟"

"یہ سرکاری معاملات ہیں۔ شیبا میرے زیر سایہ رہتی ہے۔ اس کا گہرا تعلق حکومت سے ہے۔ لہٰذا تمھارے بھی باہر جانے میں بہت سی الجھنیں پیدا ہوں گی۔ بہر حال یہ الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ اطمینان رکھو، تمھیں باہر بھیج دیا جائے گا ۔۔۔ ویش آل۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ ماما ہیلو ہیلو کہتی رہی۔ اس نے ناگواری سے ریسیور کو دیکھا۔ پھر اسے کریڈل پر پٹخ دیا۔ جو کچھ ہو رہا تھا، میرے حق میں بہتر ہو رہا تھا۔ میں نے ماما کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ بیٹی کے لیے تڑپتی رہے اور ربی کے رویے پر دل ہی دل میں احتجاج کرتی رہے۔ جب کوئی شخص زبردست کے سامنے زبان نہیں کھولتا تو پہلے اندر ہی اندر تڑپتا ہے۔ اندر ہی اندر احتجاج کا جذبہ سلگتا رہتا ہے۔ جب یہ پیمانہ چھلکنے لگتا ہے تو وہی احتجاج زبان پر آ جاتا ہے اور یہیں سے بغاوت شروع ہوتی ہے۔

میں نے چاروں طرف آئینے میں دیکھا۔ ہر زاویے سے دیکھا، میں بدل چکا تھا۔ پتا نہیں اب تک کتنے روپ بدلے تھے۔ اب خود کو ڈاکٹر میکاکس کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ بڑی ہنر مندی اور چابک دستی سے میرا چہرہ تبدیل کیا گیا تھا۔ وہاں ایک پروجیکٹر رکھا ہوا تھا۔ سامنے ایک بڑا سا اسکرین تھا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی پروجیکٹر آن ہوا۔ پھر اسکرین پر میکاکس چلتا پھرتا نظر آنے لگا۔ وہ کس طرح چلتا تھا، کس طرح اٹھتا بیٹھتا تھا اور گفتگو کے دوران اس کے چہرے کے تاثرات کیا ہوتے تھے۔ منہ بناتا تھا یا بگڑتا تھا، یہ ساری تفصیلات مجھے معلوم ہوتی جا رہی تھیں۔

میں چار گھنٹے تک سوتا رہا تھا۔ اس کے بعد مزید چلد گھنٹے چہرے کو تبدیل کرنے اور ڈاکٹر میکاکس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں گزرے۔ شیبا آٹھ گھنٹے تک سوتی رہی۔ بے چاری کا تھکن سے برا حال تھا۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔

جب وہ بیدار ہونے کے بعد غسل کرنے کے لیے جانا چاہتی تھی تو ایک طالبہ نے کہا "مادام! آپ تھکی ہوئی ہیں۔ اگر جسم دکھ رہا ہو اور آپ ہلکی پھلکی ہونا چاہتی ہوں تو میرے ساتھ آئیے۔"

اسے ایک دوسرے کمرے میں لے جایا گیا۔ وہاں ایسی مشینیں تھیں جہاں انسان لیٹ کر، بیٹھ کر، کھڑے ہو کر اپنے تمام جسم کا مساج کرا سکتا تھا۔

جب شیبا ان مشینی آلات سے گزر کر غسل خانے میں گئی تو واقعی ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔ غسل کرنے کے بعد اور تازہ دم ہو گئی۔ آئینے کے سامنے چہرہ نکھر آیا تھا۔ ذہن بھی پر سکون تھا۔ چونکہ میں بغیر اجازت اس کے دماغ میں جانا نہیں چاہتا تھا اس لیے یہ باتیں مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھیں۔

پھر میں نے اس کے دماغ پر دستک دی اور پوچھا

"کیا آ سکتا ہوں؟"

اس نے مسکرا کر کہا "آنے کے بعد اجازت لیتے ہو؟"

"دماغ کا دروازہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ دستک دینے سے آنے والے کا پتا نہیں چلتا۔ سوچ کی لہریں بتاتی ہیں کہ کون آیا ہے؟"

"میں ربی سے رابطہ قائم کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں نے تم سے کہا تھا، دو گھنٹے بعد رابطہ قائم کرنا اور اب نو گھنٹے گزر چکے ہیں۔"

"میں کیا کروں۔ سونے کے بعد کچھ ہوش نہ رہا۔"

"کوئی بات نہیں۔ اب باتیں بناؤ گی۔"

"میں باتیں بنانا نہیں جانتی۔"

"میں تمھارے پاس موجود ہوں۔ تم وہی کہو گی جو میری سوچ کی لہریں کہتی جائیں گی۔"

"میں ربی سے کبھی جھوٹ نہیں کہتی۔"

"تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔ یاد ہے جب ربی نے تمھیں میرے دماغ میں پہنچنے کے لیے کہا تو تم نے کہہ دیا کہ میں کوما میں پڑا ہوا ہوں۔"

وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولی "میں کیا کرتی مجھے تم سے ڈر لگتا تھا۔"

"کیا اب تمھیں یقین ہوتا جا رہا ہے کہ میں تمھیں ٹریپ نہیں کر رہا ہوں؟"

"اب تک اچھے جا رہے ہو۔ کاش اسی طرح رہو۔"

"تمھیں کبھی شکایت نہیں ہو گی۔ آؤ اب ربی کے پاس چلتے ہیں۔"

اس نے خیال خوانی کی پرواز کی اور ربی کے پاس پہنچ گئی۔ پہلے تو انھوں نے سانس کو روکا پھر پوچھا "کون؟"

"میں ہوں، آپ کی بیٹی۔"

"اوہ شیبا، تم کہاں رہ گئی تھیں۔ میں پچھلے بارہ گھنٹے سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔ کہاں ہو؟ کیا کر رہی ہو؟ جلدی بتاؤ۔"

"میں خود نہیں جانتی، کہاں ہوں۔ میرے چاروں طرف تاریکی ہے لیکن محسوس کر رہی ہوں کہ کسی آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی ہوں۔"

"تمھارے ساتھ کیا ہوا تھا۔ تم نے اتنی دیر بعد رابطہ کیوں قائم کیا؟"

"میں کیا بتاؤں۔ اچانک ہی کسی نے میرے سر پر شدید ضرب لگائی تھی۔ میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ پتا نہیں کس وقت ہوش آیا۔ میں نے سوچا، فوراً ہی آپ سے رابطہ قائم کروں۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ صرف میرا جسم ہی نہیں، میرا دماغ بھی کمزور ہو گیا ہے۔ اس بات کی تصدیق یوں ہوئی کہ جیسے ہی میں نے خیال خوانی کی پرواز کی، ناکام رہ گئی۔ میری سوچ کی لہریں آپ تک نہ پہنچ سکیں۔"

"اوہ شیبا! میری بچی! میں نے تمھیں پھول سے بھی زیادہ نازک بنا رکھا تھا۔ تم کن کانٹوں سے گزر رہی ہو۔ وہ کانٹے کہاں بچھائے گئے ہیں۔ کچھ تو معلوم ہونا چاہیے۔"

"میں اب تک بے بس رہی، بار بار خیال خوانی کی کوشش کرتی رہی۔ اس بار کامیاب ہو کر آپ کے دماغ میں پہنچ گئی ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے، تمھاری خیال خوانی کی صلاحیتیں بحال ہو گئی ہیں۔ تم کسی طرح معلوم کرو، کہاں ہو۔"

"یہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب میرے پاس کوئی آئے گا۔"

"آئے گا۔ ضرور آئے گا۔ جو لوگ تمھیں اپنی حراست میں رکھے ہوئے ہیں وہ تمھیں کھانے پینے کی چیزیں ضرور لا کر دیں گے۔ کوئی نہ کوئی ضرور تمھارے پاس آئے گا۔"

"میرے بزرگ، میرے لیے دعا کیجیے۔ میں بہت گھبرا رہی ہوں۔"

"میں دعا بھی کر رہا ہوں اور تمھیں ڈھونڈ نکالنے کی دوا بھی۔ میں صرف یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ جن لوگوں نے تمھیں حراست میں لیا ہے، وہ شاید تمھاری حقیقت کو جان گئے ہیں اور تمھاری غیر معمولی صلاحیت سے آئندہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔"

"یہی بات ہے۔ میں بہت دیر تک سوچتی رہی۔ آخر یہ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہیں، سب گونگے کیوں بن گئے ہیں؟ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کو جانتے ہیں۔"

"یہی تو سوال ہے کہ وہ کیسے جانتے ہیں؟"

شیبا نے چونک کر کہا "ٹھہریے، میرے سرہانے ٹک ٹک کی آواز آ رہی ہے۔"

حالاں کہ آواز نہیں آ رہی تھی۔ شیبا وہی کہہ رہی تھی جو میں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا "میرے بزرگ! یہاں ایک کمپیوٹرکم ٹرانسمیٹر رکھا ہوا ہے۔ جو حربے ہم دوسروں پر آزماتے تھے، وہی مجھ پر آزمایا جا رہا ہے۔ میں نے کمپیوٹرکم ٹرانسمیٹر کے اسکرین کو آن کیا ہے تو اس

میں تحریر نظر آرہی ہے۔ یہاں لکھا ہوا ہے۔ مس شیبا مدام عرف مادام کمپیوٹر، خوش آمدید۔"

"بیٹی، تم انھیں باتوں میں لگا کر معلوم کرنے کی کوشش کرو، آخر یہ کون ہیں اور تمھیں کہاں رکھا گیا ہے؟"

"میں کوشش کر رہی ہوں۔ میرا یہاں حاضر دماغ رہنا ضروری ہے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد آپ سے رابطہ قائم کروں گی۔"

وہ دماغی طور پر واپس آگئی۔ مجھ سے پوچھا "یہ کیسی چالیں چل رہے ہو۔ ارادہ کیا ہے؟"

"تم جس قدر اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرتی رہو گی، وہ تمھارے دوست، بزرگ اور ہمدرد بنے رہیں گے۔ تمھاری ماں پر کوئی ظلم نہیں کریں گے۔ اس کے برعکس اگر انھیں شبہ ہو جائے کہ تم میرے ساتھ ہو تو وہ تمھاری ماما کو تمھاری کمزوری بنالیں گے۔ اور ان کے ذریعے تمھیں بلیک میل کریں گے۔"

"ہاں، یہ بات سمجھ میں آرہی ہے۔"

"اسی لیے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اور کرتا جارہا ہوں، تم اسی کے مطابق عمل کرتی رہو۔"

تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ربی سے رابطہ قائم کیا اور کہا "محترم بزرگ! بہت گڑبڑ ہو گئی۔ ہم بہت دنوں سے خوش فہمی میں مبتلا تھے۔"

انھوں نے پریشان ہو کر پوچھا "بات کیا ہے؟ تم تمہید نہ باندھو۔ فوراً ٹو دی پوائنٹ گفتگو کرو۔"

"محترم! وہ رسونتی جو اب کوما میں پڑی ہوئی ہے وہ فلپائنو زبان جانتی تھی۔"

انھوں نے چونک کر پوچھا "کیا؟"

"جی ہاں، وہ میرے دماغ میں رہا کرتی تھی۔ اس طرح اسے معلوم ہوا کہ تمتی محل کا ایک اور چور دروازہ ہے۔ اسی دروازے سے سونیا داخل ہوئی تھی۔ وہ لوگ اسی دروازے سے گوری سجاتہ کے مجسمے کو لے کر گئے تھے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرہاد بھی تمھارے دماغ میں پہنچا ہوا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ پہنچا ہوا ہو بلکہ پہنچا ہوا تھا۔ میں نے کہا نا، وہ بھی کوما میں پڑا ہوا ہے۔"

"اگر فرہاد اور رسونتی جیسے بدترین دشمن کوما میں ہیں تو پھر کس نے تمھیں حراست میں رکھا ہے؟"

"یہ وہی پراسرار شخص ہے جس نے فرہاد اور رسونتی کو ہمیشہ کے لیے بے بس بنا دیا ہے۔"

"اب میری سمجھ میں آرہا ہے۔ رسونتی اور فرہاد کے کوما میں جانے کے بعد ان کے دماغ کمزور ہو گئے ہوں گے۔ اس پراسرار شخص نے ان کے ذریعے تمھارے متعلق تمام باتیں معلوم کرلی ہوں گی۔"

"جی ہاں، یہی بات ہے۔ ابھی کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر میں مجھ سے یہی کہا گیا ہے اور سوال کیا جا رہا ہے کہ میں ان کی وفادار رہنا چاہتی ہوں یا رسونتی اور فرہاد کی طرح تمام عمر کوما میں رہنا پسند کروں گی؟"

"کیا تم نے کوئی جواب دیا ہے؟"

"میں نے جواب دینے کے لیے مہلت مانگی ہے۔"

"تم جواب دینا کہ ان کی وفادار رہو گی۔ بیٹی، یہ ضروری ہے۔ کوما میں رہنے سے بہتر ہے کہ ان کی وفادار رہو۔ ہم موقع دیکھتے ہی ان کی شہ رگ تک پہنچ جائیں گے اور تمھیں وہاں سے نکال لائیں گے۔"

"وہ پراسرار شخص پندرہ منٹ بعد مجھ سے رابطہ قائم کرے گا۔ میں آپ کی ہدایت کے مطابق اسے جواب دوں گی۔"

"اس کے بعد پھر مجھ سے رابطہ قائم کرنا اور مجھے بتانا کہ وہ جواباً کیا کہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اجازت دیجیے۔ پندرہ منٹ بعد آؤں گی۔"

"ذرا ٹھہرو۔ ایک اور بات ذہن میں آرہی ہے۔ تم ان سے کہہ سکتی ہو کہ تم اپنی ماں کو اور اپنے نانا وغیرہ کو بہت چاہتی ہو، ان کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ لہٰذا ان کی وفادار بن کر رہنے کے لیے ضروری ہے کہ انھیں بھی تمھارے ساتھ رکھا جائے۔"

شیبا نے حیرانی سے پوچھا "محترم بزرگ! کیا آپ میرے ساتھ میری ماما کو اور نانا کو بھی ان کا قیدی بنا دینا چاہتے ہیں؟"

"بیٹی! یہ سیاسی چالیں ہیں۔ تم سمجھ نہیں سکو گی۔ اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ تمھاری ماما کو اور تمھارے نانا وغیرہ کو تمھارے پاس بلانا چاہیں گے۔ تمھارے یہ تمام عزیز، رشتے دار ہماری کڑی نگرانی میں رہیں گے۔ یہ جہاں بھی جائیں گے، ہمارے خفیہ آدمی ان کے پیچھے پیچھے رہیں گے۔ اس طرح ہم جو چالیں چلیں گے وہ ابھی تمھیں بھی نہیں بتا سکتے۔ رفتہ رفتہ سب معلوم ہو جائے گا۔ جیسا کہہ رہا ہوں، ویسا ہی کرو۔"

"جی بہت اچھا، میں یہی کہوں گی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ بہت خوش تھی۔ میں نے کہا۔ "تقدیر تم پر مہربان ہے۔ جو بات تمھیں ربی سے کہنا چاہیے تھی وہ خود انھوں نے تم سے کہہ دی۔ تمھاری ماما جلد ہی تم سے ملیں گی۔"

"فرہاد! تم بہت اچھے ہو۔ تم نے ایسی چال چلی ہے کہ ربی خود اسی طرف آرہے ہیں جس طرف میں اپنی ماما کو بلانا چاہتی تھی۔"

"تم ابھی عملی تجربات سے گزر رہی ہو۔ جو ہوتا جارہا ہے اسے ذہن میں محفوظ رکھو تاکہ آئندہ ایسے معاملات پیش آئیں تو میرے یا کسی کے مشورے کے بغیر اپنی ذہانت اور تجربات سے مناسب اقدامات کرسکو۔"

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ میں بہت کچھ سیکھتی جارہی ہوں۔"

آدھے گھنٹے کے بعد شیبا نے پھر ربی سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے کہا "میں پندرہ منٹ سے ہی انتظار کر رہا ہوں۔ اتنی دیر کیسے ہو گئی؟"

"انھوں نے پندرہ منٹ کے بعد مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے کہا تھا۔ پھر میں ان سے مزید پندرہ منٹ گفتگو کرتی رہی۔ اب آپ کے پاس آئی ہوں۔"

"جلدی بتاؤ، وہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں نے انھیں یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ مجھے زندہ سلامت رکھا گیا اور میرے مان مرتبے میں کوئی فرق نہ آیا، میری آزادی سلامت رہی تو میں ان کی وفادار بن کر رہوں گی۔"

"کیا وہ راضی ہو گئے؟"

"وہ کہتے ہیں، میری آزادی کی ایک حد مقرر ہو گی۔ میں ابھی جہاں ہوں، وہاں سے چھ ماہ تک کہیں نہیں جا سکوں گی۔ یہاں میری خدمت کرنے والی عورتیں اور مرد سب گونگے ہوں گے۔ میں نے کہا مجھے سب منظور ہے لیکن میں اپنی ماما اور نانا کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے ان دونوں سے ملا دیا جائے تو میں چھ ماہ کیا، چھ سال بھی پابندی میں گزار سکتی ہوں۔"

"کیا وہ تمھارے عزیزوں سے ملانے پر راضی ہیں؟"

"وہ کہتے ہیں، اگر میری ماما اور نانا کو بلایا جائے گا تو اسرائیلی حکام محتاط ہو جائیں گے۔ ربی ایسی چالیں چلیں گے کہ ہم تک پہنچنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ میں نے یقین دلایا ہے ایسا نہیں ہو گا۔ میں ربی وغیرہ سے اپنی ماما اور نانا کا ذکر نہیں کروں گی۔ کیوں کہ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی نانا میڈرڈ پہنچنے والے ہیں۔ انھیں بل فائٹنگ (سانڈوں کی لڑائی) دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ وہ اکثر میڈرڈ آیا کرتے ہیں۔ میری ماما بھی ان کے ساتھ ہوتی ہیں تاکہ آب و ہوا تبدیل ہو سکے اور ماما کی صحت اچھی رہے۔ مختصر یہ کہ میرے نانا اور میری ماما کل شام تک میڈرڈ پہنچنے والے ہیں۔"

ربی نے خوش ہو کر کہا "بیٹی، تم نے بڑی ذہانت سے معاملات طے کیے ہیں۔ میں تمھارے نانا اور تمھاری ماما کو کل ہی یہاں سے میڈرڈ روانہ کر دوں گا۔ ایک بات یاد رکھنا۔ دشمن نادان نہیں ہوتے۔ پھر ایسا پراسرار شخص جس نے رسونتی اور فرہاد کو قابو میں کر رکھا ہو، وہ تمھیں کسی وقت بھی چٹکیوں میں مسل سکتا ہے۔ لہٰذا قدم قدم پر میرے مشورے کی ضرورت ہے۔ تمھیں کوئی بھی مشکل درپیش ہو، فوراً مجھ سے رابطہ قائم کرو۔ مشورہ لو اور اس پر عمل کرتی رہو۔"

"آپ درست فرما رہے ہیں۔ وہ نادان نہیں ہیں۔ بہت محتاط ہیں۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اپنی ماما سے ملنے کے لیے میڈرڈ جانا چاہتی ہوں۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ مجھ سے وعدہ کیا ہے، کل میری ماما میڈرڈ پہنچیں گی۔ پرسوں تک انھیں میرے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

ربی نے کہا: "میں دیکھوں گا، وہ کتنے چالاک ہیں۔ میں ایسا جال بچھاؤں گا کہ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکیں گے۔"

تھوڑی دیر تک ربی سے گفتگو ہوتی رہی۔ پھر رابطہ ختم ہو گیا۔ شیبا نے ذرا مایوس ہو کر کہا: "فرہاد! میں اپنی ماما سے ہیڈرڈ میں نہیں مل سکوں گی۔ اور ان کے یہاں پہنچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ محترم ربی، بہت ذہین ہیں۔ ایسا جال بچھائیں گے کہ ہمارے آدمی ان کی گرفت میں آجائیں گے لیکن وہ ماما کو میرے پاس نہیں لا سکیں گے۔"

"ٹیلی پیتھی اور ذہانت میں فرق ہے۔ تمھارے پاس ٹیلی پیتھی ہے مگر چالیں چلنے والی ذہانت نہیں ہے۔ تم دیکھتی رہو تمھاری ماما تمھارے پاس ضرور پہنچیں گی۔ اب تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم کر کے ربی سے کہنا کہ وہ پُراسرار شخص اب تمھیں ہیڈرڈ بھیجنے پر مجبور ہے۔"

شیبا نے پوچھا: "بھلا وہ کیوں مجبور ہو گا؟"

"میری بات پوری طرح سن لو۔ تم ربی سے کہو گی کہ وہ پُراسرار شخص ایک بہت ہی اہم آدمی کو تمھارے ذریعے ٹریپ کرنا چاہتا ہے۔ جس آدمی کو ٹریپ کیا جائے گا، وہ اسپینش زبان جانتا ہے اور تم نہیں جانتیں۔ لہٰذا تم نے اس پُراسرار شخص سے کہا ہے کہ زبان نہ جاننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر وہ شخص میرے روبرو ہو تو میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ میں پہنچ سکتی ہوں۔ اس طرح اس کے دماغ کو کمزور بنانے کے بعد اسے پھانس کر یہاں لایا جا سکتا ہے۔"

شیبا نے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا: "ربی قائل ہو جائیں گے۔ جس شخص کو ٹریپ کیا جا رہا ہے وہ بہت ہی اہم ہے۔ اسے پھانسنے کے لیے مجھے ہیڈرڈ لے جایا جائے گا۔ کیا میں ان سے یہ کہہ سکتی ہوں کہ مجھے میک اپ میں لے جایا جائے گا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے؟"

"بے شک تمھیں یہی کہنا چاہیے۔ تم واقعی ذہانت سے سوچ رہی ہو۔ تم ربی سے کہو تمھیں کسی دوسری لڑکی کے روپ میں لے جایا جائے گا۔ میک اپ ہونے کے بعد تم انھیں بتاؤ گی کہ کس انداز میں کس روپ میں ہیڈرڈ پہنچ رہی ہو۔"

"فرہاد! کیسی باتیں کر رہے ہو۔ جب میں ربی کو یہ سب بتا دوں گی تو مجھے وہاں اسی میک اپ میں ٹریپ کر لیا جائے گا اور میں تل ابیب پہنچا دی جاؤں گی۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔ کوئی تمھارے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ سب ربی کو الجھانے والی باتیں ہیں تاکہ ہم تمھاری ماما کو صحیح سلامت وہاں سے نکال لائیں اور تمھارے پاس پہنچا دیں۔"

اس روز میں شیبا کو طرح طرح کی چالیں سمجھاتا رہا کہ کن حالات میں کس طرح کے اقدامات کرنے چاہئیں۔ ڈاکٹر میکاکس رات کے کسی حصے میں وہاں پہنچنے والا تھا، اس وقت تک مجھے فرصت تھی۔ میں کبھی شیبا سے باتیں کرتا تھا، اور کبھی ڈاکٹر میکاکس سے تعلق رکھنے والی اہم باتوں کو ذہن نشین کرتا جاتا تھا۔

میری زندگی میں بہت کم راتیں ایسی آئیں جب مجھے صحیح وقت پر سونے کا موقع ملا ہو اور خیال خوانی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو۔ میں اس رات دس بجے آرام سے سو گیا۔ رسونتی، سونیا اور اعلیٰ بی بی کوما میں پڑی جاگ رہی ہوں گی یا سو رہی ہوں گی۔ پتا نہیں کس عالم میں ہوں گی۔ ان کا سونا اور جاگنا برابر ہی ہو گا۔ وہ جی رہی ہوں گی مگر مُردوں کی طرح ہوں گی۔ وہ مُردہ ہوں گی مگر زندہ ہوں گی۔ میں ایسی صورت میں خیال خوانی کیوں کرتا؟ کس کے لیے کرتا؟ اب میرا کون رہ گیا تھا؟

میں نے مایوسی سے ایک گہری سانس لی۔ دماغ کو ہدایت دی اور صبح تک گہری نیند سوتا رہا۔ کسی نے سچ کہا ہے، اگر انسان کا دنیا میں کسی سے کوئی رشتہ نہ ہو، کوئی پریشانی نہ ہو، کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہ پڑے تو وہ، بے فکری سے جانوروں کی طرح گہری نیند سو جاتا ہے:

کوئی اپنے آپ کو جانور نہیں کہتا لیکن ایسے حساس لوگ بھی ہوتے ہیں جو تمام رشتوں اور محبتوں سے کٹ کر زندگی گزارتے ہیں۔ خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ کوئی انھیں نہیں پوچھتا۔ وہ کسی کو نہیں پوچھتے اور ایسے وقت گزارتے ہیں جیسے کوئی جانور جنگل میں کسی سے کچھ لیے دیے بغیر، کچھ سوچے سمجھے بغیر زندگی گزار رہا ہو۔ یہی میرا حال تھا۔ اگرچہ باباصاحب کے ادارے میں سب میرے اپنے تھے۔ مجھے چاہتے تھے۔ شیخ الفارس مجھے پدرانہ شفقت سے نوازتے رہتے تھے۔ اس کے باوجود یہ ساری محبتیں اور سارے رشتے تمام عمر کے لیے نہیں تھے۔ جب میں یہاں سے چلا جاتا تو ان سے بھی دور ہو جاتا۔ رشتے اور محبتیں وہ ہوتی ہیں جو دور ہونے کے باوجود قائم رہتی ہیں۔ ان کے لیے تڑپ ہوتی ہے۔ ان کی یادیں ہوتی ہیں۔ ان کی اچھی بری باتیں دل کو بہلاتی رہتی ہیں۔ جب یہ سب کچھ نہ ہو تو یہ دنیا بالکل خالی اور ویران ہو جاتی ہے۔

ایسے ہی مرحلے پر اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا میں جو بھی محبت ہے جو بھی رشتہ ہے، جو بھی رنگ ہے وہ وجودِ زن سے ہے۔ عورت نہ ہو تو کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ موجودہ حالات میں میرے آس پاس یا دور دور تک کسی عورت کا رشتہ نہیں تھا۔ ہاں، ایک شیبا تھی اور میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ نہ میں اس کی زندگی میں جبراً داخل ہونا چاہوں گا اور نہ ہی اسے اپنی طرف مائل کروں گا۔ میں نے صدقِ دل سے وعدہ کیا تھا۔ اس وعدے میں یوں بھی سچائی تھی کہ میں نے رشتوں کے زخم کھائے تھے اور مزید زخم کھانے کی ہمت نہیں تھی۔ بس مجھے سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی مل جائیں۔ اس کے بعد مجھے اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔

رات کے دو بجے ڈاکٹر میکاکس ادارے میں پہنچ گیا تھا۔ صبح اس سے ملاقات ہوئی۔ جب میں اس کے سامنے پہنچا تو وہ حیرانی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ شیخ الفارس اس کی حیرانی پر مسکرا رہے تھے۔ وہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں بھی اسی انداز سے دیکھنے لگا۔ اس نے پوچھا۔

"مسٹر تم کون ہو؟"

میں نے بھی اسی انداز، اسی لہجے میں اسی کے سوال کو دُہرایا۔ وہ اور حیران رہ گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آئینے کے سامنے ہو اور اپنا عکس دیکھ رہا ہو۔ جیسا خود کہہ رہا ہو، ویسا ہی عکس بھی کہتا جا رہا ہو۔ پھر وہ شدید حیرانی سے صوفے پر دھپ سے بیٹھ گیا۔ میں بھی اسی انداز میں اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ شیخ الفارس نے ہنستے ہوئے میری طرف اشارہ کیا۔ پھر کہا: "ڈاکٹر! یہ ہمارے ادارے کا ہونہار طالب علم ہے۔ اب یہ عملی میدان میں قدم رکھ رہا ہے اور سب سے پہلے تمھارے ہی روپ میں الاسکا جائے گا۔ وہاں ہماری ایک زبردست مہم میں حصہ لے گا۔ اسی لیے تمھیں یہاں بلایا گیا ہے۔"

ڈاکٹر نے پوچھا: "کیا یہ جوان میری جگہ سنبھال سکے گا؟"

میں نے اسی کے انداز میں اسی کے سوال کو دہرایا پھر کہا: "کیا میرا لب و لہجہ، میرا انداز، میرا قد، میری جسامت، میرا چہرہ، میرا ڈیل ڈول سب تمھارے جیسا نہیں ہے۔ پھر تمھاری جگہ سنبھالنا کون سا مشکل کام ہے؟"

"ہمشکل ہونے یا لب و لہجے کی نقالی کر لینے سے کام نہیں چلتا۔ میں ایک ماہر سرجن، تجربہ کار ڈاکٹر ہوں۔ اکثر ایسے اہم کیس آتے ہیں کہ فوری طور پر مجھے آپریشن تھیٹر میں پہنچ کر ڈیوٹی انجام دینا ہوتی ہے۔ بہت ہی پیچیدہ آپریشن کرتا ہوں۔ کیا تم کر سکو گے؟"

میں نے جواب دیا: "جب تک میں تمھارا رول ادا کرتا رہوں گا، میرے اندر ایک نفسیاتی کمزوری پیدا ہو جائے گی۔"

"کیسی نفسیاتی کمزوری؟"

"ڈاکٹر میکاکس! تم یہاں آئے ہو۔ یہاں تمھاری ایک دوست ہے۔"

اس نے کہا: "یہاں میری کوئی دوست نہیں ہے؟"

"بھئی! کوئی بھی فرضی دوست یا محبوبہ ہو سکتی ہے۔ میں اپنی نفسیاتی بیماری کو اسی محبوبہ سے منسوب کر رہا ہوں۔ یعنی جب تم یہاں پہنچے تو وہ بسترِ مرگ پر تھی۔ ایک بہت اہم آپریشن تھا لیکن تم نے اس کو آپریشن تھیٹر میں دیکھا تو تمھارا دل ڈوبنے لگا۔ یوں لگا جیسے محبت دم توڑ رہی ہو۔ تم نے بہتیری کوشش کی، اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کامیاب آپریشن کرنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ یہ بات تمھارے دماغ میں نقش ہو گئی کہ تمھاری محبت تمھارے ہی ہاتھوں سے ہلاک ہوئی ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ اب تم کسی آپریشن کے لیے اوزار ہاتھوں میں لیتے ہو تو ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔ احساسِ جرم شدید ہو جاتا ہے۔ دل اور دماغ چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ تمھاری محبت نے تمھارے ہی ہاتھوں میں دم توڑا ہے اور تمھاری ناتجربہ کاری سے ایسا ہوا ہے۔"

ڈاکٹر میکاکس نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "یہ تو واقعی زبردست نفسیاتی کیس ہے۔ اس طرح الاسکا کے میڈیکل سینٹر میں بھی سبھی تسلیم کر لیں گے کہ تمھیں فی الحال آپریشن تھیٹر میں نہیں جانا چاہیے، نہ ہی کسی کا آپریشن کرنا چاہیے۔"

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا: "لیکن تمھیں میڈیکل بورڈ کی میٹنگ میں حاضر ہونا پڑے گا۔ وہاں میں تقریر کرتا ہوں اور طبی نقطۂ نظر سے بہت سی باتیں کہتا ہوں۔ کیا تم کہہ سکو گے؟"

"میں میٹنگ اٹینڈ نہ کرنے کی معقول وجوہات پیش کرتا رہوں گا۔ عام حالات میں طبی نقطۂ نظر سے گفتگو کرنے کے لیے کچھ معلومات رکھتا ہوں۔ کچھ معلومات حاصل کر لوں گا اور جہاں کسی بات کا جواب نہیں دے سکوں گا وہاں خوبصورتی سے بات بنا کر نکل جاؤں گا۔ تم میری فکر نہ کرو۔"

شیخ الفارس نے ڈاکٹر میکاکس سے سوال کیا: "کیا الاسکا میں جو مُردہ خانے ہیں، وہاں ایسے سرد خانے بھی ہیں جہاں انسان کو کوما میں رکھا جاتا ہو؟"

وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے جواب دیا "الاسکا کے ایک شمالی شہر وانترمین میں بہت بڑا مردہ خانہ ہے وہ شمالی حصہ تمام سال برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ ایئرکنڈیشنڈ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی لیے وہاں مردہ خانہ بنایا گیا ہے لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ان مُردوں میں ایسے زندہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو کوما میں پڑے ہوں. بائی دی وے، آپ کے دماغ میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ کچھ لوگوں کو کوما میں رکھا جا سکتا ہے؟"

شیخ الفارس نے مختصر طور پر بتایا کہ فرہاد علی تیمور، سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو دشمنوں نے کہیں کوما میں رکھا ہے۔ ان کا سراغ نہیں مل رہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ چاروں الاسکا کے شہر تنانا میں ہو سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے ذہن پر زور دے کر کہا "الاسکا کے مُردہ خانوں میں میں پچھلے دو ہفتے پہلے گیا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کسی کو کوما میں رکھا جا سکتا ہے تو میں وہاں کی تمام لاشوں کو غور سے دیکھتا۔"

میں نے کہا "اب یہ کام میں کروں گا۔"

شیخ الفارس نے جب ڈاکٹر میکاکس کو یہاں آنے کے لیے کہا تھا تو یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ ایسی تمام عورتوں مردوں بوڑھوں اور بچوں کو تصاویر لے آئے جن سے وہ متاثر رہتا ہے۔ ڈاکٹر وہ تصاویر لے آیا تھا۔ میں انھیں دیکھ رہا تھا۔ ان کے متعلق پوچھتا جا رہا تھا اور یہ بھی معلوم کرتا جاتا تھا کہ ان میں سے کتنے افراد ایسے ہیں جن سے ڈاکٹر میکاکس کا خاص لگاؤ ہے یا ڈاکٹر سے بہت زیادہ بے تکلف ہیں۔ بہرحال میں اس روز دوپہر تک تمام اہم معلومات حاصل کرتا رہا۔ شیبا سے رابطہ قائم کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ یوں بھی اب میڈرڈ والا فیصلہ شیخ الفارس کے ہاتھ میں تھا۔ انھوں نے یقین دلایا تھا کہ شیبا کی ماما کو ہر حال میں یہاں لایا جائے گا خواہ ربی اسفند یار کتنے ہی خوبصورت جال بچھائیں۔ ناکامی ہو سکتی ہے مگر ہم کامیابی کے لیے ہمیشہ خدا پر بھروسا کرتے ہیں۔

مجھے رات کے آٹھ بجے الاسکا کے لیے روانہ ہونا تھا۔ میں شام کے پانچ بجے شیبا سے ملنے اس کے رہائشی بنگلے کی طرف گیا۔ وہاں برآمدے میں پہنچتے ہی ٹھٹک گیا۔ شیخ الفارس، شیبا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان پومی موجود تھی۔ میں نے بہت عرصے بعد پومی کو دیکھا تھا۔ بڑی تبدیل ہو گئی تھی۔ عمر کے لحاظ سے پہلے وہ بچی سی لگتی تھی۔ اب بھرپور ہو گئی تھی۔ پہلے پتھر تھی، بابا صاحب کے ادارے میں ایسی ٹریننگ حاصل کی تھی کہ تراشیدہ ہیرا بن گئی تھی۔

شیبا اور پومی مجھے ڈاکٹر میکاکس کے روپ میں نہیں جانتے تھے۔ شیبا سے اب تک دماغی رابطہ ہوا تھا اور میں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے ڈاکٹر میکاکس کا روپ اختیار کر لیا ہے۔ شیخ الفارس نے بھی سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ میں اصلی ڈاکٹر ہوں یا فرہاد؟

میں نے خیال خوانی کے ذریعے کہا "جنابِ عالی! میں فرہاد ہوں لیکن پومی کو یہ معلوم نہ ہو۔"

"کیا تم شیبا سے ملنے آئے ہو؟"

"جی ہاں، آپ اس سے کہہ دیجیے کہ وہ بنگلے کے اندر کمرے میں ملاقات کرے۔"

انھوں نے شیبا سے کہا "بیٹی! تم ذرا کمرے میں چلی جاؤ۔ یہ ڈاکٹر میکاکس ہیں۔ تم سے کچھ ضروری گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ اٹھ کر کمرے میں گئی۔ میں نے دماغی رابطہ قائم کیا پھر کہا "شیبا! تم نے جس ڈاکٹر میکاکس کو دیکھا ہے، وہ میں ہوں اور ابھی تمھارے کمرے میں آ رہا ہوں۔"

"اوہ گاڈ، تم تو بالکل پہچانے نہیں جاتے۔ تمھاری تو چال بھی بدل گئی ہے۔ میں شیخ الفارس کے کہنے پر کمرے میں آ گئی ہوں ورنہ کسی ڈاکٹر سے تنہائی میں گفتگو کرنا پسند نہ کرتی۔ بہرحال چلے آؤ۔"

میں کمرے میں آ گیا۔ اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر تصدیق کے لیے خیال خوانی کے ذریعے میرے دماغ میں پہنچی۔ پتا چلا، واقعی، میں اس کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ وہ مسکرا کر بولی "بیٹھ جاؤ۔"

ہم دونوں آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے پھر وہ ذرا مایوس ہو کر بولی "میں میڈرڈ نہیں جا سکوں گی، ماما سے نہیں مل سکوں گی۔"

"کیا بات ہو گئی؟"

"شیخ الفارس نے اتنی محبت اور پدرانہ شفقت سے مجھے حالات سمجھائے ہیں کہ میں انکار نہ کر سکی۔ وہ کہتے ہیں میری جان کو خطرہ ہے۔ مجھے ادارے سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کل رات تک ماما کو میرے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

"تم جناب شیخ الفارس کی زبان پر بھروسا کر سکتی ہو۔ انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔ کل رات کو ماما تمھارے پاس ہوں گی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"یہ پومی یہاں کیوں آئی ہے؟"

"تم اسے اچھی طرح جانتے ہو گے کیوں کہ تمھاری ایک سابقہ دوست کی ہم شکل ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن اس کی موجودگی پر حیران ہوں۔"

"یہ شیبا بن کر میڈرڈ جائے گی۔"

میں نے چونک کر کہا "اوہ، شیخ الفارس نے تو بہت اچھی پلاننگ کی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس مقصد کے لیے پومی کو استعمال کریں گے۔ اب مانتا ہوں۔ وہ میڈرڈ میں تمھارا رول اتنی خوبصورتی سے ادا کرے گی کہ اسرائیلی جاسوس دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"تم کہہ رہے ہو تو یقیناً اس میں ایسی خوبیاں موجود ہوں گی۔"

"تم وقت گزارنے کے لیے پومی اور دوسرے اہم افراد کے ریکارڈ پڑھتی رہو۔ تمھارے اندر کچھ اور سیکھنے کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ پومی کے متعلق بھی معلومات حاصل ہوں گی۔ اب سے پہلے یہ ایک اچھی فائٹر اور تیز طرار لڑکی تھی لیکن صرف تیز طراری اور فائٹنگ کے گُر سیکھ لینے سے کوئی مہم جو شخص ہر پہلو سے مکمل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے اور بہت کچھ سیکھنے کے لیے رہ جاتا ہے۔ پومی نے اس ادارے میں آکر کیا کچھ سیکھا ہے، یہ تمھیں اس کا ریکارڈ پڑھنے سے معلوم ہو سکے گا۔"

وہ مجھے دیکھ رہی تھی اور میری باتوں کو توجہ سے سن رہی تھی۔ میں نے کہا "میں چاہتا ہوں، تم صرف ٹیلی پیتھی کے حوالے سے نہ پہچانی جاؤ۔ لوگ تمھارا ذکر کریں تو ساتھ یہ بھی کہتے رہیں کہ تم ذہین ہو، حاضر دماغ ہو اور بہت اچھی فائٹر بھی ہو۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں، نہیں، میں سب کچھ بن سکتی ہوں، ایک فائٹر نہیں بن سکتی۔ پتا نہیں کیوں ذرا ذرا سی بات پر دل دھڑکنے لگتا ہے۔ میں بہت جلدی مایوس ہو جاتی ہوں اور گھبرا بھی جاتی ہوں۔ میری جیسی لڑکی کبھی فائٹر نہیں بن سکتی۔"

"چلو فائٹر نہ سہی، حاضر دماغی کی مشقیں تو کر سکتی ہو. یہاں طرح طرح کی مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ تم دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔ انسان کو بنانے، سنوارنے اور نکھارنے کے لیے یہاں بہت کچھ کیا جاتا ہے۔"

میں تھوڑی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔ اسے سمجھاتا رہا اور اس کے اندر زیادہ سے زیادہ کچھ سیکھنے کا جذبہ پیدا کرتا رہا۔ پھر وہاں سے رخصت ہوا۔ پومی جا چکی تھی جب میں اپنے بنگلے کی طرف جا رہا تھا تو راستے میں پومی سے ملاقات ہو گئی۔ میں شاید اس سے کترا کر نکل جاتا لیکن وہ مجھے دیکھتے ہی ٹھٹک گئی۔ اس نے قریب آکر پوچھا "تم ڈاکٹر میکاکس ہو؟"

"ہاں، کیا بات ہے؟"

"ابھی چند سیکنڈ ہوئے، میں نے ڈاکٹر میکاکس کو سامنے والے بنگلے میں دیکھا تھا۔ وہاں سے سیدھی یہاں آ رہی ہوں۔ پھر تم ڈاکٹر میکاکس کیسے ہو گئے؟"

میں ذرا سا ہچکچایا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک میرے منہ پر ایک الٹا ہاتھ پڑا۔ میں لڑکھڑا کر ذرا پیچھے گیا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا، اس نے ایک فلائنگ کک ماری۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس عرصے میں اس کے اندر کتنا پھرتیلا پن آ گیا تھا۔ بجلی ایک طرف سے لپک کر دوسری طرف جاتی ہے تو اس کے جانے کا کچھ وقفہ ضرور ہوتا ہوگا لیکن وہ وقفہ نہیں دیتی تھی۔ ایسی پھرتی سے اس نے فلائنگ کک ماری تھی کہ میں زمین پر چاروں شانے چت ہو گیا۔

مجھے غصہ آنا چاہیے تھا مگر خوشی ہو رہی تھی۔ میں نے ایک ہیرے کو یہاں رکھ کر تراشا ہے۔ تیسرا حملہ ناکام ہوا۔ میں نے اپنا بچاؤ کیا۔ چوتھے حملے کی نوبت نہیں آئی۔ چاروں طرف سے طلبا و طالبات آ گئے تھے۔ ڈاکٹر میکاکس بھی سامنے والے بنگلے سے نکل کر چلا آیا تھا۔ اس نے پومی سے کہا "اسٹاپ یو سِلی گرل، یہ ہمارا آدمی ہے۔"

پومی نے پہلے تو بے یقینی سے دیکھا۔ پھر ڈاکٹر میکاکس نے کہا "تم جناب شیخ الفارس سے معلوم کر سکتی ہو۔"

میں اٹھ کر کپڑے جھاڑ رہا تھا۔ ہنستے ہوئے بولا "میں خود اسے شیخ الفارس کے پاس لے جاتا ہوں۔ کم آن بے بی۔ تم نے تو میرے بارہ بجا دیے۔"

وہ مسکراتے ہوئے میرے ساتھ چلنے لگی۔ پھر بولی "تم واقعی ہمارے ادارے کے آدمی ہو۔ اگر ہو تو مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا۔"

"تمھارے ہاتھ نہیں ہتھوڑے ہیں۔ یوں کہو، ہتھوڑے برسائے تھے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ میں نے چلتے چلتے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ میں نے اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے کہا "دیکھنے میں تو بہت ہی خوبصورت اور نازک سے لگتے ہیں۔"

اس نے ناگواری سے اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھوں میں دیکھا۔ پھر کہا: ”میں نازک ہوں، گلے کا ہار بنتے بنتے تلوار بن جاتی ہوں۔ اگر حوصلہ ہے تو آزما لو۔ نہیں ہے تو ہاتھ چھوڑ دو۔“

میں نے ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا: ”میں دوستی چاہتا ہوں۔ تمھاری دشمنی مہنگی پڑے گی۔ بھئی تم تو بجلی ہو بجلی۔“

”تم جا سکتے ہو۔ میں شیخ الفارس سے معلوم کروں گی۔ ویسے مجھے یقین ہے تم ہمارے ادارے کے ہی کوئی فرد ہو۔ چونکہ ہم دوسروں کے راز معلوم نہیں کرتے اس لیے تمھارے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گی۔ صرف تمھارے متعلق تصدیق کر لوں گی۔“

ہم چلتے چلتے رک گئے۔ میں نے کہا: ”میں جاتے جاتے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ تم ایک نوجوان لڑکی ہو۔ آخر یہ مکھن جیسا ہاتھ جو تلوار بن جاتا ہے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ضرور دو گی یا شاید دے چکی ہو۔ کیا میں اس خوش نصیب کا نام پوچھ سکتا ہوں؟“

میری ان باتوں کو سنتے ہی وہ خیالوں کی دنیا میں پہنچ گئی تھی۔ میں اس کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی: ”یہ دل بڑا بے ایمان ہوتا ہے۔ میں نے اتنے عرصے میں پتھر سے فولاد بننے تک کے مرحلے طے کر لیے۔ ایسے جذبے کچل ڈیے جو انسان کو اس کی منزل سے بھٹکا دیتے ہیں۔ میں نے فرہاد کو یاد کرنا بھی چھوڑ دیا لیکن جان بوجھ کر نہ کسی کو بھلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو یاد کیا جا سکتا ہے۔ اور یاد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یاد آنے والے خود بخود خیالوں میں چلے آتے ہیں۔ کسی اہتمام کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میں جب بھی تنہا رہتی ہوں وہ میری یادوں میں چلا آتا ہے۔ میں اسے اپنے دماغ سے نہیں نکال سکتی۔ کبھی نہیں نکال سکتی۔“

وہ سوچ رہی تھی۔ میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔ میری روانگی کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ مجھے ائیر پورٹ تک پہنچانے کے لیے ہیلی کاپٹر کا انتظام کیا گیا تھا۔ ادارے کا ذاتی ہیلی کاپٹر کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ اس لیے دوسرا.... ہیلی کاپٹر آیا تھا اور اس دوسرے ہیلی کاپٹر کو اچھی طرح چیک کیا گیا تھا۔ میں نے بھی احتیاطاً اس کے پائلٹ سے گفتگو کی، اس کے دماغ کو پڑھا۔ ہم اس پر بھروسا کر سکتے تھے۔ میں نے شیخ الفارس اور شیبا سے الوداعی ملاقات کی پھر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ایک گھنٹے کے بعد میں ہیلی کاپٹر سے منتقل ہو کر ایک طیارے میں سفر کر رہا تھا۔ میری سیٹ کے ساتھ باقی دو سیٹوں پر بوڑھی عورت اپنی نوجوان لڑکی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھے۔ اب جب کے ہاتھ میں دستانے دیکھتا تھا تو فوراً ساڑھے چار انگلیاں یاد آ جاتی تھیں۔

یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ لڑکیاں اپنے ہاتھوں کا عیب چھپانے کے لیے دستانے پہنتی ہوں۔ مرد، عورتیں، بوڑھے سبھی سردی کے موسم میں اسے استعمال کیا کرتے ہیں۔ لڑکی نہ تو ایل مانڈو کی ہم شکل تھی، نہ ہی اس سے مشابہ رکھتی تھی۔

پھر یہ بات دماغ میں آئی کہ ہو سکتا ہے کہ ایل مانڈو کی ہم شکل بہن نے میک اپ کر رکھا ہو۔ اپنے آپ کو چھپا کر جا رہی ہو۔ میں نے اس لڑکی کو دیکھا۔ ٹھیک اسی وقت وہ دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملتے ہی اس نے فوراً دوسری طرف پھیر لیا۔ یعنی آنکھوں کا راستہ بند کر دیا ورنہ میں اس کی آنکھوں کے ذریعے اس کے دماغ تک پہنچ سکتا تھا۔

ٹیلی پیتھی بھی کیا علم ہے۔ شاعرانہ انداز میں کہا جاتا ہے کہ آدمی آنکھوں کے راستے دل میں اترتا ہے مگر ہمارا علم آنکھوں کے راستے دماغ تک پہنچا دیتا ہے۔ بہرحال ابھی تک میں نے اس لڑکی کی آواز نہیں سنی تھی۔ چونکہ اس کی طرف سے شبہ ہو رہا تھا، اس لیے آواز سننا ضروری ہو گیا تھا۔

میں نے بوڑھی خاتون کو مخاطب کیا: ”میڈم! مجھے ڈاکٹر میکاکس کہتے ہیں۔ میں الاسکا جا رہا ہوں۔ آپ کی منزل کہاں ہے؟“

”میں اپنی بیٹی کے ساتھ کینیڈا جا رہی ہوں۔“

وہ جواب دے رہی تھیں مگر محتاط نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر انھوں نے پوچھا: ”تم مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟“

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: ”مسافروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ان کی منزل کا پتا پوچھتے رہتے ہیں۔ اس طرح وقت گزر جاتا ہے۔ دوستی بڑھ جاتی ہے اور سفر کی طوالت کا احساس نہیں ہوتا۔“

عورتیں بہت زیادہ بولتی ہیں۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ خاتون کو مجبور کروں گا تو وہ بولتی چلی جائیں گی اور میرے کان کھا جائیں گی لیکن وہ بہت محتاط تھیں۔ میری بات کا جواب دینے کے بعد خاموشی اختیار کر چکی تھیں۔ میں نے ان کے دماغ میں پہنچ کر مجبور کیا کہ وہ اپنی بیٹی کو مخاطب کریں۔

خاتون کی سوچ نے حیرانی سے کہا: ”یہ میں کیا سوچ رہی ہوں بھلا بیٹی کو مخاطب کیوں کروں گی۔ جب کہ وہ بول نہیں سکتی ہے۔ گونگی ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں خاتون کو بولنے پر مجبور کر سکتا تھا نہ ہی لڑکی کی آواز سن سکتا تھا۔ میں نے دماغ کو چپ چاپ ٹٹولنا شروع کیا۔ سب سے پہلے یہ پتا چلایا کہ کیا اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی نقص ہے؟

پتا چلا، کوئی نقص نہیں ہے۔ پانچوں انگلیاں برابر ہیں۔ معلوم ہونے کے بعد مجھے مطمئن ہو جانا چاہیے تھا مگر دماغ کو اطمینان حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے ساڑھے چار انگلیوں کو پانچ انگلیاں بنایا جا سکتا ہے۔

پھر میں نے معلوم کیا، وہ لڑکی اس بوڑھی خاتون کی واقعی اپنی بیٹی ہے یا کوئی اور ہے؟ یہاں پتا چلا کہ وہ اس کی اپنی بیٹی نہیں ہے۔ قصہ کچھ یوں تھا کہ بوڑھی خاتون نے اپنی نوجوانی میں کسی سے عشق کیا تھا مگر شادی کسی اور سے ہو گئی تھی۔ پھر ایک طویل مدت کے بعد ایک ہفتہ پہلے وہی پرانا عاشق مل گیا تھا۔ بڑھاپے میں عشق و محبت کا جذبہ سرد پڑ چکا تھا، تاہم پرانی یادیں بہلاتی ہیں۔ جوانی کے گزرے ہوئے دن یاد کرو تو جیسے آنکھوں کے سامنے فلم چلنے لگتی ہے اور کسی تفریحی فلم کو دیکھنے میں جیسے وقت گزرتا ہے ایسے ہی بڑھاپا گزرنے لگتا ہے۔

وہ اپنے پرانے عاشق سے ملی۔ وہ ایک اسپتال میں دم توڑ رہا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا: ”اس کے پیچھے دشمن لگے ہوئے ہیں۔ کسی طرح اسے الاسکا کے شہر تنانا پہنچا دو۔ کوئی پوچھے تو صحیح منزل نہ بتانا۔ ورنہ اس گونگی لڑکی کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔“

خاتون کے دماغ سے چونکا دینے والی معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔ یعنی بے چاری نہیں جانتی تھی کہ اس کا پرانا عاشق اتنے طویل عرصے تک جدا رہنے کے دوران کیا کرتا رہا تھا۔ شاید وہ مرنے والا مجرمانہ زندگی گزارتا رہا ہو اور اس کا تعلق کسی پراسرار شخص سے ہو جس نے میری ساتھیوں کو کوما میں ڈال رکھا تھا۔

میں نے معلوم کیا، خاتون نے اس گونگی لڑکی کو شروع سے اس شکل میں دیکھا تھا یا اب شکل تبدیل کر دی گئی ہے تاکہ دشمن اسے پہچان نہ سکیں۔

پتا چلا اس نے جب لڑکی سے پہلی ملاقات کی اسے بیٹی بنایا تب بھی گونگی لڑکی کی شکل ویسی ہی تھی جیسی اب ہے۔ یعنی وہ میک اپ میں نہیں تھی۔

لیکن خاتون کو کیا معلوم۔ وہ ساڑھے چار انگلیوں والی پہلے ہی اس گونگی لڑکی کے روپ میں رہی ہو اور اسی میک اپ میں خاتون کے ساتھ سفر کر رہی ہو۔ ایک بات کا اطمینان تھا کہ ان کی منزل بھی الاسکا کا شہر تنانا تھی۔ اور میں وہیں جانے والا تھا۔ خاتون بعد میں مجھ سے کہنے والی تھیں کہ وہ اپنا ارادہ بدل رہی ہیں۔ اور اب تنانا تک جائیں گی۔ میں نے سوچا ابھی بہت وقت ہے۔ بہت لمبا سفر ہے۔ منزل تک پہنچتے پہنچتے میں اس گونگی کے دماغ تک پہنچ جاؤں گا۔

میں نے خاتون کے دماغ میں جھانک کر بھرپور معلومات حاصل کیں۔ آخر اس گونگی میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ دشمن اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ خاتون کو بھی اس سلسلے میں یقیناً تجسس تھا۔ اس نے لڑکی کے باپ سے پوچھا تھا، جواب ملا: ”اس لڑکی کی ماں نے پچاس لاکھ ڈالر نقد اور پچیس لاکھ ڈالر... کی جائداد اس کے لیے چھوڑی ہے۔ اگر یہ گونگی راستے سے ہٹ جائے تو اس کے رشتے داروں کو تمام نقد رقم اور جائداد مل سکتی ہے۔ اسی لیے اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔“

یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد دو ہی باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ یہ گونگی یا تو واقعی اپنی والدہ مرحومہ کی جائداد کی وجہ سے مصیبت میں پڑ گئی تھی یا پھر خاتون کو غلط بات بتائی گئی تھی۔ اور اس کے پیچھے کوئی بہت بڑا راز تھا۔ جسے میں اسی سفر کے دوران معلوم کر لینا چاہتا تھا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف گیا۔ جب واپس آنے لگا تو ایک شخص میرے راستے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اور مصافحہ کرتے ہوئے کہا: ”میری ایک درخواست ہے۔“

میں نے کہا: ”جی فرمائیے۔“

”آپ جس سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے، وہاں میرا ایک دوست جا کر بیٹھ گیا ہے۔“

”میری سیٹ پر کیوں؟“

”بات یہ ہے کہ خاتون میرے دوست کی پرانی شناسا ہیں۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو آپ میرے دوست کی سیٹ پر بیٹھ جائیں۔“

میں نے دور اپنی سیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہے مگر اب میرے سفر میں کوئی لطف نہیں رہے گا۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"وہ لڑکی گونگی ہے مگر خوبصورت ہے۔ میں اس سے دوستی کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر وہ مل جائے تو کیا بات ہے۔"

اس نے میرے بازو پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کہا "یار، تم تو رنگین مزاج ہو۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں عورتوں سے دور بھاگتا ہوں۔ زندگی میں پہلی بار وہ گونگی پسند آئی ہے۔ میں اس کی ماں سے باتیں کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اپنے دل کی بات کہنے والا تھا۔ ہو سکتا ہے، وہ اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے۔"

اس شخص نے دور اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ "فرض کرو، اس کی ماں تمھیں اس کا ہاتھ دینے پر راضی نہ ہو تو کیا کرو گے؟"

"دل پکڑ کر رہ جاؤں گا۔ سرد آہیں بھروں گا۔"

"اگر وہ لڑکی جبراً حاصل ہو جائے تو؟"

میں نے تعجب سے پوچھا۔ "جبراً کیسے حاصل ہو سکتی ہے...؟"

"یہ بات ہم پر چھوڑ دو۔ تمھیں لڑکی پسند آگئی ہے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے، اس سفر کے اختتام تک ہم اس لڑکی کو تمھارے حوالے کر دیں گے۔"

"آخر کیسے کرو گے بھئی، تم کون ہو؟ میں کسی غلط طریقے سے کسی کی بیٹی کو کیوں حاصل کرنا چاہوں گا جب کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں اور اسے اپنی شریکِ حیات بنانا چاہتا ہوں۔"

وہ میری بات پر ذرا شپٹایا۔ پھر بولا۔ "بھئی محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔ اگر وہ تمھیں سیدھی طرح حاصل نہ ہو، تب ہم ٹیڑھے راستے سے تمھارے پاس پہنچا دیں گے۔ اگر ہمارا تعاون نہیں چاہتے ہو تو ایک ناکام عاشق کی طرح آہیں بھرتے رہو۔"

"دوست! میں ناکامی بھی برداشت نہیں کروں گا۔ سوچ رہا ہوں کیا کروں۔ کیا اسے جبراً حاصل کر لینا مناسب ہو گا؟"

"میں نے کہا نا، محبت میں سب کچھ جائز ہے۔ تم مجھ سے دوستی کرو۔ کبھی گھاٹے میں نہیں رہو گے۔"

میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ پھر ہم دونوں ہنستے بولتے ہوئے دوسری سیٹ پر آگئے۔ یعنی میری سیٹ پر اس کا دوست بیٹھا ہوا تھا اور اس کے دوست کی سیٹ پر میں آکر بیٹھ گیا۔ میں نے سر جھکا کر کہا۔ "مجھے ذرا سوچنے دو۔ فیصلہ کرنے دو کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے، فیصلہ کرو۔ میں تمھیں سوچنے کی مہلت دیتا ہوں۔"

میں سوچنے کے بہانے اس کے دماغ میں پہنچ گیا اور معلوم کرنے لگا کہ آخر یہ کون لوگ ہیں؟ میں جس کے دماغ میں تھا اور جس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ غیر اہم شخص تھا۔ اہم وہ تھا جو میری سیٹ پر جا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا نام ابراہیم ڈیوس تھا۔ اس کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ سانس روک کے حیرت انگیز کمالات دکھاتا ہے۔ آکسیجن ماسک پہنے بغیر سمندر میں غوطے لگاتا ہے اور تقریباً آدھے گھنٹے بعد باہر نکلتا ہے۔

میرے لیے یہی بات خطرے کی گھنٹی تھی کہ ابراہیم ڈیوس یوگا کا ماہر ہے۔ میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کے دماغ میں رہ کر معلوم کیا، ابراہیم ڈیوس سے اس کی ملاقات کیسے ہوئی اور وہ اس کے متعلق یقین سے کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ صرف آکسیجن کے بغیر غوطہ خوری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی کچھ اور مصروفیات ہوں۔

اس کے دماغ نے بتایا کہ وہ ابراہیم کے متعلق بس اتنا ہی جانتا ہے۔ تقریباً دس دن پہلے پیرس میں ملاقات ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ گہرے دوست بن گئے تھے۔ ایک دن ابراہیم نے اسے بتایا کہ گریس کیلی نام کی ایک گونگی لڑکی کے پاس بہت ہی قیمتی اور نایاب ہیرا ہے۔ وہ اسے لڑکی سمیت حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن وہ لاپتا ہے۔ اس کا باپ اسپتال میں ہے۔ اس کے ذریعے ہی لڑکی تک پہنچا جا سکتا ہے۔

پھر دوسرے دن ابراہیم نے اسے بتایا، لڑکی کا سراغ مل گیا ہے۔ وہ ایک بوڑھی خاتون کے ساتھ الاسکا تک سفر کرنے والی ہے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اسی طیارے سے وہ شخص سفر کرنے والا تھا۔ جو میرے پاس بیٹھا ہوا تھا اور جس کے دماغ سے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔ ابراہیم نے کہا۔ وہ بھی دوست کے ساتھ سفر کرے گا اور راستے میں اس لڑکی کو ٹریپ کرے گا۔ میں اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ جو کچھ معلوم ہوتا جا رہا تھا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ بات صرف اتنی ہی نہیں ہے، اس کے پیچھے بھی بہت کچھ ہے۔ جس طرح وہ بوڑھی خاتون گونگی گریس کیلی کی اصلیت نہیں جانتی تھی اسی طرح میرے پاس بیٹھا ہوا شخص ابراہیم ڈیوس کی اصلیت کو نہیں جانتا تھا۔ ان دونوں کے پیچھے کوئی بہت بڑا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔

اگر گونگی گریس کیلی اس پُراسرار شخص سے تعلق رکھتی ہو گی جس کی ہمیں تلاش تھی تو ابراہیم ڈیوس اس گروہ سے تعلق رکھتا ہو گا جس میں یوگا کے ماہرین موجود تھے اور اس گروہ کا سرغنہ ماسٹر کی تھا۔ گویا میں ماسٹر کی کے ایک خاص آدمی سے ٹکرانے والا تھا۔ اگر ٹکرانے سے گریز کروں تو آگے جا کر یہ بھید کھل سکتا تھا کہ ماسٹر کی، گونگی گریس کیلی سے کیا چاہتا ہے؟ اس گریس کیلی کے پاس وہ قیمتی اور نایاب ہیرا کہاں سے آیا؟ کیا ماسٹر کی محض ایک ہیرے کی خاطر اپنا اور اپنے خاص ماتحتوں کا وقت ضائع کرے گا؟

ہرگز نہیں، اس کے پیچھے کوئی اور مقصد تھا۔ شاید، ماسٹر کی نے اس پُراسرار شخص تک پہنچنے کے لیے گریس کیلی کو اپنا ذریعہ بنایا ہوا تھا۔ میں سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی سے تک پہنچنے کے لیے اس قدر الجھا ہوا تھا اور اپنی جدوجہد میں اس طرح گمن تھا کہ اپنے سابقہ دشمنوں سے رابطہ قائم کرنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ ویسے میں جانتا تھا جس طرح میں سونیا وغیرہ تک پہنچنا چاہتا ہوں، اسی طرح میرے تمام دشمن بھی اس پُراسرار شخص تک پہنچنے کی جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں اور کوئی نہ کوئی راستہ نکالتے رہتے ہیں۔

یہ بات یوں سمجھ میں آتی ہے کہ جب شیبا سے میرا سامنا ہو رہا تھا اور ہم آلمس آف مین کے جنگلات میں بھٹک رہے تھے تو ایسے ہی وقت اس پُراسرار شخص کے ماتحت ہمیں گھیرنے کے لیے آگئے تھے۔ کیوں کہ وہ شیبا کی اصلیت کو جان گئے تھے۔

پہلے تو حیرانی ہوئی تھی کہ وہ اپنی غیر معمولی صلاحیت کے باوجود کس طرح ظاہر ہو گئی۔ بعد میں پتا چلا، رسونتی کوما میں تھی اور اس کے کمزور دماغ سے شیبا کی اصلیت معلوم کر لی گئی تھی۔

اسی طرح ماسٹر کی نے اس گونگی لڑکی گریس کیلی کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کی ہوں گی۔ اور جو حاصل معلومات ہوں گی انھیں اپنی ذات تک محدود رکھا ہو گا۔ شاید اپنے ماتحت ابراہیم ڈیوس کو بھی نہ بتایا ہو۔ یہ سفر میرے لیے تجسس سے بھرپور تھا۔ جب تک گریس کیلی کی حقیقت نہ کھلتی مجھے سکون نہ ملتا۔ ابراہیم ڈیوس سے ٹکرانے پر خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلتا۔ حالات کہہ رہے تھے، مجھے صبر کرنا چاہیے بلکہ ابراہیم ڈیوس سے دوستی کر لینا چاہیے۔

میں خاتون کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ابراہیم سے کہہ رہی تھیں "مسٹر! آخر تم چھیڑ چھیڑ کر مجھ سے کیوں باتیں کر رہے ہو؟"

ابراہیم ڈیوس نے مسکرا کر کہا۔ "خاتون، معاف کرنا تمھاری عمر ایسی نہیں ہے کہ چھیڑ چھیڑ کر باتیں کروں۔"

"بکواس بند کرو۔ اپنی سیٹ پر جاؤ۔ تم نے میرے ہم سفر کو اپنی سیٹ پر کیوں بٹھا دیا ہے؟"

"اصل بات یہ ہے کہ مجھے تمھاری یہ بیٹی پسند آگئی ہے۔ کوئی چیز اچھی لگے تو اس کی تعریف کرنا چاہیے اور محبت سے اس کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ ہماری سوسائٹی میں یہ کوئی جُرم نہیں ہے۔ ہم کسی کی بھی بیٹی کا ہاتھ شریکِ حیات کے طور پر مانگ سکتے ہیں۔"

گریس کیلی اس بات پر اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "خاتون! کیا تمھاری گونگی بیٹی سن سکتی ہے۔ جبکہ میں نے سنا ہے اور دیکھا ہے کہ جو گونگے ہوتے ہیں وہ بہرے بھی ہوتے ہیں۔"

"یہ پیدائشی گونگی نہیں ہے۔ ایک حادثے میں اس کی قوتِ گویائی ختم ہو گئی تھی۔"

ابراہیم ڈیوس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آجائے تو اسے بولنا سکھا دوں گا۔"

اس بات پر گریس کیلی کو بُرا ماننا چاہیے تھا۔ میں نے خاتون کے ذریعے معلوم کیا، وہ خلافِ توقع مسکرانے لگی تھی۔ اور ابراہیم ڈیوس کو ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے پسند کرنے لگی ہو۔ مرد خواہ کتنا ہی ذہین اور معاملہ فہم ہو لیکن عورت کی ایک مسکراہٹ اسے خوش فہمی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ابراہیم نے کہا۔ "خاتون! دیکھو، تمھاری بیٹی مجھے پسند کرتی ہے۔ اس کی خاموش نگاہیں کہہ رہی ہیں کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے مگر تم دیوار بنی ہوئی ہو۔"

گریس کیلی نے اشارے کی زبان سے خاتون کو سمجھایا کہ وہ سیٹ تبدیل کر لے۔ ابراہیم کی سیٹ پر چلی جائے اور ابراہیم اس کے پاس آجائے۔

خاتون نے گریس کیلی کے پاس جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "بیٹی، تم ہوش میں تو ہو۔ تمھارے باپ نے کہا تھا تمھیں اجنبی لوگوں سے دور رکھا جائے اور تم اسے قریب آنے کا موقع دے رہی ہو۔"

گرلیس کیلی نے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالی۔ پھر قلم سے اس پر لکھا: "پلیز! اسے میرے پاس آکر بیٹھنے دو۔ یہ شخص ہمارا دشمن نہیں ہو سکتا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے، واقعی مجھے پسند کر رہا ہے۔ آنٹی! تم نے میری ماں کی جگہ لی ہے۔ تمھیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم دونوں عورتیں ہیں اور ہمیں کسی ایک مرد کی سخت ضرورت ہے جو ہماری حفاظت کر سکے۔ میں اس سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور اس کی پناہ میں اپنی منزل تک پہنچنا چاہتی ہوں۔"

خاتون نے اس کی تحریر اپنے ہاتھ میں لی۔ پھر ابراہیم ڈیوس کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو، کیا لکھا ہے۔ تم پر کتنا بھروسا کرتی ہے۔"

ابراہیم ڈیوس نے اس تحریر کو پڑھا۔ پھر کہا: "اگر تمھاری بیٹی کو کسی سے خطرہ ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی حفاظت کروں گا اور اسے اس کی منزل تک پہنچاؤں گا۔"

وہ مطمئن ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔ ابراہیم گرلیس کیلی کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا: "میرا نام ابراہیم ڈیوس ہے۔ میں پہلی ہی نظر میں تمھارا اسیر ہو گیا ہوں۔ کیا تمھارا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

خاتون نے کہا: "میری بیٹی کا نام گرلیس کیلی ہے۔"

ڈیوس نے خاتون کی طرف پلٹ کر کہا: "مادام! جب دو جوانیاں بولتی ہوں تو بڑھاپے کو سو جانا چاہیے۔"

خاتون نے برا سا منہ بنایا۔ پھر دوسری طرف دیکھنے لگیں۔ ان کے بس میں ہوتا تو اٹھ کر دوسری سیٹ پر چلی جاتیں لیکن میں چاہتا تھا کہ خاتون وہیں بیٹھی رہیں کیوں کہ وہی میرا ذریعہ تھیں۔ وہ کان لگا کر سنتی رہتیں تو میں بھی ان کے دماغ سے سنتا رہتا۔

میں چند لمحوں تک انتظار کرتا رہا۔ ابراہیم ڈیوس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ خاتون نے دوسری طرف منہ پھیر رکھا تھا۔ میں نے انھیں ابراہیم اور گرلیس کیلی کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔ پتا چلا، وہ گرلیس کیلی کی طرف جھکا ہوا سرگوشی میں کچھ کہہ رہا تھا۔ ظاہر ہے، سرگوشی دوسرے نہیں سن سکتے۔ اس لیے میں بھی نہیں سن سکتا تھا۔

ادھر خاتون بھی بے چین تھیں کہ پتا نہیں وہ ان کی بیٹی کے ساتھ کیا باتیں کر رہا ہے۔ وہ لمحات بڑے ہی تجسس انگیز تھے۔ یقیناً کوئی خاص بات تھی جو سرگوشی میں کہی جا رہی تھی۔ میں مجبور تھا۔ خاتون کے ذریعے صرف انھیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر میں نے دیکھا، ابراہیم ڈیوس اچانک ہی کسمسانے لگا تھا۔

وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کا جسم کھنچ رہا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ خاتون نے پریشان ہو کر کہا: "مسٹر! کیا بات ہے؟"

وہ بولنا چاہتا تھا مگر بول نہیں سکتا تھا۔ جب میں نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو یکبارگی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی اور اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پہلی بار مجھے ابراہیم کے دماغ میں جگہ ملی۔ میں نے اس کی سوچ پڑھی۔ پتا چلا گرلیس کیلی نے اس کی باتوں کے دوران اچانک ہی اپنے سر سے ایک ہیئر پن نکالی تھی پھر اسے اس کے ہاتھ میں چبھو دیا تھا۔ اس کے بعد ہی ابراہیم کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس کی رگوں میں انگارے دوڑ رہے ہیں۔ منہ، زبان خشک ہو رہی ہے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان میں ہلنے کی سکت نہیں تھی۔

اتنی دیر میں خاتون اپنی جگہ سے اٹھ کر ایئر ہوسٹس کو آواز دے رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں: "ہری اپ! ادھر آؤ اور دیکھو۔ اس مسافر کو کیا ہو گیا ہے۔"

میں ان سب سے بے نیاز ہو کر ابراہیم کے دماغ سے اہم معلومات حاصل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ گرلیس کیلی کی طرف جھکا ہوا سرگوشی میں اسے دھمکی دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا: "اگر تم نے مجھ سے دوستی نہ کی تو میں کسٹم چیکنگ کے دوران ظاہر کر دوں گا کہ تم نے بالوں کی جو وگ لگا رکھی ہے، اس کے اندر ایک قیمتی اور نایاب ہیرا چھپا ہوا ہے۔"

اس بات کو سن کر گرلیس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ ابراہیم نے سمجھا تھا شاید وہ گھبرا کر اپنی وگ پر ہاتھ رکھ رہی ہے لیکن اسے اس وقت عقل آئی جب اس کی ہیئر پن ہاتھ میں چبھ گئی تھی۔ دھوکا کھانے کے بعد عقل آئی تو کیا آئی۔ وہ ڈوبنے والا تھا۔ اس کی زندگی کا چراغ بجھنے ہی والا تھا۔ ایئر ہوسٹس نے مسافروں کو دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیا آپ لوگوں میں سے کوئی ڈاکٹر ہے۔ پلیز، ہیلپ دِس جنٹلمین۔"

خاتون نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا: "ڈاکٹر میکاکس! پلیز کم ہیئر۔ دیکھو، اس پر اچانک دورہ پڑا ہے۔"

میں اس کے پاس آیا۔ اس وقت تک کچھ لوگوں نے ابراہیم ڈیوس کو پکڑ کر بیچ راہداری میں لٹا دیا تھا۔ میں نے اس کے دماغ سے سمجھ لیا تھا کہ حلق خشک ہو رہا ہے۔ زبان بھی خشک ہو رہی ہے اور اس میں ہلنے کی سکت نہیں ہے۔ دانت پر دانت جم گئے تھے۔ میں نے کہا: "یہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ فوراً ایک چمچ یا کوئی ایسی چیز لاؤ جسے اس کے دانتوں کے درمیان رکھ کر منہ کھولا جا سکے اور اس کے حلق کو تر کیا جا سکے۔ اس کے بعد ہی یہ کچھ بولنے کے قابل ہو سکے گا۔"

حقیقتاً میں سمجھ گیا تھا کہ یہ بچنے والا نہیں ہے۔ میں خواہ مخواہ اپنی ڈاکٹری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ایک چمچ لایا گیا۔ میں نے اسے دانتوں کے درمیان بڑی مشکل سے پھنسایا، کسی طرح اس کے منہ کو کھولا۔ تھوڑا سا پانی اس کے حلق میں ٹپکایا۔ پھر اس کے کچھ بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس دوران کوپائلٹ وہاں پہنچ گیا تھا۔ کچھ لوگ اپنی سیٹوں سے اٹھ کر اس کے آس پاس جمع ہو گئے تھے۔

میں کوپائلٹ اور ابراہیم ڈیوس کے درمیان تھا۔ ایسے ہی وقت میں نے دیکھا، گرلیس کیلی وہاں پہنچ گئی تھی۔ اور چپکے سے اپنی ہیئر پن کو کوپائلٹ کی جیب میں ڈال رہی تھی۔

میں ابراہیم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا دوست بھی پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اور کہہ رہا تھا: "میرا ساتھی اچھا بھلا تھا۔ اچانک اس پر کس قسم کا دورہ پڑ گیا ہے؟"

وہ گرلیس کیلی کی طرف دیکھ کر اس کے خلاف کچھ کہنا چاہتا تھا، میں نے موقع نہیں دیا۔ اس کی سوچ میں کہا: "اگر میں اس لڑکی کے خلاف کچھ کہوں گا تو یہ بات کھلتی جائے گی کہ میرا دوست اس گونگی لڑکی کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور اس سے دوستی کرنے کے لیے اس کے پاس گیا تھا۔ کچھ ہیرے وغیرہ کا چکر ہے۔ اگر اسمگلنگ کا معاملہ ہو گا تو میں بھی ملوث ہو جاؤں گا۔ ابراہیم ڈیوس کون سا میرا پرانا اور گہرا دوست ہے کہ میں اس معاملے میں پڑ کر پولیس والوں اور عدالتوں کے چکر میں آ جاؤں۔"

اس کی سوچ نے کہا: "ابراہیم میرا پرانا دوست نہ سہی لیکن میں اس گونگی کے خلاف ضرور بیان دوں گا۔"

جب میں نے دیکھا کہ یہ سیدھی طرح باز نہیں آ رہا ہے تو میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جمایا۔ اسے وہاں سے اٹھایا اور کوپائلٹ کے پاس پہنچا دیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے کوپائلٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ میں نے یکبارگی چونک کر کہا: "اے مسٹر! تم اس شریف آفیسر کی جیب میں ہاتھ کیوں ڈال رہے ہو؟"

کوپائلٹ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ سب ادھر متوجہ ہو گئے تھے۔ پھر سب نے دیکھا کہ اس شخص کے ہاتھ میں ہیئر پن تھی۔ کوپائلٹ نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟"

میں اس کے دماغ کو آزاد کر چکا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر کہا: "کچھ نہیں۔ میں تو بس ... میں کیا کہوں کہ میں تو وہاں بیٹھا ہوا تھا، یہاں کیسے آ گیا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

اس کے منہ پر ایک گھونسا پڑا۔ کوپائلٹ نے اسے گریبان سے پکڑ کر کہا: "یہ تمھارے ہاتھ میں ہیئر پن کیسی ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"بکواس مت کرو۔ تم اس ہیئر پن کو میری جیب میں رکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر میکاکس اس بات کے چشم دید گواہ ہیں۔"

دوسرے دو چار مسافروں نے کہا: "ہم نے بھی ڈاکٹر میکاکس کے کہنے پر دیکھا تھا، یہ شخص تمھاری جیب میں ہاتھ ڈال رہا تھا۔ یقیناً اس ہیئر پن میں کوئی بات ہے۔"

میں نے ہیئر پن کو لے کر دیکھا۔ پھر کہا: "اس کے اندر ایک باریک سی سوئی ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں یہ سوئی اس شخص کو چبھوئی گئی تھی۔ اس پر کسی قسم کا دورہ نہیں پڑا ہے بلکہ اس سوئی میں کوئی مہلک دوا ہے جو اس پر اثر کر رہی ہے۔"

اس دوران آخری بار ابراہیم کے ... جسم کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ پھر اس میں جھٹکا کھانے کی بھی سکت نہ رہی۔ وہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا۔ بات بڑھ گئی تھی۔ اس کی موت نے قانونی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں۔ مجرم سامنے تھا یعنی اس کا دوست مجرم بن گیا تھا۔ رنگے ہاتھوں اس ہیئر پن کو جیب میں ڈالتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ حالانکہ وہ ہیئر پن کو جیب سے نکال رہا تھا۔ حقیقت کیا تھی، یہ کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ ویسے گرلیس کیلی حیران نظروں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جو اب اس کی جگہ گرفت میں آ گیا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہو گی کہ جو چیز اس نے تمام لوگوں کی نظروں سے بچا کر کوپائلٹ کی جیب میں ڈالی تھی، اسے نکالنے کے لیے وہ شخص کیسے پہنچ گیا، کیسے پتا چلا کہ ایک ہیئر پن کسی کی جیب میں پڑی ہوئی ہے۔

اس واردات کے چار گھنٹے بعد وہ طیارہ نیویارک پہنچ گیا۔ اس سے پہلے ہی وہاں خبر پہنچا دی گئی تھی کہ طیارے میں ایک قتل ہو گیا ہے۔ مجرم پکڑا گیا ہے اور دوسروں کے بیانات لیے جا رہے ہیں۔ جو شخص پکڑا گیا تھا، وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ ہیئر پن اس کی نہیں ہے۔ اس گونگی لڑکی کی ہے۔ اور خاتون کہہ رہی تھی، میری بیٹی کبھی ہیئر پن استعمال نہیں کرتی۔ گرلیس کیلی نے بھی تحریر کے ذریعے بیان دیا کہ میں نے کبھی ہیئر پن استعمال نہیں کی۔ میں اس شخص کو نہیں جانتی جو مر چکا ہے۔ وہ خود ہی لفٹ لینے

کے لیے آیا تھا۔ پھر اچانک ہی اس پر دورہ پڑا تھا۔
میں نے بیان دیا کہ میں اپنی سیٹ پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ لیکن جو شخص گرفتار ہوا ہے اس نے مجھے اپنے پاس آکر بیٹھنے پر مجبور کیا اور اپنے دوست کو گونگی گرلیس کیلی کے پاس جانے دیا۔ میں نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے، اس مجرم نے اپنے دوست کے جسم میں پہلے ہی سوئی چبھو دی ہو اور اسے معلوم ہو گا کہ سوئی چبھونے کے کتنی دیر بعد اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور جتنی دیر میں اثر ظاہر ہوا اتنی دیر تک وہ مرنے والا گونگی گرلیس کیلی کے پاس جا کر بیٹھ گیا تھا تاکہ گونگی پر الزام آئے۔"

ائیر ہوسٹس، کو پائلٹ اور گونگی کی منہ بولی ماں نے بھی میری تائید میں بیانات دیے۔ وہ طیارہ جب تک نیویارک کے ائیرپورٹ پر کھڑا رہا، وہاں کے پولیس والے ہم سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے۔ ہمارے نام اور پتے نوٹ کیے گئے۔ تاکہ اس کیس کے سلسلے میں مزید گواہی کی ضرورت پیش آئے تو ہمیں طلب کیا جا سکے۔

بہر حال وہ طیارہ اپنے وقت پر نیویارک سے روانہ ہوا۔ میں پھر اپنی سیٹ پر آگیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کہا۔ "محترم خاتون! تمہارے بیان نے میری نیند اڑا دی ہے۔"

انھوں نے چونک کر پوچھا۔ "میں نے ایسا کیا بیان دیا ہے؟"

"یہی کہ تمہاری صاحبزادی ہیئر پن استعمال نہیں کرتی ہے جبکہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے بالوں میں وہ ہیئر پن دیکھی تھی۔ اور تم تو شروع ہی سے دیکھتی آرہی ہو۔"

میری یہ بات سنتے ہی گرلیس کیلی نے گھور کر مجھے دیکھا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ "تمہاری صاحبزادی بہت اچھی ہے۔ بڑی پُرکشش ہے۔ میرا دل چاہتا ہے، میں ایک مہذب آدمی کی طرح تمہاری بیٹی کا رشتہ طلب کروں۔"

مجھے یقین تھا کہ گرلیس کیلی اس بات پر مسکرانے گی اور وہ مسکرانے لگی۔ میں نے کہا۔ "وہ دیکھو وہ ہنس رہی ہے۔ اب تو محترم خاتون! تمھیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

گرلیس کیلی نے اشارے سے خاتون کو سمجھایا کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ دے اور مجھے یہاں آکر بیٹھنے دے۔ خاتون نے پھر آہستگی سے کہا۔ "بیٹی! یہ کیا کہہ رہی ہو۔ پہلے ایک اجنبی کو تمہارے پاس بٹھایا تو اس کی یہ حالت ہوئی۔ پتا نہیں کس قسم کے دشمن تمہارے پیچھے پڑے ہیں اور یہ شخص جو میرے پاس بیٹھا ہوا ہے کون جانے یہ بھی شریف آدمی ہے یا نہیں؟ تم آخر کیوں کسی اجنبی پر بھروسا کرتی ہو۔ کیوں اپنے قریب بلاتی ہو؟"

گرلیس نے پھر اپنی چھوٹی سی نوٹ بک نکالی، قلم سے کچھ لکھنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا۔ "مس کیلی! لکھنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ تم بول سکتی ہو۔ اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمھیں ایک قیمتی اور نایاب ہیرا اسمگل کرنے کے جرم میں قانون کے حوالے نہ کروں تو اپنی میٹھی میٹھی سی پیاری پیاری سی آواز سنا دو ہم دونوں بڑے پیار سے ہنستے بولتے الاسکا پہنچ جائیں گے۔"

اس نے پھر مجھے گھور کر دیکھا۔ کچھ بولنے کے بجائے پھر لکھنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا۔ "خاتون! اپنی منہ بولی بیٹی کو لکھنے سے منع کرو۔ میں تمھیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ تم ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والی ہو۔ جسے تم نے اپنی بیٹی بنایا ہے، یہ ایک بڑی مجرمہ ہے۔ اگر یہ دوست بننا پسند نہیں کرے گی تو میری دشمنی صرف اس کے لیے نہیں تمہارے لیے بھی مہنگی پڑے گی۔ تم ایک شریف خاتون ہو۔ اس کے معاملے میں بری طرح ملوث ہو جاؤ گی۔ اپنی بے گناہی اور شرافت کا ثبوت پیش کرتی رہو گی، قسمیں کھاتی رہو گی لیکن کوئی تم پر یقین نہیں کرے گا۔"

خاتون مجھے حیرانی اور بے یقینی سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر انھوں نے سوالیہ نظروں سے گرلیس کیلی کو دیکھا۔ آہستگی سے پوچھا۔ "بیٹی! کیا یہ سچ ہے۔ اگر سچ ہے تو دیکھو، میرے بڑھاپے کی لاج رکھ لو۔ اگر یہ جھوٹ ہے اور تم مجرم نہیں ہو تو پھر میں اس ڈاکٹر سے نمٹ لوں گی۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خاتون! اتنی عمر گزار دی اور یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کوئی مجرم اپنی زبان سے جرم کا اقرار نہیں کرتا۔ تم یہ بھی نہیں جانتیں کہ گرلیس کے اصل بال کتنے خوبصورت ہوں گے لیکن ان بالوں پر اس نے وِگ پہن رکھی ہے اور اس وِگ کے اندر ایک بہت ہی قیمتی اور نایاب ہیرا چھپا ہوا ہے۔"

گرلیس نے مجھے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھا۔ اسے میری طرف بڑھایا۔ میں نے اسے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ "میں کہہ چکا ہوں تمہاری تحریر نہیں پڑھوں گا۔ آواز سنوں گا۔"

اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ پھر آہستگی سے کہا۔ "میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

اس کی آواز سنتے ہی خاتون چونک گئیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی

تھیں، میں نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ذرا صبر اور تحمل سے کام لیں۔ اگر آپ نے اسے بیٹی کہنے اور ماننے سے انکار کیا تو بری طرح پھنس جائیں گی۔ آپ کی سلامتی اور نیک نامی اسی میں ہے کہ اسے بیٹی بنائے رکھیں۔ الاسکا پہنچنے کے بعد آپ اس سے الگ ہو سکتی ہیں۔"

خاتون نے گرلیس کیلی کو گھور کر ناگواری سے دیکھا پھر کہا۔ "میری نیک نامی اسی میں ہے کہ بیٹی کہہ دیا ہے تو بیٹی کا رشتہ نباہتے ہوئے چلوں۔ الاسکا پہنچ کر اس سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاؤں گی۔ اس کے باپ نے مجھے دھوکا دیا ہے، بہت بڑا دھوکا دیا ہے۔"

"پلیز خاتون! آپ خاموش رہیں اور میری جگہ آجائیں۔"

جتنی دیر تک خاتون بولتی رہیں، اتنی دیر میں، میں نے معلوم کر لیا تھا کہ گرلیس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے وہ میرے جسم میں زہر انجیکٹ کر سکے یا کسی طرح کا نقصان پہنچا سکے۔ خاتون میری جگہ آگئیں، میں ان کی جگہ پہنچ گیا۔ دوسرے لفظوں میں اس حسین اجنبی لڑکی کے پاس بیٹھ گیا جس کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کی اصلیت کیا ہے۔ مگر اب تھوڑی دیر میں اصلیت کھلنے والی تھی۔ کیوں کہ دماغ کے چور دروازے کوئی بات چھپنے نہیں دیتے۔ تمام رازوں پر سے پردے اٹھاتے چلے جاتے ہیں۔

جب میں اس کے پاس آکر آرام سے بیٹھ گیا تو اس نے آہستگی سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

میں نے کہا۔ "مجھے بھی یہی سوال کرنا چاہیے کہ تم کون ہو؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں گونگی سمجھی جا رہی ہوں۔ میرے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات میں بھی مجھے گونگی بتایا گیا ہے۔ میں زیادہ باتیں کروں گی تو آس پاس والے سن سکتے ہیں۔"

"تم جتنی دھیمی سرگوشی میں بول رہی ہو، اسے صرف میں سنوں گا۔ ہاں، تو تم کون ہو؟"

وہ مجھے گھور کر دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ "تمہاری آنکھیں اتنی خوبصورت ہیں کہ آدھ کھلی آنکھوں سے بھی مر جاؤں گا۔ یوں دیدے پھاڑ کر گھورنے کی کیا ضرورت ہے۔"

اس نے آہستگی سے پوچھا۔ "کیا تم اس مرنے والے کے ساتھی ہو؟"

"خدا نہ کرے، میں مرنے والے کا ساتھ دوں۔ ابھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

وہ دانت پیسنے کے بعد بولی۔ "اگر میرے معاملے میں پڑو گے تو اس طیارے میں تمہارا آخری سفر ہو گا۔"

"تم نے دھمکی دی اور میں ڈر گیا۔ اب اپنے متعلق بھی بتا دو۔ کیوں وقت ضائع کر رہی ہو۔"

یوں تو میں باتوں کے دوران تھوڑی بہت معلومات حاصل کرتا جا رہا تھا۔ کچھ اس کی اصلیت معلوم ہوتی جا رہی تھی لیکن تفصیل معلوم کرنے کا موقع نہیں تھا۔ اس کے پاس بیٹھتے ہی خیال خوانی شروع کر دیتا تو بات نہ بنتی۔ یا تو وہ میرے متعلق کریدنا شروع کرتی یا خیال خوانی کے دوران میری طویل خاموشی اسے الجھنوں میں مبتلا کر دیتی۔

ویسے تازہ ترین معلومات کے مطابق اس کا نام گرلیس کیلی نہیں تھا۔ وہ ایل مانڈو کی بہن ایل مونا تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ساڑھے چار انگلیاں تھیں۔ آدھی انگلی کی پلاسٹک سرجری کر کے اسے پورا بنا کر رکھا تھا کیوں کہ اصل پاسپورٹ میں جو ایل مونا کے نام سے تھا، اس میں ساڑھے چار انگلیاں لکھی ہوئی تھیں۔ اب ہر پاسپورٹ میں تو یہ لکھا نہیں جا سکتا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنی چھوٹی انگلی کی پلاسٹک سرجری کرائی ہوئی تھی۔

اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ "کیا تم اس قیمتی ہیرے میں اپنا حصہ چاہتے ہو؟"

"دولت کوا نہیں چاہتا۔ اگر مفت ہاتھ آجائے تو کیا بُرا ہے۔ میں تو بڑا خوش نصیب ہوں کہ دولت بھی مل رہی ہے اور حسن بھی۔"

اس نے ناگواری سے کہا۔ "کیا ایک آدمی کی موت نے تمھیں سبق نہیں سکھایا؟"

"دنیا میں لوگ مرتے ہی رہتے ہیں۔ آخر انسان کس کس کی موت سے سبق سیکھے۔"

"تم خواہ مخواہ بولڈ اور اسمارٹ بننے کی کوشش کر رہے ہو حالانکہ ایسے نہیں ہو۔"

"میں کیسا ہوں، اس کی فکر نہ کرو۔ جلدی سے اپنے دل میں بسا لو۔"

"اچھا تو مجھ سے عشق کرنے لگے ہو؟"

"ہاں، سوچ رہا ہوں، ابھی اتنی حسین لگ رہی ہو۔ اگر اصلی چہرہ سامنے آئے گا تو کتنی حسین لگو گی۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب ہے؟"

"کیا اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ انسانی جلد کے فرق کو واضح طور پر سمجھ سکتا ہوں۔

تمھارے ہاتھوں کی جلد چہرے کی جلد سے مختلف ہے۔ یقیناً تم نے چہرے پر ماسک چڑھا رکھا ہے۔"

وہ ایک دم سے بوکھلا کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "اگر تم میں ذرا بھی سمجھ ہوتی تو ماسک میک اپ کے بعد اپنے چہرے اور ہاتھوں کی جلد کے فرق کو سمجھنے کی کوشش کرتیں اور اسی انداز میں میک اپ کرتیں۔ پھر کوئی اس فرق کو سمجھ نہ پاتا۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا "تم کون ہو؟"

"میرا پاسپورٹ میرے پاس ہے اور میرا وہی نام ہے جو تم جانتی ہو۔ یعنی ڈاکٹر میکاکس۔ میں اپنے اصلی چہرے کے ساتھ تمھارے سامنے ہوں۔ میں نے تمھاری طرح ماسک میک اپ یا عارضی قسم کا میک اپ نہیں کیا ہے۔ یقین نہ ہو تو میری گردن پر ہاتھ رکھ کر دیکھ سکتی ہو۔ تمھیں ماسک میک اپ کا جوڑ نظر نہیں آئے گا۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ میں نے کہا "سوچنے کی کیا بات ہے ہاتھ بڑھاؤ اور میرے چہرے کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھ لو۔"

اس نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر پہلے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا۔ پھر میرے چہرے کو چھونے لگی۔ میں نے ایک سرد آہ بھری اور کہا "ذرا محبت سے ہاتھ لگاؤ۔ ابھی نہ سہی لیکن سفر کے اختتام تک تم مجھے دل و جان سے پسند کرنے لگو گی۔"

"مجھے سوچنے کی مہلت دو۔ میں فیصلہ کرنا چاہتی ہوں کہ تمھیں راز دار بنانا چاہیے یا نہیں؟"

"بے شک، میں تمھیں ایک گھنٹے تک سوچنے کی مہلت دیتا ہوں۔ ابھی تو سفر کافی طویل ہے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی اور میں اس کے دماغ کو پڑھنے لگا۔ قصہ یوں تھا کہ وادیٔ قاف میں جب بمباری کی گئی تھی، وسونتی، اعلیٰ بی بی، مرجانہ اور ٹارزر غلبا وغیرہ گیس بموں کی شیلنگ کے باعث بے ہوش ہو گئے تھے اور ان کے اعصاب اس قدر کمزور پڑ گئے تھے کہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ان میں ہلنے جلنے کی سکت نہیں رہی تھی، تو انھیں وہاں سے لے جایا گیا تھا۔ اس کی ذمے داری ان دونوں بھائی بہن یعنی ایل مانڈوا اور ایل مونا پر تھی۔ یہ دونوں اس پُراسرار شخص کے خاص ماتحتوں میں سے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ فرہاد جو پاکستان میں بُری طرح زخمی ہو گیا تھا، اسے کوہِ قاف پہنچایا گیا ہے۔ اور وہیں اس کا علاج ہو رہا ہے۔ وہ مجھے وادیٔ قاف کے اس حصے میں تلاش کرتے رہے۔ ایل مونا بھی مجھے تلاش کرتی ہوئی ٹارزر غلبا کے مکان میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ مجھے تو نہ پا سکی مگر [illegible] اور کو پا لیا۔

جب اس نے ٹارزر غلبا کے ایک کمرے میں قدم رکھا تو گوری سجانہ کے مجسمے کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ تابوت میں پڑا ہوا تھا۔ ایسے قیمتی ہیرے جواہرات جگمگا رہے تھے کہ ان پر آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔

ایل مونا نے قریب آ کر اسے دیکھا۔ دیکھنے سے جی نہیں بھر رہا تھا۔ اس نے تابوت کے اوپری حصے کو ہٹا کر اس پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ ایک ایک ہیرے، ایک ایک موتی پر اس کا دل آ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا، اسے چُرا کر لے جائے لیکن وہ پورا ایک انسانی مجسمہ تھا۔ اسے اٹھا کر کہیں لے جایا نہیں جا سکتا تھا، کہیں چھپایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ وہ اس مجسمے کو اپنے پُراسرار باس تک پہنچاتی۔

گوری سجانہ کے جسم پر ہاتھ پھیرنے کے دوران پتہ چلا کہ اس کے سینے پر جو ایک ہیرا جڑا ہوا ہے، وہ ذرا ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ اس نے ذرا سا زور لگا کر اسے اکھاڑا تو وہ اکھڑ گیا اور جب اتنا قیمتی ہیرا ہاتھ آیا تو پھر اسے واپس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ہیرے کو چھپا لیا۔ گوری سجانہ کے مجسمے کو اس جگہ پہنچا دیا جہاں پُراسرار باس نے حکم دیا تھا۔ دوسرے ہی دن باس کی طرف سے اطلاع ملی کہ مجسمے سے ایک ہیرا غائب ہے۔ یا تو وہ کہیں گر پڑا ہے یا اپنے ہی آدمیوں نے چرایا ہے۔ لہٰذا فوراً اس ہیرے کا سراغ لگایا جائے اور اسے واپس لایا جائے ورنہ وادیٔ قاف سے یہاں تک مجسمے کو لانے والے جتنے ذمے دار افراد ہیں ان سب کا محاسبہ کیا جائے گا۔

ہیرا کس نے چرایا؟ اس بات کا سراغ لگانے میں کچھ روز گزر گئے۔ سب نے بیان دیا کہ وہ مجسمہ جب ان کے ہاتھوں میں آیا تو ایک ہیرا پہلے ہی سے غائب تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سب سے پہلے وہ مجسمہ ایل مونا نے دیکھا تھا اور وہی اس ہیرے کو غائب کر سکتی تھی۔

لیکن اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا، ایل مونا پر الزام ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی یہ الزام ثابت کیا جا سکا۔ اس نے بڑی کامیابی سے اب تک ہیرے کو چھپا رکھا تھا۔ اب وہ پریشان تھی۔ یہ سوچ کر گھبرا رہی تھی کہ ہیرے کا سراغ ابراہیم ڈیوس کو کیسے ملا؟ اس نے کسی طرح اسے ختم کر دیا تھا لیکن اب میں ڈاکٹر میکاکس کے روپ میں اس کے پیچھے پڑ گیا تھا اور وہ یہ معمّا حل کرنا چاہتی تھی۔ مجھ سے معلوم

کرنا چاہتی تھی کہ مجھے اس ہیرے کا علم کیسے ہوا؟

اس نے مجھ سے سوال کیا "ڈاکٹر پلیز! مجھے اتنا بتا دو، تمھیں اس ہیرے کا پتا کیسے چلا؟ تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اسے میں نے وِگ کے اندر چھپا رکھا ہے؟"

میں نے اس سلسلے میں بہت سی معلومات ابراہیم ڈیوس کے دماغ سے حاصل کی تھیں۔ اسی کے مطابق میں نے کہا "تم فیصلہ کرنے کے بجائے خواہ مخواہ سوالات کر رہی ہو۔ بہر حال میں تمھاری تسلی کے لیے بتا دوں کہ میں پہلے اس ہیرے کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ میری دوستی ابراہیم ڈیوس سے ہوئی۔ اس نے مجھے بتا دیا کہ تم نے اسے کہاں چھپا کر رکھا ہے۔"

"یہ ابراہیم ڈیوس کون تھا۔ کیوں میرے پیچھے پڑ گیا تھا، اسے ہیرے کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟"

"کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتی ہو جو اپنے آپ کو ماسٹر کِی کہتا ہے؟"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا، پھر ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا "ہاں، میں اسے جانتی ہوں۔ اسے کبھی دیکھا تو نہیں ہے لیکن اس کا ذکر بہت سنا ہے۔ کہتے ہیں، اس نے فرہاد کو چیلنج کیا ہے کہ اسے عبرت ناک سزائیں دے کر ہلاک کرے گا۔"

"کیا وہ اپنا چیلنج پورا کر چکا ہے؟"

"پتا نہیں، ہم سب فرہاد کو تلاش کر رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے ماسٹر کِی نے اپنا چیلنج پورا کر دیا ہے۔ اسے ختم کر چکا ہے لیکن اس کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے، فرہاد کسی کے ہاتھ لگ نہیں سکتا۔ ایسا بارہا ہوا ہے کہ اس کی موت کی تصدیق ہوئی لیکن وہ پھر زندہ سلامت دشمنوں کے سامنے چلا آیا لیکن تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ یہ ابراہیم ڈیوس کون تھا اور کس گروہ سے تعلق رکھتا تھا؟"

"ماسٹر کِی کے گروہ سے تعلق تھا۔"

ایل مونا نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا ماسٹر کِی جانتا ہے کہ یہ ہیرا میرے پاس ہے؟"

"جب ابراہیم کو یہ بات معلوم تھی تو یقیناً یہ معلومات ماسٹر کِی سے ملی ہوں گی اور وہی تمھیں ٹریپ کرنا چاہتا ہو گا۔"

"مم... مگر کیوں۔ میں یہ ہیرا دے دوں گی مگر کسی مصیبت میں نہیں پڑوں گی۔"

"اب تو مصیبت میں پڑ گئی ہو۔ ماسٹر کِی معمولی شخص تو ہے نہیں۔ جب وہ تمھارے پیچھے پڑ گیا ہے تو اس کا مطلب ہے، اسے ہیرے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ایسی معمولی چیزوں کے لیے اپنا وقت ضائع نہیں کرتا ہے۔"

"یہ تم کیسے جانتے ہو؟"

"مجھے ابراہیم ڈیوس نے بتایا ہے۔"

"مگر ماسٹر کِی کو میرے ہیرے کے متعلق کیسے علم ہوا؟"

"جب ماسٹر کِی سے ملاقات ہو تو اس سوال کا جواب پوچھ لینا۔"

"تم مجھے ٹال رہے ہو۔"

"تم احمقانہ سوال کر رہی ہو۔ بھلا ایک گروہ کا سرغنہ اپنے کسی ماتحت کو یہ کیوں بتائے گا کہ وہ کن ذرائع سے معلومات حاصل کرتا ہے۔ ایک موٹی سی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تمھارا کوئی آدمی ماسٹر کِی سے مل گیا ہو گا یا ماسٹر کِی کا کوئی آدمی اس شخص تک پہنچ گیا ہو گا جو اسپتال میں تمھارا باپ بنا ہوا تھا اور جس نے تمھیں اس خاتون کے حوالے کیا تھا۔ وہاں اس نے تمھارے متعلق سنا ہو گا اور وہیں سے یہ لوگ تمھارے پیچھے پڑ گئے ہوں گے۔"

وہ پھر سوچ میں پڑ گئی۔ میں اس کے دماغ کو کریدنے لگا۔ میں نے اس کی سوچ میں یہ بات پیدا کی کہ رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو کوہِ قاف سے لے جایا گیا تھا، سونیا اور سجاد وغیرہ کو برما کے جنگل سے لے جایا گیا تھا لیکن بعد میں سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو الاسکا کے شہر تنانا پہنچایا گیا۔ ان پہنچانے والوں کے ساتھ ایل مانڈو بھی تھا۔

مونا اس سوچ کے تسلسل سے آگے سوچنے لگی اور میں سننے لگا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "تنانا کے میڈیکل سینٹر میں ڈاکٹر ڈوگلس ہے۔ وہ میرے پُراسرار باس کا زر خرید غلام ہے، اس کے لیے کام کرتا ہے۔ ایل مونا نے اپنے آدمیوں کے ساتھ سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو وہاں پہنچایا تھا اور انھیں ڈاکٹر ڈوگلس کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کے بعد مونا نہیں جانتی کہ ان تینوں کو پھر کہاں پہنچایا گیا تھا۔

اتنی اطلاع بھی کافی تھی کہ تنانا کے میڈیکل سینٹر میں کوئی ڈاکٹر ڈوگلس ہے۔ میں وہاں پہنچتے ہی اس کی خبر لینے والا تھا۔ فی الحال ایل مونا سے نمٹ رہا تھا۔ اسے اس بات کی پریشانی نہیں تھی کہ ہیرا وِگ کے اندر سے برآمد کیا گیا تو اس پر اسمگلنگ کا الزام آئے گا۔ وہ ایسے معاملات سے نمٹنا جانتی تھی۔ اصل خوف اس بات کا تھا کہ ہیرے کے برآمد ہوتے ہی بات اس کے پُراسرار باس تک پہنچ جاتی اور

یہ ثابت ہوجاتا کہ ہیرا ایل مونا نے چرایا ہے۔ اس کے بعد پُراسرار باس کی طرف سے جو سزا اسے دی جاتی، اس کے خیال سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے اور وہ اندر ہی اندر کانپنے لگتی تھی۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "جب مجھے اپنے باس سے اس قدر ڈر لگتا ہے تو میں یہ ہیرا لے کر تنانا کیوں جا رہی ہوں جبکہ وہاں باس کا چمچہ ڈاکٹر ڈوگلس موجود ہے!"

اس کی اپنی سوچ نے کہا: "میں یہ ہیرا لے کر تو نہیں جا رہی ہوں۔ میرا مقصد اس ہیرے کی اسمگلنگ نہیں ہے۔ یہ تو میں اپنے پاس چھپائے رکھتی ہوں۔ پُراسرار باس نے حکم دیا ہے کہ مجھے ڈاکٹر ڈوگلس کے پاس جانا چاہیے وہاں کوئی اہم کام میرے سپرد کیا جائے گا!"

میں نے پھر اس کی سوچ میں سوال کیا: "اگر اس ہیرے کا پتا ڈاکٹر ڈوگلس کو چل گیا تو؟"

وہ پریشان ہوکر سوچنے لگی: "میں یہ ہیرا چُرا کر پچھتا رہی ہوں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے، نہ نگلتے بنے نہ اُگلتے بنے۔ میں اس قیمتی ہیرے کو کسی کے پاس امانت نہیں رکھ سکتی۔ دو طرح کا خوف ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ امانت میں خیانت کر سکتا ہے۔ دوسرے باس تک اس ہیرے کی خبر پہنچا سکتا ہے!"

میں نے پھر اس کی سوچ میں سوال کیا: "اگر میں یہ ہیرا اپنے بھائی ایل مانڈو کے حوالے کر دیتی تو اچھا ہوتا!"

"کیسے حوالے کر دیتی۔ ایل مانڈو نے مجھے منع کیا تھا۔ مجھے سمجھایا تھا، باس سے غداری نہیں کرنا چاہیے مگر ہیرے کی چمک نے اندھا کر دیا تھا۔ بھائی کی بات بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ اسے امانت کے طور پر رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یقیناً وہ سمجھتا تھا کہ اتنے بڑے ہیرے کو چھپا کر رکھنا ممکن نہیں ہے۔ کبھی نہ کبھی چوری کا... ضرور چلے گا!"

میں نے اس کی ... ح میں بھائی کو یاد کرنے پر مجبور کیا۔ وہ سوچنے لگی: "پتا نہیں وہ کہاں ہوگا۔ ہم اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوتے ہیں تو برسوں ایک دوسرے سے بچھڑے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک ساتھ رہنے کا موقع ملتا ہے۔ پتا نہیں اب ایل مانڈو کہاں ہوگا!"

رات کے تین بج گئے تھے۔ میں نے ایل مونا کے دماغ کو ... ستہ آہستہ تھپکنا شروع کیا۔ اسے رفتہ رفتہ سُلا دیا۔ ا... دماغ کو ہدایت دی، جب تک میں اسے بیدار نہ کروں، ... سوتی رہے گی۔

اس کی طرف سے اطمینان ہوگیا کہ اب وہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ میری اجازت کے بغیر بیدار نہیں ہو سکتی۔ پھر میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی اور تھوڑی دیر کے لیے سو گیا۔ ہماری منزل قریب تھی۔ صبح ہونے تک ہم الاسکا کے شہر تنانا پہنچنے والے تھے۔ میں چاہتا تھا، وہاں پہنچنے سے پہلے تھوڑی سی نیند پوری کر لوں۔ تنانا پہنچ کر سونا ممکن نہ ہوتا۔ میں وہاں جاتے ہی ڈاکٹر ڈوگلس سے نمٹنے کی صورت پیدا کرنا چاہتا تھا۔ بوڑھی خاتون پہلے ہی نیند کی آغوش میں جا چکی تھی۔ طیارے کے تقریباً تمام مسافر سو رہے تھے یا اونگھ رہے تھے یا کسی مصلحت سے جاگ رہے تھے۔

میں نے ڈھائی گھنٹے تک نیند پوری کی۔ جب بیدار ہوا تو ہم الاسکا کی فضاؤں میں پرواز کر رہے تھے۔ طیارے کے اندر اسپیکر کے ذریعے ملنے والی اطلاع کے مطابق آدھے گھنٹے بعد تنانا پہنچنے والے تھے۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے ایل مونا کو بیدار کیا۔ اس کی آنکھ آہستہ آہستہ کھلی۔ پہلے تو وہ سوچتی رہی کہ کہاں ہے۔ پھر چونک کر اپنے آس پاس دیکھنے لگی۔ اتنی گہری نیند سونے کے بعد اسے پتا چلا کہ بے اختیار سو گئی تھی اور آپ ہی آپ بیدار ہوگئی لیکن ایک اجنبی کے پاس بیٹھے بیٹھے کس طرح سو گئی؟

یہ بات اس کی سمجھ میں کبھی نہ آتی، میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "بڑی گہری نیند سو رہی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے مجھے دشمن نہیں سمجھتی ہو!"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟"

اگر دشمن سمجھتیں تو اتنے اطمینان سے نیند پوری نہ کرتیں۔ ایسا تو دوستوں کے سائے میں ہی ہو سکتا ہے!"

اس نے مجھے بھرپور نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی: "سوچتی ہوں، کسی نہ کسی کو تو دوست بنانا ہی ہوگا۔ ایک عورت تنہا زندگی نہیں گزار سکتی۔ کسی نہ کسی مرحلے پر ایک ساتھی کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے!"

"یعنی ہم دوست بن چکے ہیں!"

"ایک شرط ہے!"

میں ہزار شرطیں پوری کر سکتا ہوں!"

"ایک ہی کافی ہے۔ میرے پاس جو ہیرا ہے تم اسے میری امانت سمجھ کر رکھو۔ کیا میں تم پر بھروسا کروں؟"

"یہ سوال نہ کرو۔ تمھیں بھروسا کرنا ہی پڑے گا نہیں کرو گی تو کہاں تک اسے چھپاتی پھرو گی!"

اس نے قائل ہوکر سر کو جھکا لیا۔ بے چاری بڑی الجھن میں تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کرے۔ چوری کر کے پھنس گئی تھی۔ اور اب اس چوری کو نباہنا چاہتی تھی۔ سوچنے کے دوران اس کے دماغ میں یہ بات آئی: "اگر میں اپنی وفاداری ثابت کر دوں تو میرا پُراسرار باس مجھ سے بہت خوش ہوگا۔ یہ ہیرا کیا چیز ہے، اس سے بھی زیادہ انعامات دے گا۔ بس تو اس کی چمک دمک سے دیوانی ہوگئی تھی۔ لعنت ہے ایسے ہیرے پر!"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "ہاں مجھے یہ ہیرا اس ڈاکٹر کو دے دینا چاہیے!"

اس کی اپنی سوچ نے کہا: "میرا دماغ خراب ہوا ہے کہ اتنا قیمتی ہیرا اس کے حوالے کر دوں اور اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھاؤں۔ بیشک، یہ ہیرا اسے دے دوں گی لیکن اپنے باس تک یہ اطلاع پہنچا دوں گی کہ میں نے وہ ہیرا ڈاکٹر میکاکس کے پاس دیکھا ہے۔ اس طرح باس کے آدمی میکاکس کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ مجھ پر کبھی شبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ ڈاکٹر اس ہیرے کی چوری سے انکار کرتا رہے گا مگر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ یہی سمجھا جائے گا کہ ہمارا کوئی آدمی ڈاکٹر میکاکس سے ملا ہوا ہے یا پھر ڈاکٹر نے ہمارے ہی کسی آدمی سے یہ ہیرا خرید لیا ہے اور یہ بتا نہیں سکتا کہ چوری کا مال کہاں سے خریدا؟ کس سے خریدا؟"

وہ سوچ رہی تھی، پلاننگ کر رہی تھی۔ وہ خیبلا سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ جب خیبلا پہلی بار جنگل میں ملی تھی تو اس نے بھی کئی بار مجھے الجھانے اور ہلاک کرنے کی تدبیریں کی تھیں۔ پتا نہیں اس قسم کی عورتیں اپنی کھوپڑی میں کیسا الٹا دماغ رکھتی ہیں۔ جو شخص ان کے وقت پر کام آتا ہے، وہ اس کی دوستی اور ہمدردی کو بھول کر صرف اپنے مفاد یا اپنی سلامتی کے لیے اسے دھوکا دیتی ہیں اور اسے ہلاک کرنے سے بھی باز نہیں آتیں۔ میں نے دل ہی دل میں کہا: "جانِ من، ایل مونا، تم بھی کوششیں کر کے دیکھ لو۔ میرے ساتھ تو وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا!"

ہم الاسکا کے شہر تنانا پہنچ گئے۔ ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر آتے ہی بوڑھی خاتون نے ایل مونا سے کہا: "اب میرا تمھارا راستہ الگ ہے۔ آئندہ کہیں تم دکھائی دو گی تو تمھیں بیٹی کہنا تو دور کی بات ہے، تمھیں پہچاننے سے بھی انکار کر دوں گی۔"

بوڑھی خاتون ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چلی گئی۔ ایل مونا، میرے ساتھ لیڈیز باتھ روم تک آئی۔ پھر کہا: "ذرا انتظار کرو۔ میں ابھی آتی ہوں!"

وہ اندر گئی۔ پھر واپس آئی تو اس کی مٹھی میں وہ ہیرا تھا۔ اس نے میری جیب میں ہاتھ ڈال کر کہا: "اس امانت کو سنبھال کر رکھنا۔ میں تم سے واپس لے لوں گی!"

"اطمینان رکھو، میں لالچی نہیں ہوں۔ ہاں تمھارے حسن کا اسیر ضرور ہوں!"

وہ قاتل نگاہوں سے مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ پھر کہا: "اب ہمارے راستے الگ ہوتے ہیں۔ میں یہاں ڈاکٹر ڈوگلس کی مہمان رہوں گی۔ ہماری ملاقات شام کو ہو سکتی ہے۔ بائی دی وے تمھارا قیام کہاں ہوگا؟"

میں نے مسکرا کر کہا: "ڈاکٹر ڈوگلس سے پوچھ لینا۔ وہ میکاکس کو ضرور جانتا ہوگا۔ وہی میری رہائش گاہ کا پتا بتا دے گا!"

وہ مجھ سے الگ ہوگئی۔ اس کا مقصد تھا کہ یہاں اسے میرے ساتھ کوئی نہ دیکھے اور یہ شبہ نہ کرے کہ اس سے میری دوستی رہی ہے اور اس نے ہیرا میرے حوالے کیا ہے۔ ڈاکٹر ڈوگلس کو اطلاع مل گئی تھی کہ ایل مونا ایک گونگی لڑکی گریس کیلی کے نام سے پہنچ رہی ہے۔ اسے ریسیو کیا جائے۔

لہٰذا ڈاکٹر ڈوگلس کی گاڑی اسے لینے آئی تھی۔ اُدھر پیرس میں ڈاکٹر میکاکس نے میری روانگی کی اطلاع دے دی تھی۔ میڈیکل سینٹر کی طرف سے ایک کار میرے لیے بھی پہنچی ہوئی تھی۔ میں اس کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ذرا ایک خیال خوانی کی۔ ایل مونا جس گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی، اس کے شیشے ایسے تھے کہ باہر سے نظر نہیں آتا تھا کہ اندر کون بیٹھا ہے لیکن اندر والے باہر کے مناظر دیکھ سکتے تھے۔ میں نے خیال کے ذریعے دیکھا، ایل مونا اپنی وگ اور ماسک میک اَپ اتار رہی تھی۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ وہ میرے لیے نئی جگہ تھی۔ اس لیے وہاں کے راستوں اور ماحول کو سمجھنا ضروری تھا۔ جو شخص گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، وہ ڈاکٹر میکاکس کا یعنی اب میرا خاص ڈرائیور تھا۔ اپنے خاص ملازموں سے باتیں کرنا اور ان کے مزاج کو سمجھنا بھی ضروری تھا۔ اس لیے میں اس کے ساتھ مصروف ہوگیا۔ لیکن ایل مونا کی طرف سے بے خبر نہیں تھا۔ اس نے میک اَپ اتارنے کے بعد ایک چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے کسی کو مخاطب کیا۔ پھر کہا: "سفر کے دوران ڈاکٹر میکاکس کی سیٹ

میرے قریب رہی۔ اس نے مجھ سے لفٹ لینے کی کوشش کی۔ پھر میرے پاس آکر کہا ”اگر میں اس کے کام آؤں گی تو وہ مجھے بہت فائدہ پہنچائے گا۔ پھر اس نے بتایا کہ اس کے پاس ایک ہیرا ہے جسے میں ... اپنے بالوں کی وگ میں چھپا کر لے جاسکتی ہوں۔ میں نے جب اس ہیرے کو دیکھا تو حیران رہ گئی۔ میرا شبہ ہے کہ اسے گوری سجاتہ کے مجسمے سے چرایا گیا ہے۔ جتنی جلدی ہوسکے، میکاکس کو پکڑ لیا جائے ورنہ وہ گھر پہنچتے ہی ہیرے کو کسی ایسی جگہ چھپا دے گا کہ سراغ لگانا مشکل ہوجائے گا۔“

وہ اپنے آدمیوں کو اطلاع دے رہی تھی اور میں مسکرا رہا تھا۔ اس بے چاری کو معلوم نہیں تھا کہ جب اس نے ہیرا میری جیب میں رکھا تھا تو میں نے اس کے رخصت ہونے سے پہلے ہی اسے پھر اس کے فرولے کوٹ کی جیب میں ڈال دیا تھا۔ وہ اب بھی اسی کے پاس تھا۔

وہ مجھ سے پہلے میڈیکل سینٹر کے رہائشی حصے میں پہنچی۔ وہاں ڈاکٹر ڈوگلس اور ڈاکٹر میکاکس جیسے بڑے بڑے ڈاکٹروں کے بنگلے بنے ہوئے تھے۔ اس نے ڈوگلس کے پاس پہنچتے ہی اس ہیرے کے متعلق بتایا پھر یہ بھی کہا کہ اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اہم آدمیوں کو اطلاع دے دی ہے۔ وہ ڈاکٹر میکاکس کو گھیرنے والے ہیں۔

ڈوگلس نے کہا ”تم کیسی باتیں کررہی ہو۔ ڈاکٹر میکاکس یہاں چھ برس سے کام کررہا ہے۔ وہ ہیرے نہ تو اسمگل کرسکتا ہے، نہ چوری کا مال خرید سکتا ہے۔ تمھیں یقیناً دھوکا ہوا ہے۔“

”تھوڑی دیر بعد جب ہمارے آدمی اسے گھیر لائیں گے اور اس کے پاس سے ہیرا برآمد کریں گے تو تمھیں یقین آجائے گا۔“

اس وقت تک میری گاڑی جس راستے پر سے گزر رہی تھی اس راستے پر ایک بڑی سی کھلی گاڑی اس طرح آکر کھڑی ہوگئی تھی کہ آگے جانے کا راستہ رُک گیا تھا۔ یعنی ایل مونا کے آدمی مجھ سے حساب کرنے پہنچ گئے تھے۔ جب انھوں نے مجھے گاڑی سے باہر آنے کے لیے کہا تو میں نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ تلاشی لینا چاہتے تھے، میں نے انکار نہیں کیا۔ انھوں نے ہر طرح اپنا اطمینان کیا لیکن ہیرا برآمد نہ ہوسکا۔ ایک نے سخت لہجے میں پوچھا ”تمھارے پاس جو ہیرا تھا۔ تم نے اسے کہیں چھپا دیا ہے۔“

”بھئی کس ہیرے کی بات کررہے ہو۔ میں ڈاکٹر میکاکس ہوں۔ یہاں کے لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”تم ہمیں بھی اچھی طرح جان لوگے۔ ہیرا سیدھی طرح ہمارے حوالے کردو۔“

”اگر میرے پاس ہے تو اور اچھی طرح تلاشی کرلو نہیں ہے تو پیچھا چھوڑ دو۔“

اتفاق سے ایک پولیس کی گاڑی وہاں سے گزر رہی تھی۔ انھیں پیچھا چھوڑنا پڑا۔ وہ ٹرک کو وہیں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ ان کی دوسری گاڑی اس راستے پر کھڑی ہوئی تھی جہاں سے میں گزر کر آیا تھا۔ پولیس والے ان کا تعاقب نہ کرسکے کیوں کہ وہ ٹرک کے دوسری طرف رک گئے تھے۔ ان کے لیے بھی آگے بڑھنے کا راستہ نہیں تھا۔ انھوں نے ٹرک کو ڈرائیو کرتے ہوئے ایک طرف ہٹایا۔ اس وقت تک وہ فرار ہو چکے تھے۔ بہرحال میرے لیے راستہ صاف ہوگیا جب میری گاڑی آگے بڑھ گئی تو میں نے ایل مونا کے پاس پہنچ کر دیکھا، وہ ڈاکٹر ڈوگلس کے گیسٹ روم میں تھی۔ فرکا اوور کوٹ اتار رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا ”کوئی بھی لباس اتار کر رکھنے سے پہلے جیبوں کی تلاشی لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کوئی قیمتی چیز ملازموں کے ہاتھ لگ جائے۔“

اس نے اوور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا، اس کے ساتھ ہی دل دھک سے رہ گیا۔ کوئی سخت سی چیز ہاتھ میں آئی مگر اس کی تلاش ایسی تھی کہ دیکھے بغیر ہی خیال ہیرے کی طرف گیا۔ اس نے فوراً ہی جیب سے ہاتھ نکالا۔ اپنی مٹھی کھولی تو ہتھیلی پر وہی ہیرا جگمگا رہا تھا۔

پہلے وہ حیرانی سے دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی رہی پھر اس نے فوراً ہی اسے اوور کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ دوسرے لفظوں میں چھپا دیا کہ کوئی دیکھ نہ رہا ہو پھر سوچنے لگی ”یہ ڈاکٹر میکاکس تو بڑا مکار نکلا۔ میں نے ہیرا اس کی جیب میں ڈالا، اس نے پتا نہیں کب میرے اوور کوٹ کی جیب میں اسے ڈال دیا۔ میں اس پر الزام لگا رہی تھی، اب مجھ پر الزام عائد ہونے والا ہے۔ میں اس ہیرے کو کہاں چھپاؤں؟ میرے آدمیوں نے اس کی تلاشی لی ہوگی اور اس نے کہا ہوگا کہ ہیرا اس کے پاس نہیں میرے پاس ہے۔ وہ آدمی جو میرے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں، وہ میرا لحاظ نہیں کریں گے۔ پُراسرار باس کا حکم ہے کہ چوری کے معاملے میں کسی کا لحاظ نہ کیا جائے۔ وہ یہاں تلاشی لینے

ضرور آئیں گے۔ اوہ گاڈ، میں کیا کروں؟“

وہ سوچتی رہی۔ پریشان ہوتی رہی۔ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ پھر اسے کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ وہ دوڑ کر کھڑکی کے پاس آئی، دیکھا تو اسی کے آدمی گاڑی میں آئے تھے اور اب دروازہ کھول کر اُتر رہے تھے۔

وہ کھڑکی کے پاس سے دوڑتی ہوئی گیسٹ ہاؤس کے پچھلے دروازے کے پاس گئی۔ اس دروازے کو کھول کر باہر آئی۔ پچھلے حصے میں ایک چھوٹا سا باغیچہ بنا ہوا تھا۔ پھولوں کے گملے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے جلدی سے ایک گملے کی مٹی کو بائیں ہاتھ سے کریدا، ہیرے کو وہاں رکھا۔ پھر اس پر مٹی ڈال دی اور واپس اپنے کمرے میں آگئی۔ باتھ روم میں پہنچ کر ہاتھوں کو دھویا پھر تولیے سے خشک کرتے ہوئے کمرے میں آئی تو دروازے پر دستک ہورہی تھی۔

اس نے دروازے کو کھولتے ہوئے پوچھا ”کیا وہ ہیرا برآمد ہوا؟“

”نہیں مادام! ہم نے اس کی اچھی طرح تلاشی لی تھی۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”میں نے وہ ہیرا اپنی آنکھوں سے اس کے پاس دیکھا تھا۔ یقیناً اس نے راستے میں کہیں چھپا دیا ہوگا۔“

”ہمیں افسوس ہے۔ ہم اس کی اچھی طرح تلاشی نہ لے سکے۔ پولیس والے آگئے تھے۔ ہم نے غیر قانونی طور پر ایک ٹرک کو راستے میں کھڑا کیا تھا۔ ہمیں وہاں سے بھاگنا پڑا۔“

”کوئی بات نہیں، شام کو یا رات کو جب بھی موقع ملے ڈاکٹر میکاکس کے بنگلے کا محاصرہ کرنا یا کسی طرح اسے تنہائی میں پکڑ کر اس سے اگلوانے کی کوشش کرنا کہ اس نے ہیرے کو کہاں چھپا کر رکھا ہے۔“

وہ سب چلے گئے۔ ایل مونا نے اطمینان کی سانس لی پھر اپنے بیڈ روم میں آکر بستر پر گر پڑی۔ تھکے ہوئے انداز میں کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گئی۔ میں نے اس کے دماغ میں سوچ پیدا کی ”میں نے ہیرے کو گملے میں چھپایا ہے مگر اس کی مٹی کو گہرائی تک نہیں کھودا تھا۔ مالی کرے گا تو وہ اس کے ہاتھ لگ سکتا ہے۔ اگر مالی لالچی ہوگا تو اسے چھپا دے گا ورنہ ڈاکٹر ڈوگلس کے حوالے کردے گا اور میری چوری کھل جائے گی۔“

وہ بستر پر سکون سے نہ لیٹ سکی۔ چوری نے اس کا سکھ چین لوٹ لیا تھا۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر تیزی سے چلتے ہوئے دوسرے کمرے میں آئی۔ پھر اس کا پچھلا دروازہ کھول کر باغیچے میں پہنچی۔ جس گملے میں ہیرے کو چھپایا تھا، وہ گملا اسے اچھی طرح یاد تھا۔ اس نے مٹی کو ذرا سا کرید کر دیکھا، ہیرا وہاں نہیں تھا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

اس نے آس پاس کے گملوں کو دیکھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ہیرا کون سے گملے میں چھپایا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی تسلی کے لیے دوسرے گملوں کی مٹی کو کرید کر دیکھتی رہی، ہیرا کہیں نہیں تھا۔ وہ پریشان ہوکر دروازے سے لگ گئی۔ دور ہی دور سے حیران ہوکر ایک ایک گملے کو دیکھنے لگی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اتنی جلدی اس ہیرے کو کس نے غائب کر دیا، کس نے چرایا۔ آخر یہ ہیرا اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہا ہے؟ پیچھا چھوڑ کر بھی اس کے لیے دہشت بنا ہوا ہے۔

میں اپنے بنگلے میں پہنچ گیا تھا۔ وہاں میری خدمت کے لیے ایک ملازم تھا۔ میں نے اس دوران اپنے خاص ڈرائیور سے گفتگو کی تھی۔ اس سے گھل مل گیا تھا۔ پھر اپنے بنگلے کے ملازم سے بھی اسی انداز میں گفتگو کی۔ ڈاکٹر میکاکس بھی ایسا ہی زندہ دل اور انسان دوست تھا۔ وہ ملازموں سے بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔ ان سے محبت سے پیش آتا تھا۔ میں نے وہاں پہنچ کر گرم پانی سے غسل کیا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد ہلکا سا ناشتا کرنے بیٹھ گیا۔ پھر مونا کی خبر لی۔

وہ ابھی تک پریشان تھی۔ وہ بھی غسل کرنے کے بعد لباس تبدیل کرچکی تھی۔ ناشتا کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ڈاکٹر ڈوگلس نے اپنے کمرے سے فون کے ذریعے کہا تھا کہ وہ ناشتا کرنے آجائے۔ اگر نہیں آئے گی تو وہ بھی چائے نہیں پیے گا۔

اسے مجبوراً آنا پڑا۔ ڈائننگ روم میں ڈاکٹر ڈوگلس اس کا انتظار کررہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا ”کم آن بے بی، یہاں میرے پاس آکر بیٹھو۔“

وہ اُس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ناشتا کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ دماغ ہیرے کی طرف لگا ہوا تھا کہ آخر وہ کہاں غائب ہوگیا ہے؟ ڈاکٹر نے ایک پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”تم اتنی گم صم کیوں ہو؟ سلائس اور مکھن لو۔“

اس نے ایک سلائس لیا۔ پھر کہا ”ڈاکٹر میکاکس بہت چالاک ہے۔ اس نے ہیرے کو کہیں چھپا

دیا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ یہ ڈش چکھ کر دیکھو۔ بڑی لذیذ ہے۔"

"نہیں، میرا دل نہیں چاہتا۔ بس ایک سلائس کافی ہے۔"

"میرے کہنے پر ذرا سا چکھ لو، پلیز۔"

ڈاکٹر نے اس طرح کہا کہ اس نے مجبور ہو کر ڈش کو ہاتھ میں لیا۔ اس پر ڈھکن تھا۔ اس نے ڈش کو سامنے رکھ کر اس کا ڈھکن اٹھایا پھر دل دھک سے رہ گیا۔ ڈش کے اندر وہ ہیرا جگمگا رہا تھا۔ کھانے کی کوئی ڈش نہیں تھی۔ ایل مونا نے ایک دم سے گھبرا کر ڈاکٹر ڈوگلس کو دیکھا۔ وہ بڑی مکاری سے مسکرا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "بے بی! پچھلی بار جب تم یہاں آئی تھیں تو میں نے شراب کے نشے میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا اور تم نے مجھے تھپڑ مار دیا تھا۔ اس لیے کہ میں بوڑھا ہوں اور تم جوان ہو۔ کیا بوڑھوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا؟"

وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔ "ڈاکٹر، یہ، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"وہی جو تم سمجھ رہی ہو اور نادان بن رہی ہو۔ جو تھپڑ تم نے میرے منہ پر مارا تھا، اسے لوٹانے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے۔"

"کیا تم اس ہیرے کی چوری کا الزام مجھ پر عائد کرنا چاہتے ہو؟"

"صرف الزام نہیں دینا چاہتا، ثبوت بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ ہیرا میرے پاس تھا؟"

"جب تم گھبرائی ہوئی تھیں اور اس ہیرے کو گملے میں چھپا رہی تھیں تو یہ بھول گئیں کہ میرے بیڈ روم کی کھڑکی اُدھر ہی کھلتی ہے اور میں وہاں سے دیکھ سکتا ہوں۔ جب تم اس گملے کی مٹی کو کرید رہی تھیں تو میں ایک دم سے چونک گیا۔ تم میری مہمان ہو، بھلا میرے گملے کی مٹی کیوں کریدنا چاہو گی۔ ضرور کوئی بات ہو سکتی تھی۔ میں نے فوراً ہی الماری کھول کر مووی کیمرے کو نکالا۔ پھر زوم لینس کے ذریعے تمہاری اس حرکت کو ریکارڈ کر لیا۔ تم اتنا تو سمجھ سکتی ہو کہ زوم لینس کے ذریعے اس گملے کا کلوز شاٹ لے سکتا ہوں۔ تم چاہو تو وہ وڈیو فلم دکھا سکتا ہوں۔ اس کیمرے نے صاف طور پر اس ہیرے کو پکچرائز کیا ہے اور یہ ریکارڈ ہو چکا ہے کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے اس ہیرے کو اس گملے کی مٹی کے اندر چھپایا تھا۔"

وہ سن رہی تھی۔ کبھی تھوک نگل رہی تھی۔ کبھی پریشان ہو کر کرسی پر پہلو بدلنے لگتی تھی۔ اب میں ڈاکٹر ڈوگلس کے دماغ میں بیٹھ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ اُڑ رہا تھا۔ ایسی حالت میں بھی وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ ڈاکٹر کا دل اندر ہی اندر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس کی کلائی پکڑنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ابھی نہیں، اب یہ میرے قابو میں ہے۔ جب چاہوں پکڑ سکتا ہوں۔ مزہ تو تب ہے جب یہ راضی خوشی میرے پاس خود چلی آئے۔"

اس نے اپنی سوچ کے ذریعے قائل ہو کر کہا۔ "ہاں، مجھے صبر کرنا چاہیے۔ اس کے تڑپنے کا تماشا دیکھنا چاہیے۔ آج رات تک میں انتظار کروں گا۔ اگر یہ خود نہ آئی تو اسے پر مجبور کر دوں گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "ڈاکٹر! میری بات کا یقین کرو، ہیرا میں نے نہیں چرایا ہے۔ ڈاکٹر میکاکس بہت چالاک ہے۔ پتا نہیں اس نے کس طرح اسے میرے اوور کوٹ کی جیب میں رکھ دیا تھا۔"

"بکواس مت کرو۔ میں ڈاکٹر میکاکس کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ ایسی حرکت کر ہی نہیں سکتا۔ تم نے ایک صحیح آدمی پر غلط الزام لگایا ہے۔"

"میں سچ کہتی ہوں۔ قسم کھاتی ہوں۔"

"اگر یہ بات سچ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے اس ہیرے کو چھپاتے ہوئے تمہیں دیکھا ہے۔ کیمرا اس بات کا گواہ ہے لہٰذا تم مجرمہ ہو۔"

"میں نہیں ہوں۔"

"تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب میں پُراسرار باس تک وہ وڈیو فلم پہنچاؤں گا تو تمہارے بیان پر کون یقین کرے گا؟"

"ڈاکٹر پلیز، تم چاہو تو اس وڈیو کیسٹ سے میری تصویر مٹا سکتے ہو۔"

"بالکل مٹا سکتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ میں ہاتھ پکڑوں تو تم طمانچہ نہ مارو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ میں تمہیں اپنا بزرگ سمجھتی ہوں، تم میرے باپ کی جگہ۔۔۔۔"

"شٹ اَپ۔" ڈاکٹر ڈوگلس ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ غصے سے بولا۔ "آگے ایک لفظ بھی کہا تو طمانچے کا جواب طمانچے سے دوں گا مگر میں صبر کرنا جانتا ہوں۔ جو پھول آپ ہی آپ جھولی میں آ گرنے، اسے توڑنا مناسب نہیں سمجھتا۔ میں آج شام تک انتظار کروں گا۔ تمہارا فیصلہ میرے حق میں نہ ہوا تو یہ وڈیو کیسٹ پُراسرار باس تک پہنچا دیا جائے گا۔"

میں نے ایل مونا کی سوچ میں کہا۔ "شام بہت دور ہے اس وقت تک میں کوئی تدبیر سوچ لوں گی۔ فی الحال اس کے ساتھ سہولت سے بات کرنا چاہیے۔"

اس نے سر جھکا کر کہا۔ "ڈاکٹر! تم خواہ مخواہ طیش میں آ رہے ہو۔ آرام سے بیٹھ کر باتیں کی جا سکتی ہیں۔"

وہ آرام سے بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب یہ موضوع زیرِ بحث نہیں آنا چاہیے۔ ہم شام ہی کو بات کریں گے۔ فی الحال مجھے بتاؤ، تم گریس کیلی کے میک اَپ میں آئی تھیں۔ کیا کسی نے تمہارا تعاقب کیا؟"

"یہ ہیرے کا معاملہ ایسا طول پکڑ گیا کہ میں وہ بات بتانا بھول گئی۔ ایک ابراہیم ڈیوس نامی شخص میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ میں نے خطرہ محسوس کیا تو اسے زہریلی پن کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ اس قتل کا الزام ابراہیم ڈیوس کے ایک دوست پر آیا۔ میں صاف بچ کر نکل آئی ہوں۔"

"کیا تم نے یہ معلوم نہیں کیا کہ وہ کون تھا اور کس گروہ سے تعلق رکھتا تھا؟"

وہ اس سلسلے میں کہنا چاہتی تھی کہ میں نے ابراہیم ڈیوس اور ماسٹر کی کے متعلق اسے بتایا ہے لیکن میں نے اسے کہنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کی سوچ میں بات بدل دی۔ وہ کہنے لگی۔ "میں نے ابراہیم ڈیوس سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ اور اس سے بات اگلوائی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کا تعلق ماسٹر کی سے ہے اور وہ خود یوگا کا ماہر ہے۔"

"کام کی باتیں بتاؤ۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"اس نے مجھے دھمکی دی تھی۔ کہہ رہا تھا، ہم میں سے کسی نے سونیا، سونتی اور اعلیٰ بی بی کو غائب کیا ہے اور کہیں لے جا کر چھپا دیا ہے۔ اگر میں اس کا ساتھ نہیں دوں گی تو وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ میں نے پیچھا چھڑانے کے لیے اسے موت کے حوالے کر دیا۔"

ڈاکٹر ڈوگلس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں یہ تمام رپورٹ باس تک پہنچا دوں گا۔ تم سفر کی تھکن اتارنے اپنے بیڈ روم میں جا سکتی ہو۔"

وہ چلا گیا۔ یہ اپنے بیڈ روم میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر شکست خوردہ انداز میں بستر پر گر پڑی۔ حالات نے اُسے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ "کیا کرے، کس طرح اس بوڑھے ڈاکٹر ڈوگلس سے اپنے آپ کو بچائے اور وڈیو کیسٹ بھی کس طرح حاصل کرے۔ پتا نہیں، اس نے کیسٹ کو کہاں چھپا کر رکھا ہے؟"

میں نے اس کا دھیان اپنی طرف لگایا۔ وہ میرے متعلق سوچنے لگی۔ "کیا میں ڈاکٹر میکاکس کی مدد حاصل کروں۔ میرا یہاں کوئی نہیں ہے۔ مجھے کسی کو دوست بنا کر رکھنا چاہیے۔ میں بے وقوف لڑکی ہوں۔ ایک اچھے دوست کو دشمن بنا رہی تھی۔"

وہ سوچتے سوچتے اٹھ بیٹھی۔ پھر اس کے دماغ نے پوچھا۔ "لیکن وہ ہیرا جو میں نے اس کی جیب میں رکھا تھا، واپس میری جیب میں کیسے آ گیا تھا، کیا ڈاکٹر میکاکس میری چالاکی کو سمجھ گیا تھا، کیا اس نے پہلے ہی قیاس آرائی کر لی تھی کہ اس ہیرے کی وجہ سے وہ کسی مصیبت میں پڑ سکتا ہے۔ اور اس نے دیکھا ہو گا کہ اس ہیرے کو تلاش کرنے کے لیے کچھ لوگوں نے راستے میں گھیرا تھا اور ناکام ہو کر گئے تھے۔ اس طرح ڈاکٹر میکاکس کو مجھ پر شبہ ہو گا کہ میری وجہ سے وہ مصیبت میں پڑنے والا تھا۔ کیا ایسی صورت میں وہ میری مدد کرے گا؟"

باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی۔ ڈاکٹر ڈوگلس کہیں جا رہا تھا۔ جب وہ گاڑی احاطے سے باہر چلی گئی تو میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "مجھے فون کے ذریعے ڈاکٹر میکاکس سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔"

وہ اس خیال سے ہچکچا رہی تھی۔ میں نے اسے اپنے طور پر فیصلہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اور پھر ڈاکٹر ڈوگلس کے دماغ کو کریدنے لگا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا، جب دونوں بھائی بہن ایل مانڈوا اور ایل مونا نے سونیا، سونتی اور اعلیٰ بی بی کو تنا نا پہنچایا اور انھیں ڈاکٹر ڈوگلس کے حوالے کیا تو پھر ڈاکٹر نے ان تینوں کو کہاں پہنچایا تھا؟

میں نے ڈوگلس کے دماغ میں ان تینوں کا خیال پیدا کیا۔ وہ اسی کے تسلسل سے سوچنے لگا۔ "یہ پُراسرار باس کون ہے؟ کیا ہے؟ شاید کوئی نہیں جانتا اور اس کی پُراسراریت کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا ہے۔ میں اس کا وفادار ہوں لیکن وہ مجھے بھی اپنے متعلق تاریکی میں رکھتا ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں سوال کیا "کیا ایسی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی کہ اس سے براہِ راست گفتگو ہو سکے؟"

"ہرگز نہیں۔ وہ کبھی کسی کے سامنے نہیں آتا۔ اپنی آواز تک نہیں سناتا ہے۔ اسے اندیشہ ہے کہ فرہاد زندہ ہے۔ چھپا ہوا ہے۔ وہ کسی نہ کسی کے ذریعے اس کی آواز سن لے گا پھر وہ دن اس کی پُراسراریت اور پُرسکون زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

وہ ڈرائیو کرتا جا رہا تھا اور سوچتا جا رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اس سے کم از کم یہ معلوم کر لوں کہ سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو کہاں پہنچایا جائے گا لیکن اس نے صرف اتنا ہی کہا "مجھے الاسکا کے مغربی ساحلی شہر کوٹزبو جانا ہوگا اور ان تینوں کو اس کے ایک ایجنٹ کے حوالے کرنا ہوگا۔"

میں نے اس ایجنٹ کا نام اور پتا معلوم کیا۔ اس کی سوچ نے کہا "ایجنٹ کا نام شورسلے الیوان ہے۔ یہ کوٹزبو فلائنگ کلب کے نیم سرکاری ادارے کا ڈائریکٹر ہے۔"

ڈاکٹر ڈوگلس کا دماغ اس سے زیادہ معلومات فراہم نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اسے اچھی طرح ٹٹول لیا تھا۔ اس کی سوچ کی لہروں نے مجھ سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی سنائی دی۔ میں بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ صوفے پر بیٹھ کر ریسیور کو اٹھایا پھر کان سے لگاتے ہوئے کہا "ہیلو، ڈاکٹر میکاکس دِس اینڈ۔"

دوسری طرف سے ایل مونا کی آواز سنائی دی "ہیلو ڈاکٹر! میں بول رہی ہوں۔ کیا مجھے آواز سے پہچان سکتے ہو؟"

"مکار عورت کو ایک ہی بار پہچان لینا کافی ہوتا ہے۔"

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔"

"کیا سمجھنے کے لیے اور کچھ رہ گیا ہے؟"

"میں مجبور تھی۔ وہ ہیرا ایک ہڈی کی طرح میرے گلے میں اٹک گیا ہے۔ نہ اسے نگل سکتی ہوں، نہ اُگل سکتی ہوں۔ تم غصہ کیوں دکھا رہے ہو۔ میں نے مکاری کی تو تم نے اس کے جواب میں مجھ سے مکاری دکھائی۔ وہ ہیرا واپس میری جیب میں ڈال دیا۔ حساب برابر ہوا۔ اس کی وجہ سے میں مصیبت میں پڑ گئی ہوں۔ پلیز میری مدد کرو۔ ورنہ میں کہیں کی نہیں رہوں گی۔"

"کیا ڈاکٹر ڈوگلس تمھارا حمایتی، تمھارا دوست نہیں ہے؟"

"اس کا نام بھی نہ لو۔ وہ بوڑھا شیطان مجھے ہوس بھری نظروں سے دیکھتا ہے اور مجھے اس مصیبت سے نکالنے کے لیے ایسی شرط پیش کر رہا ہے جسے میں جیتے جی کبھی قبول نہیں کر سکتی۔"

"پھر سیدھا راستہ ہے۔ اس کی شرط نہ مانو اور اپنی جان پر کھیل جاؤ۔"

"کیسی بے دردی سے کہہ رہے ہو کیا جان سے گزر جانا اتنا آسان ہوتا ہے۔ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ میں یہ زندگی ہنستے کھیلتے گزارنا چاہتی ہوں۔ پلیز، ہیلپ می، کسی طرح مجھے اس شیطان سے نجات دلاؤ۔ میں تمھارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"آخر کیا ہوا ہے۔ کچھ بتاؤ تو سہی؟"

وہ ہیرے کے متعلق بتانے لگی "میں اسے ایک گملے میں چھپا رہی تھی، ڈاکٹر ڈوگلس نے دیکھ لیا۔ اس کا وڈیو کیسٹ تیار کر چکا ہے۔ وہ کیسٹ ایسی جگہ پہنچایا جائے گا جہاں میری موت یقینی ہوگی۔"

اس کی روداد سننے کے بعد میں نے کہا "تم چاہتی ہو، میں وہ وڈیو کیسٹ غائب کر دوں۔"

"وہ غائب ہو جائے تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔"

"تمھارے کام آنے سے مجھے کیا ملے گا؟"

"آں...." وہ ذرا ہچکچائی، پھر بولی "تم کیا چاہتے ہو؟"

"جو شیطان چاہتے ہیں وہ نہیں چاہتا۔ پہلے یہ بتاؤ الاسکا میں کتنے عرصے رہی ہو؟"

"کم از کم سات برس رہ چکی ہوں۔"

"مغربی ساحلی شہر کوٹزبو گئی ہو؟"

"کئی بار جا چکی ہوں۔"

"تمھارے پُراسرار باس کے وہ تمام ایجنٹ جو الاسکا کے مختلف شہروں میں کام کرتے ہیں کیا تم انھیں جانتی ہو؟"

"میں تقریباً سب کو جانتی ہوں۔ جب بھی یورپ سے یہاں آتی ہوں کسی نہ کسی سے رابطہ قائم ہوتا ہی رہتا ہے۔"

"کیا مسٹر شورسلے الیوان کو جانتی ہو؟"

"بہت اچھی طرح۔ وہ ایک فلائنگ کلب کے نیم سرکاری ادارے میں ڈائریکٹر ہے اور ہمارے باس کا خفیہ ایجنٹ بھی۔"

"کیا میرے ساتھ کوٹزبو جانا چاہو گی؟"

"مجھے اس مصیبت سے نجات دلا دو۔ پھر تمھارے ساتھ جہنم میں بھی جا سکوں گی۔"

"تم موت سے ڈرتی ہو۔ پھر جہنم یا جنت کیسے جا سکو گی؟"

"میرا مذاق نہ اڑاؤ، میں بہت پریشان ہوں۔"

"ایک گھنٹے بعد تمھاری پریشانی ختم ہو جائے گی۔ وہ وڈیو کیسٹ اور تمھارا چرایا ہوا ہیرا اس کے پاس سے غائب ہو جائے گا۔"

"تم ایسے دعویٰ کر رہے ہو جیسے کوئی سُپر مین ہو۔ کہیں مجھے بہلا تو نہیں رہے ہو۔"

"صرف ایک گھنٹا انتظار کرو۔"

"ایک گھنٹے میں میرا دم نکل جائے گا۔ تم نہیں جانتے، وہ پُراسرار باس کتنا ظالم درندہ ہے۔ کسی سے رعایت نہیں کرتا۔ خواہ اس کے لیے کتنی ہی قربانیاں دی جائیں لیکن غداری کی ذرا سی بھی بُو آئے تو وہ قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ایسی اذیتیں دیتا ہے جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کتنے ہی غداروں کو سسک سسک کر، تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھا ہے۔"

"میں نے کہا نا، تمھارا کام ہو جائے گا۔"

"میں ایک گھنٹا انتظار نہیں کروں گی۔ پلیز، جلدی کچھ کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی تم سے رابطہ قائم کروں گا۔ فون پر انتظار کرو۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر ڈوگلس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا، اس نے کیسٹ اور اس ہیرے کو کہاں چھپا کر رکھا ہے۔ وہ نادان نہیں تھا۔ ان چیزوں کو اپنے گھر چھپا کر نہیں جا سکتا تھا۔ اسے ایل مونا کی طرف سے خدشہ تھا۔ وہ مقفل دروازوں کو کسی طرح کھول کر اندر پہنچ جاتی اور ان چیزوں کو تلاش کر کے ضائع کر دیتی ــــ اس لیے وہ کیسٹ اور ہیرا ابھی اس کے پاس ہی تھا۔ کار میں موجود تھا۔ وہ کار میڈیکل سینٹر کے پارکنگ شیڈ میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے چاروں دروازوں کو لاک کر دیا تھا۔ ڈیش بورڈ بھی مقفل تھا جس میں کیسٹ اور ہیرا رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنے چیمبر میں بیٹھا ہوا ایک ایکسرے کا مطالعہ کر رہا تھا۔ میں نے اسے وہاں سے اٹھا دیا۔

وہ اپنے چیمبر سے نکل کر راہداری سے گزرتا ہوا جانے لگا۔ ایک شخص نے مخاطب کیا "ہیلو، ڈاکٹر کہاں جا رہے ہو؟"

میں نے اس کی زبان سے جواب دیا "جسٹ اے منٹ، ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ ابھی آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا اپنی کار کے پاس آیا۔ اسے کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی۔ پھر وہاں سے ڈرائیو کرتا ہوا ایک شاہراہ پر آ گیا۔ اُس کا دماغ پوری طرح میرے قبضے میں تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کس حالت میں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ میں اسے ڈرائیونگ کراتا ہوا مختلف راستوں سے گزارتا ہوا ایک ویران راستے پر لے آیا۔ وہاں میں نے گاڑی رکوا دی۔

مجھے اس کے دماغ سے معلوم ہو چکا تھا کہ کار کی ڈکی میں ایکسٹرا پٹرول رکھا ہوا ہے۔ اس نے کار سے اتر کر ڈکی کو کھولا پھر پٹرول سے بھرے ہوئے کین کو اٹھا کر کار کے اندر آیا۔ اگلی اور پچھلی سیٹوں پر اسے چھڑکنے لگا۔ اس نے ڈیش بورڈ کو کھول کر وہ کیسٹ بھی نکال لیا۔ اس پر بھی پٹرول چھڑک دیا۔ ہیرے کو اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد آرام سے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر ایک سگریٹ کو منہ میں دبا کر سلگانے کے لیے لائٹر نکالنے لگا۔

جب اس نے لائٹر نکال کر اسے سلگایا تو میں نے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ یکبارگی ہڑبڑا کر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "ہیلو ڈاکٹر! کیا تم اپنے دماغ میں میری آواز سن رہے ہو؟"

وہ ایک دم سے دہشت زدہ ہو کر بولا "کون، کون میرے دماغ میں بول رہا ہے۔ نہیں، رسونتی نہیں بول سکتی۔ وہ تو کوما میں ہے۔"

ہاں، وہ کوما میں ہے لیکن تم نہیں جانتے کہ اسے کہاں لے جا کر رکھا گیا ہے۔ اس لیے تم میرے لیے بے کار ہو۔"

اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ "کک.... کیا تم فرہاد ہو؟"

"تمھاری موت ہوں، اتنا ہی جان لینا کافی ہے۔"

"نہیں نہیں، میں مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"بکواس نہ کرو۔ اپنے ہاتھ میں لائٹر دیکھو اور پٹرول کی بو سونگھتے رہو۔ اس کار کے اندر ہر طرف پٹرول پھیلا ہوا ہے۔ لائٹر تمھارے ہاتھ سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہوگا تو آگ لگے گی اور تم اس کار سے نکل نہیں پاؤ گے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی اس نے کار کے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اسے کھولنا چاہتا تھا مگر اس کا ہاتھ

حرکت نہ کر سکا۔ پھر میں نے کہا "تم اپنی مرضی سے باہر نہیں نکل سکو گے، چاہے ہزار بار کوشش کر لو۔"

اس نے اپنے جسم کی پوری قوت کو آزماتے ہوئے دروازے کی طرف پلٹنا چاہا لیکن پلٹ نہ سکا۔ میں نے کہا۔ "کیوں میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ اتنا سمجھ لو کہ تم نے میری تین ساتھیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا اور دشمنوں کا ہاتھ بٹایا۔ اس کی سزا تمھیں مل رہی ہے۔"

"نہیں نہیں، مجھے معاف کر دو۔ میں تمھارے کام آؤں گا۔"

"میں تمھارے دماغ کو گہرائی تک پڑھ چکا ہوں۔ تمھارے پاس معلومات کا جو ذخیرہ تھا، وہ میرے پاس ہے۔ اس سے زیادہ نہ تم میرے لیے معلومات فراہم کر سکتے ہو اور نہ ہی اپنے پُراسرار باس تک پہنچ سکتے ہو۔"

وہ نہیں نہیں کے انداز میں سر ہلا رہا تھا، گھبرا رہا تھا، چینا چاہتا تھا لیکن اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ پھر اس نے بے اختیار لائٹر کو جلایا۔ ایک ننھا سا شعلہ بھڑکا پھر وہ سگریٹ سلگانے لگا۔ اب وہ سمجھ رہا تھا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے، بے اختیار کر رہا ہے۔ اور اسے اپنے آپ پر قابو نہیں ہے۔ میں نے کہا "اب سگریٹ کا گہرا کش لو۔"

اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک گہرا کش لیا۔ پھر دھواں چھوڑنے لگا۔ میں نے کہا "اپنے لائٹر والے ہاتھ کو دیکھو، یہ کانپ رہا ہے۔"

اس نے گھبرا کر کہا "نہیں، نہیں میرا ہاتھ نہیں کانپ رہا ہے۔"

"نہیں کانپ رہا ہے تو اسے کانپنا چاہیے تاکہ تمھارے ہاتھ سے یہ چھوٹے اور پٹرول تک پہنچے۔"

وہ گڑگڑانے لگا۔ میں نے کہا "تم تو اس قابل ہو کہ اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہے ہو، گڑگڑا رہے ہو لیکن میری سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو گڑگڑانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا گیا۔ وہ کوما میں جانے کے بعد ذرا حرکت نہیں کر سکتیں لیکن دیکھو تمھارا ہاتھ ہل رہا ہے، کانپ رہا ہے۔"

پھر اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے لائٹر والے ہاتھ کو پکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی وقت لائٹر چھوٹ کر وڈیو کیسٹ پر آ گرا اور شعلے بھڑک گئے۔ پلک جھپکتے ہی پوری گاڑی کے اندر آگ پھیل گئی۔ اندر برائے نام ہوا تھی۔ دھواں بھر رہا تھا، شعلے بھڑک رہے تھے اور ڈاکٹر شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ وہ چیخنا چاہتا تھا، مدد کے لیے پکارنا چاہتا تھا مگر موت سے پہلے ہی زبان بند ہو گئی تھی۔

وہ گاڑی ایک آتش فشاں بن گئی تھی۔ اندر آگ بھر جائے تو کیا ہوتا ہے؟ جب پہاڑ پھٹ سکتے ہیں تو کار کی کیا وقعت ہے۔ اچانک ایک زبردست کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی میری سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔ ڈاکٹر کا دماغ میری سوچ کی لہروں کو قبول کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا۔ دل ہی دل میں سونیا کو پکارتا رہا۔ رسونتی کو یاد کرتا رہا۔ اعلیٰ بی بی سے کہتا رہا۔ تم سب سرد خانوں میں جانے کہاں پڑی ہوئی ہو۔ میں نے ایک دشمن کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا ہے۔ جب تک تم تینوں مجھے نہیں ملو گی، یہ سردی اور گرمی کا کھیل جاری رہے گا۔ وہ تمھیں سرد خانوں کے عذاب میں مبتلا رکھیں گے، میں انھیں جہنم کی آگ میں جلاتا رہوں گا۔

دس منٹ کے بعد میں نے ریسیور کو اٹھایا۔ نمبر ڈائل کیے۔ پھر دوسری طرف سے ایل مونا کی آواز سنتے ہی کہا "ڈاکٹر ڈوگلس کی کار میں آگ لگ گئی ہے۔"

"کیسے؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"وہ کار کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس وڈیو کیسٹ رکھا تھا۔ اور اس کے کوٹ کی جیب میں ہیرا پڑا ہوا تھا۔ اچانک کار کے اندر آگ لگ گئی۔ ایسی آگ بھڑکی کہ وہ باہر نہ نکل سکا۔ اندر ہی جل کر مر گیا۔"

"تمھیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"

"تم نے ایک کام میرے حوالے کیا تھا، وہ ہو گیا اور کیسے ہوا، یہ سوال کرنے کا حق تمھیں نہیں ہے۔ تمھیں ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات مل گئی ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"الاسکا میڈیکل سینٹر میں فون کرو۔ اور تصدیق کر لو کیونکہ وہ میڈیکل سینٹر کا ایک معزز ڈاکٹر سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا میں تعزیت کے لیے وہاں جا رہا ہوں۔ چاہو تو تم وہاں آ سکتی ہو۔"

میں نے ریسیور کو رکھا۔ ڈرائیور سے کار نکالنے کو کہا۔ پھر لباس تبدیل کرنے کے بعد کار کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ جب اسپتال پہنچا تو وہاں بڑے بڑے ڈاکٹروں، طب سے تعلق رکھنے والے معزز لوگوں اور پروفیسروں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ پتا چلا جب کار دھماکے سے اڑی تو ڈاکٹر ڈوگلس کے بھی چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ اس حادثے پر طرح طرح کی

...اس آرائیاں ہو رہی تھیں۔ پولیس والے بھی پریشان تھے ...کار کے اندر آگ کیسے لگ گئی۔ بہرحال میں اس رات ...کے لیے پابند ہو گیا تھا۔ وہاں سے جانا مناسب نہیں ...تھا کیوں کہ وہ اچھے ڈاکٹروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی آخری ...رسومات کے وقت موجود رہنا لازمی تھا۔

ایل مونا بھی پہنچ گئی۔ مجھے دیکھتے ہی تیزی سے قریب آئی، ...اس نے کہا "پہلے معلومات حاصل کرتی پھرو۔ پھر مجھ سے ...نہیں کرنا۔"

"میں احاطے میں داخل ہوتے ہی معلوم کر چکی ہوں۔ تعجب ...ہے، یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟"

میں نے اس کے قریب پہنچ کر کان میں سرگوشی کرتے ...ہوئے پوچھا "کیا میں سب لوگوں کے سامنے بتا دوں کہ یہ ...کیسے ہوا؟"

وہ فوراً پیچھے ہٹ کر بولی "نن نہیں، میرا یہ مطلب ...نہیں ہے۔"

"اب میرا ایک کام کرو۔"

وہ پریشان ہو کر پھر میرے قریب آ گئی۔ سرگوشی میں ...بولی "وہ کیسٹ کہاں ہے؟"

"اسی کار کے اندر جلا پڑا ہے۔ پولیس والے موجود ہیں۔ اُدھر ہمارا جانا مناسب نہیں ہے۔ میں جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"ابھی کوئنز لو فلائنگ کلب کے ڈائریکٹر شوبلے ایوان کو فون کرو اور اس حادثے کی اطلاع دو۔ ڈاکٹر ڈوگلس بھی اس کی طرح پُراسرار شخص کا ایجنٹ تھا۔ اس کی موت پر شوبلے ایوان ضرور یہاں آئے گا۔"

ہم وہاں سے چلتے ہوئے ڈاکٹر ڈوگلس کے چیمبر میں آئے۔ وہاں بھی ڈاکٹروں اور لیڈی ڈاکٹروں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ سب طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ مجھے ڈاکٹر میکاکس سمجھ کر ان میں سے کتنوں نے ہی اس حادثے کے متعلق میری رائے پوچھی۔ میں نے کہا "میں بعد میں بتاؤں گا۔ یہ مس ایل مونا ہیں۔ ڈاکٹر ڈوگلس کی مہمان تھیں۔ کسی کو فون کرنا چاہتی ہیں۔"

سب نے مونا کو راستہ دیا۔ وہ ٹیلیفون کے پاس آئی۔ ریسیور اٹھا کر کوئنز لو فلائنگ کلب کے نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد ہی شوبلے ایوان سے رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے ڈاکٹر

ڈوگلس کے سلسلے میں اطلاع دی تو وہ حیران اور پریشان ہو کر پوچھنے لگا۔ "یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ مجھے تو کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔"

"میں فون پر کیا بتا سکتی ہوں۔ اگر تم آسکتے ہو تو فوراً چلے آؤ۔"

"میں آرہا ہوں۔ ڈیڑھ گھنٹے کے اندر ضرور پہنچ جاؤں گا۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ گفتگو ختم ہوگئی لیکن اب میری دماغی گفتگو شروع ہوگئی تھی۔ میں نے مونا سے معذرت چاہتے ہوئے باتھ روم کا رُخ کیا۔ پھر ایک ٹوائلٹ میں جاکر دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔ بظاہر میں ٹوائلٹ کے اندر تھا مگر شورلے ایوان کے دماغ میں تھا۔

مونا کی رپورٹ سننے کے بعد وہ سوچ رہا تھا۔ "آخر یہ حادثہ کیسے پیش آیا؟ ڈاکٹر ڈوگلس ایسا نادان یا اناڑی ڈرائیور تو نہیں تھا کہ اپنی کسی غلطی سے کار میں آگ لگا لے یا آگ لگ جائے۔ پھر اس کے اندر بیٹھا رہے اور جل کر مرجائے۔ یقیناً کار کو باہر سے اس طرح لاک کیا گیا ہوگا کہ وہ نکل نہیں سکا۔ یا پھر اسے نکلنے کا موقع نہیں دیا گیا۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "اور یہ المناک حادثہ ایسے وقت پیش آیا ہے جب ایل مونا یورپ سے یہاں پہنچی ہے۔"

اس سوچ کے تسلسل سے وہ اپنے طور پر سوچنے لگا۔ "ہاں، ایل مونا کو گریس کیلی کے روپ میں یہاں پہنچنے کے لیے کہا گیا تھا۔ ہمارا باس معلوم کرنا چاہتا تھا کہ دشمن کتنے باخبر، کتنے تیز طرار ہیں۔ ایل مونا کو گریس کیلی کے روپ میں پہچانتے ہیں یا نہیں۔ پھر یہ کہ اس کا تعاقب کہاں تک کر سکتے ہیں اور وہ کیا چاہتے ہیں۔"

شورلے اپنے طور پر سوچ رہا تھا اور میں سن رہا تھا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔ "یہ ڈاکٹر ڈوگلس کو جو حادثہ پیش آیا ہے اس میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہے جو ایل مونا کا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہیں۔"

وہ سوچتا ہوا ایک خفیہ کمرے میں آیا تھا اور وہاں ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے پُراسرار باس سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ براہِ راست پُراسرار باس سے رابطہ قائم نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود میں پوری طرح متوجہ تھا۔ اس وقت باتھ روم کے دروازے پر ہولے سے دستک ہوئی۔ کوئی آنا چاہتا تھا مگر میں نے پروا نہیں کی۔

ادھر رابطہ قائم ہوگیا تھا۔ آواز آرہی تھی۔ "دی ریکارڈر از آن۔ پلیز ڈکٹیٹ یور میسیج (ریکارڈر آن ہے۔ آپ اپنا پیغام ریکارڈ کرادیں)۔"

میں یہ سن کر مایوس نہیں ہوا۔ پہلے ہی معلوم تھا کہ یہی کچھ ہوگا۔ شورلے ایوان ڈاکٹر ڈوگلس کی موت کا ذکر کر رہا تھا اور دشمنوں پر شبہ ظاہر کر رہا تھا۔

اس کی باتوں کے دوران میں اس کے دماغ کی گہرائیوں میں اُتر گیا تھا۔ پتا چلا جب سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کو اس کے پاس پہنچایا گیا تھا تو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ سونیا اور اعلیٰ بی بی کو ایجنٹ تھری نائن کے حوالے کیا جائے اور رسونتی کو رومانٹک بے بی کے پاس پہنچا دیا جائے۔

میں نے اس کی سوچ میں سوال کیا۔ "رومانٹک بے بی؟"

اس کی سوچ نے کہا۔ "ہاں ہم سب ادھیڑ عمر لیڈی ڈاکٹر کو رومانٹک بے بی کہتے ہیں۔ اس کا نام کچھ اور ہے لیکن اپنی عرفیت سے اس قدر مشہور ہوگئی ہے کہ اصل نام تقریباً سبھی بھولتے جارہے ہیں۔"

جو معلومات فراہم ہورہی تھیں ان کے مطابق رومانٹک بے بی کی عمر پینتیس برس سے چالیس برس کے درمیان تھی لیکن بے بی کہلاتی تھی۔ کیوں کہ اب تک اس نے شادی نہیں کی تھی۔ جب وہ جوان ہوئی تو اسے کوئی پسند نہیں آتا تھا۔ ان دنوں ایلوس پریسلے کا بڑا چرچا تھا۔ اس دور کی جوان لڑکیاں اس کے راک اینڈ رول انداز پر مرمٹتی تھیں۔ رومانٹک بے بی نے قسم کھائی تھی کہ شادی کرے گی تو ایلوس پریسلے سے ورنہ زندگی بھر کنواری رہے گی۔

ایلوس پریسلے نے شاید اسے گھاس نہیں ڈالی یا اس سے ملاقات ہی نہیں ہوئی لیکن اس کے عشق کی پٹڑی بدل گئی۔ جب وہ بائیس برس کی ہوئی تو ان دنوں محمد علی کلے کا شہرہ تھا۔ اس نے پھر قسم کھائی کہ شادی کرے گی تو باکسر محمد علی کلے سے ورنہ ساری عمر کنواری رہے گی۔ وہ اپنی قسم پر اٹھائیس برس کی عمر تک قائم رہی۔ ایک رات وہ ٹی وی اسکرین پر محمد علی کلے کو باکسنگ لڑتے دیکھ رہی تھی۔ کلے نے اپنے مدمقابل کی ناک پر ایسا گھونسا جمایا تھا کہ ناک ٹوٹ گئی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔ یہ منظر دیکھتے ہی رومانٹک بے بی نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا اور کہا۔ "ایسا مرد خطرناک ہوتا ہے کسی دن میرے چہرے پر بھی ناک باقی نہیں رہے گی۔"

اس نے تیس برس کی عمر میں میرا نام سنا۔ میری شہرت

دیکھتے ہوئے قسم کھائی کہ شادی کرے گی تو فرہاد علی تیمور سے ورنہ زندگی بھر کنواری رہے گی۔ اب اس کی زندگی میں رہ گیا تھا۔ تیس برس تو اس نے قسمیں کھاتے کھاتے گزار دیے۔ پانچ برس تک میرا انتظار کرتی رہی۔ پینتیس برس کی عمر میں مایوس ہونے لگی۔

اچانک اس کے عشق کی پٹڑی پھر بدلنے لگی۔ اب ہر طرف مائیکل جیکسن کی شہرت ہے۔ جس ملک میں جس شہر میں جاؤ وہاں مائیکل جیکسن کے چاہنے والے اور والیاں ملتی ہیں۔ تب اس نے قسم کھائی کہ شادی کرے گی تو مائیکل جیکسن سے ورنہ مائیکل جیکسن کو بھی شادی نہیں کرنے دے گی۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میری طرف سے رُخ پھیر لیا تھا لیکن بعد میں پتا چلا کہ جب رسونتی کو اس کے حوالے کیا گیا تھا تو اس کے عشق کی پٹڑی بھی بدل گئی تھی۔ وہ واپس لوٹ کر میری طرف چلی آئی تھی۔ اسے امید ہو چلی تھی کہ میں کبھی نہ کسی دن رسونتی کو حاصل کرنے کے لیے وہاں آؤں گا۔ ان دو میں سے کوئی ایک بات ہوگی۔ یا تو میں اس سے شادی کروں گا یا وہ مجھے کو مائیں پہنچا دے گی۔

شورلے ایوان کے دماغ سے معلومات حاصل کرنے کے دوران رومانٹک بے بی کی زندگی کا جو پہلو سامنے آیا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا، وہ ایک خبطی لیڈی ڈاکٹر ہے۔ شاید کریک ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ بہت ہی تیز طرار اور مکار تھی۔ اپنے پیشے میں مہارت رکھتی تھی۔ پیشے سے ہٹ کر ایک خوبصورت بوڑھی چڑیل تھی۔ جو اس کے دام میں آتا تھا نکل نہیں پاتا تھا۔ شورلے ایوان کے دماغ نے کہا۔ "اس پُراسرار باس بہت دور تک سوچتا ہے۔ اس نے رسونتی کو اسی لیے رومانٹک بے بی کے حوالے کیا تھا کہ فرہاد علی تیمور اتفاق سے ادھر پہنچے تو بوڑھی بے بی کے دام سے نکلنے نہ پائے۔ جب ایسے پُراسرار باس کو اتنا اعتماد تھا تو یقیناً اس بوڑھی بے بی میں کوئی بات ضرور ہوگی۔

باتھ روم کے دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ میں دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ وہاں ایک نوجوان ڈاکٹر کھڑا ہوا تھا۔ جھینپ کر بولا۔ "سوری ڈاکٹر، مجھے نہیں معلوم تھا تم یہاں ہو۔"

میں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں، تم اندر جا سکتے ہو۔"

میں ایل مونا کے پاس آگیا۔ اس نے کہا۔ "یہاں تو قانونی کارروائی میں بڑی دیر لگے گی۔ میں تو بور ہو رہی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "ہم ابھی باہر چلتے ہیں۔"

میں اپنے چیمبر میں آیا۔ وہاں میں نے چھٹی کی درخواست لکھی جس میں یہ لکھا کہ ابھی سفر سے واپس آیا ہوں۔ اپنے عزیز دوست ڈاکٹر ڈوگلس کی اچانک حادثاتی موت نے میرے اعصاب پر اچھا اثر نہیں ڈالا ہے۔ میں ڈیوٹی اٹینڈ کرنے کے قابل نہیں ہوں لہٰذا ایک ہفتے کی چھٹی چاہتا ہوں۔ براہِ مہربانی اسے منظور کرلیا جائے۔ شکریہ۔

میں نے اپنے اسسٹنٹ ڈاکٹر کو بلایا اور درخواست اس کے حوالے کی۔ پھر مونا کے ساتھ باہر آگیا۔ اپنی کار کی اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی۔ وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ہم وہاں سے چل پڑے۔ میں تنا نا شہر کے راستوں کو نہیں جانتا تھا کون سا راستہ کدھر کو جاتا ہے۔ مجھے معلوم کرنے کی جب بھی ضرورت ہوتی میں چپکے سے ایل مونا کے دماغ کو پڑھ لیتا تھا، اس راستے کو سمجھ لیتا تھا۔ پھر اسی کے مطابق ڈرائیونگ کرتا جاتا تھا۔

اس طرح میں یہ تو ثابت کر رہا تھا کہ میں ڈاکٹر میکاکس ہوں، یہاں کے راستوں کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن دماغ پر زور پڑ رہا تھا۔ وقت ضائع ہو رہا تھا۔ میں کام کی باتوں کے لیے خیال خوانی نہیں کرسکتا تھا۔ لہٰذا تھوڑی دیر ادھر اُدھر چکر لگانے کے بعد اپنے بنگلے پر اسے لے آیا۔

اس نے کار سے اترتے ہوئے پوچھا۔ "تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"انجان نہ بنو اور اندر چلو۔ ہم اپنے معاملات طے کریں گے۔"

وہ وہیں کھڑی رہی۔ پھر پوچھا۔ "کیسے معاملات؟"

"تم کتنی معصوم بنتی ہو۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے وعدہ کیا تھا، اگر میں تمہیں ڈاکٹر ڈوگلس سے نجات دلادوں تو میرے کام آؤ گی؟"

"میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ میں کسی کی پابند ہو کر کام کرنا پسند نہیں کرتی۔"

میں نے طنزیہ انداز میں اسے مسکرا کر دیکھا پھر کہا۔ "تم نادان بچی ہو، یہ مت بھولو کہ ڈاکٹر میکاکس اگر اس جلنے والے کے ساتھ وڈیو کیسٹ کو جلا سکتا ہے تو اس وڈیو کیسٹ کو جلائے بغیر واپس بھی لا سکتا ہے۔ کیا تم کہہ سکتی ہو کہ جو کیسٹ کار کے اندر جلایا گیا ہے وہ تم سے ہی تعلق رکھتا تھا؟"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "میں اندر جا رہا ہوں۔ اگر چاہتی ہو کہ وہ کیسٹ تمہارے پُراسرار باس تک نہ پہنچے تو سیدھی طرح چلی آنا۔"

میں اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سر جھکا کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں میں نظر نہیں آیا۔ اس نے آواز دی۔ میں نے جواب دیا۔ وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے بیڈ روم میں آگئی۔ دروازے پر رک کر بولی۔ "میں کسی کی خوابگاہ میں نہیں جاتی۔"

"میں تمھاری جیسی لڑکیوں کو اپنی خوابگاہ میں نہیں بلاتا لیکن تم نے مجھ سے دو بار دھوکا کیا۔"

میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "پہلی بار تم نے ہیرا ڈال کر پھانسنے کی کوشش کی اور ناکام رہیں۔ دوسری بار میں نے تمھیں مصیبت سے نجات دلائی اور تم احسان فراموشی پر اتر آئیں۔"

میں نے قریب پہنچ کر اچانک اس کے بازو کو گرفت میں لیا۔ پھر کمرے کے اندر کھینچ کر دروازے کو بند کر دیا۔ وہ چیخ کر بولی۔ "آئی ہیٹ یو۔ میں تمھیں مار ڈالوں گی۔"

میں نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا۔ وہ ایک دم سے سکتے میں رہ گئی اور میرا منہ تکنے لگی۔ میں نے کہا۔ "دیکھو دروازہ اندر سے بند ہے۔ تم چیخنا چاہو گی تو میں تمھارا گلا دبا دوں گا۔ تم میری مٹھی میں ہو لیکن میں ڈاکٹر ڈوگلس نہیں ہوں۔ ایسے لوگوں میں سے نہیں ہوں جو حسن کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

وہ مجھے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔ میں نے اس سے دور ہو کر بستر پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم کیا جانو میری زندگی میں جو بھی آئی وہ شیرنی بن کر آئی۔ میں بھیگی بلیوں کو منہ نہیں لگاتا۔ دروازہ تمھارے سامنے ہے۔ تم کھول کر جا سکتی ہو۔"

وہ چند لمحوں تک ہچکچاتی رہی۔ سوچتی رہی کہ شاید وہ آگے بڑھے گی تو میں لپک کر اسے پکڑ لوں گا لیکن میں بستر پہ آرام سے لیٹ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف گئی۔ پھر اسے کھول کر جانے لگی۔ میں نے کہا۔ "جانے سے پہلے ایک بات سن لو۔ اب کبھی تم پر برا وقت آیا تو میں تمھارا ساتھ نہیں دوں گا۔ میرا ساتھ چاہتی ہو تو اپنے آنسو پونچھ کر میرے پاس چلی آنا۔ اس اعتماد کے ساتھ کہ میں انسان ہوں اور تمھارے ساتھ انسان بن کر رہوں گا۔ یہ سوچ سمجھ کر آنا کہ تم ایک عورت ہو......اور عورت کبھی تو مرد کو حد سے گزرنے نہیں دیتی اور جب گزرنے دیتی ہے تو اسے جنت سے بھی نکال دیتی ہے۔"

وہ چلی گئی مگر بنگلے سے باہر نہیں گئی۔ ڈرائنگ روم میں جا کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ اپنے حالات کا تجزیہ کرنے لگی۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔ "حالات کا تقاضا ہے، میں ڈاکٹر میکا کس کے ساتھ رہوں۔ یہ بہت ہی ہوشیار اور تیز طرار ہے۔ اس نے اتنی چالاکی اور مہارت سے اس ہیرے کو واپس میری جیب میں ڈالا تھا کہ مجھے خبر نہ ہوئی۔ پھر سب سے حیرانی کی بات یہ کہ اس نے صرف پندرہ بیس منٹ کے اندر ڈاکٹر ڈوگلس کو ٹھکانے لگا دیا۔ کیا واقعی میرا کیسٹ ابھی جلایا نہیں گیا ہے، ڈاکٹر میکا کے پاس محفوظ ہے۔"

میں اپنے بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے کہا۔ "تم ابھی تک یہیں ہو۔ اچھی بات ہے۔ میں یہ بتا دوں کہ تمھارا وہ کیسٹ واقعی جلایا جا چکا ہے۔ اب تمھارے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ کسی دباؤ میں آکر میری دوستی قبول کرو۔ تم ہر طرح سے آزاد ہو۔"

میں واپس اپنے بیڈ روم میں آگیا۔ میرے یہاں آنے کے بعد اس نے اطمینان کی سانس لی تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ کیسٹ جلا دیا گیا ہے۔ اب اسے کوئی بلیک میل نہیں کر سکتا۔ کوئی اس کے خلاف ثبوت فراہم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کا پُراسرار باس اب اسے کسی طرح سزا دے سکے گا۔

وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔ میں تھوڑی دیر تک چپ چاپ پڑا رہا، سوچتا رہا کسی حد تک رسوتی کا سراغ مل گیا تھا۔ میں سینٹ لارنس کے جزیرے میں جا سکتا تھا۔ اگر وہ ایجنٹ تھری نائن مل جاتا تو اس کے ذریعے سونیا اور اعلیٰ بی بی کا سراغ بھی مل سکتا تھا۔

مجبوری یہ تھی کہ میں فوراً ہی یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈاکٹر ڈوگلس کی آخری رسومات ادا ہونے تک میرا ٹھہرنا ضروری تھا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ منزل کے قریب پہنچ کر عارضی رکاوٹیں سامنے آتی ہیں تو برداشت نہیں ہوتا مگر حالات سے مجبور ہو کر برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

میں وقت گزارنے کے لیے پومی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ میڈرڈ پہنچ گئی تھی۔ اس کے چہرے کا میک اپ ایسا کیا گیا تھا جیسے وہ شیبا ہو اور شیبا نے اپنے آپ کو چھپانے کے لیے کوئی عارضی سا میک اپ کیا ہو۔ اسرائیلی جاسوس اسے دیکھ کر شیبا ہونے کا شبہ کر سکتے تھے۔

میں اسے چھوڑ کر شیبا کی ماما کے پاس پہنچ گیا۔ وہ شیبا کے نانا کے ساتھ ایک بہت ہی مہنگے ہوٹل میں تھی۔ اس کا نانا بہت بڑا کاروباری تھا۔ اس منافع خور تاجر کے متعلق لوگ کہتے تھے، جب یہ اپنے گھر سے دوسرے گھر تک جاتا ہے تو یقیناً کوئی منافع دیکھ کر ہی جاتا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اسے بل فائٹنگ دیکھنے کا بڑا شوق ہے لیکن یہ شوق... پورا کرنے کے دوران بھی وہ تجارتی سامان لایا کرتا تھا اور اچھے داموں فروخت کر کے جو اخراجات ہوتے تھے، ان سے کئی گنا منافع کما کے جاتا تھا۔

ربی اسفندیار نے اس کی ماما کو میڈرڈ بھیج کر اسے حاصل کرنے اور انجانے دشمنوں سے نمٹنے کے لیے کون سا طریقۂ کار اختیار کیا ہے؟ یہ آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے۔ ادھر شیبا نے ربی سے کہا تھا کہ وہ میڈرڈ پہنچنے کے بعد دماغی رابطہ قائم کرتی رہے گی اور اسے بتاتی رہے گی کہ وہ کس ہوٹل میں قیام کر رہی ہے اور کس میک اپ میں ہے۔

اس منصوبے کے مطابق شیبا نے بتایا تھا۔ "محترم ربی، میں میڈرڈ پہنچ گئی ہوں۔ اس وقت پلازہ مونومینٹل کے قریب ویٹاس ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں لیکن ابھی یہاں سے میرا نکلنا مناسب نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے آدمیوں کو میرے قریب آنا چاہیے۔ میرے اطراف اتنا سخت پہرہ ہے کہ کوئی بھی قریب آئے گا تو اسے بے دریغ گولی مار دی جائے گی یا اسے ہلاک کرنے کے ایسے ہتھکنڈے اختیار کیے جائیں گے جس سے قاتل کا پتا نہ چلے۔"

ربی نے پوچھا۔ "آخر تمھیں کس مقصد کے لیے میڈرڈ جانے کی اجازت دی گئی ہے۔"

شیبا نے کہا۔ "یہاں ترسو ویگا نامی ایک بل فائٹر ہے۔ نہ جانے اس پُراسرار شخص کو اس کی ضرورت کیوں پڑ گئی ہے۔ وہ چاہتا ہے میں ترسو ویگا کی آواز سنوں۔ اس کے لب و لہجے کو یاد رکھوں اور اسے ٹریپ کر کے پُراسرار شخص کے آدمیوں کے حوالے کر دوں۔"

ایسے وقت شیبا دوہری کیفیت سے دوچار تھی۔ ایک طرف تو وہ ربی اسفندیار کی نہایت عقیدت مند تھی۔ انھیں دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی۔ ان سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتی تھی۔ دوسری طرف اپنی ماما کو حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی تھی۔ اور جو چالیں شیخ الفارس سمجھا رہے تھے وہی چالیں چلتی جا رہی تھی۔ اور اپنے دل کو تسلی دے رہی تھی کہ ماما کو اپنے پاس بلانے کے بعد پھر کبھی اپنے ربی سے جھوٹ نہیں بولے گی۔ کبھی ان کے خلاف کوئی چال نہیں چلے گی۔

اس دن میڈرڈ میں سانڈ آسڈرد کا تہوار منایا جا رہا تھا۔ اس تہوار کے موقع پر اسٹیڈیم کے اطراف ایسا مجمع لگا رہتا تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ روزانہ دوپہر کو بل فائٹنگ کا شو ہوتا تھا۔ اس اسٹیڈیم میں تیئیس ہزار تماشائیوں کی گنجائش تھی۔ اس کے باوجود اسٹیڈیم کے باہر ہزاروں سے بھی زیادہ افراد ٹکٹ حاصل کرنے کی ناکام کوششیں کرتے رہتے تھے اور دوسرے شو کا انتظار کرتے تھے۔

ترسو ویگا بہت ہی نامور بل فائٹر تھا۔ اس کے شو میں تو لوگ جیسے پاگلوں کی طرح اسٹیڈیم پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ شیبا کی ماما اور نانا کے لیے سیٹیں پہلے سے ریزرو تھیں۔ ربی وغیرہ یہ سوچ سکتے تھے کہ اتنے جم غفیر میں اس کی ماما کو اغوا کیا جا سکتا ہے۔ اسی خیال کے تحت ان لوگوں نے سخت نگرانی کے انتظامات کر رکھے ہوں گے۔

شیبا نے ربی سے کہا۔ "اب میں اسٹیڈیم جانے والی ہوں۔ آپ ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے ان آدمیوں کی آوازیں سنائیں جو ماما کی نگرانی کر رہے ہیں تاکہ میں خیال خوانی کے ذریعے ان کا ساتھ دے سکوں۔"

چند منٹ کے بعد ہی ٹیپ ریکارڈر سے مختلف آوازیں سنائی دیں۔ وہ باری باری بول رہے تھے اور اپنی آواز، اپنا لب و لہجہ سنا رہے تھے۔ میں بھی شیبا کے ذریعے وہ ساری باتیں اور آوازیں سن رہا تھا۔ پھر وہ بولی۔ "میں نے تمام آوازیں سن لی ہیں اور انھیں یاد کر لیا ہے۔ آپ ریکارڈر بند کر دیں۔ میں جا رہی ہوں۔ اب اسٹیڈیم میں ہی اپنے لوگوں سے ملاقات کروں گی۔"

میں نے شیبا سے کہا۔ "تم اس قدر مصروف تھیں کہ میں تمھارے پاس آکر اجازت نہ لے سکا۔ ویسے میں نے بھی وہ آوازیں اور لب و لہجے سن لیے ہیں اور انھیں ذہن نشین کر لیا ہے۔ اس اسٹیڈیم میں تم تنہا خیال خوانی نہیں کرو گی میں بھی تمھارے ساتھ رہوں گا۔"

ہم ان تمام لوگوں کے دماغوں میں باری باری پہنچنے لگے جن کی آوازیں ابھی سن چکے تھے۔ ان میں سے ایک کے دماغ نے بتایا کہ وہ بل فائٹر ترسو ویگا سے مل چکا ہے اور اسے خطرے سے آگاہ کر چکا ہے۔ یعنی اسے بتایا گیا ہے کہ کچھ انجانے دشمن اسے اغوا کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے انھوں نے ایک حسین لڑکی کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اگر وہ اغوا کرنے میں ناکام رہے گی تو وہ انجانے دشمن ترسو ویگا کو گولی مار دیں گے۔

یہ ایسی خوفزدہ کرنے والی خبر تھی کہ ترسو ویگا جو بل فائٹنگ

کے لیے رنگ کے اندر جا رہا تھا، اعصابی طور پر کمزور ہو گیا تھا۔ پریشان ہو کر اسٹیڈیم میں چاروں طرف دیکھتا تھا کہ دشمن کہاں ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ بہت سے بُل فائٹر اس کی شہرت سے جلتے ہیں اور کرائے کے قاتلوں کے ذریعے اسے قتل بھی کرا سکتے ہیں۔

شیخ الفارس نے پومی پر شیبا کا میک اپ کرتے ہوئے اسے بتا دیا تھا کہ شیبا ضرورت کے وقت خیال خوانی کے ذریعے رابطہ قائم کرے گی۔ شیبا نے میری ہدایت کے مطابق پومی سے کہا "ترسو ویگا بہت گھبرایا ہوا ہے۔ شاید وہ سانڈ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بے چارہ خواہ مخواہ مارا جائے گا۔ تم اس پر نظر رکھو۔ جب بھی ضرورت سمجھو اس کی مدد کے لیے رنگ کے اندر پہنچ جاؤ۔ یوں بھی تمھارا وہاں پہنچنا ضروری ہے تاکہ دشمنوں کو معلوم ہو سکے کہ شیبا ترسو ویگا کو اغوا کرنے کے لیے سانڈ کی پروا کیے بغیر رنگ کے اندر پہنچی ہوئی ہے۔"

وہ بزدل نہیں تھا۔ اگر بزدل ہوتا تو بُل فائٹنگ کا پیشہ اختیار نہ کرتا۔ بُل فائیٹ کو اسپینی زبان میں فیسٹا بدلوا کہتے ہیں اور بُل فائٹر کو میٹا ڈور کہا جاتا ہے۔ بُل فائیٹ مردانہ جوہر اور مرد کا دلیرانہ حسنِ عمل دکھانے والا خطرناک کھیل ہے۔ کھیل میں ایک خونخوار غضبناک سانڈ کے مقابل ایک مرد ہوتا ہے گویا موت کے مقابل انسان کی حاضر دماغی ہوتی ہے۔ بُل فائٹر سانڈ کو مختلف انداز میں غصہ دلاتا ہے۔ اسے حملہ کرنے پر مجبور کرتا ہے اسے جُل دیتا ہے۔ پھر اس کے حملوں سے بال بال بچنے کے کرتب پیش کرتا ہے۔ سانڈ کو خوب تھکاتا ہے۔ آخر میں تلوار سونت کر اسے مار ڈالتا ہے۔

جب یہ خطرناک کھیل شروع ہوا تو وہ رنگ کے اندر اپنے ہاتھوں میں کیپ نامی چادر کو پکڑے آیا اور لوگوں سے داد وصول کرنے لگا۔ کیپ ایسی چادر کو کہتے ہیں جس کے ایک طرف سرخ رنگ ہوتا ہے اور دوسری طرف زرد۔ بپھرا ہوا سانڈ سرخ رنگ کو دیکھ کر بدکتا ہے اور اس پر حملہ کرنے کے لیے دوڑتا ہوا آتا ہے پھر سب نے دیکھا کہ ایک بپھرا ہوا سانڈ رنگ کے اندر پہنچ گیا تھا۔ اپنے اگلے پاؤں کو زمین پر مار رہا تھا اور سرخ رنگ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوڑتا ہوا آیا۔ ایسا لگا جیسے اب تب وہ اپنے سینگوں پر ترسو ویگا کو اچھال کر پھینک دے گا۔

اور شاید ایسا ہی ہوتا کیوں کہ ترسو ویگا کا دھیان بٹا ہوا تھا۔ وہ تو اس کا سابقہ تجربہ تھا جس کے ذریعے وہ بال بال بچ گیا۔ جب پومی نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اچانک ہی اسٹیڈیم کی سیٹ سے اٹھ کر دوڑتی ہوئی آئی۔ پھر بُل رنگ کی دیوار پر پہنچ کر وہاں سے چھلانگ لگاتی ہوئی رنگ کے اندر پہنچ گئی۔ وہاں پہنچنے تک وہ سرخ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ پھر میدان میں آتے ہی اس نے چادر کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ گویا کہ وہ بھی بُل فائٹنگ کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

دوسری طرف ترسو ویگا نے جب ایک لڑکی کو دیکھا تو اور زیادہ سہم گیا۔ یہ اطلاع درست ثابت ہو رہی تھی کہ کوئی لڑکی اسے اغوا کرنا چاہتی ہے اور وہ ایسی دلیر ہے کہ اتنے مجمع میں اس کے سامنے رنگ کے اندر آ گئی ہے بلکہ سانڈ کی پروا بھی نہیں کر رہی ہے۔ اس سے مقابلہ کرنے کے لیے لال چادر تان لی ہے۔

بُل فائٹر کو اس سے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ کیوں کہ بپھرا ہوا سانڈ اس بار پومی کی طرف آیا تھا۔ پومی نے کبھی بل فائٹنگ نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی کبھی چادر کے ذریعے فائٹنگ کی ٹیکنیک سمجھتی تھی۔ جیسے ہی سانڈ اس کے قریب آیا، اس نے چادر چھوڑ دی۔ پھر فضا میں چھلانگ لگائی اور قلا بازی کھاتی ہوئی سانڈ کے دوسری طرف پہنچ گئی۔ سانڈ اپنی تیزی میں دوڑتا ہوا آیا پھر رنگ کی دیوار سے جا کر ٹکرا گیا۔

چاروں طرف سے تالیوں کا شور سنائی دینے لگا۔ لوگ پومی کو داد دے رہے تھے۔ اپنی جگہ سے اچھل اچھل کر کوئی رومال پھینک رہا تھا کوئی ہیٹ اچھال رہا تھا۔ ترسو ویگا نے چیخ چیخ کر دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا "خاموش ہو جاؤ۔ تالیاں بند کرو۔ میں تمھارا بُل فائٹر ہوں۔ تمھارا ہیرو ہوں، میری جان خطرے میں ہے۔ یہ لڑکی میری جان کی دشمن ہے۔"

اس کی آواز اتنے ہجوم کے شور میں دب گئی تھی۔ اس کے بعد وہ کچھ کہہ نہ سکا کیوں کہ چوٹ کھایا ہوا سانڈ اب اس کی طرف پلٹ کر دوڑ رہا تھا۔ اب تب میں اس پر حملہ کرنے ہی والا تھا لیکن اچانک ہی لوگوں نے ایک حیرت انگیز تماشا دیکھا۔ پومی دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ پھر اس نے تیزی سے فضا میں قلا بازی کھائی تھی۔ اب وہ سانڈ کی پیٹھ پر سوار ہو گئی تھی۔ اس کے دونوں سینگوں کو تھام لیا تھا اور اس کے سر کو ایک طرف گھما دیا تھا۔ وہ جو اپنے سینگوں پر ترسو ویگا کو اچھالنے آ رہا تھا اس کا رُخ دوسری طرف ہو گیا۔

میں ربی کے ایک خاص ماتحت کے دماغ کے ذریعے پومی کے کمالات دیکھ رہا تھا۔ مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ میں نے اسے بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا کر کندن بنا دیا ہے۔ واقعی وہ بجلی بن گئی تھی۔ پلک جھپکنے میں کچھ وقت لگتا ہے لیکن اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں جیسے وقت لگتا ہی نہیں تھا۔ ادھر آنکھ جھپکی اُدھر دوسری طرف پہنچ گئی۔ دیکھنے والوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کب اور کس طرح پہنچی۔ لوگ واہ واہ کرتے رہ جاتے تھے۔

لیکن دشمن پھر دشمن ہوتے ہیں۔ وہ کبھی واہ واہ نہیں کرتے، چپ چاپ موت کا فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ میں جس کے دماغ میں تھا، اس کے آس پاس اسی کے آدمی بیٹھے ہوئے تھے یعنی جب اس نے چپ چاپ ریوالور کو نکالا اور اس میں سائلنسر کو لگایا تو کوئی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اگر ریوالور سے کھٹاکے کی آواز سنائی دیتی تو آگے پیچھے آواز سننے والے اس کے ہی آدمی تھے۔ وہاں ربی اسفندیار کے آدمیوں کی دو ٹیمیں تھیں۔ ایک ٹیم کے لیڈر کے دماغ میں، میں تھا۔ اور دوسری ٹیم کے لیڈر کے دماغ میں شیبا موجود تھی۔

میں نے شیبا کے پاس پہنچ کر کہا "میرے شکار نے ریوالور نکال لیا ہے اور پومی کو نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ ابھی میں اس کے ریوالور سے سائلنسر نکلوا لوں گا۔"

شیبا نے کہا "ادھر یہ شخص بھی یہی حرکت کر رہا ہے۔ کہو تو میں بھی اس کے ریوالور سے سائلنسر نکلوا لوں۔"

"ہاں، انھیں کھل کر ہنگامہ کرنے دو تاکہ پولیس والے ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔"

پھر ایسا ہی ہوا۔ چند لمحوں کے بعد ہی ٹھائیں ٹھائیں کی آواز اسٹیڈیم کے دو طرف سے گونجنے لگی۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ عورتیں چیخ رہی تھیں، بچے رو رہے تھے۔ اور لوگ اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے تھے۔

میں نے اور شیبا نے ایک ساتھ ماما کے دماغ میں جگہ بنائی۔ ان کے ذریعے ان کے آس پاس والوں کی آوازیں سنتے جاتے تھے اور ان کے ذریعے ربی کے ان آدمیوں سے لپٹ پڑتے تھے جو ماما کی نگرانی کر رہے تھے۔ اس طرح ہم انھیں ماما سے دور کرتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف شیخ الفارس کے آدمیوں نے ماما کو سنبھال لیا تھا اور انھیں اس بھیڑ میں اٹھا کر بھاگ رہے تھے۔ میں نے شیبا سے کہا "تم ماما کے پاس رہو۔ میں پومی کی خبر لیتا ہوں۔"

"نہیں فرہاد، تم ماما کے پاس رہو۔ کوئی گڑبڑ ہو گی تو حاضر دماغی سے کام لے کر میری ماما کی حفاظت کر سکو گے۔ میں تو گھبراہٹ میں احتیاطی تدابیر پر عمل کرنا بھول جاتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ تم پومی کے پاس جاؤ۔ وہ کسی خطرے سے دوچار ہو تو فوراً اطلاع دینا۔"

وہ چلی گئی۔ میں اس کی ماما کے پاس رہا۔ شیخ الفارس کے آدمی بڑے ہی تیز طرار اور معاملہ فہم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس بھیڑ میں دشمن ان کے تعاقب میں ہوں گے۔ ان حالات میں انھوں نے آتش بازی کا مظاہرہ کیا۔ جیب میں ایسے پٹاخے رکھ کر لائے تھے جنھیں اب استعمال کرتے جا رہے تھے۔ ان کے آس پاس اور دور دور تک پٹاخے چلنے لگے تھے۔

لوگوں نے پہلے فائرنگ کی آواز سنی تھی، اب پٹاخوں کی آواز کو بھی فائرنگ سمجھ کر بھاگے جا رہے تھے۔ اسٹیڈیم میں کوئی ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا لوگوں کے نکلنے کے چند راستے تھے اور وہاں سے بیک وقت بتیس ہزار افراد نہیں نکل سکتے تھے۔

شیخ الفارس کے آدمی ماما کو اٹھا کر بُل رنگ کی دیوار کے پاس لائے تھے پھر وہیں چھپتے ہوئے اس تاریک کوریڈور میں چلے گئے جہاں سے سانڈ کو گزار کر رنگ میں پہنچایا جاتا ہے۔ ان کا ایک آدمی مسلسل ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کر رہا تھا اور اطلاع مل رہی تھی کہ ہیلی کاپٹر پہنچ رہا ہے۔ واقعی اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسٹیڈیم کے چاروں طرف وہ ہیلی کاپٹر چکر لگا رہا تھا پھر وہ بُل رنگ کے درمیان اترنے لگا۔

بے چاری ماما پریشان تھی کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ہم انھیں یقین بھی نہیں دلا سکتے تھے کہ ان کے فائدے کے لیے اور انھیں ان کی بیٹی سے ملانے کے لیے ایسا کیا جا رہا ہے بہر حال ہمارے آدمی انھیں اٹھا کر دوڑتے ہوئے بُل رنگ کے اندر آئے۔ اس وقت تک ہیلی کاپٹر لینڈ کر چکا تھا۔ ماما کو اس میں سوار کیا گیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہیلی کاپٹر پرواز کرنے لگا۔ وہاں سے اطمینان ہوتے ہی میں نے پومی کے پاس پہنچ کر دیکھا وہ بھی تاریک کوریڈور سے گزرتی ہوئی وہاں سے ایک ڈریسنگ روم میں پہنچ گئی۔ اس کمرے میں بُل فائٹر لباس تبدیل کیا کرتے تھے۔ پومی چاہتی تھی، کسی کمرے میں چھپ کر اپنا میک اپ .....

تبدیل کر لے تاکہ دشمن اسے شیبا سمجھ کر پہچانہ کریں اور وہ چپ وہاں سے چلی جائے۔

جیسے ہی وہ ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی، دروازہ ایک دھڑکے سے بند ہو گیا۔ بند کرنے والا ایک قدآور پہلوان قسم کا شخص تھا۔ اس کے ساتھ وہی بگ فائٹر ترسو ویگا کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پومی کو دیکھتے ہی کہا: "یہی لڑکی ہے، تم نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ بُل رِنگ میں چلی آئی تھی۔ میری جگہ خود سانڈ سے لڑ رہی تھی۔ میں وہاں سے بھاگ کر نہ آتا تو یہ مجھے مار ڈالتی۔"

اس قدآور شخص نے ہنستے ہوئے کہا: "مسٹر ویگا، تمھارا کام ختم ہو گیا۔ ہم مادام شیبا کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ دشمن نہیں ہیں۔"

پھر اس نے پومی کے آگے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "مادام! ہم آپ کے خادم ہیں۔ محترم ربی کے حکم مطابق میں آپ کو یہاں سے تل ابیب لے جاؤں گا۔"

پومی نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا: "نہیں، پہلے میں اپنی ماما سے ملوں گی۔"

"ہمارے آدمی ماما کی نگرانی کر رہے ہیں۔ ان کی طرف سے بے فکر رہو۔"

"نہیں، پہلے میں اپنی ماما کو دیکھوں گی اور ان سے ملوں گی۔"

"آپ ضد نہ کریں۔ محترم ربی نے کہا ہے، ہم آپ کو ہر حال میں یہاں سے لے چلیں۔"

"میں ابھی نہیں جاؤں گی۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ شیخ الفارس کے آدمی نے کہا: "ہم نے اس ڈریسنگ روم کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اندر جو کوئی بھی ہے، وہ مادام شیبا کو ہمارے حوالے کر دے۔"

اس قدآور شخص نے کہا: "میرے جیتے جی مادام کو تم لوگ نہیں لے جا سکو گے۔"

پومی نے کہا: "میں حکم دیتی ہوں، دروازہ کھول دو۔"

"مجھے افسوس ہے، مادام۔ آپ یہاں سے زندہ نہیں جا سکیں گی۔ یا تو میں آپ کو لے جاؤں گا یا اسی جگہ آپ کی آخری سانس پوری ہو جائے گی۔"

پومی نے شیبا کے انداز میں کہا: "کیا بکتے ہو۔ کیا تم محترم ربی کے سامنے ایسے گستاخانہ الفاظ استعمال کر سکتے ہو؟"

"مادام! یہ محترم ربی کا حکم ہے کہ میں آپ کو زندہ سلامت تل ابیب پہنچاؤں، اور اگر دشمنوں نے آپ کو گھیر لیا تو مجبوراً آپ کو ہلاک کر دوں گا۔ تاکہ ٹیلی پیتھی جاننے والی تیسری ہستی کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ آپ جس کے ہاتھ لگیں گی، وہی اسرائیلی حکومت کے لیے اور محترم ربی کے لیے دردِ سر بن جائے گا۔ اس لیے میں اس دردِ سر کو اسی کمرے میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں گا۔"

شیبا نے خیال خوانی کی پرواز کی لیکن وہ اس قدآور شخص کے دماغ سے واپس آ گئی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا: "اچھا تو سوچ کی لہروں کو میرے دماغ تک پہنچایا جا رہا ہے۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے، ربی اسفندیار ایک استاد ہیں۔ استاد اپنے شاگردوں کو تمام گر بتاتا ہے۔ ایک گر اپنے لیے رکھ چھوڑتا ہے۔"

اس نے بڑے فخر سے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "میں یوگا کا ماہر ہوں۔ ربی اسفندیار کا پرانا خادم ہوں۔ انھوں نے آپ کو ان تمام جاسوسوں کے متعلق بتایا جو آپ کی ماما کی نگرانی کر رہے تھے۔ اور آپ کو یہاں سے لینے آئے تھے۔ آپ نے ان کی آوازیں سنیں اور ان کے دماغوں میں پہنچ گئیں لیکن ربی نے آپ کے سامنے میرا ذکر نہیں کیا۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا وقت بھی آ سکتا ہے جب آپ دشمنوں کے ہتھے چڑھ سکتی ہیں۔ لہٰذا ایسے ہی وقت میں ربی کے کام آ رہا ہوں اور آپ کو ٹھکانے لگا رہا ہوں۔"

اس نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ پومی نے کہا۔ "ٹھہرو، مجھے سوچنے دو۔ تمھارے ساتھ یہاں سے چلنا چاہیے یا..."

"ہاں، ہاں ضرور، میں تمھیں مہلت دیتا ہوں۔ اگر تم سیدھی طرح میرے ساتھ چلو گی تو میں راستہ گھیرنے والوں سے نمٹنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے اپنی جان کی پروا نہیں ہے۔ اگر انھوں نے مجھے ہلاک کیا تو میں مرتے مرتے مادام آپ کو بھی مار ڈالوں گا۔"

وہ کہہ رہا تھا اور شیبا سوچ میں پڑ گئی تھی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے کہا: "دیکھ لو شیبا، جس ربی اسفندیار پر تمھیں اندھا اعتماد تھا، وہ تمھیں کس طرح ایک حقیر چیونٹی کی طرح مسل ڈالنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا ہے جس کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"

"مجھے حیرانی ہے، یقین نہیں آ رہا ہے کہ ربی نے اسے یہ حکم دیا ہوگا۔"

"تم کب تک نادان بچی بنی رہو گی۔ تم نے ربی اسفندیار کی کوٹھی میں اپنے کانوں سے سنا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ تمھاری ماما کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن تمھارے پاپا درمیان میں آ گئے۔ وہاں یہ ثابت ہو چکا تھا کہ تمھاری ماما کو قتل کرانے اور ناکامی کی صورت میں تمھارے پاپا کو قتل کرنے کے سلسلے میں ربی اسفندیار بھی ایک ملزم ہے اور یہ سب کچھ انہی کی سازش سے ہو رہا ہے لیکن تمھارے اندھے عقیدے نے تمھیں پھر ربی کی طرف مائل کر دیا۔ آج یہ شخص اپنی زبان سے کہہ رہا ہے کہ ربی کے حکم کے مطابق تمھیں ختم کرنے آیا ہے لیکن تمھیں یقین نہیں آ رہا ہے۔ کیا میں تمھاری نادانی کی خاطر پومی کی زندگی خطرے میں ڈال دوں؟"

"ہم پومی کو ہر صورت سے بچانے کی کوشش کریں گے۔ میں ربی سے متعلق الجھن میں گرفتار ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، کیا کروں؟"

"تم سوچتی رہو۔ میں اس شخص سے نمٹتا ہوں۔"

میں نے شیبا کے لہجے میں پومی سے کہا: "میں اس شخص سے نمٹنے جا رہی ہوں۔ تم ہوشیار رہو۔ موقع پاتے ہی اس کمرے سے نکلنے کی کوشش کرنا۔"

میں بُل فائٹر ترسو ویگا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اس قدآور شخص کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے ریوالور کو دیکھا۔ پھر ایک الٹا ہاتھ اس شخص کے منہ پر رسید کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ریوالور والے ہاتھ کو دوسری طرف گھما دیا۔ ٹریگر پر انگلی دبی تھی۔ ٹھائیں سے گولی چلی مگر دوسری طرف گئی۔ اس وقت تک پومی نے اُچھل کر فلائنگ کک اس کے سینے پر ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے ٹکرایا۔ میں نے بُل فائٹر کے ذریعے اس کے پیٹ میں گھونسا مارا۔ پھر اس کے ہاتھ کو کھینچ کر جوڈو کا داؤ مارا۔ وہ وہاں سے الٹ کر گرتا ہوا پومی کے پاس پہنچا۔ جہاں اس کے منہ پر ٹھوکر لگی۔ میں نے اتنی دیر میں بُل فائٹر کے ذریعے دروازے کو کھول دیا۔ شیخ الفارس کے آدمی دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر آئے۔ پھر انھوں نے وقت ضائع کیے بغیر اس قدآور شخص کو گولی مار دی۔ پومی نے کہا۔ "تم سب باہر جاؤ۔ ہری اپ!"

وہ سب چلے گئے۔ اس نے دروازے کو بند کیا۔ اور اپنے چہرے سے میک اپ اتارنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ آئی تو پومی کے اصلی روپ میں تھی۔ لباس بھی بدل چکی تھی۔ وہاں بدلنے کے لیے اس کا اپنا لباس نہیں تھا۔ اس نے بُل فائٹر کی پتلون اور بش شرٹ پہن لی تھی۔ اب ربی اسفندیار کے کارندے اس پر شیبا ہونے کا شبہ نہیں کر سکتے تھے۔

میں شیبا کی ماما کے پاس آیا۔ وہ بخیریت سفر کر رہی تھیں۔ میں نے پائلٹ کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، وہ مطمئن تھا۔ اس ہیلی کاپٹر کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تھا اور نہ ہی میڈرڈ کے کسی سرکاری ائرپورٹ سے ان کی پرواز پر اعتراض کیا گیا تھا۔

میں نے شیبا کے پاس پہنچ کر دیکھا، اس نے ربی اسفندیار کا بُت جتنی عقیدت سے دل اور دماغ میں بنایا تھا، وہ بت کبھی ٹوٹ رہا تھا اور کبھی جڑ رہا تھا۔

اس کا دماغ سمجھا رہا تھا: "ایک بار نہیں دوبارہ دھوکا کھا چکی ہوں۔ پہلے محترم ربی کی کوٹھی میں اپنی آنکھوں سے اس قاتل کو دیکھا جس نے میرے پاپا کو قتل کیا تھا۔ یہ دیکھنے کے بعد بھی میں نے ربی کو اس سازش میں ملوث نہیں سمجھا۔ دوسری بار اس کا ایک آدمی پومی کو قتل کرنے آیا تھا۔ اگر محترم ربی نے مجھے دھوکا دیا تھا، یہاں آنے والی تمام ٹیموں کے افراد کی آوازیں سنائی تھیں اور ایک شخص کو میرے قتل کے لیے چھوڑ دیا تھا تو میں نے بھی اپنے بزرگ ربی سے اپنے آپ کو چھپایا تھا اور یہ نہیں بتایا تھا کہ میری جگہ پومی وہاں گئی ہوئی ہے۔ ٹھیک ہے کہ میں نے اپنے ربی سے جھوٹ کہا، دھوکا دیا، بہت بڑا گناہ کیا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے، کبھی کبھی جھوٹ بولنے سے آنکھوں کے سامنے ایسی سچائی آ جاتی ہے جس کی ہم توقع نہیں کر سکتے۔"

یہ تو دماغ سمجھا رہا تھا مگر عقیدت کہہ رہی تھی: "وہ بزرگ ہیں، وہ محترم ہیں۔ اگر انھوں نے اپنے مذہب اور اپنی قوم کی خاطر مجھے ہلاک کرنا چاہا تاکہ میری ٹیلی پیتھی کسی اور کے کام نہ آئے تو یہ ان کا دینی اور قومی جذبہ ہے۔ مجھے ان کے جذبے کی قدر کرنا چاہیے۔ مجھے اپنی قوم اور اپنے ملک کی خاطر قربان ہونا چاہیے۔ اپنے ربی کے ایک اشارے پر جان دے دینا چاہیے۔"

میں نے اس کے خیالات پڑھے اور دل ہی دل میں کہا: "لعنت ہے تم پر۔ ابھی اور ٹھوکریں کھاؤ گی تب عقل آئے گی۔ میرے پاس فرصت نہیں ہے ورنہ ایک اور ٹھوکر کھانے کا موقع فراہم کر دیتا۔ بہرحال پھر سہی۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ شام کو کوئنز بو

شہر سے شورلے ایوان آگیا۔ میں نے اس سے دوستی کر لی۔ اگرچہ وہ میرے لیے بالکل اجنبی تھا۔ اس کا مزاج بھی کچھ ایسا تھا کہ وہ کسی کا دوست نہیں بنتا لیکن خیال خوانی کے ذریعے دوست بنانا مشکل نہ تھا۔

وہ ڈاکٹر ڈوگلس کی آخری رسومات میں شرکت کرنے آیا تھا۔ میں نے اور مونا نے بھی شرکت کی۔ رات کے نو بجے ہمیں فرصت ملی۔ مونا نے آہستگی سے پوچھا: "کیا بات ہے۔ تم شورلے ایوان سے دوستی کر رہے ہو اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ بھی دوست بنتا جا رہا ہے۔"

میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا: "بعض دشمنوں کو دوست بنا کر گلے لگانا پڑتا ہے۔ اسی طرح پرانا قرضہ چکایا جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ماسٹر کی کے آدمی ہو۔ تم طیارے سے مجھے گھیرتے آ رہے ہو۔ ہیرے کے سلسلے میں مجھے الو بنایا۔ پھر اسی ہیرے کو کسی طرح ڈاکٹر ڈوگلس کی جیب میں رکھ دیا۔ میرے خلاف ثبوت پہنچانے والے کیسٹ کو ڈاکٹر کے ساتھ جلا دیا لیکن میرا اعتماد حاصل کر لیا۔ اب ڈاکٹر ڈوگلس کے بعد تم شورلے ایوان کو ختم کرنا چاہتے ہو۔"

"یہ باتیں تم مجھے کیوں سنا رہی ہو۔ اگر میں ماسٹر کی کا آدمی ہوں اور تم سب کا دشمن ہوں تو شورلے ایوان ہم سے زیادہ دور نہیں ہے۔ جاؤ، اسے میرے متعلق بتا دو۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی: "میں تمھارے خلاف کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔"

"وہ کیوں؟"

"عورت اس مرد کو کبھی دھوکا نہیں دیتی جو تنہائی میں بھی اس کی عزت کرتا ہے۔"

"تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے کام آؤ گی۔"

"یہ بات تم پہلے بھی کہہ چکے ہو۔ چلو بتاؤ کیا کام ہے؟"

"شاید میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ میں کوئز بوجانا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ چلو گی؟"

"چلوں گی۔"

"کیا تم شورلے ایوان کو اس بات پر راضی کر سکتی ہو کہ وہ ہمیں اپنے چارٹرڈ طیارے میں لے چلے۔"

"میں اسے آمادہ کر لوں گی۔"

پھر وہ شورلے ایوان کے پیچھے پڑ گئی۔ اس سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرنے لگی۔ دل لبھانے والے انداز میں اس کے ساتھ تھوڑا وقت گزارتی رہی۔ رات کے دو بجے جب شورلے ایوان نے تنانا سے پرواز کی تو ہم دونوں اس کے چارٹرڈ طیارے میں سفر کر رہے تھے۔ سفر کے دوران شورلے نے ایک پیگ بناتے ہوئے پوچھا: "تم بھی پیو گے؟"

میں نے کہا: "مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔"

شورلے نے شراب کے دو گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد کہا: "عجیب بات ہے۔ ڈاکٹر ڈوگلس کی آخری رسومات کے بعد جب ہم واپس آئے اور میں نے اس وقت تمھیں غم غلط کرنے کے لیے کہا تو تم نے انکار کر دیا۔"

"میں کہہ چکا ہوں، مجھے ڈاکٹر کی موت کا بے حد صدمہ ہے۔ جب بے حد صدمہ ہوتا ہے تو میں شراب نہیں پیتا ہوں۔"

"کیسی الٹی باتیں کرتے ہو۔ آدمی تو صدمات سے، غموں سے چور ہو کر شراب کا سہارا لیتا ہے اور تم شراب سے بھاگتے ہو۔"

میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا: "بھئی نیند آ رہی ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ تم ہی پیتے رہو۔"

میں نے سیٹ پر آرام سے نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ ایل مونا میرے پاس والی سیٹ پر سو گئی تھی۔ میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ ایک گھنٹے تک سوتا رہوں۔ اس کے بعد بیدار ہو جاؤں۔ ہاں، اگر کوئی غیر معمولی بات ہو تو آنکھ کھل جائے۔ اس کے بعد میں حسبِ معمول آرام سے سوتا رہا۔ ایک گھنٹے کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں نے شورلے ایوان کو دیکھا۔ اس کا جام نیچے قالین پر لڑھکا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ سیٹ پر جھول رہا تھا۔ اور گردن ڈھلک گئی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ نیند میں نہیں تھا۔ البتہ مدہوشی طاری تھی۔ نہ اس میں اٹھنے کی سکت تھی، نہ کچھ سننے اور سمجھنے کی حس رہ گئی تھی۔ اس نے غم غلط کیا تھا۔ البتہ میں نے اس کے دماغ میں کہا: "شورلے ایوان! تم نے بہت غلط کیا ہے۔ اب چند سانسوں کے بعد نہ تمھارا غم رہے گا اور نہ ہی کوئی غلطی کرنے کے قابل رہو گے۔ اٹھو، چلو اٹھ جاؤ۔"

میں نے اس کے دماغ کو ہولے سے جھنجوڑ دیا وہ کراہنے لگا۔ دوسری بار اس کے دماغ کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ وہ ذرا چونکا۔ تھوڑی سی آنکھ کھلی۔ اس نے کراہ کر ادھر

ادھر دیکھا پھر آنکھ بند کر لی۔ نشہ پھر غالب آگیا تھا لیکن دماغ کسی حد تک بیدار ہو گیا تھا۔ میں نے کہا: "شورلے ایوان! کیا تم اپنے دماغ میں میری آواز سن رہے ہو؟"

"ہاں، کون۔ تم کون بول رہے ہو، بھئی جاؤ یہاں سے، مجھے تھوڑی سی اور پینے دو۔"

"تم پینے کی بات کرتے ہو۔ پہلے میں تمھیں کھلاؤں گا۔ اس کے بعد پلاؤں گا۔"

اس میں خود ہی اٹھنے کی سکت نہیں تھی۔ میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر اٹھایا۔ اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا۔ اس کی آنکھیں خمار سے بوجھل تھیں۔ اس نے ادھر ادھر سر ہلا کر دیکھا۔ نیچے قالین پر جام گرا ہوا نظر آیا۔ اس نے شیشے کے جام کے سرے کو دانتوں کے درمیان دبا لیا۔ اس کے بعد کڑک کی آواز کے ساتھ وہ حصہ ٹوٹا اور شیشے منہ کے اندر گئے۔ وہ انھیں چبانے لگا۔ اگر ہوش میں ہوتا تو کبھی نہ چباتا مگر ٹیلی پیتھی کا نشہ شراب کے نشے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

میں نے کہا: "شورلے ایوان! چباؤ۔ آہستہ آہستہ شیشے کے جام کو چبا چبا کر حلق سے اتارتے رہو۔"

دوسری بار چبانے کے بعد ہی اس کا نشہ ہرن ہونے لگا۔ شیشے کے ریزے اس کے حلق سے اتر رہے تھے۔ حلق کے نیچے جسم کے اندر شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ اسے وہ سمجھ رہا تھا یا میں سمجھ رہا تھا۔ منہ لہو سے بھر گیا تھا۔ وہ بدحواسی میں چیخنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے موقع نہیں دیا۔ وہ گھبرا کر سوچ رہا تھا: "یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے شیشے کو کیسے چبایا؟ میرے اندر سوئیاں سی چبھ رہی ہیں۔ تمام سینہ جل رہا ہے۔ حلق کے اندر ایسی جلن ہے جیسے آگ لگی ہے۔"

میں نے پوچھا: "شورلے ایوان! اب ہوش میں آکر میری آواز سن رہے ہو؟"

اس نے چونک کر پوچھا: "یہ میرے اندر کیسی آواز ہے...؟"

"یہ خطرے کی گھنٹی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ٹیلی پیتھی کا الارم ہے۔ اگر اب بھی نہیں سمجھے تو یہ سمجھ لو کہ موت کا پہلا اور آخری سگنل ہے۔"

وہ ہکلا کر بولا: "کک کون؟ فرہاد؟ کیا فرہاد علی تیمور؟"

"فرہاد کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ رسونتی کو تو تم لوگوں نے کوما میں پہنچا دیا ہے۔"

وہ سوچ کے ذریعے بول رہا تھا کیوں کہ اب زبان ہلانے کی سکت نہیں تھی۔ اس نے کہا: "میں قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے کسی کو کوما میں نہیں پہنچایا ہے۔"

"لیکن کوما میں پہنچنے والیوں کو ادھر سے ادھر منتقل ضرور کیا ہے، تم بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہو۔"

"نہیں، نہیں، میں شریک نہیں ہوں۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تم جھوٹ بولتے وقت بھول رہے ہو کہ تمھارے دماغ کے سرد خانے میرے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔"

وہ تھرتھر کانپنے لگا۔ میں نے کہا: "سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کوما میں جانے کے بعد ساکت ہو گئی ہیں۔ وہ سن نہیں سکتیں۔ وہ زبان نہیں ہلا سکتیں۔ وہ آنکھوں سے فریاد بھی نہیں کر سکتیں۔ تمھاری بھی یہ حالت ہے کہ تم کوما میں نہیں ہو مگر تمھاری زبان لہولہو ہے۔ اس لمحے تمھارے دل کی تصویر تمھارے سامنے ہوتی تو پتا چلتا کہ شیشے کی کرچیاں کس طرح دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہیں۔ تم اب تب میں دم توڑنے ہی والے ہو۔ چلو آواز دو، اپنے پُراسرار باس کو آواز دو، اپنے ماتحتوں کو جو اس طیارے میں موجود ہیں۔ شورلے ایوان! میری ساتھی عورتیں بھی بے یار و مددگار ہیں۔ بتاؤ، ایسی بے یاری اور... بے بسی میں تمھیں کیسا لگ رہا ہے۔ موت انصاف پسند ہوتی ہے۔ اتنی انصاف پسند کہ کبھی کبھی ایک مکھی کے ذریعے آجاتی ہے۔"

میں نے اس کے ذریعے دیکھا، اس کی خاص ملازمہ جو اس وقت ایئر ہوسٹس کے فرائض انجام دے رہی تھی، پچھلے کیبن سے نکل رہی تھی۔ ادھر ہی آنا چاہتی تھی۔ شورلے ایوان نے اسے آواز دینا چاہا۔ آواز دینے کے لیے زیادہ توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آواز منہ سے نکالنے کے لیے دماغ کا ساتھ دینا ضروری ہے۔ سینے میں بھی اتنی طاقت ہو کہ وہاں سے آواز حلق تک پہنچ سکے لیکن سینہ کانچ کے ٹکڑوں سے چھلنی ہو رہا تھا۔ حلق اور منہ لہو سے بھرا ہوا تھا۔ ایسے میں آواز یوں نکلی جیسے کوئی منہ میں پانی بھر کر غرارے کر رہا ہو۔ وہ غرغراہٹ ذرا ابھری پھر ڈوب گئی۔

اس کی خادمہ جو کیبن سے نکلی تھی، کچھ سوچ کر پھر اندر چلی گئی۔ شاید کیبن کے اندر ہی کوئی کام یاد آگیا تھا۔ میں نے کہا: "شورلے! کیسی بدنصیبی ہے کہ تم اپنی تمام دولت، طاقت اور اپنے تمام غلاموں، کنیزوں کے ہجوم میں رہ کر بھی اپنی جان نہیں بچا سکتے۔"

اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اذیت ایسی شدید تھی کہ وہ خود ہی مر جانا چاہتا تھا۔ سوچ رہا تھا' ایک دم سے دم نکل جائے اور اس اذیت سے کانچ کے ریزوں سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے۔ میں نے کہا "یہ بھی افسوس کی بات ہے کہ تمھارا دم نہیں نکل رہا ہے۔ چلو تھوڑی سی کانچ اور چبالو۔"

اس کا ہاتھ اس کے منہ کی طرف اٹھنے لگا۔ وہ سوچ کے ذریعے چیخنے لگا "نہیں نہیں، میں نہیں چباؤں گا!"

وہ انکار کر رہا تھا۔ اور اس کا ہاتھ بے اختیار منہ تک آتا جا رہا تھا۔ پھر وہ سوچ کے ذریعے چیختے چیختے ایک دم سے تھم گیا۔ دیدے پھیل گئے۔ ہاتھ نیچے کی طرف آیا اور ٹوٹا ہوا جام قالین پر گر کر اور بکھر گیا۔ میری سوچ کی لہریں واپس آگئیں۔ شکستہ جام میں شراب نہیں رہتی اور شکستہ دماغ میں سوچ کی لہریں نہیں سما سکتیں۔

میں نے سر گھما کر دیکھا۔ پچھلے کیبن کا دروازہ کھل گیا تھا۔ پھر وہی ایئر ہوسٹس باہر نکل رہی تھی۔ میں نے سیٹ پر اچھی طرح نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد میرے قریب ہی اس کی چیخ سنائی دی۔ وہ دوڑتی ہوئی پچھلے کیبن کی طرف جا رہی تھی تاکہ اپنے ساتھیوں کو باس کے متعلق اطلاع دے سکے۔ اس کی چیخ سن کر ایل مونا کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے گھبرا کر پہلے تو مجھے دیکھا۔ پھر اپنی سیٹ سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی خادمہ کو دیکھنے لگی۔ اس کے بعد درمیانی راہداری کے دوسری طرف والی سیٹ پر نظر گئی جہاں شورلے ایوان اپنی سیٹ پر سے ڈھلکا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔

وہ دھپ سے اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میرے بازو کو جھنجوڑتے ہوئے بولی "اسے اٹھو، دیکھو، دیکھو کیا ہو گیا ہے!"

میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ خواب خواب نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟"

"ادھر شورلے ایوان کی طرف دیکھو۔"

اس وقت تک دوسرے ملازم آگئے تھے۔ میں نے حیرانی سے پوچھا "یہ کیا ہو گیا۔ جب میں سونے جا رہا تھا' اس وقت مسٹر ایوان شراب سے شغل کر رہے تھے۔"

اس کے ملازموں نے اپنے مالک کو وہاں سے اٹھا کر نیچے قالین پر لٹا دیا تھا۔ وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد سمجھ میں آگیا کہ شورلے ایوان نے اپنے ہی جام کے شیشوں کو چبایا ہے اور خون تھوک کر مر گیا ہے۔ میں ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کے پاس آگیا تھا۔ اس کی نبض ٹٹولی تھی۔ پھر تصدیق کی تھی کہ وہ مر چکا ہے۔

ایک ملازم دوڑتا ہوا پائلٹ کے کیبن میں چلا گیا تھا اور وہاں سے ریڈیو کے ذریعے شورلے ایوان کی موت کی اطلاع فلائنگ کلب تک پہنچا رہا تھا۔ وہ سب حیران پریشان تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کوئی شیشہ چبا کر کس طرح اپنی ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے۔ ایل مونا مجھے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں اس کی طرف سے انجان بنا ہوا تھا۔ شورلے ایوان کے خاص ملازم سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے اس کی موت کا جتنا صدمہ ہے میں بیان نہیں کر سکتا۔ آج ہی شام کو ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ ہم گہرے دوست بن گئے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، شورلے ایوان کو کس بات کا صدمہ تھا۔ یا ایسی کیا پریشانی تھی جسے یہ برداشت نہ کر سکا۔ اور یوں شیشے چبا کر خودکشی کر لی۔"

جب میں اپنی سیٹ پر آکر بیٹھا تو ایل مونا نے میرے قریب ہو کر سرگوشی میں کہا "اس نے خودکشی نہیں کی ہے۔"

میں نے تعجب سے پوچھا "پھر؟"

"تم نے اُسے مارا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو۔ جب وہ مرا پڑا تھا اس وقت تو میں سو رہا تھا۔ تم نے ہی مجھے جگایا تھا۔"

"تم صرف سونے کی ایکٹنگ کر رہے تھے اور اس وقت بھی بڑی کامیاب ایکٹنگ دکھا رہے ہو۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ تم عام لوگوں سے مختلف ہو۔ جیسے نظر آتے ہو ویسے نہیں ہو اور جیسے نظر نہیں آتے، ویسے ہو۔"

"کیا فلسفہ بول رہی ہو؟"

وہ اپنی سیٹ پر ہی ذرا پیچھے ہٹ کر بولی "فار گاڈ سیک' اتنے پُراسرار نہ بنو۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"آخر کیوں ڈر لگ رہا ہے؟"

"تم نے تنانا میں مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ پندرہ بیس منٹ کے اندر میرا کیسٹ ضائع ہو جائے گا۔ میرے خلاف تمام ثبوت مٹ جائیں گے اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ ڈاکٹر ڈوگلس اس کیسٹ کے ساتھ جل مرا۔ کیا وہ ایسا بے بس تھا کہ جلتی ہوئی گاڑی سے نکل کر بھاگ نہیں سکا۔

خر کس نے اسے جل مرنے پر مجبور کیا تھا؟"

"میرے کرائے کے آدمیوں نے۔"

"پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا، تمھارے آدمی یسا کام کرتے ہیں لیکن جس پُراسرار انداز میں ڈاکٹر ڈوگلس ماا گیا اس سے بھی زیادہ پُراسرار طریقہ یہاں استعمال کیا لیا ہے۔ بھلا طیارے میں کون تمھارا آدمی ہے۔ کس نے سے شیشے چبا کر مرنے پر مجبور کیا؟"

"نہ میں نے مجبور کیا اور نہ ہی میرا کوئی آدمی طیارے ں ہے۔ تم میرے متعلق غلط اندازے لگا رہی ہو۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ شورلے ایوان نے اپنی مرضی سے شیشے چبائے ہیں؟"

میں نے جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں، اپنی مرضی سے نہیں۔ میں نے اس سے کہا تھا برخوردار' شیشے کی ٹافیاں ہیں' چبالو اور اس نے چبالیں۔"

"ڈاکٹر میکاکس' میں مانتی ہوں کہ لوگ اپنی مرضی سے جان دیتے ہیں۔ خودکشی کرتے ہیں لیکن اس طرح شیشے چبا ر نہیں۔"

"بہت سے لوگ اذیت پسند ہوتے ہیں۔ آسانی سے رنا نہیں چاہتے۔ اپنی ذات کو دشواریوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ بڑی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ سسکتے ہیں، تڑپتے ہیں۔ انھیں زہ آتا ہے اور اس طرح وہ جان دیتے ہیں۔"

"تم مجھ سے اپنی اصلیت چھپاتے رہو لیکن ایک بات کہہ دیتی ہوں، کوئی یقین نہیں کرے گا کہ اس نے خودکشی لی ہے۔ تم پر شبہ ہو گا۔"

"مجھ پر کیوں شبہ ہو گا؟"

"تمھاری موجودگی میں ایسے پُراسرار قتل ہو رہے ہیں۔ تنانا پہنچے' ڈاکٹر ڈوگلس مر گیا۔ تم اس طیارے میں آئے، ورلے ایوان کا یہ انجام ہوا۔"

"تم بھی تنانا پہنچیں اور اس طیارے میں سفر کر رہی و تو ڈاکٹر ڈوگلس اور شورلے ایوان کا یہ انجام ہوا۔ صرف تنا ہی نہیں، پیرس سے الاسکا آتے وقت ابراہیم بھی پُراسرار طریقے سے مارا گیا اور اپنی موت کے وقت وہ تمھارے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ لہٰذا مجھ سے زیادہ تم پر شبہ ہونا چاہیے۔"

اس نے ایک ہاتھ سے سر کو تھام لیا۔ سوچنے لگی "آخر کون ہے، باتیں بنا کر نکل جاتا ہے مگر اپنی اصلیت نہیں [illegible] ہے۔"

وہ سفر کے دوران مجھے کئی بار کریدنے کی کوشش کرتی رہی لیکن میں اسے ٹالتا رہا' بہلاتا رہا۔ کوئنز بو شہر پہنچنے کے بعد ہمیں شورلے ایوان کی موت کے سلسلے میں رُکنا پڑا۔ میں نے اور ایل مونا نے اپنا اپنا تحریری بیان دیا' اسی وقت پولیس کی گاڑی میں ایک افسر آیا۔ اس نے آتے ہی پوچھا۔

"مس ایل مونا کون ہیں؟"

مونا نے کہا "میں ہوں۔"

آفیسر نے پوچھا "آخر تمھاری ہی موجودگی میں ایسے پُراسرار قتل کیسے ہو رہے ہیں؟"

وہ ذرا گھبرائی۔ میں نے اسے سہارا دینے کے لیے مسکرا کر پوچھا "کیا آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں؟"

"مسٹر، تمھارا نام کیا ہے؟"

"مجھے ڈاکٹر میکاکس کہتے ہیں۔"

"اوہ آئی سی، میں نے یہ نام سنا ہے۔ آپ تو ایک معزز اور معروف ڈاکٹر ہیں۔ اس کے باوجود آپ پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے۔"

پھر اس نے ایل مونا کو دیکھ کر کہا "تنانا سے کوئنز بو تک دو قتل ہوئے۔ آخر تمھاری موجودگی میں کیوں ہوئے؟"

ایل مونا نے ناگواری سے کہا "آفیسر، تنانا سے کوئنز بو تک اور ذرا معلومات حاصل کر لیں۔ کچھ اور لوگوں نے خودکشی کی ہو گی یا پُراسرار طریقے پر قتل کیے گئے ہوں گے یا اپنی موت آپ مرے ہوں گے۔ سب کی فہرست بنالیے اور ان کا الزام ہمارے سر ڈال دیجیے۔"

اب میں نے اس آفیسر کے دماغ کو پڑھنا شروع کیا۔ پتا چلا' وہ اسی پُراسرار شخص کا ایک خاص ایجنٹ ہے۔ سچ مچ پولیس آفیسر ہے لیکن اپنے گمنام باس کے لیے کام کرتا ہے۔ اس کی طرف سے حکم ملا تھا کہ ایل مونا اور اس کے ساتھ سفر کرنے والے ڈاکٹر میکاکس کو حراست میں لیا جائے اور انھیں رومانٹک سے بی کے خفیہ اڈے میں پہنچا دیا جائے۔

اس کے متعلق پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ سینٹ لارنس کے جزیرے میں ہے اور رسوتی کو اسی کی نگرانی میں رکھا گیا ہے۔ پولیس آفیسر کے ذریعے پتا چلا کہ مجھے ماسٹر کی سے متعلق سمجھا جا رہا ہے۔ ایل مونا نے اپنے پُراسرار باس کے حکم کے مطابق چہرہ تبدیل کیا تھا اور گریس کیلی کے روپ میں پیرس سے سفر کرتے ہوئے تنانا پہنچی تھی۔ یہاں تک اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ دشمنوں کی نظروں میں آگئی ہے

اور ڈاکٹر میکاکس ماسٹر کی کے لیے اسی طرح کام کر رہا ہے جس طرح ڈاکٹر ڈوگلس اور شور سے ایوان وغیرہ پُراسرار باس کے لیے کام کرتے رہتے تھے۔

وہ پولیس آفیسر مجھے اور ایل مونا کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر لے گیا۔ میں سمجھ رہا تھا، جہاں جا رہا ہوں وہاں بڑی سختیاں ہوں گی۔ زبردست پابندی میں رکھا جائے گا۔ میں وہاں سے فرار نہیں ہو سکوں گا۔ لیکن خطرہ مول لیے بغیر میں رسونتی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اگر ایجنٹ تھری ناٹن کے متعلق کچھ معلوم ہو جاتا تو میں فی الحال رسونتی کی طرف سے رُخ بدل کر اس ایجنٹ تھری ناٹن کے پیچھے پڑ جاتا کیوں کہ سونیا اور اعلیٰ بی بی اسی کے حوالے کی گئی تھیں۔

مجھے اور ایل مونا کو ایک چھوٹے سے کوارٹر میں لے جا کر رکھا گیا۔ ہم وہاں ایک گھنٹے تک بور ہوتے رہے۔ کوئی ہمارے آس پاس نہیں تھا۔ معلوم ہوتا تھا، سب ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ ہم نے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی، وہ باہر سے بند تھا۔ ایل مونا نے کہا۔ "جب سے میں تمہارے ساتھ سفر کر رہی ہوں، نئی نئی مصیبتوں میں مبتلا ہوتی جا رہی ہوں۔"

"ہر انسان اپنے اچھے اور بُرے عمل کے مطابق کبھی مصیبت میں پھنستا ہے اور کبھی مصیبت سے نکلتا ہے۔ تم اپنی غلطیوں کا الزام مجھے دے رہی ہو۔ پتا نہیں کون لوگ تمہارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ مانا کہ تم حسین ہو مگر ایسا بھی کیا کہ تمہارے چاہنے والے میرے بھی پیچھے پڑ جائیں جبکہ میں خوبصورت نہیں ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے سامنے آئی اور بولی۔ "تم خوبصورت بھی ہو اور خطرناک بھی۔ مجھے یقین ہو گیا ہے، جب تک تمہارے ساتھ رہوں گی مجھ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

میں نے کہا۔ "ذرا دور ہٹو۔ گرمی لگ رہی ہے۔"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر پیچھے ہٹ کر غصّے سے بولی۔ "تم میری توہین کر رہے ہو۔"

"عجیب مشکل ہے۔ حسین عورت کے پیچھے پڑ جاؤ تو وہ نخرے دکھاتی ہے۔ منہ نہیں لگاتی۔ اگر لفٹ نہ دو، دور ہٹاتے جاؤ تو وہ غصّے میں آ جاتی ہے۔ اپنی توہین سمجھنے لگتی ہے۔"

"تم خواہ مخواہ یہ ظاہر کر رہے ہو کہ مجھ سے تمھیں کوئی دلچسپی نہیں ہے حالاں کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ میں نے ایسا کوئی پارسا نہیں دیکھا جس نے مجھے ایک نظر دیکھا ہو اور اپنی پارسائی بھول نہ گیا ہو۔"

"ابھی تمہاری عمر کیا ہے؟"

"بیس برس۔"

"عورت کبھی صحیح عمر نہیں بتاتی۔"

وہ بپھر کر بولی۔ "کیا تم مجھے بڑھیا سمجھ رہے ہو؟"

"بڑھیا نہیں ہو تو گڑیا بھی نہیں ہو۔ صحیح عمر بتا دو۔"

"تمھیں میری عمر سے کیا لینا ہے؟"

"میں تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کم عمر ہو تو تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ اس دنیا میں واقعی پارسا لوگ موجود ہیں۔ میرے پاس رہ کر تمہاری خوش فہمی دور ہو جائے گی۔"

"تم خطرناک بھی ہو اور چالاک بھی۔ تم مجھے تاؤ دلا رہے ہو تاکہ میں پکے ہوئے پھل کی طرح تمہاری جھولی میں آ گروں۔"

"اے پکے ہوئے پھل! کیا ہم گفتگو کا موضوع نہیں بدل سکتے؟ جب ہم ایسے موضوع پر بات ہی نہیں کریں گے تو تمھیں یقین ہو جائے گا کہ میں وہی ہوں جو نظر آ رہا ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بے لبی سے قریب آ گئی۔ میں نے پوچھا۔ "اب کیا ہے؟"

اس نے میرے ہاتھ کو تھام لیا۔ عاجزی سے کہنے لگی۔ "فار گاڈ سیک، مجھے زیادہ الجھن میں نہ ڈالو۔ میں تمہارے متعلق سوچ سوچ کر پریشان ہوں۔ آخر تم کیا ہو؟"

"میرے متعلق سوچنے سے بہتر ہے موجودہ حالات پر غور کرو کہ ہم کہاں آ کر پھنس گئے ہیں۔"

اس نے اس بند کمرے کو چاروں طرف سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم جہاں بھی ہیں تنہا ہیں۔ کوئی تیسرا آ نہیں سکتا۔"

اس نے اپنے فر کے اوورکوٹ کو کھول کر ایک طرف پھینک دیا۔ میں نے کہا۔ "یہ کیا کر رہی ہو، سردی لگ جائے گی۔"

"تم میرے دل اور دماغ سے ایسے چپک گئے ہو کہ سردی لگ ہی نہیں سکتی۔"

اسی وقت باہر گاڑی کی آواز سنائی دی۔ وہ رُک گئی۔ میں نے کہا۔ "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

میں تیزی سے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ پانچ مسلح جوان گاڑی سے اتر کر دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک لیڈر ٹائپ کا آدمی نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اس کے بعد ہمارے کمرے کا دروازہ کھلا۔ دروازے میں چار افراد اسٹین گن اٹھائے ہوئے نظر آئے۔ پانچویں نے ریوالور ہماری طرف کرتے ہوئے کہا۔ "چُپ چاپ منہ سے آواز نکالے بغیر ہمارے ساتھ چلو۔"

میں نے ایل مونا کا کوٹ اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔"

ایل مونا نے پوچھا۔ "یہ تم کون سی زبان بول رہے ہو؟"

"یہ دل کے پھپھولے پھوڑنے والی بات ہے۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ چلو۔"

ہم، ان اسٹین گنوں کے سائے میں آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد وہاں سے سفر شروع ہوا۔ میں نے لیڈر سے پوچھا۔ "ہمیں کہاں لے جا رہے ہو۔ وہ پولیس آفیسر وغیرہ کہاں ہیں؟"

"ہم کسی پولیس آفیسر کو نہیں جانتے اور زیادہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی چالاکی دکھائے بغیر ہمارے حکم کی تعمیل کرتے رہو گے تو تمھیں نقصان نہیں پہنچے گا۔"

ایئرپورٹ کے رن وے پر ایک طیارہ ہمارے لیے تیار کھڑا تھا۔ ہم اس میں سوار ہو گئے۔ میں اور مونا دو ہی مہمان مسافر تھے ورنہ وہاں دو اور مسلح افراد کا اضافہ ہو گیا تھا۔ جہاں مجھے اور مونا کو بیٹھنے کے لیے سیٹ دی گئی، سامنے ہی دیوار پر ایک بڑا سا ٹی وی اسکرین تھا۔ جب جہاز پرواز کرتا ہوا کافی بلندی پر پہنچ گیا تو وہ ٹی وی اسکرین آن ہو گیا۔ اسکرین پر ایک ادھیڑ عمر کی عورت نظر آ رہی تھی۔ اس نے غضب کا میک اپ کیا ہوا تھا۔ ہر ممکن طریقے سے اپنی عمر کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔ پس منظر سے آواز آ رہی تھی۔ "یہ ہے رومانٹک بے بی ہے۔"

میں نے مونا کی طرف جھک کر کہا۔ "دیکھو، بے بی ایسی بھی ہوا کرتی ہے۔"

کسی نے ڈانٹ کر کہا۔ "یُو شٹ اپ۔ جو کہا جا رہا ہے اسے توجہ سے سنو۔ آپس میں گفتگو کرنے سے.... پرہیز کرو۔"

ہم پھر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ کہنے لگا۔ "ڈاکٹر میکاکس یا تم جو کوئی بھی ہو لیکن ایل مونا کا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہو۔ ہم یہی چاہتے تھے۔ ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ مونا دشمنوں کی نظروں میں آ گئی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ کون ہو اور کس گروہ سے تعلق رکھتے ہو۔"

میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں ڈاکٹر میکاکس ہوں۔"

"یہ ہم بھی جانتے ہیں۔ یقیناً تم ڈاکٹر میکاکس ہو لیکن کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"ظاہر ہے، میں تنانا کے میڈیکل سینٹر میں کام کر رہا ہوں۔ اپنی حکومت کے لیے۔"

"زیادہ معصوم بننے کی کوشش نہ کرو۔ اس خطرناک تنظیم کا نام بتاؤ جس سے تمہارا تعلق ہے۔"

"میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی خطرناک تنظیم دیکھی ہے۔ وہ میرے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے۔ جب آنکھیں ہرنی جیسی ہوں، چہرہ گلابی اور دودھ کی طرح سفید ہو، حُسن بے پناہ ہو اور شباب کوٹ کوٹ کر بھرا ہو تو ہم ازل سے ان سارے لوازمات کے مجموعے کو خطرناک تنظیم کہتے آئے ہیں۔"

میں نے ایل مونا کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "میرا تعلق اسی تنظیم سے ہے اور اسی کے پیچھے دیوانہ وار چلا آیا ہوں۔"

اسپیکر کے ذریعے کہا گیا۔ "تمہاری بکواس کے دوران رومانٹک بے بی کہاں سے کہاں چلی آئی ہے۔ ذرا اسے دیکھو۔ یہ جہاں جا رہی ہے اور جس کے پاس جا رہی ہے اگر تمھیں اس کی ضرورت ہے تو ہم سے دو ٹوک بات کرنا۔"

میں نے دیکھا۔ بوڑھی بے بی بڑے تازہ انداز سے چلتے ہوئے اس بڑے سے مکان کے اس حصّے میں پہنچی تھی جہاں بہت سے بچّے کھیل رہے تھے۔ لان میں جھولا تھا۔ بچّے جھول رہے تھے۔ کچھ بچّے چھوٹی سی موٹر چلا رہے تھے۔ کچھ تین پہیے کی سائیکل پر سوار تھے۔ رومانٹک بے بی نے ان تمام بچّوں کی طرف دیکھتے ہوئے آواز دی۔ "بے بی، تم کہاں ہو؟"

کتنی ہی بے بی اور بابا پلٹ کر دیکھنے لگے۔ رومانٹک بے بی نے کہا۔ "اوہ میں تم سب کو نہیں، اپنی رسونتی بے بی کو بلا رہی ہوں۔"

فوراً ہی منظر بدل گیا۔ رسونتی ایک پلاسٹک کے گھوڑے پر بیٹھی ہوئی آگے پیچھے جھول رہی تھی۔ میں ایک دم سے چونک کر اپنی سیٹ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

جو کچھ آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا تھا، اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کسی بچی کی طرح ایک پلاسٹک کے گھوڑے پر سوار تھی اور آگے پیچھے جھولتے ہوئے یوں خوش ہو رہی تھی اور تالیاں بجا رہی تھی جیسے سچ مچ گھوڑے پر سواری کر رہی ہو۔

رومانٹک بے بی نے پاس آ کر کہا۔ "اوہ بے بی، تم یہاں ہو۔ پتا ہے، تمہارا ملک ٹائم ہو گیا ہے۔"

رسونتی نے چھوٹی سی بچی کی طرح سمٹ کر کہا۔ "میں دودھ پینے نہیں جاؤں گی۔ یہیں لا کر دو۔"

اس نے آواز دی۔ "آیا! بے بی کے لیے دودھ لے آؤ۔"

میں حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ خیال خوانی کرنا بھول گیا تھا۔ ایک آیا فیڈر لے کر آئی تھی۔ شیشی میں دودھ بھرا ہوا تھا۔ پھر رسونتی اس شیشی کی نپل کو منہ میں رکھ کر دودھ پینے لگی تھی۔ اسپیکر سے آواز آ رہی تھی۔ "دیکھو، غور سے دیکھو، تم سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی کے لیے آئے ہو۔ دنیا کی تمام خطرناک تنظیموں کے افراد انھیں تلاش کر رہے ہیں۔ ہم مانتے ہیں، تم اور تمہارا سربراہ بہت چالاک ہے۔ تم لوگوں نے کسی طرح ایل مونا کو ڈھونڈ نکالا۔ تم میں سے جس نے اس کے بھائی ایل مانڈو کو اغوا کیا ہے، وہ بھی اسی تاک میں ہے کہ کسی طرح سونیا، رسونتی اور اعلیٰ بی بی تک پہنچ جائے۔ بہرحال ہم تمھیں رسونتی کے پاس پہنچا رہے ہیں۔ جو کچھ تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، وہ کوئی خواب نہیں ہے۔ کوئی کہانی قصہ نہیں ہے، کوئی ڈراما نہیں ہے۔ کوئی دکھاوا نہیں ہے۔ رسونتی حقیقتاً ایک نادان بچی بن چکی ہے۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بے اختیار چیختے ہوئے کہا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ رسونتی کے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ جب تم اس کے پاس پہنچو گے تو یقین آ جائے گا۔"

میں دھپ سے بیٹھ گیا۔ اچانک یاد آیا کہ خیال خوانی کے ذریعے تصدیق کر سکتا ہوں۔ میں نے دوسرے ہی لمحے پرواز کی۔ مجھے رسونتی کی آواز، اس کا لب و لہجہ اچھی طرح یاد تھا۔ بھلا میں اسے کیسے بھلا سکتا تھا لیکن میری سوچ کی لہریں بھٹکتی رہیں۔ رسونتی تک نہ پہنچ سکیں۔ میں پریشان ہو کر اسکرین پر رسونتی کو دیکھنے اور سوچنے لگا۔ جب میں نے توجہ سے دوسری بار اس کی آواز سنی تو وہ فیڈر واپس کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں اور نہیں پیوں گی۔"

رومانٹک بے بی کہہ رہی تھی۔ "اچھے بچے ضد نہیں کرتے۔ چلو اسے ختم کرو۔"

رسونتی نے شیشی کو ہاتھ میں لیا۔ پھر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہہ دیا نا، نہیں پیوں گی۔ جاؤ یہاں سے۔"

بوڑھی بے بی نے اس کے کان پکڑ کر کہا۔ "بے بی! تم بہت ضدی اور بدتمیز ہو گئی ہو۔ آئندہ ایسا کرو گی تو سزا دی جائے گی۔"

اس دفعہ میں نے رسونتی کی آواز کو سنا تو اس میں کافی تبدیلی آ چکی تھی۔ اس میں بچپنا تھا۔ لب و لہجہ بدل گیا تھا۔ تب میں نے اس بدلے ہوئے لہجے کو گرفت میں لے کر خیال خوانی کی پرواز کی۔ اور اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

مجھے دماغ میں جگہ تو مل گئی لیکن یہ کیسے تصدیق ہو کہ میں رسونتی کے دماغ میں تھا، جسے میں برسوں سے جانتا تھا، جو میری شریکِ حیات تھی، جو میرے بچے کی ماں تھی۔ میں اسے نہیں پہچان رہا تھا لیکن دل کہہ رہا تھا کہ یہ وہی ہے۔ ذرا سا لب و لہجہ بدل گیا تھا۔ آواز میں فرق پیدا ہو گیا تھا۔

جو کچھ بھی میری نظروں کے سامنے تھا، جو کچھ بھی ٹیلی پیتھی کے آئینے میں تھا، مجھے اسے تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر میں اسے رسونتی ماننے سے انکار کر دوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسونتی اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ کیوں کہ جس کے لب و لہجے کو میں برسوں سے جانتا آیا تھا، اسے گرفت میں لے کر جب بھی میں نے پرواز کی تو میری سوچ کی لہریں بھٹکتی رہ گئیں مگر وہاں تک نہیں پہنچ سکیں۔

اب جہاں پہنچا ہوا تھا وہی رسونتی تھی۔

اور اگر نہیں تھی تو پھر وہ کہاں تھی؟

کیا مجھے کہنا ہو گا کہ رسونتی تھی؟

کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسونتی ہے؟

وہ رسونتی جو پلاسٹک کے گھوڑے پر سوار بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی، ہنس رہی تھی، کھلکھلا رہی تھی اور معصوم لہجے میں کبھی بولتی بھی جا رہی تھی۔ وہ میری نگاہوں کے سامنے "تھی اور ہے" کے درمیان رہ گئی تھی۔

اب کیسے یقین ہو کہ وہ اپنے وجود کے ساتھ میری نگاہوں کے سامنے ہے؟

میں بڑی دیر تک پس و پیش میں رہا۔ میری نگاہیں ٹی وی اسکرین پر جمی رہیں۔ مجھے رسونتی صاف طور پر نظر آ رہی تھی اور میں اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا تھا مگر اس کے رسونتی ہونے کا یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔

وہ پُراسرار شخص نادان نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی گہری چال چلی جا رہی تھی۔ میرے سامنے نہ جانے کس رسونتی کو پیش کر کے مجھے الجھایا جا رہا تھا۔ اس معاملے کی تہ تک پہنچنے کے لیے ہر پہلو سے سوچنا اور سوچنے سے پہلے ذہنی طور پر پُرسکون رہنا لازمی تھا۔

فی الحال سکون سے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں تھا۔ طیارے کے اسپیکر کے ذریعے مجھے مخاطب کر کے پوچھا جا رہا تھا۔ "ہاں تو ڈاکٹر مے کاکس تم کون ہو؟"

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، اسپیکر نے کہا۔ "جواب میں یہ نہ کہنا کہ تم ڈاکٹر ہو اور تمہارا نام مے کاکس ہے۔"

میں نے جواباً کہا۔ "جب مجھے اپنے نام سے اور پیشے سے انکار کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے تو خود ہی بتا دو، میں کون ہوں؟"

"تم جو کوئی بھی ہو، ماسٹر کی کے خاص آدمیوں میں سے ہو۔ تم نے جس کامیابی سے ایل مونا کا تعاقب کیا، اس لڑکی سے دوستی کرنے اور اس کا اعتماد حاصل کرنے میں جس ذہانت کا ثبوت دیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ماسٹر کی تمہاری غیر معمولی صلاحیتوں پر ناز کرتا ہو گا۔"

میں نے اسکرین پر رسونتی کو دیکھا پھر جواب دیا۔ "تم لوگ میری کسی بات کا یقین نہیں کر رہے ہو۔ اگر یقین کرنا چاہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں، ماسٹر کی سے میرا تعلق نہیں ہے۔"

"تو پھر تمہارا تعلق بابا فرید واسطی کے ادارے سے ہے۔"

میں ذرا سنبھل گیا، وہ کہہ رہا تھا۔ "مسٹر مے کاکس! ابھی تمہارے متعلق تازہ ترین رپورٹ حاصل ہوئی ہے۔ ہماری سیکرٹ ایجنسی نے تمہارے ماضی کو کھنگالا ہے اور یہ حقیقت معلوم کی ہے کہ تمہارا بچپن اور جوانی کا ابتدائی ایام بابا فرید واسطی کے ادارے میں گزرے ہیں۔ تم نے وہاں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، مختلف میڈیکل سینٹروں میں خدمات انجام دیتے ہوئے الاسکا پہنچے ہو اور اپنے ماضی کو چھپانے کی کوشش کرتے رہے ہو۔ تاکہ تمہارا تعلق بابا صاحب سے ظاہر نہ ہو۔"

میں نے ڈھٹائی سے کہا۔ "بڑی حیرت انگیز معلومات ہیں، اگر یہ رپورٹ درست ہے تو پھر مجھ سے پوچھنے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟"

"یعنی تم اس رپورٹ کو درست تسلیم نہیں کر رہے ہو۔"

"میرے ماضی سے تعلق رکھنے والے کاغذات تمام میڈیکل سینٹرز میں ہیں۔"

"وہ کاغذات جعلی ہیں۔"

"اور میں کہتا ہوں کہ تم لوگوں کو ملنے والی تازہ ترین رپورٹ غلط ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ جو لوگ مجھ سے باتیں کر رہے تھے، مجھے ان کے خیالات پڑھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ مجھ سے متواتر سوالات کیے جا رہے تھے۔ جواب دینے کے لیے دماغی طور پر حاضر رہنا لازمی تھا۔ موجودہ رسونتی کی اصلیت معلوم کرنے کے لیے فی الحال رومانٹک بے بی بھی میری خیال خوانی سے محفوظ تھی۔ بہرحال بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔

اسپیکر سے آواز آئی۔ "مسٹر مے کاکس! ہم مان لیتے ہیں کہ تمہارے متعلق ملنے والی اطلاعات غلط ہیں۔ اگر تمہارا تعلق کسی تنظیم سے نہیں ہے، اگر تم ہمارے لیے بے ضرر ہو تو ایل مونا کا تعاقب کیوں کرتے آ رہے ہو؟"

میں نے سرد آہ بھر کر پاس بیٹھی ہوئی ایل مونا کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "عشق نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔"

"گویا تم مونا کے عاشق ہو۔ چلو یہ بھی مان لیتے ہیں۔ یہ بتاؤ، اگر مونا تمھیں مل جائے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"وہی جو حسنِ سلوک کہلاتا ہے مگر اس سلوک کا ذکر کسی سے کیا نہیں جاتا۔ تمھیں پوچھتے ہوئے شرم آنا چاہیے۔"

"بکواس مت کرو۔ تم جھوٹے ہو۔ تم ایل مونا کے دیوانے نہیں ہو۔ یہ تمہارے پاس آئی تھی مگر تم نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہاتھ نہ لگانے پر تمھیں افسوس کیوں ہو رہا ہے، جب کہ ایل مونا خوش ہے۔"

ایل مونا نے میرے قریب ہو کر آہستگی سے کہا۔ "باتیں نہ بناؤ، ان کے سوال کا معقول جواب دو۔ جب تم میرے دیوانے ہو، جب میں حاصل ہو رہی تھی تو تم پارسا کیوں بن گئے تھے۔"

میں نے کہا۔ "میرا جواب تمہاری باتوں میں ہے۔ بے شک مجھے اپنی پارسائی پر فخر ہے۔ میں تمہارا عاشق ہوں، گناہگار کہلانا نہیں چاہتا۔"

اسپیکر سے کہا گیا۔ "ہم دیکھنا چاہتے ہیں، تم کب تک اپنی اصلیت چھپاؤ گے۔ چلو ہم تمہاری پارسائی کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اب یہ بتاؤ تم نے پیرس سے ایل مونا کے ساتھ سفر شروع کیا۔ طیارے میں پہلے تو ابراہم ڈیوس مارا گیا۔ اس کے بعد تمام میں ڈاکٹر ڈوگلس ختم کر دیا گیا۔ ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ

ہوائی سفر کے دوران شورلے ایوان اچانک موت کی آغوش میں چلا گیا۔ تینوں اموات یا تینوں قتل انتہائی پُراسرار تھے اور تینوں وارداتیں تمہاری موجودگی میں ہوئیں، ایسا کیوں ہے؟"

"یہ سوال قتل ہونے والوں اور قتل کرنے والوں سے پوچھنا چاہیے۔ بائی دی وے میں ایک ڈاکٹر ہوں، میرے سامنے کتنے ہی قتل ہونے والے اپنی زندگی میں آئے اور زندگی کے بعد لائے گئے۔ تم صرف تین قتل کی بات کر رہے ہو۔ ہاں اگر مجھے ان وارداتوں میں ملوث کرنا چاہتے ہو تو یہ سراسر نادانی ہوگی۔ بے شک وہ تینوں قتل انتہائی پُراسرار تھے۔ پہلے تمھیں اسرار کو سمجھنا چاہیے پھر الزام دینا چاہیے۔"

"تم بہت چالاک بننے کی کوشش۔۔۔"

اسپیکر سے کہنے والا اپنی بات پوری نہ کر سکا۔ اچانک ہمارا طیارہ ڈگمگانے لگا تھا۔ میں نے چند لمحوں تک کسی کے کچھ کہنے کا انتظار کیا پھر خیال خوانی کی پرواز کی۔ چشم زدن میں وہاں پہنچ گیا جہاں سے اسپیکر کے ذریعے مجھے مخاطب کیا جا رہا تھا۔

وہ سب پائلٹ کے کیبن میں بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ طیارہ برفانی طوفان میں گھر گیا ہے۔ یہ مصیبت یک طرفہ نہیں، دو طرفہ تھی۔ ایکسیلریٹر میں خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ طیارے کو واپس کوزبو کی طرف نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ آگے آدھے گھنٹے کی مسافت پر ہوپر بے کا ہوائی اڈہ تھا مگر وہاں سے بھی طوفان کا سگنل مل رہا تھا۔

طیارے کے اندر سنسنی پھیل گئی۔ اگلے چند منٹوں میں کیا ہونے والا تھا، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی دانست میں بڑی چالاکی سے مجھے گھیر لیا تھا لیکن قدرتی آفات میں خود گھر گئے تھے۔ ایسے طوفان کی تباہ کاری اور طیارے کی خرابی نے مجھے بھی تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

موت کو ایک دن آنا ہے۔ تشویش یہ تھی کہ خواہ مخواہ کی موت سے کس طرح بچا جا سکتا تھا۔ پائلٹ اور جہاز کا دیگر عملہ اس طیارے کو اپنے کنٹرول میں رکھنے اور کسی قریبی۔۔۔۔ ائرپورٹ سے امداد حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ پائلٹ مائیک کو منہ کے قریب لگاتے ہوئے "مے ڈے، مے ڈے" کی رٹ لگا رہا تھا۔

"مے ڈے" ایک بین الاقوامی کوڈ ورڈ ہے۔ اس کا مطلب ہے طیارہ یا بحری جہاز مشکلات میں گھر گیا ہے لہٰذا فوری مدد پہنچائی جائے۔ مے ڈے کے جواب میں کہیں سے ہدایات دی جا رہی تھیں کہ ہمارے طیارے کے لیے قریب ترین خشکی کا حصہ سینٹ لارنس کا جزیرہ ہے۔ طیارے کو وہاں لے جا کر اتارنے کی کوشش کی جائے۔

ایل مونا کا حسین چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اس نے بے اختیار میرے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ ڈوبتے وقت میں ہی اس کا سہارا تھا۔ میرا سہارا صرف خدا ہے۔ میری زندہ دلی نے سمجھایا، منہ لٹکا کر، سہمنے اور فکر کرنے سے موت نہیں ٹلتی۔ جو ہونا ہے، ہو کر رہے گا پھر موت سے پہلے موت کی سی خاموشی کیوں رہے؟

میں نے بلند آواز سے پوچھا "اے بھائی صاحب! تم نے سوالات کا سلسلہ کیوں بند کر دیا؟"

آواز آئی "شٹ اپ۔"

میں نے کہا "تم لوگوں کی عقل گھاس چرنے گئی ہے۔ ذرا سوچو، جب موت سامنے کھڑی ہو تو آدمی آپ ہی آپ سچ بولنے لگتا ہے، یہ موقع غنیمت ہے، مجھ سے جو پوچھو گے، میں زندگی کی آخری سانسوں میں سچ کہتا جاؤں گا۔"

لیکن کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ طیارے کے پروں میں برف جم رہی تھی۔ اس کی پرواہ نہیں کی گئی تاکہ برف پگھلتی رہے۔ میں نے کہا "تم سوال کرنا بھول گئے لہٰذا میں سوال کرتا ہوں، تم جواب دو۔ تم لوگ کون ہو؟ کس پُراسرار شخص کے لیے کام کر رہے ہو؟"

ایک اسٹیوارٹ نے قریب سے گزرتے ہوئے کہا "خاموش رہو ورنہ منہ توڑ دوں گا۔"

میں نے مسکرا کر کہا "ابھی ہم سب ہزاروں فٹ کی بلندی سے گر کر ٹوٹنے پھوٹنے والے ہیں۔"

"موت کے خوف نے تمھیں پاگل کر دیا ہے۔"

"پاگل نہیں ہوش مند بنا دیا ہے۔ ہم چند لمحوں میں ایک دوسرے سے سچ بول کر اپنی اصلیت ظاہر کرکے فنا ہو جائیں گے۔ ہمیں کسی کے خلاف کچھ بولنے کے لیے ایک سانس کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ پھر اے لوگو! اپنی اصلیت کیوں چھپاتے ہو؟"

ایل مونا نے کہا "ایسے وقت موت کا ذکر کرکے اور دہشت زدہ کر رہے ہو۔ پلیز خاموش رہو۔"

"میرے خاموش رہنے سے ہونی انہونی نہیں ہو سکتی۔"

وہ دوسری جانب دیکھتے ہوئے دعا مانگنے کے انداز میں بولی۔ "اوہ گاڈ! اب کیا ہوگا؟ کیا ہم کسی طرح بچ نہیں سکتے؟"

"ہمارے چاروں طرف برفانی طوفان کی دھند چھائی ہوئی ہے۔ نیچے زمین نہیں ہے، سمندر بھی نہیں ہے کیونکہ اس علاقے کی سمندری سطح پر برف کے تودے بہتے رہتے ہیں۔ یہ طیارہ کہیں اتر

نہیں سکتا پھر ہم کس طرح بچ سکتے ہیں؟"

وہ غصے سے بولی "کیا تم اچھی بات منہ سے نہیں نکال سکتے؟"

"اچھی بات محبت کی بات ہوتی ہے، آؤ ہم محبت کریں۔"

میں نے اس کا ہاتھ اپنی طرف کھینچا۔ ہم سب حفاظتی بیلٹ کے ذریعے اپنی اپنی سیٹ پر بندھے ہوئے تھے۔ ہاتھ کھینچنے پر وہ میری طرف ذرا جھک گئی۔ دماغ نے کہا "بس یہی چند سانسیں ہیں، نفرت سے جی لو یا محبت سے۔۔۔۔"

وہ بے اختیار چیخ کر بولنے لگی "میں محبت کرتی ہوں۔ میں اپنی موت کو سامنے دیکھ کر تسلیم کرتی ہوں کہ دنیا میں کچھ نہیں رہتا۔ ہمارے پیچھے ہماری نفرتیں اور محبتیں رہ جاتی ہیں۔ ہم نفرت سے موت کو نہیں ٹال سکتے مگر محبت سے محبوب کے ساتھ مر تو سکتے ہیں۔"

کیبن میں پائلٹ کے ساتھ دو آدمی تھے۔ ہمارے آس پاس کی سیٹوں پر ایک عورت اور دو مرد بیٹھے ہوئے تھے، وہ سب گم صم ایل مونا کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی "میں ڈاکٹر مے کاکس سے محبت کرتی ہوں۔ میں پیرس سے دیکھتی آ رہی ہوں، یہ سچا اور کھرا انسان ہے۔ میں بات بات پر اسے دھوکا دیتی رہی، یہ قدم قدم پر میری حفاظت کرتا رہا۔ میں اس لمحے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتی ہوں، جب تک ان کے ساتھ رہوں گی، موت مجھے زندگی سے چھین کر نہیں لے جا سکے گی۔"

یکبارگی طیارے کو زبردست جھٹکا پہنچا۔ ہماری اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ جانے وہ طیارہ کتنی بلندی سے پستی کی طرف گیا تھا۔ جیسے ہی سانس میں سانس آئی، ایل مونا نے زور کا قہقہہ لگایا "ہاہاہاہا۔۔۔ میں ابھی زندہ ہوں، میں نہیں مر سکتی۔ تم نے دیکھا مے کاکس!"

طیارہ بے شک پستی کی طرف جھٹکے سے گیا تھا مگر ہنوز پرواز کر رہا تھا۔ ایل مونا نے کہا "مے کاکس! تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں زندگی کے اس اہم موڑ پر سچ بولنا چاہیے۔ میں سچ بولوں گی، کسی سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ میں نے۔۔۔۔"

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ میں نے اس کے لبوں پر خاموشی کی مہر لگا دی۔ وہ اعتراف کرنا چاہتی تھی کہ اس نے گوری سچاتا کے بدن سے قیمتی ہیرا چرایا تھا۔ زندگی کے آخری سانسوں میں دنیا والوں کا ڈر نہیں رہتا۔ وہ بھی اپنے پُراسرار باس سے ڈرنا بھول گئی تھی مگر میں نے اسے کہنے کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ میں خدا کی ذات سے مایوس نہیں تھا۔ میرے دماغ کی گہرائیوں میں یہ یقین چھپا ہوا تھا کہ انسانی ہاتھ ہوں یا قدرتی آفات، مارنے والوں سے وہ بچانے والا ہمارا محافظ کل ہے۔

میں نے پائلٹ کے خیالات پڑھے۔ نیچی پرواز کے باعث دور پستی میں برفیلی زمین دکھائی دے رہی تھی مگر وہ زمین نہیں تھی۔ اس کے نیچے سمندر تھا۔ اس کی سطح پر برف کی طویل و عریض چادر بہہ رہی تھی۔ الاسکا کے شمال مغربی سمندر میں بہنے والی چادریں عموماً ٹھوس اور مضبوط ہوتی ہیں۔ ایسی برفیلی زمین کو آئس فلوٹ کہا جاتا ہے۔ ایسے آئس فلوٹ شمالی سمندر میں بہتے جاتے ہیں پھر جیسے جیسے جنوبی گرم حصوں کی طرف پہنچتے ہیں، پگھلنے لگتے ہیں۔

پائلٹ اور اس کے ساتھی یقین سے کہہ رہے تھے کہ وہ آئس فلوٹ زمین کی طرح ٹھوس اور مضبوط ہے۔ اس پر طیارے کو اتارا جا سکتا ہے۔ وہ آئس فلوٹ کے چاروں طرف پرواز کرتے ہوئے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ اندازہ ہوا کہ برف کی وہ ٹھوس سطح تقریباً ڈیڑھ میل وسیع اور ایک میل عریض ہے۔ وہاں اتر کر طوفان کے تھمنے اور دوسری امداد کے پہنچنے کا انتظار کیا جا سکتا تھا۔

اسپیکر آن ہو گیا۔ ہمیں بتایا جا رہا تھا کہ طیارہ ایک آئس فلوٹ پر اترنے والا ہے۔ ایل مونا نے پوچھا "مے کاکس! کیا ہم صحیح سلامت اتر جائیں گے؟"

"اس کا انحصار پائلٹ کی مہارت پر ہے۔ بائی دی وے، جہاں ہم اترنے جا رہے ہیں، وہاں سلامتی مشکوک ہے کیونکہ ہم زمین پر نہیں اتر رہے ہیں۔ جہاں ہمارے قدم پہنچیں گے، اس کے نیچے سمندر ہوگا۔ آئس فلوٹ کی سطح ٹھوس اور مضبوط ہو سکتی ہے مگر جا بجا گڑھے ہوں گے یا برف کی سطح کمزور ہوگی۔ ہم ادھر سے گزریں گے تو دنیا سے گزر جائیں گے، وہ نادیدہ گڑھے ہماری برفانی قبر بن جائیں گے۔"

"تم ڈرا رہے ہو۔"

"کیا تم ڈرنے والی بچی ہو؟"

اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "تمھارے ساتھ تو ایک بچی کی طرح ڈرپوک بن کر رہنے کو ہی جی چاہتا ہے۔"

اسی وقت طیارے نے آئس فلوٹ کی سطح کو چھو لیا۔ ایک ہلکا سا جھٹکا محسوس ہوا۔ میں نے کھڑکی کے پار دیکھا۔ دن کے وقت بھی دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ برف کے ذرات اڑ رہے تھے۔ طیارہ اس سطح پر دوڑتا ہوا ایک جگہ رک گیا۔

تھوڑی دیر تک طیارے میں گہری خاموشی رہی۔ موت کے منہ سے نکل کر نئی زندگی ملے تو مشکل ہی سے یقین آتا ہے۔ سب کے سب یوں بیٹھے تھے جیسے اپنی قبر میں اٹھ کر بیٹھ گئے ہوں پھر ایل مونا نے ایک گہری سانس لی اور کہا "ہم زندہ ہیں۔ ہمیں اس طیارے سے نکلنا چاہیے۔"

وہ حفاظتی بیلٹ کھولنے لگی۔ اسٹیوارٹ نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا: "مونا! آرام سے بیٹھی رہو، پہلے ہم باہر جا کر آئس فلوٹ کا جائزہ لیں گے۔"

دو شخص باہر جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کی پشت پر ٹول کٹ باندھ رہے تھے۔ کٹ تھیلے کے اندر ضروری اوزار رکھے ہوئے تھے۔ سامنے سینے پر جو کٹ باندھی گئی تھی اس میں کچھ کھانے پینے کا سامان اور مختلف ہتھیار تھے۔ چونکہ برف کا طوفان رواں تھا، کسی وقت بھی تاریکی اچانک چھا سکتی تھی اس لیے ٹارچ وغیرہ رکھ لی گئی تھیں۔ پاؤں میں اسکیٹنگ شوز تھے اور ہاتھوں میں آہنی چھڑیاں تھیں جن کے ذریعے وہ برف کی کھوکھلی سطح کا اندازہ کر سکتے تھے۔

وہ چلے گئے۔ میں بھی اُن کے ساتھ دماغی طور پر باہر پہنچ گیا۔ وہ آنکھوں سے دُور بین لگائے دیکھ رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا سورج سر پر ہوگا مگر نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر طرف برفیلی دُھند چھائی ہوئی تھی۔ آفتاب کی مُردہ کرنیں صاف و شفاف برف پر پڑ رہی تھیں۔ اُن کی روشنی برف سے منعکس ہو رہی تھی جس کی وجہ سے دن کی مدھم سی روشنی ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں طیارے میں واپس آئے اور بتانے لگے کہ برف کی سطح ٹھوس ہے کہیں کہیں برف کے اونچے ٹیلے نظر آ رہے ہیں۔ طیارے سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر آئس فلوٹ کا کنارا ہے۔ وہاں سے سمندر کا پانی دکھائی دیتا ہے۔ ہم سب اس طیارے سمیت برف کی سطح پر سمندر میں بہتے جا رہے تھے۔ آئس فلوٹ کا کنارا ٹوٹنے پر سب سے پہلے طیارہ سمندر میں غرق ہو سکتا تھا لہٰذا طیارے کے انجن کو دوبارہ اسٹارٹ کیا گیا۔ وہ دونوں شخص پھر باہر گئے۔ ان کے سگنل کے مطابق طیارے کو آئس فلوٹ کے ایک درمیانی حصّے میں پہنچا دیا گیا۔

باہر غضب کی سردی تھی۔ ہم طیارے کے اندر محفوظ تھے مگر اندیشہ تھا کہ جہاں یہ جہاز کھڑا ہوا ہے، وہاں برف کی سطح اچانک ٹوٹنے لگے تو ہم سب طیارے کے اندر بیٹھے بیٹھے سمندر کی تہ میں پہنچ جائیں گے۔ پائلٹ وقفے وقفے سے ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ بار بار یہی جواب موصول ہو رہا تھا کہ برفانی طوفان میں امدادی طیارہ نہیں بھیجا جا سکتا۔ لہٰذا طوفان کے تھمنے تک ہمیں اسی آئس فلوٹ پر انتظار کرنا ہوگا۔

وہ آئس فلوٹ گویا ایک عارضی جزیرہ تھا۔ اس جزیرے میں آٹھ عدد بھٹکے ہوئے مسافر تھے۔ اُن میں سے ایک میں تھا۔ دوسری ایل مونا تھی۔ مونا کے علاوہ ایک اور عورت تھی، باقی پانچ مرد تھے یعنی میرے چھ دشمن تھے۔ سب کا تعلق اس پُراسرار شخص سے تھا جس کے متعلق اس کے تمام آلۂ کار بھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ ایل مونا بھی ایک آلۂ کار تھی مگر میری دشمن نہیں تھی۔

اس طیارے کا پائلٹ ہی اُن کا پارٹی لیڈر تھا۔ اُس نے حکم دیا: "ایل مونا! اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ باہر چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم سب ہتھیاروں سے لیس رہو گے، صرف ڈاکٹر مے کاکس نہتا رہے گا۔"

سب کے سب مزید گرم کپڑے پہننے لگے۔ سر اور گردن کو ڈھانپنے والی ٹوپیاں بھی پہن لیں۔ یہ چیزیں مجھے نہیں دی گئیں۔ پارٹی لیڈر نے کہا: "ڈاکٹر! تم انہی کپڑوں میں باہر چلو گے اور اُس وقت تک سرد عذاب سے گزرتے رہو گے جب تک اپنی اصلیت نہیں بتاؤ گے۔ سرد ہوائیں تمھیں لمحہ لمحہ مارتی رہیں گی۔"

میں نے گرم لباس اور فل بوٹ پہنے ہوئے تھے مگر وہاں کی سردی میں یہ لباس کچھ بھی نہ تھا۔ مجھے اوور کوٹ، گرم ٹوپی اور اسنو گوگلس وغیرہ سے محروم رکھا جا رہا تھا۔ ایل مونا مجھے پریشان ہو کر دیکھ رہی تھی۔ جب مجھے طیارے سے باہر نکلنے کا حکم دیا گیا تو وہ پارٹی لیڈر سے بولی: "مسٹر مانلو! یہ ظلم ہے۔ ڈاکٹر نے بارہا میری جان بچائی ہے۔ پلیز! ان پر رحم کریں۔"

پارٹی لیڈر مانلو نے پوچھا: "کیا ڈاکٹر سے دلی لگاؤ ہو گیا ہے؟"

"ہاں میں پرواز کے دوران محبت کا اقرار کر چکی ہوں۔"

"پھر تمھارے بھی گرم کپڑے اتار دیے جائیں گے۔ تمھارے پاس ایک ہتھیار بھی نہیں رہے گا اور تم اس کے ساتھ سرد جہنم میں ٹھٹھر ٹھٹھر کر برف کا مُردہ مجسمہ بن جاؤ گی۔"

وہ بولی: "مجھے جیسی بھی سزا دو مگر مے کاکس پر خواہ مخواہ ظلم نہ کرو، یہ ہمارا دشمن نہیں ہے۔"

"تمھارا دشمن نہیں ہے، ہمارا تو ہے۔ کیا تم اس کے ساتھ مرنا پسند کرو گی؟"

ایل مونا نے مجھے دیکھا پھر کہا: "میں مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے اپنی زندگی سے بہت محبت ہے مگر میرا دل کہتا ہے کہ میں مے کاکس کا ساتھ دوں گی تو حرام موت میرے قریب نہیں آئے گی۔"

مانلو نے حکم دیا: "اس لڑکی کے ہتھیار چھین لو۔ فر کا کوٹ اور اسکیمو کیمپ اتار لو۔ اس کے بعد دونوں کو طیارے سے نکال دو۔"

وہ حکم دے کر دروازے کے پاس گیا پھر پلٹ کر مجھے دیکھتے ہوئے بولا: "باہر کی سردی میں آدھے گھنٹے سے زیادہ جی نہیں سکو گے اور اگر اعصاب کمزور ہوئے تو پانچ منٹ میں دم نکل جائے گا۔ زندگی چاہتے ہو تو اپنی اصلیت بتا دینا۔ ہم تمھاری قدر کریں گے۔"

یہ کہتے ہی وہ طیارے سے باہر گیا لیکن خود کار زینے تک پہنچ کر واپس آ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی چونک کر سوچنے لگا: "میں واپس کیوں آ گیا؟ کیا میں کچھ بھول گیا ہوں؟"

میں نے کہا: "مسٹر مانلو! میری بات مان لو، میری اصلیت معلوم کرنے کی ضد نہ کرو۔ میرے گمنام رہنے میں تم سب کی بھلائی ہے۔"

"اور برائی کیا ہے؟"

"بھلا برائی کیا ہو سکتی ہے۔ تم بھلے آدمی ہو، میری بھلائی چاہتے ہو۔ ابھی میرے خلاف اپنا حکم واپس لو گے۔"

اس نے مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ دوسرے لفظوں میں میں نے اسے یوں دیکھنے اور پھر حکم دینے پر مجبور کیا۔ اس نے حکم دیا: "ڈاکٹر کو مکمل لباس اور ٹول کٹ وغیرہ دے دو۔"

یہ کہتے ہی وہ میری مرضی کے مطابق طیارے سے باہر چلا گیا۔ اس کے آگے پیچھے دو مسلح جوان تھے۔ وہ زینے سے اتر کر نیچے برف کی سطح پر آیا۔ سوچنے لگا: "مجھے کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تو میں نے ڈاکٹر کو سزا دینے کا حکم دیا پھر ہمدردی پر اتر آیا۔ کیا میں ڈاکٹر کی شخصیت سے متاثر ہو رہا ہوں؟"

کو پائلٹ نے کہا: "مسٹر مانلو! دشمن سے ہمدردی نقصان پہنچاتی ہے۔ اگر اسے عام لباس میں طیارے سے باہر لایا جاتا تو سردی سے ٹھٹھر کر سب کچھ اُگل دیتا۔"

مانلو نے پریشان ہو کر طیارے کی جانب دیکھا پھر آہنی سلاخ کو برف میں دے مارا۔ سلاخ برف کی سطح میں دھنس گئی۔ اس نے بڑی تشویش سے کہا: "کیا یہ ڈاکٹر کچھ عجیب سا نہیں ہے؟"

کو پائلٹ نے کہا: "یہ بڑی مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہے۔ ہمارے پاس سے یہ زندہ واپس نہیں جائے گا مگر کتنے اعتماد سے کہہ رہا تھا کہ تم اپنا حکم واپس لو گے اور تم نے یہی کیا۔"

مانلو کچھ کہنا چاہتا تھا پھر مجھے دیکھ کر رُک گیا۔ میں ایل مونا کے ساتھ طیارے سے باہر آ رہا تھا۔ میں نے اوور کوٹ اور اسکیمو کیمپ پہن لیے تھے۔ آنکھوں پر اسنو گوگلس تھا۔ سردی سے محفوظ رہنے کے پورے جتن کیے تھے اس کے باوجود قیامت کی سرد ہوائیں تھیں۔ یہ ہوائیں لباس اور کھال سے گزر کر اَن دیکھی سوئیوں کی طرح ہڈیوں میں چبھ رہی تھیں۔

اب طیارے میں کوئی نہیں تھا۔ ہم سب باہر آ گئے تھے۔ وہاں طوفان کا زور تو نہیں تھا البتہ برف کے ذرات اُڑ رہے تھے۔ اسنو گوگلس کی وجہ سے آنکھیں محفوظ تھیں۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ اگرچہ میرے لیے تمام سامان فراہم کر دیا گیا تھا، تاہم ہتھیار سے محروم رکھا گیا تھا۔ اُن دوسروں کی طرح میرے ہاتھ میں بھی آہنی سلاخ تھی۔ طیارے سے نکلنے کے بعد ہم سب برف کی سطح پر سلاخ کی نوک مارتے ہوئے دُور تک جا رہے تھے اور اس برفانی جزیرے کے ٹھوس ہونے کا یقین کر رہے تھے۔

ایل مونا میرے ساتھ ساتھ تھی۔ ہم دوسروں سے ذرا دُور ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے میرے بازو کو تھام کر بڑی لگاوٹ سے پوچھا: "تم کیا ہو مے کاکس؟"

"آدمی ہوں۔"

"اوں ہوں۔۔۔ آدمی سے بھی بڑھ کر کچھ ہو۔ وہ تعداد میں چھ ہیں مگر اُن میں سے کوئی تمھیں نقصان نہیں پہنچا رہا۔ مانلو بہت سنگدل ہے مگر اس نے تمھاری مرضی کے مطابق حکم بدل دیا۔ اوہ مے کاکس، آئی لو یو۔ میرا جی چاہتا ہے تمھیں سمیٹ کر اپنے سینے کے اندر چھپا لوں یا سمٹ کر تمھارے وجود میں گُم ہو جاؤں۔"

میں نے زیرِ لب کہا: "اے بلاؤں کو پیدا کرنے والے! آئی بلا کو ٹال تو۔۔۔۔"

"تم کچھ بڑبڑا رہے ہو؟"

"نہیں، سردی سے دانت بج رہے ہیں۔"

دُور سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہا: "ڈاکٹر! یہ نہ سمجھنا ہم تم سے غافل ہیں۔ محض اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ اس برف کے جزیرے سے تمھارے لیے فرار ہونے کا راستہ نہیں ہے۔"

میں نے مانلو کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ ایک مکینک کے ساتھ پھر طیارے میں پہنچ گیا تھا اور ایکسیلریٹر کی خرابی کو دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اِس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ طیارہ جہاں کھڑا ہے، وہاں برف کی سطح مضبوط ہے۔ ادھر برف کے ٹوٹنے یا پگھلنے کا اندیشہ نہیں ہے۔

ہم کچھ دُور نکل گئے۔ میں نے کہا: "ہمیں طیارے کے قریب رہنا چاہیے۔"

اس نے اچانک گھوم کر میری طرف دیکھا اور محبت سے بولی: "طیارے کے قریب نہیں، ایک دوسرے کے قریب رہنا چاہیے۔"

اس کے رخسار سردی کی شدت سے انگارا ہو رہے تھے۔ اس کی سفید رنگت سُرخ پڑ گئی تھی۔ بس میں نے اتنا ہی دیکھا۔ اس کے بعد اچانک ہی میری کمر پر زور کی لات پڑی۔ میں اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ پلٹ کر برف کی سطح پر گر پڑا۔ لڑنے کی جو تربیت حاصل کی تھی اس کے مطابق گرتے ہی دُور تک لڑھکتا ہوا گیا پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

ایک شخص ایل مونا کی کلائی پکڑے ہوئے مجھ سے کہہ رہا تھا: "ڈاکٹر! مونا سے محبت کرنے کے لیے شیر کا دل چاہیے اور مونا! تم بڑی پارسا بنتی تھیں۔ تم نے میری آفر ٹھکرا دی۔ میں نے باس کے ڈر سے خاموشی اختیار کر لی تھی مگر ڈاکٹر کے ساتھ تمھیں چھوٹ نہیں دے سکتا۔"

"تم کیا دے سکتے ہو یہ بتا دو؟"

اس نے میری طرف ریوالور کا رُخ کرتے ہوئے کہا۔ "تمھارے نام ایک گولی دے سکتا ہوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ مجھ سے دل لگا رہی ہے اور تم دل لگی کر رہے ہو۔ ابھی میں نے تمھارے پارٹی لیڈر کو اپنی اصلیت نہیں بتائی ہے پھر تم مجھے گولی کیسے مار سکتے ہو؟"

"تم بہت چالاک ہو، یہ سمجھ گئے ہو کہ ہم تمھاری اصلیت معلوم کرنے کے لیے تمھیں زندہ رکھیں گے مگر کب تک؟ ہم جب بھی تمھاری طرف سے خطرہ محسوس کریں گے، گولی مار دیں گے۔ ابھی میں تمھیں ہلاک کر کے پارٹی لیڈر سے کہہ سکتا ہوں کہ تم مجھ پر قاتلانہ حملہ کر رہے تھے، میں نے اپنے بچاؤ کے لیے تمھیں قتل کر دیا۔"

میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں مرنا نہیں چاہتا۔ تمھیں مونا پسند ہے تو لے جاؤ۔"

وہ چیخ کر بولی۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا میری محبت کا یہی صلہ دے رہے ہو؟"

میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے مونا! مجھے جان دینا ہوگی یا تمھیں دینا ہوگا لہٰذا تمھیں دے رہا ہوں۔"

وہ غصے سے بولی۔ "تمھیں شرم نہیں آتی موت کو سامنے دیکھ کر محبت سے انکار کر رہے ہو، مجھ سے پیچھا چھڑا رہے ہو۔"

"ایک موت ہی تو ہے جو عورت سے پیچھا چھڑا دیتی ہے۔"

وہ مونا کو کھینچ کر دُور لے جانے لگا۔ میں نے کہا۔ "تم دونوں عجیب احمق ہو۔ ہم برف کے سپاٹ جزیرے میں ہیں۔ نہ جنگل ہے، نہ جھاڑی ہے پھر یہ تمھیں کہاں لے جا رہا ہے اور تم کس خوف سے چیخ رہی ہو؟"

اتنے میں دو اور شخص قریب آنے لگے، ایک نے پوچھا۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

ایل مونا کا ہاتھ پکڑنے والے نے کہا۔ "یہ میری ہے۔ بولو مونا! تم میری ہو۔"

"میں کسی کی نہیں ہوں، مجھے تم سب مردوں سے نفرت ہے۔ میں تم سے بھی نفرت کرتی ہوں۔"

مونا کے عاشق نے کہا۔ "غصے میں جواب نہ دو، مجھے محبت سے دیکھو۔ اگر تم نفرت کرو گی تو ابھی اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور کی نال اپنی کنپٹی سے لگا لی۔ آنے والے ساتھی ہنسنے لگے۔ ایک نے کہا۔ "یار! تم تو عورتوں کو کھلونا سمجھتے ہو پھر ایل مونا کے لیے کیسے جان دو گے؟"

دوسرے نے کہا۔ "اپنا یار بھلا جان دے گا؟ بھئی ڈراما کر رہا ہے ڈراما۔"

ایل مونا نے کہا۔ "میں ڈراما بازی کو خوب سمجھتی ہوں۔"

"میں سچ کہتا ہوں، تم سے سچا عشق کرتا ہوں، تم انکار کرو گی تو۔۔۔"

"میں انکار کرتی ہوں، ہزار بار انکار۔۔۔"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کنپٹی سے گولی چل گئی۔ خیال خوانی کی انگلی نے گولی چلا دی۔ ایل مونا کی کلائی چھوٹ گئی اور وہ قیدِ حیات سے چھوٹ کر برف کی سخت اور موت کی سرد آغوش میں گر پڑا۔

فائر کی آواز آئس فلوٹ کے ویرانے میں دور تک گونجتی ہوئی گئی پھر چند لمحوں تک گہرا سناٹا چھایا رہا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ عاشق صادق نکلے گا۔ اور ایل مونا کے لیے یوں جی جان سے گزر جائے گا۔

پارٹی لیڈر اور پائلٹ مانلو طیارے سے نکل کر اپنے آدمی کی لاش کے پاس پہنچ گیا تھا۔ سب لوگ اس کی احمقانہ خودکشی پر بحث کر رہے تھے۔ کوئی میری کارفرمائی پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ ایل مونا اور مانلو کے دو آدمی گواہ تھے۔ اس عاشق نے اُن کی آنکھوں کے سامنے خودکشی کی تھی۔

میں وہاں سے دُور جاتے ہوئے مانلو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کی سوچ میں کہنے لگا۔ "اپنے ایک ساتھی کی خودکشی پر مجھے ایک سسپنس سے بھرپور، دہشت انگیز جاسوسی کہانی یاد آ رہی ہے۔ کچھ لوگ ایک برفانی علاقے میں پھنس گئے تھے۔ انھوں نے ایک ویران سے مکان میں پناہ لی تھی۔ اس مکان کی دیوار پر لکھا ہوا تھا کہ اس مکان میں پناہ لینے والوں کو باری باری کسی طرح موت آئے گی۔"

میں نے اس کی سوچ میں یہ کہانی یاد دلائی تو وہ اس سلسلے میں خود سوچنے لگا۔ "ہاں مجھے یاد ہے۔ اس مکان میں پناہ لینے والے ایسی ہی حادثاتی موت مرتے رہے، جیسا کہ اس مکان کی دیوار پر لکھا ہوا تھا مگر میں یہ کہانی کیوں یاد کر رہا ہوں، ہمارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

میں نے کہا۔ "بہت گہرا تعلق ہے۔ ہم بھی برف کے ایک ایسے ہی جزیرے میں آ پھنسے ہیں جہاں سے فرار کا راستہ ناممکن ہے۔ ابھی ہمارے ایک ساتھی نے سراسر توقع کے خلاف خودکشی کی ہے، اس کے بعد دوسرے کی باری ہوگی۔"

مانلو نے ناگواری سے سوچا۔ "کیسی احمقانہ بات سوچ رہا ہوں۔ یہاں کہیں یہ تو نہیں لکھا ہوا ہے کہ ہم سب باری باری کس طرح مارے جائیں گے۔"

"یہاں لکھا ہوا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تقدیر کا لکھا نظر نہیں آتا۔"

"اونہہ" اس نے دور کھڑے ہوئے طیارے کی جانب دیکھا۔ انجن کی خرابی دور کر دی گئی تھی۔ کوئی خطرہ پیش آنے پر وہ کسی وقت بھی طیارے کو وہاں سے اڑا سکتا تھا۔ فی الحال موسم موافق نہیں تھا۔ ریڈیو کے ذریعے اطلاع مل چکی تھی کہ شمالی شہر گوزتو سے جنوبی شہر یورپے تک کوئی طیارہ پرواز نہیں کر رہا ہے لہٰذا مانلو کو بھی اسی آئس فلوٹ پر مناسب موسم کا انتظار کرنا چاہیے۔

مانلو نے طیارے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "اگرچہ موسم انتہائی خراب ہے تاہم آئس فلوٹ پر خطرہ پیش آیا تو میں موسم کی پروا کیے بغیر یہاں سے پرواز کروں گا۔"

وہ سوچتے سوچتے چونک گیا۔ آس پاس دیکھتے ہوئے بولا۔ "ڈاکٹر کہاں ہے؟"

اس کے آدمی اس نامراد عاشق کی لاش کو برف میں دبا رہے تھے، ایک نے کہا۔ "ڈاکٹر کہیں بھی ہو، ہماری گرفت میں رہے گا۔"

"بے شک فرار کا راستہ نہیں ہے پھر بھی دشمن کو نظروں میں رکھنا چاہیے۔"

میں اُن سے دور نکل آیا تھا۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "مانلو!"

وہ سب چونک گئے۔ برف کے جزیرے میں دور تک میری آواز گونج رہی تھی۔ "مانلو۔۔۔ مانلو۔۔۔ مان۔۔۔ لو۔۔۔"

پھر میں نے کہا۔ "تم مجھ سے خوف زدہ ہو۔"

آواز پھر گونجنے لگی۔ "خوف زدہ ہو۔۔۔ زدہ ہو۔ ہو۔ ہو۔ ہو۔"

مانلو نے متلاشی نظروں سے دُور تک دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم پاگل ہو۔ ہم سے دور جا کر اپنی دانست میں ہمیں خوف زدہ کر رہے ہو۔ میں تمھیں وارننگ دیتا ہوں، ایک منٹ کے اندر ہمارے سامنے آ جاؤ۔ ورنہ ہم آئیں گے اور تمھیں گولی مار دیں گے۔"

"کیا میری اصلیت معلوم نہیں کرو گے؟"

"وہ تو ہم تمھارے باپ سے بھی معلوم کر لیں گے۔"

"میرے والد جنت مکانی ہیں اور تم سب جہنم میں جلنے والے ہو۔ نہ اُن سے ملاقات ہوگی نہ کچھ معلوم کر سکو گے لہٰذا مجھ ہی سے نمٹ لو۔"

مانلو نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ "جاؤ اسے تلاش کرو۔ جیسے ہی نظر آئے گولی مار کر زخمی کر دو۔ اسے جان سے نہ مارنا۔"

میں نے اور ذرا دُور جاتے ہوئے کہا۔ "مانلو! اپنے لوگوں کے متعلق پیش گوئی سنو۔ تمھارا وہ آدمی جو سب سے پہلے مجھ تک پہنچے گا وہ پھر مکمل نظر نہیں آئے گا۔ تم اسے دیکھو گے مگر آدھا اور آدھا کچھ نہیں پاؤ گے۔"

مانلو کی سوچ نے کہا۔ "نان سنس، ڈرامائی انداز اختیار کر کے مجھے خوفزدہ کرنا چاہتا ہے، مجھے نادان بچہ سمجھتا ہے۔"

میں اُسے چھوڑ کر اس کے آدمیوں کے دماغوں میں باری باری جانے لگا۔ اُن میں سے ایک شخص مجھے تلاش کرتا ہوا دور نکل گیا تھا۔

میں اس کی طرف جاتے ہوئے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اگر موسم اچھا ہوتا تو میں چھپ نہیں سکتا تھا۔ اس سپاٹ آئس فلوٹ پر دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ اس وقت برف کے ذرات اُڑ رہے تھے، چاروں طرف دُھند چھائی ہوئی تھی۔ دُور تک دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے آنکھ مچولی کا کھیل جاری تھا۔

میں جس کے دماغ میں تھا وہ اپنی آہنی سلاخ سے برف کی سطح کو کھود رہا تھا۔ اپنے لیے قبر تیار کر رہا تھا۔ جب تین فٹ تک کھدائی ہو چکی تو وہ اس گڑھے میں اتر گیا۔ میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ میں نے آس پاس کی برف سے گڑھے کو پُر کر دیا پھر اس کی سلاخ ہاتھ میں لے کر دماغ کو آزاد کر دیا۔ اس نے بوکھلا کر خود کو دیکھا۔ حیرت اور دہشت سے چیخنا چاہتا تھا۔ میں نے اجازت نہیں دی۔ اس سے کہا۔ "اسے کہتے ہیں زندہ دفن کرنا۔ میں نے مانلو سے کہہ دیا تھا کہ میری اصلیت نہ پوچھے۔ جو اصلیت جان لیتا ہے وہ اپنے ہی دماغ کی قبر میں تمام عمر دفن رہتا ہے۔"

وہ خوف سے کانپ رہا تھا اور سردی سے دانت بج رہے تھے۔ اس نے پوچھا۔ "ک۔۔۔ کیا یہ ٹیلی پیتھی ہے۔۔۔ تم۔۔۔ تم فرہاد۔۔۔؟"

میں نے سلاخ کو ایک ہاتھ میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔ جو دشمن میرے نام کے ساتھ مجھے پہچان لیتا ہے پھر وہ کبھی بولنے کے قابل نہیں رہتا۔"

میں نے نوکدار سلاخ سے نشانہ لیا۔ اس کے حلق سے آخری چیخ نکلی پھر سرد موت کے جزیرے میں دُور تک تھرتھراتی چلی گئی۔

جہاں گونج زیادہ ہو وہاں آواز کی سمت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود مانلو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسے تلاش کرتا ہوا نصف قبر تک پہنچ گیا۔ سب اُسے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ مانلو کے دماغ میں میری پیش گوئی گونجنے لگی۔ "تمھارا وہ آدمی جو سب سے پہلے مجھ تک پہنچے گا، وہ پھر مکمل نظر نہیں آئے گا۔ تم اسے آدھا دیکھو گے اور آدھا دیکھ نہیں پاؤ گے۔"

اور وہ سب اسے آدھا دیکھ رہے تھے۔ وہ آدھا برف میں دھنسا ہوا تھا۔ ایک آہنی سلاخ اس کے سینے سے آر پار تھی۔ جسم سے رسنے والا لہو سردی کی شدت سے جم گیا تھا۔ دو آنکھیں زندگی کے آخری اور موت کے پہلے کرب سے پھیل گئی تھیں۔

"نہیں۔" ایل مونا نے اُسے دیکھتے ہی ہذیانی انداز میں چیخ ماری۔ "نہیں۔ وہ ڈاکٹر نہیں ہے۔ وہ آدمی نہیں ہے۔ وہ کوئی آسیب ہے۔ بلا ہے۔ جب وہ کسی کو شکار کرتا ہے تو لوگ دیکھتے اور سوچتے ہی رہ جاتے ہیں۔"

وہ اُلٹے قدموں دُور جاتے ہوئے جنونی انداز میں چیخ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "اس نے ڈاکٹر ڈومکلس کو شکار کیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں

آیا کہ وہ ہوش مند ڈاکٹر کس طرح اپنی کار کے اندر جل کر مر گیا پھر اس نے شورے ایوان کو شیشے کا جام چبا چبا کر مرنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے کیسے مجبور کیا؟ یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کوئی ڈاکٹر مے کاکس کو الزام نہ دے سکا۔ یہ ڈاکٹر جیس ہے، یہ غیر معمولی انسان ہے۔ ہماری تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نے اپنے ریوالور سے خودکشی کر لی، دوسرا یہاں زخمی ہو گیا۔ کوئی ایک شخص اتنی آسانی سے کسی کو چونکا دینے والے انداز میں مرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یو ڈاکٹر مے کاکس ....."

وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ پاگل ہو رہی تھی۔ اپنے سینے پر ہاتھ مار مار کر کہہ رہی تھی: "میں تم سے ڈرتی ہوں، میرے پاس نہ آؤ۔ میں تم پر مرتی ہوں، میرے پاس آ جاؤ، مجھے شیشے کے جام کی طرح چبا چبا کر ختم کر دو۔ میں تمھارے ہاتھوں میں آ کر مرنا چاہتی ہوں، کہاں ہو تم؟ تم کہاں ہو؟"

"کہاں ہو۔ ہو۔ ہو۔ ہو۔ ہو۔ ....." اس کی آواز گونجتی جا رہی تھی۔

میں نے مانلو کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ سہما ہوا سا تھوک نگل کر سوچ رہا تھا: "واقعی یہ ڈاکٹر معمولی انسان نہیں، غیر معمولی شخص ہے۔" بہت دیر سے میرے دماغ کے گوشے میں یہ خیال سر اٹھا رہا تھا کہ میں اس کے سامنے اپنے اختیار سے باہر ہو جاتا ہوں۔ میں اسے سرد جہنم کی سزا دینا چاہتا تھا مگر نہ دے سکا۔ یہ میرے دماغ پر حکومت کر رہا ہے اور دماغ پر حکمرانی کرنے والا تو وہ۔ وہ۔ فر۔ فر..."

وہ پھر تھوک نگلنے لگا۔ میں نے بلند آواز سے کہا: "مانلو! میں نے پہلے ہی کہا تھا، میری بات مان لو۔ اب بھی مان لو اور سچ سچ بتا دو، کیا ٹی وی اسکرین پر نظر آنے والی اور بچگانہ حرکتیں کرنے والی رسونتی تھی؟"

اس کا جواب میں اس کے دماغ سے پہلے ہی معلوم کر چکا تھا۔ اس لیے وہی جواب دیا: "میں نے بھی تمھاری طرح اسکرین پر رسونتی کو دیکھا ہے۔ وہ رومانٹک بے بی کی نگرانی میں ہے۔ رسونتی کے متعلق وہ بہت کچھ جانتی ہے۔ مم۔ مگر تم کون ہو؟ تمھارا طریقۂ واردات دیکھ کر فرہاد علی تیمور یاد آ رہا ہے۔ کیا تم فرہاد ہو؟"

میں نے قہقہہ لگایا۔ سب لوگ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ایل مونا نے کہا: "ہاں اب میری سمجھ میں آ گیا ہے تم فرہاد ہو، فرہاد ہو، او، گاڈ! میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ اتنی دیر تمھارے ساتھ رہی اور کتنی بدنصیب ہوں کہ تمھاری قدر نہ کر سکی۔ تم کہاں ہو؟ پلیز ایک بار آ جاؤ۔ میں اپنے تن من کی ساری دنیا تمھارے حوالے کر دوں گی۔"

میں نے پھر قہقہہ لگایا اور کہا: "مانلو! تم کتنے احمق ہو۔ اگر میں فرہاد ہوتا تو تمھارے دماغ میں پہنچ کر اپنے سوالوں کے جواب معلوم کر لیتا۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے رومانٹک بے بی تک پہنچ جاتا۔ میں تو تمھاری طرح دو ہاتھ اور دو پاؤں رکھنے والا انسان ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم انسان ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تم اپنے باس کے بندے ہو اور میں اپنے باس کا تابعدار ہوں۔"

مانلو نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ماسٹر کی کے لیے کام کر رہے ہو۔ تمھارے طریقۂ واردات نے خواہ مخواہ دہشت میں مبتلا کر دیا تھا۔"

"کیا اب دہشت زدہ نہیں ہو؟"

"نہیں۔ انسان ہتھیار سے کم مرتا ہے، دہشت سے زیادہ مرتا ہے۔ واقعی تم ٹیلی پیتھی جانتے تو ہمیں کب کا ختم کر چکے ہوتے۔ بہرحال اب تمھیں زندہ چھوڑنا نادانی ہو گی۔"

میں اس کے پاس کھڑے ہوئے آدمی کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے ریوالور نکال کر کہا: "مانلو! میں تمھیں پارٹی لیڈر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں۔ تمھاری غلط پلاننگ کی وجہ سے ڈاکٹر مے کاکس ابھی تک زندہ ہے اور ہمارے دو ساتھی مارے جا چکے ہیں۔"

مانلو نے ریوالور کی طرف دیکھ کر غراتے ہوئے کہا: "کیا تمھارا دماغ چل گیا ہے؟ ریوالور ہٹاؤ۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور پر ہاتھ مارا۔ ریوالور ہاتھ سے نکل گیا۔ دونوں ایک دوسرے سے بھڑ گئے۔ ان کے درمیان فری اسٹائل کشتی ہونے لگی۔ سردی سے محفوظ رہنے کے لیے وہ بھاری بھرکم لباس پہنے ہوئے تھے۔ لڑنے کے دوران وہ پھرتی نہیں تھی جو ہونا چاہیے۔ تاہم وقت گزارنے کے لیے یہ تماشا اچھا تھا۔

میں نے کہا: "مانلو! تم مجھے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے مگر تمھاری زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔"

جتنی دیر میں، میں نے مانلو کو مخاطب کیا، اتنی دیر تک اس کے ساتھی کا دماغ ٹیلی پیتھی کی گرفت سے نکل گیا۔ وہ حیران ہو کر سوچنے لگا: "اتنی دیر میں کہاں تھا، کس عالم میں تھا اور مانلو نے ابھی ابھی میرے منہ پر گھونسا کیوں مارا تھا؟"

وہ اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ اس کے سوچنے کے دوران مانلو کو ریوالور نکالنے اور چلانے کا موقع مل گیا۔ اس نے یکے بعد دیگرے دو فائر کیے۔ اس کا تیسرا ساتھی بھی ختم ہو گیا۔ میں داد دینے کے انداز میں تالیاں بجاتا ہوا اس کی طرف جانے لگا۔ وہ سب تالیوں کی آواز اور اس کی گونج سن رہے تھے پھر میں نظر آ گیا۔

دشمن ایسے وقت ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرتے۔ جو پہل کرتا ہے وہی میدان مارتا ہے۔ مانلو اور اس کے آخری ساتھی نے بجلی کی سی تیزی دکھائی۔ دونوں نے پلک جھپکتے ہی اپنے ریوالوروں کا رخ میری طرف کیا پھر ایک ساتھ کئی گولیاں چلائیں۔ پھائیں پھائیں کی آوازیں دور تک اور دیر تک گونجتی رہیں۔ زندگی کی آخری چیخ بھی سنائی دی، اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی مجھے اور کبھی اپنے ریوالوروں کو دیکھنے لگے۔ ان کے چیمبر خالی ہو گئے تھے۔ انھوں نے گولیاں چلائی تھیں۔ مرنے والی کی چیخ بھی سنائی دی تھی اور وہ چیخ ان کی ساتھی عورت کی تھی۔ انھوں نے جنون میں فائرنگ کرتے ہوئے اپنی ساتھی کو ہلاک کر دیا تھا۔

ایل مونا خوشی سے دوڑتی ہوئی آئی اور گلے کا ہار بن گئی۔ وہ مارے خوشی کے دیوانی ہو رہی تھی، کہہ رہی تھی: "تم فرہاد ہو۔ تم کوئی اور نہیں، فرہاد ہو۔ میری آرزو ہو، میری تلاش ہو۔ آج میں نے تمھیں پا لیا ہے۔ آج میرے حسن کا جادو تمھارے سر چڑھ کر بولے گا۔"

میں نے اسے جبراً ہٹاتے ہوئے کہا: "ہوش میں رہو۔ مجھے دشمنوں سے نمٹنے دو۔"

میں نے اسے ایک طرف دھکا دیا تھا۔ وہ ذرا دور ہوئی تھی پھر آ کر کمبل بننا چاہتی تھی، اسی لمحے اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ مانلو کے ساتھی نے مونا کے الگ ہوتے ہی چاقو سے میرا نشانہ لیا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ دیوانی پھر مجھ سے آ لگے گی۔ میرے دل کو دھچکا سا لگا۔ بے چاری نے مجھے نہیں، میری موت کو اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔

میں نے غرا کر دیکھا۔ مانلو اور اس کا ساتھی دونوں ہی اپنے ریوالوروں کے خالی چیمبر کو بھر رہے تھے۔ ایل مونا نے آخری سانسوں کے دوران کہا: "بس اتنا اعتراف کر لو، تم فرہاد ہو اور مجھے چاہتے ہو، میں آرام سے مر جاؤں گی۔"

میں نے کن انکھیوں سے دشمنوں کی جانب دیکھا پھر جلدی سے کہا: "میں فرہاد ہوں، تمھیں چاہتا ہوں۔ تم بہت اچھی ہو۔ اپنی نادانی سے جان دے رہی ہو مگر قدرت کے کھیل عجیب ہیں۔ ایک کی نادانی دوسرے کے لیے باعثِ تحفظ بن جاتی ہے۔ ایل مونا! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

اتنا کہتے ہی میں نے یکے بعد دیگرے مانلو اور اس کے ساتھی کو دماغی جھٹکے پہنچائے۔ وہ چیخیں مارنے لگے، ان کے ہاتھوں سے ریوالور چھوٹ کر دور جا گرے تھے۔ میرے لیے اتنی مہلت کافی تھی۔ میں ایل مونا کی آخری سانسوں تک پہنچ گیا، اسے محبت سے الوداع کہنے لگا۔ بس چند گھڑیوں کی بات تھی، وہ خراجِ محبت وصول کرتے کرتے ہمیشہ کے لیے سرد پڑ گئی۔

میں نے بڑی آہستگی سے برف کی سطح پر اسے لٹا دیا پھر وہاں سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں سر تھامے برف پر لوٹ رہے تھے۔ میں نے کہا: "اب دماغی تکلیف نہیں پہنچے گی، چلو کھڑے ہو جاؤ۔"

انھوں نے سہمی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا پھر آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا: "تم میں سے ایک پائلٹ ہے اور دوسرا کو پائلٹ۔ مگر طیارے کو یہاں سے لے جانے کے لیے مجھے کسی ایک کی ضرورت ہے۔ یہ فیصلہ خود کرو کہ تم میں سے کس کو مرنا چاہیے؟"

مانلو نے کہا: "فرہاد صاحب! میں آپ کا غلام ہوں، آپ کو آرام سے لے جاؤں گا۔"

اس کے ساتھی کو پائلٹ نے کہا: "تم تھالی کے بینگن ہو۔ ابھی تک پُراسرار باس کے غلام تھے، اب پٹڑی بدل رہے ہو۔ فرہاد صاحب! مجھے ایک بار آزمایئے۔ میں..."

میں نے بات کاٹ کر کہا: "فیصلہ خود کرو۔ تمھارے سامنے دو ریوالور پڑے ہوئے ہیں۔ تم میں سے جو پہلے ریوالور اٹھائے گا، جو پہلے فائر کرے گا وہی میرے ساتھ زندہ یہاں سے جائے گا۔"

میری بات ختم ہوتے ہی انھوں نے ریوالور کی طرف چھلانگ لگائی۔ وہاں دو ریوالور تھے مگر دونوں ایک ہی ریوالور کے پاس پہنچے۔ ایک نے ریوالور کو گرفت میں لیا، دوسرے نے ریوالور والے کی کلائی جکڑ لی۔ میں فوراً ہی برف کی سطح پر لیٹ گیا۔ ریوالور سے اندھا دھند فائرنگ ہو رہی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ ریوالور کسی کے کام نہیں آیا، چیمبر خالی ہو گیا۔

میں نے لیٹے ہی لیٹے کہا: "اب ایک ریوالور ر... ہے جلدی فیصلہ کرو۔"

وہ دونوں دوسرے ریوالور کی طرف گئے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر حملے کرنے لگے۔ وہ اپنے پُراسرار باس کے جاں نثار ماتحت تھے مگر جاں نثاری کے وقت جان قیمتی لگتی ہے۔ سبھی کو اپنی زندگی پیاری لگتی ہے اور وہ دونوں بھی اپنی پیاری زندگی کے لیے کتوں کی طرح لڑ رہے تھے۔

آخر لڑتے لڑتے وہ اکلوتا ریوالور کو پائلٹ کے ہاتھ آ گیا۔ اس نے فوراً ہی گولی چلا دی۔ مانلو بال بال بچا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے آہنی سلاخ کو اٹھا کر پوری قوت سے گھما دیا۔ وہ بے تکا حملہ تھا مگر سلاخ کو پائلٹ کے سر پر لگی۔ میں نے اس کے سر میں پہنچ کر دیکھا، اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ ریوالور ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ آہنی سلاخ کے دوسرے حملے سے بے جان سا کر دیا پھر نوکدار سلاخ اس کے سینے میں پیو... ... فیصلہ ہو گیا۔

مانلو نے فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھا۔ میں ... سے اٹھ کر آہنی سلاخ سے برف کو کھودنے لگا۔ مانلو نے پوچھا: "کیا کر رہے ہو؟"

"قبر کھود رہا ہوں۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کس کی قبر؟"

"یہ مونا کے لیے ہے۔"

اس نے کن انکھیوں سے قریب پڑے ہوئے ریوالور کو دیکھا۔ میرے ہاتھ کام کر رہے تھے مگر دماغ اسی کی طرف لگا ہوا تھا۔ اس نے آہستگی سے جھک کر ریوالور کو اٹھا لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس نے گھبرا کر میری طرف دیکھا پھر مجھے غافل پا کر دوبارہ اسے اٹھا لیا۔ دوسری بار بھی یہی ہوا۔ ریوالور پھر اس کے ہاتھ سے نکل کر برف کی سطح پر پہنچ گیا۔

اس نے حیران و پریشان ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا حیرانی اس بات کی تھی کہ ہاتھوں میں پوری طرح سکت ہونے کے باوجود ریوالور ہاتھ سے چھوٹ جاتا تھا۔ اس نے میری جانب دیکھا۔ میں سلاخ ہاتھوں میں لیے کھودنے میں مصروف تھا۔ دماغ کے اسکرین پر مانلو کی فلم چل رہی تھی۔

اس نے آخری کوشش کی۔ ریوالور کو اٹھا لیا۔ تھوڑی دیر تک اسے مضبوطی سے تھامے رہا۔ وہ ہاتھ سے نہیں گر رہا تھا۔ میں نے چند لمحوں کے لیے اس کے دماغ پر قبضہ کر لیا۔ جیسے تمام گولیاں نکلوا دیں پھر اسے آزاد چھوڑ دیا۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ چند لمحوں میں کیا ہو چکا ہے۔ اطمینان کے لیے یہ کافی تھا کہ ریوالور اب تک ہاتھوں میں موجود تھا۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا میری طرف آیا۔ میری پشت اس کی جانب تھی۔ اس نے قریب پہنچ کر میرا نشانہ لیا پھر ٹریگر کو بار بار دباتا چلا گیا۔ کھٹ کھٹ کی آواز آئی۔ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ ریوالور خالی ہے۔ اس نے جھنجلا کر مجھ پر چھلانگ لگائی۔ میں ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ فضا میں اچھلتا ہوا گیا اور میری کھودی ہوئی قبر میں پہنچ گیا۔

میں نے گھور کر دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ چلو نکلو، یہ قبر تمہارے لیے نہیں ہے۔"

وہ بوکھلا کر بولا۔ "م... میں تمہارا ہاتھ بٹانے آیا ہوں، مجھے سلاخ دو میں کھودنا چاہتا ہوں۔"

"ایل مونا نے میرے لیے جان دی۔ اس کی دعا کا تقاضا ہے کہ میں تنہا اس کی آخری رسومات ادا کروں۔ چلو بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

وہ قبر سے نکل کر دور کھڑا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ میں بظاہر اپنے کام میں مصروف ہوں مگر اس کے دماغ میں جم کر بیٹھا ہوا ہوں۔ اس کی چالاکی کسی کام نہیں آئے گی وہ دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ کر اکڑوں بیٹھ گیا۔

جب میں ایل مونا کی تدفین سے فارغ ہوا تو وہ اسی طرح کان پکڑے بیٹھا ہوا تھا۔ میں طیارے کی طرف جانے لگا وہ میرے پیچھے آتے ہوئے بولا۔ "فرہاد صاحب! میں سوچ سوچ کر پریشان ہوں، اتنا بتا دیجیے آپ ایک ہی وقت میں کس طرح کام بھی کرتے رہتے ہیں اور خیال خوانی بھی فرماتے رہتے ہیں۔ کیا اس وقت بھی آپ میرے دماغ میں ہیں؟"

"سوال نہ کرو۔ جب چاہو آزما کر دیکھ لو۔"

میں طیارے میں آ گیا ــــ وہ میرے پیچھے تھا، میں نے کہا۔ "ایک رسّی لے کر آؤ۔"

"ک... کیوں؟"

"میں یہاں سیٹ پر بیٹھوں گا، تم مجھے رسیوں سے جکڑ دینا۔"

وہ بے یقینی سے بولا۔ "کیوں مذاق کرتے ہو؟"

میں نے ڈانٹ کر حکم دیا۔ "جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ فوراً... مجھے رسیوں سے باندھ دو۔"

وہ دوڑتا ہوا اسٹیورڈ کے کیبن میں گیا۔ اسے یقین تو نہیں تھا مگر وہ کوشش کر کے دیکھنا چاہتا تھا۔ شاید مجھے جکڑنے میں کامیاب ہو جائے لیکن وہ رسی لے کر کیبن سے نکلا تو اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ ہوش تب آیا جب اس نے خود کو ایک سیٹ پر رسیوں سے بندھا ہوا پایا۔ اس نے بوکھلا کر پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

"تم گدھے ہو۔ مجھے باندھنے کے بجائے خود کو باندھ لیا۔ اب یونہی بیٹھے رہو، میں کچھ دیر آرام کروں گا۔"

میں اس کی طرف سے مطمئن ہو کر ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہاں سے خیال خوانی کی پرواز کی اور رومانٹک بے بی کے پاس چلا گیا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں آرام کر رہی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ سامنے ایک بڑا سا ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ اس کے اسکرین پر سونتی نظر آ رہی تھی۔

رومانٹک بے بی کی سوچ نے بتایا کہ سونتی کا کمرا اس کے بیڈ روم کے ساتھ ہے۔ وہ سونتی کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھی۔ اپنے بیڈ روم میں آرام کرنے کے دوران بھی ٹی وی اسکرین کے ذریعے اس کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

اس کی سوچ نے تصدیق کر دی کہ وہ سچ مچ میری سونتی ہے۔ میں نے اس کے دماغ میں سوال پیدا کیا۔ "آخر سونتی کے ذہن کو بچکانہ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ہمارا پُراسرار باس اسے دشمن سمجھتا تھا، اس کی ٹیلی پیتھی سے خوفزدہ تھا تو اسے ہلاک کر سکتا تھا، اسے بچی بنا کر رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

رومانٹک بے بی نے اسکرین پر سونتی کو دیکھتے ہوئے جواباً سوچا۔ "باس کی بات باس ہی جانے۔ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وہ سونتی کو زندہ رکھ کر فرہاد کو پھانسنا چاہتا ہے۔ فرہاد کے متعلق قیاس آرائی کی جا رہی ہے کہ وہ زندہ ہے اور بڑے ہی رازدارانہ انداز میں اپنی ساتھی عورتوں کو تلاش کر رہا ہے۔ سونتی کا برین واش کر کے اسے نادان بچی بنایا گیا اور اس طرح اس کی ٹیلی پیتھی کے علم کو ہمیشہ کے لیے اس کے دماغ سے دھو دیا گیا ہے، وہ کبھی خیال خوانی نہیں کر سکے گی۔"

یہ بات میں بھی سمجھ رہا تھا کہ مجھے ٹریپ کرنے کے لیے سونتی کو زندہ رکھا گیا ہے۔ صرف سونتی ہی کو نہیں، وہ پُراسرار شخص سونیا اور اعلیٰ بی بی کو بھی میرے لیے چارے کے طور پر استعمال کرے گا۔ اور میں اس کی پلاننگ کے مطابق سونتی تک پہنچنے ہی والا تھا۔

میں نے رومانٹک بے بی کے ذریعے سونیا اور اعلیٰ بی بی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر وہ ان دونوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی، اسے صرف سونتی کی نگرانی کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔

میں نے اس کی سوچ میں سوال کیا۔ "سونتی کی برین واش کرنے اور بچکانہ ذہن بنانے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا تھا؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا۔ "اس کا بچکانہ ذہن برین واشنگ کے ذریعے نہیں بلکہ برین آپریشن کے ذریعے بنایا گیا ہے۔"

یہ حیرت انگیز اطلاع تھی۔ میں نے دماغی آپریشن کے متعلق بہت کچھ سنا اور پڑھا تھا مگر یہ کبھی نہیں سنا تھا کہ آپریشن کے ذریعے کسی جوان اور صحت مند دماغ کو بچکانہ ذہن کا حامل بنایا گیا ہو اور اس دماغ سے ہوش مندی کی تمام باتیں چھین لی گئی ہوں۔

میں نے اس سلسلے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے لیے رومانٹک بے بی کے ذہن کو تھپکنا شروع کیا، وہ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ بعد ازاں اس کے خوابیدہ دماغ سے معلومات حاصل کرنا آسان ہو گیا۔ اس نے جو معلومات فراہم کیں، وہ دلچسپ بھی ہیں، اور میری داستان کا اہم حصہ بھی، لہٰذا میں اسے تفصیل سے بیان کر رہا ہوں۔

اس کا کوئی نام نہیں تھا۔

ہر بچے کا نام اس کے ماں باپ رکھتے ہیں یا اس کا مذہبی پیشوا رکھتا ہے۔ اس بچے کا نام دنیا والوں نے رکھا تھا 'دی کلر' یعنی قاتل۔

اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ماں کی حالت غیر ہو گئی۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق جو بچہ پیٹ میں تھا، وہ غیر معمولی وزن اور جسامت کا حامل تھا۔ ڈاکٹروں نے ماں کی سلامتی کے لیے بہتیری کوششیں کیں، دل ہی دل میں گالیاں دیتے رہے کہ وہ پیدا ہونے والا انسان نہیں، خبیث ہے۔

مختصر یہ کہ زچہ کا میجر آپریشن کرنا پڑا۔ انجام کار وہ بے چاری جانبر نہ ہو سکی۔ اس نے دم توڑ دیا مگر اس کے وجود سے برآمد ہونے والا بچہ سانس لے رہا تھا۔ وہ قد اور جسامت میں عام بچوں سے دوگنا تھا۔ سر بڑا تھا، آنکھیں بڑی بڑی تھیں، ناک پھیلی ہوئی تھی۔ سب سے قابلِ توجہ اس کے دونوں ہاتھ تھے جو بہت لانبے تھے۔ شانوں سے لے کر گھٹنوں سے نیچے پنڈلیوں تک پہنچتے تھے۔

ڈاکٹروں اور نرسوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ بچہ سراسر غیر معمولی ہے۔ اس لیے بھی غیر معمولی ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے ہی اس نے اپنی ماں کو قتل کر دیا۔ اس نے براہِ راست قتل نہیں کیا تاہم اپنے لیے جگہ بنانے کی خاطر ماں کو دنیا سے ہٹا دیا، لہٰذا وہ قاتل ہے 'دی کلر'۔

ماں کے بعد وہ لاوارث ہو گیا۔ باپ ایک مجرم تھا۔ جیل کی چاردیواری میں سزا کاٹ رہا تھا۔ دور کے رشتے داروں نے کہا۔ "یہ انسان نہیں کچھ اور ہی لگتا ہے۔ ہم اس کی پرورش کی ذمے داری نہیں لے سکتے۔"

وہ اسپتال میں پیدا ہوا، اسپتال ہی میں رہ گیا۔ ویسے بھی میڈیکل بورڈ کی طرف سے اسے کہیں لے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ کیونکہ دی کلر کے بارے میں ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا تھا اور وہ یہ کہ دی کلر کے بڑے سے سر میں برائے نام دماغ تھا۔ ایک بچے میں جو برائے نام ذہانت ہوتی ہے وہ بالکل نہیں تھی۔

وہ صرف سانس لیتا تھا۔ اس کے غیر معمولی قد اور بھاری جسامت سے دماغ کا رابطہ نہیں تھا۔ یہ ناقابلِ یقین بات تھی لیکن میڈیکل سائنس ایسے ناقابلِ یقین تجربات سے بھی گزرتی ہے۔

دی کلر کی آنکھیں پیدائش کے وقت سے بند تھیں۔ ڈاکٹر آنکھوں کے پپوٹے کھول کر دیکھتے تھے اور تصدیق کرتے تھے کہ آنکھوں میں بینائی ہے، یہ بچہ دیکھ سکتا ہے مگر دماغ خاموش ہے۔ وہ دماغ سے آنکھیں کھولنے کی ترغیب نہیں دیتا ہے۔ اور جب تک دماغ ہدایات نہ دے یا ترغیب نہ دے اس وقت تک انسان ذرا سا ہل بھی نہیں سکتا۔

دی کلر کے کانوں کے پاس موسیقی بھی سنائی گئی اور [illegible] سا دھماکا بھی کیا گیا۔ اس کے چہرے سے موسیقی کا ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا اور نہ دھماکے کا اثر ہوا۔ اگر ہوتا تو وہ عام بچوں کی طرح ڈر کر رونے لگتا لیکن ثابت ہوا کہ اس کے کان سنتے نہیں ہیں۔ یا دماغ اسے سننے کی ترغیب نہیں دیتا ہے۔

تمام ڈاکٹر یقین سے کہہ رہے تھے، وہ گونگا نہیں ہے، بہرہ نہیں ہے، اندھا نہیں ہے اور اپاہج اور بے بس

نہیں ہے۔ اسے بچوں کی طرح رونا چاہیے، ہنسنا چاہیے، ہاتھ پاؤں جھٹک کر کھیلنا چاہیے مگر وہ پیدائش کے بعد سے ایک لاش کی طرح ساکت پڑا ہوا تھا، صرف سانس لے رہا تھا۔

بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس انوکھے کیس کو سمجھنے کے لیے اپنے تمام تجربات کو آزمایا، اپنی تمام صلاحیتوں کو استعمال کیا اور ایسا کرنے میں وقت گزرتا گیا۔ کبھی وہ ایک دن کا تھا پھر ایک برس کا ہوا پھر دس برس کا ہوا۔ وہ بچہ نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹروں کے تجربات اور خصوصی توجہ سے گزرتے گزرتے تیس برس کا ہو گیا۔

تیس برس کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا۔ اسے ایک مخصوص سرد خانے میں رکھا جاتا تھا۔ سردی سے ہر چیز اکڑ جاتی ہے، سخت ہو جاتی ہے۔ اس کے جسم کے مختلف اعضاء کو معمول کے مطابق رکھنے کے جتن کیے جاتے تھے۔ الیکٹرونک آلات کے ذریعے جسمانی اعضاء کی ورزش کرائی جاتی تھی۔ اس طرح اس کی ہڈیوں، رگوں، گوشت اور کھال میں سختی اور بے حسی نہیں رہتی تھی۔ ضروری غذا کے جوہری اجزا، رگوں کے ذریعے اس کے جسم میں پہنچائے جاتے تھے۔ اس کی ناک، کانوں اور آنکھوں کے بند پپوٹوں کو کھول کر دوائیں ٹپکائی جاتی تھیں۔

آخر جاپان کے ایک عالمگیر شہرت رکھنے والے ڈاکٹر واکی ٹو نے دعویٰ کیا کہ وہ برین آپریشن کے ذریعے دی کلر کو دماغی طور پر فعال بنا سکتا ہے۔

اسے عام طور سے دی کلر نہیں کہا جاتا تھا۔ دنیا بھر کے تمام تجربہ کار اور باصلاحیت ڈاکٹروں کو اس کا حوالہ دینے کے لیے اسے دی کلر کے بجائے "کوائیٹ بابا" یعنی خاموش بچہ کہا جاتا تھا۔

اس کوائیٹ بابا کی پوری ہسٹری شیٹ ڈاکٹر واکی ٹو کو بھیجی گئی اور کہا گیا کہ تاحال معلومات کے مطابق یہ دنیا کا واحد انسان ہے، جو اپنا جسمانی وجود رکھتا ہے مگر دماغی وجود نہیں رکھتا۔

الیکٹرک شاک کے ذریعے بھی اس کے دماغ کو متحرک اور فعال بنانے کی کوششیں ناکام ہو گئی تھیں۔ دماغی آپریشن کے سلسلے میں ڈاکٹر واکی ٹو کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اُس نے دماغی تحقیق و تفتیش کے لیے ایک بہت بڑا سگ خانہ بنا رکھا تھا، جہاں کم از کم دو ہزار مختلف نسل کے کتے تھے۔ ہر دوسرے تیسرے دن پانچ چھ کتے اس کے تجربات کی بھینٹ چڑھ جاتے تھے۔ وہ کتوں کے دماغ کو کاٹ چھانٹ کر جو کچھ سیکھتا تھا، اس کی روشنی میں انسانی دماغ کا کامیاب آپریشن کرتا تھا۔ اس نے ثابت کیا تھا کہ انسان اور کتوں کے دماغ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

کوائیٹ بابا عرف دی کلر کے متعلق یقین کی حد تک امید تھی کہ جاپانی ڈاکٹر آپریشن کے ذریعے اسے ایک نارمل انسان بنا دے گا لیکن ڈاکٹر نے یہ شرط رکھی تھی کہ کوائیٹ بابا کو جاپان منتقل کیا جائے۔ وہ ٹوکیو کے اپنے ذاتی اسپتال میں بڑی رازداری سے آپریشن کرے گا۔

یہ بات امریکی ڈاکٹروں کے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر اس آپریشن میں شریک ہو کر ڈاکٹر واکی ٹو کا کارنامہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کیس کو نمٹانے کے لیے مذاکرات کا طویل سلسلہ جاری رہا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچا گیا کہ جاپانی ڈاکٹر اپنی شرائط میں لچک پیدا کرے گا، کم از کم دو امریکی، ایک روسی اور ایک فرانسیسی ڈاکٹر کو آپریشن میں شریک کرے گا اور ان تمام ڈاکٹروں کا انتخاب خود جاپانی ڈاکٹر کرے گا۔

بین الاقوامی میڈیکل ایسوسی ایشن کے معزز ڈاکٹروں نے اس قدر دباؤ ڈالا کہ ڈاکٹر واکی ٹو مجبور ہو گیا۔ اس نے دو امریکی ڈاکٹروں اور ایک فرانسیسی ڈاکٹر کا انتخاب کیا مگر روسی ڈاکٹر کو شریک کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ تین بیرونی ممالک کے ڈاکٹر جاپان جا کر ایک عجیب و غریب آپریشن میں شریک ہونے والے تھے۔

کوائیٹ بابا عرف دی کلر کو بڑی احتیاط اور بڑے اہتمام سے جاپان کے شہر ٹوکیو منتقل کیا گیا۔ وہاں آپریشن کی تاریخ اور وقت مقرر کیا گیا۔ اس روز دنیا بھر کے پریس رپورٹر اور فوٹو گرافرز ٹوکیو میں جمع ہو گئے تھے۔ اسپتال کے احاطے میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی البتہ وعدہ کیا گیا تھا کہ آپریشن کے بعد انھیں مطلوبہ تصویریں اتارنے کی اجازت دی جائے گی اور ڈاکٹر واکی ٹو میڈیکل سائنس کے اس اہم تجربے پر ایک تاریخی بیان دے گا۔

تمام متعلقہ ڈاکٹروں کو بڑی حفاظت سے سخت نگرانی میں اسپتال کے آپریشن تھیٹر تک پہنچایا گیا۔ تھیٹر کے اندر دو امریکی ڈاکٹر، ایک فرانسیسی، ایک جاپانی اسسٹنٹ ڈاکٹر، دو نرسیں اور ایک تھیٹر اسسٹنٹ وغیرہ تھے۔ ڈاکٹر واکی ٹو نے تھیٹر کے دروازے کو اندر سے بند کرنے کا حکم دیا۔ اسی وقت فرانسیسی ڈاکٹر چکرا کر ایک تپائی پر بیٹھ گیا۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اُسے فوراً ہی تھیٹر کے باہر میڈیکل ایڈ کے لیے بھیج دیا گیا۔

اب آپریشن تھیٹر کے اندر جاپانی ڈاکٹر اور اس کے خاص افراد کے علاوہ صرف دو امریکی ڈاکٹر رہ گئے تھے۔ تھیٹر

کا دروازہ اندر سے بند ہو چکا تھا۔ باہر انتظار کرنے والے دوسرے ڈاکٹر، اخباری رپورٹر اور فوٹو گرافر بے چین سے تھے۔ وہ شخص جو تیس برس سے طبی تجربات کے سرد خانے میں ساکت پڑا ہوا تھا، اب وہ ذہنی طور پر زندہ ہونے والا تھا۔

ایک سوال سبھی کے دماغ میں تھا۔ کیا وہ ذہنی طور پر بھی تیس برس کا ہو گا؟ یا صرف جسمانی طور پر جوان اور ذہنی طور پر نوزائیدہ بچے کے مانند ہو گا؟

فرانسیسی میڈیکل بورڈ کے نمائندے نے کہا "ہمارے ایک ڈاکٹر کو تھیٹر کے باہر بھیج دیا گیا ہے، اس کی جگہ ہمارے دوسرے ڈاکٹر کو اندر جانے کی اجازت دینی چاہیے۔"

لیکن ڈاکٹر واکی ٹو کی اجازت کے بغیر کوئی اندر جا سکتا تھا، نہ اجازت لینے کے لیے آپریشن کے دوران مداخلت کر سکتا تھا۔ جو ڈاکٹر اچانک بیمار پڑ گیا تھا، اسے طبی امداد پہنچائی جا رہی تھی۔ وہ بیان دے رہا تھا کہ اب سے پہلے کبھی اس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ وہ آج کی طرح کبھی یوں اعصابی کمزوری میں مبتلا نہیں ہوا۔ یہ سازش ہے، ہو سکتا ہے امریکی ڈاکٹروں نے اسے اہم آپریشن سے دور رکھنے کے لیے کھانے پینے کی چیزوں میں کچھ ملا دیا ہو جس کے نتیجے میں وہ خلافِ توقع بیمار ہو گیا تھا اور اسے آپریشن تھیٹر سے نکال دیا گیا تھا۔

اگر یہ سازش تھی تو وہ سازش کے خلاف کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا تھا۔ طبی معائنے کے مطابق وہ واقعی اعصابی کمزوریوں میں مبتلا تھا اور آپریشن تھیٹر میں کھڑے رہنے کے بھی قابل نہیں تھا لہٰذا اس کے بیان کو اہمیت نہیں دی گئی۔

ادھر یہ سوا گھنٹے تک بستر پر پڑا رہا، اُدھر آپریشن مکمل ہو گیا۔ ڈاکٹر واکی ٹو اور دونوں امریکی ڈاکٹروں نے باہر آ کر بیان دیا۔ "ہماری دانست میں آپریشن کامیاب رہا ہے۔ کوائیٹ بابا طویل بے ہوشی کے بعد ہوش میں آئے گا تو آپریشن کے صحیح نتائج سامنے آئیں گے۔"

ایک پریس رپورٹر نے سوال کیا "کوائیٹ بابا ذہنی طور پر بالغ ہو گا؟"

ڈاکٹر واکی ٹو نے جواب دیا "ہوش میں آنے کے دوران اس کا دماغ پہلی بار بیدار ہو گا۔ ذہن پہلی بار بیرونی اور اندرونی اثرات کو قبول کرے گا جس طرح ایک بچہ ان اثرات کو قبول کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس دنیا کو اور اپنی ذات کو سمجھتا رہتا ہے۔"

ایک نے سوال کیا "اس کا دماغ بچکانہ ہے اور جسم بھرپور جوان ہے، مضبوط اور طاقتور ہے پھر دماغ اور جسم میں کس طرح توازن رہے گا؟"

واکی ٹو نے جواب دیا "انسان کا دماغی نظام اتنا پیچیدہ ہوتا ہے کہ میرے سمجھانے سے آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ایک سطحی سا نکتہ پیش کرتا ہوں۔ بجلی کے نظام کو قائم رکھنے کے لیے نیگیٹو اور پازیٹو دونوں لازمی ہیں، اگر ایک کی بھی کمی ہو گی تو بلب اپنے وجود کے ساتھ سلامت تو رہے گا مگر روشن نہیں ہو گا۔ اسی طرح کوائیٹ بابا کے دماغ کی ایک رگ جسمانی نظام سے منقطع ہو گئی تھی۔ باقی رگیں اسے سانس لینے اور تیس برس سے زندہ رکھنے کے عمل میں مصروف تھیں۔ آج ہم نے اس رگ کو جسمانی نظام سے جوڑ دیا ہے، جس کے ذریعے دماغ روشن رہتا ہے اور [illegible] اس کے تا[illegible]رہ کر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔"

امریکی ڈاکٹر نے کہا "اب دیکھنا یہ ہی کہ دماغ کس حد تک توانائی حاصل کرتا ہے اور کس حد تک جسمانی نظام کو اپنے تابع فرمان رکھتا ہے۔"

دوسرے امریکی ڈاکٹر نے کہا "اگر دماغ اور جسم میں توازن نہ رہا تو یہ مریض ہمارے لئے ناقابل بیان پریشانیوں کا باعث بنے گا۔"

"مثلاً کیسی پریشانی؟"

"وہ جوانوں کی طرح اٹھے گا، بیٹھے گا، چلتا پھرتا رہے گا مگر کچھ نہیں سمجھے گا۔ اسے سمجھانے، اسے تعلیم دینے اور بڑے ہی محتاط طریقوں سے اس کی پرورش کے انتظامات کرنے ہوں گے۔"

"مگر اسے بات نہیں بنے گی۔ جب تک وہ تعلیم حاصل کر کے تیس برس والی ذہانت تک پہنچے گا۔ اس وقت تک جسمانی طور پر ساٹھ برس کا ہو چکا ہو گا۔"

واکی ٹو نے کہا "آپریشن سے پہلے ہمارے سامنے یہ مسائل تھے لیکن جدید ٹیکنالوجی نے آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔ ہم ٹی وی، ریڈیو اور کمپیوٹر کے ذریعے کم سے کم وقت میں اسے ذہین اور تعلیم یافتہ بنا سکتے ہیں۔ اسے سائیکو نیورل ادارے (شعبہ نفسیات) میں رکھا جائے گا۔ اس ادارے کے نیورولوجسٹ کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو فوراً سمجھ لیا کریں گے۔"

"کیا یہ جاپان میں رہے گا؟"

"نہیں۔ یہ اس ملک کی امانت ہے۔ جہاں سے لایا گیا ہے، یہ کچھ عرصے تک میرے زیر علاج رہے گا۔ جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ میرا آپریشن بے شک و شبہ کامیاب رہا ہے تو میں اسے واپس بھیج دوں گا۔"

اس کے بعد ڈاکٹر واکی ٹو نے وہ پریس کانفرنس برخاست کر دی، وہاں سے چلا گیا۔ کوائیٹ بابا کو اسپتال کے ایک بہت ہی پرائیویٹ حصے میں پہنچایا گیا تھا۔ وہاں اس کے لئے ایک

ایئر کنڈیشنڈ کمرا مخصوص تھا۔ اس پرائیویٹ پورشن میں ڈاکٹر واکی ٹو اور خاص اسسٹنٹ ہی جاسکتے تھے۔ کسی اور کو وہاں جانے کے لیے واکی ٹو کی اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی۔

کمرے میں ایک نرس کی ڈیوٹی تھی۔ اُسے تاکید کی گئی تھی کہ وہ کوائیٹ بابا کے قریب رہے، کسی ضرورت سے باہر جانا ہو تو پہلے کسی دوسری نرس کو بلا کر اپنی ڈیوٹی اسے دے پھر وہ کہیں بھی جاسکتی ہے۔

آپریشن کا وہ دن گزر رہا تھا۔ کوائیٹ بابا اپنے نام کی مناسبت سے خاموش پڑا ہوا تھا۔ اس کا قد تقریباً سات فٹ تھا۔ قد کے مطابق جسم کا پھیلاؤ تھا۔ وہ ایسا پہاڑ تھا کہ اس کے وجود تلے اسپتال کا بستر چھپ گیا تھا۔ شام تک اسے ہوش میں آجانا چاہیے تھا مگر وہ تیس برس تک لاش کی مانند ساکت رہنے کا عادی ہو گیا تھا۔ شاید ہوش میں آنا نہیں چاہتا تھا۔

شام کے سات بجے نرس کی ڈیوٹی بدلنے والی تھی۔ دوسری نرس وہاں آنے والی تھی۔ وہ اپنے پرس میں سے بے بی آئینہ نکال کر میک اَپ درست کرنے لگی۔ اس بے بی آئینے میں کوائیٹ بابا کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ خاص طور پر اس کے غیر معمولی ہاتھ حواس پر چھائے رہتے تھے۔ ایک ہاتھ آئینے میں نظر آ رہا تھا۔ وہ ہاتھ گھٹنے سے نیچے تک لانبا تھا۔ نرس کو یوں لگا جیسے وہ ہاتھ کچھ اور لانبا ہو گیا ہو۔ اس نے یکبارگی پلٹ کر دیکھا، ہاتھ واقعی لانبا لگ رہا تھا۔ دراصل وہ ہاتھ پہلے کہنی کی طرف سے برائے نام مڑا ہوا تھا اب سیدھا ہو گیا تھا اور اپنے پاؤں کی پنڈلی تک پہنچ رہا تھا۔

نرس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ایک انجانا سا خوف طاری ہو رہا تھا۔ "کیا کوائیٹ بابا ہوش میں آ رہا ہے؟ کیا اس نے اپنا وہ ہاتھ سیدھا کیا ہے؟ او گاڈ! کتنے لانبے ہاتھ ہیں اگر وہ میری طرف بڑھائے گا تو میری گردن..!"

وہ آگے سوچ نہ سکی۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ کوائیٹ بابا کے ہاتھوں کی انگلیاں آہستہ آہستہ مڑ رہی تھیں۔ وہ مٹھیاں بھینچنے والا تھا جیسے حملہ کرنے سے پہلے چیلنج کر رہا ہو۔ وہ چیختی ہوئی کمرے سے باہر آگئی۔

باہر سے مسلح گارڈز ایک ڈاکٹر کے ساتھ آ رہے تھے۔ ڈاکٹر نے پوچھا "کیا بات ہے؟ کیا وہ ہوش میں آگیا ہے؟"

نرس نے کہا "وہ... وہ..." اس نے کوائیٹ بابا کی طرف انگلی سے اشارہ کیا پھر حیرانی سے دیکھنے لگی۔ وہ تو بدستور آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ پچھلے تیس برسوں کی طرح بے حس و حرکت تھا۔ نرس نے جھینپ کر کہا "وہ... وہ میں ڈر گئی تھی۔"

"نان سنس۔ کیا یہ مردہ نما زندہ تمھیں کھا جاتا؟"

"وہ... وہ میں نے اسے حرکت کرتے ہوئے دیکھا تھا"

"کیا واقعی؟" ڈاکٹر نے بے یقینی سے نرس کو پھر کوائیٹ بابا کو دیکھا۔ وہ جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔ بستر سے حرکت کرنے یا ذرا سا بھی ہلنے کے آثار نہیں تھے۔

"ڈاکٹر! یہ مٹھی باندھ رہا تھا۔ ذرا غور سے دیکھو اس کے ہاتھ پہلے سے زیادہ لانبے لگ رہے ہیں۔"

"تم اپنے حواس میں نہیں ہو۔ کیا ایسا کبھی ہوا ہے کہ جسم اتنا ہی رہے اور ہاتھ لانبے ہو جائیں۔ نان سنس تم جا سکتی ہو۔"

دوسری نرس ڈیوٹی پر آگئی تھی۔ امریکی ڈاکٹر نے کوائیٹ بابا کا معائنہ کیا، اس کی نبض ٹٹولی، دل کی دھڑکنوں سے مطمئن ہوا۔ پھر بڑبڑاتا ہوا باہر چلا گیا "تعجب ہے اسے ہوش کیوں نہیں آ رہا ہے؟"

اس کے جانے کے بعد نرس تنہا رہ گئی۔ وہ بیس بائیس برس کی حسین لڑکی تھی۔ دیکھنے میں جاپانی گڑیا لگتی تھی۔ اس نے شادی نہیں کی تھی کیوں کہ من پسند جیون ساتھی نہیں ملا تھا اور شاید اب مل گیا تھا۔ وہ کوائیٹ بابا کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے چیونٹی پہاڑ کو دیکھ رہی ہو اور اس کی بلندی تک پہنچنے کے خیال سے ہی ہانپ رہی ہو۔

وہ اُسے دیکھتے دیکھتے قریب آگئی۔ وہ نرس تھی اسے چھو سکتی تھی، اس کا معائنہ کر سکتی تھی مگر جھجک رہی تھی جیسے وہ سچ مچ اس کا آئیڈیل ہو اور وہ شرما رہی ہو۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا، وہ کھلا ہوا تھا مگر پردہ پڑا ہوا تھا۔ باہر والے اندر نہیں آسکتے تھے اور باہر صرف مسلح گارڈز تھے۔ وہ اجازت کے بغیر اندر جھانک کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اس نے جھجکتے ہوئے کوائیٹ بابا کو چھو لیا۔ اس کے جسم کی سختی پتھر جیسی تھی۔ وہ جذبوں کی شرارت سے کانپنے لگی۔ پھر ہولے ہولے پُرخیال انداز میں اس کے چٹانی سینے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ بے اختیار کہنے لگی "تم وہی ہو جس کے میں خواب دیکھتی تھی۔ مرد کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ تم ایسے پہاڑ ہو کہ مجھے اپنی ایک مٹھی میں بند کر لو گے۔"

اس نے بڑبڑاتے ہوئے آہستہ آہستہ سر کو جھکا کر اس کے کشادہ سینے پر رکھ دیا۔ وہ جو لاش کی طرح پڑا ہوا تھا، اس کے دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں۔ دھک دھک، دھک دھک گویا پیار کی موسیقی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ آئیڈیل محبت کا جواب محبت سے دے رہا ہو۔ اسے مسکرا کر دیکھ رہا ہو اور اس کی ریشمی زلفوں پر ہاتھ پھیر رہا ہو۔

یہ خیال تھا یا حقیقت؟

یہ سمجھنے میں دیر لگی۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ ہاتھ جو ریشمی زلفوں کو سہلا رہا تھا، پھسلتا ہوا اس کی گردن تک آگیا تھا۔ وہ اس کے سینے پر سے سر نہ اٹھا سکی۔ جیسے لانبے ہاتھ تھے، ویسے ہی آہنی شکنجے کی طرح پھیلے ہوئے پنجے تھے۔ اس کی ایک ہتھیلی کے سائے میں حسین مکھڑا چھپ گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا، آسمان اس کے منہ پر آگرا ہو۔

محبت سرد پڑ گئی، دہشت طاری ہو گئی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی، اسی لمحے بھاری بھرکم فولادی ہتھیلی اس کے چہرے پر سے پھسل کر حلق پر آگئی۔ چیخ وہیں گھٹ کر رہ گئی۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ کوائیٹ بابا کو دیکھنا چاہتی تھی۔ محبت سے التجا کرنا چاہتی تھی مگر اس کا سر چٹانی سینے سے جکڑا ہوا تھا۔ صرف ایک ہاتھ نے اسے جکڑ لیا تھا۔ گلا دب رہا تھا، نہ وہ بول سکتی تھی، نہ وہاں سے سر اٹھا سکتی تھی۔

آخر اس نے پورے جسم کی قوت سے جدوجہد کی۔ ہاتھ پاؤں جھٹکنے لگی۔ یہ اس کی آخری خواہش تھی کہ کسی طرح فولادی گرفت سے نکل جائے مگر آخری خواہش پوری نہیں ہو رہی تھی۔ اُس کا سر فولادی سینے کے ساتھ جیسے کیل سے ٹھونک دیا گیا تھا۔

اس جاپانی گڑیا کا حُسن پہلے پھیکا پڑا پھر رنگ سفید ہو گیا۔ حُسن سے بھرپور شوخ چہرے پر سے زندگی کی تحریر مٹنے لگی۔ اپنی بقا کے لیے جدوجہد کرنے والے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کے بعد اس کا سر پتھر جیسے سخت سینے سے آزاد ہو گیا۔ زندگی سے خالی بدن ڈھلکتا ہوا سینے کی بلندی سے پھسلتا ہوا، بستر کے سرے سے گزرتا ہوا کمرے کے چکنے فرش پر گر پڑا۔ آئیڈیل بستر پر آنکھیں بند کیے.... پڑا ہوا تھا۔ اور جانِ آئیڈیل فرش پر دوپٹے پھیلائے آرام سے لیٹ گئی تھی۔

اس کمرے میں نرسوں کے علاوہ ڈاکٹر واکی ٹو اور دو امریکی ڈاکٹر آسکتے تھے۔ انھوں نے کوائیٹ بابا کا معائنہ کرنے کے اوقات مقرر کر لیے تھے۔ ایک ڈاکٹر اپنے مقررہ وقت پر آیا مگر کمرے میں پہنچتے ہی ٹھٹک گیا۔ خوبصورت نرس فرش پر پڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ دوڑ کر قریب آیا۔ اس نے جھک کر پھیلی ہوئی ساکت آنکھوں کو دیکھا، دل کی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھ کر زندگی کا سراغ لگانے کی کوشش کی پھر پریشان ہو کر اٹھ گیا۔ کھڑے ہو کر کوائیٹ بابا کو دیکھا۔ وہ بدستور آنکھیں بند کیے، ہاتھ پاؤں سیدھے کیے بستر پر چاروں شانے چت لیٹا ہوا تھا۔ اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ آپریشن کے بعد جس حالت میں تھا، اسی حالت میں دکھائی دے رہا تھا۔

پھر اس جاپانی نرس کو کس نے ہلاک کیا؟

فوراً ہی فون کے ذریعے ڈاکٹر واکی ٹو کو اطلاع دی گئی۔ اس کے ساتھ دوسرا امریکی ڈاکٹر بھی کمرے میں آیا۔ واکی ٹو نے فون پر اطلاع ملتے ہی تاکید کر دی تھی کہ نرس کی ہلاکت کی خبر کوائیٹ بابا کے کمرے سے باہر نہ جائے فرانسیسی ڈاکٹر سے بھی یہ بات چھپائی جائے۔

ایسا ہی کیا گیا۔ ڈاکٹر واکی ٹو نے تشویش بھری نظروں سے کوائیٹ بابا کو دیکھا۔ امریکی ڈاکٹر نے کہا "ہم نے آپریشن کے بعد اسے جس پوزیشن میں دیکھا تھا، یہ اسی طرح لیٹا ہوا ہے۔ اسے ہوش نہیں آیا ہے۔ اس نے حرکت نہیں کی ہے۔ پھر یہ نرس کیسے مر گئی؟"

نرس کا معائنہ کیا گیا۔ متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ دم گھٹنے سے موت ہوئی ہے اور حلق پر دباؤ پڑا ہے۔ اس کی گردن پر کوائیٹ بابا کی انگلیوں کے نشانات نہیں تھے۔ نرس نے سردی سے محفوظ رہنے کے لیے گردن کے اطراف اسکارف لپیٹ رکھا تھا۔ یہ شبہ بھی ہوا کہ باہر سے کسی نے آکر اسے ہلاک کیا ہے۔

مسلح محافظوں نے قسم کھائی کہ وہ اپنی ڈیوٹی پر تھے اور پوری طرح محتاط اور مستعد تھے۔ کوئی اس کمرے کے قریب سے بھی نہیں گزرا تھا۔ ڈاکٹروں نے کوائیٹ بابا کا معائنہ کیا۔ اس کی سانسوں کی رفتار اور ظاہری حالت بتا رہی تھی کہ وہ بے ہوش نہیں ہے۔ جانے کیوں وہ آنکھیں نہیں کھول رہا تھا۔ نہ ہی حرکت کر رہا تھا۔

ڈاکٹر واکی ٹو نے کہا "اگر یہ بات یہاں سے باہر گئی تو میرے اسپتال کی بدنامی ہوگی۔ اخبار والے کوائیٹ بابا کو خطرناک قرار دیں گے۔ حکومت کی طرف سے ایسی پابندیاں عائد ہوں گی کہ ہم آزادی سے کوائیٹ بابا کی اسٹڈی اور علاج نہیں کر سکیں گے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

ڈاکٹر واکی ٹو نے اپنے محافظوں کو حکم دیا "اس کی لاش یہاں سے چھپا کر لے جاؤ اور کسی ویران جگہ لے جا کر رکھ آؤ۔ پولیس والے یہی رائے قائم کریں گے کہ ویرانے میں کسی نے اس لڑکی کو ہلاک کر دیا ہے۔"

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ ایک ڈاکٹر نے پوچھا۔ "کیا لاش چھپا دینے مسئلہ حل ہو جائے گا؟ سوال یہ تو ہے کہ ہلاک ہوئی؟"

دوسرے ڈاکٹر نے پوچھا "کیا کوائیٹ بابا کو پھر سے دی کلر کہنا ہوگا؟"

واکی ٹو نے پریشان ہو کر کہا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے آپریشن کا یہ نتیجہ نکلے گا۔"

پھر اس نے جاپانی اسسٹنٹ ڈاکٹر سے ایک انجکشن تیار کرنے کے لیے کہا۔ دس منٹ کے بعد وہ دی کلر کے بازو میں ایک دوا انجکٹ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا..... "کوائیٹ بابا! تم میری آواز سن رہے ہو اور میری باتیں سمجھ رہے ہو۔ میں تمھیں وارننگ دیتا ہوں کہ آئندہ کسی کو ہلاک نہ کرنا۔ اگر میری عزت، شہرت اور نیک نامی خطرے میں پڑے گی تو میں تمھارے دماغ کو سنانے ... دماغ کو بگاڑ بھی سکتا ہوں۔ پہلے کی طرح تمھیں ہمیشہ کے لیے کوما میں پہنچا سکتا ہوں۔"

اس نے انجکشن دینے کے بعد سرنج واپس ٹرے پر رکھ دی۔ ایک ڈاکٹر نے پوچھا "کیا یہ تمھاری باتیں سن رہا ہے؟"

"ہاں سمجھ بھی رہا ہے۔ یہ ابھی حرکت کرے گا؟"

دونوں ڈاکٹر بے اختیار پیچھے ہٹ گئے۔ واکی ٹو نے اپنے محافظوں سے کہا "الرٹ رہو۔ اگر یہ مریض میرے لیے مصیبت بن جائے تو ایک اشارے پر اسے گولی مار دینا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دی کلر نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ قد، جسامت اور بڑے سر کی مناسبت سے بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ تیس برس کے بعد پہلی بار وہ سرخ انگارے جیسی آنکھیں خود کھلی تھیں۔ ان سے ایسی وحشت برس رہی تھی جیسے وہ جنون میں مبتلا ہوا اور ابھی سامنے والے کو چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔

محافظوں نے اپنے ریوالور نکال لیے۔ دونوں ڈاکٹر اور پیچھے چلے گئے۔ واکی ٹو اپنی جگہ کھڑا رہا۔ دی کلر اسے غرا کر دیکھ رہا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ انسانی غراہٹ نہیں تھی۔ سب اسے توجہ سے اور سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

جلد ہی ثابت ہو گیا کہ وہ انسانی غراہٹ نہیں تھی۔ اب وہ بھونکنے لگا تھا "بھوں بھوں۔ بھوں بھوں بھوں۔" وہ انسان تھا مگر بالکل کتے کی طرح بھونک رہا تھا۔

واکی ٹو نے پہلے تو اسے حیرانی سے دیکھا پھر سختی سے کہا "یو شٹ اپ۔ خاموش ہو جاؤ۔ تمھارے سر کے ٹانکے کچے ہیں۔ حرکت کرتے یا آواز نکالتے وقت سر کو جھٹکے لگیں گے تو ٹانکے ٹوٹ سکتے ہیں۔ میری محنت اور تمھاری زندگی ختم ہو جائے گی۔"

اس نے بھونکنا بند کر دیا۔ اب تک اس کے جسم کے کسی حصے نے حرکت نہیں کی تھی۔ وہ پہلے کی طرح لیٹا ہوا تھا۔ جب ڈاکٹر نے زندگی ختم ہو جانے کی دھمکی دی تو وہ چپ ہو گیا پھر آنکھیں بند کر لیں۔

واکی ٹو نے کہا "یو کلر! تم میرا مذاق اڑا رہے ہو، کتے کی طرح بھونک کر یہ جتانا چاہتے ہو کہ میں کتوں پر تجربات کرتا رہتا ہوں۔ میں نے تم پر بھی تجربہ کرنے کے لیے تمھاری کھوپڑی میں کتے کا دماغ رکھ دیا ہے۔ دی کلر! تم ابھی بچے ہو۔"

وہ دی کلر کے اور قریب ہو گیا۔ اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا "بے شک میں دعویٰ کرتا ہوں کہ انسان اور کتے کے دماغ میں فرق نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کی کھوپڑی میں کتے کا دماغ رکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے اور تم مضحکہ خیز حرکتیں کر رہے ہو۔"

پھر اس نے کہا "میں آپریشن کے بعد پریس والوں کے سامنے بیان دے چکا ہوں کہ تمھارا دماغ بچکانہ ہوگا۔ تمھیں بچوں کی طرح سکھایا پڑھایا جائے گا مگر تم میرے بیان کو جھٹلا رہے ہو۔ تمھاری یہ حرکتیں لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کریں گی۔ پلیز! مجھے پریشان نہ کرو۔ بہتر ہے کہ جب تک میرے ملک میں ہو، اسی طرح سکون سے پڑے رہو، جاپان سے باہر جا کر جو جی میں آئے کرتے رہنا۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل آیا۔ محافظوں کو حکم دیا "تم سب محتاط رہو گے۔ ایک نرس کے ساتھ دو مسلح محافظ کمرے میں رہیں گے۔ اگر وہ مریض خطرناک اور جان لیوا بن جائے تو بے دریغ گولی مار دینا۔"

اس کی نوبت نہیں آئی۔ دی کلر ایک ہفتے تک پُرسکون رہا۔ ایک ہفتے بعد اسے اسپتال سے چھٹی دے دی گئی۔ دونوں امریکی ڈاکٹر اپنے خاص محافظوں کے ساتھ اسے الاسکا لے آئے لیکن ان دونوں میں سے ایک ڈاکٹر الاسکا پہنچتے ہی ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا۔ دوسرا ڈاکٹر پُراسرار طور پر کہیں گم ہو گیا۔ اس کے متعلق رائے قائم کی گئی کہ اسے اغوا کیا گیا ہے یا وہ انجانے دشمنوں کے خوف سے خود کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ یہ بات سب ہی کو کھٹک رہی تھی کہ دی کلر کے آپریشن میں جتنے ڈاکٹر، نرسیں اور تھیٹر اسسٹنٹ وغیرہ شریک ہوئے تھے، وہ سب مختصر سے عرصے میں ایک ایک کر کے مارے گئے تھے، خواہ وہ امریکی ٹیم سے تعلق رکھتے ہوں یا جاپانی۔

یہ عجیب سی بات تھی۔ تیس برس تک مردہ پڑے رہنے والے کو زندگی مل گئی تھی اور جن لوگوں نے اسے آپریشن کے ذریعے زندگی دی تھی، وہ موت کی آغوش میں پہنچ گئے تھے۔ صرف ڈاکٹر واکی ٹو زندہ رہ گیا تھا۔

رومانٹک بے بی میری ٹیلی پیتھی کی نیند سو رہی تھی اور اُس کا دماغ مجھے دی کلر کی داستان سنا رہا تھا۔ حالاں کہ میں رسونتی کے بچکانہ ذہن کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن جو معلومات حاصل ہو رہی تھیں وہ اہم تھیں اور اس کا سلسلہ رسونتی کی موجودہ ذہنی حالت تک پہنچتا تھا۔

دی کلر کو جاپان سے الاسکا لایا گیا تھا۔ اسے سرکاری طور پر سخت نگرانی میں رکھا گیا تھا۔ سرکاری ڈاکٹروں کو بھی اس کے قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔ بہ الفاظ دیگر اسے گہرے راز میں رکھا جا رہا تھا۔ اگرچہ الاسکا کے شہر تنانا میں طبی تجربات کی بہت بڑی لیبارٹری تھی، تاہم اُسے تنانا میں نہیں رکھا گیا۔ وہاں سے ایک شمالی شہر وائنز مین پہنچا دیا گیا۔ کوہ فلپ اسمتھ اور کوہ انڈیکوٹ کے درمیان وائنز مین کا شہر بسایا گیا تھا۔ یہاں سال بھر برف باری ہوتی رہتی ہے۔ کسی کو کوما میں رکھنے کے لیے یہاں ایئر کنڈیشنر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ علاقہ قدرتی طور پر ایئر کنڈیشنڈ تھا۔ چوں کہ دی کلر پیدائش کے بعد ہی سے تیس برس تک سرد خانے میں رہتا آیا تھا لہٰذا وہ شدید سردی میں...... رہنے کا عادی ہو گیا تھا۔ کوئی گرم علاقہ اس کے حسب حال نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی لیے وائنز مین میں اس کی رہائش کے انتظامات ہونے لگے۔

دی کلر جس دن وائنز مین پہنچا۔ اسی دن دو امریکی ڈاکٹروں میں سے ایک کو حادثہ پیش آیا۔ وہ ڈاکٹر "دی کلر" کے مخصوص کمرے کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے کھڑکیوں اور دروازوں کی مضبوطی کا اندازہ کیا۔ باتھ روم میں جھانک کر دیکھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کسی نے دی کلر کو نقصان پہنچانے کے لیے کہیں ٹائم بم وغیرہ چھپا کر تو نہیں رکھا ہے؟

ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ دی کلر کی حفاظت کے مکمل انتظامات سے مطمئن ہونے اس کمرے میں گیا تھا مگر خود محفوظ نہیں رہ سکا۔ اچانک ہی اس کی کربناک چیخ سنائی دی۔ جتنی دیر میں مسلح گارڈز اندر پہنچتے، وہ ہمیشہ کے لیے سرد پڑ چکا تھا۔ قریب ہی ایک ایزی چیئر پر دی کلر آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس رہائش گاہ کے انچارج ڈاکٹر نے پوچھا "مسٹر کلائیشن یہ کیسے ہوا؟"

دی کلر اسی طرح آرام سے بیٹھا ہوا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس نے صرف ایک ہاتھ اٹھا کر سوئچ بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔ بجلی کے دو ننگے تار اس سوئچ بورڈ سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ بات سمجھ میں آگئی۔ اس ڈاکٹر نے نادانستگی میں ان تاروں کو چھو لیا تھا۔ بجلی کے جھٹکے لگنے سے موت واقع ہوئی تھی۔

میڈیکل رپورٹ سے بھی یہی ثابت ہوا مگر وہ دوسرا امریکی ڈاکٹر بے حد پریشان اور خوفزدہ تھا۔ یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھی کہ جتنے افراد دماغی آپریشن میں شریک ہوئے تھے، وہ سب یکے بعد دیگرے حرام موت مر گئے تھے۔ الاسکا کے شہر وائنز مین میں صرف وہی باقی رہ گیا تھا۔ کیا اب اس کے مرنے کی باری تھی؟

دی کلر کی رہائش گاہ میں ڈیوٹی کے لیے جن افراد کو مقرر کیا گیا تھا، ان میں رومانٹک بے بی بھی تھی۔ وہ شعبۂ نفسیات میں لیڈی نیورولوجسٹ تھی۔ اسے دی کلر کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو سمجھنے کے لیے رکھا گیا تھا۔ ویسے وہ پُراسرار باس کی بہت ہی قابلِ اعتماد دستِ راست تھی۔ پتا نہیں یہ کہاں تک درست تھا مگر وہ دعویٰ کرتی تھی کہ پُراسرار باس جو کوئی بھی ہے وہ اُس کے ابوٹے حسن و شباب پر فریفتہ ہو گیا ہے، اسی لیے اس پر اعتماد کرتا ہے۔

جس طرح موسم بدلتے ہیں، اسی طرح رومانٹک بے بی

کے عاشق یا آئیڈیل بدلتے رہتے تھے، یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ وہ قسم کھا کر عشق کرتی تھی۔ سب سے پہلے وہ ایلوس پریسلے پر عاشق ہوئی اور قسم کھائی کہ شادی کرے گی تو اسی ایلوس پریسلے سے، ورنہ کنواری رہے گی۔ وہ آئیڈیل اسے مل نہ سکا پھر وہ باکسر محمد علی کلے کی تصویروں سے محبت کرنے لگی۔ اس کے بعد فرہاد علی تیمور اس کا آئیڈیل بن گیا۔ اس نے ہر بار قسم کھائی کہ ہم میں سے کسی کو حاصل کرے گی ورنہ کنواری مرجائے گی۔

میں اب اس کے دماغ میں رہ کر یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ چالیس برس کی عمر میں بھی کنواری تھی۔ وہ نفسیات کی ماہر تھی مگر خود دماغی طور پر ذرا کھسکی ہوئی تھی، عشق کے معاملے میں پٹری بدلتی رہتی تھی۔ ایک آئیڈیل کی طرف بڑھنے کے دوران جب کوئی دوسرا خوب تر دکھائی دیتا تو وہ ادھر کا رُخ کرتی تھی۔ میرے بعد اس نے اپنے پُراسرار باس کو آئیڈیل بنایا تھا۔ اُسے امید تھی کہ ایک دن وہ باس تک پہنچ جائے گی مگر ایسے ہی وقت دی کلر اس کی نگاہوں میں بلکہ دل میں سما گیا۔

پہلے ہی دن جب وہ ڈیوٹی پر آئی تو دی کلر کو دیکھتی ہی رہ گئی۔ کوئی پہاڑ پر چڑھنے کے لیے کوہ پیمائی کا عملی مظاہرہ کرتا ہے، وہ دی کلر کے پہاڑ جیسے قد اور ڈیل ڈول کو دیکھتی رہی، ناپتی رہی اور نگاہوں سے کوہ پیمائی کرتی رہی، دل ہی دل میں قسم کھاتی رہی، شادی کرے گی تو اسی پہاڑ سے، ورنہ کنواری مرجائے گی۔

اس کے بس میں ہوتا تو وہ پہلے ہی دن اُس سے خوب باتیں کرتی۔ نفسیاتی داؤ پیچ کے ذریعے اسے اپنی طرف مائل کرتی لیکن باس نے سختی سے تاکید کی تھی کہ دی کلر سے غیر ضروری گفتگو نہ کی جائے۔ ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے چُپ چاپ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے ڈیلی رپورٹ تیار کی جائے۔

چوبیس گھنٹے میں جو رپورٹ تیار ہوئی، اس کے مطابق دی کلر بے حس تھا۔ کسی بھی جذبے کا غلام نہیں تھا۔ سدا کنوارے رہنے والے حُسن سے بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ دوسرے دن وہ امریکی ڈاکٹر ڈیوٹی پر نہیں آیا، جو زندہ رہ جانے والا آخری ڈاکٹر تھا۔ روما ننگ بے بی سے اس کی اچھی خاصی دوستی تھی۔ اس نے فون کے ذریعے پوچھا "ہیلو ڈاکٹر ڈین! تم ڈیوٹی پر کیوں نہیں آئے؟"

دوسری طرف سے ڈاکٹر ڈین نے جواب دیا "بے بی! میں بہت پریشان ہوں، خواب آور گولیاں کھانے کے باوجود رات بھر جاگتا رہا۔"

"آخر ایسی کیا پریشانی ہے؟"

"میں کیا بتاؤں؟ بتاؤں گا تو تم مذاق سمجھو گی۔"

"تمھارے لہجے سے پریشانی عیاں ہے، میں مذاق نہیں سمجھوں گی۔"

"بے بی! تم شاید یقین نہ کرو، میں شاید چند گھنٹوں یا چند لمحوں کا مہمان ہوں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"بائی گاڈ سچ کہہ رہا ہوں۔ کیا تم جھوٹ سمجھ رہی ہو؟"

"ڈاکٹر ڈین! میں تمھیں برسوں سے جانتی ہوں، تم سنجیدہ مزاج کے حامل ہو۔ تم نہ مذاق کرتے ہو اور نہ جھوٹ بولتے ہو۔ پلیز اپنی باتوں کی وضاحت کرو۔"

"میں فون پر وضاحت نہیں کرسکتا۔ کیا تم میرا ایک کام کرسکتی ہو؟"

"ایک نہیں ہزار کام بتاؤ، ضرور کروں گی۔"

ڈاکٹر ڈین نے سرگوشی کا انداز اختیار کیا۔ رازدارانہ طور پر کہا "میں نے شراب کے کیبنٹ میں اپنی ایک ڈائری چھپا کر رکھی ہے۔ اگر میں مرجاؤں تو اس ڈائری کو ڈاکٹروں کی بین الاقوامی انجمن کے صدر تک پہنچا دینا۔"

"میں تمھاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گی مگر تم نہیں مروگے۔ مجھے بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟"

"معاملہ ایسا نہیں ہے کہ میں فون پر دو لفظوں میں بتا سکوں۔ اگر میں شام تک زندہ رہ گیا تو تم ڈیوٹی سے آف ہوکر میرے پاس چلی آنا۔ میں ایک ساتھی کی ضرورت شدت سے محسوس کررہا ہوں۔ میں تمھیں تفصیل سے سب کچھ بتادوں گا۔"

"میں ڈیوٹی کے بعد ضرور آؤں گی۔ تم حوصلہ رکھو، زندہ رہو گے۔"

"بے بی! دی کلر کے دماغی آپریشن میں جو نرسیں اور ڈاکٹر وغیرہ شریک ہوئے تھے، وہ ایک ایک کرکے مرچکے ہیں بلکہ مارے گئے ہیں۔ اب میری باری ہے۔"

"تمھاری بات دل کو لگ رہی ہے۔ واقعی ایسے اہم اور غیر معمولی آپریشن میں شریک ہونے والے افراد بے موت مارے گئے ہیں۔ تم فکر نہ کرو، میں ابھی تمھاری حفاظت کے لیے خفیہ انتظامات کرتی ہوں۔"

اس نے تسلیاں دینے کے بعد ریسیور کو رکھا پھر باتھ روم میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر نکالا، مخصوص فریکوئنسی سیٹ کرنے کے بعد بولی "ہیلو مائی اَن نون باس ہیلو۔ اے ورجن بے بی کالنگ یو۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "ریکارڈر آن ہے، رپورٹ پیش کرو۔"

روما ننگ بے بی نے کہا "دی کلر ابھی نارمل ہے، خطرے کی کوئی بات نہیں ہے لیکن ڈاکٹر ڈین اپنے لیے خطرہ محسوس کررہا ہے۔ کہتا ہے وہ چند گھنٹوں کے اندر مار ڈالا جائے گا۔ اس نے اپنی ڈائری میں کوئی خاص بات لکھی ہے۔ مجھ سے التجا کی ہے کہ وہ مرجائے تو اس ڈائری کو ڈاکٹروں کی بین الاقوامی انجمن کے صدر تک پہنچا دوں۔ یقیناً وہ ڈائری بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کیا ہم ڈاکٹر ڈین کی حفاظت کے لیے فوری اقدامات کرسکتے ہیں؟"

اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کردیا۔ وہیں باتھ روم میں آئینے کے سامنے ہوکر میک اپ درست کرنے لگی۔ پندرہ منٹ کے بعد ٹرانسمیٹر کے ذریعے جواب موصول ہوا "بے بی! ہم نے ڈاکٹر ڈین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ وہاں فون کی گھنٹی بج رہی ہے مگر کوئی ریسیور نہیں اٹھا رہا ہے۔ یقیناً کوئی گڑبڑ ہے۔ ہم اپنے ایک ماتحت مانلو کو ڈاکٹر کی رہائش گاہ کی طرف روانہ کرچکے ہیں۔ ابھی مانلو تم سے فون پر رابطہ قائم کرے گا۔ دیٹس آل۔"

وہ ٹرانسمیٹر بند کرکے اسے پہلے ہی کی طرح چھپا کر باتھ روم سے باہر آگئی۔ دی کلر نیند سے بیدار ہوگیا تھا۔ روما ننگ بے بی نے اسے بڑے ہی رومانی انداز میں دیکھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جاپان میں ایک نرس کے رومان کا انجام کیا ہوا تھا۔ اس نے دی کلر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا "تم میری قربت سے کچھ محسوس کررہے ہو؟"

وہ پتھر کے بُت کی طرح بیٹھا رہا۔ بڑی بڑی لعوننگ آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ جی جان سے فدا ہونے والی عورتیں ایسی آنکھوں سے نہیں ڈرتیں، بلکہ ظالمانہ نگاہوں پر مرتی ہیں۔ اسے خاموش دیکھ کر بے بی نے کہا "تم لاکھ پتھر سہی میں تمھیں حسن و محبت سے پگھلا دوں گی۔"

وہ اچانک غرّایا۔ پھر بھونکنے لگا۔ وہ ایک دم سے اچھل کر پیچھے چلی گئی۔ شدید حیرانی سے اس آئیڈیل کو دیکھنے لگی جو انسان تھا اور کتّے کی طرح بھونک رہا تھا۔ اس نے جو میڈیکل رپورٹ پڑھی تھی، اس کے مطابق دی کلر بہت کم بولتا تھا مگر رپورٹ میں یہ نہیں لکھا تھا کہ کتوں کی زبان سے بولتا ہے۔

اتنا کچھ دیکھ کر رومانی جذبات کو سرد پڑنا چاہیے تھا مگر وہ خوش ہوکر پھر قریب چلی آئی۔ اس نے پل بھر میں اپنا نفسیاتی تجزیہ کرلیا کہ وہ ان عورتوں میں سے ہے جو چاہتی ہیں کہ شوہر غصّے میں بھونکتا رہے مگر وفاداری سے دُم ہلاتا رہے۔

وہ دوبارہ اس کے قریب ہوکر بولی "میں تمھیں جیت کر رہوں گی۔ میں قسم کھاتی ہوں، جب تک....."

اس کی بات پوری نہ ہوسکی۔ وہ پھر غرّایا اور بولا "بھوں بھوں، تم ایک ہزار ایک قسمیں کھاچکی ہو۔ میں سب جانتا ہوں۔ بھوں، بھوں، بھوں۔"

بے بی نے حیرانی سے پوچھا "تمھارے نئے جنم کو ابھی پورے پندرہ دن نہیں ہوئے۔ اس سے پہلے تم دماغ سے خالی تھے پھر میرے متعلق سب کچھ جاننے کا دعویٰ کیسے کرتے ہو؟"

وہ چُپ چاپ اُسے گھورتا رہا۔ بے بی نے کہا "اگر تمھارا دعویٰ درست ہے تو یہ بھی جانتے ہوگے کہ آج تک کوئی مرد میری زندگی میں نہیں آیا۔ میں جوانی کے پہلے دن سے کنواری ہوں، تم نہ ملے تو کنواری مرجاؤں گی۔"

"غر، غر، بھوں بھوں۔ آج جو چیز تازہ ہے، کل باسی ہوجاتی ہے۔ تم تو چالیس برس سے تازہ رہنے کے فریب میں مبتلا چلی آرہی ہو۔ ذرا اپنے چہرے سے میک اپ اتار کر دیکھو، تمھیں تو میونسپلٹی کی کچرا گاڑی بھی لے جانے سے انکار کرے گی۔ بھوں، بھوں، بھوں..."

وہ غصّے سے الگ ہوگئی، پاؤں پٹخ کر بولی "تم میری انسلٹ کررہے ہو۔ اوہ نو، میری سمجھ میں نہیں آتا تم کیا ہو۔ تیس برس تک تمھارا دماغی وجود نہیں تھا پھر تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ میں چالیس برس کی ہوچکی ہوں؟"

وہ چُپ رہا۔ بے بی نے اس کے بازو کو جھنجوڑ کر پوچھا۔ "میری بات کا جواب دو۔"

وہ بستر پر لیٹ گیا "میں جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ غصّے سے کچھ کہنا چاہتی تھی، فون کی گھنٹی نے اسے متوجہ کرلیا۔ اس نے دانت پیس کر دی کلر کو دیکھا پھر فون کے پاس جاکر ریسیور اٹھا کر بولی "ہیلو۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "میں باس کا خادم مانلو بول رہا ہوں، تمھاری رپورٹ غلط ہے، نہ ڈاکٹر ڈین اپنے

رہائش گاہ میں ہے اور نہ ہی شراب کے کیبنٹ میں کوئی ڈائری ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی "اگر نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میری رپورٹ غلط ہے، ہو سکتا ہے ڈاکٹر نے وہ جگہ چھوڑ دینے میں عافیت سمجھی ہو اور کہیں روپوش رہنے کے لیے ڈائری اپنے ساتھ لے گیا ہو۔"

"اگر اس نے ایسا کیا ہے تو پھر قاتلوں کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ وہ ڈائری ہمارے ہاتھ نہیں لگے گی، ہمیں کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ اس ڈائری میں ایسا کیا راز تھا، جسے راز رکھنے کے لیے ڈاکٹر ڈین کو ہلاک کیا گیا۔"

رومانٹک بے بی نے سر گھما کر دی کلر کو دیکھا پھر کہا۔ "مجھے ڈاکٹر ڈین اور اس کی ڈائری سے دلچسپی نہیں ہے۔ دلچسپی اس شخص کے لیے ہے، جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے ہم اسے کوائیٹ بابا نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ اب یہ خاموش نہیں رہتا، کتوں کی طرح بولتا ہے۔ مجھے شدید حیرانی ہے، یہ میری عمر بتا رہا تھا۔"

"کیا اس نے صحیح عمر بتائی ہے؟"

"نہیں، یہ جھوٹ بولتا ہے۔ کہتا ہے، میں چالیس برس کی ہوں، نان سنس، میں ابھی پچیس برس کی ہوں۔"

"یہ شاید تمہارا لکی عدد ہے، میں پچیس برس سے تمھیں پچیس برس کا دیکھتا آ رہا ہوں۔"

"یو شٹ اپ۔" بوڑھی بے بی نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔

دی کلر نے آنکھیں کھول کر کہا۔ "بھوں بھوں، تم غصے میں چیخ کر باتیں کرتی ہو اور یہ بھول جاتی ہو کہ میرا نوزائیدہ دماغ شور و غل کا عادی نہیں ہے۔ بھوں۔ آئندہ اونچی آواز میں بولو گی، بھوں، میں تمھاری آواز ہمیشہ کے لیے بند کر دوں گا۔ بھوں بھوں، غر غر۔۔۔"

وہ کتے کی طرح غراتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ رومانٹک بے بی بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی، یہ کیسی مخلوق ہے، جسم تیس برس کا ہے، دماغ پندرہ دن کا ہے۔ یہ ظاہر میں انسان ہے مگر باطن میں کتا ہے، خدا جانے یہ حقیقت میں کیا ہے؟

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں رومانٹک بے بی کے خوابیدہ دماغ سے نکل کر طیارے کے اندر دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ میرے قریب ہی مانلو ایک سیٹ پر بندھا ہوا تھا۔ اس وقت سر اٹھائے طیارے کی چھت کو گھور رہا تھا۔ میں نے بھی چھت کی سمت دیکھا۔ دراصل ہم طیارے کے باہر تصور میں آسمان کو دیکھ رہے تھے۔ ایک ہیلی کاپٹر کی آواز نے ہمیں متوجہ کیا تھا۔

اب سے تقریباً چھ گھنٹے پہلے جب ہمارا طیارہ برفانی طوفان میں پھنس گیا تھا تو پائلٹ مانلو نے "مے ڈے" کا سگنل دیا تھا۔ اس کے جواب میں کہا گیا تھا کہ طوفان کے تھمتے ہی ہمارے لیے امدادی پارٹی بھیجی جائے گی۔ اب شاید وہی امدادی پارٹی ہیلی کاپٹر میں آ رہی تھی۔

آنے والوں نے یقیناً ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے پائلٹ مانلو سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو گی لیکن ہمارے طیارے کا ریڈیو کسی کام کا نہ رہا تھا۔ اب ہیلی کاپٹر والے اسپیکر کے ذریعے کچھ کہہ رہے تھے لیکن کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ ہم طیارے کے اندر تھے اور باہر نہ جانے کتنے فاصلے پر ہیلی کاپٹر گردش کرتا ہوا پنکھا بری طرح شور مچا رہا تھا۔

میں نے کہا۔ "مانلو! تمھاری مدد کرنے والے آ پہنچے ہیں۔ وہ کچھ کہہ رہے ہیں مگر ہم سننے کے لیے باہر نہیں جائیں گے۔"

مانلو نے کہا۔ "وہ اندر آ جائیں گے۔"

"یہاں تک پہنچنے میں کافی وقت لگے گا۔ ابھی تو وہ پرواز کرنے کے دوران آئس فلوٹ پر پڑی ہوئی لاشوں کو دیکھیں گے، انھیں خطرے کا یقین ہو گا۔ اس طیارے سے جواب موصول نہ ہونے پر وہ لوگ اور زیادہ محتاط ہوں گے، خوب سوچ سمجھ کر ادھر آئیں گے، بہر حال جب آئیں گے تب دیکھا جائے گا۔ ابھی تو یہ بتاؤ دی کلر کی اصلیت کیا ہے؟"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ وہ مجھے ٹالنا چاہتا تھا پھر یاد آیا کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے جھوٹ کو پکڑ لوں گا۔ اس کے باوجود اس نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔ "وہ ایک عجیب و غریب انسان ہے؟"

میں نے پوچھا۔ "جب اس کی دماغی عمر پندرہ دن کی تھی، تب اس نے رومانٹک بے بی کے متعلق کیسے یقین سے کہہ دیا تھا کہ وہ ہزاروں بار قسمیں کھا چکی ہے اور عشق کی راہ میں پٹری بدلتی رہتی ہے۔ اس نے بوڑھی بے بی کی صحیح عمر کیسے بتا دی تھی؟"

"میں دی کلر کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا ہوں۔ آپ میرے دماغ میں اگر میرے جھوٹ سچ کو سمجھ سکتے ہیں۔"

میں نے اس کے دماغ کو کریدنا شروع کیا۔ پتا چلا جس دن رومانٹک بے بی کے ذریعے علم ہوا کہ ڈاکٹر ڈین نے ایک اہم ڈائری شراب کے کیبنٹ میں چھپا رکھی ہے، اس دن پہلی بار مانلو کو اس کے باس نے دی کلر کے متعلق بتایا کہ وہ عجیب و غریب خطرناک انسان، پُراسرار باس کا آلۂ کار ہے۔ ڈاکٹر ڈین نے اپنی ڈائری میں دی کلر کے متعلق کسی اہم راز کا انکشاف کیا ہے لہٰذا فوراً وہ ڈائری وہاں سے نکال کر باس تک پہنچائی جائے۔

مختصر یہ کہ مانلو اپنی ٹیم کے ساتھ ڈاکٹر ڈین کی رہائش گاہ پہنچا تھا۔ وہاں پہنچ کر اصولاً ڈاکٹر ڈین کی حفاظت کے انتظامات کرنے چاہیے تھے مگر مانلو نے ڈاکٹر کو قتل کر دیا۔ باس کے آدمیوں نے اس کی لاش غائب کر دی۔ وہ ڈائری شراب کی کیبنٹ سے برآمد ہوئی تھی۔ مگر باس کے حکم کے مطابق رومانٹک بے بی کو غلط اطلاع دی گئی کہ ڈاکٹر ڈین کہیں روپوش ہو گیا ہے اور ڈائری وہاں سے برآمد نہیں ہوئی ہے۔

میں نے مانلو سے پوچھا۔ "پُراسرار باس کی نظروں میں رومانٹک بے بی قابلِ اعتماد ہے پھر اسے غلط اطلاع کیوں دی گئی؟"

مانلو نے جواب دیا۔ "ہم سب پُراسرار باس کی نظروں میں قابلِ اعتماد ہیں لیکن وہ اپنے ہر معاملے میں سب کو شریک نہیں کرتا ہے اور اگر شریک بھی کرتا ہے تو کسی کو اس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کا موقع نہیں دیتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تمھارے پُراسرار باس نے ڈاکٹر ڈین کو قتل کرایا اور اس ڈائری کو غائب کرا دیا جو ایک اہم راز کا انکشاف کرنے والی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمھارا پُراسرار باس، دی کلر کے دماغی آپریشن کو راز میں رکھنا چاہتا ہے، اس راز کی خاطر تمھارے باس نے آپریشن میں شریک ہونے والے تمام افراد کو ایک ایک کر کے قتل کرا دیا۔"

مانلو نے کہا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔ جاپانی ڈاکٹر واکی ٹو اور ہمارے پُراسرار باس کی ملی بھگت سے دی کلر کا دماغی آپریشن نہایت رازداری سے ہوا۔ میں نہیں جانتا وہ راز کیا ہے لیکن، دی کلر ہمارے باس کا سب سے خطرناک آلۂ کار ہے۔"

میں نے کان لگا کر سنا۔ ہیلی کاپٹر کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ آنے والے اگر سرکاری طور پر آئے تھے تو خطرے کی بُو پاتے ہی چلے گئے تھے اور اگر پُراسرار باس کی طرف سے مانلو کی امداد کے لیے نئی ٹیم آئی تھی تو وہ ہیلی کاپٹر واپس نہیں جا سکتا تھا۔ اُسے طیارے سے بہت دور اتارا گیا ہو گا۔ اس کے بعد وہ آئس فلوٹ پر مرنے والوں کا جائزہ لیں گے، طیارے کے اندر بھی آنے کے متعلق سوچیں گے۔

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مانلو کی رسیاں کھول دیں۔ وہ حیرانی سے اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "منہ کیا دیکھتے ہو۔ میں تمھیں آزادی۔۔۔ دے رہا ہوں، تم باہر جا کر اپنے لوگوں سے مل سکتے ہو۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتا ہوا الٹے قدموں دروازے کی طرف جا رہا تھا لیکن باہر جانے سے پہلے رک کر بولا۔ "میں سمجھ گیا، میں جسمانی طور پر آزاد ہوں، دماغی طور پر آپ کا قیدی ہوں جیسے ہی باہر جاؤں گا، آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اندر بلا لیں گے۔"

"تم احمق ہو، اگر میں تمھارے آنے والے ساتھیوں کے سامنے ایسا کروں گا تو وہ مجھے پہچان لیں گے اور میں نہیں چاہتا کوئی مجھے فرہاد کی حیثیت سے پہچانے۔"

اسے ذرا اطمینان ہوا۔ اُس نے مجھ سے پوچھا۔ "مجھے اپنے آدمیوں سے تمھارے متعلق کیا کہنا چاہیے؟"

"جو تمھارا دل چاہے یا جو تمھاری عقل سمجھائے۔"

وہ چلا گیا۔ میں ایک ریوالور لے کر دروازے کی جانب رُخ کر کے بیٹھ گیا۔ ایسے وقت ایک ہتھیار لازمی تھا کیوں کہ میں نے آنے والوں کی آوازیں نہیں سنی تھیں۔ اُن کے دماغوں میں جگہ بنانے سے پہلے احتیاط ضروری تھی۔

مانلو طیارے سے باہر جا کر برف کی سطح پر کھڑا ہوا تھا۔ چاروں طرف گھوم کر متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ امدادی پارٹی نظر نہیں آ رہی تھی۔ برف کا طوفان تھم گیا تھا۔ تاہم آئس فلوٹ کی سطح سے اڑتے ہوئے ذرات کے باعث سفید دھند چھائی ہوئی تھی۔ ہیلی کاپٹر جہاں بھی اُترا تھا، اس دھند کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے منہ کے اطراف دونوں ہاتھ یوں رکھے جیسے منہ کو لاؤڈ اسپیکر بنا رہا ہو پھر اس نے بلند آواز سے پوچھا۔ "اِز اینی باڈی ہیئر۔ یہاں کوئی ہے، میں نے ابھی ہیلی کاپٹر کی آواز سنی تھی۔"

اس کی آواز دور تک گونجتی جا رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں اپنے جہاز کا پائلٹ مانلو ہوں۔ اب میرا جہاز پرواز کے قابل ہو گیا ہے، تاہم آپ لوگوں کا ساتھ چاہتا ہوں۔"

وہ دوستانہ انداز میں مخاطب کرتا ہوا طیارے سے دور جا رہا تھا۔ میں اس کے ذریعے معلوم کر رہا تھا۔ آس پاس دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ امدادی پارٹی کے افراد محتاط تھے۔

بہت سوچ سمجھ کر مانلو کا سامنا کرنے والے تھے۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا، چپ چاپ طیارے سے نکل کر دوسری طرف چلا گیا، میرے ایک ہاتھ میں ریوالور اب بھی تھا اور میں آہنی سلاخ سے آئس فلوٹ کی مضبوطی کا اندازہ کرتا جا رہا تھا۔

اچانک بٹھائیں سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی، وہ آواز چند لمحوں تک گونجتی رہی پھر کسی نے کہا "مسٹر مانلو! جہاں ہو، وہیں رک جاؤ، پہلے ہم تصدیق کریں گے کہ تم پائلٹ مانلو ہو یا نہیں؟"

مانلو اپنی جگہ کھڑا رہ گیا پھر کسی نے کہا "ہمارا ایک آدمی آرہا ہے، وہ تمھیں نہتا کرے گا۔ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

وہ حکم کی تعمیل کر رہا تھا، ایک شخص قریب آکر اس کی تلاشی لے رہا تھا، اس کے ہاتھ سے آہنی سلاخ اور شانے سے اسٹین گن اتار کر اپنے قبضے میں لے رہا تھا، اس دوران میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا جو ابھی مانلو کو مخاطب کر چکا تھا۔

وہ تعداد میں پانچ تھے، سب کے سب ہیلی کاپٹر سے نکل کر برف کی سطح پر کھڑے ہوئے تھے، یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ میں ان سے کتنے فاصلے پر ہوں، ہم جس آئس فلوٹ پر تھے، وہ گویا برف کا جزیرہ بھی تھا اور برف کا بحری جہاز بھی جو سمندر میں بہتا جا رہا تھا، وہاں دن کی روشنی میں بھی ڈوبتی ہوئی شام کا سماں تھا، برفانی دھند نے ہم سب کو اندھا کر رکھا تھا۔

میں جس کے دماغ میں پہنچا، اس کا نام جان ڈیوس تھا، جو مانلو کی تلاشی لے رہا تھا، اسے پورٹر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ باقی تین عورتیں تھیں، جان ڈیوس کی سوچ کے مطابق وہ تینوں الاسکا کی حسین ترین عورتیں تھیں، اگر مبالغے سے کام لیا جائے تو ان کے حسن کی گرمی سے برف کا طوفان پگھل گیا تھا، جس آئس فلوٹ پر وہ کھڑی ہوئی تھیں، وہ بھی پگھل سکتا تھا اور ہم سمندر میں غرق ہو سکتے تھے۔

یہ حماقت سمجھ میں نہیں آئی کہ امدادی ٹیم میں حسین عورتوں کو کیوں شامل کیا گیا۔ میں نے یہ سوال جان ڈیوس کے دماغ میں پیدا کیا، اس کی سوچ نے کہا۔

"وہ پُراسرار باس نادان نہیں ہے، اس کی حماقت کے پیچھے بے پناہ ذہانت چھپی ہوتی ہے، شاید اس نے سوچا ہو کہ آئس فلوٹ میں ہمارا جو شکار ہے اسے یہ عورتیں ہی اپنے دام میں لا سکتی ہیں۔"

جان ڈیوس کی جوابی سوچ سن کر میرا ماتھا ٹھنکا، کیا وہ پُراسرار شخص میرے متعلق یہ رائے قائم کر چکا ہے کہ حسین عورتیں مجھے تسخیر کرتی ہیں، میری ہسٹری شیٹ کے مطابق حسین عورت میری کمزوری ہے مگر اب یہ مجھ پر الزام ہے۔ ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے، کوئی حسین عورت میری محبوباؤں کی فہرست میں شامل نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ پچھلی محبوبائیں بھی نہیں رہیں، میں تو تنہا بھٹکتا چلا آرہا ہوں۔

بہرحال وہ پُراسرار شخص مجھے فرہاد سمجھ رہا تھا، مزید تصدیق کے لیے عورتوں کا ریشمی جال بچھا رہا تھا۔ اُدھر مانلو کہہ رہا تھا۔ "مسٹر جان ڈیوس! میں مانلو ہوں، میرے کاغذات اور فلائنگ لائسنس کے ذریعے تصدیق ہو سکتی ہے، میں دوست ہوں، تم نے مجھے ہتھیاروں سے خالی کیوں کر دیا؟"

"سوری مانلو! ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے، باس نے کہا ہے کہ تمھارا دماغ کسی وقت بھی پھر سکتا ہے اور تم دوستی بھول کر دشمنی سے ہمیں ہلاک کر سکتے ہو۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"مانلو! تمھارے تمام ساتھی مارے گئے ہیں، یہ ممکن ہے کہ تمھارا دماغ پھر گیا ہو اور تم نے ہی اپنے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا ہو۔"

"میں ایسا کیوں کروں گا؟"

"ایسا اس کے لیے کرو گے جو ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آیا ہے۔ اس نے تمھیں ہمارے پاس بھیج دیا، خود کہیں چھپا ہوا ہے، بولو کہاں ہے وہ؟"

"وہ۔ وہ طیارے میں ہے۔"

"وہ کون ہے؟"

"مجھ سے کیوں سوال کر رہے ہو، باس کو سب معلوم ہے، ہم ان کے حکم سے ایل مونا اور ڈاکٹر مے کاکس کو ہار بیے کی طرف لے جا رہے تھے، طوفان کے باعث ہمیں اس آئس فلوٹ پر اترنا پڑا ہے۔"

"ڈاکٹر مے کاکس کی اصلیت کیا ہے؟"

مانلو بوکھلا گیا، بلکہ خوفزدہ ہو کر سوچنے لگا، اگر میں اصلیت بتاؤں گا تو فرہاد میری کھوپڑی گھما دے گا۔

جان ڈیوس نے کہا "تمھاری خاموشی بتا رہی ہے کہ تم نے باس سے غداری کر کے اس سے دوستی کر لی ہے، یا پھر اس سے خوفزدہ ہو۔"

مانلو نے ہچکچاتے ہوئے کہا "میں دوست ہوں اور تم لوگوں کو دوستانہ مشورہ دے رہا ہوں۔ ڈاکٹر مے کاکس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اس سے چھیڑ نہ کرو۔"

"ورنہ وہ تمھارے مردہ ساتھیوں کی طرح ہمیں بھی مردہ بنا دے گا۔ مسٹر مانلو! ایک تنہا آدمی اتنے لوگوں کو ہلاک نہیں کر سکتا اور نہ ہی تمھیں اس قدر خوفزدہ کر سکتا ہے، یقیناً اس میں کوئی غیر معمولی بات ہے۔"

"وہ دشمنوں کو دوست بنا لیتا ہے، کیا یہ غیر معمولی بات نہیں ہے؟"

"جاؤ اپنے دوست سے کہو طیارے سے باہر آجائے۔"

"میں تمھارے حکم کا پابند نہیں ہوں، اپنے اس آدمی کو طیارے میں بھیجو مگر کیسے بھیجو گے؟ تمھارے پاس ایک ہی آدمی ہے، تم تو عورتوں کی فوج لے کر آئے ہو۔"

جان ڈیوس نے کہا "یہ عورتیں وہ کام کر گزرتی ہیں جو مرد نہیں کر سکتے۔ کیا تم جانتے ہو کہ باس غداروں کو کیسی سزا دیتا ہے یا کن شرائط پر معاف کرتا ہے؟"

"جانتا ہوں، وہ غداروں کو مارتا نہیں ہے، ایسی اذیتیں دیتا ہے جو ناقابلِ برداشت ہوتی ہیں۔ وہ مرنے کی التجائیں کرتے ہیں مگر انھیں موت نہیں ملتی۔ یا پھر انھیں اس شرط پر معاف کیا جاتا ہے کہ وہ غدار، باس کی طرف سے کسی ایسی خطرناک مہم پر جائیں، جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوتی، اگر وہ زندہ بچ کر واپس آتے ہیں تو انھیں کسی چھوٹے سے قصبے وغیرہ میں جا کر شریفانہ زندگی گزارنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔"

جان ڈیوس نے کہا "درست ہے، اب ہم پانچوں کو دیکھو۔ ہم پُراسرار باس کے قید خانے سے نکل کر آرہے ہیں۔ ہم پر غداری کا الزام ہے، قید خانے میں ہمیں طرح طرح سے اذیتیں دی جا رہی تھیں پھر اچانک ہمارا معافی نامہ منظور ہو گیا۔ تقریباً چار گھنٹے پہلے ہمیں بتایا گیا کہ باس کا ایک طیارہ طوفان میں پھنس کر ایک آئس فلوٹ پر پہنچ گیا ہے، پائلٹ مانلو سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا ہے لیکن وہاں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر مے کاکس ہمارا شکار ہے، ہم پانچوں غدار ڈاکٹر مے کاکس کی اصلیت معلوم کریں گے۔"

جان ڈیوس نے عورتوں کی طرف دیکھ کر کہا "میں کچھ غلط کہہ گیا۔ ہم نہیں، صرف یہ تین عورتیں مے کاکس کی کھال اتار کر اس کا اصل روپ ظاہر کر دیں گی۔ ہم دونوں محض ان کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔"

"جان ڈیوس! تم نے یہاں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ہمارا ایک آدمی نہیں بچا۔ اگر ہم نے مے کاکس کو چھیڑا تو یہ آئس فلوٹ ہمارا بھی قبرستان بن جائے گا۔"

اس دوران ہیلی کاپٹر سے آنے والا پورٹر اور تینوں عورتیں خاموش تھیں۔ پورٹر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ گونگا ہے، وہ لوگ مجھے سمجھ رہے تھے، مزید سمجھنا چاہتے تھے۔ ایسے میں اس کا گونگا پن مصنوعی لگ رہا تھا۔

جان ڈیوس نے تینوں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ریلی! وائنا! اور گریس! تم تینوں طیارے میں جاؤ اور اپنے اپنے طریقۂ کار پر عمل کرو۔"

وہ تینوں وہاں سے چل پڑیں۔ ہیلی کاپٹر کے پاس تین مرد رہ گئے، جان ڈیوس نے میری سوچ کے مطابق پوچھا "پورٹر! ہم الگ الگ قید خانوں میں تھے، میں نے پہلے تمھیں نہیں دیکھا، تم کس نمبر کے سیل میں تھے؟"

مانلو نے پوچھا "کیا یہ گونگا ہے، اشارے سے سیل کا نمبر بتا رہا ہے۔"

جان ڈیوس نے کہا "ہاں یہ گونگا ہے اور نہ بھی ہو تو ہمارے لیے کیا فرق پڑتا ہے۔"

ریلی، وائنا اور گریس طیارے کے اندر گئیں پھر باہر آکر مجھے تلاش کرنے لگیں۔ میں نے جان ڈیوس کے ذریعے پہلی بار ریلی کی آواز سنی، وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے کہہ رہی تھی۔ "وہ طیارے میں نہیں ہے، میں اسے تلاش کرنے جا رہی ہوں۔"

جان ڈیوس نے ٹرانسمیٹر آف کر کے کہا "ہمیں ایک جگہ نہیں رہنا چاہیے۔ وہ اچانک ہم پر فائر کر سکتا ہے، پورٹر تم اُدھر جاؤ، میں اِدھر جاتا ہوں۔ مانلو تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ سب منتشر ہو گئے، ایک دوسرے سے بچھڑ کر مجھے تلاش کرنے لگے۔ میں نے مانلو کے ذریعے کہا "جان ڈیوس! یہ تو بتاؤ، باس نے تم پانچ غداروں کو کس اعتماد پر بھیج دیا، کوئی تو تم لوگوں کی نگرانی کرنے والا ہو گا۔"

"کسی کی نگرانی ضروری نہیں ہے، ہم بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں، باس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"تمھارا بھاگنا اور پکڑے جانا بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال باس، ڈاکٹر مے کاکس کو بے نقاب کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم پانچوں مے کاکس سے مل جاؤ گے تو باس ناکام ہو جائے گا اور مے کاکس کو فرار ہونے کا موقع مل جائے گا، مے کاکس اگر ماسٹر کی کا آدمی ہے تو تم سب کو ماسٹر کی کی پناہ دے گا۔ کیا وہ پُراسرار باس ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے کسی کو تمھاری نگرانی پر مامور نہیں کر سکتا؟"

جان ڈیوس نے سوچتے ہوئے کہا "ہاں کر سکتا ہے، مجھے شبہ ہے، یہ پورٹر جو گونگا بن کر ہمارے ساتھ آیا ہے،

یہی باس کا خاص آدمی ہے اور ہماری نگرانی کر رہا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم چار غدار ہو اور ایک نگراں ہے۔ مگر ایک شخص تم چاروں کا کیا بگاڑ لے گا؟"

"مانلو! کیا تم مجھے باس کے خلاف بہکا رہے ہو؟ مجھے مے کاکس سے دوستی کرنے کی ترغیب دے رہے ہو؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"میں دوستی کر دوں گا اگر وہ اپنی اصلیت بتا دے۔"

"جو اس کی اصلیت معلوم کرتا ہے، اس کی عمر اچانک کم ہو جاتی ہے۔ چند لمحوں کی رہ جاتی ہے۔"

جان ڈلیوس نے پوچھا۔ "کیا وہ ٹیلی پیتھی جانتا ہے؟ کیا وہ فرہاد ہے؟"

"یہ خیال تمہارے دماغ میں کیسے آیا؟"

"جب ہمیں قید خانے سے نکال کر ایک خاص کمرے میں پہنچایا گیا تو وہاں پُراسرار باس کا ایک خاص ماتحت موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ ہمارے باس نے مخصوص کمپیوٹر تیار کیے ہیں۔ ایسے ہی ایک کمپیوٹر کے اسکرین پر خیال خوانی کی لہریں نمایاں ہوتی ہیں۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"بات صاف ہے۔ فرہاد زندہ ہے اور کہیں روپوش رہ کر خیال خوانی کر رہا ہے۔ پُراسرار باس نے کمپیوٹر اسکرین کے گراف سے اندازہ لگایا ہے کہ خیال خوانی کرنے والا 'ہاربے' کے قریب ہے، اور یہ آئس فلوٹ سمندر میں بہتا ہوا ہاربے کی طرف جا رہا ہے۔ کیا ڈاکٹر مے کاکس پر فرہاد کا شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے؟"

وہ پُراسرار باس صحیح سمت پر مجھ تک پہنچنے والا تھا۔ میں نے مانلو کے ذریعے کہا۔ "ہمارا باس بعض اوقات لال بجھکڑ بن جاتا ہے۔ مے کاکس اگر فرہاد ہوتا تو میری کھوپڑی میں ضرور آتا، یا اس کی کسی حرکت سے ٹیلی پیتھی کا شبہ ہوتا۔ یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر ہمارے اتنے آدمی کیسے مارے گئے؟"

"عورت کا چکر، گھن چکر ہوتا ہے۔ وہ سب ایل مونا کے لیے آپس میں لڑ مرے۔ ان کی لڑائی میں ایل مونا بھی ماری گئی۔"

"اور تم زندہ رہ گئے۔" جان ڈلیوس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

میں دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ کچھ کام کی باتیں معلوم ہو رہی تھیں۔ اس لیے تین عورتوں کی طرف نہ جا سکا۔ میں اپنی جگہ بدلتا جا رہا تھا مگر کسی وقت بھی تلاش کرنے والے مجھ تک پہنچ سکتے تھے۔ میں نے ایک عورت ریلی کی آواز سنی تھی۔ اس کے لب و لہجے کو یاد رکھا تھا۔ اس کے ذریعے معلوم کر سکتا تھا کہ وہ مجھے ٹریپ کرنے کے لیے کون سا طریقہ کار اختیار کرتی ہے۔

میں نے سوچ کی لہریں اس کے دماغ تک نشر کیں۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں وہ لہریں واپس آگئیں۔ ریلی نے سانس روک لی تھی۔ گویا یوگا کے فن میں مہارت رکھتی تھی۔ میں نے پھر خیال خوانی کی۔ اس بار اس نے دماغ کے دروازے کھول دیے۔

"ہیلو فرہاد! تمہارے لیے صرف دماغ کا نہیں، دل کا بھی دروازہ کھلا ہے، چلے آؤ۔"

میں خاموش رہا۔ اس نے کہا۔ "شاید تم مجھ پر اعتماد نہ کرو۔ مگر میں دل کی بات ضرور کہوں گی۔ تم برسوں کے انتظار کے بعد ملے ہو۔ میں نے تمہاری چاہت میں باس سے غداری کی تھی۔ آج نہیں تو کل میری سچائی تمہارے سامنے آئے گی۔ میں نے رسونتی کو باس کے چنگل سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اسے دماغی آپریشن کے لیے تھیٹر میں پہنچایا جائے۔ پلیز فرہاد! ایک بار کہہ دو، تم میرے دماغ میں ہو، پھر میں تمہیں رسونتی کے متعلق بہت کچھ بتاؤں گی۔"

ریلی کچھ یوں رسونتی کا حوالہ دے رہی تھی کہ میں اس سے بولنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے نسوانی لہجے میں کہا۔ "تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں مادام کمپیوٹر ہوں۔ پہلی بار تمہارے دماغ میں اس یقین سے بول رہی ہوں کہ فرہاد میرے لب و لہجے تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

ریلی کچھ مایوس ہو گئی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "میں کیسے یقین کروں تم مادام ہو؟ تم یہاں کیسے پہنچ گئیں؟"

"ڈاکٹر مے کاکس میرا آدمی ہے۔ میں نے اس کے ذریعے تمہارے دماغ تک رسائی حاصل کی ہے۔"

"لیکن مے کاکس سے میرا سامنا نہیں ہوا۔ اس نے میری آواز نہیں سنی پھر تم کیسے...."

میں نے بات کاٹ کر اسے یاد دلایا کہ وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے جان ڈلیوس سے باتیں کر رہی تھی۔ اس سے پہلے مادام کمپیوٹر مے کاکس کے ذریعے مانلو تک اور مانلو کے ذریعے جان ڈلیوس تک پہنچ چکی تھی۔ آخر میں ٹرانسمیٹر سے ہونے والی گفتگو نے اسے ریلی تک پہنچا دیا۔

ریلی نے کہا۔ "چلو مان لیتی ہوں مے کاکس تمہارا آدمی ہے۔ بائی دی وے، تم چاہتی کیا ہو؟"

"تمہارے پُراسرار باس تک پہنچنا چاہتی ہوں۔ میں پچھلے ایک ہفتے سے دونوں بھائی بہن ایل مانڈا اور ایل مونا کے دماغوں میں رہتی آئی ہوں۔ میں نے ہی ڈاکٹر مے کاکس کو ایل مونا کے پیچھے لگایا۔ بے چاری یہاں پہنچ کر مے کاکس کے عشق میں ماری گئی۔ بہر حال تمہارے باس تک پہنچنے کی کوشش میں یہ معلوم ہو گیا کہ تم جیسی آلہ کاروں کے ذریعے میں رسونتی تک پہنچ سکتی ہوں اور ابھی تم اقرار کر چکی ہو کہ اس کے متعلق بہت کچھ جانتی ہو۔ کیا تم میرے لیے کام کرنا پسند کرو گی؟"

"مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"مجھے ر۔نتی کے حالات تفصیل سے بتاؤ اور اس کے پاس پہنچا دو۔"

"تمہیں رسونتی سے کیا دلچسپی ہے، جب کہ اب وہ خیال خوانی کے قابل نہیں رہی۔"

"رسونتی زبردست مُہرہ ہے۔ میں اسے اپنے ہاتھ میں رکھ کر فرہاد سے دوستی کر سکتی ہوں۔"

"دوستی یا دشمنی؟"

"بائی گاڈ! دوستی، صرف دوستی۔ میں عمر کی اس منزل پر ہوں جہاں عورت اپنی جوانی کھو دیتی ہے اور بڑھاپے میں دولت سمیٹنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔"

"یعنی تم بوڑھی ہو؟"

"ہاں، یہ راز میں صرف تمہیں بتا رہی ہوں۔ اگر مجھے رسونتی کا پتا ٹھکانہ بتا دو تو میرا وعدہ ہے، فرہاد جب بھی میری گرفت میں آئے گا، میں تمہیں اس کے پاس پہنچا دوں گی۔ اس کے علاوہ تمہیں اتنی دولت دوں گی، جس کی تم توقع نہیں کر سکتیں اور سب سے اہم بات یہ کہ تمہیں تحفظ دوں گی۔ وہ پُراسرار باس کبھی تمہاری پرچھائیں تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

وہ سوچنے لگی۔ میں نے کہا۔ "تم ایک بار فرہاد کے لیے غداری کر چکی ہو۔ اب ایسی مہم پر آئی ہو جہاں سے زندہ واپس جانا محال ہے۔ اُس پُراسرار باس کو تمہاری زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم ناکام جاؤ گی تو وہ تمہیں مار ڈالے گا۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لو، تم میری پناہ میں زندہ سلامت رہ سکتی ہو۔"

"مجھے سوچنے کی مہلت دو۔ اور اب میرے دماغ سے جاؤ۔ آئندہ ہماری گفتگو ڈاکٹر مے کاکس کے ذریعے ہو گی۔"

"مے کاکس کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں بار بار دماغ میں جگہ دوں گی تو تم موقع پا کر میرے چور خیالات پڑھ لو گی۔ میرے اندر بہت سے راز چھپے ہوئے ہیں۔ میں جب تک پوری طرح تم پر اعتماد نہیں کروں گی، تب تک براہِ راست دماغ میں آنے نہیں دوں گی۔ اب جاؤ۔"

اس نے سانس روک لی۔ میری سوچ کی لہریں دماغ سے نکل آئیں۔ ادھر میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ وہ بہت چالاک تھی۔ مکار بھی ہو سکتی تھی۔ فی الحال وہ ایسے مقام پر تھی، جہاں سے اٹھنے والا ایک غلط قدم اسے موت کے منہ میں پہنچا سکتا تھا۔ وہ باس کے قید خانے سے اذیتیں برداشت کر کے آئی تھی، اسے یقین نہیں ہونا چاہیے کہ باس اس کی غداری کو معاف کر دے گا۔ ایسی صورت میں وہ پناہ حاصل کرنے میری طرف آ سکتی تھی۔

میں مانلو کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سوچ کے ذریعے کئی بار مجھے مخاطب کر چکا تھا۔ میں اس کے پاس ہوتا تو جواب دیتا۔ جان ڈلیوس ابھی تک اس کے ساتھ میری تلاش میں تھا اور کہہ رہا تھا۔ "یہ مے کاکس آدمی ہے یا آسیب؟ اس میل ڈیڑھ میل کے آئس فلوٹ پر نظر نہیں آ رہا ہے۔ کیا وہ نظر بندی کا عمل جانتا ہے؟"

جب میں مانلو کے پاس پہنچا تو وہ سوچ رہا تھا۔ "میں پندرہ منٹ سے فرہاد کو پکار رہا ہوں۔ وہ میرے دماغ میں نہیں ہے۔ یہی موقع ہے، مجھے جان ڈلیوس کو حقیقت بتا دینا چاہیے۔ اپنے آخر اپنے ہوتے ہیں، ہو سکتا ہے جان کوئی ایسی تدبیر کرے، جس سے فرہاد مٹھ کا نے لگ جائے۔ ایک بہت بڑی بلا سے نجات مل جائے گی۔"

یہ سوچ کر اس نے جان ڈلیوس کو مخاطب کیا۔ میں کبھی اسے بتانے کا موقع نہ دیتا مگر اسی لمحے اچانک فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ میں فوراً برف کی سطح پر گر پڑا۔ سطح سے کان لگا کر سننے لگا۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ آواز بالکل قریب تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا، کوئی مجھ پر آ کر گر پڑا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، دشمن ہی تھا۔ کسی دوست کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جیسے ہی وہ مجھ پر گرا، میں نے اسے ٹانگوں پر رکھ کر دوسری طرف اچھال دیا۔ پھر میں نے لیٹے ہی لیٹے پلٹ کر سر اٹھاتے ہوئے دیکھا، وہ ایک حسین بلا تھی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "کون ہو تم؟ کس نے فائر کیا ہے؟"

وہ لپک کر میرے پاس آئی اور کمبل بن گئی۔ سہمے ہوئے انداز میں بولی۔ "پتا نہیں کس نے فائر کیا ہے۔ شاید وہی مے کاکس ہو گا۔ وہ مجھے گولی...."

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ ایک دم سے الگ ہو کر مجھے

دیکھتے ہوئے بولی: "تت۔ تم کون ہو؟"

میں نے اتنی دیر میں اس کے خیالات پڑھ لیے۔ وہ زبردست اداکاری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس نے خود فائر کیا تھا اور دوڑتی ہوئی مجھ پر آگئی تھی۔ یہ تاثر دے رہی تھی کہ ایک سہمی ہوئی حسینہ میری مدد کی محتاج ہے۔ میں اس پر ہزار جان سے عاشق ہو سکتا ہوں، اس حسینہ کا نام وائنا تھا۔

میں نے کہا: "واقعی تم نے غضب کا حسن پایا ہے مگر عقل نہیں پائی۔ اول تو تمھیں اپنا پستول اپنے بلاؤز میں نہیں چھپانا چاہیے تھا اور جب چھپایا ہے تو میرے اتنے قریب نہیں آنا چاہیے تھا۔ پستول کی نال سے ایسی بو آ رہی ہے جیسے ابھی ابھی گولی چلی ہو۔"

وہ ذرا گڑبڑا گئی، پیچھے ہٹ گئی۔ بات بناتے ہوئے بولی: "وہ... وہ کسی نے مجھ پر فائر کیا تھا۔ میں نے بھی جوابی فائرنگ کی تھی۔"

"تم کتنی بھولی ہو، جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔ یہاں اب تک ایک ہی فائر ہوا ہے کوئی دوسرا جوابی فائر سنائی نہیں دیا۔ تم ڈاکٹر مے کاکس کو نادان سمجھتی ہو؟"

وہ یکبارگی لڑھکتی ہوئی مجھ سے دور گئی، پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے گریبان سے پستول نکال لیا۔ مجھے نشانے پر رکھ کر بولی: "خبردار! حرکت مت کرنا۔ بے شک میں نے ہی فائر کیا تھا اور تمھارے قریب آئی تھی تاکہ تمھارے مے کاکس ہونے کی تصدیق کروں۔ میں تمھارے دھوکے میں کسی اور کو ہلاک نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"مجھے گولی مارنے کی کیا ضرورت ہے، حسین عورت کو تو دیکھتے ہی میرا دم نکل جاتا ہے۔"

"شٹ اپ، یہ بتاؤ موت چاہیے یا زندگی۔ اگر زندگی چاہیے تو اپنی اصلیت بتا دو۔"

"میں اصلیت بتاؤں گا تو ہاتھ سے پستول چھوٹ جائے گا۔"

وہ حقارت سے بولی: "تم فرہاد نہیں ہو کہ میرے ہاتھ سے پستول چھوٹ جائے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی پستول چھوٹ کر میرے قریب آگیا مگر وہ دھیان نہ دے سکی۔ اچانک ہی ہیلی کاپٹر کے گردش کرتے ہوئے پنکھے کی آواز گونجنے لگی تھی۔ وائنا سب کچھ بھول کر آواز کی سمت دوڑنے لگی۔ وہ بہت پہلے سے یہ شبہ کر رہی تھی کہ باس غداری کی سزا دینے کے لیے ان سب کو برف کے ویران جزیرے میں چھوڑ دے گا۔ کسی ڈاکٹر مے کاکس کو ٹریپ کرنے کا محض بہانہ ہے، اب اسے یہی نظر آ رہا تھا۔ وہ ہیلی کاپٹر اسے مے کاکس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر پرواز کرنے والا تھا۔

اس سے پہلے ہی میں نے خیال خوانی کی پرواز کی، مانلو کے پاس پہنچ گیا۔ وہ طیارے میں پائلٹ سیٹ پر بیٹھا وہاں سے فرار ہونا چاہتا تھا۔ طیارے کے انجن کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسے برفانی علاقے میں سرد پڑ جانے والا انجن مشکل ہی سے جاگتا ہے۔ میں نے پوچھا: "اچھا تو تم نے جان ڈیوس کو میری اصلیت بتا دی؟"

وہ دہشت سے اچھل پڑا: "نن... نہیں... میں نے نہیں بتائی، میں نہیں جانتا یہ بات منہ سے کیسے نکل گئی۔"

"تم زندگی سے کیسے نکل گئے، یہ بھی معلوم نہ ہو سکے گا۔"

"پلیز مجھے معاف کر دو، میں قسم کھاتا ہوں، آئندہ کسی کو اصلیت نہیں بتاؤں گا۔"

"ایک شرط پر معاف کر سکتا ہوں، باہر نکلو اور جان ڈیوس کو گولی مار دو۔"

"یہ کہتے ہی میں جان ڈیوس کے پاس پہنچ گیا ——— میری حقیقت معلوم ہوتے ہی اس نے مانلو سے کہا تھا: "تم طیارہ لے کر چلو میں ہیلی کاپٹر لے کر آتا ہوں، یہ باس کے لیے اتنی اہم اطلاع ہوگی کہ وہ میری غداری کو معاف کر دے گا، پھر باس کی مرضی ہوگی کہ فرہاد کو برف کے جزیرے میں مرنے کے لیے چھوڑ دے یا یہاں سے گرفتار کر کے لے جائے۔" اس نے پورٹر اور تین عورتوں کی پروا نہیں کی اور اب ہیلی کاپٹر اڑانے لیے جا رہا تھا۔ میں نے کہا: "بیٹے! واپس آجاؤ۔"

وہ بوکھلا کر سوچنے لگا: "یہ میرے دماغ میں کیسی آواز آئی؟"

"موت کی آواز ہے۔ تم ٹیلی پیتھی سے اونچی پرواز نہیں کر سکتے۔ اگر پانچ منٹ میں نیچے نہیں آؤ گے تو یہ ہیلی کاپٹر خود نیچے آجائے گا۔"

یہ کہہ کر میں ریلی کے پاس پہنچ گیا۔ پہلے تو اس نے سانس روکی پھر مجھے دماغ میں آنے کی اجازت دے دی۔ کہنے لگی: "جان ڈیوس اپنی دانست میں چالاک بن رہا ہے۔ مگر پُراسرار باس اسے فرار ہونے کا موقع نہیں دے گا۔"

وائنا، گرلیس اور پورٹر اس کے پاس آگئے تھے سب آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اگرچہ دھند میں کچھ نظر نہیں

آ رہا تھا۔ میں نے مادام کمپیوٹر بن کر کہا: "ریلی! میں چاہوں تو تمھارا باس جان ڈیوس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ہاں اگر تم میری دوستی قبول کرو تو میں ابھی ہیلی کاپٹر واپس لے آؤں گی۔"

ریلی نے کہا: "مادام! میں تمھارے لیے کام کروں گی۔ ہیلی کاپٹر ہمیں یہاں سے جانے کے لیے چاہیے، ورنہ میں کام کے عوض صرف فرہاد کو چاہتی ہوں۔"

"تمھیں فرہاد ضرور ملے گا۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

میں نے جان ڈیوس کے پاس آکر دیکھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ میں تھوڑی دیر پہلے اس کے دماغ میں بولتا رہا ہوں۔ وہ پرواز کرتا جا رہا تھا۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اب وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ میں جو چاہتا تھا، وہ وہی کرتا جا رہا تھا۔ جب میں نے اسے آزاد کیا تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ ہیلی کاپٹر آئس فلوٹ پر پہنچ گیا تھا اور اس کا گردش کرتا ہوا پنکھا تھم گیا تھا۔

میں نے اسے باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ جیسے ہی وہ سلائیڈنگ دروازے کو ایک طرف سرکا کر باہر کی طرف جھانکنے لگا، ویسے ہی ایک فائر ہوا۔ وہ جھانکنے کے لیے جھکا تھا پھر جھکتا ہی چلا گیا۔ دروازے سے گرتا ہوا آئس فلوٹ کی سطح پر پہنچ کر اپنی آخری سانس ہار گیا۔

ریلی نے کہا: "اسے زندہ رکھنا چاہیے تھا۔ کس نے گولی چلائی ہے؟"

مانلو دھند سے نکلتا ہوا بولا: "میں نے۔"

پورٹر نے اسے نشانے پر رکھ لیا۔ میں ابھی مانلو کو زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ پورٹر کو قابو میں نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ وہ گونگا بنا ہوا تھا۔ میں نے چشم زدن میں مانلو کے ذریعے گولی چلائی۔ پورٹر چیخ مار کر اچھلا پھر برف پر گر کر تڑپنے لگا۔

میں نے گرلیس نامی تیسری عورت کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ادھر مانلو نے پورٹر کو ہلاک کیا، ادھر گرلیس نے فوراً ہی پستول نکال کر مانلو کو نشانہ بنا لیا۔ تڑتڑا دو فائر کیے، تیسرے فائر سے پہلے ہی ریلی نے اس کے ہاتھ پر ٹھوکر ماری۔ پستول چھوٹ کر دور چلا گیا۔ وہ غصے سے بولی: "گرلیس! تم نے مانلو کو کیوں مار ڈالا؟"

گرلیس نے پاؤں پٹخ کر کہا: "اس نے ہمارے ساتھی پورٹر کو کیوں مار ڈالا؟ یہ ہمارا دشمن تھا۔ میں اسے نہ مارتی تو پورٹر کے بعد یہ ہمیں بھی باری باری ہلاک کر دیتا۔"

وائنا نے پریشان ہو کر کہا: "اوہ گاڈ! جو ہم نے سوچا نہیں تھا، وہ ہو رہا ہے۔ اس برف کے تیرتے ہوئے جزیرے میں ہم تین عورتیں رہ گئی ہیں، تمام مرد مارے گئے ہیں۔"

"مجھے کیوں بھول رہی ہو؟" میں نے برف کی دھند سے نکلتے ہوئے پوچھا۔ وہ تینوں چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔ وائنا کا پستول نہیں رہا تھا۔ گرلیس کا پستول ابھی ابھی ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ ریلی کے شانے سے اسٹین گن لٹکی ہوئی تھی لیکن وہ پُرسکون تھی۔ میں نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ مے کاکس مادام کمپیوٹر کا آدمی ہے۔

وہ مجھے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھ رہی تھی۔ افسوس! میں اس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ میرے متعلق کیا رائے قائم کر رہی ہے۔ اب سے پہلے میں نے صرف وائنا کو روبرو دیکھا تھا۔ گرلیس اور ریلی کو پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ تینوں غضب کی حسینائیں تھیں۔ انھیں دیکھ کر کوئی بھی ضروری کام بھول سکتا تھا۔ میں بھی بھول گیا۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر گرلیس نے برف کی سطح سے اپنا پستول اٹھا لیا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے، ہم سب کو نشانے پر رکھتے ہوئے بولی: "خبردار! جو جہاں ہے وہیں رہے اور ریلی! تمھیں خاص طور پر کہہ رہی ہوں، اسٹین گن استعمال نہ کرنا۔ اس سے پہلے ہی تمھیں گولی مار دوں گی۔ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

ریلی نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا: "تمھارا دماغ چل گیا ہے۔ اس ویران آئس فلوٹ پر ہم سے دشمنی کر کے کہاں جاؤ گی؟"

اس نے کہا: "ہم سب پر غداری کا الزام ہے، ہم میں سے جو مے کاکس کو باس تک پہنچائے گی، وہ باس کی نظروں میں سُرخ رُو ہو گی اور میں سُرخ رو ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے معافی ملے گی اور انعامات سے نوازا جائے گا۔ وائنا! میں تمھیں حکم دیتی ہوں، تم ریلی کے پاس جاؤ اور اس سے فاصلہ رکھ کر اس کی اسٹین گن اتار لو۔ کم آن، ہری اپ ورنہ گولی چل جائے گی۔"

وائنا آہستہ آہستہ ریلی کے پاس آئی۔ ذرا فاصلہ رکھ کر اس کے شانے سے اسٹین گن کو اتارا۔ ہتھیار ہاتھ میں آتے ہی وہ اچانک برف کی سطح پر گر گئی۔ گرلیس نے گولی چلا دی، نشانہ خطا ہو گیا۔ دوسرے فائر پر وائنا لڑھکتی جا رہی تھی، تیسرا فائر بھی خالی گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اسٹین گن کا ایک برسٹ مارا۔ گرلیس کی چیخ کے ساتھ فائرنگ کی آواز دیر تک اور دور تک گونجتی گئی، پھر سناٹا چھا گیا۔

میں خاموش تماشائی تھا، حالاں کہ انھیں ایسے تماشوں سے باز رکھ سکتا تھا مگر ضرورت ہی کیا تھی، جو میں چاہتا تھا

وہی ہوتا جارہا تھا۔ گریس کی ہلاکت کے بعد پھر ایک نیا تماشا دیکھنے میں آیا۔ وائنا نے برف کی سطح سے اٹھ کر مجھے اور ریلی کو للکارتے ہوئے کہا: "اپنی جگہ خاموش کھڑے رہو ورنہ پھر گولیاں چلیں گی۔"

میں نے پوچھا: "کیا اب تمھاری کھوپڑی گھوم گئی ہے؟"

"یو شٹ اپ۔ ریلی! میں تمھیں حکم دیتی ہوں، تمھارے ٹول کٹ میں جو ہتھکڑی ہے، اسے مے کاکس کو پہنا دو۔ اسے باس تک پہنچانے کا سہرا میرے سر ہوگا۔ تم میرے حکم کی تعمیل کرو گی تو زندہ رہو گی۔ اتنی بڑی کامیابی میں تمھارا بھی حصّہ ہوگا۔ مگر کمانڈ میں کروں گی۔"

میں نے کہا: "میرے حساب سے اس ہیلی کاپٹر میں صرف ایک مسافر اور ایک پائلٹ جائے گا۔ لہٰذا پرواز سے پہلے یہاں کسی ایک کو ختم ہونا ہے اور کس کا خاتمہ ہونا چاہیے اس کا فیصلہ میں کروں گا۔"

وائنا نے کہا: "فیصلہ انسان کی زبان نہیں بندوق کی گولی کرتی ہے اور یہ ہتھیار میرے ہاتھ میں ہے۔"

میں نے آگے بڑھ کر ریلی کا بازو تھام لیا پھر کہا۔ "خودکار ہتھیار بعض اوقات نہ خود چلتے ہیں نہ کسی سے چلائے جانے کے قابل رہتے ہیں۔ آؤ ریلی!"

ریلی نے گھبرا کر کہا: "وہ گولی چلائے گی!"

میں نے جھک کر سرگوشی میں کہا: "مادام کمپیوٹر نے کہا ہے کہ وہ تم پر گولی نہیں چلا سکے گی۔ چلو!"

میں اسے لیتا ہوا ہیلی کاپٹر کی طرف جانے لگا۔ مگر میں دماغی طور پر وائنا کے پاس تھا۔ وہ اسٹین گن سیدھی کرکے ہم پر فائر کرنا چاہتی تھی، اس کی بلا سے کوئی بھی مرے، اسے تو اب واپسی کے لیے ہیلی کاپٹر چاہیے تھا۔

اس کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ مگر وہ دبا نہیں پا رہی تھی۔ میں نے اس کی کھوپڑی میں کہا: "خودکار ہتھیار بعض اوقات نہ خود چلتے ہیں اور نہ کسی سے چلائے جانے کے قابل رہتے ہیں۔"

میں ریلی کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں آ گیا۔ اس پُراسرار شخص نے اپنی ماتحت عورتوں کو بھی ہر طرح کی ٹریننگ دے رکھی تھی۔ ریلی نے پائلٹ سیٹ سنبھال لی۔ میں اس کے برابر بیٹھ گیا۔ پھر چند منٹوں کے بعد ہی ہیلی کاپٹر اس آئس فلوٹ کو چھوڑنے لگا۔ وائنا غصّے میں چیخ رہی تھی۔ بار بار ہماری طرف اسٹین گن اٹھا رہی تھی۔ مگر خود کو اسے استعمال کرنے کے قابل نہیں پا رہی تھی۔ جب وہ کئی بار کوششیں کرنے کے باوجود ناکام ہوگئی تو اس نے جھنجھلا کر اسٹین گن پھینک دی۔ ہم فضا میں بلند ہو رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھائے چیخ رہی تھی: "میں اس ویرانے میں تنہا نہیں رہوں گی۔ مجھے بھی لے چلو۔ یہاں لاشیں ہی لاشیں ہیں۔ میں اکیلی مر جاؤں گی۔"

ہمیں مارنے والی کو اپنی موت نظر آ گئی تھی۔ وہاں انسان نہیں تھے۔ جو تھے، وہ مُردہ تھے۔ اس اکیلی کے پاؤں تلے زمین نہیں تھی، برف کا جزیرہ تھا جو کشتی کی طرح سمندر میں بہتا جا رہا تھا اور آگے جا کر جنوب کی گرم ہواؤں میں پگھلنے اور ٹوٹنے والا تھا۔

اس نے جنونی انداز میں پھر اسٹین گن اٹھالی۔ غصّے سے گالیاں دیتے ہوئے آسمان کی طرف فائر کرنے لگی۔ ہیلی کاپٹر کافی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ گولیوں کی زد سے بہت دور تھا۔ مگر وہ فائر کرتی جا رہی تھی۔ ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ صرف ٹیلی پیتھی کی آنکھ دیکھتی جا رہی تھی۔

ریلی کی آواز نے چونکا دیا۔ وہ پوچھ رہی تھی: "کیا خیال خوانی کر رہے ہو؟"

وہ بڑی چالاک تھی۔ اچانک ایسا سوال کر رہی تھی جس کے جواب میں بے اختیار 'ہاں' کہہ سکتا تھا مگر میں نے سنبھل کر کہا: "میں اور خیال خوانی؟"

"سوری۔ دراصل میں پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا مادام خیال خوانی کر رہی ہیں؟"

"ہاں ابھی میرے دماغ میں ہیں۔ یہ رسونتی کے متعلق تفصیلی معلومات چاہتی ہیں۔"

"کیا مادام یہ نہیں جاننا چاہتیں کہ میں تمھیں کہاں لے جا رہی ہوں؟"

"میں ایک مہرہ ہوں۔ تمھارے ساتھ کہیں جا کر پٹ جاؤں گا تو مادام کے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ان کی دلچسپی مجھ سے نہیں رسونتی سے ہے۔"

ریلی ذرا چپ رہی پھر بولی: "میں مادام کمپیوٹر پر بھروسا کرکے پھر ایک بار اپنے باس سے غداری کر رہی ہوں۔ وہ اگرچہ پُراسرار ہے، اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا تاہم میں نے دیکھا ہے، دشمن کتنے ہی پُراسرار ہوں ٹیلی پیتھی جاننے والا فرہاد انھیں بے نقاب کر دیتا ہے۔ میں برسوں سے فرہاد کی منتظر ہوں۔ وہ نہیں ملا مگر آج مادام کمپیوٹر تمھارے ذریعے مل گئیں۔ مجھے یقین ہے، مادام ٹیلی پیتھی کے ذریعے میری حفاظت کریں گی اور اس پُراسرار شخص کو بے نقاب کریں گی۔"

میں نے کہا: "تم دیکھ چکی ہو، آئس فلوٹ پر میں تنہا تھا اور کئی دشمن تھے۔ جہاز اور ہیلی کاپٹر بھی اُن کے تھے مگر مادام نے مجھے مکھن کے بال کی طرح وہاں سے نکال لیا۔ وہ تمھاری حفاظت کرنے کا وعدہ کر چکی ہیں، تم اطمینان سے رسونتی کے متعلق بتاؤ۔"

"رسونتی اس وقت ہاررہے میں ہے اور ہم وہیں جا رہے ہیں۔"

میں نے کہا: "ہاررہے کا مطلب ہوا، ایسی خلیج جہاں دہشت طاری ہوتی ہے؟"

"ہاں نام سے کچھ ایسا ہی لگتا ہے مگر وہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"رسونتی کو یقیناً سخت نگرانی میں رکھا گیا ہوگا؟"

"شاید تم یقین نہ کرو اور شاید مادام کو بھی یقین نہ آئے، رسونتی آزاد ہے، دشمنوں کا پہرہ نہیں ہے اور بھلا کیوں ہوگا، اس کے بچکانہ دماغ سے ٹیلی پیتھی کی کبھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ دوستوں کے لیے بے کار اور دشمنوں کے لیے بے ضرر ہے۔ جب اس کی طرف سے خیال خوانی کا خطرہ ہی نہیں ہے تو وہ پُراسرار شخص اسے اپنے پاس رکھ کر کیا کرے گا؟"

"اُسے چارہ بنا کر فرہاد کو پھانس سکتا ہے جیسا کہ ہماری مادام کمپیوٹر فرہاد کو پھانسنا چاہتی ہیں۔"

ریلی نے کہا: "ایسا کرنے کے لیے رسونتی کو ایک جگہ قید کرنا یا اس پر پہرے بٹھا دینا ضروری نہیں ہے۔ اس پُراسرار شخص نے رسونتی کو روماننک بے بی کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ بچوں کے ایک نفسیاتی ادارے میں ہے۔ میں تمھارے ساتھ ہاررہے کے چھوٹے سے ٹاؤن میں رہوں گی۔ جب تم دیکھو کہ کوئی خطرہ نہیں ہے اور جب تمھیں اطمینان ہو جائے تو رسونتی کو اس ادارے سے نکال کر لے جانا۔"

"کیا روماننک بے بی اس پُراسرار شخص کی آلۂ کار تو نہیں ہے؟"

"بے شک ہے۔ ضرورت کے وقت اس کے کام آتی ہے۔ ورنہ ہاررہے میں بچوں کے نفسیاتی ادارے کی انچارج ہے۔ وہ سرکاری ادارہ ہے۔ پُراسرار شخص کا اس ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیا تمھارا ذہن تسلیم کرتا ہے کہ اس پُراسرار شخص نے رسونتی کو چھوٹ دے دی ہوگی؟"

"ہاں۔ وہ شخص چاہتا ہوگا کہ رسونتی اس ادارے میں رہے یا وہاں سے بھاگ جائے یا پھر کوئی بھگا کر لے جائے۔ اس طرح فرہاد تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

"آخر رسونتی کا دماغ بچکانہ کیسے ہو گیا؟"

"یہ ایک جاپانی ڈاکٹر واکی ٹو کا کمال ہے۔"

"مادام کمپیوٹر نے روماننک بے بی کے دماغ سے واکی ٹو کے متعلق اس حد تک معلومات حاصل کی ہیں کہ اس نے دی کلر نامی شخص کا حیرت انگیز آپریشن کیا تھا۔ آپریشن پُراسرار طریقے سے ہوا تھا۔ جو لوگ اس آپریشن میں شریک ہوئے تھے، وہ ایک ایک کرکے مارے جا چکے ہیں اور وہ دی کلر ایک غیر معمولی اور خطرناک حیثیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔"

"تمھاری مادام نے کافی معلومات حاصل کر لی ہیں۔"

"یہ دی کلر کے متعلق اور بہت کچھ معلوم کرنا چاہتی ہیں، فی الحال رسونتی کی اہمیت ہے۔ کیا رسونتی کا دماغی آپریشن ہوا تھا؟"

"ہاں، یہ آپریشن بھی ڈاکٹر واکی ٹو نے کیا تھا۔ اس بار وہ جاپان سے الاسکا آیا تھا۔ حالاں کہ وہ بہت مصروف اور مغرور ڈاکٹر ہے۔ شاید وہ پُراسرار شخص سے کسی کمزوری کی بنا پر دبتا ہے۔ اسی لیے ایسے اہم آپریشن کے لیے راضی ہو جاتا ہے۔"

"لیکن دونوں آپریشن مختلف ہیں۔ دی کلر آپریشن کے بعد خطرناک بنتا جا رہا ہے جب کہ رسونتی بچّی بن گئی ہے۔"

ریلی نے کہا: "دی کلر بھی بچپن بن جاتا۔ کیوں کہ اُس کا دماغ پیدائش کے وقت سے تیس برس تک ایک جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس دماغ میں بچکانہ پن ہونا چاہیے تھا۔ مگر وہ منفی انداز میں بالغ اور فعال کیسے ہو گیا، یہ ایک راز ہے جسے واکی ٹو اور پُراسرار شخص کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

"اس میں جاننے کی بات کیا رہ جاتی ہے، صاف ظاہر ہے۔ آپریشن کے دوران دی کلر کے دماغ میں کوئی ایسا غیر معمولی تجربہ کیا گیا ہے، جس کے متعلق ہم سوچ بھی نہیں سکتے اور ڈاکٹر اور سائنس داں کر گزرتے ہیں۔"

"سمجھ میں نہیں آتا، کیا دماغ کی ایسی کوئی رگ ہوتی ہے جسے الگ کر دیا جائے تو جوان رسونتی بچّی بن جاتی ہے اور اس رگ کو جوڑ دیا جائے تو تیس برس کا بچّہ دی کلر جوان بن جاتا ہے۔ میں نے دی کلر کو اپنی آنکھوں سے چلتے پھرتے اور کتوں کی طرح بھونکتے پھر انسانوں کی طرح بولتے دیکھا اور سنا ہے۔ یقیناً وہ کسی غیر معمولی تجربے کا نتیجہ ہے۔"

"کیا تم نے رسونتی سے ملاقات کی ہے؟"

وہ ہنسنے لگی۔ پھر بولی: "ملاقات؟ وہ ہوشمند دل کے

ملنے کو کہتے ہیں۔ آپریشن سے پہلے جب میں اس سے ملی تو وہ ہوش میں نہیں تھی۔ آپریشن کے بعد بچی بن گئی تھی۔ میری اس سے جو ملاقاتیں ہوئیں، وہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔"

ریلی کی باتیں سُن کر میرے اندر سے ایک سرد آہ نکلی۔ میں بھی رسونتی سے ملنے جا رہا تھا۔ مگر یہ ملاقات یکطرفہ ہوگی وہ مجھے نہیں پہچانے گی۔ وہ بچی ہوگی اور میں اس بچی کا شوہر، جسے وہ قبول نہیں کرے گی۔"

ہم ہار رہے پہنچ گئے۔ فلائنگ کلب سے ایک ٹیکسی میں شہر کی طرف جاتے ہوئے میں نے پوچھا "کیا اُس پُراسرار شخص کی نظریں ہم پر نہیں ہوں گی؟"

ریلی نے کہا "ضرور ہوں گی۔ ہم اسی کے ہیلی کاپٹر میں یہاں تک آئے ہیں، ہم دونوں اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ رسونتی کو چارہ بنائے ہوئے ہے۔ تمھارے متعلق رائے قائم کی گئی ہے کہ تم ماسٹر کی کے آدمی ہو یا بابا فرید واسطی کے ادارے سے تمھارا تعلق ہے۔ اگر اس ادارے سے ہے تو تم فرہاد بھی ہو سکتے ہو۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں، یہاں تم رسونتی کو حاصل کرنا چاہو گے تو کوئی رکاوٹ نہیں بنے گا۔ وہ پُراسرار شخص تمھاری اصلیت معلوم کرنے کے لیے تمھیں ڈھیل دیتا رہے گا۔"

حالات ایسے ہی تھے۔ اُدھر وہ چالاکی دکھا رہا تھا، اِدھر میں رسونتی کو نکال لے جانا چاہتا تھا۔ اس بازی میں جو ذرا بھی چُوک جاتا، اس کو مات ہو جاتی۔

ہم امریکا کے جنوب مغربی ساحلی علاقے میں تھے اگرچہ یہ علاقہ بھی سرد تھا۔ تاہم جس سرد جہنم سے نکل کر ہم آئے تھے، اس کے مقابلے میں یہاں کی سردی گلابی جاڑے کی طرح لگ رہی تھی۔ بڑا اچھا موسم تھا۔ رات ہو چکی تھی، ہم نے ایک مہنگے ہوٹل میں قیام کیا۔ میرا دل رسونتی کی طرف کھنچا جا رہا تھا اور ریلی میری طرف کھنچی آ رہی تھی۔ اُس نے کہا "مکمل منصوبہ بنائے بغیر رسونتی کے پاس جانا اور اسے وہاں سے نکال لانا دانشمندی نہ ہوگی۔ پہلے دن کی روشنی میں اس شہر کو اچھی طرح دیکھنا ہوگا۔ یہاں سے فرار ہونے کے لیے ٹھوس ذرائع اختیار کرنے ہوں گے۔"

وہ میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کے لیے ایسا کہہ رہی تھی، ویسے معقول بات کہہ رہی تھی۔ وہاں سے نکلنے کے لیے فضائی، بحری اور خشکی کے راستوں اور ذرائع آمد و رفت کو سمجھنا بہت ضروری تھا۔ وہ اجنبی شہر تھا۔ ریلی گائیڈ بن گئی تھی۔ وہ رات کے کھانے کے لیے مجھے ایسے ہوٹل میں لے گئی جہاں...... بال روم ڈانس سے لے کر کیبرے تک کے انتظامات تھے شراب پانی کی طرح بہتی تھی۔

ریلی نے بار میں پہنچ کر وھسکی کا آرڈر دینا چاہا میں نے کہا "میں نہیں پیوں گا۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا "فرہاد بھی نہیں پیتا ہے۔"

"صرف فرہاد نہیں، دنیا کے کروڑوں لوگ نہیں پیتے ہیں۔"

"میں دنیا کی نہیں، تمھاری بات کر رہی ہوں۔ میرا دل کہتا ہے تم فرہاد ہو۔"

"جب میں پیوں گا تو تمھاری رائے غلط ہو جائے گی۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ نہیں پیتے۔"

"میں نے کہا تھا نہیں پیوں گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں نہیں پیتا۔ ابھی مادام کمپیوٹر نے پابندی عائد کر دی ہے، میری عادت ہے میں پی کر بہکنے لگتا ہوں۔ جب تک رسونتی کو مادام تک نہیں پہنچاؤں گا، مجھے پینے کی اجازت نہیں ملے گی۔"

"میں دیکھوں گی تم کہاں تک مجھ سے چھپتے ہو۔" وہ ایک اندازِ دلربائی سے مسکرانے لگی۔ اس نے کہا "مسٹر مے کاکس! ہم عیسائی ہیں۔"

"ہاں ہیں۔"

"پھر تو تم میرے ساتھ خنزیر کا گوشت کھاؤ گے۔"

بے اختیار میرے منہ سے نکلا "لاحول ولاقوۃ..."

"کیا تم عربی بول رہے ہو؟"

"میں نہیں، مادام کمپیوٹر بول رہی ہیں۔ وہ مسلمان ہیں۔ میں حرام گوشت کو ہاتھ بھی لگاؤں گا تو وہ میری کھوپڑی میں زلزلے پیدا کر دیں گی۔"

"کوئی شوہر بیوی سے اتنا نہیں ڈرتا ہوگا، جتنا تم مادام سے ڈرتے ہو۔"

"خدا کا شکر ہے بیویاں دماغ کے بھید نہیں جانتیں اور شوہروں کا بھلا ہوتا ہے۔"

"تم بڑی صفائی سے باتیں بنا کر نکل جاتے ہو، میں دیکھوں گی تم کہاں تک بچتے ہو؟"

اس نے کھانے کا آرڈر دیا۔ اور وھسکی کا ایک پیگ حلق سے اتارنے لگی۔ میں شراب کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا "تم پی رہی ہو اور میری پیاس بڑھتی جا رہی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں تمھارے ذریعے مادام کمپیوٹر سے مخاطب ہوں اور سفارش کرتی ہوں کہ مے کاکس کو ایک آدھ پیگ پینے کی اجازت دی جائے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک بڑا سا پیگ بنا کر مجھے پیش کیا میں نے کہا "مادام نے تمھاری سفارش کا جواب نہیں دیا ہے۔ شاید وہ دماغ میں نہیں ہیں۔"

"تو پھر پی جاؤ۔"

"وہ کسی بھی لمحے آسکتی ہیں، پھر میری شامت آجائے گی۔ تم یہ پیگ اپنے لیے رکھو۔"

"میں زیادہ نہیں پیوں گی۔"

"اگر مادام نے مجھے اجازت دے دی تو میرا ساتھ کیسے دو گی؟"

"پھر ضرور پیوں گی۔"

"تو پیو۔ وہ آتی ہی ہوں گی۔"

وہ پینے لگی۔ جب دوسرا پیگ ختم ہو گیا تو میں نے کہا۔ "مادام آگئی ہیں، یہ اجازت دے رہی ہیں مگر کہتی ہیں شراب میں ایسی ملاوٹ ہو سکتی ہے، جس سے مجھے نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔ میں نے ابھی تمھارے سامنے پی ہے۔"

"مگر مادام کی موجودگی میں نہیں پی۔ تم ان کی تسلی کے لیے ایک بڑا سا پیگ پی کر دکھا دو۔"

اُس نے تیسرا بڑا سا پیگ حلق سے اتار لیا۔ شرابی مرد ہو یا عورت، اُسے ذرا سی ترغیب دی جائے تو وہ چیلنج سمجھ کر پیتا چلا جاتا ہے۔ میں یہی چاہتا تھا کہ وہ نشے کی زیادتی کے باعث سانس روکنے کے قابل نہ رہے۔

میں نے سوچ کی لہروں کو اس کی طرف منتقل کیا۔ اس کے دماغ میں آسانی سے جگہ مل گئی۔ اس نے سوچ کی لہروں کو محسوس کیا مگر نشہ غالب تھا۔ پھر میں نے دھیان ہٹا دیا۔ کھانا آگیا تھا۔ اس نے کہا "تم بڑے وہ ہو۔ میں نہیں کھاؤں گی۔"

"تم بھی بڑی وہ ہو۔ کھانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پیتی رہو۔"

میں نے ایک اور پیگ بنا کر اس کے آگے رکھ دیا۔ پھر اس کی سوچ میں کہا "کیا میں مے کاکس کو یہاں لا کر پھانس رہی ہوں؟"

اس نے ایک گھونٹ پیا۔ پھر سوچنے لگی "پورے ہار رہے میں پُراسرار باس کی اَن دیکھی حکومت ہے۔ یہاں کے سرمایہ دار، غنڈے، بدمعاش اور پولیس والے سب ہمارے باس کے فرماں بردار ہیں۔ یہاں ریلوے میں، بندرگاہ میں اور ائیرپورٹ پر کام کرنے والے مزدوروں سے لے کر افسران تک، باس کے زرخرید ہیں۔ یہاں کوئی بھی اجنبی اپنی مرضی سے آسکتا ہے مگر اپنی مرضی سے جا نہیں سکتا۔"

میں نے سوچ کے ذریعے پوچھا "کیا مے کاکس بھی نہیں جا سکتا؟"

"ضرور جائے گا۔ یہ تو ہماری پلاننگ ہے، کوئی بھی آئے اور رسونتی کو لے جائے۔ وہ جہاں بھی رہے گی، باس کی نظروں میں رہے گی۔ اور باس کی نظر میں اس وقت تک رہے گی، جب تک فرہاد نظر نہ آجائے۔"

وہ پی رہی تھی اور روانی میں سوچتی جا رہی تھی بلکہ مدہوشی میں وہی باتیں بڑبڑانے کے انداز میں بول رہی تھی "اے مسٹر مے کاکس! تم اُلّو ہو۔ تمھاری مادام میری مرضی کے بغیر دماغ میں نہیں آسکتی۔ تم دونوں کو کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ میں باس کی غدار نہیں ہوں۔ جو غدار ہیلی کاپٹر میں آئے تھے، میں ان کی نگراں تھی۔ میرے گریبان میں ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر چھپا ہوا ہے، جب سے تم میرے ساتھ ہو، تب سے تمھاری ایک ایک بات میرے باس تک پہنچ رہی ہے۔"

میں کھا رہا تھا اور سُن رہا تھا لیکن اب لقمہ حلق میں پھنس رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پُراسرار شخص تک میری ایک ایک بات پہنچ رہی ہے۔ میں نے پانی کا گھونٹ لے کر لقمے کو حلق سے اتارا پھر ریلی کی طرف جھک

کر کہا: "اگر وہ پُراسرار شخص سن رہا ہے تو میں ریلی کے خفیہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے مادام کمپیوٹر کا ایک پیغام پہنچا رہا ہوں۔"

میں نے ریلی کے ذرا اور قریب ہو کر کہا: "مادام براہِ راست اپنی آواز اور لہجہ اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے نشر نہیں کریں گی۔ ہو سکتا ہے دوسری طرف آواز ریکارڈ ہو رہی ہو اور یہ آواز بعد میں کسی طرح فرہاد تک پہنچ جائے۔ سچ پوچھو تو میں فرہاد سے خائف ہوں، جب تک رسونتی کی طرح وہ بھی ٹیلی پیتھی سے محروم نہیں ہوگا، میں اپنی آواز کسی کو نہیں سناؤں گی۔ فی الحال مے کاکس میری باتیں اپنی زبان سے کہہ رہا ہے۔"

ریلی نے مدہوشی میں پوچھا: "اے! تم کیا کہہ رہے ہو؟"

ہم ایک کیبن میں بیٹھے ہوئے تھے، کوئی ہمیں دیکھنے والا نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ٹرانسمیٹر نکال لیا، پھر کہا: "مادام اب تک کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کے ذریعے مطلوبہ افراد سے رابطہ قائم کرتی رہیں، مگر سونیا نے کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کو ناقابلِ استعمال بنا دیا۔ اب مادام نے مجھے گفتگو کا ذریعہ بنایا ہے۔ بہرحال ہم پُراسرار شخص سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر دوستی مناسب نہ ہو تو ایک سودا کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا: "دراصل پچھلے دنوں ہماری مادام اور سونیا کے درمیان ٹھن گئی تھی۔ سونیا نے انھیں بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ ایک تو کمپیوٹر کم ٹرانسمیٹر کو بے کار کر دیا۔ دوسرے گوڑی سماتا کے مجسمے پر ہاتھ صاف کر دیا تھا۔ ہماری مادام اُسے سزا دینا چاہتی ہیں۔ بے شک اُسے کہیں کوما میں رکھا گیا ہے، مگر مادام کی تسلی تب ہوگی، جب وہ خود اپنے ہاتھوں سے سزا دیں گی۔ اس کے لیے مادام وعدہ کرتی ہیں کہ وہ فرہاد کو پُراسرار شخص کے حوالے کر دیں گی۔"

میں نے پانی کے دو چار گھونٹ حلق سے اتارے پھر کہا: "فرہاد کو ٹریپ کرنے کا موقع آگیا ہے۔ رسونتی جب بھی اس کی نظروں میں آئے گی، وہ اس کے دماغ میں بولے گا۔ مادام رسونتی کے دماغ میں چھپ کر باتیں سنتی رہیں گی اور اس کے منصوبوں کو سمجھتی رہیں گی۔ پھر پُراسرار شخص کو سمجھاتی رہیں گی۔ یعنی مادام کے پاس ٹیلی پیتھی کا علم ہے اور پُراسرار شخص کے ذرائع بے حد و حساب ہیں۔ اس بار فرہاد بچ کر نہیں جائے گا۔ اگر یہ پلاننگ پسند آئے تو اس شرط پر سودا ہو سکتا ہے کہ فرہاد تمھارا، سونیا ہماری۔ سودا منظور ہو گا تو ہماری بات آگے بڑھے گی۔ دیٹس آل۔"

میں نے ٹرانسمیٹر کو آف کر کے ریلی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ پھر ویٹر کو بلایا۔ وہ ایک ٹرے میں مشروب لے کر آیا پھر اُسے ریلی کے سامنے رکھتے ہوئے بولا: "میڈم اتنی مدہوش ہیں کہ اپنے پیروں پر چل کر ہوٹل سے نہیں جا سکیں گی۔ یہ لائم جوس ہے۔ اسے پینے کے بعد نشہ کچھ اُتر جائے گا۔"

وہ برتن سمیٹنے لگا۔ میں نے لائم جوس کا گلاس ریلی کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ پینے کے لیے اس کی مدد کی۔ ویٹر چلا گیا تھا۔ وہ گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔ مگر چند گھونٹ کے بعد ہی وہ نڈھال ہو کر میز پر جھک گئی۔ اس نے ضرورت سے زیادہ پی لی تھی۔ اب لائم جوس کا ایک گلاس پینے کے قابل نہیں رہی تھی۔

ویٹر دستک دے کر پھر آیا۔ اور ایک تہہ کیا ہوا کاغذ تھما کر چلا گیا۔ اس نے کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ جو کچھ پوچھنا چاہتا تھا شاید اس کا جواب تہہ کیے ہوئے کاغذ میں تھا۔ میں نے اسے کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

"مسٹر مے کاکس! اب ریلی کبھی نہیں بولے گی۔ اس شہر میں تم ہمارے مہمان ہو۔ تمھاری حفاظت ہمارا فرض ہے۔ ہم نہیں چاہتے تم پر قتل کا الزام آئے یا تم قانونی چکر میں پڑو۔ فوراً یہ کیبن چھوڑ دو۔ ہم ریلی کی لاش کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ فقط تمھارا میزبان۔"

میں نے کاغذ کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ ریلی کو دیکھا، وہ میز پر اوندھے منہ ساکت پڑی تھی۔ اس لائم جوس نے اس کی زندگی کو چوس لیا تھا۔ میں فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ریلی پر آخری نظر ڈالی پھر کیبن سے نکل کر کاؤنٹر پر آیا۔ بل ادا کرنے کے لیے کچھ ڈالر نکالے۔ کاؤنٹر گرل نے مسکرا کر کہا: "مسٹر مے کاکس! مہمان کھانے کا بل ادا نہیں کرتے۔ ہم میزبانوں کو شرمندہ نہ کرو۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا: "کیا تم نے ہی میزبان بن کر وہ خط لکھا تھا؟"

"میں نہیں جانتی، کس خط کا ذکر کر رہے ہو۔ بائی دی وے اس شہر کا ہر شخص تمھارا میزبان ہے۔ پلیز یہاں سے فوراً جاؤ، پولیس آنے والی ہے۔"

عجیب سچویشن تھی۔ میں مجرم نہیں تھا۔ مگر مجرم کی طرح وہاں سے جانا پڑا۔ وہ بلاشبہ دشمنوں کا شہر تھا اور دشمن اسے میزبانوں کا شہر ثابت کر رہے تھے۔ میں ہوٹل سے باہر آیا۔ ایک کار تیزی سے آ کر میرے سامنے رُک گئی۔ ڈرائیور نے باہر آ کر بڑے ادب سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ میں نے اسے تعجب سے دیکھا۔ اس نے کہا: "مسٹر مے کاکس! یہ گاڑی آپ کے لیے ہے۔"

میں نے ایک گہری سانس لی اور پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس پُراسرار شخص نے مجھے حیرت میں ڈالنے کے لیے قدم قدم پر ڈراما شروع کر دیا تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی، رات کے گیارہ بجے تھے۔ خیال آیا، جب دشمن میزبان بن رہے ہیں تو اسی طرح خوش دلی سے رسونتی تک پہنچا سکتے ہیں۔ میں نے کہا: "ڈرائیور! میں گورنمنٹ چلڈرن ہاسٹل جانا چاہتا ہوں۔"

ڈرائیور نے کہا: "آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ مگر بچوں کا ہاسٹل شام کو سات بجے لاک کر دیا جاتا ہے۔ رات کے نو بجے تک بچوں کو سُلا دیا جاتا ہے۔ وہاں کی لیڈی انچارج بھی اس وقت ملاقات نہیں کرے گی۔ کل صبح جانا مناسب ہوگا۔"

بات معقول تھی۔ میں نے کہا: "تم بڑے اچھے انداز میں گفتگو کرتے ہو۔ کیا نام ہے تمھارا؟"

"میزبان۔"

میں نے پھر ایک گہری سانس لی۔ اور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں ہوٹل ہنی مون میں تھا۔ یہاں ریلی نے ڈبل بیڈ روم مخصوص کرایا تھا مگر ہنی مون کا ماحول اس کے نصیب میں نہیں تھا۔ میں نے کاؤنٹر سے کمرے کی چابی طلب کی۔ جواب ملا: "کمرا مقفل نہیں ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ میری عدم موجودگی میں کمرا مقفل رہنا چاہیے۔"

"مسٹر مے کاکس! یہ ہوٹل ہنی مون ہے، یہاں جوڑے آ کر رہتے ہیں۔ آپ تنہا نہیں رہ سکتے۔ ہم مہمان کو خوش رکھنا جانتے ہیں۔ اس لیے کمرا کھول کر آپ کے لیے ایک مسز والا پہنچا دی ہے۔"

میں تیزی سے پلٹ کر لفٹ کی طرف گیا۔ وہاں سے چوتھی منزل پر پہنچا۔ پتا نہیں کم بختوں نے کسے میرے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی مہمان نوازی پر اُتر آئے تھے۔ میرے کمرے میں جسے پہنچایا گیا تھا..... اس سے مجھے نقصان پہنچ سکتا تھا یا اُس کے ذریعے کوئی چال چلی جا رہی تھی۔ میں نے سوچ لیا کہ دروازہ کھولتے ہی میں اُسے کمرے سے نکال دوں گا، خواہ وہ حسینۂ عالم ہی کیوں نہ ہو۔

میں اپنے کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے اس کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا، کان لگا کر سُنا، لیکن اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ شاید وہ تنہا تھی۔ میں نے پہلے دستک دی۔ انتظار کیا پر جواب نہیں ملا۔ آخر میں ہینڈل پر دباؤ ڈال کر دروازے کو آہستہ آہستہ کھولنے لگا۔ پھر میں نے جو کچھ دیکھا، وہ میری توقع کے خلاف تھا۔ میں حیرت سے اچھل کر اندر چلا گیا۔

سامنے بستر پر رسونتی بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی سہم کر کھڑی ہو گئی۔ ذرا پیچھے ہٹ کر بولی: "اے کون ہو

تم ؟ جاؤ میرے کمرے سے۔ نہیں تو ماروں گی ہاں !"

میں اسے حیرت سے اور مسرت سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے اچانک پا لینے کی مسرتوں کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس عرصے میں وہ بھرپور صحت مند ہو گئی تھی۔ اس میں عجیب تضاد تھا۔ رنگ رنگ میں جوانی بھری ہوئی تھی۔ مگر ذہن بچوں جیسا تھا۔ وہ ایک معصوم بچی کی طرح کہہ رہی تھی "تم نہیں جاؤ گے تو آنٹی آئیں گی۔ پھر تمھاری پٹائی کریں گی !"

میں نے پوچھا "تمھاری آنٹی کون ہے ؟ کہاں ہے ؟"

"وہ ہماری بے بی آنٹی ہیں — ہم سب بچوں کی بے بی آنٹی ہیں — وہ بہت اچھی ہیں — آج انھوں نے گڈے گڑیا کی طرح میری بھی شادی کرائی ہے۔ یہ میرے میاں کا کمرا ہے۔ وہ میرے میاں کو لینے گئی ہیں !"

میں دشمنوں کی چال کو کسی حد تک سمجھ رہا تھا۔ دروازے سے آواز آئی "بے بی رسونتی ! یہی تمھارے شوہر ہیں !"

میں نے پلٹ کر دیکھا، ایک صحت مند ادھیڑ عمر کی عورت دروازے سے گزر کر کمرے میں آ گئی تھی۔ اس کی آواز اور لب و لہجے سے معلوم ہو گیا، وہ روما نشک بے بی تھی۔ میں نے کہا "ایک ہستی میرے دماغ میں بولتی ہے، ابھی بول رہی ہے کہ تم روما نشک بے بی ہو۔ وہ بدنصیب عورت ہو جس کو آج تک ایک شوہر نہیں ملا۔ مگر تم ہم جیسوں کو دوسری عورتوں کا شوہر بناتی پھرتی ہو۔ آخر یہ کیا حرکت ہے ؟"

وہ مجھے سر سے پاؤں تک ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر بولی "جو تمھارے دماغ میں ہے وہ یقیناً میرے دماغ میں بھی آئے گی، یا آ چکی ہو گی مگر میں ٹیلی پیتھی سے خوف نہیں کھا سکتی۔ سیدھی سی بات ہے، تم رسونتی کو اغوا کرنے آئے تھے، ہم خود ہی اسے تمھارے حوالے کر رہے ہیں۔ مگر تم اسے جہاں بھی لے جاؤ گے، سفر کے دوران اس کے ساتھ وقت گزارو گے اور کہیں کہیں قیام بھی کرتے جاؤ گے مگر کس رشتے سے ؟ یہ حسین ہے، جوان ہے، تنہائی میں بے ایمان کر دے گی یا دیانتدار رہنا دے گی۔ بے ایمانی سے بہتر ہے اسے بیوی بنا لو۔ یا دیانتداری کا تقاضہ ہے بہن بنا کر لے جاؤ۔ بولو کون سا رشتہ منظور ہے ؟"

وہ پُراسرار شخص میری اصلیت معلوم کرنے کے لیے خوب چالیں چل رہا تھا۔ اس کی سوچ کے مطابق اگر میں فرہاد ہوں تو اس سے میاں بیوی کے سوا کوئی اور رشتہ قائم نہیں کر سکتا، اگر فرہاد نہیں ہوں تو بہن بنا کر لے جا سکتا ہوں۔

میں نے کہا "کوئی رشتہ ضروری نہیں ہے۔ مرد اور عورت کسی رشتے کے بغیر بھی ایک دوسرے کا احترام کر سکتے ہیں۔ جب تک رسونتی میرے ساتھ رہے گی، ایک امانت ہو گی۔ تمھارے پُراسرار باس کو معلوم ہو گا کہ مادام کمپوڈ مسلمان ہے اور رسونتی ایک مسلمان کی شریکِ حیات ہے وہ اس کی عزت پر آنچ نہیں آنے دے گی۔ فرہاد سے دشمنی اپنی جگہ ہے، یہ ضروری نہیں کہ جو جان کا دشمن ہو، وہ عزت کا بھی دشمن ہو۔ ہماری مادام ایسی نہیں ہیں۔ وہ رسونتی کی اس وقت تک حفاظت کریں گی جب تک فرہاد ہمارے دام میں نہیں آئے گا !"

روما نشک بے بی نے کہا "یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ اس امانت کے قریب رہتے ہوئے بھی تم کتنی دور رہ سکتے ہو !"

پھر وہ الوداعی انداز میں ہاتھ ہلا کر بولی "بے بی رسونتی ! میں جا رہی ہوں۔ تمھیں دولہا مبارک ہو !"

وہ چلی گئی۔ مجھے آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ میں رسونتی کے ساتھ کیسے وقت گزارتا ہوں، یہ معلوم کرنے کے لیے انھوں نے ضرور ایسے انتظامات کیے ہوں گے، جن کے ذریعے وہ اس کمرے میں ہونے والی گفتگو سنتے رہیں اور ہماری مصروفیات کو کہیں بیٹھے دیکھتے رہیں۔

رسونتی سر پر آنچل رکھ کر شرما رہی تھی، میں نے قریب آ کر پوچھا "کیا تم مجھے دولہا سمجھ کر شرما رہی ہو ؟"

وہ ہاں کے انداز میں سر ہلانے لگی۔ میں نے پوچھا۔ "تمھاری بے بی آنٹی نے تمھیں اور کیا سکھایا ہے ؟"

"آنٹی کہتی تھیں، تم میرے پاس آؤ گے، میرا ہاتھ پکڑو گے مگر میں پکڑنے نہیں دوں گی۔ میں پہلے تو انکار کر دوں گی۔ تمھیں ستاؤں گی پھر مان جاؤں گی !"

اس کے بعد میں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ وہ ذہنی طور پر بچی تھی۔ مگر سکھائی ہوئی پکی پکی باتیں کر رہی تھیں۔ اب سے پہلے ہماری ازدواجی زندگی میں اس نے کبھی ایسی بات نہیں کی۔ وہ بے حد شرمیلی تھی۔ یہ دشمنوں کی ستم ظریفی تھی کہ اسے بچی بنانے کے بعد بے شرم بنا رہے تھے۔

میں نے کہا "رسونتی ! ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تمھارا دولہا نہیں تمھارے دولہا کا دوست ہوں، تم جس کی بیوی ہو، وہ ہم سے بہت دور ہے، ہم دونوں مل کر اسے تلاش کریں گے۔ گھڑی دیکھو آدھی رات ہو چکی ہے، تم آرام سے بستر پہ سو جاؤ !"

"میں اکیلی بستر پر نہیں سوؤں گی۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔ آنٹی نے کہا تھا' رات کو میں تم سے الگ رہوں گی تو بڑے بڑے ناخنوں والا بڑے بڑے دانتوں والا شیطان آئے گا۔ اور میرا خون چوس لے گا۔"

"تمہاری آنٹی نے خواہ مخواہ ڈرایا ہے۔ میں فرش پر سوتا رہوں گا۔ کوئی شیطان نہیں آئے گا۔"

وہ کسی طرح میری بات ماننے کو تیار نہیں تھی۔ مجبوراً میں اسے بستر پر لے آیا، وہ ننھی بچی کی طرح پہلے تو اچھل کر بستر پر بیٹھ گئی پھر لیٹ کر بولی "آؤ میرے پاس اور مجھے جن پری کی کہانی سناؤ۔"

میں اس کے پاس آ کر چپکے سے ٹیلی پیتھی کی لوری سنانے لگا۔ کبھی میں کہانی کے دو چار فقرے سناتا تھا۔ کبھی خیال خوانی کے ذریعے تھپکنے لگتا تھا۔ وہ پندرہ منٹ کے اندر ہی سو گئی۔

میں نے بستر سے اٹھ کر کہا "مجھے آزمائش میں ڈالنے والو! میں ایک انسان ہوں، میں بہک سکتا ہوں مگر دیکھ لو' مادام کمپیوٹر نے خیال خوانی کے ذریعے رسونتی کو سُلا دیا ہے، اور اب مجھے سُلا رہی ہیں۔ شب بخیر۔۔۔"

میں دروازے کو اندر سے بند کر کے قالین پر لیٹ گیا۔ اب اپنے دماغ کو ہدایات دے کر نیند میں ڈوب جانا آسان تھا۔ ٹیلی پیتھی ہم میاں بیوی کو صبح تک ایک دوسرے سے بیگانہ رکھتی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ کو ہدایات دینا چاہی، اچانک ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

مجھے اٹھ کر بیٹھنا پڑا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو! مسٹر مے کاکس روم نمبر ٹو او تھری۔"

"مسٹر مے کاکس! ہم نیند میں مداخلت کی معافی چاہتے ہیں، مگر تم سے ملاقات ضروری ہے۔ مناسب سمجھو تو ہوٹل کے وزیٹنگ روم میں آجاؤ۔ یا ہمیں کمرے میں بلا لو۔"

میں نے رسونتی کی جانب دیکھا۔ وہ معصوم خوابوں کی دنیا میں گم تھی۔ میں نے کہا "انتظار کرو، میں آرہا ہوں۔"

میں ریسیور رکھ کر اٹھ گیا۔ دبے قدموں کمرے سے نکل کر دروازے کو باہر سے لاک کیا۔ چابی جیب میں رکھی پھر لفٹ کے ذریعے نیچے وزیٹنگ روم میں پہنچ گیا۔ وہاں دو، باڈی بلڈر قسم کے آدمی اور دو نہایت سنجیدہ ادھیڑ عمر کے آدمی نظر آئے۔ سب نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "آپ لوگ بھی یقیناً میرے میزبان ہوں گے۔"

ایک ادھیڑ عمر کے شخص نے کہا "ہاں ہم میزبان بھی ہیں اور مہربان بھی۔ تمہاری مادام نے ریلی کے ٹرانسمیٹر کے ذریعے باس سے کچھ لینے اور کچھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ہمارے باس کو لین دین کی شرائط منظور ہیں مگر ہماری بھی کچھ شرائط ہیں۔"

میں نے کہا "مادام پندرہ منٹ کے بعد میرے دماغ میں آئیں گی۔ تم لوگوں کو انتظار کرنا ہوگا۔"

پندرہ منٹ گزارنے کے لیے ہاٹ کافی منگوائی گئی۔ وہ میرے متعلق سوالات کرتے رہے، میں جواب دیتا رہا۔ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد میں نے کہا "ہمارے درمیان مادام موجود ہیں۔ تم سب باری باری اپنا تعارف کرا سکتے ہو۔"

وہ مجھے دیکھتے ہوئے اپنا اپنا تعارف کرانے لگے پھر ایک ادھیڑ عمر والے نے کہا "مادام! باس کو آپ کی شرائط منظور ہیں۔ ہماری شرط یہ ہے کہ مے کاکس، رسونتی کو امریکا سے باہر نہ لے جائے۔ شمالی امریکا الاسکا سے لے کر جنوبی امریکا ارجنٹینا تک مے کاکس جہاں بھی جائے گا، اس کے راستے میں رکاوٹ پیدا نہیں کی جائے گی۔ بلکہ رکاوٹ پیدا کرنے والوں کو ہمیشہ کے لیے روک دیا جائے گا۔ ہاں اگر مے کاکس نے چالاکی دکھائی اور مقررہ حدود کو پار کرنے کی حماقت کی تو۔۔۔"

میں نے بات کاٹ کر کہا "چیلنج نہ کرو۔ شرائط پیش کرو، مادام کو تمہاری شرط منظور ہے۔"

"تو پھر بتاؤ، تم رسونتی کو کہاں لے جانا چاہتے ہو؟"

"جب حد مقرر کر دی گئی ہے تو میں امریکا میں کہیں بھی جا سکتا ہوں اور جہاں بھی جاؤں گا، وہاں ہمارا مستقل قیام نہیں ہوگا۔ جب تک فرہاد نظروں میں نہیں آئے گا، میں رسونتی کے ساتھ شمال سے جنوب تک سفر کرتا رہوں گا۔"

"ہماری دوسری شرط یہ ہے کہ مادام کمپیوٹر جب تک فرہاد کو ہمارے حوالے نہیں کریں گی یا اس کی نشاندہی نہیں کریں گی تب تک وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے سونیا اور اعلیٰ بی بی تک پہنچنے کی کوشش نہیں کریں گی۔ فرہاد کو ٹریپ کرتے ہی ہم سونیا کو مادام کے حوالے کر دیں گے۔"

میں نے کہا "یہ شرط معقول نہیں ہے۔ دانشمندی یہ ہے کہ مادام کو خیال خوانی کے ذریعے سونیا اور اعلیٰ بی بی تک پہنچنے کا موقع دیا جائے۔ اس طرح یہ معلوم ہوتا رہے گا کہ فرہاد ان کے دماغوں میں چپ چاپ آتا ہے یا نہیں؟"

دوسرے ادھیڑ عمر کے شخص نے کہا "اس کی فکر نہ کرو۔ فرہاد کبھی سونیا اور اعلیٰ بی بی تک نہیں پہنچ سکے گا۔ برین واشنگ کے ذریعے دونوں کی آواز اور لب و لہجہ بدل دیا گیا ہے۔"

میں نے جواب میں خاموشی اختیار کی۔ سوچنے لگا اب تک میں نے جب بھی خیال خوانی کی، سونیا اور اعلیٰ بی بی کو کوما میں پایا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوما میں ہی رہتی ہوں گی۔ ان کے دماغ اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان میں توانائی بحال نہیں کرا سکتا تھا۔

میرے دل نے کہا۔ مجھے پھر ایک بار ان کے دماغوں میں جھانکنا چاہیے۔ اگر ان کی آواز اور لہجہ بدل گیا ہے تب بھی یہ ایک تجربہ ہوگا کہ ان کے پہلے لب و لہجے کے سہارے برین واش کیے ہوئے دماغ میں پہنچ سکتا ہوں یا نہیں؟

ابھی موقع نہیں تھا۔ میں اپنے میزبانوں کے روبرو بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ ایک میزبان نے پوچھا "مے کاکس! تم بڑی دیر سے خاموش ہو۔"

"ہاں، میں سوچ کے ذریعے مادام سے باتیں کر رہا ہوں' یہ کہہ رہی ہیں، مجھے زیادہ دنوں تک اس شہر میں قیام نہیں کرنا چاہیے۔"

بوڑھے میزبان نے کہا "تم جب چاہو، رسونتی کے ساتھ جا سکتے ہو۔"

میں نے کہا "میں تھک گیا ہوں، اچھی طرح نیند پوری کرنے اور تھکن اتارنے کے بعد یہاں سے طیارے میں سفر کروں گا۔"

"مے کاکس! اسے وارننگ سمجھو یا مشورہ! اگر کبھی تم نے دھوکا دینے کی کوشش کی تو آئندہ ہمارا جو بھی آدمی تم سے ٹکرائے گا، وہ یوگا کا ماہر ہوگا۔ تاکہ تم مادام کی ٹیلی پیتھی کا سہارا نہ لے سکو۔"

ایک اور میزبان نے کہا "ہمارے باس کا ایک بہت ہی خطرناک آلۂ کار ہے۔ اتنا خطرناک کہ اسے سب 'دی کلر' کہتے ہیں۔ اس کا دماغ بہت حسّاس ہے۔ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتا ہے، پھر اس سوچ کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر خیال خوانی کرنے والے تک پہنچ جاتا ہے۔ کبھی فرہاد اور مادام کمپیوٹر نے اس کے دماغ میں پہنچنے کی حماقت کی تو وہ ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود بچ نہیں سکیں گے۔ دی کلر اچانک ہی ان کی شہ رگ تک پہنچ جائے گا۔"

"یہ بات ناقابلِ فہم ہے، صرف ٹیلی پیتھی جاننے والے سوچ کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر سوچنے والے تک پہنچتے ہیں۔ کیا دی کلر ٹیلی پیتھی جانتا ہے؟"

"نہیں، وہ کیا جانتا ہے، یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔"

میں نے کہنے والے کو گھور کر دیکھا۔ وہ باڈی بلڈر تھا۔ میرے گھورنے پر چیلنج سمجھ کر مسکرانے لگا۔ میں ان سب سے رخصت ہو کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی باڈی بلڈر کے خیالات پڑھتا گیا۔ معلوم ہوا کہ صرف میں ہی رسونتی، سونیا اور اعلیٰ بی بی کی تلاش میں نہیں ہوں۔ خطرناک تنظیمیں بھی اپنے جال پھیلا رہی ہیں۔ اس باڈی بلڈر کا تعلق ماسٹر کی سے تھا۔ چونکہ پُراسرار شخص کے آدمی اُسے پہچانتے تھے، اسی لیے وہ میک اَپ میں تھا۔ کبھی بھید نہ کھل جائے اس لیے چہرے کی پلاسٹک سرجری کرالی تھی۔ اور ماسٹر کی تک یہ خفیہ پیغام پہنچا چکا تھا کہ مادام کمپیوٹر کا ایک آدمی مے کاکس، رسونتی کو یہاں سے لے جانے والا ہے۔

میں نے کمرے میں آ کر دیکھا۔ رسونتی محوِ خواب تھی۔ اسے دیکھتے ہی دل ادھر کھنچنے لگا۔ قریب پہنچ کر احساس ہوا کہ واقعی کھنچا چلا آیا ہوں۔ میں فوراً ہی دور ہو گیا۔

میں صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ حالات کا تقاضہ تھا کہ مجھے سونا نہیں چاہیے۔ ابھی بہت سے کام پڑے تھے۔ اب میں خیال خوانی کے ذریعے ہی دل کو بہلا سکتا تھا۔ میں نے سب سے پہلے شیخ الفارس سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے شکایت کی "فرہاد! اپنی اس بُری عادت سے باز آجاؤ۔ کہیں جاتے ہو تو ہمیں بالکل ہی بھول جاتے ہو۔ کم از کم اپنی خیریت سے تو آگاہ کیا کرو۔"

"محترم! میں نگر نگر بھٹکتا ہوں، قدم قدم پریشانیاں ہوتی ہیں۔ میں آپ لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ مگر ہاں' ضرورت کے وقت ضرور یاد کرتا ہوں۔ پہلے آپ میرے حالات سُن لیں۔"

میں اپنے موجودہ حالات بتانے لگا۔ انھوں نے سب کچھ سننے کے بعد کہا "رسونتی مل گئی ہے' اب فکر نہ کرو۔ امریکا کے شمال سے جنوب تک سفر کرو۔ وہاں ہمارے آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ میں اپنے طلباً و طالبات کو روانہ کر دوں گا جو اپنی ذہانت اور صلاحیتوں سے رسونتی کو وہاں سے نکال لائیں گے اور اس پُراسرار شخص کے گروہ میں اپنے لیے جگہ بناتے جائیں گے۔"

"محترم! رسونتی کو یہاں سے اس وقت تک لے جانا مناسب نہیں ہے جب تک سونیا اور اعلیٰ بی بی کو ہم نہ پالیں۔ دشمنوں کا بیان ہے کہ برین واشنگ کے ذریعے ان کے لہجے

اور آدازوں کو بدل دیا گیا ہے۔ پتا نہیں یہ کہاں تک درست ہے، میں ابھی ان سے دماغی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ یہ نوٹ کرلیں کہ میں یہاں سے کولمبیا اور پھر کولمبیا سے اینڈیس تک پرواز کر دں گا۔ وہاں ہمارے آدمیوں پر دشمنوں کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"ایسا ہی ہوگا، اینڈیس سے دریائے امازن کا بہاؤ شروع ہوتا ہے، وہاں سے سمندر تک ہمارے آدمی موجود رہیں گے اور کوئی ان پر شبہ نہیں کر سکے گا۔"

میں نے اُن سے رخصت ہو کر شیبا کے دماغ پر دستک دی، وہ چونک کر اُٹھ بیٹھی۔ میں نے کہا "شیبا! میں فرہاد ہوں، میں نے وعدہ کیا تھا جب تک خیال خوانی کے ذریعے تم مخاطب نہیں کرو گی اور اپنے دماغ میں آنے کی اجازت نہیں دو گی، میں نہیں آؤں گا مگر آج ضرورت سے مجبور ہو کر آگیا ہوں۔"

"فرہاد! تم میری ضرورت کے وقت کام آتے رہے۔ آج مجھے ایک خوشی اس بات کی ہے کہ میں بھی تمھارے کام آسکتی ہوں۔ دوسری خوشی اس بات کی ہے کہ تم زبان کے سچے اور وعدے کے پکے ہو۔ تم میری اجازت کے بغیر میرے دماغ میں نہیں آئے۔ مگر میرے دل میں اندیشہ رہا۔ میں دن رات سوچتی رہی، شاید تم چُپ چاپ میرے خیالات پڑھ رہے ہو۔ اور میری ایسی تنہائیوں میں موجود رہتے ہو، جہاں میں اپنا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"میں تمھارے شک وشبے کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔ سنا ہے اس کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔"

وہ بولی "جناب فسیح الفارس نے کئی بار کہا کہ میں خیال خوانی کے ذریعے تمھاری خیریت معلوم کروں۔ میں نے پہلے تو معذرت چاہی پھر جھوٹ کہہ دیا کہ میں نے خیال خوانی کی تھی، تم خیریت سے ہو۔"

"تمھارے پاس آنے کے لیے مجھ پر پابندی ہے۔ میں نے تو تمھیں پابند نہیں کیا ہے، تم بھولے سے ایک بار تو رابطہ قائم کر سکتی تھیں۔"

اس نے سر کو جھکا لیا۔ اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے بولی "میں نے کئی بار سوچا، اخلاقاً ہی تمھاری خیریت معلوم کرلوں، مم... مگر... جانے کیوں اب بھی تم سے ڈر لگتا ہے۔"

میں ہنسنے لگا۔ اس نے پوچھا "ہنستے کیوں ہو؟"

"تم اس سے ڈرتی ہو جو اپنی بیوی کا ہاتھ بھی نہیں پکڑ سکتا۔ اس وقت رسونتی میرے سامنے بستر پر سو رہی ہے۔ مگر یہ فرہاد کی امانت ہے اور میں ابھی فرہاد نہیں ہوں۔ مانا کہ میرا پچھلا ریکارڈ خراب ہے مگر آدمی ہمیشہ بُرا نہیں رہتا، حالات اُسے راہِ راست پر لے آتے ہیں۔ بہرحال میں اپنی صفائی پیش کر کے تمھاری نظروں میں فرشتہ بننا نہیں چاہتا، تم مجھ سے ڈرتی ہو، اس لیے جا رہا ہوں۔ آئندہ تمھارے خوف کا سبب نہیں بنوں گا۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہوا۔ اسی وقت پرائی سوچ محسوس ہوئی، میرے سانس روکنے سے پہلے ہی شیبا نے کہا "ناراض ہو گئے؟ لو میں خود ہی آگئی۔ بتاؤ میری کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟"

میں نے اُسے مختصر حالات بتائے، اس نے کہا۔ "اچھا سمجھ گئی۔ اب مجھے سچ مچ مادام کمپیوٹر کا رول ادا کرنا ہوگا۔"

"ہاں مگر محتاط انداز میں، یوں جیسے تم خیال خوانی کرتے ہوئے ڈرتی ہو کہ فرہاد تمھارے دماغ تک نہ پہنچ جائے۔ بے چارے دشمنوں کو کیا معلوم کہ تم سچ مچ ڈرتی ہو۔"

"مجھے طعنے نہ دو، میں اب نہیں ڈروں گی۔ تم سے رابطہ قائم کرتی رہوں گی۔"

"تمھاری ماما کیسی ہیں؟"

"میرے پاس خیریت سے ہیں۔ فرہاد تمھاری مہربانیوں سے ہم ماں بیٹی ایک ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔"

"ربی اسفندیار کا کیا حال ہے؟"

"ان سے بھی رابطہ قائم کرتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے، کہیں میں پھر ان کی باتوں میں آکر کوئی حماقت کر بیٹھی تو تمھارے سامنے شرمندگی ہوگی۔ میں اس سلسلے میں کچھ مشورے چاہتی ہوں۔"

"ہم اس مسئلے پر بعد میں گفتگو کریں گے، کچھ عرصہ تک ربی اسفندیار سے رابطہ قائم نہ کرنا تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ مجھ پر بھروسہ کرو، میں تمھیں گمراہ ہونے نہیں دوں گا۔"

"جانے کیا بات ہے، میں تم سے جتنا ڈرتی ہوں، اتنا ہی تم پر اعتماد بھی کرتی ہوں۔ تم نے بابا صاحب کے ادارے میں مجھے پہنچا کر ایک نئی دنیا میں پہنچا دیا ہے۔ یہاں سلیقے اور ہنرمندی سے جینے کے ڈھنگ سکھائے جاتے ہیں اور میں بہت کچھ سیکھ رہی ہوں۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔ اب میں چند خاص افراد کے دماغوں میں جا رہا ہوں۔ تم ساتھ رہو اور ان کے لب ولہجے کو یاد رکھتی جاؤ۔"

میں خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا رومانٹک بے بی کے پاس پہنچ گیا۔ خیال تھا کہ اس کے ذریعے دی کِلر کے متعلق جو ادھوری معلومات حاصل ہوئی ہیں، انھیں مکمل کرلوں مگر خلافِ توقع رومانٹک بے بی کے بیڈ روم میں دی کلر موجود تھا۔

مجھے اس کی توقع کرنا چاہیے تھی۔ میں نے مادام کمپیوٹر کا ڈراما شروع کر کے پُراسرار شخص کو چوکنا کر دیا تھا۔ ایسے میں وہ دی کلر کو میرے پیچھے کیسے نہ لگاتا۔ دشمنوں کے بیان کے مطابق دی کلر ہی ایک ایسا تھا کہ خیال خوانی کرنے والوں کا سراغ لگا سکتا تھا۔

میں سوچنے لگا۔ شیبا نے پوچھا "خیال خوانی کرتے کرتے خود کیا سوچنے لگے؟"

میں نے کہا "یہ دشمن نت نئی چالیں چلتے ہیں، دی کلر کے متعلق دعویٰ ہے کہ یہ ہم خیال خوانی کرنے والوں تک پہنچ جائے گا۔"

"کیا واقعی؟"

"یہی تو آزمانا چاہتا ہوں۔ آؤ ذرا باڈی بلڈر کے پاس چلیں۔"

میں شیبا کو اُس باڈی بلڈر کے پاس لے گیا جس کا تعلق ماسٹر کی سے تھا۔ جب شیبا نے اس کے لب ولہجے کو اچھی طرح یاد کر لیا تو میں نے کہا "تم باڈی بلڈر کے لب ولہجے میں دی کلر کو چھیڑو گی۔ اگر وہ سچ مچ خیال خوانی کرنے والوں تک پہنچ جاتا ہے تو تمھارے پاس پہنچنے کے لیے اسے ہزاروں میل کا سفر کرنا پڑے گا۔ اگر میں اسے چھیڑوں گا تو ایک شہر میں وہ پلک جھپکتے ہی مجھ تک پہنچ جائے گا۔"

"میں سمجھ گئی۔"

میں نے اسے اور سمجھایا کہ کس طرح ڈراما پلے کرنا چاہیے، اس کے بعد ہم رومانٹک بے بی کے پاس آگئے۔ دی کلر سے اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ہنس بول رہے تھے۔ دی کلر کا ہنسنا بھی غرانے کے برابر تھا۔ وہ اپنی عادت کے مطابق پہلے بھونکتا تھا پھر آدمی کی طرح بولتا تھا۔

شیبا میری ہدایت کے مطابق اس کے دماغ میں پہنچ گئی، وہ بولتے بولتے یکبارگی چپ ہو گیا۔ پھر کچھ محسوس کرتے ہوئے غرانے لگا۔ شیبا نے باڈی بلڈر کے لہجے میں کہا "ہیلو دی کلر! تم تو واقعی کتے کی طرح حساس نکلے۔ میرے آتے ہی غرانے لگے۔"

"بھوں بھوں، کون ہو تم؟"

"میرے کئی نام ہیں۔ کئی روپ ہیں۔ میرا پیدائشی نام فرہاد ہے۔ آج سے چار ماہ پہلے میں وکٹر کے نام سے پُراسرار باس کا خادم تھا۔ مگر اُس پُراسرار شخص تک پہنچنے میں ناکام رہا۔ پھر ماسٹر کی سے میرا سودا ہو گیا۔ اب ہم دونوں مل کر پُراسرار شخص کے اطراف جال پھیلا رہے ہیں۔ میں نے چہرے پر پلاسٹک سرجری کرائی ہے تاکہ وکٹر کی حیثیت سے پہچانا نہ جاؤں۔ اگر تم بھی مجھ سے اور ماسٹر کی سے مل جاؤ تو ہم سب مل کر اس پُراسرار شخص کو بے نقاب کر کے تگنی کا ناچ نچائیں گے۔"

"اچھا تو تم فرہاد ہو۔ پھر وکٹر بنے، اب جارج باڈی بلڈر بن کر ہمارے گروہ میں اعتماد حاصل کر چکے ہو۔ بائی دی وے، تمھیں مادام کمپیوٹر کی کچھ خبر ہے؟"

"نہیں وہ کچھ عرصے سے لاپتا ہے۔"

"میں پتا بتاتا ہوں۔ مادام ہمارے باس سے مل کر رسونتی کو ہار رہے سے لے جا رہی ہے۔ مقصد تمھیں ڈھونڈ نکالنا تھا مگر تم نے مجھے مخاطب کر کے خود ہی موت کو دعوت دی ہے۔ اب تم جتنی تیزی سے بھاگ سکتے ہو بھاگو، میں آرہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ رومانٹک بے بی نے ہاتھ بڑھا کر راستہ روکتے ہوئے پوچھا "کیا ہو گیا؟ کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے بوڑھی بے بی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ وہ کھنچتی ہوئی دیوار سے ٹکرائی، وہاں سے واپس آکر فرش پر گری پھر تکلیف کی شدت سے کراہنے لگی۔ وہ باہر آگیا تھا، کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ یہ حیرانی کی بات تھی کہ تیس برس تک دماغی طور پر ناقص رہنے والا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ رومانٹک بے بی نے کمرے کے اندر سے چیخ کر پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟"

"بھوں بھوں۔ ہوٹل ہنی مون...."

یہ سنتے ہی میں اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ شیبا

نے گھبرا کر پوچھا: "کیا بات ہے؟"

"وہ ہوٹل ہنی مون کی طرف آ رہا ہے۔"

"تم پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

"تم سمجھتیں کیوں نہیں؟ میں اس وقت ہنی مون میں ہوں۔ وہ خونخوار کتا میری طرف آ رہا ہے۔"

"اوہ گاڈ۔" وہ بھی پریشان ہو کر اٹھ گئی۔ کہنے لگی: "فرہاد! وہاں سے بھاگو۔"

"میں رسونتی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ انھوں نے مجھے ڈھونڈ نکالنے کے لیے اسے زندہ رکھا تھا۔ اب اسے مار ڈالیں گے۔"

"اوہ تو پھر کچھ کرو۔"

"آؤ ہم دونوں اپنی اپنی ٹیلی پیتھی کے ہتھیار آزمائیں گے۔"

ہم اس کے دماغ میں پہنچ گئے۔ وہ آندھی طوفان کی رفتار سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہمارے آتے ہی غرانے لگا۔ میں نے اس کے دماغ کو جھٹکا پہنچایا۔ اس نے ایک چیخ ماری۔ اسٹیئرنگ ذرا سا بہک گیا۔ مگر وہ فوراً سنبھل کر ڈرائیو کرنے لگا۔ اس کا دماغ غیر معمولی توانائی کا حامل تھا۔ ورنہ ہم جس کے دماغ کو جھٹکا پہنچاتے ہیں، وہ دیر تک سنبھل نہیں پاتا۔ شدید ذہنی عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔

دوسری بار ہم دونوں نے مل کر دماغی جھٹکے پہنچائے۔ وہ درندے کی طرح غراتے ہوئے سنبھلنے کی کوشش کرنے لگا مگر میں نے جھٹکا پہنچاتے ہی اس کے ہاتھ سے اسٹیئرنگ چھڑا دیا۔ کار سنسان سڑک پر اِدھر سے اُدھر لہرانے لگی۔ وہ بڑی شاہراہ تھی، ورنہ کار کسی کنارے والی دکان میں گھس جاتی۔

اس نے پھر اسٹیئرنگ کو تھام لیا۔ گالیاں دیتے ہوئے کہنے لگا: "فرہاد! مجھے نقصان پہنچانے کے تمام ہتھکنڈے آزما لو۔ یہ تمھاری زندگی کی آخری جدوجہد ہے۔ میں تمھاری شہ رگ تک پہنچ کر رہوں گا۔"

اسے تیسری بار جھٹکے پہنچانے کا موقع نہیں ملا۔ وہ ہنی مون کے احاطے میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ اتنے غصے میں بلکہ جنون میں تھا کہ اسی تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتا ہوا، ہوٹل کے بیرونی دروازے کو توڑتا ہوا کار سمیت اندر آ گیا۔ دروازے کے شیشے چور چور ہو کر دور تک اُڑ رہے تھے۔ رات کو ڈیوٹی دینے والے ملازمین بدحواسی میں اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے تھے۔ میزیں اور کرسیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی تھیں۔ کار کو وہاں رکنا ہی تھا۔ رکتے ہی وہ دروازے کو ایک جھٹکے سے کھول کر باہر آیا: "بھوں۔ بھوں بھوں... غررر... غررر۔" وہ غراتا ہوا، دوڑتا ہوا زینے پر آیا۔ اُسے لفٹ کے ذریعے آنے کا ہوش نہیں تھا۔ وہ اچھلتا ہوا دو دو تین تین زینے طے کر رہا تھا۔ موت اچانک ہی آتی ہے، چپ چاپ آتی ہے، میری طرف آنے والی موت دھوم دھڑاکے سے آ رہی تھی۔ اب میں اپنی تعریف کیا کروں، میں نے ہی اپنی حماقت سے موت کو چھیڑا تھا۔

یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کس قدر شہ زور ہے۔ اسے دماغی جھٹکے پہنچ رہے تھے۔ مگر وہ چند لمحوں میں سنبھل جاتا تھا۔ ٹیلی پیتھی برائے نام اس کا راستہ روک سکتی تھی۔ جسمانی طور پر وہ پہاڑ تھا۔ ہوٹل کا دروازہ توڑ کر آنے [illegible] لی کار کو نقصان پہنچا تھا مگر وہ محفوظ تھا۔

میں بالکل تیار تھا۔ آج زندگی اور موت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اسی لمحے زلزلہ سا محسوس ہوا۔ میں ٹیلی پیتھی کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ چوتھی منزل پر آ گیا تھا۔ اب میرے کمرے کی طرف دوڑتا آ رہا تھا۔ اور اس کے قدموں کی دھمک سے فرش لرز رہا تھا۔

پھر وہ پہنچ گیا۔ اس کی آمد تھی یا دھماکا؟ یکبارگی دروازہ زخمی ہوا۔ ایک فولادی گھونسا اُسے توڑتا ہوا اندر آیا۔ دروازے کے شگاف سے پہلے گھونسا آیا پھر پورا ہاتھ آیا۔ وہ انسانی ہاتھ تھا۔ مگر غیر معمولی لانبا سا ہاتھ تھا۔

بے شک وہ ہاتھ انسانی تھا۔

مگر وہ انسان، خونخوار کتا تھا: "بھوں۔ بھوں۔ بھوں..."

پھر کمرے کا دروازہ پوری طرح ٹوٹ گیا۔ اس ٹوٹے ہوئے دروازے پر ایک انسان نما پہاڑ کھڑا تھا۔

اس دلچسپ داستان کے باقی واقعات
پندرھویں حصے میں ملاحظہ کیجیے